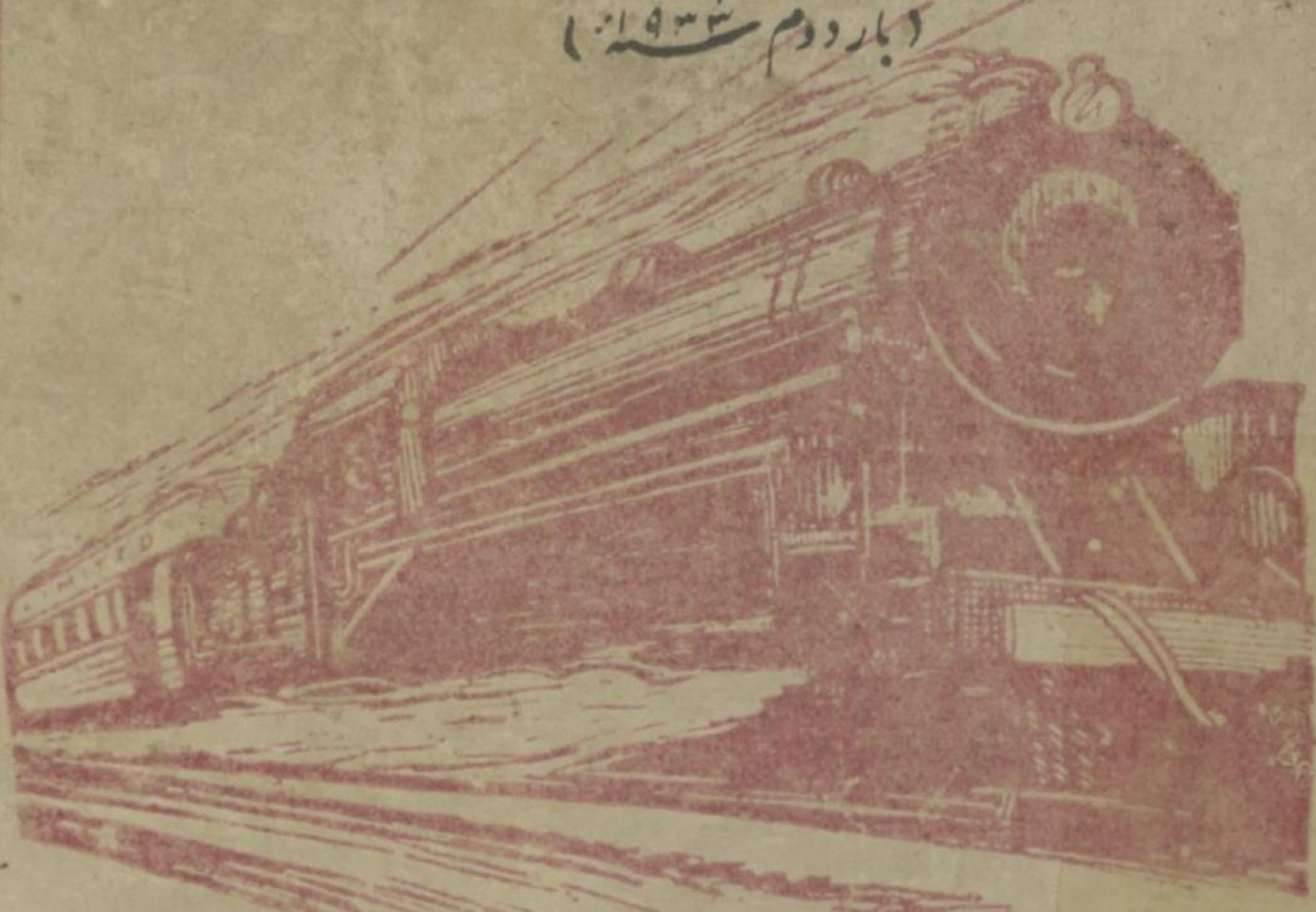


سفر نامۂ یورپ

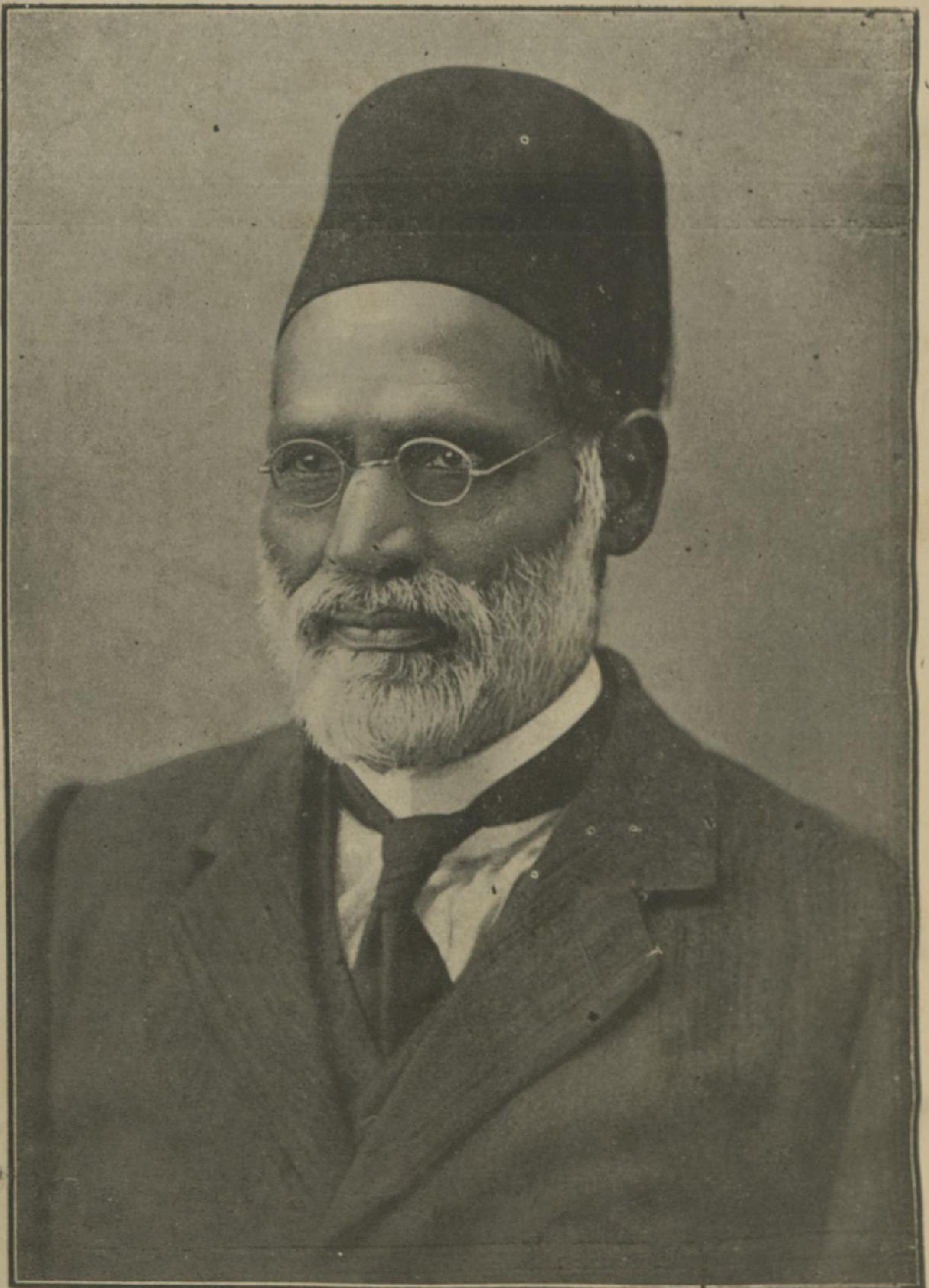
بلاد روم، شام و مصر

نوشتہ منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

(بار دوم سنہ ۱۹۳۳ء)



Only Title Printed at The Decent Press, Anarkali, Lahore.



Haji Molvi Mahbub Alam Editor The Paisa Akhbar Lahore.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

۱۹۰۸ء میں جب پہلا ایڈیشن اس سفرنامہ کا شایع ہوا، تو پبلک اور خصوصاً اہل نظر حضرات نے اسے نہایت قدر دانی کی نظر سے دیکھا اور میرے پاس بکثرت خطوط اس کی تعریف میں پہنچے۔ نواب محسن الملک مرحوم نے فرمایا کہ سر سید احمد خان کے سفر نامۂ انگلستان کے بعد مجھے اس سفرنامہ کے مطالعہ سے ایسا لطف حاصل ہوا ہے کئی رہنمایان قوم و برگزیدہ اصحاب نے جو اس وقت ملک میں ماہتاب و آفتاب کی طرح روشن ہیں، زبانی اور تحریری اظہار قدر دانی کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک فاضل ہندو پروفیسر صاحب نے فرمایا۔ کہ ادنیٰ تعریف اس کی دلچسپی کی یہ ہے۔ کہ میں نے اسے از سرتاپا متواتر دو مرتبہ پڑھا ہے۔ ایک صاحب نے شکایتاً لکھا ہے۔ کہ اس سفرنامہ کے مطالعہ سے میرا چھوٹا بھائی اس قدر متاثر ہوا کہ گھر سے بلا خبر بھاگ کر جہاز پر سوار ہو کر ولائیت چلا گیا۔ سررشتہ تعلیم پنجاب نے اس کی قدر دانی میں پانسو روپیہ انعام دیا۔ غرضکہ چاروں طرف سے مانگ آئی اور ۱۹۱۳ء کی کارخانہ پیسہ اخبار کی آتشزدگی کے وقت اس کی صرف سو پچاس کاپیاں جو بچی ہوئی ہونگی دیگر کتب خانہ کے ساتھ جل گئیں۔ اسوقت سے ابتک اس سفرنامہ کی مانگ برابر جاری ہے۔ اور ابتک کارخانہ میں شوق سے درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ اس دوران میں لوگوں کے شوق کی یہ حالت ہوئی۔ کہ پیسہ اخبار میں اشتہار دیکر مستعمل جلدیں سفرنامہ کی کارخانہ

نے خرید کر بہت زیادہ قیمتوں کو مصر شائقین کے ہاتھ فروخت کیں۔ مگر اس کے دوبارہ چھاپنے کی نوبت اب سے پہلے نہ آسکی ؎

اس دوسرے ایڈیشن کو ایسے حالات میں پریس میں دیا جاتا ہے۔ کہ مجھے اس میں کوئی ترمیم کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ البتہ میرے معزز اور مکرم دوست مولوی بشیر الدین احمدؒ صاحب سابق اول تعلقہ دار قلمرو حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ خلف الرشید جناب شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی جو خود بھی بڑے پایہ کے مصنف ہیں۔ آپ نے ایک روز تذکرہ فرمایا۔ کہ بلحاظ مضامین جیسا سفرنامہ دلچسپ ہے دہلی کے محاورہ کے لحاظ سے اسکی زبان ویسی نہیں ہے چنانچہ آپ نے مہربانی فرما کر زبان کے لحاظ سے جابجا اصلاح فرمائی ہے۔ کہ جس کے لئے نیاز مند مصنف انکا تہ دل سے مشکور ہے ؎

ہر چند کہ سترہ سال کے بعد یہ دوسرا ایڈیشن چھپتا ہے۔ اس بات کی ضرورت تھی۔ کہ مرورِ زمانہ اور جنگ عظیم کے بعد جو تغیرات جابجا ہوئے ہیں۔ ان کی کہیں کہیں ترمیم کردی جاتی۔ مگر افسوس ہے۔ کہ میں ایسا نہیں کرسکا۔ تاہم میرا دوسرا سفرنامہ جو دلچسپی میں اس سے کم نہیں ہوگا۔ اور وہ بھی جنگ سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں مناسب تغیرات کردئے جائینگے۔ اور اس کمی کی ایک حد تک تلافی ہوجائے گی۔ ان الفاظ کے ساتھ میں اسے قدردان اور مہربان پبلک کے ہاتھ میں دوبارہ سپرد کرتا ہوں ؎ ۲۰ جون ۱۹۲۵ء

سپردم بتو مایۂ خویش را ✦ تو دانی حساب کم وبیش را

بندہ محبوب عالم

ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

جب میں نے ۱۹۰۰ء میں پیرس کی عالمگیر نمائش گاہ اور انگلستان و دیگر ممالک یوروپ کیسا تھہی قسطنطنیہ شام اور مصر کی سیاحت کی تو میں نے اپنے سفر کے حالات بذریعہ خطوط پیسہ اخبار میں چھپوا دئے، کہ جسے تمام ملک نے ہنایت پسند کیا۔ یوروپ سے لوٹنے پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم نے مجھے بمقام رامپور فرمایا۔ کہ سر سیّد احمد خان مرحوم کے سفر یوروپ کے حالات کے بعد کبھی اسقدر دلچسپی سے مینے یوروپ و بلاد اسلامیہ کی کیفیت ہنیں پڑھی تھی۔ اسی طرح سینکڑوں دیگر احباب نے ان حالات کو پسند کر کے تقاضا شروع کیا۔ کہ انہیں بصورت کتاب چھاپ دیا جائے اور میں نے وعدہ کرلیا کہ اپنا سفرنامہ بہت جلد کتاب کی صورت میں شایع کر دونگا؛

لیکن اُن خطوط کو جو پیسہ اخبار میں مختلف مقامات سے سفر کی صعوبتوں اور پریشانیوں کے درمیان لکھے گئے تھے، جب بصورت کتاب چھاپنے کیلئے میں نے پڑھا تو ان میں مجھے بہت سے نقص معلوم ہوئے۔ دوسری طرف میں نے دیکھا۔ کہ اپنی ڈائری میں مینے بہت سے ایسے حالات اور مشاہدات فراہم کر کے قلمبند کئے ہیں کہ جن کا اُن چٹھیوں میں ذکر بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس واسطے میں نے مناسب سمجھا کہ از سر نو کل حالات سفر کو سلسلہ وار لکھوں۔

لیکن افسوس ہے۔ کہ روزانہ پیسہ اخبار کی ایڈیٹری اور دوسری بہت سی مصروفیتوں نے مجھے سفرنامہ کو جلدی مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔ شائقین کے متواتر تقاضوں پر میں

نے بار بار اسے لکھنے کی کوشش کی۔ کچھ حالات سنہ ۱۹۰۲ء میں لکھے تو باقی کچھ حالات سنہ ۱۹۰۶ء
میں لکھے گئے۔ اور آخر سنہ ۱۹۰۷ء کے اخیر میں تحریر کا کام ختم ہوا لیکن چھپائی سنہ ۱۹۰۸ء کے
ستمبر سے پہلے ختم نہ ہو سکی۔ اور اس طرح اسقدر عرصہ میں جو حالات سفر لکھے گئے ہیں۔ اُن
میں ممکن ہے کئی نقص پیدا ہو گئے ہوں۔ تاہم میں نے اُن اوراق کے مفید اور دلچسپ
بنانے میں جو کوشش کی ہے یقین ہے رایگان نہیں جائے گی۔

ٹرکی کے حالات جو میں نے زیادہ تفصیل اور تحقیقات سے قلمبند کئے ہیں۔ انہیں
اس عرصہ میں ایک نہایت غیر معمولی انقلاب واقع ہوا ہے۔ یعنے کہ آخر جولائی سنہ ۱۹۰۸ء
میں سلطان المعظم نے اپنی رعایا کو آئینی حکومت عطا کر دی ہے۔ اس طرح سے جو بہت سی
شکایات ینگ ٹرکش پارٹی اور اخبارات وغیرہ کو تھیں۔ ان سب کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اور
قسطنطنیہ کے اکثر حالات یک قلم بدل گئے ہیں۔ تاہم جو حالات میں نے آئین حاصل ہونے
سے پہلے سے قلمبند کئے ہیں۔ وہ ایک نہایت معتبر تاریخ کا کام دیں گے۔ اس کے
علاوہ ان اوراق میں ترکوں کی طرز معاشرت اُنکے اخلاق و آداب علوم و فنون اور رسم
و رواج کے متعلق اس قدر حالات درج کئے گئے ہیں کہ کسی اور کتاب میں آجتک موجود نہیں
ایک دوسرا نقص بعض مقامات میں یہ نظر آئیگا۔ کہ کسی جگہ اعداد و شمار سنہ ۱۹ء کے
اور کہیں سنہ ۱۹۰۶ء یا سنہ ۱۹۰۷ء کے درج کئے گئے ہیں۔ کیونکہ دیر تو ہو گئی تھی۔ میں نے کوشش
کی کہ جہانتک ہو سکے اعداد اور حالات کی صحت اخیر وقت تک ہو جائے۔

مگر بعض اصحاب کی نظر میں شاید اس سفرنامہ کا سب سے بڑا نقص اسکی طوالت ہو گی۔ میں
نے عمداً بعض حصوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مثلاً نمایش پیرس کی کیفیت۔ لیکن ایسی
نمائش کہ جس میں تمام یورپ اور امریکہ کی قابلیت اور صنعت و حرفت کا جوہر کشید
کیا گیا ہو اسکو مفصل بیان کرنیکی ترغیب کو میں روک نہیں سکا۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

میرے سفرنامہ کیطرح اس نمائش پیرس میں بھی اگر کوئی نقص تھا۔ تو وہ اسکی طوالت

(عظمت ہی تھی۔ چنانچہ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کے اخبار گریفک نے اس نمائش پیرس کی تعریف میں یہ فقرہ بھی لکھا تھا۔

"یہ نمائش‌گاہ درحقیقت نہایت عظیم الشان ہوگی۔ ایسی عظیم الشان کہ اسکے حجم اور شان و شوکت میں کسی سابقہ نمایش کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہوسکتی اسکا نقص اگر نقص اسے کہہ سکتے ہیں۔ تو اس کی غیر معمولی عظمت ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں بیحد متنوع نمائشیں ہیں جو بہت وسیع حلقہ میں محدود ہیں۔ یہ درحقیقت بہت بڑی اور بہت ہی وسیع ہے۔ یہانتک کہ اسکا پورے طور پر مطالعہ کرسکنا ناممکن ہے۔ مگر عظیم الشان پبلک اسکی عظمت کو اسکا نقص نہیں قرار دیگی۔ البتہ جو شائقین علمی اور ٹکنیکل نظر سے اسکا مطالعہ کرنا چاہینگے ان کا کام نہائت ہی مشکل ہوگا"۔

ان حالات میں مینے جو نسبتاً بہت سی جگہ اس نمائش کے متنوع حالات اور عجائبات کے بیان کرنے میں وقف کردی ہے۔ وہ قابل معافی ہے۔

لنڈن کے حالات اور قابل دید مقامات کی کیفیت بھی میں نے زیادہ وضاحت سے لکھدی ہے۔ کیا لنڈن سے ہمارے تعلقات کی اہمیت اور کیا اس دنیا کے سب سے بڑے شہر کے عجائبات دونوں اس قابل ہیں۔ کہ وہاں کے حالات نہائت شوق اور توجہ سے پڑھے جائیں۔

بہرحال اس اطناب کا سب سے بڑا عذر یہ ہوسکتا ہے۔ کہ میں نے کوشش کی ہے کہ جن جن مقامات اور ممالک کو مینے دیکھا ہے۔ وہاں کے اس قدر حالات ناظرین کے ذہن نشین ہوجائیں کہ اگر وہ خود بھی انہیں مقامات کو جاکر دیکھیں۔ تو اتنی مدت میں بہت زیادہ روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی انہیں اس سے زیادہ دلچسپ اور پر لطف حالات معلوم ہوسکیں کسی قوم کی زندگی یا ملک کے حالات کے متعلق بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو کئی مصنف حقیر سمجھکر چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر میں نے مختلف ممالک کے چال ڈھال عادات خصوصیات اور قابل دید مقامات و تہذیب و ترقی بیان کرکے ایسی حالت

پیدا کرنیکی کوشش کی ہے۔ کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو عالم خیال میں انہیں مقامات میں پا سکے۔ اور اسے ایسا لطف حاصل ہو۔ کہ گویا وہ بھی میرے ساتھ ساتھ نمایش پیرس یا برٹش میوزیم سے گذر رہا ہے۔ قسطنطنیہ کے مسقف بازار یا پل غلطہ کی سیر کر رہا ہے جامع اموئیہ دمشق یا جامع ازہر مصر میں کھڑا ہے۔ یا اہرام مصری کے سامنے عالم تحیر میں غرق ہے۔ اسلئے یہ طول کلام بجائے کدورت طبع کے امید ہے۔ کہ موجب تفریح و افادہ ثابت ہوگا۔

عیب طول کلام مت کر یو
کیا کروں میں سخن سے خوگر تھا

میں نے اپنے سفر میں امیروں یا بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نہ مجھے ان باتوں سے زیادہ دلچسپی رہی ہے بلکہ میں اہل علم اور متوسط درجہ کے لوگوں اور غریبوں سے ملکر اُن کے حالات دریافت کرتا اور بنظر غائر ان کے طریق زندگی کو دیکھتا رہا ہوں چنانچہ ان اوراق کی تحریر میں بھی مجھے زیادہ تر یہی بات مد نظر رہی ہے کہ صرف ایسی باتیں قلمبند کیجائیں۔ کہ جن سے اہل ملک فائدہ اٹھائیں *

غرض میرے اس مختصر سفر سے جو لطف مجھے حاصل ہوا۔ اور جو اضافہ میری معلومات میں ہوا میں نے بلا کم و کاست اس میں اپنے ہموطنوں کو شریک کرنے کی کوشش کی ہے ایک انگریزی مصنف جیمس بیکر اپنے سفر نامہ "ٹرکی ان یوروپ" کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ

"کوئی علم یا واقفیت جو ایک سیاح اپنی سیاحت کے دوران میں حاصل کرتا ہے۔ اگر وہ اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے۔ تو اسکی سیاحت محض ایک خود غرضانہ لطف یا عیش ہے۔ اور میری رائے میں سیاح کا یہ ایک پبلک فرض ہے۔ کہ اپنی بہترین لیاقت کے مطابق ان ممالک اور اقوام کے حالات جو خود اس نے معلوم کئے ہیں۔ پبلک کی نذر کر دے۔"

اخیر میں صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس سفر نامہ کے اتنی دیر کے بعد چھپنے سے مجھسے زیادہ کسی کو افسوس نہیں ہو سکتا۔ گو بہت سے ناظرین

پیسہ اخبار نے اِن متعدد سالوں میں کئی مرتبہ اس توقف کا مجھ سے افسوس ظاہر کیا ہے اور سفرنامہ کے طلب میں اُن کے اشتیاق بھرے خطوط سے بارہا مایوسی کی شکل نظر آتی رہی ہے۔ تاہم اس وقت "دیر آید درست آید" کے مشہور مقولہ کے لفظی معنوں سے میں کچھ اطمینان حاصل کر کے ان اوراق کو ہندوستان کی عظیم الشان پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کہ جس لائق یہ ہیں۔ اِن سے ویسا سلوک کرے!

میری ذاتی رائے اس توقف کے متعلق یہ ہے۔ کہ اس سے اصل کتاب کے مطلب کو کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ بجائے نقصان کے کچھ نفع ہی ہوا ہے کیونکہ زمانہ نے میرے راؤں اور خیالات کی اکثر باتوں میں تائید کی ہے۔ اور تجربہ نے مجھے یقین دلایا ہے۔ کہ جو کچھ میں نے کسی مقام پر دیکھا تھا۔ یا جن لوگوں سے مل کر میں نے اطلاع حاصل کی تھی وہ اکثر قابل توجہ اور قابل اعتبار تھی جیسے کہ آپ کو ان اوراق کے مطالعہ سے خود ثابت ہو جائیگا۔

دفتر پیسہ اخبار
لاہور۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۸ء

محبوب عالم

فہرست مضامین

نمبر صفحہ	مضامین
۱	ارادہ سفر
۸	منشی محبوب عالم صاحب کا سفر یوروپ
۱۹	لاہور سے روانگی۔
۲۳	جہاز کی سواری
۴۵	جہازی زندگی اور عدن اور پورٹ سعید
۶۶	یوروپ کے پہلے شہر ٹریسٹ اور وینس
۸۵	ویانا پایہ تخت آسٹریا۔
۱۰۸	برلن پایہ تخت جرمنی
۱۶۲	بلجیم وغیرہ
۱۸۵	۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش پیرس
۲۱۱	نمائش کا پہلا حصہ
۲۲۱	نمائش کا دوسرا حصہ
۲۳۷	نمائش کا تیسرا حصہ
۲۵۹	نمائش کا چوتھا حصہ
۲۶۵	نمائش کا پانچواں حصہ
۳۱۲	نمائش کا چھٹا حصہ
۳۵۵	ضمیمۂ نمائش
۳۸۵	شہر پیرس کے حالات
۴۳۴	ہندوستان میں مروج ہونے کے لائق پیشے اور حرفتیں۔
۴۴۹	لنڈن۔
۵۷۳	لنڈن سے واپسی اور پیرس سے قسطنطنیہ تک۔
۶۰۶	قسطنطنیہ۔
۶۸۷	مساجد۔ تربے اور قبرستان۔
	مقامات قابل دید و قابل سیر

نمبر صفحہ	مضامین
۷۰۰	تعلیم قدیم وجدید اعلے مکاتب اور تعلیم
۷۲۳	لنسوان۔
	تعلیم لنسوان۔
۷۳۱	اخبارات۔ رسالے۔ مطابع۔ کتابیں زندہ مصنف اور کتب خانے۔
۷۴۸	ترک مشاہیر سے ملاقاتیں اور انکی رائیں
۷۶۸	آمد و رفت کے ذریعے اور وسایل۔
۷۸۶	اسلامی حکومت کی شان و اسلامی بے تعصبی تبادلہ مسئلہ تجارت اور دستکاریوں کی کساد بازاری
۷۹۶	جنگی حالت۔ جہاز سازی و توپ سازی کے کارخانہ اور سلطنت کے دیگر اعلیٰ محکمجات
۸۱۴	تکیے۔ خانقاہیں۔ چشمے۔ سبیلین۔ حمام اور خان۔
۸۱۹	سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کے عہد کے کارنامے اور بعض اصلاحات
۸۳۸	تحایف استنبول وغیرہ
۸۴۴	قسطنطنیہ سے بیروت تک
۸۶۲	بیروت و دمشق
۸۷۹	دمشق
۹۰۶	مصر
۹۲۲	مصر کے پالیٹکیس
۹۲۷	فنانس (سرمایہ)
۹۴۷	مصر میں آثار قدیم۔
۹۵۷	مصر کے مطابع۔ تجارت اور بعض مشاہیر سے ملاقات
۹۶۴	اہل مصر کے اطوار و رسم و رواج۔
۹۶۷	معاودت وطن۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ارادۂ سفر

تاکہ در بند خانہ درگروی
ہرگز اے خام آدمی نشوی

میں مدت سے اس بات کا قایل ہوں۔ کہ ہندوستان کی بہتری اور ترقی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔ کہ ہندوستانی سیاحت یا تجارت یا دیگر وسایل کسب معاش یا حصول تعلیم و تجربہ کے لئے ہندوستان سے باہر نکل کر دنیا کے تمام ممالک کا سفر کریں۔ خصوصاً دنیا کے اُن مہذب حصوں کا کہ جہاں کی قومین علوم و فنون میں ہم سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ تاکہ وہاں سے کچھ دیکھ کر اور سیکھ کر آئیں۔ اور اپنے ہموطنوں کو اپنے تجربات سے مستفید کریں۔

شائستگی اور سفر

دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی ترقی کی تاریخ شاہد ہے۔ کہ انہوں نے سفر بلاد بعیدہ سے کس قدر فوائد حاصل کئے۔ جو فوائد کہ صرف انہیں کی ذات تک محدود نہ رہے۔ بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی ان سے معتدبہ فائدہ پہونچا۔ اور جو قومیں کہ باوجود معراج ترقی پر پہنچنے کے سفر اور سیاحت کو ترک کر کے اپنے وطن کی چار دیواری میں عزلت نشین ہو گئیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنی عظمت اور شوکت کو ہی کھو دیا۔ بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی بڑا نقصان پہنچایا۔ اولوالعزم قومیں تمام دنیا کو اپنا گھر سمجھتی ہیں۔ گو وطن کو بھی فراموش نہیں کرتیں۔ اگر اہل عرب حجاز اور تہامہ کے ریگستانوں کو چھوڑ کر ایک طرف گنگا اور دوسری طرف گواڈل کیور کے ساحلوں تک نہ پھیل جاتے تو وہ عزت اور شوکت اُن کی

قوم کو کب حاصل ہوتی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اگر اہل انگلستان گھروں سے باہر نہ نکلتے تو نہ امریکہ اور آسٹریلیا آج آباد ہوتا اور نہ ہندوستان پر انگریزی حکومت کا سایہ ہوتا*

سفر کی صعوبتین کم ہو گئیں۔

مجھے بارہا خیال آتا ہے۔ کہ اگر مسلمان یوروپ میں پہنچ کر اہل یوروپ کو بیدار نہ کرتے اور یورپ کے عیسائی صلیبی جنگوں کے لئے بار بار اُمنڈ کر ملک شام کو نہ آتے تو آج یوروپ کو کبھی وہ شائستگی اور ترقی حاصل نہ ہوتی۔ کہ جس پر وہ اب نازاں ہے۔ اگر روئے زمین کے مسلمان حج کعبہ پوری سرگرمی سے ادا کرتے رہتے۔ کہ جیسا کہ اُن کے اسلاف قرون اولی میں کیا کرتے تھے۔ تو ان کی موجودہ حالت کہیں بہتر ہوتی۔ بحالیکہ قدیم زمانہ میں جبکہ ریلیں۔ اور آگبوٹ اور برقی گاڑیاں اور تار برقی ایجاد نہیں ہوئی تھیں اولوالعزم لوگ اس زمانے میں بھی بحر و بر کو اسی مستعدی اور عزم کے ساتھ طے کیا کرتے تھے جیسے کہ آج کرتے ہیں۔ آج قرون ماضیہ کے دلاوروں کے اخلاف نے اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلنا چھوڑ دیا ہے۔ بحالیکہ دیگر اقوام اُن کی پیروی کر کے اولوالعزم کہلانے لگی ہیں۔ جس گروہ نے سِیْرُوا فِی الْاَرْضِ کے عظیم الشان ارشاد کو فراموش کر دیا ہے۔ وہ ذلت خمول کے گوشہ میں جا پڑا ہے۔ لیکن ایک دوسری ہمسایہ قوم تہ دل سے اس فرمان کی عزت اور توقیر کرتی ہے۔ اور اس کی تعمیل کو اپنا دستور العمل سمجھتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اسے عزت اور رتبہ حاصل نہ ہو۔ کہ جو اس کے طریق عمل کا صلہ ہے۔ ہندوؤں نے اگر سمندر کے سفر کو گناہ سمجھ لیا۔ یا چینیوں نے غیر قوموں سے ربط ضبط چھوڑ دیا تو اپنی شائستگی اور عزت کو کیسا صدمہ پہنچایا*

اہل یوروپ و امریکہ کا تفریحی سفر

ہمارے زمانہ میں اہل یوروپ و امریکہ قطع نظر حصول معاش اور تفریح کے تجربات کے بڑھانے اور مناظر قدرت کی سیر کے لئے اس کثرت سے سفر اختیار کرتے ہیں۔ کہ اُن لوگوں میں

دور دراز قطاع عالم کی سیاحت پختہ مغزی کا ایک معیار قرار پا گئی ہے۔ وہ اس مشہور قول ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے ٭ کی عملاً تصدیق کرتے ہیں۔ ان میں سے عموماً صاحب استطاعت لوگ اپنے بچوں کو عام اس سے کہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں کالج کی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے براعظم یا دوسرے براعظموں میں سفر کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ جس سے ان کے خیالات وسیع اور معلومات وافر ہو جاتی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی عام عورتوں اور مردوں کا حال ہے۔ ورنہ اُن کے خاص خاص محقق لوگ تو وسط امریکہ کے لق و دق میدانوں، تبت کے ہولناک کوہستانوں اور قطب شمالی کے جانستان برفستانوں پر سرگرم تحقیقات و تلاش ہیں۔ ہرچند کہ قطب شمالی کی تحقیقات میں آجتک سینکڑوں جوانمرد قربان ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ اپنی دھن کے ایسے پکے ہیں۔ کہ ہر جانے والے کو یقین ہوتا ہے۔ کہ میں تو ضرور کامیاب ہو جاؤں گا ٭

گرچہ راہے ست پر از بیم زما تا در دوست
رفتن آسان بود از واقفِ منزل باشی

ریل اور جہازہ کا سفر فی الواقع بڑی آسائش اور تفریح کا سفر ہے۔ کہ جس کی بدولت آج یوروپ اور امریکہ کی دو شیزہ مسیں کرۂ ارض کے گرد گھوم کر چند ماہ میں اپنے گھروں میں سلامت جا پہنچتی ہیں۔ اور ادھر ادھر سفرنامے لکھ کر شائع کر رہی ہیں۔ غرض آج سالوں اور مہینوں کے راستے دنوں اور گھنٹوں میں طے ہو سکتے ہیں بشرطیکہ شوق راہبر ہو۔ روپیہ ہرچند کہ ہم لوگوں کے پاس بہت کم ہے۔ اور سفر روپیہ کے بدون ہو نہیں سکتا تاہم اگر دل میں شوق ہو۔ تو آج یا کل یا پرسوں تھوڑے بہت روپے کا ضرور انتظام ہو ہی جائیگا ٭

یوروپ کا سوم درجہ کا کرایہ

اگر اول درجہ میں سفر کرنے کی توفیق نہیں۔ تو دوم درجہ میں کرو۔ اگر دوم میں نہیں سوم ہیں کر لو۔ جہازوں میں درجہ سوم اس قدر سستا ہے۔ کہ ہندوستان سے یوروپ تک

ڈیڑھ سو روپے میں جا سکتے ہیں۔ روپیہ کے سوائے دوسری مشکل ہم کو یہ پیش آتی ہے کہ دنیا کے دھندوں سے کسی وقت فرصت ہی نہیں ملتی۔ بچپن میں جو جوا محنت مزدوری یا نوکری یا علائق خانہ داری کا کندھوں پر رکھا گیا ہے۔ اب سوائے موت کے کبھی تھوڑی مدت کے لئے بھی نہیں اتریگا۔ اہل یوروپ میں اور ہم لوگوں میں ایک یہ بھی بہت بڑا فرق ہے۔ کہ اُن کے یہاں کام کے وقت جان توڑ کر اور دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ اور فراغت کے وقت جو کام کے بعد ہونا ضروری ہے تفریح میں بھی اسی سرگرمی کیساتھ حصہ لیتے ہیں۔ کہ گویا یہ بھی ایک کام ہے۔ کہ جسے مستعدی سے ختم کرنا ضرور ہے۔

محنت اور تفریح پہلو بہ پہلو

کام کے زمانے کے بعد اس باقاعدگی سے ان کے یہاں تعطیلات کا زمانہ آتا ہے۔ کہ سب لوگ جو کچھ بھی حیثیت رکھتے ہیں۔ تفریح اور آرام کے لئے اپنے ملک یا دیگر ممالک کے تفریح اور سیر کے مقامات کو چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے تمام یوروپ میں سینکڑوں شہروں مثل روما اور وینس وغیرہ کی زندگی کا مدار مختلف موسموں میں وہاں کے سیاحوں کے جانے پر رہ گیا ہے۔ اگر ایک سال کسی جنگ یا وبا کی وجہ سے مسافر اُن مقامات میں نہ جائیں تو وہاں کے ہوٹلوں والے اور دکاندار مفلس قلاش ہو جائیں۔ اب جسقدر ریل اور جہاز کے سفر میں سہولتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظموں میں محض تفریح اور صحت کی تلاش میں کثرت سے جانے لگے ہیں۔ امریکہ کے لاکھوں سیاح ہر سال صرف لنڈن پیرس اور دیگر بلادِ یورپ کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ لاکھوں اہل یورپ اور امریکہ محض تفریح اور معلومات حاصل کرنے کی غرض سے موسم سرما مصر میں بسر کرتے ہیں۔ لیکن کسی خاص شہر یا ملک تک ان کی سیاحت محدود نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ خدا کے بندے فرصت کا وقت بسر کرنے اور معلومات سمیٹنے کے لئے نہیں جا پہنچتے۔

ہندوستانی یورپ

ہمارے اور اہل یورپ کے حالات میں بعد المشرقین ہے۔

سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں

اگر اُن میں سے بہت لوگ تفریح کے لئے سفر کرتے ہیں تو ہمارے یہاں نہ اس کام کی فرصت ہے۔ اور نہ گنجائش لیکن وہ یوروپ جس کی شائستگی اور علوم و فنون کی روشنی کا پرتو آج تمام عالم پر پڑ رہا ہے۔ وہ یورپ کہ جہاں کی دانشمند اور زبردست قومیں باقی ساری دنیا پر حکومت کر رہی ہیں۔ وہ یورپ کہ جہاں کی دستکاریوں اور ایجادوں نے ایک عالم کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ اس مُردہ دلوں کی دیار میں بھی لاکھوں اپنے حسن دلفریب کے غائبانہ عاشق رکھتا ہے۔ اور ہندوستانی باوجود اپنی ناداری کے اگر اس کی محبت کا دم بھریں تو نازیبا نہیں۔ اُن ملکوں کی آب و ہوا علوم و فنون کے ذرات سے مرکب ہے۔ اہل ہند کے لئے اُن ممالک میں لاکھوں سبق کوچہ و برزن میں ملتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی ہندوستانی کو سیاحت یورپ کا شوق دامن گیر ہو۔ تو یہ ایک معمولی بات ہے۔

مَیں بھی انہیں لوگوں میں سے ایک ہوں۔ جن کا خیال ہے۔ کہ سیاحت یورپ میں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ کہ جو میرے ہموطنوں کی ذہنی اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنا سکتی ہیں۔ مجھے بارہا وہاں کے عجیب و غریب اخبارات کے دفاتر وہاں کے عظیم الشان صنعت و حرفت کے کارخانے اور مدرسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا رہ رہ کر شوق پیدا ہوتا تھا۔ میں اُن لوگوں کے کام کرنے اور رہنے سہنے کے طریقے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن دنیا کے بکھیڑوں سے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ خصوصاً روزانہ پیسہ اخبار کی خدمت کے لئے مجھے اس قدر سخت محنت کرنی پڑی کہ جس کا میری صحت پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اس لئے بھی میں کچھ دنوں کے

نمائش پیرس کی ترغیب

لئے کاروبار سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا۔ کہ سنہ ۱۹۰۰ء کی مشہور نمائش گاہ عالم منعقدہ پیرس کا زمانہ قریب آگیا۔ اخبارات میں دیکھا گیا تھا۔ کہ آج تک اتنی بڑی اور ایسی جامع نمائش دنیا میں کہیں نہیں ہوئی میں نے سمجھا کہ اس سے بہتر موقع یورپ کے دیکھنے کا ہاتھ نہیں آئیگا۔ کیونکہ نمائش گاہ پیرس بجائے خود ایک چھوٹا سا یورپ نہیں۔ بلکہ ہفت اقلیم کا خلاصہ ہوگی۔ چنانچہ

میں نے بسم اللہ کہہ کر سفر کا ارادہ مستقل کر لیا۔ اور پیسہ اخبار میں اپنے ارادہ کا اعلان کر کے اپنے دوستوں سے رخصت حاصل کی*

اس عرصہ میں مَیں نے ایک طرف اپنے کاروبار کو جہانتک میری ذات سے متعلق تھا۔ سمیٹنا شروع کیا۔ اور دوسری طرف مسز طامس کک اینڈ سن کے بمبئی کے کارخانہ سے جہاز کا انتظام کیا۔ اور سوا تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ کا پیشگی اس کارخانہ کو بھیجدیا کیونکہ جب تک کُل یا جزو رقم پیشگی نہ بھیجی جائے جہاز میں جگہ خالی نہیں رہ سکتی۔ میرا

آخری رکاوٹین

خیال تھا۔ کہ جہاز کا کرایہ ٹھیرا لینے اور روانگی کی تاریخ معین کرنے کے بعد میرے سفر کے راستہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہیگی لیکن تجربہ نے اس خیال کو بالکل غلط ثابت کیا۔ کیونکہ میری والدہ مکرمہ اور بیوی۔ بچوں اور دوسرے عزیزوں نے اب تقاضا شروع کیا کہ جس طرح ہو سکے مَیں اپنا ارادہ بدل دوں۔ میرے ایک بزرگ دوست نے جو بڑے روشنضمیر اور برگزیدہ البشر ہیں۔ اور مجھ سے دلی محبت رکھتے ہیں۔ نہ صرف ایک لمبے چوڑے اور مدلل خط میں مجھے گھر سے نہ نکلنے کی ترغیب دی۔ بلکہ جو تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ میں بھیجا جا چکا تھا۔ وہ بھی اپنی گرہ سے دینا چاہا تاکہ مَیں اپنا ارادہ ترک کر دوں۔ اس لئے جہاز کی روانگی کی تاریخ تک کا زمانہ میرے لئے بڑی آزمائش کا زمانہ تھا۔ میرے ایسے ایک کثیر العیال اور کثیر الاشغال شخص کو ایک اتنے طول طویل سفر پر جانے سے پہلے بہت سی تیاری کرنی پڑی۔ کارخانہ کے متعلق سینکڑوں چھوٹے چھوٹے کاموں کو اپنے چھوٹے بھائی میاں محمد عبد العزیز کو سمجھانے اور عیال و اطفال کے کاموں کو سُلجھانے اور انہیں اطمینان دینے میں آخر یہ دن ختم ہو گئے۔ اس دوران مَیں مجھے بارہا خیال آتا تھا۔ کہ ایک اس سے بھی لمبا سفر درپیش ہے۔ لیکن حیف ہے کہ اس کی تیاری کے لئے بہت کم کوشش کیجاتی ہے۔ اس زمانہ میں میری ہمت بندھانے اور مجھے متوجہ رکھنے میں اُن صدہا بلکہ ہزارہا غائبانہ مہربانوں کے خطوط نے بڑا کام دیا۔ کہ جو ہندوستان کے ہر حصہ میں پیسہ اخبار کو پڑھتے ہیں۔ اور اس لئے مجھ سے ایک نوع کی روحانی ملاقات اور محبت رکھتے

ہیں۔ ان دنوں کوئی ڈاک نہیں آتی تھی جس میں مندرجہ بالا مضمون کے خط نہ ہوتے اور کوئی خط نہیں ہوتا تھا جس میں یہ شعر درج نہ ہوتا۔

بہ سفر رفتنت مبارک باد ٭ بسلامت روی و باز آئی

اس شعر کی عالمگیر اور ہمہ رس شہرت مجھکو جب ہی معلوم ہوئی۔

الوداعی جلسہ دوسری طرف لاہور کے بزرگوں اور دوستوں نے اپنی طرح طرح کی محبت اور مہربانی کا اظہار کیا جو انہیں اس خاکسار سے ہے۔ اور ایک الوداعی جلسہ بھی کیا جس کی کیفیت شیخ عبد القادر صاحب ایڈیٹر پنجاب آبزرور کی لکھی ہوئی ۲ر جون کے پیسہ اخبار کے ضمیمہ سے یہاں بجنسہ نقل کیجاتی ہے۔ جس کے ساتھ میری غیر حاضری میں ایڈیٹر پیسہ اخبار کا ایک نوٹ بھی ہے ٭

منشی محبوب عالم صاحب کا سفر یورپ اور الوداعی جلسہ

جناب منشی محبوب عالم صاحب مالک پیسہ اخبار لاہور کے سیاحت یوروپ پر تشریف لیجانے پر اُن کے اعزاز میں گذشتہ ہفتے اِن کے معزز احباب نے جو ایوننگ پارٹی دی تھی۔ اس کی کیفیت بغرض اندراج اخبار موصول ہوئی ہے۔ چونکہ منشی محبوب عالم صاحب ہمیشہ خود ستائی کو ناپسند کرتے رہے ہیں۔ اور آجتک کبھی اخبار کے کالموں میں انہوں نے اس قسم کا تذکرہ کرنا گوارا نہیں کیا۔ دوسری طرف اُن کے دوست و احباب اس روئداد کے اندراج کے لئے سخت تقاضا کر رہے ہیں لہذا اس حالت میں المامور معذور اور آزردن دل دوستان جہل است کے مصداق اس پارٹی کی کیفیت پیسہ اخبار سے علیحدہ بطور ضمیمہ کے شایع

کی جاتی ہے ؎

خیال خاطر احباب چاہیئے ہر دم ** انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو (ایڈیٹر)

"جناب مکرمی ایڈیٹر صاحب"

"السلام علیکم۔ ہر چند کہ مجھے معلوم ہے۔ کہ آپ کے اخبار کے مالک و ایڈیٹر منشی محبوب عالم صاحب شہرت پسند نہیں بلکہ شہرت سے کنارہ کش رہے ہیں۔ اور انہوں نے حتے الوسع اُن خطوط کو جو کسی طرح سے اُن کی مدح میں ہوں اخبار میں کبھی جگہ نہیں دی اور مجھے یہ بھی معلوم ہے۔ کہ آپ کو جو ہدایتیں دی گئی ہیں۔ ایسی ہی ہوں گی کہ وہی پرانا طریق ملحوظ رہے۔ تاہم اس کمیٹی کی طرف سے جس نے اُن کے الوداعی جلسہ کا انتظام کیا تھا۔ بزور آپ کی خدمت میں درخواست ہے۔ کہ آپ اس جلسہ کی روئداد کو بلاکم وکاست درج اخبار فرماویں۔ اور اس میں اپنے اخبار کی معتاد کسر نفسی سے کام نہ لیں۔ اور اگر اس تمام کے لیئے اپنے اخبار کے کالموں میں گنجایئش نہ دیکھیں تو اسے بطور ضمیمہ کے چھاپ کے شایع کردیں۔ باعث ممنونیت راقم و دیگر ممبران کمیٹی مذکور ہوگا۔ بندہ شیخ عبدالقادر۔ ایڈیٹر اخبار پنجاب آبزرور۔"

روئداد جلسہ

"۲۵ مئی کو جمعہ کے دن اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع صحن میں ایک منتخب مجمع اہل اسلام لاہور کا تھا جس میں علاوہ دیگر بزرگان کے مندرجہ ذیل اصحاب کے نام خصوصیت سے لیئے جاسکتے ہیں خان بہادر محمد برکت علی خانصاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ و وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی نواب شیخ غلام محبوب سبحانی صاحب رئیس لاہور۔ سردار رضا علیخان صاحب قزلباش۔ خان بہادر ڈاکٹر سید امیر شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن۔ فقیر سید افتخار الدین صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب۔ میاں کریم بخش صاحب میونسپل کمشنر۔ مولوی محمد فضل الدین صاحب رئیس پلیڈر و میونسپل کمشنر۔ مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پریزیڈنٹ انجمن حمایت اسلام۔ حاجی منشی شمس الدین صاحب جنرل سکرٹری انجمن حمایت اسلام۔ شیخ عمر بخش صاحب بیرسٹرایٹ لا۔

خان صاحب ڈاکٹر سید مہتاب شاہ صاحب پروفیسر وٹرنری کالج۔ سید سردار شاہ صاحب گیلانی ہاؤس سرجن وٹرنری کالج۔ سید ولی شاہ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔ مرزا نوازش علی صاحب ریڈر چیف کورٹ سید احمد شاہ صاحب تحصیلدار۔ چوہدری نبی بخش صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی وکیل۔ ماسٹر شیر محمد صاحب۔ مولوی حاکم علی صاحب بی۔ اے پرنسپل اسلامیہ کالج۔ سید خورشید انور صاحب بی۔ اے۔ خان احمد حسین خان

"یہ سب اصحاب اس لئے مجتمع ہوئے تھے۔ کہ منشی محبوب عالم کو ان کی روانگی یوروپ سے پیشتر خیرباد کہیں۔ اور ان کی خدمات کے اظہار قدردانی میں شریک ہوں ان کے علاوہ منشی محبوب عالم صاحب کے وہ معزز احباب جن کے سخت اصرار سے انہوں نے اتنا بھی جلسہ اپنی خاطر ہونا منظور کیا تھا۔ اور جنکی جانب سے اسکا اہتمام تھا موجود تھے۔ مثلاً شیخ عبدالقادر صاحب بی اے۔ ایڈیٹر اخبار پنجاب ابزرور۔ حکیم غلام نبی زبدۃ الحکماء۔ حکیم شہاب الدین صاحب رئیس لاہور بازار حکیماں۔ مولوی احمد دین صاحب بی اے وکیل۔ شیخ گلاب الدین صاحب مختار۔ چوہدری سردار خان صاحب بی اے۔ حکیم محمد شریف صاحب آئی ڈاکٹر۔ بابو رحیم بخش صاحب بی اے:۔

"ٹھیک ساڑھے پانچ بجے وقت مقررہ پر لوگ تشریف لانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں منشی محبوب عالم صاحب مع اپنے بھائیوں اور اعزہ کے تشریف لائے اور ہر کسی سے اُن کی تپاک اور محبت سے ملاقات ہوئی۔ اور مختلف گروپس میں حاضرین باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں ایک طرف ایک گروپ میں حاضرین میں سے بعض کی تصویر کا انتظام کیا گیا تھا۔ اُس کے واسطے بیٹھنا پڑا۔ اور پنڈت گردھر رائے صاحب فوٹوگرافر نے ایک تصویر اُتاری جس میں معزز حاضرین کا ایک معقول حصہ آگیا۔

اسکے بعد شیخ عبدالقادر صاحب نے سب حاضرین جلسہ کی اجازت ایک مختصر سی تقریر کیلئے چاہی۔ اور مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

تقریر شیخ عبدالقادر صاحب

"حضرات۔ آج کے مجمع کا اور ایسی مجالس کا اصلی منشار

نوٹ:۔ خانصاحب شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا سابق جج ہائیکورٹ پنجاب و حال پریزیڈنٹ پنجاب لیجسلیٹو کونسل

اخلاقی ہے۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ سوشل میل جول سے باہمی محبت اور اتحاد میں ترقی ہو۔ اور مل بیٹھنے اور ملکر کچھ کھانے پینے کا لطف آئے۔ اور اسی لئے ایسے موقعوں پر کوئی لمبی تقریریں کرنے کا دستور نہیں۔ تاہم کسی قدر اظہار اس بات کا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج آپ کو تکلیف کیوں دی گئی اور یہ جلسہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کس طرح منعقد ہوا۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ ہمارے دوست منشی محبوب عالم صاحب کی طبیعت نمود و اظہار، خود پسندی اور خود ستائی سے ہمیشہ گریزان رہی ہے۔ اور باوجودیکہ اپنی دیرینہ اور سرگرم پبلک خدمات کے لحاظ سے اُن کا حق تھا۔ کہ ان کے رخصتانہ اور لمبے سفر کے موقع پر عام پبلک کی جانب سے نہایت شان و شوکت کا الوداعی جلسہ کیا جاتا۔ انہوں نے اپنے احباب کی اس تحریک کو منظور نہ کیا۔ آخر چند خاص دوستوں میں یہ اقرار داد ہوئی۔ کہ ایک مقابلۃً مختصر پارٹی جس میں اُن کے ذاتی ملاقاتی اصحاب مدعو ہوں کر دی جائے۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کیجائے۔ کہ وہ اتنا بھی مانتے ہیں یا نہیں۔ آخر یہ مشورہ ہو کر اُن کو ان الفاظ میں اطلاع دی گئی۔

"جناب من آپ کی کسر نفسی کا پورا لحاظ کر کے ایک مختصر پارٹی احباب خاص کی قرار پائی ہے۔ امید کہ آپ کو اس پر تو اعتراض نہ ہوگا۔ اور ہو بھی تو کیا۔ اتنا تو از حد ضروری ہے۔ آپ کو صرف یہ اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ آپ جمعہ کے دن پانچ بجے بعد شام تک کا وقت فارغ رکھیں۔ اور اس وقت کے لئے کوئی اور کام پیش نظر نہ ہے۔ اس میں آپ کا اب کوئی عذر مسموع نہ ہوگا" انہوں نے جواب دیا "جناب من! آپ کا اطلاعی رقعہ لکھا ہی ایسے الفاظ میں گیا ہے۔ جس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

ایک دوست کو حکم کے آگے شاعر نے سر تسلیم خم کرنے کو کہا ہے۔ یہاں تو آپ کئی دوستوں کا ارشاد بھیجتے ہیں۔ پس سر تسلیم نہ صرف خم ہونا چاہیئے۔ بلکہ زمین تک جھک جانا چاہیئے۔ بہر حال آپ کی عنایت کا مشکور ہوں۔ مگر مجبور کئے جانے کا شاکی"

صاحبان جہاں منشی صاحب میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہاں یہ خوبی فی زمانہ کیا کم ہے۔ ان کے لئے شہرت کے دروازے ایسے کُھلے ہیں۔ کہ کچھ حد نہیں۔ ان کی خدمات دیرینہ ان کو پبلک قدردانی کا مستحق بناتی ہیں۔ اور یہ ہیں۔ کہ اتنے سالوں کے بعد بھی ایسے موقع سے جس قسم کے موقعوں پر لوگ جان دیتے ہیں۔ بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کے اخبار کی خوبیوں میں بھی یہی بات کچھ کم قابل قدر نہیں۔ کہ انہوں نے اسے اپنے بعض ہمعصروں کی طرح کبھی اپنی ذاتی شہرت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ ذاتی شہرت تو کیا۔ بعض تو شہرت کو بیانتک تشہیر کے درجے پر پہنچا دیتے ہیں۔ کہ کوئی کام انکا خودستائی سے خالی نہیں ہوتا۔ اور خلقت کے روپے کو اپنی مدح سرائی پر لگاتے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں۔ کہ متدین اخبار نویسی کی نظر میں یہ صاف بد دیانتی ہے۔ اور منشی محبوب عالم صاحب کی کامیابی کے رازوں میں ایک بڑا راز یہ ہے۔ کہ انہوں نے شروع سے دیانتدارانہ اخبار نویسی کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ انہوں نے کبھی اخبار کا کاسۂ گدائی۔ یا آلۂ استحصال بالجبر نہیں بنایا۔ اور اپنا یہ فرض سمجھا ہے۔ کہ پبلک سے جو قیمت لیں اس کے عوض میں معقول مقدار مضامین کی ان کی خدمت میں پہنچائیں چنانچہ پیسہ اخبار کی قیمت صرف دو روپیہ ہے اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ ہندوستان بھر میں اس کی اشاعت کثیر ہے۔ پندرہ ہزار کے قریب اخبار شایع ہونا بھی اس ترقی کے اعتبار سے جو ہمارے ملک میں ہوئی ہے۔ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ اور ان کے اپنے فرض کو بخوبی سمجھنے کا نتیجہ ہے ایک اور بات جو منشی محبوب عالم صاحب کے متعلق قابل ذکر ہے۔ یہ ہے کہ وہ رائے کو آزادی سے ظاہر کرنے میں ہمیشہ اردو اخبارات میں مخصوص خیال کئے گئے ہیں۔ اور اکثر دفعہ انہوں نے بلالحاظ اپنے بیگانے دشمن اور دوست کے اشخاص اور ان کے اعمال کی نسبت صاف رائے اخبار میں لکھدی ہے۔ اور گو اس میں ان کو بعض کی ناراضگی کا سامنا ہوا ہے۔ مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہ تعریفیں بالخصوص قابل قدر ہو جاتی ہیں۔ جب یہ دھیان رہے کہ سارے امتیاز انہوں نے محض اپنی ہمت اور اپنی

کوشش سے بغیر کسی امید کے سہارے یار مئیں کے بھروسے کے زور بازو سے اور عرق پیشانی بہا بہا کر حاصل کئے ہیں۔ اُن کو مدرسہ اور کالج میں باقاعدہ تعلیم نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اور اس کمی کو انہوں نے اپنے مطالعہ سے پورا کیا۔ اُن کو کوئی رقوم اپنے بزرگوں سے ترکہ میں نہیں پہنچی تھیں۔ نہ کسی دوست سے حاصل ہوئی ہیں جنکو انہوں نے اپنا سرمایہ بنایا۔ خود ہی چند روپیوں کے ابتدائی سرمایہ سے ایک کارخانہ کے مالک بنے اور اب اپنے خرچ پر اور اپنے بل پر ولائیت جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سفر میں ایک تو تفریح کا ہے۔ جو اتنے سالوں کی محنت شاقہ کے بعد ان کا حق ہے۔ دوسرے یوروپ کی تہذیب اور علمی ترقی سے استفادہ ہے جس کی یہ ضرور قابلیت رکھتے ہیں۔ نمائش پیرس میں ایک ترغیب خاص موجود ہے۔ اور ان کا عزم مصمم ہو چکا ہے۔ پرسوں ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے جانے کو ہیں اس وقت سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ہم انہیں اس کامیابی پر جو تا حال اُن کو ہوئی ہے۔ مبارکباد دیں۔ اور دل سے کہیں ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد ✧ بہ سلامت روی و باز آئی

اس تقریر کے خاتمہ پر احمد حسین خان صاحب بی اے لاہور کے مشہور شاعر نے ایک دلچسپ نظم پڑھ کر سنائی۔ مگر اس نظم کے شروع ہونے سے پیشتر یہ چند الفاظ شیخ عبدالقادر صاحب نے کہے۔

صاحبان۔ یہ نظم بھی ہمارے آج کے عزیز مہمان کے امتزاج کے بغیر تیار ہوئی ہے آپ جان سکتے ہیں کہ جب انہیں نثر میں اپنی تعریف سننے کا تحمل نہیں تو انہیں نظم کیونکر پسند ہونے لگی ہے مجھے اس بات کا ذاتی علم ہے۔ کہ ان کے ہاں نظمیں چھپنے کی غرض سے آئیں۔ جن میں اُن کی کسی قسم کی تعریف تھی۔ اور اس واسطے چھپ نہ سکیں۔ اگر وہ اس بات کی پرواہ کرتے کہ کسی عید یا نوروز یا تقریب پر کوئی مبارکباد کا قصیدہ یا رباعی اخبار میں چھاپ لیں۔ یا کسی اپنی تصنیف کی تقریظ کے طور پر کوئی نظم حاصل کر لیں۔ تو اخبار غزلوں سے بھر لیتے۔ مگر انہوں نے پسند نہیں کیا۔ اور میری

دانست میں اچھا کیا۔ اور اپنے ہمعصروں کے لئے ایک قابل تقلید مثال قایم کی۔ یہ نظم خانصاحب نے پرانی دوستی اور محبت کے خیال سے لکھی ہے۔ خاں صاحب صاحب تصانیف و تالیفات ہیں۔ اور منشی صاحب پبلشر ہیں۔ اس پرانے راہ و رسم نے خانصاحب سے نظم لکھوائی ہے۔ اور اس کے لحاظ سے اس کے پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

نظم محبوب

آج اس بزم میں ہم آئے ہیں لیکر گوہر ۔۔۔ بحر الفت سے یہ نکلے ہیں برابر گوہر
یہ ہیں خوش آب و محبت سے منور گوہر ۔۔۔ بادشاہوں کو کہاں ایسے میسّر گوہر

یہ وہ گوہر ہیں نہیں مفت جو کھوئے ہمنے
ہاں اخوت کے ہیں رشتے میں پروئے ہمنے

یہ وہ گوہر ہیں چمکتی ہے محبت ان میں ۔۔۔ یہ وہ گوہر ہیں و مکتی ہے اخوت انمیں
مثل آئینہ ہر آئینہ ہے الفت ان میں ۔۔۔ صاف الفت کی نظر آتی ہے صورت ان میں

سچے موتی میں بتادوں تمہیں کیا کیا ہونگے
میرے محبوب کی گردن میں یہ کنٹھا ہونگے

کوئی کیا ڈالیگا سچ کہتا ہوں قیمت انکی ۔۔۔ یہ وہ موتی ہیں طلسمی ہے حقیقت انکی
جوہری دیکھ کے حیران ہیں کت انکی ۔۔۔ یہ وہ گوہر ہیں بدلتی نہیں رنگت انکی

دل کے ٹکڑے ہیں کہیں مفت نہ کھونا انکو
آب زمزم میں محبت ہی کے دھونا ان کو

تمکو معلوم ہے دنیا میں محبت کیا ہے ۔۔۔ یہ میسر ہو تو پھر دولت و حشمت کیا ہے
گر نہ الفت ہو تو پھر جان کی حقیقت کیا ہے ۔۔۔ زندگی ہیچ ہے اور اس میں فضیلت کیا ہے

اس محبت کے سبب ہم بھی ہیں دوڑے آئے
کشتئ دل میں سجا کر ہیں یہ گوہر لائے

جس محبت نے کیا سبز پری کو جوگن ۔۔۔ جس نے صحرا کو کیا قیس کے حق میں گلشن

جسنے یعقوب کی آنکھوں کو کیا تھا روشن — جس نے فرہاد کے سینے میں بنایا مسکن
دودھ کی نہر تھی جس شے نے دکھائی ہمکو
آج اس بزم میں ہے کھینچ کے لائی ہم کو

رونق بزم احبا کا جو زیور تو ہے — اور اخبار کی دنیا میں جو لیڈر تو ہے
ہاں تعصب سے مبرا جو برابر تو ہے — ہمکو ہے ناز کہ بے مثل اڈیٹر تو ہے
تم منجم سے ستاروں کی حقیقت پوچھو
اور اس شخص کی تم مجھ سے فضیلت پوچھو

خدمت ملک جو ہے سر پہ اٹھائی تو نے — خوب اصلاح کی تدبیر بتائی تو نے
اپنی حکمت سے یہ عزت ہے بڑھائی تو نے — آج مداح بنائی ہے خدائی تو نے
اور میرے ساتھ تو ہے خاص تعلق تیرا
سب پہ روشن ہے بڑا بھائی ہے یعنی میرا

دل دہڑکتا ہے میرا ذکر سمندر سنکر — ہاں سمندر میں اٹھا کرتے ہیں طوفان اکثر
پر نہیں خوف جو ہو قادر مطلق یاور — حضرت خضر الٰہی ہوں تمہارے رہبر
اے سمندر تیرے حق میں نہیں اچھا ہوگا
میرے محبوب کا گر بال بھی بیکا ہوگا

تجھ سے اے باد بپا ہوتے ہیں طوفان اکثر — ابکے بہتر ہے کہ ہو لطف و کرم ہی ہمپر
ابکے پانی نہ سمندر کا اٹھانا سر پر — ورنہ یہ جان کہ ہو جاؤنگا دشمن صرصر
ہاں نہ مانیگی اگر اب کے تو کہنا میرا
ہم نکالینگے سن اے موج ہوا بل تیرا

سیر یوروپ کو اگر جانا ہے جاؤ صاحب — تجربہ اپنا بڑھانا ہے بڑھاؤ صاحب
لطف جینے کا اٹھانا ہے اٹھاؤ صاحب — شوق سے جاؤ نہ اب دیر لگاؤ صاحب
لیک جسطرح سے اب پیٹھ دکھاؤ جا کر
ہاں اسی طرح سے پھر منہ بھی دکھاؤ آ کر

جا کے یوروپ میں ہمیں بھول نہ جانا ہرگز
نقش الفت کا نہ سینے سے مٹانا ہرگز
ہم نہیں مانیں گے ہاں کوئی بہانا ہرگز
خط کے لکھنے میں نہ تم دیر لگانا ہرگز

خط کی تحریر ہے فرقت کی سیاہی دھوتی
خط سے کہتے ہیں ملاقات ہے آدھی ہوتی

سیر یوروپ کا تمہیں شوق چرایا بھائی
تمنے بستر سوئے یوروپ ہے اٹھایا بھائی
فکر فرقت نے ہے اب ہمکو ستایا بھائی
جوش الفت نے ہے دیوانہ بنایا بھائی

تم کو جانا ہے تو دے جائے ضامن مجکو
جاؤ خالق کے کیا میننے حوالے تم کو

اسکے بعد منشی محبوب عالم صاحب شکریہ ادا کرنیکو اٹھے۔ لیکن ہجوم خیالات مانع تقریر تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں کہاں ان تعریفوں کا مستحق ہوں، جو اس وقت کی گئی ہیں شیخ صاحب نے جو کچھ میری شان میں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہوگی، کہ وہ میرے دوست ہیں اور ان کو میرے عیوب نظر نہ آتے ہونگے۔ اور جو کچھ خانصاحب نے اشعار میں فرمایا ہے ان کو میں معذور رکھتا ہوں کہ وہ علاوہ دوست ہونے کے شاعر ہیں، بہر حال مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں نے پبلک کی خدمت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ لوگ اس کی قدردانی فرماتے ہیں میری آیندہ بھی یہی کوشش ہوگی کہ میں آپ لوگوں کا ایک ادنیٰ خادم متصور ہوں۔ میں اس تکلیف کا جو آپ صاحبان نے آج میرے لئے اٹھائی ہے۔ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اپنا فخر اور اعزاز سمجھتا ہوں یہ مختصر شکریہ ختم ہونے پر سب صاحبان ہال میں جہاں ریفرشمنٹ کا سامان تھا تشریف لے گئے۔ جہاں میوہ جات، مٹھائی اور برف لیمونیڈ سوڈا واٹر وغیرہ پیش کئے گئے اور اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔

اختتام جلسہ پر جب صرف پندرہ بیس اصحاب باقی رہ گئے تھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے حال ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب بیرسٹرایٹ لا لاہور جنکے اشعار کو کچھ عرصے سے قبولیت خاص حاصل ہے، ایک نظم پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا

افسوس رہا۔ کہ اُنکی نظم پہلے کیوں نہ پڑھی جا سکی۔ بہر حال وہ نظم بھی پڑھی گئی۔ اور سامعین نے بہت داد دی۔ وہ بھی ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

نظم سر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے

لیجیے حاضر ہے مطلعِ رنگین — جس پہ صدقے ہو شاہدِ تحسین
سوئے یورپ ہوئے وہ راہ سپر — مفت میں ہو گیا ستم ہم پر
آنکھ اپنی ہے اشکِ خونیں سے — غیرتِ کاسۂ مئے احمر
فتحِ ملکِ ہنر کو جاتے ہیں — ہمرکابی کو آ رہی ہے ظفر
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے — کھینچ کر لیچلا ہے ذوقِ نظر
فخر انسان کا ہے تلاشِ کمال — جستجو چاہیئے مثالِ قمر
خوب تاڑا ہے سیر کا موقع — نکتہ بیں چاہیئے نگاہِ بشر
سیرِ دریا میں ہیں ہزار مزے — جس کو دکھلائے خالقِ اکبر
وہ سرِ شام بحر کی موجیں — مہر کی وہ خرام پانی پر
وہ سمندر بساط کی صورت — اور وہ موجوں کا کھیلنا چوسر
اور وہ چاندنی کہ بحر جسے — اوڑھ لیتا ہے صورتِ چادر
دی خبر آپ نے یہ کیا ناگاہ — چپکے چپکے چبھو دیا نشتر
دوستوں کا فراق قاتل ہے — درد اُٹھا ہے صورتِ محشر
آنکھ میں ہیں نہیں سوان لیکن — اشک اپنے ہیں مثلِ آبِ گہر
جائیے اور پھر کے آئیے گا — صورتِ بوئے نافۂ اذفر
اس طرح راہ آنکھ دیکھے گی — جوں مؤذن کو انتظارِ سحر
بزمِ یاراں رہے گی یوں خاموش — جیسے چپ چاپ شام کو ہوں شجر
سرِ مژگاں پہ آ گئے آنسو — نکل آیا جو دل میں تھا مضمر
مدحِ احباب فرضِ انسان ہے — لاؤں اس کیلئے میں خامۂ زر
یاں خموشی گناہ ہے ایسی — جس طرح کفر ہجوِ پیغمبر

یہ حضر آپ کو مبارک ہو — یہ سفر آپ کو مبارک ہو

آپ ہیں محو سیر دریائی — چشم احباب غم سے بھر آئی
رقص موجوں کا جا کے دیکھینگے — بیبھدی ہے جہانہ گو سائی
لطف اخبار کا جب آتا ہے — بزم یورپ سے ہو شناسائی
دم رخصت وہ گرمجوشی ہے — آتش عشق جس سے شرمائی
کسی کو نہ میں تا کتنی ہے اسے — گر کسے آفتاب جولائی
لب سے نکلا۔ کہ فی امان اللہ — فخر کرتا ہے تاب گویائی
نشۂ دوستی چڑھا ایسا — شعر میں بھی ہے رنگ صہبائی
آب آئینہ پہ گراتے ہیں — بسلامت روی و باز آئی
عزم پنجاب ہو مگر جلدی — کہ نہیں طاقت شکیبائی
ہو نہ محبوب سے جدا کوئی — اے رگ جان عالم آرائی
الغیاث اے معلم ثالث — درد فرقت سے جان گھبرائی
ایسی پڑیا کوئی عنایت ہو — دل سے اُلجھے کہ وہ شفا پائی
آ گیا بحر چپ رہو اقبال — خامہ کرتا ہے عذر بے پائی
توبہ کر لی ہے شعر گوئی سے — اس کی قیمت پڑی نہ اک پائی
شعر سے بھاگتا ہوں میں کوسوں — ہے یہ توحید اور میں عیسائی
آنچہ دانا کند کند نادان — لیک بعد از ہزار رسوائی

دوستوں کی یہ ہے دعا حافظ
ہو سفر میں ترا خدا حافظ

لاہور سے روانگی

ابراست و بہار است و ہوا ہم مزہ دارد
برخیز کہ لغزیدن پا ہم مزہ دارد

میری روانگی کا دن یعنی ۲۷ مئی سر پر آگیا۔ علی الصباح کارخانہ پیسہ اخبار کے تمام ملازموں وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر ایک فوٹو لیا گیا۔ نو بجے آنریبل نواب فتح علی خان کے دولت خانہ میں اردو کی حمایت میں ایک جلسہ تھا۔ اس میں شریک ہوا مگر ختم ہونے سے پہلے میں گھر چلا آیا۔ دوپہر کو بہت سے دوست میرے مکان پر جمع ہو گئے۔ اور ریلوے اسٹیشن کو جانے کی تیاری کی۔ اس وقت مفارقت کے خیال میں مستورات اور بال بچوں نے رو رو کر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا۔ کہ جس کا اثر میرے دل پر بھی ہوا۔ اور اگر میں بہت جلد زنانہ مکان سے باہر نہ نکل آتا تو میرا ضبط بھی معرض خطر میں پڑ چکا تھا۔ نہ تو میں اسوقت کے مؤثر اور دردناک نظارہ کو پورے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور نہ کما حقہٗ اس کو الفاظ میں بیان کرنیکی قدرت رکھتا ہوں۔

لاہور کے احباب

بہرحال ریلوے اسٹیشن پر بہت بڑا مجمع ہر طبقہ کے مسلمان اور ہندو مہربانوں، دوستوں اور ملاقاتیوں کا تھا کہ جنکے ناموں کے لئے دو تین صفحے بھی کافی نہ ہونگے۔ دو بجے کھڑی دوپہر کی چلچلاتی دھوپ بھی میرے دوستوں کو مجھے سٹیشن تک جا کر وداع کرنے سے نہ روک سکی۔ یہاں تک کہ خان بہادر محمد برکت علی خانصاحب بھی جو پنجاب میں مسلمہ لیڈر اور قومی امور میں سرگرمی رکھنے میں ہندوستان میں فرد ہیں۔ باوجود اس کبر سنی اور ضعف پیری کے مجھے خدا حافظ کہنے کو تشریف لائے۔ آخر ریل چلنے کو تیار

ہو گئی۔ لیکن میرے بعض دوست مجھے اب بھی تنہا چھوڑنے کو آمادہ نہ تھے چنانچہ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما۔ شیخ گلاب الدین صاحب وکیل۔ حکیم محمد شریف صاحب۔ شیخ رحیم بخش صاحب سوداگر۔ میر وزیر علی صاحب مصور۔ اور میاں عبد العزیز صاحب امرتسر تک ساتھ چلے گئے۔ امرتسر کے سٹیشن پر ایک اور مجمع احباب منتظر تھا۔ شیخ فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ میاں غلام نبی صاحب رئیس اعظم۔ شیخ غلام محمد صاحب مالک اخبار وکیل۔ و حکیم نظام الدین صاحب مع دیگر احباب امرتسر کے تشریف لائے ہوئے تھے۔ میاں غلام نبی صاحب نے فرط عنایت اور محبت سے میرے بازو پر امام ضامن کے روپے باندھ دیئے۔ اس وقت کا دلچسپ نظارہ تحریر کی نسبت تصویر اچھی طرح ادا کر سکتی دوستوں، عزیزوں اور اہل وطن کی محبت اور اخوت کے ایسے ایسے اظہار دیکھ کر دل کو وطن کی مفارقت تھوڑی دیر کے لئے پہلے سے کسی قدر زیادہ شاق گذرنے لگی۔ مگر کئی دن کی مصروفیت کے بعد میں نے پہلی مرتبہ ریل میں تنہا اور فارغ بیٹھ کر جلدی ہی اپنے منتشر خیالات کو مجتمع کر لیا۔

امرتسر کے احباب

شام کے قریب ریل انبالہ شہر کے سٹیشن پر پہنچی جہاں بزرگان انبالہ کی ایک جماعت ریفرشمنٹ کا سامان لیکر موجود تھی۔ ان صاحبوں نے بہت مہربانی کی باتوں کے بعد اظہار افسوس کیا۔ کہ انہیں صرف کل ہی میری روانگی کی تاریخ پنجاب آبزرور سے معلوم ہوئی تھی۔ اس لئے جو ایڈریس یہ اس موقعہ کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے ناتمام رہ گیا۔ میں نے اِن کا شکریہ ادا کر کے انہیں یقین دلایا کہ اچھا ہوا کہ ان کی محنت رائیگان نہیں گئی ؂

راستہ کی دعوتیں

لاہور سے بمبئی تک راستہ میں کھانے کا بہت اچھا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ کہ جس کا کریڈٹ منشی عبد العزیز صاحب مینجر پیسہ اخبار کو ملنا چاہیئے۔ گو اس سے ہمارے چند دوستوں کو تکلیف ہوئی۔ جو کھانا لیکر مختلف اوقات میں مختلف سٹیشنوں پر آتے رہے۔ لیکن مجھے بہت آرام ملا۔

میں ان صاحبوں کا اس تکلیف کے لئے تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ میرے خیال میں اگر دوران سفر میں اپنے دوستوں یا غیروں سے ایسی مدد حاصل کر لی جائے۔ کہ جس میں انہیں کسی قدر تکلیف ہو۔ مگر ہمیں اس سے زیادہ آرام ملے تو مضایقہ نہیں اس مشہور مثل کی کہ "جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم" صداقت جیسی کہ سفر میں معلوم ہوتی ہے۔ کہیں نہیں کھلتی۔ انبالہ چھاؤنی میں مسٹر اے ایچ شرر مالک کارخانہ گھڑی سازی مہربانی کر کے میرے لئے کھانا لائے۔ امید تھی کہ دو بجے رات کو گاڑی دہلی پہنچے گی۔ اور وہاں میرے عزیز دوست حافظ عبدالمجید صاحب مالک کارخانہ اے برکت اینڈ کمپنی سے ملاقات ہوگی۔ لیکن غازی آباد کے سٹیشن پر پہنچ کر معلوم ہوا۔ کہ یہ گاڑی جس میں مَیں سوار تھا دہلی ہو کر نہیں جاتی۔ یوروپ بیَن حافظ صاحب کے خط سے معلوم ہوا۔ کہ وہ آدھی رات کو کھانا ساتھ لیکر سونی پت کے سٹیشن تک چلے گئے تھے۔ مگر مجھے نہ پا کر سخت مایوس ہوئے۔ ہر چند کہ میں نے ریل وغیرہ کے وقت کے متعلق کافی غور کر لیا تھا۔ اور دوم درجہ کی گاڑی میں ایک سیٹ اپنے لئے کئی روز پہلے سے ہی لاہور سے بمبئی تک ریزرو کرا لی تھی۔ تاہم سفر میں کئی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اور ایسی ناگوار باتیں پیش آتی ہیں۔ کہ معمولی عاقبت اندیشی ان کا دفعیہ کرنے میں قاصر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی کسی قدر توضیح ذیل کے واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے:۔

سفر کی پہلی غلطی

لاہور سے میں جس درجہ میں سیٹ ریزرو کرا کر سوار ہوا تھا اس میں ایک میم صاحب بھی مع اپنے بچوں اور آیا کے سوار تھیں۔ اور اتفاق کی بات ہے۔ کہ انہوں نے بھی دو نشستیں لاہور سے بمبئی تک میری طرح پہلے سے ریزرو کرا لی تھیں۔ ان کا شوہر لاہور میں میرے سامنے اپنی بیوی کو سوار کرا کر چلا گیا۔ اور ریلوے سٹیشن لاہور کے اہلکاروں نے ہم دونوں کے لئے ایک گاڑی میں جگہ مقرر کی۔ لیکن جبکہ ۲۸ مئی کی دوپہر کو گاڑی آگرہ اسٹیشن پر پہنچی۔ اور مولوی نصیر الدین احمد صاحب مالک مطبع لامع النور میرے

لئے پر تکلف کھانا لائے۔ میں ابھی کھانے کے انتظام میں مصروف تھا۔ کہ ایک انگریز جو کبھی منٹ سے ہماری گاڑی کی طرف گھور کر دیکھ رہا تھا۔ اُس نے قریب آ کر کہا کہ چونکہ اس گاڑی میں ایک عورت بھی ہے۔ اس لئے نہیں چاہیئے کہ تم کسی دوسری گاڑی میں چلے جاؤ۔ میں نے کہا میں نے اسی لئے سیٹ ریزرو کرائی تھی۔ کہ بمبئی تک راستہ میں چار پانچ جگہ گاڑیاں بدلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ گاڑی بھر وجاتی ہے۔ علاوہ اس کے اس لیڈی کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اور نہ اس میں میرا قصور ہے۔ کہ لاہور سٹیشن والوں نے کیوں ہم دونوں کو ایک گاڑی میں بٹھا دیا ہے۔ مگر اس پر بھی وہ شخص بحث کرتا گیا اور یہی کہتا تھا کہ خواہ کوئی وجہ ہو کسی غیر عورت کے ساتھ کسی مرد کا ریل کے ایک کمرہ میں سفر کرنا اچھا نہیں۔ چنانچہ اس نے گارڈ کو بلا کر اس سے بھی یہی شکایت کی۔ اتنے میں شیخ انعام اللہ صاحب بٹلا اکسپورٹ ایجنٹ دہلی بھی جو میرے ہمراہ یورپ تک سفر کرنے والے تھے اسی گاڑی میں آ گئے۔ میں نے جھگڑا کرنا مناسب نہ سمجھا اور گارڈ کو کہدیا۔ کہ ہمیں کسی دوسری گاڑی میں بٹھلا دے۔ چنانچہ ۲ بجے دوپہر کو چھاؤنی جھانسی پہنچکر ہم اُس گاڑی کو چھوڑ کر کانپور سے متھرا آنے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مگر مجھے اُس کے بعد معلوم ہوا ہے۔ کہ ریل کا واقعی کوئی اس مطلب کا قاعدہ ہے۔ کہ کوئی غیر مرد کسی غیر عورت کے ساتھ ایک گاڑی میں سفر نہ کرے اور جن لوگوں نے اس کی پروا نہیں کی بعض اوقات بعض یورپین عورتوں نے ان پر طرح طرح کے اتہام بھی لگائے ہیں۔ اور ان سے کچھ کمایا ہے۔ اسلئے مقتضائے احتیاط یہ ہے۔ کہ خود ایسی صحبت سے پرہیز کریں تعجب ہے کہ لاہور سٹیشن والوں نے کیوں ایسی غلطی کی!

شام کو گاڑی بھوپال پہنچی۔ مولوی عبد الرؤف صاحب وکیل و کورٹ انسپکٹر بھوپال سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار سٹیشن پر مع دو تین دوستوں کے موجود تھے۔ چونکہ گاڑی وہاں آدھ گھنٹہ ٹھیرتی ہے۔ مولوی صاحب نے پلیٹ فارم پر

پہلے ہی دستر خوان بچھا رکھا تھا۔ ہم سب نے بڑے اطمینان سے بیٹھ کر کھانا کھایا ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم ایک نہایت پر تکلف دعوت میں مدعو ہیں۔ مولوی صاحب نے بہت سا کھانا اور میوہ جات بمبئی تک کے لیے ساتھ بھی کر دیئے۔ وہ مجھے ایک دن بھوپال میں ٹھیرنے کے لیے بڑا اصرار کرتے تھے۔ مگر چونکہ میرا وقت محدود تھا۔ میں لوٹتے ہوئے ٹھیرنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوا۔ لیکن افسوس ہے کہ لوٹتے ہوئے میں اس سے بھی زیادہ وقت کی تنگی کا شاکی تھا۔

۲۹ مئی کی صبح کو بھساول اور منماڑ کے اسٹیشنوں سے گزرے۔ بھساول بڑا اسٹیشن ہے۔ جہاں سے ایک لاین ناگپور کو بھی جاتی ہے۔ آگرہ سے چل کر تمام راستہ میں خشک جنگل اور ریگستان اور پہاڑوں کے سوا کوئی کھیت یا سبزہ نظر نہیں پڑا۔ تعجب ہوتا تھا۔ کہ یہاں کے لوگ کس غلہ پر گزارہ کرتے ہوں گے۔ بوجہ خشک سالی کے پانی بھی اس علاقہ میں کمیاب تھا۔ سٹیشنوں پر دور دور سے پانی لایا جاتا تھا۔ اور صرف ہندو پانی پلانے والے جو "مہاراج" کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ہندو مسلمان مسافروں کو پانی پلاتے تھے بھساول کے آگے کچھ کھیت اور سبز جنگل نظر آئے۔ بعض پہاڑیوں پر بھی سبزہ موجود تھا۔ دوپہر کو اگیت پوری سٹیشن پر پہنچے۔ یہاں گاڑی میں ایک خاص قسم کا بھاری انجن لگایا گیا۔ کیونکہ یہاں سے آگے گاڑی کو پہاڑوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے۔ اس لیے گاڑی بہت تھم تھم کر چلتی ہے۔ راستہ میں کسارا سٹیشن اور اگیت پوری کے مابین تیرہ چھوٹے بڑے بفدے (ٹنل) پہاڑ میں کھودے گئے ہیں۔ جن میں سے ریل گزرتی ہے۔ لیکن ایک جگہ پہاڑ کی صورت ایسی مشکل آ گئی ہے۔ کہ وہاں سے سڑک کا موڑ بن ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ٹرین ایک جگہ کھڑی کی جاتی ہے۔ اور انجن آگے سے اتر کر ایک سائڈنگ کے ذریعے سے پیچھے کی طرف آ لگتا ہے۔ اور جو پچھلا رخ ٹرین کا آگے ہو جاتا ہے یہی ترکیب میں نے بیروت سے دمشق کو جاتے ہوئے کوہ لبنان کی ریل کے

ایک مشکل پہاڑی سے گزرنے کیوقت دیکھی ہے۔ غرض پانچ بجے شام کو ریل بمبئی کے بڑے سٹیشن بوری بندر (وکٹوریہ ٹرمی نس) پر پہنچی۔ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی کے بمبئی کا یہ سٹیشن شاید یوروپ کے کسی ریلوے سٹیشن سے بھی دوم درجہ کا نہ ہوگا۔ یہاں خانصاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب میڈیکل ہال انفیسر پلیگ میرے منتظر تھے۔ جو مجھے اپنے ہمراہ مکان پر لے گئے۔

بمبئی میں سفر کی تیاری

جہاز امپرے ٹرکس جس کا میں نے ٹکٹ خریدا ہوا تھا یکم جون کو بندر بمبئی سے روانہ ہونے والا تھا۔ اس لئے ۳۰ و ۳۱ مئی کے دو دن بعض ضروری سامان خریدنے کے لئے مجھے بمبئی میں ٹھیرنا چاہیئے تھا۔ میں نے لاہور سے جو سامان سفر بعض دوستوں کے مشورہ سے لیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ دو چھوٹے ٹرنک (ایک چرمی اور ایک فولادی) کپڑوں کے لئے چھوٹے اس لئے منتخب کئے تھے۔ کہ ریل گاڑیوں کے دروازوں سے گزرنے اور ریل اور جہاز کی نشستوں کے نیچے رکھنے میں دقت نہ ہو۔ ایک چرمی پورٹ ایک مختصر سا بچھونا۔ باوجودیکہ لاہور میں مجھے بچھونا ساتھ لیجانے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ بچھونے بغیر سفر میں گذارہ کیسے ہو سکتا ہے۔ صرف تین جوڑے نئے کپڑے انگریزی وضع کے لاہور میں سلوائے تھے۔ کیونکہ یوروپ کے ہر ملک میں سلے سلائے کپڑے ہر وقت مل سکتے ہیں۔ اور ایک ایک درجن پاجامے کرتے بنیائن رومال پاتابے وغیرہ لے لئے تھے۔ ایک دوست کی صلاح سے سوئی۔ تاگا۔ بٹن۔ قینچی۔ چاقو برش۔ بوٹ کا پالش۔ منجن۔ صابن۔ قلم دوات اور کئی دوسری چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی ساتھ لے لی تھیں۔ جو واقعی سفر میں بہت کام آئیں۔ بمبئی پہنچکر اس مختصر سامان میں ایک بارانی اوور کوٹ ایک واٹر پروف چھتری۔ ایک جہاز میں بیٹھنے کی ہلکی آرام کرسی۔ علاوہ دو تین مرّی کے گائڈ بکوں کے کہ جن کی قیمت چھ چھ روپے تھی۔ اور جن کے

مطالعہ سے سفر میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اور اضافہ کرنے پڑے۔

میں نے ایک گائیڈ بک میں پڑھا تھا۔ کہ "مسافر کا اسباب خرابی سے مشابہ ہے۔ اور خرابی جتنی کم ہو اچھی بات ہے" اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسافر کو اسباب کے حمل و نقل میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اسلئے مناسب یہی ہے۔ کہ اسباب کا کھڑاگ جتنا کم ہو اتنا ہی اچھا۔ کیونکہ یوروپ کی بعض ریلوں میں تو بخلاف ہندوستان کے دستور کے اول و دوم درجہ کے مسافروں کو بھی پانچ سیر سے زیادہ بوجھ مفت ساتھ لیجانے کی اجازت نہیں۔ گو میں نے مختصر سا بچھونا ساتھ رکھ لیا تھا۔ لیکن آگے چل کر اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑی جہاز ہو یا ہوٹل یا لاجنگ ہوس یوروپ میں ہر جگہ بہت عمدہ بچھونا ہر مسافر کو باسانی مل جاتا ہے۔ بعض دفعہ سفر میں ایک ذرہ سی فروگذاشت سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً اگر میں بیٹھنے کی کرتج کی آرام کرسی جسے ڈک چیئر کہتے ہیں۔ بمبئی سے نہ لیتا تو جہاز میں بیحد تکلیف ہوتی۔ اور سمندر کے کئی خوشنما قدرتی منظروں کے نظارہ کے لطف سے جو گھنٹوں صحن جہاز میں تنہا بیٹھ کر ہر مسافر اٹھا سکتا ہے محروم رہ جاتا۔ بعض دفعہ یہ کرسی جہاز کے کسی ملازم سے بھی کرایہ پر مل جاتی ہے۔ کیونکہ سفر کے خاتمہ پر سب مسافر اپنی اپنی کرسیاں جہاز کے خدمتگاروں کو دے جاتے ہیں۔

پروگرام کی دقت

جہاز ٹھیرانے میں مجھے بخلاف دوسرے لوگوں کے انگریزی پسنجر ایجنٹوں اور احمد خان آتش خان مشہور دلالان جہاز بمبئی سے بہت کچھ خط و کتابت کرنی پڑی۔ میرا ابتدائی قصد یہ تھا کہ پہلے بمبئی یا کلکتہ سے چین اور جاپان کو جاؤں۔ اور وہاں سے آسٹریلیا ہوتا ہوا شمالی امریکہ کے درمیان سے گذر کر انگلستان پہنچوں۔ اور پھر پیرس برلن قسطنطنیہ سے ہوتا ہوا مصر دیکھ کر وطن کو واپس لوٹوں۔ مگر اتنے لمبے بحری سفر کی تکالیف سے ڈر کر پہلے یوروپ ہی کو جانا مناسب سمجھا۔ اور چونکہ

بوجہ طاعونی انتظامات کے ہندوستانی مسافر کو مصر ہیں کئی روز کا قرنطینہ کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے سیدھا آسٹریلیا کا قصد کیا۔ ورنہ اگر مصر اور قسطنطنیہ پہلے دیکھ سکتا تو پھر اسی راستہ سے ہندوستان کو لوٹنے کی فکر نہ رہتی۔

جہازوں کی مختلف لائنیں

ہندوستان کے بندرگاہوں سے جہازوں کی کئی لائنیں یوروپ کے مختلف بندرگاہوں کو جاتی ہیں۔ مگر اُن ہیں سے یہ چار یا پانچ لائنیں مشہور ہیں (۱) پی اینڈ او کمپنی (پیننشولر اینڈ اورینٹل سٹیم نیوی گیشن کمپنی) (۲) فرنچ میسیجریز میری ٹیم (۳) آسٹرین لائیڈ کمپنی (۴) اٹالین فلور یورو باٹینو کمپنی (۵) برٹش انڈیا سٹیم نیوی گیشن کمپنی۔ ان میں پہلی اور پانچویں کے جہاز برنڈسی اور مارسیلز میں بھی ٹھیرتے ہیں۔ اور لنڈن تک براہ بحر بھی جاتے ہیں لیکن جو لوگ مارسیلز یا کسی دوسرے بندرگاہ پر اتر کر آگے ریل پر سوار ہو جاتے ہیں اُن کا خرچ تو کچھ زیادہ پڑتا ہے۔ مگر وقت کم صرف ہوتا ہے۔ ساتھ ہی انہیں سیر کا بھی زیادہ موقعہ ملتا ہے۔ فرانسیسی لائن مارسیلز اور نیپلز میں ہی ٹھیرتی ہے۔ اٹالین کمپنی برنڈسی اور نیپلز جنیوا وغیرہ مقامات کو جاتی ہے۔ آسٹریلین کمپنی کی لائن سیدھی ٹرلیسٹ اور وینس کو جاتی ہے۔ ان سب لائینوں کے جہازوں میں مسافروں کے لئے تین تین درجے ہوتے ہیں۔ سوائے فرانسیسی کمپنی کے جہازوں کے کہ جن میں چار درجے ہوتے ہیں۔ اوّل اور دوم درجہ کے مسافروں کو اور فرانسیسی کمپنی میں تیسرے درجہ والوں کو بھی کمرے ملتے ہیں۔ اور سوم درجہ کے مسافر اور فرانسیسی کمپنی بھی چہارم درجہ کے تختۂ جہاز پر گزارہ کرتے ہیں۔ پی اینڈ او کمپنی کے جہازوں میں دوم درجہ کے دو قسم کے اندرونی اور بیرونی کمرے ہوتے ہیں۔ جن کے کرایہ ہیں تھوڑا سا فرق ہے۔ چونکہ اس کمپنی کے ساتھ گورنمنٹ ہند کا معاہدہ ہے۔ کہ یہ ہندوستان اور انگلستان کے مابین ڈاک لانے اور لیجانے کا کام کرے۔ اس لئے اس کے جہاز بہت تیز رو ہیں۔ اسی واسطے اس کے جہاز کا کرایہ بھی بمقابلہ دوسری کمپنیوں کے زیادہ ہے۔ علاوہ اس کے اِن جہازوں میں کوئی ایسا مال تجارت بھی نہیں

بھرا جاتا ہے کہ جس کے راستے میں اتارنے میں دیر لگے۔ آسٹرین لائیڈ کمپنی کے تیز رو جہاز بھی سویز اور بمبئی کے مابین قریب قریب اتنے ہی دنوں میں راستہ طے کرتے ہیں لیکن وہ عدن میں مال تجارت لادنے اور اتارنے میں دن بھر لگا دیتے ہیں۔ ان مشہور لائنوں کے علاوہ اینکر لائن۔ سٹی لائن۔ ہیرسین لائن وغیرہ کے جہاز بھی ہندوستان اور انگلستان کے مابین آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اور نسبتاً ارزان کرایہ پر مسافر اُن پر سفر کر سکتے ہیں ؏

مختلف جہازوں کی شرح کرایہ

مندرجہ ذیل جدول سے مختلف لائینوں کے جہازوں کے مختلف درجوں کے کرایہ مع کھانے کے خرچ کے معلوم ہو سکتے ہیں۔ گو انمیں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

جہازوں کی مختلف لائنین	درجہ اول	درجہ دوم	درجہ سوم یا درجہ اول و دوم کے درمیان کا
پی اینڈ او کمپنی از بمبئی تا لنڈن براہ مارسیلز	۰۵۷ روپے	۵۷۴ روپے	۲۲۵ روپے
" تا مارسیلز	۷۰۰ "	۴۲۵ "	۲۰۰ "
روباٹینو کمپنی تا نیپلز جینوا برنڈسی	۵۵۰ روپے	۳۲۵ "	۲۰۰ "
آسٹرین لائیڈ کمپنی تا ٹریسٹ	۶۰۰ "	۳۲۵ "	۱۵۰ "
برٹش انڈیا نیویگیشن کمپنی کلکتہ یا مدراس سے تا لنڈن وغیرہ	۶۲۵ "	۴۲۵ "	۲۰۰ "
میسجریز تا مارسیلز	۷۰۰ "	۵۲۵ "	۲۶۰ "

مگر درجہ سوم کے مسافر اگر جہاز کا کھانا نہ کھائیں تو اس سے بھی کم خرچ سے سطح جہاز پر سفر کر سکتے ہیں۔ مثلاً بمبئی سے پورٹ سعید تک بلا کھانے کے سوم درجہ کے مسافر کو آسٹرین لائیڈ کمپنی کے جہاز پر صرف پچھتر روپے دینے پڑتے ہیں۔ گویا ہندوستان کا غریب مسافر اس رقم میں بھی مصر پہنچ سکتا ہے ؏

بمبئی کلکتہ وغیرہ بندرگاہوں میں جہازوں کے مسافروں کے لئے دلال موجود ہوتے ہیں۔ جو انہیں جہاز کا ٹکٹ دلوانے میں مدد دیتے ہیں۔ اور اپنا حق الخدمت اُن سے لیتے ہیں۔ لیکن لکھے پڑھے آدمی کے لئے مناسب ہے۔ کہ کسی انگریزی "پسنجر ایجنٹ" کارخانہ سے بھی شرح کرایہ دریافت کرے۔ تاکہ دھوکہ نہ کھائے۔ میں نے

ٹامس کک اینڈ سن

اپنے سفر کے اکثر حصوں میں طامس کک اینڈ سنز کی معرفت ریل اور جہاز کے ٹکٹ خریدے ہیں۔ اور اس

سے مجھے بڑا آرام ملا ہے۔ اس کارخانہ سے دنیا کے ہر حصہ کے لئے ریل اور جہاز کا ٹکٹ خریدا جاسکتا ہے۔ جس میں ناواقف لوگوں کو کسی قسم کا دھوکہ نہیں، بلکہ کئی طرح کی سہولیت اور مدد ملتی ہے۔ گو میں نے خط وکتابت سے جہاز کا کرایہ اور تاریخ روانگی مقرر کرلی تھی۔ لیکن ٹکٹ نہیں دیا تھا جب بمبئی پہنچ کر ٹکٹ لینے کے لئے میں مسٹر طامس کک اینڈ سنز کے کارخانہ میں پہنچا تو انھوں نے مجھے صلاح دی کہ اگر یورپ میں کسی ریل کا ٹکٹ لینا چاہو۔ تو وہ بھی یہیں سے مل سکیگا۔ چنانچہ میں نے ٹرلیسٹ سے براہ وائنا وبرلن ہمبرگ تک کا ٹکٹ لینا تجویز کیا۔ ٹرلیسٹ سے ہمبرگ تک دوم درجہ کا ریل کا کرایہ انہوں نے پچھتر روپے بتلایا۔ اور بمبئی سے ٹرلیسٹ تک جہاز کے لئے پہلے سوا تین سو روپے لے چکے تھے۔ جب میں نے پچھتر روپے دیئے تو اس میں سے مجھے لعہ ۱۲ واپس دیئے گئے۔ یہ کہہ کر کہ بمبئی سے لنڈن یا کم از کم ہمبرگ تک جہاز اور ریل کا اکٹھا کرایہ دینے میں کمپنیاں انہیں معقول کمیشن دیتی ہیں۔ اس لئے وہ اس کمیشن کا ایک حصہ اپنے گاہکوں کو دیدیتے ہیں چنانچہ اس کارخانہ نے بغیر میری درخواست اور اطلاع کے مجھے یہ روپے لوٹا دیئے مگر رسید پورے روپے کی دی۔ یعنی سا عہ ۱۲ لیکر للعہ کی رسید لکھدی۔ اس سے بڑھ کر کسی کارخانہ کی ایمانداری اور خوش معاملگی اَور کیا ہوسکتی ہے۔ اور اسی قسم کی خوش معاملگی اور صفائی ہر کارخانہ کی کامیابی کا بڑا راز ہے

پاسپورٹ

اسی کارخانہ میں مجھے یہ بھی صلاح دی گئی کہ اگر میں قسطنطنیہ کو جانا چاہتا ہوں۔ تو مجھے گورنمنٹ بمبئی کے دفتر سکریٹریٹ سے پاسپورٹ یعنی پروانہ راہداری حاصل کرنا چاہیے چنانچہ ایک چھپا ہوا فارم مجھے خانہ پُری کے لئے دیا گیا۔ میں فوراً بمبئی کی سکریٹریٹ کی عظیم الشان اور خوبصورت عمارت میں گیا۔ تیسری منزل پر صاحب فارن سکریٹری کی خدمت میں درخواست پاسپورٹ کی دی۔ تھوڑی دیر کے بعد

فارن سکرٹری صاحب نے اپنے ہیڈ کلرک کو بلاکر دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ جبکہ یہ شخص پرسوں صبح کے جہاز پر بمبئی سے جانے والا ہے۔ میں نے لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور سے ایک معمولی پاسپورٹ لے لیا تھا۔ جو حال ہی میں گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی طلبا کے انگلستان جانے کے متعلق تجویز کیا تھا۔ لیکن اس کی مجھے لاہور سے لنڈن تک کہیں ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے یہ کاغذ بمبئی گورنمنٹ کے فارن سکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے دیکھ کر وہ بولے کہ یہ کس طرح یقین ہو کہ یہ دستخط لاہور کے ڈپٹی کمشنر کے ہیں۔ میں نے کہا یہ دریافت کرنا آپ کا کام ہے۔ آخر انہوں نے صلاح دی کہ چونکہ تم لنڈن جانے والے ہو۔ انڈیا آفس سے لاہور کا پاسپورٹ دکھلانے کے بعد تم کو قلمروئے عثمانیہ کی سیاحت کے لئے پاسپورٹ ملجائیگا۔ واضح رہے۔ کہ جو ہندوستانی۔ روس۔ ٹرکی۔ ایران یا بلگیریا یا سرویا وغیرہ ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوں، انہیں پہلے ہی ہندوستان سے پاسپورٹ ضرور حاصل کر لینے چاہئیں، ورنہ سفر میں تکلیف کا اندیشہ ہے۔ جو لوگ پہلے لنڈن جاتے والے ہوں، وہ وہاں فارن آفس سے پاسپورٹ لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی مجسٹریٹ۔ جج۔ ڈاکٹر۔ پادری سالسٹر بینکر وغیرہ سے اس امر کی تصدیق کرا سکیں کہ وہ انگریزی رعایا میں سے ہیں، اس کام کے لئے کچھ فیس دینی پڑتی ہے۔ اور پھر جس غیر ملک میں جانا چاہئیں۔ بعض صورتوں میں اس ملک کے قونصل سے کچھ اور فیس دیکر اس پر دستخط کرانا پڑتا ہے۔ جسے "ویزا" "تصدیق" کہتے ہیں*

* لنڈن کے فارن آفس میں پاسپورٹ اور اسکے حاصل کرنے کی فیس ۲½ شلنگ یعنی دو روپے کے قریب ہے۔ لیکن اسکو اگر مندرجہ ذیل ممالک کے لئے "ویزا" کرایا جائے تو حسب ذیل فیس علاوہ دینی پڑتی ہے

آسٹریا ہنگری بشرطیکہ بوسینا ہرزی گووینیا گذرنا ہو ورنہ ضروری نہیں ۳ شلنگ ۰ پنس	ایران۔ اگر مزدور یا کاریگر ہو۔ تو چار قران...... ۱ شلنگ ۸ پنس

بلجیم ۳ شلنگ ۶ پنس

بلگیریا کے لئے ٹرکی پاسپورٹ اور ویزا کافی ہے

فرانس میں اگر مدت تک قیام کرنا ہو تو پاسپورٹ درکار ہے .... ۲ شلنگ ۶ پنس

جرمنی .... ۲ شلنگ ۶ پنس

یونان .... ۳ — ۶

اٹلی .... ۵ — ۰

جاپان اندرون ملک میں جانے کے لئے خاص پاسپورٹ کی ضرورت ہے } ۲ شلنگ ۵ پنس

ایران - تمام دوسرے لوگوں کے لئے ۱۲ قران تقریب تین روپے، ر کے ۳ - ۷

رومانیا (انگریزی رعایا سے) ۱ — ۰

روس (پاسپورٹ میں مذہب ضرور بتلانا چاہیئے چھ ماہ سے پرانا پاسپورٹ نہ ہو) ۱۰ - ۵

سرویا .... ۳ — ۶

ہسپانیہ .... ۹ — ۰

سوئیٹزرلینڈ .... ۳ — ۰

ٹرکی .... ۵ — ۰

اب صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا۔ کہ گھر سے جو روپیہ میں ساتھ لایا تھا۔ اس کا کچھ انتظام کروں۔ نیشنل بنک اور چارٹرڈ بینک بمبئی میں جا کر لنڈن کے ڈرافٹ کا نرخ دریافت کیا۔ آخر پندرہ روپیہ پونڈ کے حساب سے چارٹرڈ بینک کا ڈرافت خرید لیا۔ جس کا روپیہ لنڈن میں پہنچکر ملسکتا تھا۔ کچھ روپیہ کی انگریزی اشرفیاں ساتھ لے لیں۔ جو یوروپ کے ہر ملک میں بلا دقت چل سکتی ہیں۔ اور جنکا اب ہندوستان میں بھی چلن ہے ؎

جہاز کی سواری

دریں دریائے بے پایان وایں بحر موج افزا
سر افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

الوداع آج یکم جون کو جہاز کی روانگی کا دن تھا۔ بندرگاہ پر بہت سے مسافروں کے عزیز اور دوست انہیں رخصت کرنے کے لیے آئے تھے۔ کئی مسافروں کے گلوں میں پھولوں کے بڑے بڑے ہار پڑے تھے۔ یہ ایسے ذرا ذرا سے ہار نہیں تھے۔ جیسے لاہور میں بعض تقریبوں اور جلسوں میں لوگوں کو پہنائے جاتے ہیں بمبئی میں دستور ہے۔ کہ جب کوئی معزز شخص سفر پر جانے لگے تو اس کے دوست اور عزیز اسکو ہار پہناتے ہیں میرے بھی ایک بزرگ اور مہربان دوست سیٹھ عبداللہ بھائی لالجی صاحب نے مجھے ہار پہنائے۔ یہ بمبئی کے ان چند نامور مسلمان تاجروں میں سے ہیں۔ جو لکھے پڑھے اور خوشحال ہیں۔ اور جن کے نام سے اس شہر کے مسلمانوں کی تجارت کی عزت قایم ہے شب گزشتہ میں ان کے عالی شان بنگلہ میں جو مہالکشمی کے قریب سمندر کے کنارہ پر واقع ہے ٹھہرا تھا۔ یہ نہایت عمدہ اور پُر فضا مکان ہے۔ جو سیٹھ صاحب نے چند سال پہلے کم و بیش سوا لاکھ روپے کے صرف سے بنوایا ہے۔ صاحب موصوف مجھے رخصت کرنے کو جہاز تک جانا چاہتے تھے۔ میں نے اصرار کیا کہ میں چلا جاؤنگا۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ مجھے رستے سے اپنے دونوں رفیقوں کو بھی ساتھ لینا تھا۔ اور گودی یہاں سے کئی میل دور تھی۔ آخر انہوں نے اپنے لائق صاحبزادہ سیٹھ ناصر بھائی کو میرے ساتھ کر دیا۔ جنہوں نے مجھے اور میرے دونوں رفیقوں کو پھولوں سے لاد دیا اور خدا حافظ کہا۔ ان دونوں رفیقوں میں

ہندوستانی مسافران جہاز

سے شیخ انعام اللہ صاحب بٹلا اکسپورٹ ایجنٹ جو آگرہ سے ہی میرے ساتھ تھے۔ پہلے تین چار مرتبہ بغرض تجارت یوروپ کا سفر کر چکے ہیں۔ دوسرے صاحب بابو محمد بخش لاہور کے رہنے والے ہیں۔ یہ پہلے لاہور میں سرکاری ملازم تھے پھر کچھ عرصہ تک امیر صاحب کابل کے "میر عمارت" رہے ہیں۔ اب کچھ اسباب تجارت لیکر پیرس کی نمایش میں جارہے ہیں۔ طاعون کی وجہ سے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے تمام مسافروں کا طبی معائنہ لازم تھا۔ وکٹوریا ڈاک نامی بندر میں ایک یورپین ڈاکٹر ایک شیڈ میں بیٹھے تھے۔ ہر ایک مسافران کے پاس جاتا تھا۔ وہ اُسکا نام اپنی فہرست میں دیکھتے۔ پھر نبض دیکھتے اور زبانی بھی دریافت کرتے کہ تم بیمار تو نہیں ہو اور جب اُنکا اطمینان ہو جاتا۔ تو ایک کاغذ پر دستخط کرکے اسکو دے دیتے تھے۔ تب ایک یورپین پولیس آفیسر جو جہاز کے راستہ پر کھڑا تھا۔ وہ کاغذ دکھلایا جاتا تو وہ مسافروں کو جہاز کے اندر جانے دیتا۔ تیسرے درجے کے مسافروں کو اس قسم کے کاغذ نہیں دیئے جاتے تھے۔ بلکہ اُن کے ہاتھوں پر ربڑ کی ایک مہر لگا دی جاتی تھی۔ اور اسکو دیکھ کر پولیس افیسر انہیں گزر جانے دیتا۔ اُن لوگوں کے اسباب کا بھی ملاحظہ کیا جاتا تھا۔ اور اس پر بھی وہی مہر لگا دی جاتی تھی۔ اول و دوم درجے کے مسافروں کے اسباب کو اُس ظاہری حالت پر سے صاف سمجھ لیا گیا تھا۔ ریل میں بھی اول اور دوم درجے کے مسافروں کو طاعون کے معائنہ کی تکلیف سے آرام رہتا ہے۔ البتہ بیچارے تیسرے درجے کے مسافروں ہی کی مٹی پلید ہوتی ہے۔ جو پلیٹ فارم پر قطار باندھ کر کھڑے کئے جاتے ہیں بحالیکہ انہیں میں زیادہ ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں۔ جو اس تکلیف کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

یہ جہاز امپریٹرکس آسٹرین لائیڈ کمپنی کا ایک تیز رو جہاز پونے چار سو فیٹ لمبا اور سینتالیس فیٹ چوڑا ہے۔ جو پانچ ہزار ٹن پانی کو ہٹا سکتا ہے۔ علاوہ مسافروں

کے رشتہ داروں اور دوستوں کے جہاز کے قریب بہت سے سودا بیچنے والوں کا بھی ہجوم تھا۔ یہاں بکثرت انگریزی کتابیں اخبار اور رسالے بک رہے تھے۔ کیونکہ آئندہ کئی روز تک جہاز میں یہی رفیق اور مونس تنہائی ہونے والے تھے۔

ٹھیک ایک بجے بعد دوپہر جہاز روانہ ہوا۔ جو شخص جہاز پر پہلی مرتبہ سوار ہوا ہو۔ اُس کے لئے سمندر کا نظارہ کیسا دلچسپ اور ساتھ ہی کس قدر ہیبت ناک ہوتا ہے اس وقت اس کے دل میں جو جو جذبات پیدا ہوتے ہیں اُن کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ سمندر کا پانی پہلے ہلکا سبز تھا۔ کچھ دُور آگے بڑھ کر جب گہرائی زیادہ ہوئی تو رنگ بھی گہرا سبز اور آخر نیلگون ہو گیا۔ یہانتک کہ جب خشکی نظر سے غائب ہو گئی۔ تو سوائے نیلگون پانی اور نیلگون آسمان کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بادبانی جہاز کہ جنہیں بگلے کہتے ہیں۔ اور ماہی گیری کی کشتیاں جو خشکی کے قریب ملتی ہیں۔ آگے چلکر انکا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔

اول درجے میں سوائے انگریزوں کے دو ہندوستانی نوجوان بھی تھے۔ ایک پارسی نوجوان جو جرمنی کے ایک مقام کمنسٹز میں برقی انجنیری سیکھنے کو جا رہا تھا یہ کہتا تھا۔ کہ اس کام میں چار سال لگینگے۔ دوسرا مسلمان سردار بہادر میر عبدالعلی خان ڈپٹی انسپکٹر پولیس افیسر بمبئی کا چھوٹا بیٹا بیرسٹری کے لئے جا رہا تھا۔ دوسرے درجے میں ہم تینوں ہندوستانیوں کے علاوہ دو بوہرے سوداگر بھی تھے۔ جو براہ عدن ابی سینیا (حبش) کو جاتے تھے۔ جہاں ان کی دوکانیں ہیں۔ ایک یہودی جنٹلمین بمبئی کا رہنے والا تبدیل آب و ہوا کے لئے یوروپ کو جا رہا تھا۔ اس کی بیوی قسطنطنیہ کی رہنے والی تھی جو علاوہ ترکی کے یورپ کی سات آٹھ زبانیں جانتی تھی۔ اور قسطنطنیہ اور ترکوں کی بڑی تعریف کرتی تھی۔ باقی بہت سے یورپین مسافر تھے۔ ان میں سے اکثر تو جلدی ہی ہم سے گھل مل گئے۔ لیکن بعض کے دلوں میں آخر تک ہندوستان کے دیسی اور انگریزی کی تفریق کا اثر باقی رہا۔ تاہم سب نہایت تہذیب سے ملتے جلتے تھے۔ دن بھر ڈک (صحن جہاز) پر آرام

کرسیوں پر بیٹھے لوگ آپس میں ہر قسم کی گپ شپ اڑاتے یا پڑھتے رہتے تھے اول اور دوم درجے کے مسافروں کو دن میں تین دفعہ کھانا ملتا تھا اور دو دفعہ چائے وغیرہ۔ گویا صبح سے شام تک پانچ مرتبہ جہاز پر کھانے کی گھنٹی بجتی۔ چھ بجے صبح چائے۔ نو بجے ناشتہ۔ ایک بجے بعد دوپہر ٹفن۔ چار بجے چائے۔ اور سات بجے ڈنر کا وقت مقرر تھا۔ اس طرح سوائے کھانے سونے اور گپیں ہانکنے کے جہاز پر اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہ سمندر کی آب و ہوا کی برکت ہے۔ کہ اتنا کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ اور قبض کی شکایت رہتی ہے۔ خشکی پر اتنی غذا ہضم کرنا ذرا مشکل ہے۔ جہاز کے افسر جو سب اطالی تھے کبھی کبھی شام کو طنبور بجا کر سب کو خوش کرتے۔ اہل اطالیہ کو اس آلہ کے بجانے میں کمال ہے۔ سوائے دو چار افسروں کے باقی ملازمان جہاز انگریزی نہیں جانتے تھے۔ اس لئے کھانے کی میز پر اور دوسری خدمات کے لئے جہاز کے نوکروں سے اشارہ سے کام لینا پڑتا تھا۔ پہلے تین چار روز تو

سمندر کی بیماری

بہت سے مسافر سی سکنس (سمندر کی بیماری) سے بیمار ہو گئے مجھے بھی برابر تین دن تک ایک دو دو دفعہ قے ہوتی رہی اور کھانے سے نفرت معلوم ہوتی تھی۔ ہر وقت دوران سر رہتا تھا۔ لیکن اس کے بعد بالکل آرام ہو گیا۔ بعض لیڈیاں دیر تک صاحب فراش رہیں۔ لیکن بعض لوگ جہاز کی بیماری سے بالکل محفوظ بھی رہے۔ اس کے بہت سے علاج بتائے جاتے ہیں۔ ترشی کھانے کی صلاح دی جاتی ہے۔ لیکن میں نے بہتیری ترشی بھی کھائی مگر سوائے قے کے آرام نہ آیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قے بڑی مفید ہوتی ہے اس سے تمام صفرا خارج ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب آرزومند ہی رہے کہ انہیں بھی قے ہو جائے مگر نہ ہوئی۔ بعض لوگ صلاح دیتے ہیں۔ کہ سمندر کے کھاری پانی کا ایک بڑا سا گھونٹ پی لینا چاہیئے اس سے یا تو کھل کر قے ہو جائیگی۔ یا بالکل قے نہ ہوگی لیکن مجھے تو شیخ کی یہ رائے ہی مجرب معلوم ہوتی ہے۔ کہ سمندر کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ فوراً کنارے پر چلے جاؤ۔

ایک روز میں نے کھانے کی میز پرہی قے کردی - ایک یورپین مسافر نے جو بحری سفر کا خوب تجربہ رکھتا تھا۔ مجھے صلاح دی کہ میں فوراً پھر کھانا کھالوں۔ چنانچہ میں نے پھر اُسی وقت تھوڑا سا کھالیا - لیکن سب سے بہتر تجویز دورانِ سر یا قے سے بچنے کی یہ معلوم ہوتی تھی۔ کہ بچھونے پر چت چُپ چاپ پڑے رہیں ؛

جہاز میں قبض کی شکایت عموماً رہتی ہے - میوہ جات جو کھانے کے ساتھ ملتے ہیں قبض کے دفعیہ میں مدد دیتے ہیں - اگر سرد پانی کا گلاس علی الصباح نہار مُنہ پی لیا جائے تو قبض کے لئے بہت مفید ہوتا ہے ؛

پُر امن سمندر

نہایت شکر گزاری کے قابل بات تھی - کہ سمندر میں تلاطم بالکل نہیں تھا - ہم لوگ ہر وقت ہراساں رہتے تھے - کہ یہ طوفان کا موسم ہے - ضرور راستہ میں کہیں نہ کہیں ہمیں طوفان ملے گا - اس صورت میں جہاز والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے - اور پُرانے پُرانے جہاز کے مسافر بھی بحری بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں - مگر الحمد اللہ کہ سمندر میں ذرا بھی تموّج نہ ہوا - بلکہ مارچ اور اپریل کے سمندر کی طرح بالکل پُر امن رہا بعض لوگوں کو اندیشہ تھا کہ عدن سے دور و زادھر جزیرۂ سقوطرہ کا سمندر ضرور مواج ہوگا - لیکن یہاں بھی بالکل سکون تھا - تاہم خیال تھا کہ امروز و فردا طوفان شروع ہو جانیوالا ہے - اس طوفان سے گو جہازوں کے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے - بلکہ بعض اوقات جہازوں کی سلامتی تک کا بھی اندیشہ ہوتا ہے - لیکن اس سے دنیا کو بڑا نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ موسمی ہوائیں جو سمندر میں "مانسون" (بارش) پیدا کرتی ہیں - وہ بادل لے جاکر ہندوستان میں برساتی ہیں - اگر اچھا مانسون ہو - تو کافی بارش ہو جاتی ہے - اس لئے میری ہمیشہ یہ دعا تھی - کہ خدا تعالےٰ پر زور مانسون لائے - اور تمام ہندوستان کو سیراب کردے ؛

دُخانی جہاز رانی

جس زمانہ میں دُخانی طاقت سے چلنے والے جہاز - یعنی سٹیم شپ ایجاد نہیں ہوئے تھے - بحری سفر بادبانوں والے جہازوں

میں کیا جاتا تھا۔ جو محض ہوا
اور دنوں میں طے ہوتے ہیں
صدی کے شروع میں انگلستا
ہے۔ لیکن اُنیسویں صدی کے
ہندوستان پہنچتے تھے۔ پہلے پہل
پندرہ سولہ سال بعد اضلاع م
انگلستان میں پہلا دخانی جہاز
انٹرپرائیز ۱۸۲۵ء میں کپتان
پروا نہیں علاوہ اس کے اب جہاز
میل کے قریب چلتا تھا۔ کہتے ہیں
ہیں۔ لیکن انگلستان اور اضلا
طاقتور سٹیمر چلتے ہیں۔ جو پانچسو
بہت زیادہ کوئلہ جلایا جاتا ہے
ان میں سے بعض میں تین سو ٹن یا ق
ہے۔ رفتار جتنی تیز ہو گی۔ پا
فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں۔
گیارہ سے تیرہ میل تک رفتار بڑھائی جائے۔ تو ۲۷ ٹن کی بجائے (۴۲) ٹن کوئلہ خرچ ہو گا اور چونکہ ہندوستان سے جانے والے جہازوں میں مسافر کثرت سے سوار نہیں ہوتے اس لئے اُن کی رفتار زیادہ خرچ کی متحمل نہیں ہو سکتی ÷

ہمارے زمانے کے جہازوں کو ایک بڑی سہولت راستہ کی ہے۔ قدیم زمانہ میں جہاز کناروں کے قریب قریب چلتے تھے۔ اور جو خشکی سے کسی قدر دور ہو جاتے تھے۔ تو دن کو آفتاب اور رات کو ستاروں کی مدد سے راستہ نکالتے تھے۔ مگر جب سورج اور ستارے نظر نہیں آتے تھے۔ تو وہ بے بس ہو جاتے تھے۔ لیکن اب کمپاس کی

مدد سے دُخانی جہاز سیدھے تیر کی طرح سمندروں کے بیچ سے نکل جاتے ہیں۔ اور قطب نما کی مدد کے لئے تمام دنیا کے سمندروں کے نقشے بقید طول و عرض بلاد جہاز پر موجود ہوتے ہیں۔ غرض جہاز رانی کے علم نے ہمارے زمانہ میں بے حد ترقی کی ہے

جہاز کے کمرے

جہاز میں مسافروں کی آسائش اور آرام کے لئے ہر قسم کا سامان بہم پہونچایا جاتا ہے۔ جہاز کے کمرے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کہ جن میں مسافر سوتے ہیں۔ ان میں نیچے اوپر دو دو بستر چھت سے لٹکتے رہتے ہیں۔ باہر کی طرف ایک گول یا مربع سوراخ بالشت بھر کا ہوتا ہے۔ جو ہوا اور روشنی آنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس کی کھڑکی میں ایک ذرا سا موٹا شیشہ لگا رہتا ہے۔ لیکن طوفانی موسم میں جبکہ سٹیورڈ کا مددگار اُسے آکر بند کر دیتا ہے۔ تاکہ موجوں کا پانی کیبن (کمرہ) کے اندر نہ آجائے۔ اس وقت دم گھٹنے لگتا ہے۔ بحیرہ قلزم میں تو اتنی گرمی تھی۔ کہ کوئی مسافر اپنے کابن میں سُو نہیں سکتا تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی توشکیں اور چادر تکئے سٹیورڈ کے ہاتھ تلے کے چھوکروں سے اُٹھوا کر جو کھانے کی میز پر خدمتگاری کا کام کرتے ہیں۔ صحنِ جہاز پر لے آتے تھے۔

صحنِ جہاز

یہاں اوپر بڑے بڑے ٹاٹ کے پردے تنے رہتے ہیں۔ اور عموماً سونے کے لئے یہ جگہ اچھی ہوتی ہے رات کو ہر کمرے میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ ایک بٹن کو دبانے سے برقی لیمپ فوراً روشن ہو جاتا ہے۔ بستر کی سفید چادریں ہر دوسرے تیسرے روز بدلدی جاتی ہیں۔ دن بھی سب لوگ صحن۔ یا تختۂ جہاز پر کاٹتے ہیں۔ عموماً لوگ کتابیں یا رسالے پڑھا کرتے ہیں لیکن بارہا گپوں کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی آرام کرسیوں پر بیٹھے ہوئے سو بھی جاتے ہیں۔ کبھی کبھی جہاز پر کئی طرح کے کھیل بھی ہوتے ہیں۔ جو جہازوں ہی سے مخصوص ہیں۔ کھانا اول اور دوم

جہاز کا کھانا

درجہ کے مسافروں کو الگ الگ کمروں میں دیا جاتا ہے اول درجہ کا کھانا زیادہ پر تکلف ہوتا ہے۔ ہر روز کھانے

کے ساتھ میوہ جات بھی ملتے ہیں۔ میوہ جات اور مچھلی وغیرہ چیزیں ریفریجریٹروں میں رکھی جاتی ہیں۔ جہاں بوجہ سردی کے نہیں سڑتیں۔ جہاز میں برف بھی بنتی ہے کھانے پر ہو یا کھانے کے بعد ہر وقت برف کا پانی پینے کو ملتا ہے۔ اور کبھی کبھی برف کی قفلیاں بھی مل جاتی ہیں۔ جہاز کا کپتان اور انجنیر اول درجہ کے مسافروں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اور دوسرا اور تیسرا افسر مع ڈاکٹر کے دوم درجہ کے مسافروں کے ساتھ۔ جو لوگ شراب پینا چاہتے ہیں۔ انھیں قیمت ادا کرنے پر شراب بھی مل جاتی ہے۔ بعض جہازوں میں دودھ کے لئے گائیں بھی موجود رہتی ہیں۔ لیکن گوشت کے لئے بھیڑیں۔ بیل اور مرغ سب جہازوں پر رکھے جاتے ہیں۔ بیلوں کو یہ لوگ بڑی بے رحمی سے کھانے کے لئے مارتے ہیں۔ اس جہاز میں بیل کے دماغ میں گدیہ کی طرف سے ایک بڑی سی میخ ہتھوڑے سے ٹھونک دیتے ہیں۔ اور اس صدمہ سے جانور فوراً گر کر مر جاتا ہے۔

غسل جہاز کی زندگی کے متعلق غسل خانہ کا ذکر لازمی ہے۔ ہر شخص صبح اٹھ کر غسل کرنا چاہتا ہے۔ دوم درجہ میں ایک غسل خانہ مردوں۔ اور ایک عورتوں کے لئے تھا۔ غسل خانہ میں ایک لمبا سا چینی کا ٹب ہوتا ہے۔ جس میں اہل یورپ لیٹ کر نہاتے ہیں۔ یورپ میں ہر جگہ نہانے کے لئے ٹب استعمال کیا جاتا ہے۔ گو یہ ہم لوگوں کی صفائی اور طہارت کے خیال کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتا کہ جسم کا مستعمل پانی اخیر تک نہانے کے کام آئے۔ تاہم یورپ میں یہی دستور ہے اور اسی اصول پر ریل گاڑیوں کے اول دوم درجوں میں کیا ہندوستان اور کیا یورپ میں ہاتھ منہ دھونے کا پانی ایک برتن میں جمع کر کے اس سے ہاتھ منہ دھوئے جاتے ہیں۔ بہر حال جہاز کے غسل خانہ میں ایک نلکے سے بکثرت گرم اور سرد پانی آتا ہے۔ جو سمندر کا نمکین پانی ہوتا ہے۔ نمکین پانی میں نہانے سے بال چمٹ جاتے ہیں۔ اس لئے ایک خدمتگار ہر شخص کو نہانے سے پہلے کچھ میٹھا پانی بھی لا دیتا ہے۔ جو نمکین پانی سے غسل کرنے کے

بعد استعمال کیا جاتا ہے - یہی خدمتگار ایک صاف چادر اور ایک تولیہ بھی غسل کرنے کے لئے دیتا ہے - چونکہ غسل خانہ ایک ہوتا ہے - اور نہانے والے کئی ہوتے ہیں - اس لئے لوگوں کو بہت انتظار کرنا پڑتا ہے - ہم ہندوستانی عموماً اہل یورپ کی نسبت صبح سویرے اُٹھنے کے عادی ہوتے ہیں - اس لئے ہم سب سے پہلے نہا لیتے تھے - میں نے ایک بوڑھے صاحب کو کئی دفعہ دیکھا کہ وہ باوجود سویرے اٹھنے کی کوشش کے بھی مجھ سے بعد غسل خانہ تک آتے اور انتظار کی تکلیف اُنھیں نہایت شاق گزرتی - نہانے کے بعد صبح کی چائے اور ڈبل روٹی کے توس سب کو یکے بعد دیگرے دیئے جاتے تھے

جہاز کی صفائی

پنجاب میں ایک مثل مشہور ہے - کہ ملّاح کے حقہ کا پانی گندہ ہوتا ہے - ہرچند کہ وہ ہر وقت دریا کے کنارے رہتا ہے - مگر زمانہ حال میں جہازوں میں صفائی کا بے حد اہتمام رکھا جاتا ہے گو ملّاح جہاز پر بھی بوجہ ہر طرح کی صفائی کرنے کے میلے کچیلے رہتے ہیں خصوصاً وہ جو انجن میں کوئلہ جھونکتے ہیں - لیکن جہاز کے صحن کو ہر صبح پانی سے دھویا جاتا ہے - علی الصباح خلاصی پانی کا نل کھول کر جس کے ذریعہ سے خود بخود سمندر کا پانی جہاز کے اندر کھنچا آتا ہے - برشوں سے تختۂ جہاز کو دھونے لگتے ہیں - اس لئے جب تک جہاز کا تختہ دھویا نہ جائے - اس وقت تک اس پر بیٹھنے کا لطف نہیں آتا - اکثر مسافر سستی سی آرام کرسیاں بمبئی سے خرید کر لیتے ہیں - اور اُنھیں پر تختہ جہاز پر بیٹھتے ہیں - جن کی کرسیاں اپنی نہ ہوں - اُنھیں ضرور باہر نکل کر بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے - کبھی کبھی جہاز کے نوکروں سے بھی کرایہ پر کرسی ملجاتی ہے - اور دوم درجہ

تکلفات اور انتظام

کے مسافروں کے لئے ایک ایک سموکنگ روم یعنی حقہ خانہ بھی جہاز میں ہوتا ہے - یہ خاصا ہوادار کمرہ ہوتا ہے - جس میں تین چھوٹی میزیں اور دیوار کے ساتھ لگی ہوئی

بنچیں تھیں۔ میزوں پر نوشت و خواند کا سامان پڑا رہتا ہے۔ لیڈیوں کے لئے الگ ایک مکلف کمرہ میں باجا پڑا ہوتا ہے۔ جو سرسبز پودوں کے گملوں سے سجا ہوا تھا۔ جہاز میں ایک ڈاکٹر اور ایک حجام بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگ جو تیسرے درجہ میں سوار ہوتے ہیں۔ جہاز کے باورچیوں سے کھانے کی چیزیں بہت ارزاں خرید سکتے ہیں۔ جہاز کے ملاحوں کا کھانا نہایت سادہ ہوتا ہے اور دیکھنے میں مجھے تو بہت مکروہ معلوم ہوتا تھا۔ جہاز کے افسر اور ملازم اپنے اپنے کام پر نہایت مستعد اور وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ جہاز کے عین وسط میں ایک سب سے بلند جگہ پُل کی طرح بنی ہوئی ہوتی ہے۔ جسے برج۔ یعنی پل کہتے ہیں۔ یہاں دن ہو یا رات ہر وقت جہاز کا ایک نہ ایک ذمہ دار افسر ہاتھ میں دوربین لئے کھڑا رہتا ہے۔ اور جہاز کی سلامتی کے لئے بڑی احتیاط سے دیکھتا جاتا ہے۔ کہ جہاز ٹھیک راستہ پر جا رہا ہے یا نہیں۔ کہیں کسی دوسرے جہاز یا چٹان سے تو نہیں ٹکرا جائے گا۔ اور وہ جب چاہے فوراً جہاز کا رُخ بدل سکتا ہے۔ یا اُسے ٹھیرا سکتا ہے۔ اسی کے پاس جہاز کا گھڑیال بھی ہوتا ہے جہاز میں وقت دیکھنے کا بھی علیحدہ طریق ہے۔ ہر آدھ گھنٹے کے بعد گھڑیال بجایا جاتا ہے۔ اور اس طرح ہر چار گھنٹوں میں آٹھ دفعہ بجتا ہے شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کو چار چار گھنٹوں کے چھ حصوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ہر چار گھنٹہ کا حصہ ایک واچ کہلاتا ہے۔ اس طرح جہاز کا ہر افسر چار گھنٹے کام کر کے آٹھ گھنٹے آرام کرتا ہے ؞

بعض جہازوں میں ایک مختصر سا کتب خانہ بھی ہوتا ہے۔ جہاں تھوڑی سی فیس ادا کرنے پر پڑھنے کے لئے کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن جس جہاز پر میں نے سفر کیا تھا۔ وہاں سب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کتاب مانگ کر پڑھ لیتے تھے۔ میرے پاس کافی کتابیں تھیں۔ جو کئی انگریزوں نے مجھ سے لے کر پڑھیں۔ اور بعض نے مجھے اپنی کتابیں بھی پڑھنے کو دیں ؞

جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ ذیل ہیں۔ مَیں اپنی ڈائری سے سفر جہاز کے پہلے چار پانچ روز کی کیفیت سے چند فقرے نقل کرتا ہوں۔ جس سے کچھ جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن چار پانچ روز کے بعد طبیعتیں سنبھل جاتی ہیں۔ اور لوگ گھروں کی طرح رہنے لگتے ہیں ؛

جمعہ یکم جون ۱۹۰۰ء " پہلے پہل جہاز پر سوار ہونے والے کے لئے سمندر کا عالی شان نظارہ کیسا دلچسپ ہوسکتا ہے۔ دن بھر ڈک پر آرام کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ رات کے دو بجے تک وہیں سو بھی گئے۔ اور پھر کمرے میں جا سوئے" ؛

شنبہ ۲ جون " صبح دیر کرکے اُٹھا۔ جی بار بار متلاتا تھا۔ آخر نو بجے کھُل کر استفراغ ہوا۔ اور طبیعت صاف ہوگئی۔ کئی دوسرے مسافروں کو بھی قے آئی اور کئی بچ بھی گئے۔ دن میں ۹ بجے صبح ایک بجے دوپہر اور سات بجے شام کو کھانا ملتا ہے۔ اور ۶ بجے صبح اور چار بجے شام کو چائے سوائے کھانے اور گپیں ہانکنے کے کوئی کام نہیں۔ بوجہ دورانِ سر۔ کھانے سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔ مَیں نے فرانسیسی پڑھنے میں تھوڑا وقت صرف کیا۔ دن میں اُڑنے والی مچھلیاں دیکھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی کوئی بالشت بھر کی ہوں گی۔ جو سیکڑوں سطح آب کے قریب مثل پرندوں کے دور تک اُڑتی چلی جاتی ہیں۔ شام کو اندھیرے کے بعد جہاز کے قریب جگنو کی طرح چمکتی ہوئی چیزیں پانی میں دیکھیں بعض مسافروں نے کہا یہ ایک قسم کی چھوٹی مچھلیاں ہیں" ؛

یکشنبہ ۳ جون۔ صبح غسل کیا۔ قبض سخت ہے۔ آج جہاز میں تیسرا دن ہے۔ مگر ایک اجابت بھی نہیں ہوئی۔ صبح چائے پینے کے بعد چکر آیا اور قے ہوگئی کپڑے بدلنے اور کمرہ جہاز کے اندر ٹھیرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ دن بھر ڈک پر رہے انگریزی طرز کا پکا ہوا گوشت بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ شام کو مسٹر ولسن ایک سکاچ مین نے کہا۔ کہ تم انگریزی کھانوں سے اسقدر گھبراتے ہو۔ تو یوروپ

میں اتنا عرصہ کس طرح گزار سکو گے۔ یہ شخص دیکھنے میں تو بڑا سیدھا سادا ہے مگر کیسا باخبر اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے۔ آج اور کل میں جہاز نے ۵۴۶ ناٹ (بحری میل) جو ۱۱/۱ اخشکی کے میل کے برابر ہوتا ہے سفر کیا۔ سمندر کی سیر کیسی دلکش تھی۔ چھوٹی چھوٹی موجیں دن بھر آفتاب کے عکس سے ہیروں کی طرح چمکتی نظر آتی تھیں"

دوشنبہ چار جون۔ آج دو مرتبہ قے ہوئی۔ بارہ بجے کے بعد طبیعت سنبھلی تین روز سے کپڑے بدلنے کا ارادہ تھا۔ مگر ہمت نہ پڑی۔ دن بھر ڈک پر پڑے رہتے ہیں۔ اور بھی بعض مسافر بحری بیماری میں مبتلا ہیں۔ مگر بعض صاف بچ گئے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھے تاکید کی کہ کھانا ضرور کھانا چاہیئے تاکہ قے کرنے میں تکلیف نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ جہاز کا باورچی اپنے فن میں اُستاد ہے۔ مگر ہم اس کی قدر نہیں سمجھ سکتے۔ کچھ تو غیر ذبیحہ وغیرہ کی نفرت اور کچھ ہلدی۔ نمک مرچ وغیرہ کی عدم موجودگی شام کو اطالین افسروں نے حسب معمول فڈل (سارنگی) بجائی اور سب کو خوش کیا۔ مسٹر ولسن سے مختلف امور پر گفتگو رہی۔ انھوں نے کہا انگلستان کا چرچ خزانہ سرکاری سے بہت کم مدد حاصل کرتا ہے۔ قدیم زمانہ سے جو لوگوں نے بہت سی اراضی مذہبی اعانت کے لئے سخرچ کے نام وقف کر رکھی ہے۔ اس کی آمدنی دوسرے پرائیویٹ چندے۔ گرجے کے اندر کی خیرات۔ اور گیٹ وان مل ملا کر گرجوں کا خرچ چلاتے ہیں"

جہازی زندگی اور عدن پورٹ سعید

بس آسان مے نمود اول غم دریا بوئے سُود
غلط گفتم کہ یک موجش بصد گوہر نے ارزد

قدیم زمانہ کے سفر بحری کے اندیشے

مشہور ہے۔ کہ خواجہ حافظ شیرازی کی شہرت جب ایران کو طے کر کے ہندوستان میں آپہنچی تو دکن کے وزیر اعظم نے انہیں ہندوستان میں آنے کے لیے پیغام بھیجا۔ خواجہ حافظ بوشہر سے کشتی پر سوار ہوئے ہونگے۔ کہ خلیج فارس میں باد مخالف چلی۔ اور ان کی کشتی معرض خطر میں پڑ گئی۔ ناخدا جوں توں کر کے کشتی کو کنارہ پر لوٹا لے گئے۔ اور خواجہ نے سیاحت ہند کا ارادہ ترک کر دیا۔ کہ جہاں سے انہیں بہت سی مالی منفعت کی امیدیں تھیں۔ لیکن حسب حال ایک غزل لکھ کر وزیر دکن کے پاس بھیجدی۔ کہ جس کا ایک شعر عنوان میں درج کر دیا گیا ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ قدیم زمانہ میں بحری سفر نہایت خطرناک ہوتا تھا۔ اور اب بھی جب مسافر نظر اٹھا کر چاروں طرف ایک ناپیدا کنار نیلگوں سمندر میں ایک کمزور اور چھوٹے سے جہاز کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس پر عالم حیرت طاری ہو جاتا ہے۔ اور سوائے ذات باری پر بھروسہ کرنے کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا تاہم جب ہمارے زمانہ کی جہاز رانی کیطرف خیال کیا جاتا ہے۔ تو تعجب ہوتا ہے۔ کہ حضرت انسان نے کمال ہی کر دیا ہے قدیم زمانہ میں لکڑی کے کمزور اور چھوٹے چھوٹے جہاز دخار سمندروں میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اور کناروں کے قریب قریب جہاز رانی ہوتی تھی۔ مگر اب بڑے بڑے دخانی جہاز لوہے اور فولاد کے بنے ہوئے دخانی طاقت کے

بھروسے شب و روز چلے جلتے ہیں۔ اور سمندر کے تموج اور طلاطم سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بارہا بحر مواج متلاطم ہوتا ہے۔ اور اس کی کشادہ پیشانی پر موجوں کے بڑے بڑے بل پڑجاتے ہیں۔ مگر دخانی جہاز نہایت متانت۔ ثقاہت اور بے پروائی سے پانی کو پھاڑتا ہوا دس پندرہ اور کبھی کبھی بیس پچیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سطح آب پر بھاگا چلا جاتا ہے۔ مسافروں کو ناہموار سمندر کی وجہ سے جھٹکے بھی لگتے ہیں۔ اور کبھی کبھی دوران سر اور قے سے بھی بعض مسافر تکلیف اٹھاتے ہیں۔ تاہم بہت کم اتفاق پڑتا ہے۔ کہ اُن کی آسایش کے سامان اور کھانے پینے اور تفریح کے اوقات میں ذرا بھی فرق آئے۔ بمبئی میں مجھے ایک بزرگ دوست نے بتلایا تھا۔ کہ اُنہوں نے دخانی جہازوں کی ایجاد سے پہلے چین تک بحر کا سفر کیا تھا۔ اور جو مصیبتیں اٹھائی تھیں۔ اُن کے مقابلے میں حال کا بحری سفر محض ایک تفریح کا سامان ہے۔ اور وہ زمانہ گزر گیا ہے۔ جبکہ بحری سفر کی نسبت اس قسم کے خیالات مشہور تھے۔ جیساکہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎ شب تاریک بیم موج و گرداب چنیں ہائل۔ کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا۔ یا حضرت سعدیؒ کا قول ہے ؎ بدریا در منافع بیشمار است۔ اگر خواہی سلامت بر کنار است مشہور ہے۔ کہ حکیم افلاطون سے کسی نے پوچھا تھا۔ کہ تم سمندر کے سفر سے واپس آئے ہو۔ بتاؤ ہمارے لیے کیا عجائبات لائے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ یہی کیا کم عجائب بات ہے۔ کہ میں خود سلامت بچ آیا ہوں۔

زمانہ حال کا پُرامن بحری سفر

بیشک اس زمانہ کی جہاز رانی کی ابتدائی حالت میں بحری سفر کی نسبت ایسے ہی خیالات مشہور ہونے چاہیئے تھے لیکن اب جہاز رانی میں بے انتہا ترقی ہوگئی ہے۔ میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ آجکل سمندر میں کشتیاں اور جہاز غرق نہیں ہوسکتے۔ یا سمندر ایسا پارسا ہوگیا ہے۔ کہ آئندہ مردم آزاری چھوڑ بیٹھا ہے۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ فن جہاز رانی نے اس قدر ترقی کرلی ہے۔ کہ اس کی بدولت اکثر طوفان میں بھی جہاز

ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں جب تک کہ پانی میں چھپے ہوئے چٹانوں سے نہ ٹکرائیں۔ علاوہ روشنی کی میناروں کے تمام دنیا کے سمندروں کے ایسے نقشے بنا دئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہاں کہاں پانی میں ڈوبی ہوئی چٹانیں موجود ہیں۔ انگلستان میں جو کمپنیاں جہازوں کا بیمہ کرتی ہیں۔ اُن میں سے بعض بیس بیس سال سے جاری ہیں۔ اور انہیں ایک پیسہ کا نقصان نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے بیمہ والا کوئی جہاز نہیں ٹوٹا۔ جہاز رانی کو کمپاس سے بہت مدد ملی ہے۔ اور جہاز اندھیری راتوں اور ابر آلود دنوں میں بلا مدد ستاروں اور آفتاب کے چل سکتا ہے۔ گو ہر دوپہر کو آفتاب کی مدد سے اس کی پوزیشن درست کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ کہیں بھٹک نہ جائے۔ مجھے ایک باخبر انگریز نے بتلایا تھا۔ کہ ریلوں کی نسبت جہازوں کے ذریعے سے اتلاف جان کم ہوتا ہے۔ اہل یورپ حصول صحت و تفریح کی غرض سے بحری سفر اختیار کیا کرتے ہیں۔ ہندوستان سے ایک انگریز مہینے ڈیڑھ مہینے کی رخصت آمدورفت میں جہاز پر صرف ہو جاتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے۔ کہ اُسے کافی تفریح حاصل ہو گئی ہو

جہاز کی تفریحیں اور کھیل تماشے

اہل یورپ سفر جہاز کو زیادہ خوش وقت بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ہمارے جہاز میں ہر شب یورپین مسافر گانے بجانے کے جلسے کیا کرتے تھے۔ سب مسافر صحن جہاز پر اپنی اپنی آرام کرسیوں پر جمع ہو جاتے۔ ان میں سے جو زیادہ زندہ دل ہوتے۔ وہ فڈل طنبور پیانو وغیرہ بجاتے اور بعض دوسرے اُن کے ساتھ گاتے جاتے۔ دو تین گھنٹے شام کے اسی طرح تفریح میں گزار دیتے۔ کبھی کبھی کوئی زیادہ رنگیلا اور من چلا مسافر اسی حالت میں اپنی بیوی کی کمر میں بانہیں ڈال کر ناچنے بھی لگتا۔ اس جہاز کے تمام افسر اور ملازم اطالی تھے۔ اور کئی مسافر بھی اطالین۔ اس لئے گیت بھی اطالی زبان میں ہی ہوتے۔ مگر انگریز بھی

ان سے خوب لطف اٹھاتے تھے۔ اور گانے والوں کو بار بار گانے کی فرمائشیں کی جاتی تھیں۔ کانسرٹ تو ہر روز ہوتے تھے۔ لیکن بحیرہ قلزم میں جا کر ایک شب دوم درجہ کے کل مسافروں سے چندہ جمع کر کے بڑا کانسرٹ کیا گیا۔ جس میں ہندوستانی مسافروں سے بھی چندہ مانگا گیا۔ رات کو خوب گانا بجانا اور ناچ ہوا۔ چونکہ ہم دو تین ہندوستانی مسافروں نے بھی چندہ دیا تھا۔ ہم بھی خصوصیت سے بلا کر ایک جگہ بٹھائے گئے۔ اور سب کی طرح شراب سے ہماری بھی تواضع کی گئی۔ مگر ہم نے کیک اور سوڈا واٹر پر اکتفا کی۔ لیکن یہ لوگ ناچ کے خاتمے پر ایک دوسرے کو اصرار کر کے شراب پلاتے تھے اور خوب پیتے تھے۔ ان تماشوں کو دیکھ کر میرے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے تھے۔ میں حیران ہوتا تھا۔ کہ اہل مشرق اور اہل مغرب کی زندگیوں میں اس پہلو میں بعد المشرقین فاصل ہے۔ اہل مغرب درحقیقت زندہ دل ہیں۔ یا بقول ان کے واقعی زندگی کو رہنے کے قابل بنانا چاہتے ہیں ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے ÷ مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

کام کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور فرصت کے وقت تفریح بھی دل کھول کر حاصل کرتے ہیں۔ بوڑھے بچے عورتیں مرد سب ملکر ہنستے کھیلتے اور ناچتے کودتے ہیں۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسنا کھیلنا بچوں کا کام ہے۔ اور شرفا کی اور عمر رسیدہ آدمیوں کی متانت وقار اور ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ مگر برعکس اس کے یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ کام کے وقت خوب کام کرو۔ اور کھیلنے کے وقت خوب کھیلو۔ یعنی جو کام کرو ادھورا نہ کرو۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ زمانہ حال کی ضروریات اور حالات زندگی ہمیں زیادہ کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس لئے اگر ہم ہر وقت کام ہی کرتے رہیں۔ تو بہت جلد کام کرنے کے قابل نہیں رہینگے۔ ایک شخص نے حکیم لقمان کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ تو تعجب سے پوچھا کہ ایسا دانشمند شخص بچوں کیساتھ کیوں کھیلتا ہے۔ لقمان نے ایک کمان کھول کر اس کے آگے رکھدی اور کہا کہ دیکھو اس کا چلہ اترا ہوا ہے۔ اگر ہر وقت یہ کسی رہے۔ تو اس کی لچک

جاتی رہیگی۔ یہی حال انسان کا ہے۔ اگر یہ ہر وقت کاروبار اور تفکرات کے بوجھ سے لدا رہے۔ تو بہت جلد جھک جائیگا۔ اس لئے محنت کے بعد کسی نہ کسی طرح کی تفریح کی اسے ضرورت ہے۔ البتہ اہل یوروپ ہمارے خیالات کے مطابق تفریح حاصل کرنے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ تفریح صرف میخواری اور گانے بجانے سے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ گو شاید اہل یوروپ سمجھتے ہوں کہ شراب ہم صرف بے فکری حاصل کرنے کے لئے پیتے ہیں ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے (غالب)

مگر ہندوستانی ترک میخواری کے ساتھ پاکیزہ سے پاکیزہ تفریح کے کئی ذریعے نکال سکتے ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کی نہ یہاں گنجائش نہ ضرورت۔

عدن

۷ جون کو گیارہ بجے دن کے ہمارا جہاز پورے چھ شبانہ روز کے سفر کے بعد ۱۶۶۴ میل طے کر کے بندرگاہ عدن میں پہنچا۔ اتنی مدت رات دن پانی میں رہ کر خشکی دیکھنے کو ہر ایک کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ ہر چند کہ عدن کا منظر ذرا بھی خوش آیند نہیں ہے۔ کیونکہ یہ علاقہ بالکل خشک غیر ذی زرع اور جھلسی ہوئی سنگلاخ سرزمین ہے۔ جس پر سبزی یا کسی درخت کا نام و نشان تک نہیں۔ تاہم خشکی کے رہنے والوں کو دور سے عدن کی پہاڑیاں دیکھ کر بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آٹھ دس میل سے عدن کی پہاڑیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جہاز نے بندر میں پہنچکر لنگر کیا۔ ہم سے پندرہ بیس منٹ پہلے پی اینڈ او کمپنی کے جہاز "سبراؤں" نے بندر میں پہنچ کر لنگر کیا تھا۔ یہ ڈاک کا جہاز تھا۔ جو چوبیس گھنٹے ہم سے بعد بمبئی سے روانہ ہوا تھا۔ بعض لوگ جلدی کے لئے خصوصیت سے ڈاک کے جہازوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور انہیں بھی کچھ زیادہ دینا پڑتا ہے۔ سبراؤں نے عدن سے کوئلہ اور ڈاک لی۔ اور فوراً آگے کو روانہ ہو گیا۔ لیکن جہاز امپیریڈر کس جس میں ہم سوار تھے۔ دن بھر عدن کا مال تجارت اتارتا اور عدن سے نیا مال پورٹ سعید وغیرہ بندروں کے لئے لادتا

رہا۔عدن میں ہندوستان کا بھیجا ہوا غلہ اتارا گیا تھا۔ اور وہاں سے نیویارک (امریکہ) کے لئے چمڑا اور قسطنطنیہ کے لئے تمبا کو اور اور چیزیں بار کی گئیں۔ کاؤس جی ڈنسا نامی ایک پارسی سوداگر کے کارندے یہ بوجھ ون بھر لدواتے رہے۔ یہ صاحب پچاس برس پہلے عدن میں آئے اور ایک چھوٹی سی دُکان کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ بہت ترقی کی۔ آج یہ عدن میں سب سے بڑے آدمی۔ صاحب مکانات اور جائداد بلکہ کئی سٹیمروں کے مالک اور سب سے بڑے ٹھیکدار ہیں۔ ان کی بدولت قریب پانسو کے پارسی عدن میں جمع ہو گئے ہیں۔ اور کاروبار کرتے ہیں۔ اور تمام علاقہ شمالی (ساحل افریقہ) اور عدن (ساحل عرب) کی زیادہ تجارت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

جہاز عدن میں پہنچا۔ تو مجھے عدن کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ گو یہ باغ عدن نہ تھا۔ مگر پھر بھی عدن تو تھا لیکن فوراً ایک چھوٹے سٹیمر میں ایک ڈاکٹر صاحب آئے۔ اور انہوں نے حکم دیا۔ کہ جہاز کا کوئی مسافر طاعون کے شبہ سے عدن میں نہیں جا سکتا۔ جو چند مسافر درجۂ دوم و سوم کے اترنے والے ہیں انہیں پانچ روز قرنطینہ میں گزارنے پڑینگے۔ دو بوہرے سوداگروں۔ اور ایک اطالین ریورمین نے اپنے عدن کے دوستوں کی معرفت بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح دوم ورجے کے مسافروں کو قرنطینہ کی قید سے بری کیا جائے۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اور بنہایت یاس و حرمان سے قرنطینہ کی طرف گئے۔ جس کو وہ دوزخ سے تعبیر کرتے تھے۔ قدرتاً مدنی بالطبع انسان کو قرنطینہ کی تنہائی سے سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ ادھر جہاز پر اسباب بار ہوتا رہا۔ اور دوسری طرف سے کوئلہ لدتا رہا۔ اور کوئلے کی وجہ سے جہاز کے سب کمروں کے دروازے بند تھے کہ کمرے سیاہ نہ ہو جائیں۔

غوطہ زن سمالی لڑکے

ہاں بڑی دلچسپ کیفیت اس وقت کی یہ تھی۔ کہ جوں ہی جہاز نے لنگر گیا۔ بہت سے سمالی لڑکے چھوٹی چھوٹی

کشتیوں میں بیٹھ کر جہاز کے گرد جمع ہو گئے۔ اور چلا چلا کر انگریزی زبان میں کہنے لگے "چار آنہ آٹھ آنہ۔ روپیہ پانی میں پھینکو، ہم غوطہ لگا کر نکال لائیں گے"۔ ان لوگوں نے آٹھ دس لفظ انگریزی کے سیکھ رکھے ہیں۔ اور ان سے اپنا مطلب نکال لیتے ہیں۔ بعض مسافروں نے دونیاں چونیاں پانی میں پھینکیں۔ اور یہ لوگ فوراً اپنی کشتیوں سے پانی میں کود کر لے آئے۔ اور سکے دکھلا دیئے۔ کبھی دو چار اکٹھے پانی میں کود پڑتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی نہ کوئی پانی کے اندر سے سکہ لے ہی آتا۔ پانی بہت گہرا تھا۔ مگر یہ تو دونی چونی کو ایک آدھ گز سے زیادہ نہیں جانے دیتے تھے۔ میرے خیال میں چونکہ سمندر کا پانی بوجہ نمکین ہونے کے بھاری ہوتا ہے۔ اس میں شیریں پانی کی نسبت دونی چونی کو تہ تک پہنچنے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔ اور سمالی لڑکے پانی کے اندر آنکھیں کھلی رکھ کر غوطہ لگاتے ہیں۔ اور چونکہ پانی بہت صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ یہ سکہ اُدھر میں سے ہی اُچک لاتے ہیں۔ بہر حال یہ بڑا دلچسپ تماشا ہوتا ہے۔ یہ پانی میں ایسے تیرتے ہیں۔ جیسے مچھلی تیرتی ہے۔ گھنٹوں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے باہیں اور ٹانگیں ہلاتے رہتے ہیں۔ اور ڈوبتے نہیں۔ دو ایک لڑکے غوطہ لگا کر جہاز کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف جا نکلے۔ شام تک ان لوگوں نے "آئی ڈائیو" (میں غوطہ لگاتا ہوں) کا شور مچائے رکھا۔ ٭ ان کے علاوہ کئی ایک اور بھی چھوٹی چھوٹی ڈونگیاں جہاز

٭ ہندوستان میں لوٹنے کے بعد میں نے ٹائمز آف انڈیا میں ایک مضمون دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ بندر عدن میں ایک سمالی لڑکا جب ایک سکہ نکالنے کے لئے پانی میں کودا تو ایک شارک مچھلی اسے کھا گئی۔ اس پر پولیس نے سختی سے نگرانی کرنی شروع کی ہے۔ کہ کسی لڑکے کو آئندہ سکے نکالنے کے لئے پانی میں نہیں کودنے دینگے۔ بلکہ ۱۸۹۶ء میں صاحب مجسٹریٹ عدن نے اس مطلب کا ایک اشتہار بھی دیا تھا اور ۱۸۹۸ء میں پی اینڈ او کمپنی کے ایجنٹ نے اس کی نقل اپنے جہازوں کے مسافروں کے لئے چھاپ کر مشتہر کی تھی۔ کہ وہ سمالی لڑکوں کو پانی میں سکے (بقیہ حاشیہ ص ۴۹)

تک آئیں۔ ان میں دکاندار سودا بیچنے کو لائے تھے۔ یہ لوگ مسلمان اور یہودی عرب تھے۔ مگر انگریزی۔ اردو۔ اطالی وغیرہ زبانوں کے بھی تھوڑے بہت فقرات کام چلانے کے لئے سجانتے تھے۔ زیادہ تر انگریزی سامان مثل دیا سلائی۔ سگار۔ اچار۔ اور دیسی میوہ جات مثل لیمو۔ سنگترہ۔ خربزہ۔ اور تربوز کے جہاز والوں کے پاس بیچنے کو لائے کوئی شخص کوئی چیز خریدنا چاہتا۔ تو یہ اپنے چھینکے کی ایک رسی اوپر کو جہاز میں پھینک دیتے اور دوسری اپنے ہاتھ میں رکھتے۔ اور چھینکے میں سودا ڈال دیتے۔ جو مسافر جہاز میں کھینچ لیتا۔ اسی طرح وہ دام اس چھینکے میں رکھ دیتا۔ اور دکاندار اپنی ڈونگی میں نیچے کھینچ لیتا۔ یہودی لوگ شتر مرغ کے پر اور کسی دوسرے جانور کے پروں کے بوا (BOA) لائے تھے۔ یہ سیاہ یا بھوسلے پروں کے قریب دو گز کے لمبی سی چیز ہوتی ہے۔ جو موسم سرما میں یورپین عورتیں گلوں میں لپیٹے ہوئے پھرتی ہیں۔ یہ پانچ سے لیکر بیس روپیہ تک بکے جو کئی میموں اور متاہل صاحبوں نے جہاز پر خریدے۔ بعض دوسرے لوگوں نے بڑے بڑے گھونگے۔ شیر کی کھالیں وغیرہ جو اس علاقہ کے تحایف سمجھے جاتے ہیں خریدیں۔ مجھے تعجب ہوتا تھا۔ کہ برہنہ اور سیاہ فام حبشی یا عرب لڑکے ٹوٹی پھوٹی انگریزی۔ اطالی اور اردو زبانوں میں اپنا مطلب بخوبی نکال لیتے تھے۔ اور بڑے ہوشیار معلوم ہوتے تھے۔ یہ چیزوں کے دام پہلے دگنے چوگنے کہتے ہیں۔ اور آخر آدھے چوتھائی پر چیز دے ڈالتے ہیں میں نے یوروپ میں جاکر دیکھا۔ تو لیڈیوں میں ان چیزوں کی بڑی قدر کیجاتی تھی۔ سمالی لڑکوں کے سروں کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھونگروالے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۸ پھینک کر کودنے کی ترغیب دین۔ باب عدن کی پولیس کہتی ہے۔ کہ وہ برابر سمالی لوگوں کو اس فعل سے روکتی رہی ہے۔ مگر وہ پولیس کی بے خبری میں پانی میں کود پڑتے ہیں۔ اور جو کشتیاں سودا بیچنے کو جہاز کے قریب آتی ہیں۔ وہ انہیں کے ملاح ہوتے ہیں۔ واقعی مجھے ان بیچاروں کی حالت پر رحم آتا تھا۔ جب یہ گھنٹوں پانی میں تیرتے اور سکوں کے لئے چلاتے رہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد مسافروں نے ان کی جانب زیادہ التفات نہ کیا ؂

اور بعضوں کے سر منڈھی مائیں: گیارہ بجے رات تک آنے جانے اور سودا بیچنے والوں کا جہاز کے گرد تانتا لگا رہا۔ جہاز میں دن بھر مال تجارت لدتا رہا خصوصاً چمڑے نیو یارک کے لئے اور تمباکو جو قسطنطنیہ کے لئے بار کیا گیا تھا۔ یہ زنگبار کا تمباکو تھا۔ جو قسطنطنیہ میں پہنچکر وہاں کے نام سے یوروپ میں بکے گا۔ عدن میں ہندوستان کا بہت سا غلہ اُتارا گیا اور کپڑا بھی۔ عدن ایسے مقام سے اسقدر تجارت در آمد و بر آمد دیکھ کر تعجب ہوا۔ مگر یہ مال تجارت ساحل عرب کے ایک بڑے حصہ کے لئے ہوگا۔ ہمارا جہاز بارہ بجے رات کو عدن سے بحیرۂ قلزم کو روانہ ہونے والا تھا۔

بحیرۂ قُلزم

ہم صبح اٹھے تو جہاز سرگرم بحر پیمائی تھا۔ آج بہت سے چھوٹے چھوٹے بنجر جزیرے اور کھلی چٹانیں عرب اور افریقہ کے ساحلوں کی طرف نظر آتی رہیں۔ ایک چھوٹی سی قسم کی مرغابی بکثرت موجود تھی۔ کیونکہ دونوں طرف سے کنارے بہت قریب تھے۔ گو بحر ہند میں تین چار سو میل خشکی سے دور بھی بعض جانور نظر آئے تھے۔ نویں جون کو ہمارا جہاز بندر جدّہ کے مقابل سے گزرا۔ جو جو خیالات اس مقدس سرزمین کے مقابل گزرتے ہوئے اِن چار پانچ روز میں میرے دل میں گزرے تھے۔ اُن کے بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ تمام سمندر مع دونوں طرف کے ایشیائی اور افریقی ساحلوں کے توحید کے نعروں سے گونج رہے تھے۔ اور سچے مسلمانوں کے کارناموں کا منظر بنے ہوئے تھے۔ مگر اس نظر سے آج یہ قلزم اور اس کے کنارے سُونے پڑے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اسلاف دنیا میں نام پیدا کر گئے تھے۔ ان کے اخلاف ننگ زمانہ ہونے میں سبقت لے گئے ہیں +

آٹھویں جون کو بحر قلزم میں دن بھر بیسیوں چھوٹے چھوٹے خشک جزیرے اور چٹانیں عربی اور زنگی ساحلوں پر نظر آئیں۔ جیسی کہ بحر ہند اور بحر عرب میں مچھلیاں نظر آتی تھیں۔ یہاں نہیں دیکھیں۔ بحر عرب میں تو بارہا مچھلیوں کی ایسی قطاریں دیکھنے میں آئیں۔ جو جہاز کا شور سنکر پانی سے اس طرح اچھلتی

کودتی تھیں۔ کہ گویا ہرن جنگل میں چوکڑیاں بھرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دور تک
یہ جہاز کے ساتھ ساتھ چلی جاتی تھیں یہ مچھلیاں گز سوا گز سے زیادہ لمبی نہ تھیں لیکن
مرغابیاں جو چیل اور بگلے کے درمیان ایک نرالی قسم کی تھیں بحر قلزم میں بے شمار
تھیں۔ سمندر کے پانی میں سُرخی کا کوئی نشان نہ پایا جاتا تھا۔ کہ جو بحر احمر یا ریڈ سی
کے نام کی وجہ قرار دیا جاتا۔ بحر قلزم میں سخت گرمی پڑتی ہے۔ لیکن اسوقت زیادہ
گرمی نہ تھی۔ اور بوجہ سمندر چھوٹا ہونے کے کئی جہاز دن بھر میں اِدھر اُدھر
گزرتے نظر پڑتے تھے۔ درحالیکہ بحر ہند میں ہفتہ بھر میں صرف ایک جہاز نظر آیا تھا۔

جرمنی زبان

تین چار روز کے بعد جب جہاز میں طبیعت سنبھلی تو کچھ
پڑھنے کا خیال آیا۔ دو چار سفرناموں اور گائیڈ بکوں کو
سرسری نظر سے چھپا چھپ دیکھ لیا۔ ہمارے ساتھ ایک نوجوان پارسی طالب علم
بھی سفر کر رہا تھا۔ جو جرمنی کے ایک مقام کمنٹز میں برقی انجنیری سیکھتا تھا۔ اور کچھ
عرصہ وہاں رہ کر بمبئی میں کسی خانگی کام کے لئے آیا تھا۔ اس کے پاس جرمنی زبان
کی گرامر اور نیز گفتگو سیکھنے کی کتاب تھی۔ میں نے اس سے کتاب مانگ کر جرمنی
ابجد سیکھی۔ اور کچھ لفظ اور فقرے یاد کرنے شروع کئے۔ وہ ہنستا تھا کہ اس درد
سر سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اتفاقاً ہمارے درجہ کے مسافروں میں ایک جرمن پادری
صاحب بھی تھے۔ جو جنوبی ہند میں کام کرتے تھے۔ اور اب اپنے وطن کو جا رہے
تھے۔ مَیں نے اُن سے کچھ تلفظ پوچھنے شروع کئے۔ کیونکہ جرمن زبان کے بعض
تلفظ مشکل ہوتے ہیں۔ اس لئے سفر جہاز کا زیادہ حصہ اسی بے فائدہ محنت
میں رائگان گیا۔ مگر پھر بھی بڑے مزے سے گذرا۔ کیونکہ کبھی طبیعت بے کاری
سے نہ گھبراتی تھی۔ یہ پادری صاحب اپنے مطلب کے بڑے پکے تھے۔ بارہا مجھ
سے مذہبی باتیں چھیڑ دیتے۔ اور میں اس گفتگو کو ٹال دیتا۔ ایک روز میں نے ان
سے کہا۔ بہتر ہے ایک روز عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کر لیں۔ چنانچہ تین چار
اور انگریز اور پادری صاحب ملکر مجھ سے دو تین گھنٹے بحث کرتے رہے۔ اُن کے

پادری صاحب سے بحث

اعتراضات وہی تھے۔ جو عموماً عیسائی مسلمانوں پر کیا کرتے ہیں۔ جب وہ تثلیث اور کفارہ کے مسئلہ کو سب مجھے سمجھانے میں قاصر رہے تو کہنے لگے آؤ مسیح اور محمدؐ صاحب کی زندگیوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت محمدؐ کی بہت سی بیویاں تھیں۔ اور حضرت مسیحؑ عمر بھر مجرد رہے بتاؤ کس کی مثال تقلید کے قابل ہے۔ میں نے کہا غالباً حضرت مسیح کی مثال ہی تقلید کے قابل اور زیادہ پریکٹیکل (عملی) ہے تاکہ دنیا کا سلسلہ توالد تناسل ہی بند ہو جائے۔ پھر پادری صاحب نے اہل ہند کی بداخلاقی اور بدکاری کا ذکر شروع کیا۔ اور اس کو اہل ہند کی مذہبی تعلیم کا نتیجہ ٹھیرایا۔ کہا سکولوں کے چھوٹے بچوں تک بدکاری کی علت میں مبتلا ہیں۔ میں نے کہا واقعی یہ افسوس کی بات ہے۔ لیکن سب بچے تو یکساں نہیں ہوتے۔ اور علاوہ اس کے معلوم نہیں کہ

اہل ہند اور اہل یوروپ کے اخلاق

یوروپ میں بچوں کا کیا حال ہے۔ لیکن یوروپ میں جو عورتوں کی بداطواری اور حرامزادہ بچوں کی کثرت اخبار و اور کتابوں کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہے۔ کیا اسے مذہب عیسوی کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسکا جواب یہ لوگ سوائے اس کے کچھ نہ دے سکے کہ یوروپ میں لوگ بدکاری چھپا کر نہیں کرتے۔ مگر ہندوستانی ظاہر اگلا بھگت بنے رہتے ہیں۔ اور باطن میں گندے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اخلاقی معیار اہل یوروپ کی طرح اعلیٰ نہیں۔ لیکن اس پر گفتگو ایسے طور پر چل پڑی کہ ان میں سے دو تین صاحبان نے اپنے اپنے تجربات اور یوروپ کے مختلف ممالک کی بداطوار عورتوں کی بیباکی کے قصے سنانے شروع کئے۔ جو باوجود انسدادی قانون موجود ہونے کے سر بازار انہیں اجنبی سمجھ کر انکے گلے کا ہار بنگئی تھیں۔ اس پر ایک صاحب نے جو بہت ہوشیار آدمی تھا۔ مجھے کہا کہ اگر تم یوروپ میں کچھ اچھا سبق لینے کے لئے جاتے ہو۔ تو اپنے دل کو پہلے ہی وہاں کی زندگی کے تاریک پہلو سے متعصب نہ بنا لو۔ وہاں ایک روشن پہلو بھی ہے۔ اور وہ غور سے مطالعہ

کرنے کے قابل ہے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یورپ میں روشن پہلو تاریک پہلو پر بہت غالب ہے۔ جس کا ذکر دوسرے موقعوں پر آتا رہیگا۔ غرض اس روز کے بعد پادری صاحب نے مجھ سے ہر وقت مذہبی گفتگو کرنی بند کر دی۔ مگر انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی انجیل دے کر اسے پڑھنے کی تاکید کی۔

روشنی کے مینار

گیارہ جون کو جبکہ سویز سے ایک دن رات کا فاصلہ رہگیا تھا جہاز کے دونوں طرف چند جزیرے نظر آئے۔ ان میں سے دو کا نام "برادر و خواہر" ہے۔ ان میں سے ایک پر ایک لائٹ ہوس (روشنی) کا مینار شب کو جہازوں کی رہنمائی کے لیئے بنا ہوا ہے۔ جس میں یورپین ملازم رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہر ہفتہ کھانا پانی ایک جہاز دے جاتا ہے۔ گو دنیا کے سمندروں میں بعض ایسے لایٹ ہوس بھی ہیں۔ کہ جن کے ملازموں کو سال میں صرف ایک مرتبہ ذخیرہ بھیجا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو عموماً سال میں نو مہینے خدمت اور تین مہینے رخصت ملتی ہے۔ ایک یورپین مسافر نے بتلایا کہ گزشتہ دس سال سے گورنمنٹ انگریزی اور سلطان ٹرکی کے مابین یہ امر زیر بحث رہا ہے۔ کہ اس سمندر کے کئی جزیروں پر لائیٹ ہوس تعمیر کیئے جائیں۔ سلطان المعظم اصرار کرتے ہیں کہ اگر یہ لائیٹ ہوس ان کی حفاظت میں رہیں۔ تو ان کے بنانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ واضح رہے کہ تمام دنیا کے سمندروں میں جہازرانی کی سہولت کے لیئے ایک انٹرنیشنل لائیٹ ہوس ایسوسی ایشن یورپ میں قایم ہے۔ جس کی حفاظت میں سب لائیٹ ہوس ہیں۔ بحیرۂ قلزم کا ذکر ختم کرنے سے پہلے جزیرہ پرم کی نسبت اسقدر بتلانا ضروری ہے۔ کہ باب المندب کا یہ جزیرہ جس پر مدت تک حکام یمن اور دوسری عرب قومیں حکمران رہی ہیں ۱۸۵۷ء کے قریب خالی اور غیر آباد تھا۔ فرانسیسی امیر البحر نے اپنے ایک افسر کو مخفی حکم دے کر اس جزیرے پر فرانسیسی جھنڈا گاڑنے کے لیئے بھیجا تھا۔ یہ افسر عدن میں آ کر انگریزی ایجنٹ کے پاس ٹھیرا۔ اور کھانے پر شراب زیادہ پی گیا۔ اس لیئے اُس نے اپنا مقصد ظاہر کر دیا۔ انگریزی افسر نے وہیں

کھانے کی میز کے نیچے ہاتھ لیجا کر پنسل سے اپنے ایک ماتحت کے نام حکم لکھدیا۔ کہ فوراً جہاز لیجا کر پرم پر انگریزی جھنڈا گاڑو چنانچہ جب فرانسیسی افسر وہاں پہنچا تو وہ جزیرے پر انگریزی قبضہ پاکر بہت نادم ہوا یہ جزیرہ پانچ میل لمبا ہے۔ کچھ انگریزی فوج بھی یہاں رہتی ہے۔ جزیرہ پرم پر انگریزی قبضہ کا قصہ انگریزی قوم کی اس چستی اور ہشیاری کی بہت عمدہ مثال ہے۔ کہ جس سے اس نے دنیا کے سب سے بڑے حصے پر قبضہ کرکے اُسے سنبھال رکھا ہے۔

۴ جون ہوا تیز تھی۔ اور کسی قدر طوفان معلوم ہوتا تھا۔ یہانتک کہ پانی کئی دفعہ تختہ جہاز پر آ پڑا۔ مگر واقف کار لوگوں کی نظر میں یہ ہرگز طوفان نہیں تھا۔ لیکن مجھ پر اسکا ضرور اثر ہوا۔ سر چکرانے لگا۔ اور کئی دفعہ دل بھی متلایا۔ دن کے پچھلے حصہ میں طبیعت نادرست رہی۔ بہتیری کوشش کی مگر کچھ پڑھ نہ سکا۔ باوجودیکہ قبض سخت رہا لیکن اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ گھر میں ایک دو روز کے قبض سے درد سر بلکہ بخار تک ہوجاتا تھا۔ یہاں سرکہ۔ اچار لیمونکی ترشی بکثرت کھاتا رہا مگر کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ گھر میں اس سے آدھی چوتھائی ترشی سے زکام ہوجاتا تھا معلوم نہیں سمندر کی آب و ہوا یا کھانے کی قسم کا یہ نتیجہ تھا۔ کیونکہ کھانا بہت ہلکا ہوتا تھا۔ علاوہ اس کے سرخ مرچ کا تو نام ونشان تک اس میں نہ ہوتا تھا مجھے اپنی عام صحت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ جو یقیناً سمندر کی صحت بخش ہوا کی بدولت تھی۔"

گیارہ جون: بعض انگریز مسافر کس سرگرمی سے دن بھر رسالے وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں۔ کہ گویا انہیں اگلے مہینے میں امتحان دینا ہے۔ یہی وجہ ہے

مشینوں کی آمدنی

کہ اس قوم کے اوسط درجہ کے آدمی بھی بڑے باخبر ہوتے ہیں۔ آج جرمن پادری صاحب نے مشنوں کے متعلق میرے سوال پر بتلایا۔ کہ جرمنی میں دو قسم کے چرچ ہیں۔ ایک سیٹ چرچ کہ جس کے خرچ کی ذمہ وار سرکار ہے۔ اور دوسرا پرائیویٹ چرچ

سینٹ چرچ کے پادریوں اور دیگر ملازموں کی تنخواہوں وغیرہ کا خرچ سرکاری خزانہ ادا کرتا ہے۔ اور پادریوں کو ایک سرکار کا مقرر کیا ہوا امتحان پاس کرنا پڑتا ہے۔ پرائیویٹ چرچ کے لوگ مشن کالجوں سے امتحان پاس کرتے ہیں ان کا معیار تعلیم علیحدہ ہوتا ہے۔ جس میں علاوہ تاریخ جغرافیہ ریاضی کے علم الٰہی۔ تاریخ قدیم۔ منطق فلسفہ، آداب مباحثہ۔ تاریخ مذاہب۔ تاریخ چرچ۔ ڈاکٹری کی تعلیم لاطینی۔ یونانی اور فرانسیسی (یا انگریزی) ضروری ہیں۔ ڈاکٹری کی تعلیم اس لئے ضروری ہے۔ کہ جہاں ڈاکٹر نہ ہوں پادری ہی لوگوں کا علاج کر سکیں۔ اور انہیں اپنی جانب متوجہ کر سکیں۔ پرائیویٹ مشنوں کی آمدنی چندوں سے ہوتی ہے۔ غریب دہقان جو نقد کچھ نہیں دے سکتے + اپنی گایوں کا دودھ یا کھیت کی کچھ اور پیداوار بصورت جنس ہی دیدیتے ہیں۔ جسکی قیمت مشن کے فنڈ میں جمع ہو جاتی ہے۔ جو امیر لوگ مذہبی مشنوں کا خرچ ہزاروں یا لاکھوں روپے یک مشت ادا کر دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنا نام تک ظاہر نہیں کرتے۔ واقعی یہ بڑے ایثار کرنے والے لوگ ہیں + اور یوروپ کی زندگی کا روشن پہلو ایسے ہی لوگوں کے دم سے قائم ہے۔ آج سر شام ہوا ایسی تیز ہو گئی۔ کہ صحن جہاز میں کھڑا رہنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مجھے کبھی کبھی تنہائی میں یہ خیال گھبراتا تھا۔ کہ تمام یورپین ہمسفر اپنے اپنے وطنوں کو جا رہے ہیں اور ہندوستانی تجارت اور امتحان پاس کرنے کو۔ اور مَیں صرف علم شے بہ از جہل شے حاصل کرنیکے لئے۔ تاہم مجھے توقع ہے۔ کہ اگر میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں تو اخبارات مطابع۔ ٹکنیکل تعلیم اور بعض اشیائے تجارت کی نسبت کافی واقفیت حاصل کر کے جاؤں گا۔ جو میرے اخراجات کا کافی معاوضہ ہو گا۔ الّا ماشاء اللہ۔

بندر سویز

تیرہ جون۔ کی دوپہر کو جہاز بندر سویز میں پہنچا۔ طاعون کی وجہ سے مسافروں کو اُتر کر سویز دیکھنے کی اجازت نہ ملی یہ ایک چھوٹا سا مصری قصبہ دس گیارہ ہزار باشندوں کا ہے۔ جس کو نہر سویز

کھودے جانے کے بعد بہت رونق ملی ہے۔ قاہرہ سے (۷۶) میل جانب مشرق واقع ہے۔ اس سے دو میل جانب مغرب ٹھیک برلب آب قلزم و نہر سویز یورپین آبادی ہے۔ جس کے خوبصورت مکانات اور اہلکاراں نہر کے بنگلے ایسے جنگل اور ریگستان میں دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے جہاز نے بندرگاہ میں پہنچ کر دو تین پھریرے بذریعہ رسیوں کے بلند کئے۔ سب سے پہلا زرد جھنڈا تھا جو ظاہر کرتا تھا۔ کہ جہاز طاعون زدہ علاقہ سے آتا ہے۔ دوسرا جھنڈا پائلیٹ طلب کرتا تھا۔ پائیلٹ ایک جہازران ہوتا ہے۔ جو کسی خاص سمندر یا اس کے حصے سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ جہاں گزرنے سے جہاز رانوں کو جہاز کی سلامتی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن پائیلٹ جہاز کو سلامتی سے وہاں سے نکال دیتا ہے۔ جب بمبئی سے جہاز روانہ ہوا تھا۔ تو پائیلٹ نے تین چار میل تک اُسے راستہ دکھلایا تھا۔ اسی طرح نہر سویز میں بھی ہر جہاز کے ہمراہ پائیلٹ روانہ ہوتا ہے اور اس کی فیس ہر جہاز کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ زرد جھنڈے کو دیکھ کر سب سے پہلے ڈاکٹر کی کشتی آگئی۔ جس میں ایک مرد اور ایک بڈھی ڈاکٹر تھی پہلے جہاز کے چیف آفیسر نے انہیں اپنے کاغذات دکھلائے۔ جو غالباً بمبئی کے ہلتھ آفیسر نے دئے ہوں گے۔ پھر سب ملازمانِ جہاز کی نبض دیکھی گئی۔ اور مسافروں کی حاضری لی گئی۔ تیسری جھنڈی کے ذریعے میٹھا پانی جہاز کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک کشتی پانی سے بھری ہوئی آئی۔ اور دو تین گھنٹے تک پمپ سے جبشی قلی پانی جہاز میں پینے کے پانی کی ٹانگی میں بھرتے رہے۔ عصر کے قریب جہاز نہر سویز میں داخل ہوا۔ نہر کا داخلہ نہایت دلچسپ تھا۔ نہر سویز (۸۷) میل لمبی (۱۴۴) فیٹ چوڑی

نہر سویز

اور (۲۸) فیٹ گہری کھودی گئی ہے۔ راستہ میں تین چار قدرتی جھیلوں میں سے گزرتی ہے۔ جو اس سے زیادہ گہری ہیں۔ چونکہ اس میں سے جہاز چھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں چلائے جاتے۔ تاکہ پانی کے صدمہ سے کناروں کی

مٹی نہ گرے۔ اس لئے ہر جہاز کو کم از کم پندرہ سولہ گھنٹے نہر سے گزرنے میں لگتے ہیں لیکن اگر کوئی دوسرا جہاز مقابل سے آتا ہوا ملے۔ تو ایک جہاز کو ایک طرف ہٹکر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اور دوسرا پاس سے گزر جاتا ہے۔ اس طرح سے کسی کسی جہاز کو دو دو چار گھنٹے ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اس لئے رستہ میں ایک رات ضرور آتی ہے۔ نہر سویز کے منتظموں نے نہر کی حفاظت کے لئے ۱۸۸۷ء سے روشنی کا یہ انتظام کیا ہے۔ کہ ہر ایک آنے جانے والے کی پیشانی پر ایک بہت بڑی برقی روشنی کی لالٹین آویزان کی جاتی ہے۔ اور برقی روشنی تیار کرنے کا "ڈائی نیمو" ابر قی انجن جہاز میں رکھو دیا جاتا ہے۔ اس سے نہر کے سامنے پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ رستہ میں جاتے ہوئے نہر کی بائیں طرف یعنی جانب مصر کے کنارے پر کئی چوکیاں اور مکان انتظام نہر کے لئے قایم ہیں اور بہت سے ملازمان نہر جو سب کے سب فرانسیسی معلوم ہوتے ہیں۔ یا کم از کم مصری نہیں ہیں ہوس پولو میں بھی رہتے ہیں۔ نہر کے اسی کنارے پر کچھ درخت اور سبز جھاڑیاں ہیں۔ عرب کی طرف کا کنارہ تو صرف ریگستان لق ودق نظر آتا ہے۔ نہر میں سے ہمیشہ بذریعہ ڈریجر مشینوں کے مٹی اور ریت نکلتی رہتی ہے۔ اس لئے تمام نہر کا راستہ بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کم از کم دو تین ہزار یوروپین نہر سویز کے متعلق ملازم ہونگے۔ نہر سویز ۱۸۵۹ء میں ایم ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجنیر کی تجویز سے کھدنی شروع ہوئی تھی۔ خدیو سعید پاشا مصر پر حکمران تھے۔ اُن کے نام پر بندر سعید (پورٹ سعید) بحیرۂ روم پر آباد کیا گیا ہے۔ ۱۸۶۹ء میں نہر کے افتتاح کی رسم ادا ہوئی بڑی دھوم دھام کا جلسہ ہوا جس میں شہنشاہ بیگم فرانس اور شہنشاہ آسٹریا موجود تھے۔ نہر کے کھودنے میں بیس ملین پونڈ یعنی تیس کروڑ ہندوستانی روپیہ خرچ ہوا تھا۔ انگلستان نے اس نہر کے کھودے جانے کی سخت مخالفت کی تھی۔ مگر اس کے بعد مفید سمجھ کر نہر کی کمپنی کے بہت سے حصے خرید لئے اور اب سب قوموں سے زیادہ وہی فایدہ اٹھاتا ہے۔ ممالک مشرق سے تجارت کرنے والے پچانویں فیصدی

جہاز اس نہر سے گزرتے ہیں۔ اور ہیں نے سنا ہے۔ کہ ہر جہاز کو پچاس پونڈ محصول ایک دفعہ نہر سے گذرنے کے عوض دینا پڑتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں نہر سویز سے تین ہزار چار سو اکتالیس جہاز اور دو لاکھ بیاسی ہزار ایک سو چورانوے مسافر گزرے تعداد مذکور میں دو ہزار چار سو سات جہاز تجارتی اور سات سو تہتر جہازات ڈاک اور دو سو اکسٹھ جنگی اور بار برداری والے جہاز تھے۔ انگریزی جہازوں کی تعداد انیس سو پینتیس تھی۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں نہر سویز کو نو کروڑ تیرہ لاکھ اٹھارہ ہزار سات سو بہتر فرانک کی آمدنی ہوئی۔ جنگ چین کے زمانے میں گورنمنٹ روس نے براہِ سویز سینتیس ہزار فوج اس طرف روانہ کی اور فرانسیسی فوج چونتیس ہزار اور جرمنی کی چوبیس ہزار اس نہر سے گزری۔ امریکہ اور ہسپانیہ کی جنگ کے ختم ہونے پر گورنمنٹ اسپین نے جو فوج اس نہر کی راہ سے جزائر فلپائن کو بھیجی۔ اس کی تعداد تیرہ ہزار تھی۔ اور جو تجارتی جہاز اس نہر سے گذرے۔ بمقابلہ دیگر ممالک کے انگریزی جہازوں کی تعداد تین میں دو تو ضرور تھی۔ کیسی عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ دو براعظموں ایشیا اور افریقہ کو پانی کے ذریعے الگ کر دیا گیا ہے۔ اور دو سمندروں بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ روم کو ملا دیا گیا ہے۔ جس سے تجارت اور آمد و رفت کو کروڑوں روپے کا منافع ہوتا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب سے پہلے رمیسس ثانی مصر کے ایک قدیم بادشاہ نے بحیرۂ قلزم اور بحیرہ روم کے درمیان ایک نوّے میل لمبی نہر کھدوائی۔ لیکن وہ مرورِ مدت سے بھر گئی مگر دارا اول شاہ ایران نے پھر اسے خالی کرایا۔ پھر حضرت عمرؓ کے عہد میں عرب فاتحان نے اسے کھودا۔ پھر سنہ ۱۷۹۸ء میں نپولین اعظم نے اسے جہازوں کے لئے کھدوانے کے واسطے پیمائش کرایا۔ لیکن اس غلط خیال سے جو اس زمانہ میں عام تھا۔ ارادہ ترک کر دیا۔ کہ بحیرہ قلزم کی سطح آب بحیرۂ روم سے تیس فیٹ بلند ہے۔ پورٹ سعید میں ایم ڈی لیسپ کا ایک بڑا روئین بت سمندر کے ساحل پر اس کے نہر کھودنے کی یادگار میں کھڑا ہے۔ آجکل نہر سویز

کے راستے سے سولہ روز میں لنڈن کا خط لاہور پہنچ جاتا ہے۔ گویا ڈاک کے جہاز بارہ تیرہ روز میں یہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں جو پہلے زمانہ میں افریقہ کے گرد سے تین ماہ اور اس سے بھی پہلے چھ مہینے میں طے ہوا کرتا تھا۔

بندر سعید اور آگے

دن کے بارہ بجے پورٹ سعید پہنچے یہاں جہاز نے کوئلہ لیا لیکن طاعون کے ڈر سے کسی مسافر کو جہاز سے اترنے کی اجازت نہ ملی۔ گو ہمارا اسٹیمر بازار سے اتنا قریب کھڑا تھا۔ کہ دکانوں کے بورڈ پڑھے جا سکتے تھے۔ آج سے سردی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ میں نے بھی گرم کپڑے پہن لیے ممالک مشرق میں اور کسی شہر نے اتنی جلدی ترقی نہیں کی جتنی کہ اس بندر نے کی ہے۔ شہر بہت خوبصورت ہے۔ عمارات یورپین طرز کی ہیں جب ہم پورٹ سعید سے بحیرہ روم میں داخل ہوئے۔ تو دو یورپین مسافر کہنے لگے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب ہم شائستگی کے علاقے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اسوقت تو اُن کی بات مجھے ناگوار معلوم ہوئی۔ کہ انہوں نے میرے وطن کو جہالت کی سرزمین قرار دیا لیکن جب میں نے یوروپ کے دو تین شہر دیکھ لیے تو میں ان کو حق بجانب سمجھنے لگا بیشک اہل یوروپ اور اہل ہند کے حالات میں سینکڑوں کوس کا فرق ہے۔ تیرہویں کی شام سے چلکر اٹھارہویں کی صبح کو جہاز بندر ٹرلیسٹ میں پہنچا۔ پندرہ تاریخ کو بائیں طرف جزیرہ کریٹ نظر آیا۔ اور دن بھر جہاز جزیرے کی لمبان کے برابر چلتا رہا۔ پہاڑ اور گھاٹیاں صاف نظر آتی تھیں۔ دو چار اور جزیرے بھی دائیں بائیں نظر آئے۔ یورپین مسافر جہاز پر وقت گزارنے کے لیے قسم قسم کے کھیل کھیلتے تھے۔ مثلاً ایک بالٹی میں رسی کے حلقے پھینکے جاتے تھے۔ اور جس کے زیادہ حلقے اس کے اندر پڑتے وہ جیت جاتا۔ اسی طرح اور جہاز کے کھیلوں میں بھی تھوڑی سی ورزش جو جہاز کی محدود جگہ میں ہو سکے اور کسقدر دلبستگی کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ ان کھیلوں سے کچھ ورزش بھی ہو جاتی تھی ان لوگوں کے اصرار پر میں بھی باایں ریش وفش ایک دن کھیل میں شریک ہو گیا لیکن مجھے مشق کہاں تھی جلدی ہی ہار گیا۔ آج بمبئی کے اور جہاز کے وقت میں

ساڑھے تین گھنٹے کا فرق ہو گیا تھا۔ ۶؍ جون کو یونان کا ایک جزیرہ تارانتو نامی جہاز سے بائیں طرف نظر آیا۔ اور دائیں طرف بھی مجمع الجزائر یونان کے کئی جزیرے نظر آتے رہے، کہ جنہیں دیکھنے کے لئے جہاز کے تمام زن و مرد مسافر صبح پانچ بجے سے نو بجے تک کھڑے رہے۔ مکانات گرجے کھیت سرو کی روشیں اور بنو کی چکیاں جا بجا نظر آتی تھیں۔ اور ہندوستانی نظر میں صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ آبادی نئی قسم کی ہے۔ ایک جگہ ایک جزیرہ جہاز سے اتنا قریب معلوم ہونے لگا کہ پتھر پھینکو تو وہاں جا پڑے۔ وہاں جہاز کے ایک افسر نے بگل بجایا۔ اور پہاڑ سے بعینہ صاف صاف ویسی ہی صدائے بازگشت نے جواب دیا۔ شام کو کو جہاز بحیرہ ایڈریاٹک میں یونان کے ساحل طے کر کے ترکی علاقہ کے مقابل چل رہا تھا۔ اٹلی کے ساحل پر برنڈزی سے آگے نکل چکا تھا۔ شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک شفق کی اتنی روشنی تھی۔ کہ جیسی کہ ہندوستان میں چھ بجے کو ہوتی ہے۔

یکشنبہ ۷؍ جون۔ "کل جہاز کے ٹریسٹ پہنچ جانے کی خوشی میں آج کا دن بالکل گپ شپ میں گذرا۔ دوپہر کو جزیرہ ملیسا نظر آیا۔ جہاں ایک نہایت خوبصورت خلیج پر ایک شہر پہاڑ کے نشیب میں آباد ہے۔ معلوم نہیں وہاں کے رہنے والوں کو کیا کیا تکلیفیں پیش آتی ہوں گی۔ لیکن مجھے تو وہ منظر اور تنہائی ایسی پسند آئی کہ ان لوگوں کی حالت پر رشک آنے لگا۔ شام تک ساحل ٹرکی کی خشک پہاڑیاں بائیں طرف نظر آتی رہیں۔ آج پراٹسٹنٹ عیسائیوں نے جہاز پر نماز پڑھی۔ رومن کیتھالک پاس بیٹھے رہے۔ مگر شریک نہ ہوئے۔ ایک انگریز سے جسے میں جانتا تھا۔ کہ رومن کیتھالک نہیں میں نے پوچھا کہ تم کیوں نماز میں شریک نہیں ہوئے۔ اس نے کہا۔ میں پریسبٹرین ہوں۔ یہ چرچ آف انگلینڈ کی عبادت کا قائل نہیں۔ جو نماز کی کتاب سے نماز کے مقررہ فقرات پڑھنے کے لئے مجبور ہیں۔ آج سطح بحر پر جو تیل کی طرح صاف تھی غروب

آفتاب کا نظارہ نہایت شاندار اور دلکش تھا۔

یورپ کے پہلے شہر ٹرلیسٹ اور وینس

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

۱۵ ارجون کو سویرے اٹھ کر سب لوگوں نے اسباب باندھنا شروع کیا۔ جہاز چھ بجے ہی ٹریسٹ کی بندرگاہ میں پہنچ گیا۔ یہ شہر کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جو بندر کے گرداگرد ہیں۔ تھوڑی دیر میں چار ڈاکٹروں کا ایک کمیشن مسافروں کے ملاحظہ کے لئے پہنچا۔ سب کو اندیشہ تھا کہ کہیں دو روز کا قرنطینہ نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ کپتان نے عدن سے مال بار کیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہر ایک مسافر اور ہر ایک ملازم جہاز کی نبض دیکھی۔ اس وقت تک جہاز پر ایک زرد جھنڈا اڑ رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اس جہاز میں بیماری ہے۔ اسلئے نہ کوئی شخص خشکی پر جا سکتا تھا۔ لیکن جب ڈاکٹروں نے جہاز کو مرض سے پاک وصاف بتلایا تو سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ اور ایک دم زدن میں وردی پہنے ہوئے اٹالین قلیوں کے دستے جہاز پر ٹوٹ پڑے۔ سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب اُن کے حوالے کیا۔ انہوں نے کشتیوں میں رکھدیا۔ اور ہم لوگ بھی جہاز کے خدمتگاروں کو ٹپ دلا کر کشتیوں میں جا بیٹھے۔ یہ دستور ہے۔ کہ جہاز میں کھانے کے کمرہ کے خدمتگار تمہارے اور بھی کئی کام کر دیتے ہیں شام کو اگر کمرہ میں گرمی ہو۔ تو تمہارا بستر جہاز کے صحن میں بچھا دیتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو۔ تو بوٹ بھی صاف

قرنطینہ کا اندیشہ

کر دیتے ہیں۔ بچھونے کی چادریں بدلنے اور نہانے کے تولئے دینے میں مدد دیتے ہیں۔ اسلئے کچھ نہ کچھ بخشیش انہیں ضرور دینی چاہیئے۔ یوروپ میں جس قدر بخشیش کا بڑا رواج پھیلا ہوا ہے۔ میں مختلف مقامات میں اسکا ذکر کرونگا۔

غرض ہم لوگ خشکی پر پہنچے۔ مزدور ہمارا اسباب ایک لمبی سی دستی گاڑی پر لادکر چُنگی خانہ میں لے گئے۔ معائنہ کے بعد ہم قریب ہی ایک ہوٹل میں پہنچے یہاں قلیوں کو کرایہ دینے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کہ اُن کی بات ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہاں کی زبان اطالی ہے۔ کیونکہ ٹریسٹ دراصل اٹلی کا شہر ہے لیکن اب آسٹریا کے قبضہ میں ہے۔ آخر ہوٹل کے پورٹر[1] نے ہمارا فیصلہ کرایا۔ اور دو قلیوں اور ایک کشتیبان کو آدھ گھنٹہ کی محنت کے لئے ہم چار آدمیوں کو نو شلنگ یعنے پونے سات روپئے دینے پڑے۔ ہوٹل والے نے یہ مزدوری اپنے پاس سے دیکر ہمارے بل میں لکھ لی۔ یوروپ میں ہمیشہ ہوٹل والے گاڑی اور مزدوری وغیرہ کا روپیہ اگر چاہو۔ تو سہولیت کی خاطر دے دیتے ہیں اور پھر حساب میں لکھ لیتے ہیں۔

یوروپ کا پہلا شہر

یہاں پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ انگریزی زبان بھی ایسی متاع نہیں ہے۔ جو ہر بازار میں بک سکے۔ کیونکہ زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمارے انگریز ہمراہی بھی یہاں ہماری طرح ہی صم وبکم تھے۔ چونکہ میں نے یہ یوروپ کا پہلا شہر دیکھا تھا۔ یہاں کی ہر چیز مجھ کو عجیب معلوم ہوتی تھی۔ یہاں قلی گاڑیبان اور خاکروب تک سب یوروپین تھے۔ بازار میں ہر طرف یہی لوگ نظر آتے تھے۔ عمارتیں عالیشان اور صاف و پاک دکانوں کے دروازے نئی ڈھنگ کے۔ غرض ہر چیز نرالی تھی۔

---

[1] یہ ہوٹلوں کے دروازوں پر ایک ملازم مامور رہتا ہے۔ جو تمام متفرق کام مسافروں کے آرام کے لئے کرتا ہے +

اخبارات

سب سے پہلے میں ہوٹل میں پہنچکر اخبار دیکھنے لگا۔ یوروپ میں ہر ہوٹل کے ساتھ لازمی بات ہے۔ کہ ایک کمرہ میں تازہ اخبارات اور رسالے اور کچھ مختلف قسم کی ڈائرکٹریاں پڑی ہوتی ہیں۔ البتہ یہ امر ہوٹل کی حیثیت پر منحصر ہے۔ کہ کتنے اور کس کس زبانکے اخبار اور رسالے موجود ہوں بڑے بڑے ہوٹلوں میں یوروپ کی ہر زبان کے بڑے بڑے اخبار اور ہر ملک کی ڈائرکٹریاں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ہوٹلوں کے رستارنٹوں اور قہوہ خانوں میں بھی اخبارات کا ہونا لازم ہے۔ آج اٹھارہ روز کے بعد جہاز سے اترے تھے۔ اس لئے کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ اس عرصہ میں دنیا میں کون کون سے واقعات پیش آئے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے جنگ ٹرنسوال اور پھر ہندوستان کی خبریں جو مل سکیں پڑھیں۔ اسی عرصہ میں انگلستان کا پریٹوریہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔

وینس کو روانگی

آسٹرین لائیڈ کمپنی کے ٹرلیسٹ جانے والے جہازوں کے مسافروں سے اس کمپنی کی طرف سے یہ بھی رعائت کیجاتی ہے۔ کہ اگر وہ ٹرلیسٹ سے وینس کو جانا چاہیں۔ تو اسی کرایہ میں جاسکتے ہیں۔ چونکہ میں اس سفر میں اٹلی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اٹلی کا کم از کم ایک شہر وینس ضرور دیکھنا چاہا۔ زیادہ تر اس لئے کہ ہمیشہ وینس کی خوبصورتی کی تعریف سُن چکا تھا۔ کیونکہ اس شہر کے مکانات سمندر کے اندر پانی میں بنے ہوتے ہیں۔ اور اکثر بازاروں اور گلیوں میں کشتیاں چلتی ہیں اس لیے ہم اپنا اسباب اسی ہوٹل میں چھوڑکر کہ جس کا نام ہوٹل ڈالاروم تھا۔ اسی شب کو وینس روانہ ہوا۔ جو ٹرلیسٹ سے چھ گھنٹے کا راستہ ہے۔ رات کو جہاز میں جا سوئے اور صبح وینس پہنچ گئے۔ دُور سے ہی سمندر میں سے ایک شہر کے نمودار ہو جانے کا نظارہ بہت دلچسپ معلوم ہونے لگا۔ وینس کے عالیشان محلات اور گرجوں کے گنبدوں اور میناروں میں مشرقی عمارت کی شان پائی جاتی

قدیم وینس کی عظمت

ہے۔ کوہ الپس سے اتر کر بحیرۂ ایڈریاٹک میں گرنے والی پانچ ندیوں کے سنگم پر قدیم زمانہ میں یہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے پیدا ہو گئے تھے۔ جن پر قوم ویناٹی آ کر آباد ہو گئی۔ اور کچھ مدت کے بعد یہ ریگ اور نیستان کے جزیرے یہاں تک آباد ہوئے۔ کہ دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز بنے جو تیرہ سو سٹھ سال تک قائم رہی۔ یہی وینس کی سلطنت تھی۔ کہ جس کے سامنے ایک مدت تک ساری دنیا سر تسلیم خم کرتی تھی۔ دنیا کے سمندروں میں کوئی بحری طاقت وینس کے مقابلہ کی نہ تھی۔ کریٹ، سائپرس، جینوا، پائیسا، سیریا، اور قسطنطنیہ اس کے خراج گزار تھے۔ دو دفعہ وینس کے ڈوجوں (بادشاہوں) نے ترکوں کے آنے سے پہلے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اور خیر الدین باربروسا امیر البحر سلطنت عثمانیہ سے بھی جنگ کی تھی خصوصاً صلیبی جنگوں کے زمانہ میں وینس کو اعلیٰ درجہ کا پولیٹیکل اور تجارتی عروج حاصل ہوا تھا اور اس کے جہازوں نے شام کی تجارت سے بہت دولت کمائی تھی۔ لیکن ۱۷۹۷ء میں فرانس نے وینس کو فتح کر کے اسکی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ مگر وینس کی عظمت کے زمانہ میں جو جو عجائبات اس شہر میں تھے۔ وہ اب تک بھی موجود ہیں

ٹرکوں کی کشتی بانی

شہر وینس کا دور سات میل ہے۔ جس کو ایک بڑی نہر نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دراصل یہ شہر تین بڑے اور ۱۱۴ چھوٹے جزیروں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اور چار سو چھوٹے اور بڑے پلوں کے ذریعے سے ان سب جزیروں کو اس طرح ملا دیا ہے۔ کہ ہر شخص ان پلوں سے شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلا کشتی میں بیٹھنے کے جا سکتا ہے۔ گلیوں اور بازاروں میں لوگ کشتیوں پر گزرتے ہیں۔ اس لئے بجائے گھوڑوں گاڑیوں شکرموں ٹریموے وغیرہ کے وینس کی گلیوں میں کشتیاں نظر آتی ہیں۔ یہ کشتی ایک خاص قسم کی اور کالے رنگ کی ہوتی ہے۔ جس کا سکان

جس کا سکاں بلند ہوتا ہے۔ اور اسے وہاں گنڈولا کہتے ہیں۔ گنڈولا چلانے والے ملاحوں کو اس کے چلانے میں عجیب مہارت ہوتی ہے۔ یہ سکانوں کے ایک ایک انچ قریب تک اپنے مرکبوں کو لے جاتے ہیں۔ اور ان سے ٹکرانے نہیں دیتے جبکہ نہایت تیزی سے چلا رہے ہوں۔ تو ایک دم میں انہیں روک سکتے ہیں۔ غرض وینس کے گنڈولے بجائے خود عجیب دلچسپ چیز ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ ایک فرانک (دس آنہ) فی گھنٹہ پہلے گھنٹہ کے لئے اور چھ فرانک دس گھنٹے کے دن کے لئے مقرر ہے۔ نہروں کے علاوہ خشکی پر بھی بعض گلیاں اور چھوٹی سڑکیں ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے عالیشان محلات کے دروازے عین برلب آب واقع ہیں۔ ان کی تعمیر زیادہ تر پتھر اور سنگ مرمر کی ہے۔ زبان اٹالی اور مذہب رومن کیتھالک عیسائی ہے۔ اور تو ہر نہج سے یہ لوگ یورپین ہیں۔ مگر اہل اطالی تمام یورپ میں زیادہ غریب ہیں۔ ان کا ملک چھوٹا ہے۔ اور اسے فوج اتنی زیادہ رکھنی پڑتی ہے۔ کہ اس کے خرچ کے بوجھ کے نیچے دبا جاتا ہے۔ اس لئے بیسیوں قسم کے ٹیکس رعایا پر لگے ہوئے ہیں ہمارے گائیڈ نے چھ گھنٹہ کے لئے مشہور مکانات دکھلانے کی اجرت چھ فرانک طلب کی اور مجھے بتلایا کہ ہر فرانک میں پچپن سنٹیم سرکار کے اور پینتالیس ہمارے ہیں (فرانگ = سو سنٹیم سکہ اطالیہ) اتنے مختلف قسم کے ٹیکس رعایا پر لگے ہوئے ہیں کہ جتنے کسی کے بچے ہوں۔ ان پر بھی اسے ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ جب ہمارا اسباب کشتی سے ایک مزدور خشکی پر لایا۔ تو ایک غریب عورت بوجھ اٹھانے کو دوڑی اس کے سوائے بعض غریب عورتیں اور بچے بھیک مانگتے تھے۔ اور برہنہ پا پھر رہے تھے مگر ساتھ ہی دوسری جانب یہاں بھی ایک مسافر کا روزانہ خرچ آٹھ دس فرانک سے کم نہیں ہوتا۔ قہوہ خانہ میں ایک پیالی چاء اور ایک ٹوسٹ کے لئے سات آٹھ آنے دینے پڑتے ہیں۔ مزدوروں نے بھی سفید کالر لگا رکھے ہیں۔ جو چیزیں یہاں دیکھی ہیں ان میں قابل ذکر سینٹ مارک کا گرجا ہے

سینٹ مارک کا گرجا

جو بڑے "پیازا" (چوک) میں واقع ہے۔ اس گرجے کا دروازہ "سینٹ صوفیا" (قسطنطنیہ) سے لایا گیا تھا۔ جو چاندی کا بنا ہوا ہے۔ ستونوں کی ایک بڑی قطار میں چار ایسے ستون ہیں۔ جو بیت المقدس کے تبلائے جاتے ہیں۔ کئی چھوٹے ستون نہایت قیمتی پتھروں کے ہیں۔ کہ جواپنا جواب نہیں رکھتے۔ اٹلی کے نامور مصوروں نے گذشتہ چار پانچ سو سال میں اس گرجا میں ایسی اچھی تصویریں موزائک (رنگین شیشہ کی میناکاری کام) کی بنائی ہیں۔ جو یورپ بھر میں مایۂ ناز سمجھی جاتی ہیں۔ یہ تصاویر زیادہ تر بائیبل اور سینٹ پیٹر کے قصوں سے متعلق ہیں۔ جو قد آدم یا اس سے بھی بڑی دیواروں اور چھت پر بنی ہوئی ہیں۔ مسیح مریم اور بارہ حواریوں کے قد آدم بت ایک دیوار میں نصب ہیں۔ اس عالیشان معبد کے تمام فرش میں بیش قیمت پتھروں کے ذریعے ایسا میناکاری کا کام کیا گیا ہے۔ کہ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرہ (لاہور) کی چھت اور روضہ ممتاز محل کے اندر کا فرش اسکے سامنے دوم درجہ کی چیزیں ہیں۔ اس فرش کی تعمیر میں باقی تمام گرجا کے برابر روپیہ صرف ہوا ہے۔ حضرت مسیح کے حواری سینٹ مارک (مرقس) کی قبر اس گرجا میں ہے۔ سینٹ مارک کی لاش پہلے اسکندریہ میں دفن تھی۔ لیکن دوسوداگر ایک دفعہ ان کی ہڈیاں کھود کر یہاں اٹھا لائے۔ اور یہیں دفن کرکے ان پر یہ عالیشان گرجا تعمیر کیا گیا۔ کہ جس کے خوبصورت اور عجیب بنانے میں اہل وینس نے کوئی دقیقہ صرف زر اور لیاقت کا اٹھا نہ رکھا۔ اس میں ایک جگہ حضرت مریم کا سونے کا بت رکھا ہوا ہے۔ جو صرف اتوار کو معتقدین کی زیارت کے لئے کھولا جاتا ہے اس کے باہر چاندی کے ہزاروں ٹکڑے جو دل کی شکل کے بنے ہوئے شیشوں کے اندر آویزاں ہیں۔ رومن کیتھالک معتقدین نے اپنی اپنی مرادیں پوری ہونے کے بعد مقدس مادر کے بت پر وقتاً فوقتاً چڑھائے ہیں۔ ان لوگوں کے اعتقاد میں حضرت مریم کا دل دنیا بھر کی ساری مرادیں پوری کرسکتا ہے۔ اگر منت مانیں تو گرجا گھر کی وسیع چھت کے نیچے جابجا رومن کیتھالک زن و مرد

موم بتیاں روشن کر کے ہاتھ باندھے اور سر جھکائے بیٹھے تھے۔ میرے جہاز کے دوست جرمن پادری صاحب جو پراٹسٹنٹ تھے۔ اور اسوقت بھی میرے ساتھ تھے۔ کہتے تھے کہ رومن کیتھا لک لوگ خیرات کا روپیہ کس بیرحمی سے صرف کرتے ہیں۔ یوروپ میں بلحاظ خرچ اور خوبصورتی کے صرف ایک اور گرجا سینٹ پیٹر (واقع روم) اس سے بڑا ہے۔ گو بلحاظ جسامت و عظمت کولون کا گرجا بھی بہت بڑا ہے +

دیگر عجائبات

گرجا کے بڑے دروازے پر چار ٹھوس گھوڑے پیتل کے پورے قد کے کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک کا وزن دو ٹن چھپن من بتلایا جاتا ہے۔ یہ گھوڑے بھی یوروپ کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں قدیم اہل روما نے انہیں بنایا تھا۔ اور اہل وینس قسطنطنیہ سے انہیں لوٹ لے گئے تھے۔ لیکن یہاں سے اپنے عروج کے زمانہ میں نپولین اعظم انہیں پیرس لیگیا۔ اور کچھ عرصہ بعد پھر وینس نے انہیں مانگ لیا۔

اس گرجا کے مشرق کی جانب ڈوج کا قصر قابل دید ہے۔ انگلستان کے مشہور شاعر بائرن نے جس "برج آف سائز" (آہوں کے پل) کو اپنی نظم کے ذریعہ سے غیر فانی کر دیا ہے۔ وہ ایک طرف اس قصر سے ملحق ہے۔ اور دوسری طرف ان ہیبت ناک جیلخانوں سے کہ جن کے بدنصیب قیدیوں کو دوبارہ دنیا کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اور اس پل کی راہ سے قیدی محل شاہی سے قیدخانہ میں پہنچائے جاتے تھے۔ تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر خوف زدہ نہ ہوں۔

افسوس کمپانیل

گرجا کے سامنے کمپانیل[1] کے نام سے ایک ساڑھے تین سو فیٹ بلند اور بیالیس فیٹ مدوّر مینار چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ جسکے اندر اوپر جانے کے لئے بجائے سیڑھیوں کے ڈھلوان راستہ ہے۔ اور نپولین اول اس راہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی چوٹی تک

[1] ۱۲ جولائی ۱۹۰۲ء کو کمپانیل خود بخود بوجہ پرانی تعمیر ہونے کے گر گیا۔ پھر ۱۹۱۵ء میں اسکی تعمیر شروع ہوئی

جا پہنچا تھا۔ اور اسی کی چوٹی پر دوربین کے موجد گلیلیو نے کئی تجربات علم ہیئت کے کئے تھے۔ یہ دراصل اس گرجا کے گھنٹے کا مینار ہے۔ مگر اب اس کی چوٹی پر ایک محافظ شہر کی آتشزدگی اور کشتیوں کے حادثات کی خبر رکھنے کے لئے متعین رہتا ہے۔

سینٹ مارک کے گرجا گھر کے سامنے ایک بڑا میدان ہے۔ جہاں ہزارہا پالتو کبوتر رہتے ہیں اور ایسے نڈر ہیں کہ جو کوئی پاس جا کھڑا ہوا اسکے کندھوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ ان کو خوراک ایک وقف سے ملتی ہے۔ اور وینس کے چہرے کا ضروری خط و خال شمار ہوتے ہیں۔ یہی میدان اس شہر کی ناک ہے۔ جیسا لنڈن کے لئے ہائیڈ پارک یا کلکتہ کے لئے ایڈن گارڈن اور دہلی کے لئے چاندنی چوک ہے۔ ویسا ہی یہ یہاں کے لئے ہے۔ اس کے تین طرف شہر کی سب سے بارونق دکانیں ہیں۔ دو تین بڑے بڑے قہوہ خانے ہیں۔ جن کے باہر بلا مبالغہ ہزاروں کرسیاں اور میزیں ہونگی۔ یہاں کے لوگوں کی بڑی تفریح یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ یار دوست عورت مرد ملکر سہ پہر کو قہوہ خانوں میں آ بیٹھتے ہیں۔ کھاتے پیتے اور گپ شپ اڑاتے رہتے ہیں۔ جو اخبار پڑھنا چاہیں وہ اخبار پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ہر قسم کے اخبار قہوہ خانوں کے لئے خریدے جاتے ہیں۔ جرمن فرانسیسی اور اطالی اخباروں کے پڑھنے کا عام رواج ہے۔ ہفتے میں دو تین راتوں کو اس میدان میں بہت سے باجے کے سٹینڈ لا کر رکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج منگل کی شب کو بھی دو گھنٹے تک بینڈ بجتا رہا۔ اس وقت اتنا بڑا میدان لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ عورتیں اور مرد بکثرت تھے۔ کوئی پھر رہے تھے اور کوئی بیٹھے ہوئے تھے اطالین عورتیں پچانوے فیصدی سر برہنہ تھیں۔ رنگ ان کا بھی ویسا ہی سرخ اور سفید ہوتا ہے۔ جیسا انگلستان کی عورتوں کا۔ عورتیں عموماً خوبصورت اور مرد عموماً معمولی قد و قامت و جسامت کے نظر آئے۔ پولیسمین سر کی ٹوپی سے جوتے تک سیاہ تھے + یہاں شیشہ اور لیس دو بڑے صنعت کے کام ہیں اور دونوں یورپ

وینس میں شیشے اور لیس کی صنعتیں

بھر بہت مشہور ہیں۔ میں نے دونوں قسم کے کارخانے دیکھے۔ سب سے بڑے شیشہ کے کارخانہ میں کاریگروں کو شیشہ بناتے دیکھا۔ شیشہ بھٹی میں پانی کی طرح پگھلا ہوا ہوتا ہے۔ کاری گر ایک لمبی آہنی نلکی کے آگے شیشہ چپکا کر پھونک مارتا تھا۔ تو یہ پھول جاتا تھا۔ پھر آہنی چمٹے سے جس طرح چاہتا بہ آسانی موڑ لیتا۔ مٹی کے کھلونے بنانے میں بھی اس سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہوگی۔ لیکن شیشہ کو مختلف رنگ دینا اور بلور کی نقل کرنی ذرا مشکل کام ہیں۔ ایک دوسرے شیشے کے کارخانے میں جا کر دیکھا کہ ایک عورت شیشہ کی دو باریک نلکیوں سے جن سے کمسٹری کے طلبا بخوبی آشنا ہیں۔ بذریعہ برقی آگ کے تار نکال رہی ہے۔ یہ تار انسان کے بالوں سے موٹا نہ تھا۔ اور بخوبی لچکدار تھا۔ پاس سے ایک پہیہ پر جسے وہ پاؤں سے چلاتی تھی۔ یہ تار تنا جاتا تھا مختلف رنگوں کے شیشے کی ایسی کئی تاریں اکٹھے کر کے اُن سے چھوٹی چھوٹی فینسی خوبصورت ٹوکریاں بُنی جاتی تھیں۔ جو بہت نازک اور لچکدار ہوتی ہیں شیشہ کی اور کئی چیزیں آرائش کی بنائی جاتی ہیں۔ لیکن سب سے بیش قیمت موزائیک (میناکاری) کام ہے۔ جس کے لئے قدیم زمانہ سے وینس مشہور ہے مختلف رنگوں کے شیشوں پر سنہری ورق لگایا جاتا ہے۔ اور سب کو کاٹ کر چوتھائی انچ کے ٹکڑے پر کسی تصویر کا خاکہ کھینچ کر اس پر یہ شیشے سنہری پہلو نیچے کر کے ایسے طور پر جڑے جاتے ہیں۔ کہ اصلی رنگ کسی تصویر کے آپسمیں آجاتے ہیں۔ مثلاً سبز رنگ کو نیلے پر ختم کرنے کے لئے ایسے شیشے لگائے جائینگے۔ جس سے معلوم نہ ہو سکے گا کہ سبز کہاں ختم ہوتا ہے۔ اور نیلا کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ گرجوں میں اس قسم کی قد آدم تصویریں ہزاروں روپے کی لاگت سے بنائی جاتی ہیں۔ میں تعجب کیا کرتا تھا کہ "سٹینڈ گلاس ونڈو" (رنگین شیشوں کے دریچہ) پر یوروپ کے گرجوں میں کیوں اتنا خرچ بیٹھتا ہے"۔

لیس جنیوا اور وینس کی اب تک مشہور ہے۔ جب میں لیس کے کارخانے میں

گیا تو کام کرنے والی لڑکیوں کو چھٹی ہو چکی تھی۔ اور وہ سب ملکر سامنے کے ہال میں دوپہر کا کھانا کھا رہی تھیں۔ تاہم کارخانہ کے مینیجر نے ساتھ لیجا کر سب کمروں میں لیس کا کام دکھایا۔ یہ کام بالکل ہاتھ سے کیا جاتا ہے۔ اور اس کی اچھی قیمت آتی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر لکھنؤ کی چکن کاڑھنے والی عورتوں میں اس کام کا رواج دیا جاسے۔ تو یقیناً فائدہ کا کام ہو۔ جب ہم کارخانے سے نیچے اترنے لگے۔ تو چند لڑکیاں دوڑ کر پیچھے آگئیں۔ اور اشارہ سے ہم سے پیسے مانگنے لگیں۔ آجکل یہاں دن سولہ گھنٹے سے کم نہیں صبح ساڑھے تین چار بجے اتنی روشنی ہوتی ہے کہ کتاب خوب پڑھی جائے اور شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک آفتاب کھلے میدان میں پڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے دن کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بعض لوگوں کا یہی پیشہ ہے۔ کہ جس اجنبی کو شہر میں دیکھیں اُسے کہیں کہ آؤ تمہیں شیشہ کے عجائب خانے دکھلائیں۔ اور اس طرح اُسے ساتھ لیکر شیشہ کے سوداگروں کی دوکانوں میں لے جاتے ہیں جو واقعی عجائب خانے ہیں۔ وہاں دکان والوں کی قابلیت یہ ہوتی ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ مال مسافر کے سر چپیک دیں۔ کیونکہ کوئی مسافر ایسا نہ ہوتا ہوگا۔ جو مال کو پسند نہ کرے ہمارے پارسی رفیق نے ایک کارخانہ سے دس پونڈ کے شیشہ کے آلات خریدے وینس میں اور بہت سے قابل دید مکانات تھے۔ مگر ہم نے ایک ہی دن میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ اور شام کو جہاز پر سوار ہو کر صبح ٹریسٹ پہنچ گئے۔ ان جہازوں میں

زنانہ اور مردانہ مسافروں کی بیتکلفانہ ملاقات

ایک ہی کمرہ سب مسافروں کے لئے ہوتا ہے۔ جس کے گرداگرد چاروں طرف نیچے اوپر دو تین قطاریں بستروں کی ہوتی ہیں۔ ایسے طور پر کہ ایک لیٹنے والے شخص کے پاؤں دوسرے کے سر سے چھو جاتے ہیں۔ روشنی روکنے کے لئے صرف ایک پردہ سامنے کھینچ سکتے ہیں عورتیں مرد ملے جلے سب ایک ہی جگہ سو جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک میاں بیوی ہنستے کھیلتے ایک بستر پر سو گئے اور انہوں نے پردہ تک نہ چھوڑا۔ وینس جاتے ہوئے

اسی سٹیمر پر ایک اٹالین ایک عورت سے جو اس کے ساتھ کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی بہت مذاق کرتا تھا۔ اور وہ اور اس کی دو تین سہیلیاں کھل کھلا کر ہنس دیتی تھیں صبح اٹھ کر مجھے ایک انگریز رفیق سفر نے کہا۔ کہ اگر کوئی انگریز عورت ہوتی تو فوراً جگہ چھوڑ کر چلی جاتی۔

اٹلی اور آسٹریلیا کے سکے

ایک روز میں ابھی آسٹریا کا سکہ بخوبی نہیں سمجھا تھا۔ کہ دوسرے روز اٹلی کے علاقہ میں جانا ہوا۔ جہاں اٹلی کے سکہ سے کام پڑا۔ اس لئے دونوں کے مبادلے کی نسبت اور دونوں سکوں کی اصلی قیمت نے مجھے کئی جگہ دھوکا دیا۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ کوئی اجنبی خواہ کتنا ہی ہوشیار ہو اس نقصان سے بچ نہیں سکتا۔ آسٹریا کا سکہ اس طرح ہے۔ ہیلر یا سولدی سب سے چھوٹا سکہ ہے۔ جو میں نے دیکھا نہیں۔ اور غالباً ابھی بنا نہیں۔ تاہم دو ہیلر کا ایک کراؤزر ہوتا ہے۔ اور وہ ہندوستان کی ایک پائی کے برابر ہوتا ہے۔ اور پانچ کراؤزر ادھنے کے برابر۔ سو کراؤزر کا ایک فلارن چاندی کا سکہ ہے جو ہمارے روپیہ کے برابر ہوتا ہے لیکن قیمت میں سوا روپے کے مساوی۔ اس کا نصف چاندی کا کراؤن یا کرونا ہوتا ہے۔ پھر نکل (جرمن سلور) کے بیس ہیلر اور دس ہیلر کے سکے چونی اور اس سے ذرا بڑے ہیں۔ اٹلی میں فرانک اور سنٹیم جاری ہیں ایک فرانک میں جو ہندوستان کے دس آنہ کے برابر ہے سو سنٹیم ہیں۔ جو پائی کے برابر ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے پیسہ کے برابر مسی پانچ سنٹم ہے۔ ادھنے کے برابر دس سنٹیم۔ بیس سنٹیم نکل چاندی کا چونی سے بڑا۔ فرانک کو لیرہ بھی کہتے ہیں زیادہ چلن نوٹوں کا ہے۔ جو پانچ اور دس لیرہ کے ہوتے ہیں۔ اور جو نقدی کے مقابلہ میں پونڈ (پندرہ روپے) کے بجائے ۲۵ کے ۲۶½ ملتے ہیں۔ اٹلی سے باہر یہ کسی کام کے نہیں۔ اٹلی کے اندر بھی انہیں لوگ لینے میں تامل کرتے ہیں۔ انگریزی طلائی ساورن جو ہندوستان میں اب چلتا ہے۔ یوروپ بھر میں بلا تامل پوری قیمت پر لیا جاتا ہے۔ ٹریسٹ سے وینس جاتے ہوئے وینس میں اور وینس

سے ٹریسٹ جاتے ہوئے ٹریسٹ میں جہاز پر کسٹم ہوس (محکمہ چنگی) والے مسافروں کا اسباب کھول کھول کر دیکھتے ہیں۔ اور جس بکس میں کوئی چیز قابل محصول ہوتی ہے۔ اسپر ایک ٹکٹ چپکا دیتے ہیں۔ یوروپ کے سفر میں کسٹم سے مسافروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اور ذرا ذرا چیزوں پر چنگی لی جاتی ہے۔

ایک شاہی محل

بیسویں کو ٹریسٹ پہنچ کر وہاں کے مشہور مقامات دیکھے۔ جن میں سے "میراماٹ" قابل ذکر ہے۔ یہ میکسیمیلین شہنشاہ میکسیکو نے ٹریسٹ سے دو تین میل باہر سمندر کے کنارے پر بڑے شوق سے تیار کیا تھا۔ مگر بادشاہ جوانی میں ہی باغیان میکسیکو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس کی بیگم (شاہ بلجیم کی بہن) بلجیم میں دیوانی ہوگئی۔ جو اب تک زندہ ہے۔ امپرر میکسیمیلین موجودہ شہنشاہ آسٹریا (فرانسس جوزف) کا چھوٹا بھائی تھا۔ اسلئے سرکار آسٹریا کی طرف سے اس محل کی حفاظت کیجاتی ہے۔ اس میں تمام ہمعصر بادشاہوں کی قد آدم تصاویر اور بہت سے دوسرے تاریخی آدمیوں کی بڑی تصویریں جن کو بڑے سلیقے اور قرینے سے مختلف کمروں میں سجایا گیا ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر بہت سی تصویروں میں الیگری (تمثیلاً) کے طور پر اظہار مطلب کیا گیا ہے۔ اب تک میکسیمیلین کے بیٹھنے کے کمرہ۔ کتب خانہ۔ کمرہ استراحت۔ ڈرائنگ روم وغیرہ میں سب سامان ویسا ہی پڑا ہے۔ جیسا کہ اس کی زندگی میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ مکان کا مالک ابھی کمرہ سے باہر گیا ہے۔ شب زفاف کا کمرہ اسی طرح آراستہ ہے جیسا کہ اسوقت کیا گیا تھا۔ اور چونکہ بادشاہوں کے سجے ہوئے مکان کا کم کسی کو دیکھنے کا موقع ہوتا ہے۔ یہاں بیحد آرام اور عیش کا سامان معلوم ہوتا تھا۔ مکان کے چپہ چپہ پر مجھے خیال آتا تھا کہ ایسے قصر وسیع اور سامان مکلف کے تیار کرانے والے بھی دنیا میں نہیں رہتے۔ اور یہاں سے قبل از وقت کوچ کرنے پر باول ناخواستہ مجبور ہوتے ہیں۔ اس محل کے باغ میں ایک جگہ ایک پھولوں اور پتوں کا قالین دیکھا۔ جس میں پانچ چھ رنگوں کے پھولوں کے نقش و

رنگ ایسی خوبی سے کھینچے گئے تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ واقعی ان رنگوں کا بنا ہوا قالین ہے۔ حالانکہ صرف ایک مختلف الالوان پھولوں کی کیاری تھی۔ اس محل کے دکھلانے والے تین چار آدمیوں کو ٹپ دینا پڑا۔ جو ڈھائی روپے کے قریب تھا۔

ٹپ کی حقیقت

ٹپ کی تشریح ناظرین کی خاطر کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ یوروپ میں ایک عام دستور ہے۔ کہ جس ہوٹل یا ریسٹورانٹ یا قہوہ خانہ میں تم کچھ کھاؤ پیو۔ کھانے کی قیمت کے ساتھ ہی اس ویٹر (خدمتگار) کو جو تمہیں کھانا لا کر دیتا ہے۔ ضرور کچھ دیکر جاؤ۔ ورنہ تم ناشائستہ سمجھے جاؤ گے نہیں بلکہ دوسری مرتبہ وہ ویٹر تمہارے طلب کرنے پر بھی تمہیں کھانا دینے میں دیر لگائیگا کہدیگا ہاں لاتا ہوں۔ مگر نہیں لائیگا۔ اچھا تم نے کوئی مکان بھی دیکھا۔ اس مکان کے ساتھ جو باغ تھا۔ اس کے دکھانے کے لئے کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ ہو لیا۔ اور جب تم دروازے پر پہنچے تو ایک اور شخص بھی کھڑا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک اور بھی ہے۔ تو یہ سب کچھ نہ کچھ لینے کے مستحق ہیں۔ اور ہندوستان کی طرح دو چار پیسے لیکر پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہوٹل سے رخصت ہوتے وقت پورٹر اور کم از کم پانچ چار دوسرے ملازموں کو کچھ نہ کچھ ٹپ دینا ضروری ہے۔ سٹیشن پر جاتے ہو اور ایک شخص تمہارے ساتھ تم کو اجنبی دیکھ کر ہو لیا۔ وہ تمہیں گاڑی بتلاتا ہے۔ یا تمہارا اسباب تلوا دیتا ہے۔ وہ بھی ٹپ مانگتا ہے۔ اور یہ رسم ایسی عام ہے کہ بیڈیکر کی جرمنی اور آسٹریا کی گائیڈ بکوں تک میں لکھا ہے۔ کہ مسافر کو ایک شلنگ روزانہ ٹپ کا خرچ سمجھ لینا چاہیئے۔ جس کے مستحق ہوٹلوں کے خدمتگار اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ بعض انگریز مصنفوں نے لکھا ہے۔ کہ ہندوستان میں "بخشیش" مانگنے کی بہت بری رسم ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں یوروپ میں "ٹپ" کا ایسا برا دستور ہے۔ کہ جس سے نہ صرف بھلے مانس غیر ملک والے دق ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بڑا کمینہ اور وحشیانہ دستور ہے۔ اور یہ نہیں کہ غیر ملک والے اس کا شکار ہوتے ہیں۔ بلکہ دہلی

کے رہنے والے لوگ بھی کم و بیش دیتے ہیں۔ یوروپ میں بہت لوگ نہ اپنے گھروں میں کھانا پکائیں اور نہ کھائیں۔ اس لئے رسٹارنٹوں اور ہوٹلوں میں بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ میرے خیال میں سوائے خاص لوگوں کے یہاں کے عام لوگوں کی زندگی اپنے لئے صرف روٹی اور کپڑا بہم پہنچاتے رہنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ اگر دو دن بھی بیکار ہوئے تو گزارہ نہیں ہوتا۔

دکان کی طرز

ٹریسٹ میں علاوہ بڑے بڑے عالی شان مکانوں کے ایک اور عجیب چیز ہے۔ وہ دکانوں کے دروازے ہیں۔ جو تمام یوروپ میں کم و بیش یکساں طور کے ہیں۔ دکان کے روکار پر دو تین فیٹ جگہ اندر جانے کے لئے چھوڑ کر باقی جگہ بڑے بڑے شیشوں سے بند کر دی جاتی ہے جن کے پیچھے دکان کا مال نمایش کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اور اس طرح بازار میں گزرنے والے لوگ بھی باہر سے ہی دکان کا مال دیکھ سکتے ہیں۔

موٹے تازے جانور اور چارہ کی کثرت

یہاں ایک اور چیز بھی نرالی معلوم ہوئی۔ مزدوروں کی بارکش گاڑیوں اور سواری کی گاڑیوں میں یکساں موٹے تازے بڑے بڑے گھوڑے جتے ہوئے نظر آئے۔ مگر یہ بہت "منجھے" تھے۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں بھدّے تھے۔ اسلئے چلائے سے چلتے تھے۔ غالباً گھوڑوں کی یہ قسم یہاں چھکڑوں کے لئے مخصوص ہو گی۔ بیل بھی یہاں موٹے تازے دیکھکر مجھے تعجب ہوا۔ اس کے بعد میں نے یوروپ بھر میں لاغر گھوڑا اور دبلا بیل نہیں دیکھا۔ وجہ اس کی میری سمجھ میں سوائے اس کے کچھ نہیں آئی کہ یہاں چارہ بہت ہے۔ اور چارہ خشک کر کے جمع رکھنے کا عام رواج ہے۔ اس لئے چارہ کی کمی کبھی نہیں ہوتی۔ سواری کی گاڑی صرف وکٹوریا فیٹن تھی جس کا کرایہ شہر کے اندر پہلے گھنٹے کا ایک فلورن (۱؍۲) اور دوسرے گھنٹے کا ۸۰ کراؤنز (۱۲؍) تھا۔ بوجھ لادنے کی گاڑیاں ایک گز چوڑی اور سات آٹھ گز لمبی ہونگی۔ پہیوں کے اوپر صرف دو لمبے میسر پول لگا کر انھیں تختوں سے پاٹ دیا گیا تھا۔ البتہ پچھلے

ایسے طور سے لگے ہوئے تھے۔ کہ کھانے وقت دو پہلے اور دو پچھلے الگ الگ پھر جاتے تھے۔ کھانا وینس کی طرح یہاں بھی ایک یہودی کے رسٹاورنٹ میں کھایا جو بہت احتیاط سے ذبیحہ کرتے تھے۔ اور ذبیحہ کو "کوشر" یا کوشر کہتے ہیں، یہ شیخ انعام اللہ صاحب بٹلا کی مہربانی تھی۔ کہ جنہوں نے مجھے یہودی رسٹارنٹوں کی راہ بتائی، یوروپ کے ہر بڑے شہر میں یہودی موجود ہیں۔ اور سب جگہ ان کے

قہوہ خانے

کھانے کے مکان علیحدہ ہیں۔ شام کو بڑے چوک میں جہاں پبلک بینڈ بجتا ہے۔ ایک قہوہ خانہ میں "آئیس کافی" (یعنے برفانی قہوہ) پیا۔ یہ عجیب قسم کا قہوہ آسٹریا جرمنی اٹلی اور فرانس میں ہوتا ہے۔ شیشے یا چینی کے پیالے میں نیچے شربت قہوہ ہوتا ہے۔ اور اس کے اوپر دودھ کے جھاگ بنا کر اس طرح رکھے جاتے ہیں۔ کہ پیالی کے کناروں سے کچھ اوپر ابھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور قہوہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ قہوہ خانوں میں زن و مرد کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ اور اس کے گرد لوگ مکان کے اندر باہر میدان میں کثرت سے لکڑی کے نہائت مختصر سفری کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ سامنے ایک مختصر سی میز دو چار کرسیاں ہوتی ہیں اور قہوہ یا چائے یا مٹھائی جو چیز مانگو فوراً ویٹر حاضر کر دیتا ہے۔ ساتھ ہی بلا مانگنے کے کوئی نہ کوئی اخبار بھی لا کر رکھ دیتا ہے۔ کیونکہ یہ بات مانی ہوئی ہے۔ کہ یہاں ہر شخص پڑھا لکھا ہے۔ اور اسوقت اخبار پڑھنا چاہتا ہے۔ کئی لوگ صرف مختلف اخبار دیکھنے کے لئے "کافی" میں کہ جس نام سے یہاں قہوہ خانے مشہور ہیں آتے ہیں۔

ویانا کو روانگی

۲۰ جون کو میں ٹریسٹ سے ویانا کو روانہ ہوا۔ ریل کا ٹکٹ ہمبرگ تک کا میں نے اپنے مہربان دوست لاہور کے ہر دلعزیز پروفیسر آرنلڈ صاحب کی ہدایت کے مطابق بمبئی ہی سے طامس کک اینڈ سن کے دفتر سے خرید لیا تھا۔ اسلئے ٹکٹ لینے کی دقت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ پروفیسر آرنولڈ صاحب نے سفر یوروپ کے متعلق مجھے چند اور

ہدایات بھی کی تھیں جن سے مَیں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ سٹیشن پر اسباب کے تلوانے میں کچھ وقت ہوئی۔ حالانکہ ہوٹل کا ایک ملازم ساتھ تھا۔ ایک میرا اور ایک میرے دوست کا کپڑوں کا ٹرنگ تلوایا تھا۔ اور ایک ایک چھوٹا ٹرنک ریل میں ساتھ رکھ لیا۔ بارہ تیرہ گھنٹے کے سفر کے لئے اتنے اسباب کا کرایہ جو من سوا من سے زیادہ نہ ہوگا، بارہ تیرہ روپے دینا پڑا۔ یورپ میں ریل کا کرایہ بہت گران ہے۔ اور ہندوستان کی ریلوں کی طرح گاڑیوں میں سامان رکھنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کی گاڑیوں میں تو تین چار سیر کے ہینڈ بیگ سے زیادہ نہیں لیجا سکتے۔ البتہ آسٹریا کی سیکنڈ کلاس کی گاڑیوں کے گدیلے ایسے اعلیٰ ہیں کہ ہندوستان میں فرسٹ کلاس میں بھی نہیں ملتے۔ لیکن اس میں بیٹھنے کی گاڑیاں الگ ہیں اور سونے کی جدا جس کا کرایہ کچھ زیادہ ہے۔ سونا ہو تو اس میں چلے جاؤ۔ مجھے ہوٹل کے ملازم نے یہ بھی کہا کہ اگر گارڈ کو کچھ ٹپ دیدو گے۔ تو وہ تمہارے کمرہ کو مقفل کر دیگا۔ اور کوئی دوسرا مسافر اندر نہ جاسکیگا۔ پھر تم بے کھٹکے سو رہنا۔ مگر مجھے یہ بات کچھ پسند نہ آئی۔ اِن گاڑیوں میں صرف ایک طرف کے دریچے اندر باہر جانے کے لئے کھلتے ہیں۔ اسی طرف ایک برآمدہ بھی بنا ہوا ہے۔ پلیٹ فارم گاڑی کے پہیوں کی سطح پر ہوتا ہے۔ اِسلئے سیڑھیوں سے گاڑی پر سوار ہوتے ہیں۔

سبزی اور چارہ

ٹریسٹ سے ویانا کو جاتے ہوئے صبح کو ساڑھے تین بجے سے صبح کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ ملک نہایت سرسبز اور شاداب ہے۔ پہاڑوں کا ایک چپہ بھی سبزی سے خالی نہیں۔ گھاس کے انبار کے انبار لگے ہیں۔ لوگ بعض کھیتوں میں صرف گھاس ہی بوتے ہیں۔ جس کو کاٹ کر خشک کر کے جمع کر رکھتے ہیں۔ میں نے جا بجا اس کے ڈھیر دیکھے ہندوستان کے زمینداروں کا مدار صرف مویشیوں پر ہے۔ افسوس ہے

کہ ابھی تک یہ لوگ گھاس کے ذخیرے رکھنے کے فواید سے واقف نہیں ہوئے
سن ۱۹۰۰ء میں بوجہ خشک سالی کے اس قدر مویشی ہندوستان میں مرے۔ کہ
بعض علاقوں میں تو دسواں حصہ جانور زندہ نہیں رہے۔ لیکن اگر سال گذشتہ
کی گھاس کا ذخیرہ ہوتا۔ تو اس سے کم تکلیف ہوتی۔ گاؤں اس ملک میں بڑے
بڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ جہاں پہاڑی کے دامن پر کسی وادی میں تھوڑی سی
بھی جگہ کھیتوں اور گھروں کے لیے نکل آئی وہاں ہی دس بیس دہقانوں
نے مکان بنالئے۔ عورتیں عموماً مردوں کو کھیتی باڑی کے کام میں مدد دیتی ہیں
لیکن اس پر بھی ان کے کپڑے اُجلے ہوتے ہیں۔ زن و مرد کام کرنے سے
پہلے ایک رنگین کپڑا اپنے سامنے باندھ لیتے ہیں۔ اسلیئے کپڑے کم میلے ہوتے
ہیں۔ اس دنیا میں عورتیں اکثر مردانے کام کرتی ہیں۔ ریلوے سٹیشن پر ٹکٹ
دیتی اور کلر کی کرتی ہیں۔ دکان لگاتی ہیں۔ ہوٹلوں۔ قہوہ خانوں اور دفتروں

ہوٹل کی خدمتگار عورتیں

میں ملازم ہیں۔ غرض جہاں بن پڑتا ہے۔ مردوں کی برابر
روٹی کماتی ہیں۔ جن جن ہوٹلوں میں مَیں مقیم ہوا ہوں
سب میں کئی کئی عورتیں بطور خدمتگار کے نوکر تھیں۔ خدمتگار عورتوں کی پہچان
یہ ہے۔ کہ اُن کے سروں پر چھوٹی سی سفید ٹوپی اور سامنے ایک سفید ایپرن (تہ بند)
بندھا ہوا ہوتا ہے جب مسافر کمرہ سے باہر جاتا ہے۔ تو یہی مکان کو صاف کرتی ہیں
ہر ایک میز کرسی کو پونچھتی ہیں۔ بچھونا جھاڑتی اور بچھاتی ہیں۔ تمام چیزوں کو قرینے
سے لگاتی ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کا پانی پھینک کر صاف پانی لار کھتی ہیں۔ اور
پاخانہ بھی صاف کرتی ہیں۔ پاخانے عموماً ان ملکوں میں ایسے ہیں۔ کہ قضائے
حاجت کے بعد ایک ڈوری کھینچنے سے بہت سا پانی زور سے پاخانہ کے برتن
میں آپڑتا ہے۔ اور اسکو صاف کرجاتا ہے۔ پاخانہ کا برتن چینی کا ہوتا ہے اس
لئے خوب صفائی رہتی ہے۔ بستر ہوٹلوں میں نہایت پرتکلف ملتا ہے جیسا
اچھا ہوٹل ہو۔ ویسا ہی سامان اچھا ہوتا ہے۔ تاہم بستر جیسا گدگدا بنانے میں یہاں

یہاں توجہ کی جاتی ہے۔ اور جگہ نہیں۔ یہ ہندوستان میں لوگوں کو معلوم بھی نہیں
دو دو بالشت اونچے سونے کے گدیلے تو معمولی بات ہے۔ تکیے اور توشکیں پروں
سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ ہزاروں من جانوروں کے پر ہندوستان سے یوروپ
کو آتے ہیں۔ لیکن کوئی ہندوستانی پروں کے تکیوں اور توشکوں کی قدر نہیں جانتا
ہوٹلوں میں چادریں۔ تکیوں کے غلاف۔ تولئے ہر روز بدلے جاتے ہیں ہر کھانے
پر نیا دُھلا ہوا تولیہ ملنے کا طریقہ بہت اچھا ہے۔ گو کھانے مجھے یہاں کے ایک
آنکھ نہیں بھائے۔ صرف بوجہ مجبوری پیٹ بھر لیتا تھا۔ یوروپ اور ہندوستان کے
کھانا پکانے کے طرز میں بعد المشرقین ہے۔ میں نے جو کچھ یوروپ میں کھانا پکانے
کا مطلب سمجھا۔ وہ صرف ہر چیز کا ابال لینا ہے۔ مگر یہ سنا ہے۔ کہ ہر کھانے کو صحت
کے لحاظ سے عمدہ بنانا مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ٹرلیسٹ سے ایک شخص میرے ساتھ
سوار ہوا۔ گو یہ آسٹرین تھا۔ مگر بوجہ مصر میں رہ چکنے کے عربی بول سکتا تھا۔ اس لئے
اس سے باتیں ہوتی رہیں۔ اور بھی اس سفر میں مختلف ممالک یوروپ میں مجھے اہل
یوروپ ملے ہیں جو عربی اور ترکی زبانیں تھوڑی بہت بول سکتے تھے۔ کہ جن کے
ایسے مقامات میں سننے سے ایک مسلمان کو ضرور خوشی ہوتی ہے

ویانا پایۂ تختِ آسٹریا

بازگو از نجد و از یارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بوجد

اکیسویں جون کو دوپہر سے پہلے ویانا کے اسٹیشن پر پہنچا۔ سٹیشنوں میں شہر کے ہوٹلوں کے ملازم گاڑیوں کے پہنچنے کے وقت اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ مسافروں کو ترغیب دے کر اپنے اپنے ہوٹلوں کو بلا لیجائیں سٹیشن سے باہر ہوٹل کی گاڑی بھی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم مع اسباب کے ہوٹل مٹروپول کی گاڑی میں سوار ہو کر ہوٹل پہنچے۔ یہ ہوٹل شہر کے نہایت بارونق اور خوشنما حصہ میں واقع ہے ہمارے کمرے کی کھڑکی سے جو چوتھی منزل پر تھا۔ دریائے ڈینوب جو شہر ویانا میں سے ہو کر گزرتا ہے بالکل پاس ہی تھا۔

اول درجہ کے ہوٹلوں کی سکونت

لاہور سے چلتے وقت مجھے ایک دوست نے مشورہ دیا تھا کہ یورپ میں جا کر ہمیشہ اول درجہ کے ہوٹل میں ٹھیرنا چاہیئے کہ جہاں مسافر کے مال و جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اگر خرچ میں کفایت مد نظر ہو تو ایسی ہی ہوٹل کی کسی اوپر کی منزل میں کمرہ لینا چاہیئے۔ کیونکہ اوپر کی منزل میں کرایہ نسبتاً ارزان ہوتا ہے۔

لفٹ

لیکن جب میں نے دیکھا کہ اول درجہ کے ہوٹلوں میں لفٹ لگی ہوئی ہیں اور مسافروں کو سیڑھیوں پر چڑھنے میں مطلق زحمت نہیں ہوتی۔ تو میں نے ہر جگہ اس دوستانہ صلاح پر عمل کیا۔ لفٹ نہ صرف ہوٹلوں میں بلکہ عالیشان پرائیویٹ مکانوں اکثر تجارتی کارخانوں فکٹریوں اور دفتروں میں بھی لگی ہوئی ہیں۔ کہ جو آبی یا دخانی طاقت سے چلتی ہیں سواری میں بیٹھ کر آدمی اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بلا تکلف

تکلف پہنچ جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کے لفٹ پر ایک ملازم متعین رہتا ہے۔ اور جو لوگ اوپر جانا چاہیں۔ انہیں بہیں بٹھا کر ایک ڈوری کو آہستہ سے کھینچتا ہے جس سے لفٹ خود بخود اوپر چڑھنے لگتی ہے۔ اور جس جس منزل تک وہ شخص جانا چاہیں وہاں پہنچ کر انہیں اتار دیتی ہے۔ اور اتارنے سے پہلے عموماً بڑے ادب سے سلام کرتا ہے۔ اگر تم نیچے اترنا چاہو اور لفٹ نیچے گئی ہوئی ہو۔ تو لفٹ کی جگہ آکر ایک بٹن کو دبا دو۔ لفٹ والے آدمی کو فوراً معلوم ہو جائیگا۔ کہ کس منزل پر بٹن دبایا گیا ہے۔ اور وہ فوراً وہاں لفٹ لے کر آجائیگا۔ اور تم اس میں بیٹھ جاؤ گے۔ تو تمہیں طرفۃ العین میں نیچے لے جائیگا۔ مگر میں اکثر نیچے اترنے کے لئے سوائے جلدی کی ضرورت کے لفٹ والے کو نہیں بلایا کرتا تھا۔ بلکہ سیڑھیوں کے راستہ سے اتر جایا کرتا تھا۔

چونکہ میرے سفر کی غرض صرف معلومات حاصل کرنا تھی میں نے ہر جگہ پہنچکر زیادہ سے زیادہ وقت ہر قسم کی معلومات کے حاصل کرنے میں صرف کیا کہ جنہیں میں نے اپنے اور اپنے اہل ملک کے حق میں مفید سمجھا۔ گائیڈ کے ساتھ بھی اور تنہا گائیڈ بک لے کر میں ہر طرف چکر مارا کرتا تھا۔ دو تین آدمیوں سے ملاقات پیدا کی جو ہندوستان کو آسٹریا کا مال بھیجنے والے ایجنٹ تھے۔ اور ان کے ساتھ جا کر بھی بعض کارخانے اور دکانیں دیکھیں۔ یہاں کے ٹکنیکل سکول۔ عجائب گاہ فنون و حرفت اور دیگر مقامات کی سیر کی۔ تا کہ یہاں کی زندگی کے اکثر حالات معلوم ہو جائیں۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں کوئی شخص کسی مقام اور قوم کی خصوصیتیں تو کیا معلوم کر سکتا ہے۔ تاہم میں نے تھوڑے وقت میں ظاہری حالات جو معلوم کئے ہیں اُن میں سے ضروری لکھتا ہوں۔

تجارتی کارخانے

آجکل ہندوستان میں جرمنی کی طرح آسٹریا کا بھی بہت سامال تجارت کھپتا ہے۔ مثلاً چھاپنے کا کاغذ۔ ترکی ٹوپیاں شکر۔ اور اور بہت سی بساط خانے کی چیزیں آسٹریا کی ساختہ ہوتی ہیں۔ ان چیزوں

کے کارخانے شہر کے قریب بہت کم ہیں۔ اکثر کارخانے مفصلات میں ہیں شہر میں صرف اِن کے دفاتر ہیں۔ ان کی تجارت ہر سال ترقی کر رہی ہے۔ بعض کارخانے اجنبیوں کو دکھانے میں تامل کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی بعض خلیق لوگ سفارشی چٹھیاں دے دیتے ہیں۔ اور خود بھی ساتھ ہو لیتے ہیں۔

عالیشان مکانات

مکانات ویانا کے نہائیت رفیع اور عظیم الشان ہیں اکثر مکانات پر شبہ ہوتا ہے۔ کہ یہی شہنشاہ آسٹریا کا قصر ہوگا۔ یا کوئی پبلک عمارت۔ لیکن وہ کسی پرائیویٹ شخص کا مکان۔ یا تاجر کی دکان نکل آتی ہے۔ پانچ چھ منزلہ عمارتیں عام ہیں۔ پتھر سنگ مرمر اور شیشہ تعمیر میں بہت صرف کیا گیا ہے۔ قابل دید پبلک مکانات میں جو میں نے دیکھے۔ بڑا عجائب گاہ آرٹس وانڈسٹریز ٹاؤن ہال۔ ہوس آف پارلیمنٹ۔ پکچر گیلری شہنشاہ آسٹریا کا تھیئٹر اور یونیورسٹی ہیں۔

ویانا کا عجائب خانہ

عجائب گھر کا مکان سہ منزلہ ہے۔ جس میں بڑے بڑے چالیس کمرے ہیں۔ اس کے اور اس کے سامنے کی پکچر گیلری (مرقع خانہ کی) تعمیر پر بارہ ملین فلورن (یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ ہندوستانی روپیہ) صرف ہوا تھا۔ یوں تو عجائب گھر کے اندر ایک مکمل مجموعہ قدرتی اور مصنوعی اشیاء کا ہے۔ لیکن اس کی تمام دیواروں پر ہر ملک کے طرق معاشرت اور تاریخ کے نظاروں کی تصویریں کاریگر مصوروں نے کھینچ دی ہیں۔ اور جا بجا نامور آدمیوں کے مجسمے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ چیزوں کا اتنا بڑا بھاری ذخیرہ کلکتہ کے عجائب گھر میں بھی نہیں ہے۔ پتھروں میں ایک شہاب ثاقب ۱۸۰۰ پونڈ وزن کی غیر مقرر شکل کا موجود تھا۔ جو ۱۸۷۴ء میں آسٹریا میں گرا تھا۔ اور دیکھنے میں فولاد معلوم ہوتا تھا۔ لکڑی کے کئی منجمد ٹکڑے دیکھے۔ جو شکل میں بالکل لکڑی معلوم ہوتے تھے۔ چھال اور ریشے برابر نظر آتے تھے۔ مگر اب عین بین پتھر ہو گئے تھے۔ تین تین چار چار ہزار سالوں کے مردوں کی ہڈیاں دیکھیں۔ اسی زمانہ کے ہاتھ پاؤں کے زنگ آلود آہنی زیور بھی تھے

ہندوستانیوں کی نسبت معلومات

ایک جگہ ہندوستان کی دیہاتی زندگی کا نقشہ چند کاشتکاروں کے مجسمے بنا کر دکھلایا گیا تھا۔ یہ بنگال کے مزارع تھے۔ جو سیاہ فام اور بالکل برہنہ تھے۔ اور ان کے پاس ہی ایک چھپر کا جھونپڑا بنا ہوا تھا اگر انکو دیکھ کر یہاں کے لوگ سب ہندوستانیوں کو ایسا ہی سمجھ لیں تو ان کا کچھ قصور نہیں۔ چنانچہ عجائب گھر سے فارغ ہو کر جب میں آسٹریا کے پارلیمنٹ ہوس کو گیا۔ تو دربان نے میرے گائیڈ سے پوچھا۔ کہ یہ ان کپڑوں کو جو میں اسوقت پہنے ہوئے تھا۔ وطن میں جا کر کیا کروں گا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں سب ننگے پھرتے ہیں۔ اور جب مکان کو اندر سے دیکھتے ہوئے میں اپنی پاکٹ بک میں نوٹ لیتا جاتا تھا۔ تو اسے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ ہندوستانی لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہیں۔ اور میری تحریر کو غور سے دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ یہ تو خاصی سٹینو گرافی (شارٹ ہینڈ کی تحریر) ہے۔

آسٹریا کی پارلیمنٹ

اس مکان میں بعض ستون دس دس گز لمبے سنگ مرمر کے ٹکڑوں کے تھے۔ لیکن بہیئت مجموعی مکان اتنا عظیم الشان نہ تھا۔ جتنے کہ اس شہر کے دوسرے مکانات کے لحاظ سے پارلیمنٹ کو ہونا چاہیئے۔ برن ہوس (ہاؤس آف لارڈس) اور پارلیمنٹ ہوس کی نشستیں الگ الگ ہیں۔ شہنشاہ کے بیٹھنے کی دونوں میں علیحدہ ایک ایک جگہ ہے اور جب اس کا جی چاہے آ کر شریک ہو سکتا ہے۔ گائیڈ نے بتلایا کہ ابھی چند روز کی بات ہے۔ ممبران پارلیمنٹ میں خوب جوتی پیزار ہوئی تھی۔ وجہ یہ ہے۔ کہ آسٹریا ایک سلطنت ہے جو کئی ایسی قوموں کا پولٹیکل مجموعہ ہے۔ کہ جن کی زبانیں رسم و رواج اور قومیت جدا جدا ہے۔ ہر مکان کے دیکھنے کے

ٹپ کا حد کمال کو پہنچنا

لیئے دربانوں کو کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے۔ اور عموماً عجائب خانوں کے دیکھنے کے لئے بھی قریب یورپ کے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ فیس داخلہ دینی پڑتی ہے۔ چونکہ ویانا کا عجائب خانہ میں نے اتوار کو دیکھا تھا

اس لئے کچھ فیس داخلہ نہیں دینی پڑی تاہم عجائب خانہ کے دروازہ پر چھتری رکھنے والے کو بیس کروائرز (چوانی) دینی پڑی۔ شاید دوانی بھی کافی تھی۔ گائیڈ ہر جگہ بتلا دیتا تھا۔ کہ یہاں اتنا ٹپ دینا چاہیئے۔ ویانا میں تو یہ اندھیر ہے۔ کہ ٹریموے کے..... کنڈکٹروں کو بھی جو ٹکٹ دیتے ہیں ٹکٹ سے نصف دام بطور انعام کے دینا چاہیئے وجہ اس کی مجھے یہ بتلائی گئی۔ کہ ان کی تنخواہ صرف دو پونڈ ماہوار ہوتی ہے۔ اور اسی ٹپ کے بھروسے پر ان کا گذارہ ہے۔ لیکن اگر ہم کنڈکٹر کو کچھ نہ دیں۔ تو وہ منہ سے تو کچھ نہ کہے گا۔ مگر ساتھ کے لوگوں کی نگاہ میں تم حقیر ضرور ٹھیرو گے۔ یہاں ٹریموے کی گاڑی میں دو کمرے بنے ہوئے ہیں۔ جن کے گرد بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے ہیں۔ اگر پہلے کمرہ میں جگہ نہ ملے۔ تو لوگ دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھتے ہیں۔ لیکن جو شخص اندر جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ دروازہ احتیاط سے بند کر کے نہ بیٹھے۔ ورنہ ایسی سرد ہوا کا جھوکا اندر آئیگا۔ کہ سب مسافر گھبرا اٹھینگے نو

عجائب خانونکی بھرمار

ہندوستانی مسافر کو ممالک یوروپ میں یہ بات دلچسپ معلوم ہوگی۔ کہ وہاں کے دار السلطنتوں میں بجائے ایک عجائب گھر کے کئی کئی عجائب گھر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو عام عجائب خانہ ہوتا ہے اور باقی علوم وفنون کی خاص خاص شاخوں اور انسانی زندگی کی مختلف ضرورتوں سے مختص ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک عجائب خانہ میں صرف ملک کی اشیاء صنعت وحرفت کے نمونے ہیں۔ دوسرے میں علم جراحی کی امداد کے سامان۔ ایک اور میں صرف سامان حرب کے عجائبات۔ یہاں تک کہ برلن میں ایک عجائب خانہ صرف ڈاکخانہ کی عجائبات سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں دنیا کے ہر ملک کے ہر زمانہ کے ٹکٹ ہیں۔ ہر قوم اور ملک کے ہر زمانہ کی چٹھی رسانوں کی وردیاں ڈاک گاڑیوں کے نقشے اور نمونے۔ تار برقی ٹیلیفون اور فوٹوگراف کے نمونے اور دنیا کے ڈاکخانوں کے طرح طرح کے عجائبات جمع کئے گئے ہیں۔ غرض

کوئی زراعتی کوئی حفظان صحت کا کوئی انڈسٹریل عجائب گاہ ہے۔ ویانا کے میوزیم آف آرٹ اینڈ انڈسٹری میں شیشہ کی دستکاری کے مکمل نمونے موجود ہیں۔ چینی کا ہر قسم کا کام بھی موجود ہے۔ اور ہر قسم کا مال جو آسٹریا دیگر ممالک کو برآمد کرتا ہے اس کے نمونے بھی ہیں۔ علاوہ اُسکے دنیا کے مختلف ممالک کی اُن اشیاء کے نمونے بھی درج کئے گئے ہیں جو آسٹریا کے کاریگر ابھی نہیں بناتے۔ مگر انہیں چاہیئے کہ اس مذاق کو اُس طرح وضع کا سامان بنائیں۔ اور ان ملکوں کو بھیجیں۔ مثلاً اس عجائب خانہ کا ایک کمرہ بتمامہ مراکش کے سامان زندگی سے سجایا گیا تھا۔ اس میں اُسی ملک کا تمام فرنیچر ہے۔ قرآن شریف رحل میں رکھا ہوا ہے۔ قہوہ پینے کا سامان جوتیاں قالین فرش سب مراکش کی وضع کے تھے۔ ایسے عجائب خانوں سے ملک کے دستکاروں کو بڑی مدد ملتی ہے۔

شاہی اوپیرا

کھیل تماشوں میں ویانا کی زندگی پیرس کے ہم پلہ معلوم ہوتی ہے ویانا کا اوپیرا ہاؤس ایسی عالیشان عمارت ہے۔ کہ اس کا ثانی دنیا میں نہیں۔ اور یہ شہنشاہ آسٹریا کی ذاتی ملکیت ہے۔ لیکن برگ تھیئٹر جو اندر سے تمام لوہے کا بنا ہوا ہے کہ آگ سے محفوظ رہے کیونکہ ۱۸۸۱ء میں ویانا کا ایک تھیئٹر معہ آٹھ سو جانوں کے جل کر بھسم ہو چکا تھا۔ اس پر چودہ ملین فلورن خرچ ہوئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا شہنشاہ کو کچھ اس سے نفع بھی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نہیں بلکہ سال کے اخیر پر کچھ نہ کچھ گرہ سے دے کر خسارہ پورا کرنا پڑتا ہے۔ لوگ تماشا دیکھنے کے لئے ٹکٹ کی قیمت دیتے ہیں کبھی کبھی شہنشاہ آسٹریا بھی معہ شاہی مہمانوں اور شاہی خاندانوں کے ارکان کے آکر تماشا دیکھنے آجاتے ہیں۔ چھتوں اور دیواروں پر مشہور ڈراموں کے متعلق جسقدر تصاویر یوروپ کے استادان فن نے بنائی ہیں۔ ان کی نقلیں اور فن ڈراما نے ہر زمانہ میں جو ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ ان کی خیالی تصویریں موجود ہیں۔ بڑے داخلہ کے دروازہ میں دانش اور خوبصورتی کے دو سنگین بُت رکھے ہوئے ہیں۔ اجنبی یوروپ میں آکر جس چیز کی نہایت کثرت دیکھتا ہے۔ وہ بُت اور تصویریں ہیں جن کی یہ لوگ بڑی قدر کرتے ہیں۔ اور جسکا زیادہ

حال میں کسی دوسرے موقع پر لکھونگا۔

پراتر کے عجائبات

اہل ویانا نہایت رنگین مزاج لوگ ہیں۔ شہر کے باہر ایک وسیع پارک بنام پراتر واقع ہے۔ تمام موسم گرما میں جب بارش نہ ہو ہر شام کو یہاں اتنا بڑا میلہ لگ جاتا ہے۔ کہ ہندوستان میں کبھی کبھی دیکھنے میں آتا ہوگا۔ اس میں ایک جگہ شہر وینس بنا دیا گیا ہے۔ کہ اس کا نام رکھا ہے "ونیڈیگ ان وین" یعنی "ویانا میں وینس"، میں اس کے تھوڑے سے حالات بیان کرتا ہوں۔ جس سے اندازہ ہو سکیگا۔ کہ اہل ویانا کس قدر تفریح کے دلدادہ اور شیدا ہیں۔ یہاں آٹھ دس آنہ کے ٹکٹ لے کر ہزارہا لوگ اندر جاتے ہیں۔ اندر بیسیوں قسم کے تماشے جا بجا موجود ہیں۔ ایک بہت بڑا دولالی ہنگوڑا بنایا گیا ہے جیساکہ لنڈن کی نمائشگاہ ارس کورٹ میں "گریٹ وہیل" کے نام سے بنایا گیا تھا۔ غالباً اس کا اوپر کا سرا زمین سے نوے یا سو گز بلند ہوگا۔ اس میں کشتیں لٹک رہی ہیں جن میں لوگ بیٹھتے ہیں۔ انجن کے ذریعے سے اسکو چکر دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ جھیل ہے ایک کشتی بہت بلند زمین سے پھسلتی ہوئی اس زور سے آتی ہے۔ کہ اندیشہ ہوتا ہے پانی میں جاتے ہی غرق ہو جائیگی۔ لیکن زور سے پانی پر چکر لگا کر آگے نکل جاتی ہے۔ اس میں بھی لوگ چھ پینسے دے کر سوار ہوتے ہیں۔ کوئی اطالی گا ناسن رہے ہیں اور ناچ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا تماشا ایک تھیٹر میں ہوتا ہے جس میں ایک روز میں نے دیکھا۔ کہ ایکٹرس عورتیں یوروپ کی ہر قوم کے سپاہیوں کی وردیاں پہن کر باری باری سے آتی ہیں۔ اور ناچتی ہوئی سامنے سے گذر جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے آٹھ دس روسی پھر جرمنی فرانسیسی انگریزی اطالی سپاہی آئے اور گزر گئے۔ اسی طرح ہر قسم کی ورزشیں اور کھیل تماشے یہاں ہوتے ہیں۔

آسٹریا کی ہولی

کھیلوں کے درمیان دو تین مرتبہ ہر شام کو وقفہ کیا جاتا ہے تو لوگ ایک دوسری سڑک پر جاتے ہیں۔ جس کے دونوں طرف درخت ہیں۔ ان درختوں کی تمام شاخوں میں سرخ سبز اور سفید روشنی کے

برقی لیمپ نصب ہیں۔ ایک بٹن دبانے سے سب لمپ روشن ہو جاتے ہیں اور بالکل طلسمات کا باغ معلوم ہونے لگتا ہے۔ الف لیلہ کے الہ دین اور عجیب و غریب چراغ کا قصہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ہزارہا مرد اور عورتیں اس میں اِدھر اُدھر چکر لگاتی ہیں۔ جابجا چند لڑکیاں میزوں پر کچھ کاغذ کے پیکیٹ فروخت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اِن پر کوری آنڈولی جلی خط میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان کے اندر مختلف رنگوں کے باریک کاغذ کے اتنے بڑے گول ٹکڑے کٹے کٹائے ہوتے ہیں۔ کہ جتنا بڑا یہ دائرہ ہے ○ اب ہر زن و مرد اپنا پیکیٹ پھاڑ کر جس پر چاہتا ہے۔ یہ کاغذ مٹھیاں بھر بھر کر پھینکتا ہے۔ عموماً مرد خوبصورت عورتوں پر اور عورتیں مردوں پر پھینکتی ہیں۔ پہلی واقفیت یا آشنائی کا کچھ لحاظ نہیں۔ تم جس کے منہ پر تمہارا جی چاہے کوری آنڈولی پھینکو۔ کوئی بُرا نہیں مانتا۔ بلکہ سب لوگ ایسے شریر ہوتے ہیں۔ کہ عورتوں کا پیچھا کر کے خوش ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ اُن کے منہ پہ بار بار پھینکتے ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی شرارت اور شوخی میں اُن سے کم نہیں ہوتیں شاید کبھی ہولی میں ہندو عورتوں نے ان کے عشر عشیر بھی شوخی اور ناز نہیں دکھائے ہوں گے۔ لوگ اِدھر اُدھر جاتے ہوئے کاغذ کے پھول پھینکتے جاتے ہیں۔ اور زمیں پر دو دو انگل موٹا فرش ان کاغذوں کا ہو جاتا ہے۔ ایک دو عورتوں نے مجھ پر اور میرے ہندوستانی رفیقوں پر بھی یہ کاغذ پھینکے۔ اور جب ہم نے اس پر بھی اُن کو جواب نہ دیا تو ایک کمبخت نے پس پشت آن کر میرے کالر کو اٹھایا۔ اور ایک جھپاکے سے اس کے نیچے ایک مٹھی پھینک دی۔ جس کو میں نے مکان پر پہنچ کر نکالا۔ ایک عورت نے ایک مرد کے کندھے پر ٹھپکی دی۔ اُس بیچارے نے جو ادھر منہ کیا تو عورت نے منہ پہ کاغذ کی بوچھاڑ کر دی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کہ ان میں آوارہ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اور اس ذریعہ سے لوگوں سے آشنائی پیدا کرتی ہیں۔ مگر گھر بار والی عورتیں بھی ان میں شامل ہوتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ ایک پرستان کا نظارہ تھا۔ کہ نعوذ باللہ انسان ان کے آسیب سے مشکل سے بچ سکتا ہے۔ پھر

تھوڑی دیر میں لوگ تماشا دیکھنے چلے جاتے ہیں۔ قہوہ خانے شہر کے ہر کوچہ۔ بازار باغ اور کونے پر موجود ہیں۔ برساتر میں بھی چپّہ چپّہ پر ہیں۔ خوبصورت عورتیں خدمتگاری پر مقرر ہوتی ہیں میزیں اور کرسیاں پڑی ہیں جس کا جی چاہے بیٹھے اور قہوہ آیس کریم وغیرہ پیئے۔ لیکن قیمت دگنی چوگنی دے۔ دستور ہے۔ کہ جو قیمت مانگی جائے دینے میں کوئی تامل نہیں کرتا۔ یہ نہایت مختصر حال۔ بازار پرانز کے ایک بڑے تماشے کا ہے۔ جہاں دیانا میں شہر وینس کی نقل اتاری گئی ہے۔ باہر کئی قسم کی مومی تصاویر کے میوزیم۔ پینوراما۔ گول پھرنے والے گھوڑوں کے چکر، اور بائیسکلوں کے چکر موجود ہیں۔ اور لوگ پیسے دے دیکر دیکھتے ہیں۔ ان میں سے چند تماشوں کا مختصر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

تماشوں کی بھرمار

پینوراما ہندوستان میں کبھی نہیں دیکھا۔ اور پھر نمائشگاہ پیرس میں کئی جگہ دیکھا۔ پینوراما میں ایک سٹیج کو چاروں طرف پردوں کے ذریعے سے محاط کیا جاتا ہے۔ اور ان پردوں پر ایسے طور سے نقاشی کی جاتی ہے۔ اور اُن پر باہموار سے اسطرح روشنی ڈالی جاتی ہے۔ کہ دیکھنے والا بالکل معلوم نہیں کر سکتا۔ کہ وہ پردوں پر رنگین تصاویر دیکھ رہا ہے یا واقعی زندہ آدمی اور حیوانات مکانات اور باغات دور تک اُسے نظر آتے ہیں۔ کسی قدر دھوکا جو تھیئٹر کے بعض پردوں پر مکانات کے اصلی ہونے کا ہوتا ہے۔ اس سے بہت زیادہ پینوراما میں ہوتا ہے۔ غرض پینوراما کی مذاق یہ ہے۔ کہ اس کے پردوں کی رنگین تصاویر زندہ اور اصلی چیزیں پورے قد کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کے زندہ اور صحیح ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا۔ یہ خیال ہی دل میں نہیں آسکتا کہ کہیں پردے بھی موجود ہیں۔

مومی بتوں کی ایک نمائش لاہور میں میں نے دیکھی تھی۔ لیکن یہاں ایسی کئی نمائشیں موجود تھیں۔ اور ان میں سے بعض خاصے علمی۔ اور تاریخی عجائب خانے تھے۔ علاوہ یورپ کے مشہور آدمیوں کے بتوں کے کہ جن میں پریسیڈنٹ کروگر اور جنرل جوبرٹ کے بُت بھی تھے۔ اور بعض تاریخی اور قیاسی قصوں کے بُت

بنا رکھے تھے۔ ایک نمائش میں انسان کی تمام بیماریوں اور جراحی کے مختلف عملوں کو مومی بتوں کے ذریعہ سے دکھلایا گیا تھا۔ کہ جن میں سے بعض کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ واضح رہے کہ مومی بتوں کو ہمیشہ قدرتی رنگ دیے جاتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز

ہولناک سزائیں

مومی بتوں کی وہ نمائش تھی۔ کہ جس میں قدیم زمانہ کے یوروپ کی ہولناک سزاؤں اور خصوصاً ہسپانیہ کے زمانہ ؔانکی کوئی زیشن" کی وحشیانہ سزاؤں کو انسانی بتوں پر عمل کرتے ہوئے دکھلایا گیا۔ قدیم یوروپ کی ان وحشیانہ سزاؤں کے نمونوں کے سامنے کل دنیا کی سزائیں گرد ہو جاتی ہیں تعجب ہوتا تھا۔ کہ انسان نے اپنے بنی نوع کو جسمانی اذیت پہنچانے کے فن کو بھی اس حد تک ترقی دی تھی۔ کہ یہ خاصا ایک ہنر ہو گیا تھا۔ ناخنوں کو لوہے کے سانچوں میں دبا کر خون نکالنا۔ لوہے کا خول کہ جس کے اندر کی طرف آہنی سیخیں ہوتی تھیں۔ اس میں آدمی کو بند کرنا۔ تاکہ سیخوں سے چھد کر عذاب کے ساتھ اس کی جان نکل جائے۔ ٹانگ کے گرد رسی کس کر لکڑی کے خانوں سے اُسے تنگ کیا جاتا تھا۔ پنڈلی اور ٹانگ کو خاردار شکنجوں میں دبایا جاتا۔ جس طرح

سلے۔ ان کوئی زیشن ایک نہایت خوفناک محکمہ تھا۔ جو کہ پہلے پہل بارھویں صدی مسیحی میں بیدینوں کو سزا دینے کیلئے رومن کیتھالک مذہب نے قائم کیا تھا۔ لیکن پندرھویں صدی مسیحی میں جبکہ بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازبیلا نے مسلمانوں کی سلطنت کو ہسپانیہ سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا۔ تو اس وقت ان کوئی زیشن کو بہت ترقی دی گئی۔ اصل غرض اس سے یہ تھی۔ کہ جو لوگ در پردہ مسلمان تھے۔ اس لعنتی محکمہ کے ذریعہ سے انہیں خوفناک سزائیں دی جائیں۔ چنانچہ ہسپانیہ میں پہلے ایک دو سال میں دو ہزار آدمیوں کو سوائے مختلف قسم کی سزاؤں کے اس محکمہ نے زندہ جلا دیا تھا۔ اور پورا سائیکلو پیڈیا۔ باقی مجرموں کے اعضاء کاٹ کاٹ کر ایسی بےرحمی سے انہیں مارا جاتا تھا۔ کہ ان کی اس حالت کی تصویریں بابت دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صرف ہسپانیہ میں بیس ہزار افسر اس محکمہ کی جاسوسی پر متعین تھے۔

پنجاب میں سکھوں کے عہد میں کاٹھ کی ایک سزا موجود تھی، کہ جو اب نہایت بے رحمی اور جہالت کی سزا معلوم ہوتی ہے۔ یوروپ میں اس سے زیادہ مہیب کاٹھ رہ چکے ہیں۔

بعض مومی بتوں کے ساتھ مردانہ آلات تناسل موجود تھے۔ اور اسی طرح یوروپ کے عجائب گاہوں میں پتھر اور دھات کے بعض کلاسک بتوں میں یہ آلات برابر نمایاں ہیں۔ اور ان عجائب گاہوں میں زن و مرد یکساں پھرتے ہیں۔ اور اس امر کو خلاف تہذیب یا درجہ حیا سے گرا ہوا نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن قاہرہ کے عجائب گاہ جیزہ میں قدیم بتوں کا ایک کمرہ ہے۔ کہ جسے صرف اس لئے پبلک نہیں دیکھ سکتی کہ وہاں ایسے بت ہیں۔ کہ جن کے یہ آلات نمایاں ہیں۔ غالباً یہ کارروائی گورنمنٹ مصر کی منشا سے کی گئی ہوگی۔ ورنہ یوروپ کی نمائشگاہوں میں یہ امر عجیب نہیں سمجھا گیا۔

جیسے کہ ہندوستان کے میلوں میں ایک انگریزی وضع کے گرد گھومنے والے ہنڈولے دیکھے جاتے ہیں۔ اسی خیال میں بہت کچھ ترقی کر کے پانچ سات قسم کے کھیل اختراع کئے گئے ہیں۔ بعض میں گھوڑے بعض میں بائیسکل وغیرہ چڑھنے کے لئے لگائے گئے ہیں۔ اور جب لوگ ان پر سوار ہوتے ہیں۔ تو یہ ایسی وضع سے لگائے گئے ہیں، کہ سواروں کو خاصی ورزش ہو جاتی ہے۔ اور گھوڑے زندہ گھوڑوں کی طرح اچھلتے کودتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے خلاف یہ کھیل بچوں کی نسبت عورتوں اور مردوں کے زیادہ کام آتے ہیں۔ ایک جگہ ایک کشتی کو لوہے کی کمانیوں پر ایسے طور سے لگایا گیا تہا۔ کہ جب لوگ اس میں سوار ہوتے تھے۔ تو یہ اس طرح ہچکولے کھاتی تھی۔ کہ گویا متلاطم سمندر میں چل رہی ہے۔ ایک جگہ زور کا اندازہ کرنے کے لئے ایک عجیب کھیل بنا ہوا تہا دو لوہے کے ستونوں کے بیچوں بیچ ایک سوراخ پر ایک آہنی پنسر پڑا ہوا تھا جس کو ایک چوبی گھن سے جتنے زور کی چوٹ لگائی جاتی اتنا ہی بلند ایک تار پر چڑھ

جاتا۔ جو شخص دو پیسے دیتا۔ اُسے گھن کی چوٹ لگانے کی اجازت دی جاتی۔ دو ایک شخص کھڑے ہوئے تھوڑی تھوڑی فیس لےکر لوگوں کو اُن کی تقدیر کا لکھا بتلا رہے تھے۔ ایک جگہ ایک غوطہ زن کنوئیں میں غوطہ مار رہا تھا۔ اور کنوئیں کے سرے پر غواصوں کو ہوا پہنچانے کے آلہ سے اُسے ہوا پہنچانے کا تجربہ لوگوں کو دکھلایا جاتا تھا۔ ایک بیدست و پا بچہ۔ چند نہایت پست قامت لڑکے لڑکیاں اور ایک نہایت طویل القامت شخص مختلف خیموں میں نمایش کے لیے موجود تھے کہ جن کے اصلی قدوں کی تصویریں باہر لٹک رہی تھیں۔ ایک جگہ تو ایک کشتی بلند جگہ سے پھسل کر زور سے جھیل میں آگرتی تھی۔ لیکن ایک دوسری جگہ ایک ایسی گاڑی بنائی گئی تھی۔ جو ایک ڈھلواں بلندی سے تو بگین کی طرح زور سے پستی کو پھسلکر آتی۔ اور وہاں سے آہنی رسوں کے ذریعہ سے سیدھے ایک اور بلندی پر چڑھ جاتی۔ جو دو منزلہ مکان سے کم نہ ہوگی۔ ان میں بھی کچھ پیسے دے کر لوگ بیٹھتے تھے۔ ایک گاڑیوں کی قطار ایک ایسی سڑک کے گرد گھومتی تھی۔ جو کہیں بلند اور کہیں پست ہو جاتی تھی۔ ایک جگہ بعض بتوں کے سینوں میں بندوق کا نشانہ لگایا جاتا تھا۔ اور جو کامیابی سے نشانہ لگاتا کچھ چیز جیت لیتا تھا۔ مگر میں تو آدھے چوتھائی تماشے بھی بیان نہیں کرسکتا جو اتوار کے روز ویانا کے تفرج گاہ پراٹر میں دیکھے جاتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے۔ کہ اتنے شائقین کہاں سے جمع ہو جاتے ہیں۔

عظیم الشان رقص

میں اسی حیرت میں غرق تھا۔ کہ ایک ایسے مکان کے قریب میرا گزر ہوا۔ جہاں باجے کی تان کے ساتھ سینکڑوں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمر میں باہیں ڈالکر ناچ رہے تھے۔ یہ ایک کھلے میدان میں قہوہ خانہ تھا۔ جس میں بلا مبالغہ پانچ چھ ہزار عورتیں مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے سامنے میزوں پر بڑے بڑے شیشے کے گلاسوں سے بیئر شراب کی جھاگ نظر آرہی تھی۔ کہ جس کی ایک بوتل یہاں ایک آنہ کو بکتی ہے۔ ہر

پندرہ بیس منٹ کے بعد بینڈ بجنے لگتا۔ اور بیسوں جوڑے عورتوں اور مردوں کے ناچنے میں مشغول ہوجاتے۔ جب بینڈ تھمتا تو یہ بھی ناچ بند کر کے اپنی اپنی میزوں کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد معلوم ہؤا کہ اس کے قریب چار یا پنج اور اسی قسم کے قہوہ خانوں میں یہی سلسلہ راگ رنگ کا جاری ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ زیادہ تر دستکاری اور مزدوری پیشہ بوہیمیا کے رہنے والے ہیں۔ جو اتوار کے اتوار عورت مرد فراغت پا کر یہاں جمع ہوجاتے ہیں۔

ریفرشمینٹ کے دام

جابجا آسمان کے شامیانہ کے نیچے کرسیوں اور میزوں کی قطاریں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہاں جو بیٹھتا ہے۔ اسکے سامنے ایک پری پیکر عورت حسب خواہش ریفرشمینٹ حاضر کر دیتی ہے مگر چونکہ یہاں ریفرشمینٹ کے دام اصل لاگت سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض ایسے قہوہ خانے کوئی بینڈ یا گویا عورتیں متعین کر لیتے ہیں۔ قریب شام میں تھک کر ایک ایسے قہوہ خانہ میں بیٹھ گیا۔ جہاں وینس کے گنڈولے والے (کشتی بان) اطالی عورتوں سمیت اپنے مزامیر بجا کر اطالی ترانے گا رہے تھے۔ اس وقت مجھے خیال ہؤا۔ کہ ہاروت و ماروت کی آزمایش کا قصہ اگر صحیح ہے تو وہ معذور تھے۔ کس درجہ تک اہل آسٹریا اپنے آپ کو عیاشی کی طرف راغب کر رہے تھے۔ مجھے یہ بھی خیال آیا۔ کہ اگر عورتیں اس وسیع جلسہ سے خارج کر دی جایئں۔ تو ایک مرد بھی وہاں رہنا پسند نہ کرے۔ اور یہ تمام تر آوارگی عورتوں کی بے حد بے پردگی کا نتیجہ تھی۔

ہر قسم کی سواریاں

ویانا میں ہزاروں ایک اور دو گھوڑوں کی سواری کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ ان میں ایک ٹایم پیس کی طرح چھوٹی سی کل ٹکسامیٹر لگا دی گئی ہے۔ کہ جو مسافت کا اندازہ بتلاتی جاتی ہے۔ اور جب گاڑی چھوڑو تو گاڑیبان اور سواری دونوں کو بحث اور حجت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کے علاوہ گھوڑوں کی ٹریموے۔ دخانی ٹریموے۔ اور برقی ٹریموے

تینوں چلتی ہیں۔ ان کی آہنی بس گاڑیاں الگ چلتی ہیں۔ ٹریموے ہر جگہ پانچ منٹ بلکہ دو دو تین تین منٹ کے بعد گزرتی ہے۔ اور گاڑی ہر طرف سے بڑے بڑے شیشوں سے بند ہوتی ہے۔ تاکہ ہوا نہ آسکے۔ بوجھ کی گاڑیاں کئی طرح کی ہیں۔ لیکن اُن کے گھوڑے بھی موٹے تازے ہیں بازاروں میں عموماً پتھر کی سلوں کا فرش ہے مگر کہیں کہیں اسفالٹ کا فرش ہے۔ جو بہت ہموار ہے۔ بائیسکل بہت کم ہیں۔ کیونکہ پتھروں کی سلوں پر ان کی سواری کا لطف نہیں آتا۔ موٹر کار کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ علاوہ اس کے نہر اور دریا میں جو متوازی شہر میں سے گذرتے ہیں۔ کشتیاں اور سٹیمر بوجھ لیجاتے ہیں۔

عورتوں کے کام

عورتیں ہر قسم کے کام کرتی ہیں۔ میں نے عمارت کے مزدوروں میں عورتوں کو کام کرتے دیکھا ہے۔ اور قریباً ہر دفتر کے کلرکوں میں دو ایک چار پانچ موجود ہوتی ہیں۔ جو عموماً ٹائپ رائٹر پر چٹھیاں لکھتی ہیں۔ اور تیس سے ساٹھ فلورن (فی فلورن ۱؍۲ عہ) تنخواہ پاتی ہیں۔ مرد کلرک۔ چالیس سے سو ڈیڑھ سو دو سو فلورن تک ترقی کرکے پہنچ جاتے ہیں۔ بہت سی عورتیں سبزی۔ ترکاری بیچتی۔ اور انواع و اقسام کی دکانیں لگاتی ہیں۔ عورتوں کی یہاں تک کثرت ہے۔ کہ ایک کارخانہ میں سب کلرک عورتیں ہی تھیں۔ اور ان کی مینیجر بھی ایک عورت تھی۔

سوداگروں کے محرر

مرد کلرک جو میں نے پرائیویٹ کارخانوں میں دیکھے عموماً ادھیڑ عمر کے لوگ تھے۔ یہ کام ایسی عمدگی سے کرتے ہیں۔ کہ جیسا ذاتی کام ہوتا ہے۔ دوسری طرف کارخانہ کا مالک یا مینیجران سے تحکمانہ سلوک نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا برتاؤ کرتا ہے۔ جو جنٹلمینوں سے کیا جاتا ہے۔ اور ان کے کام پر اعتبار کرتا ہے۔ کہ جس کے یہ بوجہ اپنی ذہانت اور لیاقت کے حقدار معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کارخانہ میں ہم پہنچے کہ جہاں مینیجر موجود نہ تھا۔ کلرکوں نے فوراً ٹیلیفون سے ہمارے آنے کی اطلاع دی۔ اور جب تک وہ کارخانہ میں نہ پہنچا۔ دو تین ہوشیار کلرکوں نے

ہمیں طرح طرح کی باتوں میں لگائے رکھا۔ یہاں دستور ہے۔ کہ آٹھ سے بارہ بجے تک اور دو سے چھ بجے تک دفتر اور کارخانے کھلے رہتے ہیں۔ اور بارہ سے دو بجے تک سب کو کھانے کے لئے چھٹی ملتی ہے۔

ویانا کے اخبارات

تھوڑا سا ویانا کے اخبار وں کا حال بھی لکھنا مناسب ہے یہاں بہت سے اخبار متین با تصویر چھپتے ہیں بعض با تصویر اخبارات کی تصویریں کئی کئی رنگ کی ہوتی ہیں۔ میں ایک اخبار کے کارخانے کا تھوڑا سا حال لکھتا ہوں۔ جو میں نے دیکھا تھا۔ اس کا نام "ونیر ٹاگ بلاٹ" (یعنی ویانا کا روزانہ کاغذ) ہے۔ اور یہ ایک لاکھ پرچہ ہر روز چھپتا ہے۔ اور صبح اور شام دو مرتبہ شایع ہوتا ہے۔ اس کارخانہ میں ایک ہزار آدمی ملازم ہیں۔ تمام کام کلوں سے ہوتا ہے۔ سکہ کے حروف بھی لینوٹائپ کلوں کے ذریعہ سے جوڑے جاتے ہیں۔ کئی مشینیں چھاپنے کی موجود ہیں لیکن بڑی مشین جس پر پچاس ہزار فلورن لاگت آتی ہے۔ ایک گھنٹہ میں بتیس صفحے کے بتیس ہزار اخبار چھاپ کر کاٹ کر اور توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ بلکہ شمار کرنے کی مشین بھی ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔ جو خود بخود بتلاتی جاتی ہے۔ کہ کتنا اخبار چھپ چکا ہے۔ یہ کارخانہ برقی طاقت سے چلتا ہے۔ کارخانہ کے انجنیر نے مجھے مہربانی کر کے وہ تمام عمل کر کے دکھلایا۔ کہ جس کے ذریعہ کمپوز شدہ شیشہ کے حروف کا عکس بلاٹنگ کے پیڈ پر لیا جاتا ہے۔ اور پھر وہ ایک گول پتر کی صورت میں سیسہ سے سٹیریو ٹائپ کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک کمپوز شدہ میٹر سے کئی سٹیریو پلیٹ بنا کر ایک سے زیادہ مشینوں پر چڑھا دیتے ہیں۔ تاکہ اخبار جلدی چھپ سکے۔ اور تمام یوروپ میں اخبارات اسی طریقہ سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا ایک اخبار جو شہر میں اول نہیں بلکہ دوسرا اخبار شمار ہوتا ہے۔ اتنا کچھ خرچ کر سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگوں کا روپیہ خرچ کرتا ہے۔ جو اس کو خریدتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اخبار کیا خاک کام کر سکتے ہیں۔ جبکہ اہل ملک ان کی کچھ قدر ہی نہیں کرتے۔ یہاں قہوہ خانوں۔ رستوراموں، ہوٹلوں میں سینکڑوں اخبار ہر روز خریدے جاتے ہیں۔

جتنا کوئی معزز قہوہ خانہ ہوگا۔ اتنے ہی وہاں زیادہ اخبار آتے ہونگے۔ جس ہوٹل میں میں مقیم تھا۔ وہاں یوروپ کی سب زبانوں کے اخبار خریدے جاتے تھے۔ لنڈن ٹائمز اور السٹریٹڈ لنڈن نیوز انگریزی زبان کے بھی موجود تھے۔ روسی۔ فرانسیسی اطالی غرض سب زبانوں کے اخبارات رکھے جاتے ہیں تاکہ جس زبان کا جاننے والا مسافر وہاں ٹھیرے۔ اخبار پڑھنے سے محروم نہ رہے۔

یہاں گداگری کا مانع قانون جاری ہے۔ بازار میں کھلم کھلا فقیر بھیک نہیں مانگ سکتے مستحقوں کے لئے الگ غریب خانہ بنایا گیا ہے۔ زندگی کے اخراجات ہرچند کہ یہاں بہت گران ہیں مگر پیرس اور لنڈن سے کم ہیں۔ جو لوگ گوشت نہیں کھاتے ان کے بھی یہاں کئی ریسٹارنٹ موجود ہیں اور وہاں بھی ہزاروں لوگ جاکر کھاتے ہیں۔

گرجا کے بُت

دنیا میں سب سے بڑا گرجا سینٹ سٹیفن کا ہے۔ یہ قدیم زمانہ کی بڑی عالیشان عمارت ہے۔ جس کی تعمیر ۱۲۵۶ء میں شروع ہوئی تھی۔ یہ دنیا کے اول درجہ کے گرجاؤں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے ارد گرد گھوم کر میں نے دیکھا۔ کہ باہر کی دیواروں میں کنواری مریم حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے بہت چھوٹے چھوٹے بت بنے ہوئے تھے۔ جن کی تعظیم وہاں کے لوگ ایسی ہی کرتے ہیں۔ جیسے کہ ہندوستان میں اہل ہنود ہنومان اور گنیش کے بتوں کی کرتے ہیں۔ جو دیواروں میں نصب ہوتے ہیں۔

عظیم الشان ٹاؤن ہال

نئی عمارتوں میں ٹاؤن ہال نہایت عالیشان ہے۔ کہ جس میں (۷۶۶) کمرے اور (۲۰۰۴) دریچے ہیں۔ عمارت سہ منزلہ ہے اس میں شاہان آسٹریا کے قد آدم بت اور بہت سے ناموروں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ دیواروں پر کاغذ کے بجائے ریشمی کپڑا چسپاں ہے۔ فرش اور دیواروں پر بے حساب پتھر خرچ کیا گیا ہے۔ بڑے کمرے کا طول ستر میٹر (۸۵ گز) عرض چودہ اور بلندی انیس میٹر ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا جھاڑ (۲۱۷) بتی کی برقی روشنی کا آویزاں ہے۔ کہ جس سے بڑا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ دریچوں میں جو ہزار ہا

رنگین شیشے لگے ہوئے ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک کی گلکاری کا ڈیزاین جُدا جُدا ہے۔ ٹپ کے متعلق مزید کیفیت یہ معلوم ہوئی۔ کہ ہوٹل مینر ولول (جہاں میں مقیم تھا) کے بڑے پورٹر کو ایک پیسہ تنخواہ نہیں ملتی۔ صرف لوگوں کے انعام و اکرام پر اس کا گزارہ ہے۔ بلکہ چار اور ملازم اور مزدور اس نے ہوٹل کی خدمت کے لیئے رکھ چھوڑے ہیں۔ کہ جن کی تنخواہ دو تین سو روپیہ وہ اپنی گرہ سے دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ خود بھی کچھ نہ کچھ کماتا ہے۔

دکانوں کے سائین بورڈ ایک اور بات جو اجنبی کو یہاں تعجب میں ڈالتی ہے۔ یہاں کی دکانوں کے سائین بورڈ ہیں۔ اور آگے چل کر بھی یوروپ کے ہر شہر میں مسافر کو اسی طرح سائین بورڈ نظر آئینگے۔ جو شیشہ اور چینی اور گلٹ کے نہائیت خوشنما حروف سے بناے جاتے ہیں۔ سائین بورڈ کی جو غرض ہوتی ہے۔ کہ ہر رہ رو اُسے پڑھ لے ان سے پوری ہوتی ہے۔ بڑے بڑے رنگین پوسٹر بعض بعض دیواروں پر سینکڑوں چسپاں ہیں۔ اور اسی طرح ایک سڑک جو دو میل سے کم نہ ہوگی۔ اور بڑی بارونق ہے۔ اس کے دو طرفہ لکڑی کے تختوں کی قدِ آدم دیواریں ہیں۔ کہ جنہیں انگریزی میں بورڈنگ کہتے ہیں۔ اور ان پر ایک چپہ بھر جگہ بھی پوسٹروں سے خالی نہیں۔ ایک کمپنی لوگوں کے پوسٹر ان جگہوں پر چپکاتی ہے اور ان جگہوں کا پرائیویٹ لوگوں اور میونسپلٹی کو کرایہ دیتی ہے

ترکی ٹوپی کی تجارت ترکی ٹوپی جسقدر ہندوستان کے مسلمان پہنتے ہیں۔ وہ سب آسٹریا میں بنتی ہے۔ بلکہ یہیں سے زیادہ تر ممالک عثمانیہ میں جاکر بکتی ہے۔ کچھ عرصہ سے ترکی ٹوپی کے آسٹریا کے سب کارخانے متحد ہو کر ایک کمپنی بنگئی ہے۔ اور میں ان کے دفتر میں گیا تھا۔ تو اسی روز ایک قسطنطنیہ کا ٹوپیوں کا سوداگر بھی یہاں آیا ہوا تھا۔ جو ایک عیسائی تھا۔ اور ایک لاکھ درجن ٹوپیوں کا سودا کر رہا تھا

آسٹریا کے کاغذ آسٹریا امپوری کاغذ بھی کہ جس پر ہندوستان میں کئی اخبار اور کتابیں

چھپتی ہیں۔ زیادہ تر آسٹریا اور کسی قدر جرمنی سے ہندوستان میں آتا ہے۔ اور جرمنی فرانس اور انگلستان میں جدوجہد کرنے کے بعد آخر کار لوٹتے ہوئے اس کاغذ کا ہیں نے ویانا ہی میں کسی قدر رعایتی قیمت سے کچھ مدت کے لئے ٹھیکہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آجکل روئی اُون لوہا وغیرہ قسم کا مال تو سستا ہے لیکن کاغذ گران ہے۔ کیونکہ بوجہ جنگ ٹرنیسوال اور جنگ چین کے اخبارات پہلے سے اسقدر زیادہ پڑھے جاتے ہیں۔ کہ کاغذ کے موجودہ کارخانے وہ مانگ سہولیت سے پوری نہیں کر سکتے۔ اِسلئے کاغذیوں کے دماغ آسمان پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور کاغذ کی قیمتیں بہت کچھ چڑھ گئی تھیں۔ جس سے ایشیا یوروپ اور امریکہ میں اخبار والوں کو کاغذ کی قیمت میں خسارہ ہو رہا تھا۔

شاہی کتب خانہ

میں نے ویانا کے کچھ قابل دید مقامات تو گائیڈ کی مدد سے دیکھے تھے۔ جو انگریزی کے سوائے سات اور زبانیں یوروپ کی جانتا تھا اور کہتا تھا۔ کہ میرا باپ کل پندرہ زبانیں مع ترکی و عربی کے جانتا ہے۔ اور یہ قوم کا یہودی تھا۔ لیکن میں نے یہاں کی شاہی لائبریری اور شاہی خزانہ نہیں دیکھا تھا۔ جو دونوں قابل دید مقامات ہیں۔ ہوٹل کے پورٹر (دربان) نے مجھے گاڑی منگا کر دی۔ اور گاڑیبان کو سمجھا دیا۔ کہ مجھے لائبریری کو لے جائے۔ لیکن جب میں لائبریری میں پہنچ گیا۔ تو وہاں کوئی شخص انگریزی دان نہ نکلا۔ آخر میں نے گائیڈ بک کی مدد سے انہیں سمجھایا کہ مَیں مشرقی زبانوں کی کتابیں فلان الماری میں دیکھنا چاہتا ہوں عبرانی اور یونانی کتابوں مسودوں کے ساتھ ہی کئی ایک فارسی اور عربی مسودے بھی تھے۔ مگر اُن کی ہدرجہ قدر کی جاتی ہے۔ کہ شیشوں میں بند تھے۔ اور بلا اجازت حکام اعلیٰ انہیں ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ ان میں ایک قلمی قرآن ہشت پہلو دو انچہ لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا۔ جو ۱۸۴۵ء کا لکھا ہوا تھا۔ بھوج پتر پر سنسکرت کی کتابیں اور انجیر کے پتوں پر ایک چینی مسودہ بہت پرانا موجود تھا۔ افسوس ہے کہ بوجہ جرمن زبان کافی نہ جاننے کے میں یہاں سے مستفید نہ ہو سکا۔ یہاں سے

میں شاہی کارخانہ دیکھنے گیا۔ جس میں خلیفہ ہارون الرشید کی تلوار اور اس کے دوست اور ہمعصر شاہ شارلمین کا تاج اور دوسری یادگاریں۔ حضرت مسیح کی اصلی صلیب کا ایک ٹکڑا جو اب تک شاہان آسٹریا کو بوقت تخت نشینی دکھلایا جاتا ہے۔ اور اور بہت سی تاریخی نادر چیزیں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ہفتہ میں ہر روز نہیں دکھلایا جاتا۔ اس لئے اس کے دیکھنے سے محروم رہا۔ کیونکہ میں یہاں زیادہ ٹھیر نہیں سکتا تھا۔ تاہم اس کی تھوڑی سی تلافی اس طرح ہو گئی۔ کہ مجھے آسٹریا کے تمام فوجی اور سول افسروں اور وزیروں۔ امیروں کو اُن کے درباری لباس میں دیکھنے کا موقع مل گیا۔ امپریل ہاف برک ایک تاریخی مکان میں شہزادگان آسٹریا کے محل ہیں۔ اور یہیں شاہی خزانہ ہے۔ آج شہنشاہ آسٹریا کے ایک چچیرے بھائی کی شادی کی تقریب میں "ری سیپشن" کا دربار تھا۔ جس میں شرکت کے لئے یہ سب لوگ جمع ہوئے تھے۔ یہاں تماشبینوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ اور پولیس کے لوگ (جن کا لباس فوجی ہوتا ہے۔ اور ہر کانسٹبل کی کمر میں تلوار ہوتی ہے) ہجوم کو ایک طرف ہٹا رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ ہر دفعہ "بٹے" کہہ کہہ کر لوگوں کو پرے ہٹنے کی تاکید کرتے تھے۔ "بٹے" کے معنی ہیں "مہربانی کر کے"

پولیس والوں کا سلوک

میں آج تک سمجھے ہوئے تھا۔ کہ پولیس مین ہمیشہ ہجوم کو ڈنڈے سے ہنکایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ہندوستان میں عام طور سے دیکھا تھا۔ لیکن یہاں پہنچکر یہ عقدہ کھلا کہ اہل یورپ ایسا سلوک گوارا نہیں کرتے:۔ ویانا میں دو صاحبوں نے مہربانی کر کے مجھے مختلف مقامات کے دکھلانے میں بڑی مدد دی۔ یہ آسٹریا کا تجارتی مال ممالک غیر کے بھیجنے کے ایجنٹ ہیں:۔

ویانا کا ٹکنیکل سکول

اور انھوں نے مجھے بہت سے حالات بتلائے۔ چنانچہ انہی میں سے ایک کے ہمراہ میں نے یہاں کا ٹکنیکل سکول دیکھا۔ ایک صاحب سے یہاں کے پروفیسر روڈلف فرنیکل کے نام سفارش حاصل کر کے۔ ہم لوگ وہاں پہنچے۔ یہ بڑی عالیشان اور بہت ہی وسیع عمارت ہے

اس کے دور دور کے حصہ میں مشینوں کی ایک نمائش گاہ ہے - جس میں وہ تمام مشینیں رکھی ہوئی ہیں - جو آسٹریا کے کارخانے تیار کرتے ہیں - اور ان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ہاتھ سے چلانے کی مشینیں بھی تھیں - یہاں ایک دھات دیکھی جو معلوم ہوا کہ حال ہی میں دریافت کی ہے - اور چونکہ مگنیشیا سے مرکب ہے مگنالیم اس کا نام رکھا گیا ہے - اس کے دوسرے حصہ میں کئی کارخانے کفش دوزی خیاطی - نجاری وغیرہ کے جاری ہیں - جہاں وہ لوگ کام سیکھتے ہیں - جو باقاعدہ طالب علم اس ٹکنیکل سکول کے نہیں بن سکتے - اور دِن کے کسی حصہ میں فرصت حاصل کر کے کام سیکھنا چاہتے ہیں - اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ نوجوان نہیں ہوتے - جو طالبعلم اس مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں - انھیں بہت سے مضامین ٹکنیکل اور کیمیکل صیغوں میں سکھلائے جاتے ہیں - یہاں کے دو تین افسروں نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کرنے کی کوشش کی - لیکن سب کی انگریزی ایسی خام نکلی کہ وہ مجھے بہت کم باتیں سمجھا سکے - آخر میں نے یہاں کے سررشتۂ تعلیم حرفت کی سال گزشتہ کی رپورٹ لی - جو جرمن زبان میں ہے - اور بہت سی مغز نی کے بعد اور ڈکشنری کی مدد سے اس سے مطلب نکال لیا - ٹکنیکل تعلیم کا یہ مدرسہ جو تمام ملک کے ٹکنیکل مدارس کا مرکز ہے ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا تھا - جس میں دس ہزار فلورن (فلورن - ۱/۲) خرچ ہوا تھا - لیکن ۱۸۹۹ء میں اس پر دو لاکھ چودہ ہزار فلورن خرچ ہوئے - اس مدرسہ کی (۱۴۶) شاخیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں - علاوہ اس کے اس مدرسہ سے چھوٹی چھوٹی کلیں مثل خیاطی یا کفش دوزی کی کلوں کے تمام آسٹریا کے بیرونجات کے قصبات کے ایسے مزدوروں کو دی جاتی ہیں - جو ان کے ذریعہ سے روٹی کما سکیں - اور دس سال کے اندر باقساط ان کی قیمت اس صیغہ کو ادا کر سکیں :

ٹکنیکل سکول کے قریب ایک بہت بڑا احتاج خانہ ان بوڑھے مردوں اور بوڑھیا عورتوں کی پرورش کے لئے قائم ہے - جو کام کرنے کے قابل نہیں رہے

اور کوئی ان کا خبر گیرہ بھی نہیں - انھیں یہاں بڑی آسائش سے رکھا جاتا ہے ؛

بادشاہ پیر مردوں کے پاؤں دھوتا ہے

بوڑھے مردوں کے متعلق شاہانِ آسٹریا کی یہ بات نہایت عجیب اور دلچسپ ہے - کہ سال میں ایک روز شہنشاہِ آسٹریا اپنے پایۂ تخت کے سب سے بوڑھے تیس آدمی اپنے محل میں بطورِ مہمانوں کے بُلاتا ہے اور اُن کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دھوتا ہے - اور تولیہ سے خود صاف کرتا ہے پھر اُن میں سے ہر ایک کو کچھ کھانا اور تحفہ دیا جاتا ہے - میں اس بات کو بمشکل باور کرتا اگر ایک پینورا ما میں کہ جس میں شہنشاہ فرانس جوزف کی زندگی کی ہر منزل کی تصویریں قدِ آدم موجود تھیں - بوڑھے آدمیوں کے پاؤں دھونے کی تصویر نہ دیکھتا - افسوس ہے کہ سال گزشتہ میں ایک شقی القلب انارکسٹ نے شہنشاہ بیگم آسٹریا کو قتل کر دیا - ورنہ وہ بھی اسی قدر بڑھیا عورتوں کو بُلا کر ان کے پاؤں دھویا کرتی تھیں ؛

کتے گاڑیاں کھینچتے ہیں

یہاں عام رواج ہے کہ بعض مزدور جو دستی گاڑیوں میں اسباب لاد کر ادھر اُدھر لے جاتے ہیں - وہ ایک بڑا سا کتا بھی گاڑی میں جوت دیتے ہیں - کچھ کتا گاڑی کو کھینچتا ہے - اور کچھ یہ خود جو ایک رسا اپنے کندھے پر ڈال کر کھینچے لئے جاتے ہیں - حالانکہ ان کے گلے میں کالر ایسا سفید ہوتا ہے کہ شاید ابھی بدلا ہو گا - بازار میں ہر کتے کا منہ قانوناً باندھ کر لے جانا پڑتا ہے - بعض کتے چھوٹے چھوٹے شیروں کے برابر دیکھے گئے ہیں ؛

ویانا سے رخصت ہوتے وقت خیال آیا کہ یہ شہر جس کی آبادی ۱۸۹۶ء کی مردم شماری کے حساب سے پندرہ لاکھ سے زائد ہے - ایک ایسے ملک کا صدر مقام ہے کہ اب جس کے ماتحت بہت سا علاقہ سلطنت عثمانیہ کا ہے - لیکن ایک وہ زمانہ تھا کہ ترکوں نے ویانا پر دو مرتبہ حملہ کیا - پہلی دفعہ سلطان سلیمان ثانی نے ۲۲ ستمبر سے ۱۵ اکتوبر ۱۵۲۹ء تک اور دوسری دفعہ قارہ مصطفیٰ صدر اعظم ٹرکی نے ۱۴ جولائی سے ۱۲ ستمبر ۱۶۸۳ء تک ویانا کا محاصرہ رکھا - اور آخری دفعہ اہل

آسٹریا نے اہلِ پولینڈ - اہلِ سکسنی - اہلِ بویریا - اور اہلِ فرانس کی متحدہ فوجوں سے انھیں پسپا کیا - اگر ترک اپنی کوشش میں اس وقت کامیاب ہو گئے ہوتے تو آج دنیا کے نقشے کی صورت دوسری ہوتی ؎

برلن پایہ تختِ جرمنی

بمبئی سے ٹامس کُک کے ایجنٹ نے ہمیں ویانا تک ریل کا ٹکٹ دے کر باقی روپیہ کی رسید دیدی تھی - کہ ویانا کے ایجنٹ کو یہ رسید دکھلا کر آگے کا ریل کا ٹکٹ لے لینا - اس وقت میں نے برلن سے ہیمبرگ کو جانے کی بجائے برسلز کو جانے کا ارادہ کر لیا تھا - اس لئے ویانا سے برلن تک کا ٹکٹ اور باقی روپیہ واپس لے لیا - کُک کے ایجنٹ نے ساتھ ہی تاکید کر دی تھی - کہ اگر نارتھ ویسٹ بان نامی سٹیشن کے سوائے

بڑے بڑے شہروں کے متعدد ریلوے سٹیشن

کسی دوسرے سٹیشن سے تم ریل پر سوار ہوئے - تو کرایہ دوبارہ دینا پڑے گا - یورپ کے بڑے بڑے شہروں ریلوں کے کئی کئی سٹیشن ہوتے ہیں - اور اجنبی کو اس بات کے معلوم کرنے کے لئے بڑی دقت پیش آتی ہے - کہ فلاں طرف جانے کے لئے اسے کس سٹیشن سے سوار ہونا چاہئے - میں نے سٹیشن پر پہنچکر چھوٹا ٹرنک اور ہینڈ بیگ اپنے ساتھ رکھ لیا - اور بڑا ٹرنک بک کرا دیا - یورپ میں لمبا سفر کرنے والے لوگ ریل کے ٹکٹ عموماً سٹیشن پر آکر نہیں خریدتے - بلکہ شہر ہی میں قبل از روانگی مختلف پاسنجر ایجنٹوں کے کارخانوں سے خرید رکھتے ہیں - آسٹریا اور جرمنی میں شنکر کا کارخانہ مشہور ہے - قلی یہاں کے

سٹیشنوں پر بڑے مستعد ہوتے ہیں۔ سب کام خود کر دیتے ہیں۔ عموماً یہ لوگ لکھے پڑھے ہوتے ہیں۔ قلی اسباب کی رسیدیں خود تول کر بنوا دیتے ہیں۔ ریلوے گارڈ مسافروں سے ملائمت اور ادب سے پیش آتے ہیں۔ گائیڈ یا ہوٹلوں کے ملازم اور دکاندار اور دوسرے یورپین لوگ بھی توجہ اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں اہل انگلستان یورپینوں کی نسبت جو ڈر اور غیر ضروری تکلف کا خیال ہندوستانی مسافر کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ وہ خود بخود دُور ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان

یوروپ سے واپس شدہ ہندوستانی

کے بعض انگریز افسروں میں یہ خیال موجود ہے۔ کہ ہندوستانی نوجوان جو یورپ سے ہو آتے ہیں۔ اپنی نسبت غرور اور غیر ضروری اہمیت کے خیال ساتھ لے آتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ نیک دل افسر تھوڑی سی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہر ایک تعلیم یافتہ باشندۂ ہندوستان کو یہ بات ہونی ضروری ہے کہ اہل یورپ ہوّا نہیں ہیں۔ بلکہ وہ نہایت شائستہ لوگ ہیں۔ اور ساتھ ہی جن یورپینوں کو وسط یورپ کے بعض جنگی ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہو وہ ہندوستان کی حالت کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ دانا ہندوستانی یورپ سے لوٹ کر اپنے آپ کو اور بھی بے حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ جس قوم کے فرد ہیں وہ بہت ہی حقیر ہے ؂

اتنے سویرے صبح کی روشنی

۲۸ جون کی شام کو ویانا سے سوار ہوئے قریب ڈھائی بجے شب کے صبح کا اُجالا نمودار ہونے لگا۔ اسی لحاظ سے اگر ناروے میں آدھی رات کو طلوع آفتاب نظر آتا ہو تو ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ انہی دنوں یورپ اور امریکہ کے ہزارہا لوگ ناروے میں "آفتاب نیم شب" دیکھنے جا رہے تھے ساڑھے تین بجے اچھی طرح صبح ہو گئی ؂

موسم بہار کی سرسبزی اور شادابی

ریل کے دونوں طرف زمین بالکل سبز اور کھیتوں سے بھری بھرائی نظر آئی۔ پہاڑ ہو یا گھاٹی جدھر نظر جاتی تھی۔ کھیت ہی کھیت تھے۔ چپہ بھر زمین خالی نہ تھی۔ کہیں آب رسانی کا کنواں نظر نہ آیا۔ البتہ

کہیں کہیں کوئی پون چکی نظر پڑتی تھی - بارش - اور اوس پر اس ملک میں کھیتوں کا حصر ہوتا ہے - انگور کے کھیت بے شمار تھے - جہاں قطار در قطار ہزار ہا لکڑیاں گز گز بھر کی زمین میں گاڑ کر ان پر انگور کی بیلیں چڑھادی تھیں - جرمنی اور فرانس میں بھی انگور کے کھیت ایسے ہی نظر آئے اس سرسبز اور خوشنما منظر میں کہیں کہیں کوئی چھوٹی موٹی آبادی کسانوں کی نظر آجاتی تھی - البتہ اِکا دُکا مکانات تو کھیتوں میں بکثرت تھے - اور اُنہی کھیتوں مکانات میں بعض دو منزلہ اور خوش حثیت بھی تھے - اِن کے دریچوں میں شیشے لگے ہوئے تھے - کہیں مکانوں کے اندر پھولوں کے گملے بھی تھے - باہر تو اکثر مکانوں کے پھولوں کی کیاریاں ہوتی تھیں - یہ حال عام کسانوں کی زندگی کا ہے - راستہ میں دو چار بڑے قصبے بھی آئے - کہ جن میں سے ہو کر یا ان کے پاس سے ریل گزرتی تھی - اور جو کیفیت ریل میں سوار ہو کر وہاں نظر آئی وہ اُن کوچوں میں چل کر نظر نہ آتی صبح چھ بجے گاڑی

چنگی کے افسر

ٹمٹن کے سٹیشن پر پہونچی - جو آسٹریا اور جرمنی کے مابین سرحد ہے - یہاں جرمن چنگی کے افسر اسباب کا ملاحظہ کرنے کے لئے گاڑیوں میں گھس آئے - جو شخص ہماری گاڑی میں آیا - اُس نے پوچھا کوئی قابل محصول چیز تو نہیں اور نفی میں جواب پاکر ایک چھپا ہوا ٹکٹ ہمارے اسباب کے مختلف پیکٹوں پر چسپاں کر دیا - لیکن جو ٹرنک بڑے تھے اور بریک میں بُک کرا کر رکھے گئے تھے - انھیں گاڑیوں سے نکال کر ایک دفتر میں رکھا گیا - اور مسافروں کو اس دفتر میں لے گئے - جہاں میزوں پر سب کے ٹرنک چُنے ہوئے تھے - ہر شخص اپنا ٹرنک کھول کر ان افسروں کو دکھاتا - میرے ٹرنک میں ایک پشمینہ کی چادر تھی - جسے ایک چنگی کا افسر غور سے دیکھنے لگا - میں نے سمجھا یہ اسے قابل فروخت سمجھ کر محصول مانگے گا - میں نے جھٹ چادر کو کھول کر اوڑھ لیا - زیادہ اسباب سفر میں تکلیف دہ ہوتا ہے - اور ٹرنک مقفل ہونے کے بعد اُن پر بھی وہی بریت محصول کے ٹکٹ چسپاں کر کے انھوں نے ہی ریل میں رکھوا دیئے -

بعض لوگوں سے تھوڑی چیزوں مثلاً آٹھ دس جرٹوں پر بھی محصول لے لیا جاتا ہے
تھوڑی دیر میں دریائے البٰ پر سے گذرے۔ اور گھنٹوں ریل کی لین دریا کے
کنارے کنارے چلی گئی۔ ڈرسڈن میں گاڑی بدلنی پڑی۔ یہ بڑا وسیع سٹیشن ہے
اور بہت خوبصورت بھی ہے۔ لیکن وسعت میں بمبئی کے بوری بندر سٹیشن سے بھی
بہت بڑا ہے۔ جرمن علاقہ کے ایک سٹیشن پر ایک لڑکے سے چیریاں خریدیں۔ اور
جب آسٹریا کا سکہ دینے لگے تو اُس نے چیریاں واپس لے لیں۔ قریب بارہ
بجے شہر برلن میں پہنچے تو سٹیشن کے باہر ایک پولیس کا افسر ملا۔ اس نے پوچھا کہ ریل

گاڑیبانوں کی دستبرد سے مسافروں کی حفاظت

کے کس درجہ میں سوار تھے۔ دوم درجہ بتلانے پر اُسی درجہ کا
ایک ٹکٹ ٹین کا حوالہ کیا۔ یہ ٹکٹ اس لئے دیا جاتا ہے۔ کہ
اگر گاڑیبان مسافر کو تکلیف دے یا اس سے زیادہ کرایہ مانگے تو مسافر کہہ سکتا ہے
کہ میں تمھیں ٹکٹ نہیں دوں گا۔ بلکہ پولیس کے دفتر میں دونگا۔ گاڑی بان کا
یہ فرض ہے۔ کہ وہ ٹکٹ واپس لاکر اسی پولیس کے افسر کو دے۔ کہ جس نے
اُسے مسافر کے حوالے کیا تھا۔ لیکن گاڑیبانوں کی زیادہ ستانی روکنے کی تدبیر

ٹکسا میٹر

ٹکسامیٹر سے اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ جو ویانا کی طرح برلن کے
کرایہ کی گاڑیوں میں بھی لگایا گیا ہے۔ یہ مشین ایک بڑے
ٹائم پیس کے برابر گول ایسی ترکیب سے گاڑی کے کوچ بکس کے برابر لگا دی
جاتی ہے۔ کہ گاڑی کے چلنے سے اس کی سوئی بھی چلتی ہے اور یہ بتلاتی رہتی ہے۔
کہ اب کتنا فاصلہ طے ہوا۔ اور کیا کرایہ دینا چاہئے۔ اگر گاڑی جلدی چلے گی تو
یہ مشین بھی جلدی کرایہ بڑھائے گی۔ اس لئے ٹکسامیٹر کی موجودگی سے یہ اندیشہ
بھی نہیں رہا۔ کہ گاڑیبان آہستہ گاڑی چلائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اُسے کرایہ
بھی کم ملے گا۔ اگر ہندوستان کی کرایہ کی گاڑیوں پر بھی بڑی بڑی میونسپلٹیاں ٹکسامیٹر
لگوائیں۔ تو امید ہے کہ مفید ثابت ہو۔ اس کی قیمت بھی چار پانچ شلنگ سے زیادہ
نہیں۔ کوچمینوں کے لئے یہ اس لئے بھی مفید ہے۔ کہ وہ اس کے ذریعہ سے معلوم کر سکتے

ہیں - کہ دن بھر میں ان کے گھوڑوں نے کتنا فاصلہ طے کیا - اور کیا کمایا - برلن میں جہاں اس قدر کوچمینوں کو تاکید ہے - وہاں ان کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھا گیا ہے - گاڑی میں سواری گیارہ سیر سے زیادہ بوجھ مفت نہیں لے جاسکتی - علاوہ اس کے اگر ہم چاہیں کہ کوچمین بلا بارش کے گاڑی کا ٹپ بند کرے - یا کھولے - تو ہر ایسی فرمائش کے لئے گاڑیبان کو ۲۵ فینگ یعنی ۳ر دینے ہونگے - گاڑیبان سب لکھے پڑھے ہیں - جب فارغ ہوتے ہیں - تو اکثر کوچ بکسوں پر بیٹھے اخبار پڑھتے رہتے ہیں میں نے کئی دفعہ لکھا ہوا اپنہ گلی کوچوں کا ان کو دکھلایا ہے - تو اتنے بڑے شہر برلن میں جس کی آبادی بیس لاکھ سے اوپر ہے - اور جس کا رقبہ مع مضافات پچیس میل سے کم نہیں - یہ ٹھیک موقع پر مجھے لے پہنچے - یہ کوچمین وردی پہنتے ہیں - جس میں واسکٹ سرخ ہوتی ہے - اول درجہ کی ٹوپی سیاہ اور کالر سفید اور دوم کی ٹوپی سفید اور کالر زرد ہوتا ہے - تین ہندوستانی رفیق بمبئی سے لے کر برلن تک میرے ساتھ رہے - کہ جن میں سے مسٹر بٹلا تو آگرہ سے میرے ہمسفر تھے - میں برلن میں ٹھیرا - وہ ہمبرگ کو چلے گئے - ہموطنوں سے الگ ہو جانے کا افسوس تو ہوا - لیکن یہ کتنے بڑے اطمینان کی بات تھی کہ اب دن بھر کے ہمارے وقت میں کوئی حصہ دار اور شریک نہیں رہا تھا۔

برلن کا ہوٹل

برلن میں - مَیں جس ہوٹل میں ٹھیرا اس کا نام قیصر ہوٹل تھا کہ جسے یہاں کے لہجہ میں "قیزر ہوٹل" کہتے تھے - اور اس کے دروازے پر قیصر ولیم کا بت نصب تھا - اور یہ ہوٹل برلن کے سب سے بارونق اور بڑے بازار میں واقع ہے - کہ جہاں کھڑکی میں بیٹھ کر میں برلن کی زندگی کا اچھی طرح نظارہ کر سکتا تھا - الکٹرک کال بل کے ذریعہ نوکروں کو بلانے کے لئے ویانا اور برلن کے ہوٹلوں میں یہ ہدایت فرانسیسی اور جرمنی اور انگریزی زبانوں میں آویزاں ہے کہ اگر برقی بٹن کو ایک مرتبہ دباؤ تو مرد نوکر حاضر ہوگا - دو دفعہ دباؤ تو ملازمہ آئیگی - اگر بوٹ درکار ہو تو تین مرتبہ دباؤ - کیونکہ دستور یہ ہے - کہ شام کو جب

مسافر اپنے کمرہ میں آتا ہے۔ تو دن بھر کا میلا بوٹ اُتار کر اپنے کمرہ کے دروازے کے باہر رکھدیتا ہے۔ اور کوٹ اور پتلون بھی دروازہ کے باہر ایک کھونٹی پر لٹکا کر خود دروازہ بند کر کے سو رہتا ہے۔ ایک مرد نوکر شب کو سب مسافروں کے بوٹ جو ہر ایک کے دروازے کے باہر پڑے ہوئے ملیں لیجا کر پالش کرتا ہے۔ اور ان کے کپڑوں کو برش کر کے علی الصباح مالک کے دروازے کے سامنے لاکر رکھدیتا ہے۔ لیکن اگر اتفاق سے ابھی بوٹ صاف ہو کر نہ آیا ہو۔ تو کال بل کا بٹن تین مرتبہ دبانے سے بوٹ فوراً حاضر کیا جاتا ہے۔ مسافر کا ہوٹل سے روانہ ہونے سے پہلے فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ بوٹ صاف کرنے والے کو ضرور کچھ انعام دے جائے۔ کبھی کبھی چیمبر میڈ (خادمہ) ہی بوٹ بھی صاف کرلاتی ہے۔ اور مسافر کے کمرے کی صفائی اور بستره وغیره بھی وہی بچھاتی ہے ؟

کھانے کے لئے ٹرلیسٹ وتیس اور ویانا کی طرح برلن میں بھی میں نے پہلے ہی روز ہوٹل والوں کی ہدایت سے ایک یہودی رسٹارنٹ کا پتہ لگا لیا۔ اور دو تین جرمنی زبان سیکھنے کی کتابیں خرید لیں۔ کہ جن کی وجہ سے میں کسی وقت بیکار نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی کسی روز تو میں ڈکشنری کی مدد سے ساٹھ ستر لفظ جرمنی زبان کے کاغذ پر لکھ کر یاد کر لیتا۔ اور اس وقت تو مجھے خوب یاد تھے۔ لیکن اب بہت سے ذہن سے اُتر گئے۔ سچ ہے۔ کہ زود آید دیر پانہ باشد ؟

علاوہ یہودیوں کے رسٹارنٹ تلاش کرنے کے میں ویجی ٹیرئیں رسٹارنٹ بھی ہر شہر میں تلاش کر لیتا تھا۔ ان رسٹارنٹوں میں کسی قسم کا گوشت نہیں پکتا۔ بلکہ صرف بقولات اور غلوں سے طرح طرح کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں اور میوہ جات کھانوں کے ہمراہ دیئے جاتے ہیں۔ ان کے کھانوں میں بعض مٹھائیاں تو نفیس اور لذیذ ہوتی ہیں۔ لیکن بعض دوسرے کھانے جو محض حفظ صحت یا ویجی ٹیرئیں اصول کے لحاظ سے پکائے جاتے تھے۔ سخت بدمزہ ہوتے۔ مثلاً جب یہ کسی ترکاری کا شوربہ لاتے۔ کہ جس میں ہلدی مرچ مصالحہ کچھ نہ ہوتا۔ تو یہ صرف دھوؤں کا پانی معلوم

ہوتا تھا۔ سُرخ مرچ گرم مصالحہ اور ہلدی تو یورپ کے کسی ملک میں استعمال ہی نہیں کئے جاتے۔ لیکن ان ویجی ٹیرین رسٹارنٹوں میں سیاہ مرچ سے بھی پرہیز کیا جاتا ہے مگر کبھی کبھی مجبوراً جو عام رسٹارنٹوں میں کھانا کھانا پڑتا۔ تو مجھے طرح طرح کے تجربے ہوتے۔ مثلاً ۳ جولائی کی ڈائری میں سے ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کی کیفیت نقل کرتا ہوں:۔ ہوچر صاحب جو مہربانی کر کے مجھے کچھ کارخانے اور اسباب کی دُکانیں دکھلا رہے تھے وہ

ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کا تجربہ

ایک بجے کے قریب مجھے ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کے لئے لے گئے۔ یہ اعلےٰ درجہ کا رسٹارنٹ تھا۔ ہرچند کہ مَیں نے مسٹر ہوچر کو بتلا دیا تھا۔ کہ میں کیا کیا نہیں کھاتا۔ لیکن جب پہلے پہل حسب دستور شوربہ آیا۔ اور مَیں زیادہ حصہ پی چکا۔ تو رکابی کی تہ میں کچھ سرخ چیز نظر آئی۔ وہ کیکڑا تھا۔ میں نے باقی شوربہ لوٹا دیا۔ اس پر مجھے رسٹارنٹ کا سپائز کارٹ یعنی کھانوں کی تفصیل کا کاغذ دکھلایا گیا۔ جس کی پیشانی پر دو سرخ تصویریں کیکڑوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اور جو کہ رسٹارنٹ کے لئے بڑے فخر مباہات کی بات تھی کہ ان کے ہاں کیکڑے کا شوربہ ملتا تھا۔ جو ہر جگہ میسر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد میں نے مٹر اور آلو وغیرہ کھا کر خیر کسی طرح پیٹ بھر لیا۔ البتہ میوہ چیری آج کل خوب پکا ہوا ہے۔ اور مزیدار ہے۔ اسے میں اکثر کھانے کے بعد شوق سے کھاتا ہوں۔ جو ہر جگہ مل سکتا ہے۔ اِس میز پر تیسرا آدمی ایک اور جرمن تھا۔ یہ مجھ سے ہندستان کے متعلق مختلف باتیں پوچھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ تمام یوروپ میں لوگ انگریزوں کی خوش قسمتی پر حسد کرتے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان ایسے اتنے بڑے ملک اور کئی دوسری نو آبادیوں کے مالک ہیں۔ میرے کھانے پر شراب نہ پینے پر ان لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔ بیر تو ان کا عام شرب ہے۔ لیکن وائن اور وسکی بھی اچھے اچھے لوگ پیتے ہیں۔ اس ہوٹل میں پانی پینے کا گلاس اور صراحی موجود ہی نہ تھے۔ آخر ایک شراب کے ذرا سے گلاس میں مجھے تھوڑا سا پانی لا کر دیا گیا۔ یہ لوگ کھانے پر بیٹھ کر بہت دیر لگاتے ہیں۔ باتیں کرتے جاتے ہیں۔ اور

اشتہار کے نرالے طریقے

آہستہ آہستہ کھانا کھاتے جاتے ہیں - یہاں لکڑی کے چوڑے چوڑے خلال دیکھے - جن پر ایک کارخانہ کی شراب کا نام چھپا ہوا تھا - یہ گویا اس شراب کا اشتہار تھا - اور اس شراب کے کارخانہ نے اس رسٹارنٹ میں یہ خلال مفت استعمال کے لئے دے رکھے تھے - تاکہ کھانے کے ساتھ شراب پینے کے لئے لوگوں کو اُس کی شراب کا نام یاد آجائے - اسی طرح میں نے رسٹارنٹوں میں بعض کاغذ کے خوبصورت چھپے ہوئے پرچے دیکھے ہیں جو دوسری طرف سے خالی ہوتے ہیں - اور ان پر رسٹارنٹ والے کھانے کی قیمت کا بل رکھ کر گاہکوں کو دیتے ہیں - ان کی دوسری طرف شراب وغیرہ کھانے کی چیزوں کا اشتہار ہوتا ہے - جس کو ان کارخانوں کے مالک چھپوا کر مختلف رسٹارنٹوں میں بھجوا دیتے ہیں - انگلستان کے ایک رسٹارنٹ میں شیشہ کے نمکدان دیکھے - جو ایک نمک بیچنے والا کارخانہ بطور اشتہار نمک کے گاہکوں کو مفت دیتا ہے -

شہر کی رونق

برلن ویانا سے بڑا اور زیادہ مصفا شہر ہے یہاں کی پبلک عمارات ویانا سے زیادہ ہیں - پبلک مانیومنٹوں (یادگاروں) کا تو یہاں کچھ حساب ہی نہیں - بازار اسفالٹ کے بنے ہوئے ہیں - گرد و غبار کا نام و نشان نہیں - دن بھر شہر میں پھرو تو بھی جوتی جھاڑنے کی ضرورت نہ ہو - یہاں صبح سے شام تک ہر وقت بازاروں میں لوگوں کا ہجوم اور قہوہ خانوں میں میلہ لگا رہتا ہے - کسی پبلک عجائب خانہ یا نمائش گاہ میں جاؤ تو وہاں اتنے آدمی ملتے ہیں - کہ گمان ہوتا ہے کہ سارا شہر شاید یہیں اُمنڈ آیا ہے - لیکن اگر اسی روز دوسری جگہ جاؤ - تو وہاں بھی وہی حال ہوگا ⁂

برلن کا چڑیا گھر

میں نے یہاں کے وسیع چڑیا خانہ (ٹیر گارڈن یعنی باغ حیوانات) کو اتوار کے روز دیکھا کہ جس کے دیکھنے کے لئے ایک مارک (۱۲ ار) کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے - تو اندر بلا مبالغہ بیس پچیس ہزار عورتوں مردوں کا مجمع تھا - جو کچھ تو جانوروں کے دیکھنے اور زیادہ قہوہ پینے اور باجہ سننے میں مصروف

تھے - چڑیا گھر برلن کا اتنا مشہور ہے - کہ پیرس اور لنڈن میں بھی اتنا بڑا نہیں اور لاہور کے چڑیا گھر سے تو بلا مبالغہ بیس گنا بڑا ہے - یہاں ہاتھی بھی چڑیا گھر میں عجیب چیز سمجھا جاتا ہے اور اس کے رہنے کا مکان ہندوستان کے ایک مندر کے نمونہ کا بنایا گیا ہے - مَیں نے ذرافہ یعنی شتر گاؤ پلنگ یہاں پہلی دفعہ زندہ دیکھا - یہ دنیا میں سب سے اونچا جانور اور عجیب الخلقت حیوان ہے - دو زندہ ہرن بالشت بالشت بھر اونچے دیکھے - جو بچے نہیں تھے - بلکہ کسی بالشتی نسل کے تھے اور شیشے کے صندوقوں میں بند تھے - امریکہ کا بھینسا (بیزن) کئی قسم کا دیکھا - جس کا سر تو بھینسے کا تھا اور دھڑ خچر کا بعض ایسے عجیب جانور تھے - کہ نہ تو ہماری زبانوں میں ان کے نام ہیں - اور نہ میں شناخت کر سکتا تھا - ایک دریائی گھوڑا اور ایک افریقہ کا بہت بڑے ایال والا شیر بھی تھا - غرض جانوروں کے تمام نمونے جمع کرنے کی یہاں تک کوشش کی گئی تھی - کہ ایک مکان صرف مختلف نسلوں کے کُتوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا - بعض بعض مکانات چڑیا خانہ کی بجائے خود قابل دید تھے - بچوں کے لئے یہاں ایک الگ مکان تھا - جہاں یہ کھیلتے کودتے تھے - حسین عورتوں کی یہاں کوئی انتہا نہ تھی - آج چونکہ اتوار تھا - اور ٹکٹ بھی نصف تھا - اس لئے مجمع بہت تھا - بہت لوگوں نے یہاں آنے کے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں - بینڈ باجے کے سٹینڈ نصف درجن سے کم نہ ہوں گے - شام کو آتشبازی بھی حاضرین کی تفریح کے لئے چھوڑی گئی - جس کا مطلب یہ تھا - کہ جس قدر ممکن ہوں لوگ کھنچ کر آجائیں - اور چڑیا گھر کی آمدنی بڑھے - اس لئے ان کی تفریح کے سب سامان مہیا تھے ؛

ٹیئر گارڈن یعنی جس باغ میں چڑیا گھر واقع ہے وہ بجائے خود ایک تفریح گاہ ہے یہ باغ کاہے کو ہے بلکہ ایک لمبا چوڑا جنگل ہے - جو شہر کے ایک کنارے میلوں تک پھیلا ہوا ہے - اور جس کے سر بفلک درخت کہیں گھنے کہیں چھدرے نہایت سایہ دار موجود ہیں - نیچے گھاس ہے جن میں سے متعدد سڑکیں اور سیکڑوں

روشنیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں - اور کئی جگہ سے ٹریموے بھی گزرتی ہے - راستوں پر بے شمار بنچیں لگی ہیں - جن پر لوگ بیٹھ کر تماشہ دیکھتے ہیں ؛

رازونیاز کی باتیں

لیکن عموماً ان بنچوں پر نوجوان مرد عورتیں رازونیاز کی باتوں میں مشغول پائے جاتے ہیں - کبھی عورت کی بانہیں مرد کی گردن میں پڑی ہوئی اور کبھی مرد کی عورت کی کمر کے گرد نظر آتی ہیں - کبھی یہ دونوں ایسے رازونیاز میں بے خبر ہوتے ہیں کہ پاس سے گذر جانے والوں - بلکہ دنیا ومافیہا تک کی خبر نہیں ہوتی - اور لوگ بھی عمداً ان کے پاس بیٹھ کر ان کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈالتے - کہیں غریب گرہستن عورتوں کی پک نک پارٹیاں نظر آتی ہیں - کہیں خادمہ عورتیں بچوں کو دستی گاڑیوں میں لئے پھرتی ہیں - کہ ناگاہ ہم ایک بہت کشادہ سڑک میں پہنچ جاتے ہیں - جس کے ایک طرف دور تک سنگ مرمر کے بہت سے شاندار بت کھڑے ہوئے ہیں - یہ قیصر ولیم ثانی نے حال ہی میں قدیم زمانہ سے لے کر آج تک اپنے آبا واجداد یعنی سلاطین جرمنی کے اپنی جیب خاص سے بنوائے ہیں - اور بقول ریویو آف ریویوز کے ایڈیٹر مسٹر سٹیڈ کے واقعی یہ برلن کا ایک زیور ہے - گو وہاں کے سوشلسٹ لوگ انھیں ناپسند ہی کرتے ہوں ؛

دو عارضی نمائشگاہیں

آج کل دو عارضی نمائشگاہیں بھی کھلی ہوئی تھیں ایک تو کالونیل تھی - جس میں جرمنی کی نوآبادیوں کی چیزوں کی نمائش تھی - جو دو تین سے زیادہ نہیں - تاہم جنوبی افریقہ کی وحشی جرمن رعایا جزیرہ کیمرن اور چین کے نئے علاقہ کنٹوچہ کے باشندوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کو پورے طور پر دکھلایا گیا تھا - آج ایک گائڈ میرے ساتھ تھا - جب سموآ کے وحشیوں کے خس پوش جھونپڑوں میں دو تین گلی برتن اور چند چمڑے اور کپڑے کی چیزیں نظر آئیں - تو اس نے کہا کہ تمھارے ملک میں بھی تو اسی طرح کے گھر ہوتے ہیں - گو اس وقت تو میں نے اسے ٹال دیا - لیکن بعد میں مجھے قائل ہونا پڑا کہ پنجاب کے دیہات میں بعض غریب کاشتکاروں کے جھونپڑوں میں میں نے ایسی ہی غریبی دیکھی ہے -

اور ان میں کسی قدر دنیاوی سامان ہوتا ہے - گو وہ خس پوش نہیں ہوتے - لیکن ہندوستان کے بعض دوسرے حصوں میں کاشتکاروں کے جھونپڑے خس پوش ہی ہوتے ہیں - یہاں فی کس نصف مارک داخلہ اور دس فینگ چھتری رکھنے کے لئے دئے گئے - واضح رہے کہ جہاں گائڈ ساتھ ہو اس کا کرایہ اور داخلہ کا ٹکٹ بھی دینا پڑتا ہے - اس گائڈ کی شرح دس مارک روزانہ یعنی ساڑھے سات روپے تھی - میں نے گائڈ کو صرف ایک ہی دن اپنے ساتھ رکھا - لیکن جہاں میں پیدل جا سکتا تھا وہاں بھی گائڈ صاحب کی خاطر مجھے گاڑی کرایہ کرنی پڑی ؁

تصاویر اور بت دوسری نمائشگاہ جرمنی کی مصوری - سنگتراشی اور برنجی بت ڈھالنے کے فن کی تھی - جو "کنشت آؤسٹلنگ" یعنی آرٹ اکزبیشن کے نام سے مشہور تھی - یہ بہت بڑا عالی شان مکان تھا - جس کے سامنے پرنس بسمارک کا برنجی بت نصب تھا - مکان کے اندر پچاس کمرے تھے - جن میں اَن گنت تصویریں اور بت تھے - کہ جن کو دیکھ کر میں دنگ رہ گیا - یہاں دستور ہے - کہ ہر نمائشگاہ کے دروازے پر اشیا کی تفصیل کی کتاب بکتی ہے - یہاں جس قدر تصاویر اور بت زیادہ تھے - اتنی ہی زندہ لعبتانِ فرنگی اور جاندار بتانِ جرمنی کثرت سے تھے - بلا مبالغہ دس بارہ ہزار کے قریب عورتیں اور مرد اِن کمروں میں سیر کر رہے تھے - اس لئے ہر قدم پر سنبھل کر چلنا پڑتا تھا - کہ کسی لیڈی کا دامن پاؤں تلے نہ دب جائے یا کسی کو دھکا نہ لگ جائے - کیونکہ بعض چلبلے مصوروں نے ایسی تصویریں بنائی تھیں کہ لیڈیاں وہاں نقش بدیوار ہو جاتی تھیں - یہاں بھی نصف مارک داخلہ اور دس فینی چھتری رکھنے کی فیس دینی پڑی - چھتری یا لکڑی اندر تو لیجانے نہیں دیتے - باہر رکھوا لیتے ہیں - جس کی معقول اُجرت لے لیتے ہیں - صرف ویانا کے بڑے عجائب گاہ اور برلن کے اسلحہ خانہ اور لنڈن کے برٹش میوزیم میں چھتریاں رکھنے کا کچھ دینا نہیں پڑا - ورنہ اور سب جگہ کچھ نہ کچھ دینا پڑا ؁

عورتیں اور مرد - مرد اور عورتیں ان ممالک میں جب کسی ہجوم یا مجمع کا ذکر کیا جائے - تو

قدرتی طور پر سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اس سے زن و مرد دونوں کی معجون مرکب مراد ہے۔ مرد کیا ہیں عورتوں کی شمع کے پروانے۔ گو بلحاظ خوبصورت اور شاندار لباس کے عورتوں کو پروانے بلکہ تیتریاں کہنا زیبا ہے۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوروپ کی عورتیں صرف کپڑے پہننے اور بناؤ سنگار کرکے دوسروں کو دکھلانے اور ناز و ادا اور لہو و لعب میں زندگی بسر کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اِن کی ہر آن میں بناوٹ اور ہر ہر قدم پر ایک ادا ہے۔ میں اتوار کے روز چڑیا گھر کے ہجوم کو ایک خاص تقریب کا نتیجہ سمجھا تھا۔ لیکن اس نمائش کے باہر جو ہزاروں کا مجمع سبزہ زار میں قہوہ پی رہا تھا۔ اس سے میرا پہلا خیال غلط نکلا۔ نمائشگاہ کے اندر بعض تصاویر صرف قدرتی لباس پہنے تھیں۔ مگر ان کی عریانی معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ ہنر بین نظر صرف اُن کے آرٹ کی تعریف کرتی تھی۔ بعض لوگ ان تصاویر کے دیکھنے میں اس قدر محو تھے۔ کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے۔ ان مجمعوں میں۔ مَیں نے ایک اور دلچسپ بات یہ دیکھی کہ نوجوان مردوں کے ساتھ جو لڑکیاں ہوتی تھیں۔ وہ ذرا بڑی عمر کے مردوں کی رفیق عورتوں کی بہ نسبت زیادہ گرویدہ بلکہ گلے کا ہار ہوتی تھیں۔ اور نشہ محبت میں چور تھیں۔ گویا کہ جوں جوں مدت مناکحت بڑھتی جاتی ہے۔ محبت کا جوش کم ہوتا جاتا ہے۔ قہوہ خانوں اور رستورانٹوں میں بھی ایسے جوڑے سب سے الگ بیٹھ کر دیر تک باتیں کرتے رہتے ہیں ؎

برلن کا اسلحہ خانہ برلن کا اسلحہ خانہ ایک ایسا مقام ہے۔ کہ جس کا ثانی دنیا میں کم ہوگا اس میں یوروپ کے اسلحہ جنگ کے قدیم زمانہ سے لے کر آجتک کے سب نمونے موجود ہیں۔ آرہ کی طرح کاٹنے والی تلواریں۔ پتھر کی توپوں کے گولے پانچ پانچ سو سال کی پرانی توپیں سیکڑوں قسم کی چھوٹی بڑی موجود ہیں۔ لیکن غرض اس نمائش سے جرمن کی جنگی تاریخ دکھانا۔ اور اہل جرمنی کے دلوں میں جنگی جوش تازہ رکھنا ہے۔ کیونکہ جرمنی نے جو اسلحہ فرانس یا کسی دوسری قوم سے کبھی جنگ میں حاصل کئے ہیں۔ وہ سب اس میں موجود ہیں۔ ہزاروں قسم کی تلواریں

نیزے - بندوقیں - توپیں - ڈھالیں - تبردار نیزے - کلہاڑے - قدیم زمانہ کی نائیٹوں اور ان کے گھوڑوں کے بھاری زرہ بکتر - توپوں کے گھوڑوں کے ساز - سپاہیوں کی وردیاں - جنگی علم - مفتوحہ قلعوں کی کنجیاں اور آلات و متعلقاتِ جنگ از قسم اصطرلاب و سکیسٹن اور نپولین اول کے دیئے ہوئے تمغے بھی موجود ہیں - ایک جگہ قلعہ ایڈریانوپل کی کنجی اور جھنڈا موجود ہے - جو جرمنی نے ۱۸۱۵ء میں فتح کیا تھا - میرے خیال میں وہ شمشیریاں نہیں رکھی ہوگی - جو سلطان عبد الحمید خاں نے قیصر ولیم دوم کو ان کی پہلی ملاقات پر قسطنطنیہ میں دی تھی - اور جو ان کے دادا سے ترکوں نے چھینی تھی نہ یہ دکھلایا گیا ہے - کہ نپولین پر برلن نے کیا تباہی برپا کی تھی - اور کس طرح برلن کے وہ چاروں برنجی گھوڑے پیرس کو ہمراہ لے گیا تھا - جواب جرمنی نے واپس لے کر برنیڈنبرگ کے دروازے پر نصب کئے ہیں - اس اسلحہ خانہ میں بہت سے ایرانی اسلحہ بھی ہیں - جو غالباً خرید کر رکھے گئے ہیں - اُن میں سے اکثروں پر مضمون کھُدے ہوئے ہیں - ایک زرہ کے سینے پر نصر من اللہ و فتح قریب ؕ اور ایک شمشیر کے پھل پر لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار لکھا ہوا ہے - اور سوائے بیل بوٹوں کے کوئی خوبی نہ تھی - بمقابلہ یورپین سادہ اسلحہ کے ایرانی اسلحہ کا بناؤ سنگار زنانہ معلوم ہوتا تھا - فرانسیسی فوج کے بعض ستر اُسی اور سو سال کے پُرانے کوٹ اور سامانِ جنگ ایسے بھدے تھے - جیسے کہ آجکل پنجاب میں چوکیدار پہنتے ہیں - اور کپڑے کی موجودہ ترقی گویا سب گزشتہ صدی کا اس عمارت کے ایک طرف دس دس بیس بیس گز لمبی اور اسی نسبت سے چوڑی میزوں پر اُن تمام جنگوں کے میدانوں کے ننھے مُنھے نمونے فراز و نشیب میں بنائے گئے ہیں - کہ جن سے فن جنگ کے ماہر بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہیں - ان میں جرمنی اور غنیم کی فوجوں کے ننھے ننھے سپاہی مٹی یا لکڑی کے بنا کر دکھلائے گئے ہیں - ان سے بہتر سمجھ کسی میدانِ جنگ کی پوزیشن کی اور کسی طرح نہیں آسکتی - لیکن سب سے دلچسپ بات اس اسلحہ خانہ میں ناموروں کا کمرہ ہے

جس میں جرمنی کے تمام بادشاہوں اور اکثر بڑے بڑے امراء کی برنجی اور سنگ مرمر کی قدِآدم سے بڑی نیم قد لعبتیں موجود تھیں - اور دیواروں پر جرمنی کے تمام جنگوں کے نظارے اعلےٰ درجہ کے اُستادانِ فن نے کھینچے ہیں - کہ جنھیں دیکھکر اصلی میدانوں کے نظارے آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں - چھت پر چار تصاویر بادشاہوں کے عدل - انصاف - بہادری - اور تدبر کی بصورت تمثیل دکھلائی ہیں - مگر برلن کی تمثیلی تصویروں میں مجھے وہ عالیشان بت شہنشاہ ولیم اول کا بہت پسند آیا - جو اس کے قصر کے سامنے ۱۸۷۰ء کی جنگ کے بعد نصب کیا گیا ہے - اور جس میں سامانِ جنگ و جدل کو فراموش کر کے الیگوری (تمثیل) کی صورت میں صنعت و حرفت و زراعت و تجارت کی رونق بڑھانے کی طرف توجہ دکھلائی گئی ہے - یہ سب مضمون چند بتوں کی صورت میں بڑی خوبی سے ادا کیا گیا ہے - اہل جرمنی نے تصویر اور بت تراشی کے کام میں بڑی ترقی کی ہے - اور اس کے اچھی طرح سمجھنے کے لئے بھی کسی مبصر آرٹسٹ کی نظر درکار ہے - ہاں اسلحہ خانہ کو دیکھ کر ممکن نہیں کہ کسی مُردہ سے مُردہ جرمن کے بدن میں بھی اپنے باپ دادوں کے کارناموں کو دیکھ کر جنگی روح جوش زن نہ ہو - یہ اتنا بڑا مجموعہ اسلحہ کا صدیوں کی جانبازیوں اور کوششوں اور ہزاروں جانوں کے نقصان سے حاصل ہوا ہے - لیکن جو لوگ یہ کام کر گئے ہیں - اپنی آئندہ نسل کے لئے ایک ایسی میراث چھوڑ گئے ہیں - کہ جس کی وجہ سے وہ عزت کی زندگی بسر کر سکیں اور باپ دادوں کے نام پر فخر کر سکیں - بیشک اس مجموعہ کو دیکھ کر قوم کی عظمت ثابت ہوتی ہے

صنعت وحرفت کے کارخانے

میں نے یہاں بعض کارخانے دیکھے - جو اپنی قسم کے اول درجے کے ہیں - مثلاً رنگین تصویریں چھاپنے یا شیشہ اور برنج کا سامانِ آرائش اور قلمیں پنسلیں بنانے کے کام کے کارخانے جن میں سے ہر ایک کی وسعت اور عظمت کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ اس سے بڑا کارخانہ کیا ہو سکتا ہے - لیکن دوسری جگہ اس سے بھی بڑھا چڑھا دیکھ کر مجھے

حیرت پر حیرت ہوئی - ایک ہمارا ملک ہے - کہ ہم سوئی - دھاگے - قلم دوات کاغذ - بٹن وغیرہ ہر چیز کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں - اور ایک یہ ملک ہے کہ دنیا کی ضروریات کی چیزیں ہم پہونچاتا ہے - مجھے ایک جرمن ملاقاتی نے بتلایا

تعلیم کا نتیجہ

کہ "ہماری ترقی کا راز صرف تعلیم اور محنت ہے - تعلیم یہاں جبری ہے یعنی ہر آٹھ سال کا بچہ قانوناً مجبور رہے - کہ بارہ سال تک مدرسے میں پڑھے - اگر ہم لوگ اسی طرح محنت کرتے رہے - تو ایک روز دنیا میں ہم اول درجے کی قوم ہوں گے - ہمیں ملک فتح کرنے کی ضرورت نہیں - البتہ ہنر اور صنعت وحرفت کے ملک سائنس کے زور سے ہم کو فتح کرنے چاہئیں - اور اس میں اب بھی ہم تمام دنیا کی قوموں سے آگے بڑھ چکے ہیں" - ایک دوسرے شخص نے بتلایا کہ ۱۸۷۰ء سے جرمنی کی نئی زندگی کی بنیاد پڑی ہے جب سے کہ قیصر ولیم اول نے فرانس پر فتح حاصل کر کے قوم جرمن کے منتشر اور متفرق اجزاء کو ایک کر لیا اور صنعت اور حرفت اور علوم وفنون کی ترقی کی جانب بلیغ توجہ کی - اُس وقت سے اس ملک میں شب و روز ترقی ہو رہی ہے - اور جسقدر مال تجارت جرمنی سے دیگر ممالک میں جاتا ہے - یہاں تک کہ خاص انگلستان میں جرمنی کا بنا ہوا مال بہت سا کھپتا ہے -

جرمنوں اور انگریزوں کی سوشل زندگی کا مقابلہ

وہ سب اس تیس سال کی مدت میں بننے لگا ہے جرمن سوسائٹی میں مجھے یہ خوبی بتلائی گئی - کہ بخلاف انگلستان کے غریب اور متوسط درجے کے لوگ بھی امراء کی طرح زندگی مزے سے بسر کرتے ہیں اور سیر و تماشہ سے دل بہلاتے ہیں - بڑے بڑے مجمعوں میں یا سرراہ کوئی جرمن بدمست نہیں دیکھا گیا - بخلاف انگلستان کے کہ جہاں غریب وغربا کی بڑی تفریح یہی ہے - کہ شراب پی کر دل بہلائیں - میرے مخاطب نے یہ بھی رائے دی کہ جرمنی آئندہ زمانہ میں بڑی قوم ہو گی - اگر اہل جرمنی اسی طرح محنت و مشقت میں سرگرم رہے - ان کے دماغ صاف - ان کی طبائع میں آمادگی اور مسکنت ہے - اور انگریزوں کی نسبت کہا کہ وہ مغرور زیادہ ہو گئے ہیں - اور سوائے روپیہ

کمانے کے اور انہیں کچھ کام نہیں - اگر انگریزوں نے یوروپ کی بعض دوسری قوموں کی طرح فوجی خدمت اپنے ملک میں لازمی نہ کردی - تو یہ زیادہ مدت دنیا میں بڑی قوم نہیں رہ سکیں گے ؀

جرمن عورتیں جرمن عورتوں کی نسبت کہا - کہ بہت اچھی بیویاں ہوتی ہیں - انگلستان کی عورتوں کی طرح ہر وقت ناز نخرے ہی میں نہیں ٹلتیں - گھر کا کاروبار سب خود کرتی ہیں - انھیں اچھی تعلیم دی جاتی ہے - جو اپنی باری سے اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیتی ہیں - میرے مخاطب کی لڑکی کی عمر سترہ سال کی ہے جو جرمن میں اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی گفتگو صاف کرنے کے لئے انگلستان کے ایک مدرسہ میں بھیجی گئی تھی - اور اب پیرس کے ایک مدرسہ میں تعلیم پاتی ہے - اس کے بعد اگر اس نے پسند کیا تو وہ اطالی زبان بھی سیکھ لے گی - ورنہ یہی تین زبانیں جرمنی - انگریزی - فرانسیسی کافی ہوں گی - واضح رہے کہ یوروپ میں لڑکیوں کے مدرسے سب جگہ ریزیڈنشل سسٹم پر قائم ہیں - یعنی ان کے ساتھ بورڈنگ ضرور ہوتے ہیں ؀

دکانوں کی روشنی سے اشتہار کا کام لینا فراڈریش سٹر سے یعنی کوچہ فریڈرک نامی برلن کے اس بڑے بازار کا سماں کہ جس میں مَیں مقیم تھا - رات کے وقت نہایت دلکش ہوتا تھا - سرِ شام دکانیں برق اور گاس کی روشنی سے جگمگا اٹھتیں - اور شیشوں کے پیچھے جو لاکھوں روپیہ کا مال سجا ہوا ہوتا تھا - روشنی آسے دن کی نسبت بہت دلکش بنا دیتی تھی - ایک نئی ترکیب برقی روشنی کی پہلے پہل یہ دیکھی - کہ بعض دکانوں کے نام کے حروف جو دن کو سفید اور سادہ معلوم ہوتے تھے - دراصل ہر حرف کئی ایک برقی لمپوں سے مرکب تھا - ایک دم زدن میں یہ سب لمپ روشن ہو جاتے اور دکان کا نام نور کے حرفوں میں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا - اور دوسرے لحظہ میں وہ روشنی معدوم ہو جاتی - اور ایک لحظہ کے بعد پھر اسی طرح نمودار ہو جاتی - لیکن بعض دوسری دکانوں پر اس سے بھی زیادہ حیرت بخش عمل برقی روشنی کا

دکھلایا جاتا تھا مثلاً دکان کا نام دو سطروں میں ہے۔ تو آنِ واحد میں ان میں سے ایک سطر کے حروف سُرخ اور دوسری کے سبز برقی روشنی سے منور ہو جاتے۔ یا ایک کے اُس دم سفید اور دوسرے کے سبز اور دوسرے لمحہ میں وہی سفید سُرخ اور سبز سفید ہو جاتے۔ غرض ایک اجنبی کو پہلے پہل یہ نظارہ عالم طلسمات سے کم کچھ حیرت افزا انہیں معلوم ہوتا۔ حالانکہ سوائے مال کا اشتہار دینے کے اس تکلف سے اور کچھ مقصود نہ تھا۔ اس کثرت سے قیمتی اور عجیب و غریب مال سے بھری ہوئی دکانیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا۔ کہ اس کا خریدار کون ہوگا۔

تمام شب پوری تاریکی نہ ہوئی

یہاں بازاروں میں پھول بیچنے کا بڑا رواج ہے۔ یہاں شام کو ساڑھے نو بجے تک دن کی روشنی میں مَیں لکھ پڑھ سکتا تھا

۷ر جولائی کو ہیمبرگ سے مسٹر لوٹلا کا خط آیا تھا۔ جس میں رات کی روشنی کے متعلق وہاں کا یہ تجربہ درج تھا۔ "آپ کو برلن کے راستہ میں بوجہ تین بجے صبح ہو جانے کے اس روز تعجب ہوا تھا۔ یہاں پرسوں چونکہ مطلع صاف تھا۔ ساحلِ بحر سے ہیمبرگ تک تمام راستہ پورا پورا دکھلائی دیتا تھا۔ یعنی بارہ بجے تک تو جانب جنوب روشنی مثل ہندوستان کے وقت مغرب کے دیکھتا آیا۔ اس کے بعد کسی قدر غنودگی ہوگئی تھی۔ تو گویا تمام شب میں ذرا بھی تاریکی مثل ہمارے یہاں کی معمولی شب کے نہیں ہوتی"۔

مَیں جس ہوٹل میں مقیم تھا۔ وہ شہر کے نہایت پر رونق کوچہ فریڈرش سٹراسے میں واقع ہے۔ یہ بازار اسقدر چلتا ہے۔ کہ میں نے رات کے دو دو بجے تک جاگ کر بھی انتظار کیا کہ دیکھوں اس میں کب آمد و رفت بند ہوتی ہے۔ مگر مجھے پتہ نہیں ملا دُخانی اور گھوڑے کی ٹریموے کے علاوہ آہنی بس گاڑیاں رات دن بکثرت چلتی ہیں۔ شاید کوئی شخص دو تین سال یہاں رہے۔ تو اسے پتہ لگ جائے کہ ٹریم اور آہنی بس کی لائنیں کس کس طرف جاتی ہیں۔ گھوڑا گاڑیوں پر مَیں نے ساڑھے آٹھ ہزار سے زیادہ نمبر دیکھا۔ کیونکہ خاص خاص اطراف کو جانے والی الگ الگ

گاڑیاں ہوتی ہیں:-

اندرون شہر کی ریل کی رونق

شہر کے اندرونی حصہ کے گرد اور عام طور پر شہر کے اندر ایک حلقہ سا ریل کا ہے جس کی سڑک یک منزلہ مکانات کی چھتوں کے برابر یا بیس فیٹ بلند ہے - اور اس سڑک کے نیچے چھیاسٹھ پل شہر کے اندر ہیں - جرمن اس کو شٹاڈ بان یعنی شہر کی ریل کہتے ہیں - اس کے سٹیشن دو دو میل کے فاصلہ پر ہیں - اور گاڑی ہر پانچ منٹ کے بعد ہر سٹیشن سے دونوں طرف روانہ ہوتی رہتی ہے - اور آدھ منٹ سے زیادہ کسی سٹیشن پر نہیں کھڑی ہوتی - اس ریل کے ذریعے سے کہ جسے پرنس بسمارک نے تجویز کیا تھا - شہر برلن کے اندر لوگوں کی بے حد آمد و رفت جاری رہتی ہے - اور اکثر کاروباری لوگوں نے اس کے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں ٹکٹ دینے کے لئے کوئی شخص نوکر نہیں البتہ چند مشینیں پلر لیٹر بکسوں (چٹھی ڈالنے کے بڑے صندوقوں) کی برابر بلند کھڑی ہیں جب کوئی شخص ان میں دس فینی کا سکہ جو ادھنے کے برابر ہوتا ہے - ڈالتا ہے تو جھٹ ایک ٹکٹ تیسرے درجے کا ان کے منہ سے نکل پڑتا ہے - اسی طرح دوسرے درجے کا ٹکٹ دو پینی کا سکہ ڈالنے سے نکلتا ہے - البتہ ایک شخص ٹکٹ کو چیک کرتا ہے - ریل کا ہر پانچ منٹ کے بعد اس حلقہ میں بالمقابل دونوں طرف چکر کاٹتے رہنا اور کسی سٹیشن پر نصف منٹ سے زیادہ نہ ٹھیرنا وہاں کی زندگی میں ایک عجیب مقوی اور سریع الاثر دوا کا کام دیتا ہے - چونکہ ریل کی دونوں طرف شہر کے مکانات ہیں - ان کی دیواروں پر مختلف ادویات اور مال اسباب کے اشتہار بڑے بڑے حروف میں نقش کر دیئے گئے ہیں کہ جن کے لئے دیواروں کے مالکوں کو کرایہ دینا پڑتا ہے - یہ حروف اور تصاویر اتنے موٹے اور واضح ہوتے ہیں - کہ چلتی ریل میں باآسانی پڑھے جا سکتے ہیں:-

جرمنی کا جنگی عنصر کسقدر نمایاں ہے

برلن میں نووارد شخص فوجی اور جنگی عنصر اسقدر زیادہ پاتا ہے - کہ خواہ مخواہ اُسے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں غیر معمولی

سرگرمی فوجی امور میں ظاہر کی جاتی ہوگی - اس کی وجہ یہ ہے کہ جرمنی کا مدار ہی ایک بہت بڑی فوجی جمعیت پر ہے - خصوصاً اس کے ہمسایہ فرانس کے ہمیشہ کی عداوت اور پرخاش کی وجہ سے جرمنی میں "کانسکرپشن" کا رواج ہے - یعنی ہر جوان آدمی کو قانوناً بیس برس کی عمر کے بعد فوج میں بھرتی ہونا پڑتا ہے - اور پیدل فوج میں دو سال یا سوار فوج میں تین سال قواعد جنگ سیکھنے کے لئے خدمت کرنی پڑتی ہے - البتہ بیس سال کی عمر میں اگر کسی طالب علم کا امتحان قریب ہو یا اس کی تعلیم میں ہرج ہوتا ہو - تو حکام وقت کی اجازت سے اُسے اور ایک دو سال تک فوجی خدمت میں شریک ہونے سے معاف کیا جاتا ہے - فوجی خدمت کے زمانہ میں پہلا سال جبکہ لوگ کام سیکھتے ہیں - انھیں اپنے گھر سے اپنا خرچ چلانا پڑتا ہے - لیکن اس کے بعد روٹی کپڑا اور تھوڑا سا جیب خرچ جو چھ سات روپے سے زیادہ نہیں ہوتا انھیں سرکار سے ملتا ہے - جو لوگ فوج میں داخل ہونے سے پہلے اچھی تعلیم حاصل کر چکتے ہیں - اُن سے پیدل میں صرف ایک اور سواروں میں دو سال خدمت لی جاتی ہے - اس کے بعد یہ لوگ ریزرو میں چلے جاتے ہیں - اور اپنی زندگی کے کاروبار میں لگ جاتے ہیں - اور جب ضرورت ہو ملک کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں - ان دو تین سال کی خدمت کے بعد ریزرو میں آجانیوالوں کو اگلے سال سات آٹھ ہفتہ اور اس سے اگلے سال چار پانچ ہفتہ ایکٹو خدمت کرنی پڑتی ہے - اس طرح سے یہ سارا ملک سپاہیوں کا ہو گیا ہے - اور بقول ایک جرمن کے اب کوئی غنیم کبھی جرمنی پر حملہ آور نہ ہوگا - جو لوگ بارہ سال تک فوج کی ملازمت کر چکتے ہیں - ان میں سے بعض کو انتخاب کر کے سول کی ملازمت مثل ڈاک خانہ ریلوے جنگلات وغیرہ میں نوکری دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکخانہ اور ریل کے ملازموں اور کلرکوں تک کی فوجی وردیاں ہوتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی فوجی سپاہیوں اور افسروں نے ڈاکخانہ یا ریل پر قبضہ کر لیا ہے ؛

برلن کے عجائب خانے گو میں نے اپنا تمام وقت شہر کے قابل دید مقامات

عجائب اشیاء اور تجارتی کارخانوں کے دیکھنے میں صرف کیا۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ میں نے برلن کو بہت کم دیکھا۔ عجائب خانے یہاں ایک درجن کے قریب ہیں۔ جو اپنے اپنے رنگ میں سب بے نظیر ہیں۔ ایک میں اقوام دنیا کی تاریخی اور معاشرتی زندگی کے سامان ہی ہیں۔ اس کو "فولکر کنڈے میوزیم" کہتے ہیں۔ ایک میں قدیم زمانے کے رومن لوگوں کے بت اور سامان۔ قدیم یونانیوں۔ مصریوں وغیرہ وغیرہ اقوام کے بُت۔ قبریں اور آثار موجود ہیں۔ ایک زراعتی عجائب خانہ ہے۔ جس میں آلات زراعت تخم و ترقی زراعت کی تاریخ کے تمام مدارج دکھلائے گئے ہیں۔ ایک میں شاہانِ جرمنی کی یادگاریں اور تاریخی سامان جمع کئے گئے ہیں۔ ایک کا نام پوسٹ آفس میوزیم ہے۔ اس میں ڈاکخانہ کی ترقی کی تاریخ کے مختلف سامان جمع کر کے دکھلائے گئے ہیں۔ ایک میں مذہب عیسوی کی تاریخ ہے۔ عجائب خانوں کے متعلق مجھے دیکھ کر تعجب ہوا۔ کہ فولکر کنڈے میوزیم میں جہاں دنیا کے ہر ملک کے لوگوں کے سامان کافی اور کافی سے زیادہ موجود ہیں۔ عرب ایران اور ہند کا ایک تنکا بھی نہیں دکھلایا۔ البتہ چین کا بہت سا سامان جمع تھا۔ اور آج کل چین میں شورش برپا ہونے کی وجہ سے لوگ بڑے شوق سے ان چیزوں کو دیکھتے تھے۔ ہندوستان کے حصہ میں اتنی دلچسپ چیزیں تھیں۔ کہ کلکتہ کے بڑے عجائب خانہ میں لوگوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کی نمائش اس سے بڑی نہ ہوگی۔ جس عجائب گاہ میں قدیم زمانہ کے بت اور تصاویر جمع کئے گئے ہیں۔ اسے قدیم وجدید عجائب گاہ اور پکچر گیلری کہتے ہیں۔ یہ بڑی عالی شان دو منزلہ عمارت ہے۔ جس کے وسط میں ایک عظیم الشان گول ہال ہے اس کی دیواروں اور چھت پر دلکش مرقعے کھنچے ہوئے ہیں۔ اس عجائب گاہ میں پرانی چیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے یونانیوں کے بتوں میں سقراط اور افلاطون ارسطو اور دیگر نامور لوگوں کے بت موجود ہیں۔ جن میں سے بعض اصلی قدیم زمانہ کے بنے ہوئے ہیں۔ اور باقی یورپ کے دوسرے عجائب خانوں کے اصلی بتوں کی نقل ہیں۔ اسی طرح رومیوں کے بت بھی بہت تھے۔ ایک حصہ صرف حضرت مسیحؑ و مریمؑ کے انواع و

اقسام کے بتوں اور تصویروں کے لئے مخصوص تھا۔ جن میں مٹی دھات پتھر غرض ہر چیز کے بنے ہوئے بت تھے۔ ایک حصہ میں قدیم مصریوں کے ممیاں یعنے مصالحہ لگی ہوئی لاشیں۔ اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے بت اور تانبے کی چیزیں تھیں۔ ایک حصہ میں یونانیوں کے قدیم زمانہ کی آرٹ کی چیزیں بے شمار تھیں یہاں کے عجائب خانوں میں عورتیں مردوں سے کم نہیں آتیں۔ خواہ مضمون کیسا ہی خشک کیوں نہ ہو۔ ایک عورت ایک دیوی کی نقل کر رہی تھی۔ بعض کمروں کی دیواروں پر قدیم زمانہ کے تاریخی اور قیاسی مضامین کی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ اور بعض دیواروں پر اسی مطلب کی پریاں آویزاں کی گئی تھی؛

تعلیم کا چرچا یہاں تعلیم جبری دی جاتی ہے۔ ہر شخص قانوناً پابند ہے۔ کہ اس کے گھر میں جو بچہ آٹھ سال کا ہو اُسے بارہ سال تک پڑھنے کو مدرسہ میں بھیجتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاڑیبان مزدور پولیس کانسٹبل اور دکاندار سب خواندہ ہیں۔ تعلیم کا خرچ بھی زیادہ نہیں۔ کہ لوگوں کو ناگوار معلوم ہو۔ لیکن جو تعلیم یہاں کی زیادہ دلچسپ ہے۔ وہ صنعت و حرفت کی تعلیم ہے۔ یہاں پرائمری سکولوں کو بٹیور کہتے ہیں۔ جو شہر میں ہوتے ہیں۔ لوئر سکولوں کو ریال سکول اور مڈل اور ہائی سکولوں کو گمنازیم کہتے ہیں۔ اور پیشے اور حرفے مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھانے کے مدرسے گیوربن سکول کہلاتے ہیں۔ اکثر غریب غربا لوگ تو بچوں کو ابتدائی سکولوں سے نکالکر پیشے سکھاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اعلےٰ تعلیم اپنی اولاد کو دینا چاہتے ہیں۔ یا اعلےٰ اور علمی پیشے سکھانا چاہتے ہیں۔ تو وہ گمنازیم میں طلبا کی تعلیم ختم ہو چکنے پر اُنھیں یا تو یونیورسٹی میں بھیجتے ہیں۔ اور "ٹیکنیش ہوخ شولے" یعنی ٹکنیکل ہائی سکول میں ہر چند کہ جرمنی کی یونیورسٹیاں عرصہ سے مشہور چلی آتی ہیں۔ اور یوروپ کے علمی معیار کو بلند کرنے میں اور اہل یوروپ کے خیالات پر جرمن یونیورسٹیوں نے بڑا اثر ڈالا ہے۔ مگر یونیورسٹی کی تعلیم پر ٹکنیکل تعلیم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے

والے لیٹن اور گریک دوسرے ذہنی علوم کے علاوہ پڑھتے ہیں۔ اور پادری بننے کے لئے عبرانی ضرور سیکھتے ہیں۔ لیکن مشرقی زبانوں کا مدرسہ علیحدہ ہے۔ جہاں چینی جاپانی عربی۔ فارسی۔ سنسکرت سکھلائی جاتی ہے۔ اس کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے۔ کہ اس کے اندر مشرقی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گورنمنٹ جرمنی صنعت و حرفت کے مدارس کے علاوہ فن زراعت باغبانی علاج المویشی مرغیاں پالنے اور دودھ دہی مکھن اور میوہ جات پیدا کرنے کے مدرسوں پر بہت روپیہ خرچ کرتی ہے جو ملک میں بکثرت جاری ہیں۔ لیکن جس چیز نے اس زمانہ میں جرمنی کو بہت بڑی شہرت اور عزت دی ہے۔ وہ یہاں کا پالی ٹکنی کم (یعنی

دنیا میں سب سے بڑا ٹیکنیکل سکول

ٹکنیکل) ہائی سکول ہے۔ یہ مدرسہ ایک سو سال سے جاری ہے۔ پچھلے سال اس کی صد سالہ سالگرہ کا جلسہ بھی ہوا تھا۔ مجھے اس کے دیکھنے کا جتنا زیادہ شوق تھا۔ اتنا ہی اس کے دیکھنے کا سامان غیر الحصول تھا۔ آخر ایک صاحب سے پروفیسر ڈاکٹر سٹیون ہاکس کے پاس سفارش کرائی اور اس نے پرنسپل سے اجازت حاصل کر دی اور میں ساڑھے پانچ گھنٹے برابر اس عالیشان تعلیم گاہ کی مختلف منزلوں اور درجوں میں پھرتا رہا۔ پہلے پہل کمسٹری کا حصہ دیکھا جس میں مختلف کمرے اجزائے کمسٹری کے نمونوں تجربات اور لیکچر دینے کے لئے مخصوص تھے۔ ایک پروفیسر نے اپنے کمرے میں لیجا کر اندھیرا کر دیا۔ اور پھر برقی روشنی سے سامنے ایک چادر پر عکسی تصویریں بنا کر دکھلائیں۔ اور اور بھی چند تجربات دکھلائے۔ یہ حصہ کہ جس میں آرگینک اور ان آرگینک کمسٹری اور فوٹو گرافی سکھلائی جاتی ہے۔ اصل سکول کی عمارت سے علیحدہ ہے۔ گو سکول کی اصلی عمارت بھی پانچ چھ منزلوں کی بڑی وسیع ہے۔ اور سات آٹھ سال میں ختم ہوئی تھی۔ مگر وہ اب اتنی غیر مکتفی معلوم ہوتی ہے۔ کہ اتنی ہی ایک اور وسیع عمارت اس کے ساتھ زیر تعمیر ہے۔ دن بدن طالب علم اور سکول کے عجائب خانوں کا سامان اتنا بڑھ رہا ہے۔ کہ مکان وسیع کرنے کے سوائے چارہ نہ تھا۔ آج کل تین ہزار طالب علم یوروپ کے ہر ملک اور قوم کے

یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ بیچ کا صحن اور ہال کمرہ کہ جسے اولاً کہتے ہیں نہایت پرتکلف ہیں۔ جو کسی شہنشاہ کے قصر میں موجب زینت ہو سکتے ہیں۔ کئی پروفیسروں اور سائنس کے عالموں کے بُت اور تصاویر تمام عمارت میں جابجا رکھے ہوئے ہیں۔ بڑے کمرہ میں قیصر ولیم اول کا رویں بت ہے۔ ایک عجائب خانہ میں ہر قسم کی مشین کا چھوٹا سا نمونہ طالب علموں کے سمجھانے کیلئے رکھا ہوا ہے۔ اور ایک دوسری جگہ مکان میں مشینوں کے ہر پرزہ کو اس کا عمل ذہن نشین کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ کر کے رکھا گیا ہے۔ اور ایک ایک پرزہ کے مختلف عمل اس کے مختلف حصوں سے دکھائے گئے ہیں۔ برقی تعلیم کا کمرہ اور کئی کلاس روم۔ مطالعہ کے کمرے۔ اور کتب خانہ مشہور مصور اور آرٹسٹ شنکل کا عجائب خانہ۔ پلوں کی تعمیر کے سامان۔ اور پلاسٹر آف پیرس کے بتوں کے کمرے۔ عالیشان گرجوں اور دیگر عمارات کے ماڈلوں (نمونوں) اور نقشوں کے کمرے۔ دُخانی جہازوں کے نمونوں کے کمرے۔ نقشہ کشی۔ نجاری۔ اور علم الالوان کے لکچر کے کمرے۔ اور خدا جانے اور کتنے کمرے اور لکچر روم تھے۔ خلاصہ یہ کہ بارہ بجے دوپہر سے ساڑھے پانچ بجے شام تک تمام مکان کو دیکھا۔ مگر دکھلانے والا شخص جو یہیں کا ایک ملازم تھا۔ کہتا تھا۔ کہ ابھی آدھا مدرسہ بھی نہیں دیکھا۔ گو یہ مدرسہ سو سال سے برلن میں جاری ہے۔ اور اہل جرمنی کا موجب فخر ہے۔ لیکن صرف گذشتہ پچیس تیس سال سے اسے غیر معمولی ناموری حاصل ہوئی ہے۔ جب سے کہ جرمنی کی دستکاریوں نے غیر ملکوں میں رواج پایا ہے۔ انگلستان تک سے لوگ بچوں کو جرمنی میں تعلیم حرفت کے لئے بھیجدیتے ہیں۔ پہلے ہر قوم کے طالب علم انگریز۔ امریکن۔ روسی۔ اطالی یہاں اسقدر داخل ہو جاتے تھے۔ کہ جرمنوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ لیکن اب دو تین سال سے پہلے جرمن طلبا داخل کیئے جاتے ہیں۔ اور اگر گنجائش ہو تو باقی قوموں کے طالبعلم لیے جاتے ہیں۔ سوائے ٹرکی اور یوروپ کے ہر چھوٹے بڑے ملک کے طالب علم یہاں موجود تھے۔ ایک جگہ اس مدرسہ کے اُن بہت سے طلباء کے نام سنہری حروف

میں کندہ ہیں۔ جو جرمنی کے گذشتہ جنگِ فرانس میں مارے گئے تھے۔ سکول کے عقب میں برقی روشنی حاصل کرنے اور سرما میں مدرسہ کے کمرے گرم رکھنے کے لئے بڑی بڑی برقی کلیں دکانوں میں لگی ہوئی ہیں۔ جرمنوں کا یہ کہنا ذرا بھی بیجا نہیں۔ کہ اتنا بڑا مدرسہ اس فن کا دنیا میں کوئی دوسرا نہیں۔ مسلمان بڑے ناز سے اب تک کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی میں ایک وقت میں دس ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ اور مراکو کے فیض کے دار العلوم میں بھی کئی ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ مگر بھلے آدمیو! دیکھو تو سہی کہ وہ کیا پڑھتے ہیں اور یہ کیا پڑھتے ہیں۔ جن علوم کو الازہر اور فیض میں پڑھایا جاتا ہے۔ وہ اب بوسیدہ ہڈیاں ہو چکی ہیں۔ کوئی مینبدی پڑھنے والے کو ذرا امریکہ کی مشہور یک یونیورسٹی کی رصدگاہ میں۔ یا گرینج (انگلستان) کی رصدگاہ میں لیجا کر مقابلہ تو کرے کہ وہ فرضی علم ہیئت صحیح ہے۔ یا یہ عینی مشاہدہ ستاروں کا عظیم الشان دوربینوں سے جو لوگ اس قسم کے مقابلوں کو پسند نہیں کرتے۔ وہ مجھے معاف کریں ے تو و طوبیٰ و ما و قامتِ یار فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست۔ اس ٹکنیکل سکول کی لائبریری میں بہتر ہزار کتابیں صرف صنعت و حرفت و علوم و فنون پر فرانسیسی، جرمنی، انگریزی اور دوسری یورپین ہیں

آثار صنادید اسلام

زبانوں کی ہیں۔ میں نے مہتمم کتب خانہ سے دریافت کیا کہ کوئی مشرقی ملکوں کی کتاب بھی ہے۔ تو اس نے تلاش کر کے ایک پون گز کی لمبی چوڑی کتاب کی تین جلدیں میرے سامنے لار کھیں اس کتاب کا نام فرانسیسی زبان میں یہہ ہے۔

اس کتاب میں مسلمانوں کی دوسری صدی ہجری سے گیارھویں صدی تک قاہرہ کی نہایت خوبصورت عمارات۔ مساجد اور آرٹ کی دوسری چیزوں کی نہایت عمدہ تصاویر اور نقشے تھے۔ اس کتاب پر جو پیرس میں چھپی ہے۔ اس کتب خانہ کے چار پانچ سو مارک (مارک ۱۲/) خرچ آئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہندوستان

کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے ایک کے پاس بھی اس کتاب کی کاپی نہ ہوگی۔ ایسی عالیشان اور خوبصورت مساجد اور مقابر کے نقشے اس میں موجود ہیں۔ کہ میرا مخاطب مجھے کہنے لگا کہ مسلمان اس پر جسقدر فخر کریں بجا ہے ؎ این سطرِ جادہ ہا کہ بصحرا نوشتہ اند۔ یارانِ رفتہ از نقشِ پا نوشتہ اند + مگر میں نے کہا کہ ساتھ ہی مسلمان جسقدر ماتم کریں وہ بھی بجا ہے۔ کیونکہ اب ان کے پاس یہ فن ہی نہیں رہا۔ برلن کا ٹکنیکل ہائی سکول یہاں کی یونیورسٹی سے بھی زیادہ مرغوب اور زیادہ بڑا ہے اس ٹکنیکل ہائی سکول کے معائینہ کے دوران میں اس کی عظمت اور سامان کو دیکھ کر مجھے اپنا آپ ہی نہائیت حقیر معلوم ہوتا تھا۔ اور مایوسی ہمت کو ایسا پست کر رہی تھی کہ دل میں خیال گزرتا کہ اس زندگی سے جو ایسی ناکارہ ہے اس سے مرنا ہی بہتر ہے۔ یہ ایک ایسے سلسلہ خیالات کا نتیجہ تھا۔ کہ جس کے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہہ تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایسی تعلیم گاہ ابھی دو صدیوں بعد تک بھی قایم نہیں ہوگی۔ سکول کے سامنے میدان میں ایک طرف جرمنی کے مشہور توپ ساز کارخانہ کرپ کے بانی کی اور دوسری طرف ایک نامور برقی انجنیری کے کارخانہ والے سمن کے روئین بت نصب ہیں۔ ٹکنیکل سکول دیکھکر میں اس قدر محو حیرت تھا۔ کہ میرے رفیق نے..... دونوں گائیڈوں کو اپنی گرہ سے دو مارک (۲ روپیہ) دیدئے۔ جو مجھے دینے چاہئے تھے۔ لیکن مجھے خبر تک نہ ہوئی۔

عظیم الشان دوربین کی سیر

برلن کی قابل دید چیزوں میں جو میں نے دیکھی ہیں۔ ٹرپیٹو کی دوربین کا بھی ذکر کرنا چاہیئے۔ ٹرپٹو ایک مقام مضافات برلن میں شہر سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک خوشنما باغ اور تفرج گاہ ہے جہاں ہر روز ہزاروں لوگ سیر کے لئے جاتے ہیں۔ یہ دوربین بوجہ اپنی جسامت اور اس کے نیچے کی مشین کے جو برقی طاقت سے چلتی ہے ایک عجیب چیز ہے۔ جو کل اڑھائی لاکھ مارک کے خرچ سے ستر آدمیوں کے چندہ سے ۱۸۹۶ء میں پروفیسر آرچن ہولڈ کی ڈیزائین پر بنائی گئی تھی۔ اس کا طول...

۲۱ میٹر یعنی ستر فیٹ سے زیادہ ہے۔ اور آجتک یوروپ اور امریکہ میں لمبی سے لمبی دوربین اٹھارہ میٹر کی موجود ہے۔ پیرس کی نمائشگاہ میں جو سب سے بڑی دوربین بنی تھی۔ وہ نامکمل رہ گئی۔ اس لئے یہی دنیا میں بڑی لمبی دوربین ہے۔ اس کے ڈائرکٹر پروفیسر آرچن ہولڈ سے ایک موقع پر میری اچھی طرح ملاقات ہو گئی۔ جنہوں نے مجھے بعض ستارے اور چاند دکھلانے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں نے چاند۔ زحل۔ زہرہ۔ مریخ وغیرہ ستاروں کو اس میں سے بہت عمدگی سے دیکھا۔ چاند بہت صفائی سے ایک مجلی سنہری برتن کی طرح بہت قریب معلوم ہوتا تھا۔ کہ جسے دیکھ کر نظر خیرہ ہوتی تھی۔ اور جس کی سطح پر کئی چٹیاں چھوٹی بڑی موجود تھیں۔ جو چاند کے پہاڑ اور گھاٹیاں تھیں۔ پروفیسر صاحب کہتے تھے۔ کہ بیچ کی گہرائی ضرور چاند کا سمندر ہوگی۔ جواب ۔۔۔ خشک پڑا ہے کہیں کہیں ایسے پتھر کے چٹان اور ٹکڑے نظر آتے تھے۔ جیسے کسی ٹوٹے ہوئے پہاڑ میں گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ زہرہ ایک اعلیٰ درجہ کے ہیرے کی طرح جھلملاتا ہوا چھوٹا سا ستارہ نظر آیا۔ پروفیسر صاحب کہتے تھے کہ روشنی کی رفتار فی گھنٹہ چھتیس ہزار میل ہے۔ اور اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ اس رفتار سے اٹھارہ سال چلکر دیگا کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ العظمتہ للہ۔ دوربین کا ڈھانچ کہ جس پر یہ قائم ہے۔ اور جس کے ذریعے سے یہ سینکڑوں من لوہا ذرا سے اشارے سے جدھر چاہو ایک ملی میٹر کے دسویں حصہ تک برقی طاقت سے بڑی آسانی کے ساتھ مڑ سکتا ہے۔ چونکہ ستارے ہمیشہ آگے یا پیچھے کو حرکت کرتے رہتے ہیں اس لئے دوربین کو بھی ہر دم اسی سمت میں چلنا چاہیے اس کے پھرنے کا یہ سامان نہایت عجیب اور دلچسپ ہے۔ ہم وسط میں دوربین کے منہ کے قریب کھڑے ہو کر اگر ایک بٹن کو دبا دیں تو یہ تمام دیوہیت دھیمی رفتار سے ہمارے گرد گھوم جاتا ہے۔ شاید کہا جاتی تھی کہ یہاں کی گورنمنٹ جلد اس دوربین کو خرید لے گی۔ بہت لوگ زر داخلہ دے کر ہر شام کو اس میں سے اجرام فلکی دیکھنے آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے مجھے نہایت مہربانی سے بہت دیر تک دوربین کے ذریعے سے ستارے دکھلا کر پھر اپنا علم ہیئت کا عجائب خانہ دکھلایا جس میں ہیئت

کے شائقین کے لئے بہت سا مسالا اجرام فلکی کے نقشوں اور فوٹو گرافوں وغیرہ کا موجود تھا۔ اس میں چاند اور سورج کی مختلف زبانوں کے چارٹ موجود تھے۔ کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اجرام فلکی کے علم نے کن مدارج سے ترقی کی ہے۔ کئی کلیں ستاروں کی رفتار سمجھانے کی موجود تھیں۔ ایک لکچر روم تھا۔ کہ جو ایک دم میں برقی روشنی سے منور ہو جاتا تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہاں یہ پیش آئی کہ جب سے یعنے چار سال سے یہ دوربین بنی ہے۔

لاکھواں تماشا میں تھا

اس کے دیکھنے والوں کی تعداد اب ایک لاکھ تک پہنچی ہے۔ اور لطف یہ ہوا کہ اتفاقاً یہ لاکھواں نام میرا ہی تھا جو وزیٹروں کے رجسٹر میں درج ہوا۔ پروفیسر آرجن ہولڈ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور سب سے کہتے تھے۔ کہ ہمارا ہندوستانی دوست لاکھواں وزیٹر ہے۔ پروفیسر نے دوسرے روز برلن کے کل اخبارات میں یہ بات چھپوا دی۔ کہ ٹریپٹو کی دوربین کا لاکھواں وزیٹر فلاں ہندوستانی ہے۔ اور جبکہ میں پیرس میں تھا تو مجھے کئی ایک جرمن اخبارات کے ٹکڑے کاٹ کر بھیجے۔ جن میں میرے دوربین کے دیکھنے کا قصہ درج تھا۔ مجھ پر تو اس امتیاز کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن یہ لوگ ایسی باتوں پر مرتے ہیں۔ برلن کی بہت سی لیڈیاں اور جنٹلمین مجھے اُس شام کو بنظر حسرت دیکھتے تھے۔ کہ لاکھواں وزیٹر ہونے کی انہیں عزت کیوں نہ ملی۔

پروفیسر آرجن ہولڈ علم ہیئت کا بڑا ماہر ہے۔ گزشتہ سال کے ماہ مئی میں آفتاب کا کامل گرہن دیکھنے کے لئے یہ گورنمنٹ کی طرف سے الجیریا کو بھیجے گئے تھے اور اب ایران اور سماٹرا کو بھی علم ہیئت کی تحقیقات کے لئے سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دوربین دکھلانے کے بعد پروفیسر صاحب اور اُن کی بیوی نے مجھے دعوت دی۔ یہاں دعوت دنیا کوئی مشکل بات نہیں۔ کسی رسٹارنٹ یا ہوٹل سے پکا پکایا کھانا منگا لیتے ہیں۔ یہ شام کا وقت اور پانی کا کنارہ تھا۔ جہاں ہزارہا لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی برقی طاقت سے چلنے والی کشتی پر سوار ہو کر لوگ ایک جزیرے میں پہنچتے تھے جس میں ٹریپٹو کا

جولائی میں سردی کی شدت

رسٹارنٹ تھا۔ میں اس شام کو ہمیشہ یاد رکھونگا۔ نہ اس لئے کہ ٹریپٹو کی دوربین میں چاند کو تھوڑے فاصلے سے دیکھا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ آج نویں جولائی کو اس قدر سخت سردی تھی (شاید بارش کی وجہ سے آج غیر معمولی سردی ہو) کہ میری ہڈیوں کا گودا تک ٹھٹھر جاتا تھا۔ اور سردی کی شدت سے میرے کندھے درد کرنے لگے۔ حالانکہ میں سوائے اوورکوٹ کے باقی سب کپڑے موسم سرما کے پہنے ہوا تھا۔ اس پر بھی پروفیسر آرچن ہولٹ کی ایک بات پر مجھے ہنسی آگئی۔ پروفیسر صاحب تھوڑی سی انگریزی جانتے تھے۔ اور شاید اس روز ان کے ذہن سے وائف (بیوی) کا لفظ اتر گیا تھا۔ اس لئے جا بجا گفتگو میں اپنی بیوی کے ذکر کے متعلق ہسبنڈ (شوہر) کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ پروفیسر نے آج شام کو کسی قدر دیر سے وہاں پہنچنے کی یہ وجہ بیان کی کہ چونکہ جرمنی سے آج چین کو فوج روانہ ہونے والی ہے۔ مجھے گورنمنٹ نے اس لئے بلایا تھا۔ کہ میں فوجی افسروں کو وہ قاعدے سمجھا دوں جن سے وہ برلن اور چین کے وقت کا فرق معلوم کر سکیں۔ اس لئے میں نے اپنے ہسبنڈ (شوہر) کو ٹیلیفون کے ذریعے سے خبر کر دی تھی۔ کہ وہ مہمان کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے پہنچ جائے۔

ٹیلیفون کا آرام

ان ملکوں میں ٹیلیفون بڑے آرام کی چیز ہے۔ شہر کے جس حصہ میں کوئی شخص ہو ایک دم میں ہر دوسرے حصہ کے لوگوں سے بات چیت کر سکتا ہے۔ جس نے جب اخبار لوکال انسائیگر کے دفتر سے بذریعہ ٹیلیفون پروفیسر کو اپنے آنے کی اطلاع بھیجی تھی۔ تو پروفیسر صاحب رصدگاہ میں نہ تھے۔ وہاں سے اُن کے کلرک نے اپنے ٹیلیفون سے کسی دوسری جگہ اطلاع دی۔ اور پروفیسر صاحب نے کہلا بھیجا کہ میں تھوڑی دیر میں رصدگاہ میں پہنچ جاؤنگا۔ اگر کوئی شخص مکان سے جانے سے پہلے اپنا پتہ تبلا جائے۔ تو ٹیلیفون سے ہر جگہ اُس سے بات چیت ہو سکتی ہے۔ پروفیسر کی بیوی کے علاوہ اُن کے ساس اور سسرے اور ایک اور دوست اور اُنکی بیوی تھے جن کی نئی شادی ہوئی تھی۔ اور انگلستان سے

یہاں ہنی مون منانے آئے تھے۔ لیڈیاں مجھ سے تعجب سے پوچھتیں کہ کیوں ہندوستان میں خاتونیں پردہ میں رکھی جاتی ہیں۔ اور کہتیں کہ پھر گھر کا سودا سلف کون خریدتا ہوگا۔ اور انتظام امور خانہ داری کون کرتا ہوگا۔ ایک جنٹلمین نے تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ اچھے کپڑے اور خرچ کرنے کو روپے بھی نہیں مانگتیں۔

برلن کے اخبار

ہاں یہاں کے اخبار کا بھی تھوڑا سا حال سنانا مناسب ہے۔ میں اول درجے کے چند اخباروں کے ایڈیٹروں سے ملا ہوں۔ اور چند دوسروں سے بوجہ عدیم الفرصتی نہیں مل سکا کہ جنہوں نے مہربانی کر کے مجھ سے ملنا منظور کیا تھا۔ میں نے ایک روز اول درجے کے پانچ چار اخبارات کے ایڈیٹروں کو ملاقات کے خط لکھ بھیجے تھے۔ قریب قریب سب کے جوابات دوسرے دن تک پہنچ گئے۔ یہاں کا سب سے بڑا اخبار "لوکال انسائگر" ہے۔ افسوس ہے کہ میں اس کے انٹرپرائزنگ مالک مسٹر آگسٹ شیرل سے تو نہ مل سکا۔ کہ جنہوں نے اپنی طباعی اور لیاقت سے ایک چھوٹا سا اخبار نکال کر آج اس کو برلن کے اخبارات میں سب سے ممتاز بنا لیا ہے۔ کیونکہ وہ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ تاہم مسٹر ونڈیک نے اپنے چیف کی عدم موجودگی میں مجھے اپنا سارا کارخانہ جس کی پانچ منزلیں زمیں سے اوپر اور ایک زیر زمین تھی دکھلایا شاید اس کے بعد مجھے اس سے بڑے اخباری کارخانے کے دیکھنے کا اتفاق ہو۔ لیکن اس وقت تک یہ کارخانہ سب سے بڑا ہے۔ جو میں نے دیکھا ہے۔ علاوہ لوکال انسائگر کے صبح شام کے ایڈیشنوں کے "خلاصہ بلٹ پوسٹ" روزانہ "وہانگ رجسٹر" تمام شہر کے کرایوں کا رجسٹر ہفتہ وار"۔ ودخے بالتصویر ہفتہ وار اسی کارخانہ سے نکلتے ہیں۔ شہر برلن کی ڈائرکٹری بھی یہیں چھپتی ہے جسکے صفحے سال بھر سٹینڈنگ الماریوں میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تھوڑی بہت اصلاح ہو کر ہر سال چھپتے ہیں یہ سات چھوٹی اور بارہ بڑی مشینیں چھاپتی ہیں۔ ہر بڑی مشین آٹھ صفحے کے اخبار لوکال انسائگر کو پچیس ہزار فی گھنٹہ کے حساب سے چھاپتی۔ کاٹتی اور موڑتی ہے

لوکال انساگر ہر روز سوا دو لاکھ چھپتا ہے۔ یہاں صرف ان عورتوں اور مردوں کی ایک چھوٹی سی فوج کام کر رہی تھی۔ جو اخبار گن گن کر بیچنے کو لیجا رہے تھے۔ ایک سو کے قریب وردی پوش کلرک دفتر میں تھے ۔ جو تیس کلرک صرف نقدی کا کام کر رہے تھے۔ ان کے سامنے پانچ چھ ہزار روپئے کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے رکھے تھے۔ جو عجب نہیں کہ آج کی اخبار کی بکری ہو۔ یہ لوگ مجھے مختلف صیغے دکھاتے ہوئے اس جگہ لے گئے جہاں تصویریں بنتی تھیں۔ اور کہنے لگے کہ ہم بہت جلد تصویر بنا سکتے ہیں۔ تم کو دکھلاتے ہیں۔ ذرا ٹھیرے رہو۔ ایک دم میں کیمرہ لا کر انہوں نے میری تصویر لی۔ وہ سہ پہر کا وقت تھا اور شام کو تصویر تیار کر کے میرے پاس ہوٹل میں بھیجدی۔ اور پشت پر لکھ دیا کہ بیادگار ہمارے اس کارخانے کو دیکھنے کے یہ تصویر ہدیہ کیجاتی ہے اتنی جلدی فوٹوگراف لینا۔ ڈیولاپ کرنا۔ اور چھاپ کر بورڈ پر لگا کر حوالہ کر دینا بہت عجلت کا کام ہے۔ ان کے اخبار میں میرے کچھ کچھ حالات بھی چھپے تھے۔ جو مجھے بعد میں ملے۔

دم کشتی کی ڈاک

برلینر ناگ بلاٹ جو یہاں کا اول درجہ کا آزاد اور انٹرنیشنل اخبار سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر ڈاکٹر لیوی سن نے میرے خط کا جواب بذریعہ "اورہ پوسٹ" دم کشتی کی ڈاک کے اسی روز سہ پہر کو بھیجدیا تھا۔ یہ طریقہ خط بھیجنے کا بھی برلن میں عجیب ہے۔ جس خط کو بہت جلد شہر کے دوسرے حصہ میں بھیجنا مطلوب ہو۔ اس پر معمولی ڈاک سے دو چند محصول کا ٹکٹ چسپاں کیا جاتا ہے۔ گو ڈاک دن میں بارہ دفعہ تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن اورہ پوسٹ کے خط اس سے بھی پہلے ایک نلکوں کے سلسلہ کے اندر سے بذریعہ ہوا کے زور کے پہنچائے جاتے ہیں۔ ایسے خطوں کو نلکہ میں ڈالکر پیچھے مشین کی ہوا سے دھکا دیا۔ اور دم زدن میں منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں سے تار کی طرح جلدی تقسیم کر دیئے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ لنڈن اور پیرس میں بھی ڈاک کا یہی طریقہ جاری ہو گیا ہے۔ "نیٹی بلو" (نیلا چھوٹا) کے نام سے ایک

نیلے رنگ کا خط شہر کے اندر اسی سرعت سے جا سکتا ہے۔ غرض چٹھی پاتے ہی
میں ۲ جولائی کو آٹھ بجے شام کے مقررہ وقت پر برلینر ٹاگ بلاٹ کے دفتر

برلینر ٹاگ بلاٹ کے ایڈیٹر سے ملاقات

میں پہنچا۔ یہاں اخباروں کے دفتروں کے باہر لوگوں کا
ہجوم لگا رہتا ہے۔ کیونکہ جو تار برقی خبریں دمبدم انکے
دفتروں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ انہیں فوراً چھاپ چھاپ کر دفتر کے باہر بازار
میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ اور لوگ ان کے پڑھنے کے لئے ہر وقت جمع رہتے
ہیں۔ دفتر کے اندر ایک شخص جو غالباً لوگوں کو ہر قسم کی اطلاع دینے کے لیے
ملازم ہوتا ہے اس نے مجھے ایک کوچ پر بٹھلایا۔ اور میرا اسم پوچھ کر چیف
ایڈیٹر سے کہنے گیا۔ ڈاکٹر لیوی سن اپنے کمرے سے باہر نکل کر مجھے اندر اپنے
ساتھ لے گئے۔ وہ انگریزی کسی قدر تکلف سے اور فرانسیسی سہولیت سے بولتے
تھے اس وقت ان کے سامنے پروف پڑا ہوا تھا جسے وہ دیکھ رہے تھے۔ گو ان کے
ماتحت نصف درجن سے زیادہ نائب ایڈیٹر تھے۔ اور دائیں ہاتھ کی طرف میز پر
ٹیلیفون لگا ہوا تھا۔ کچھ اور کاغذات بھی میز پر بکھرے پڑے تھے۔ میں نے معذرت
کی کہ بلا کسی خاص کام کے میں نے آپ کا ہرج کیا۔ کیونکہ میں روزانہ اخبار نویسی
کی مصروفیت سے کسی قدر واقف ہوں۔ ڈاکٹر لیوی سن نے مجھ سے ہندوستان
کی سوشل اور پولٹیکل امور کے متعلق کئی سوال کئے۔ اور جب اسے معلوم ہوا کہ
پنجاب افغانستان کی سرحد سے ملحق ہے۔ تو پوچھا کہ کیا میری رائے میں ہندوستان
کو روس کے حملہ کا کچھ خطرہ تو نہیں۔ اور امیر کا میلان کدھر ہے۔ میں نے کہا روس کے
لئے افغانستان سے ہندوستان تک پہنچنا آسان کام نہیں۔ اور چونکہ افغانوں
کو روسیوں سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ وہ ان کے طرفدار نہیں ہو سکتے۔
پھر ہندو مسلمانوں کی آبادی اور گورنمنٹ سے رعایا کے تعلقات پر گفتگو کی اور
جب میں نے سمجھایا کہ کانگرس والے وہی جذبات انجام دینا چاہتے ہیں۔ جو کسی
سلطنت میں فریق مقابل گورنمنٹ (OPPOSITION) ادا کرتا ہے

تو اس کی بدظنی رفع ہوئی کہ رعایا سرکار سے ناراض نہیں۔ میرے پاس پیسہ اخبار کا نمونہ موجود تھا۔ جرمن ایڈیٹر اسے دیکھ خوش ہوا۔ اور اس کی قیمت کی ارزانی اور مقدار اشاعت دونوں باتوں کو پسند کیا۔ بلکہ مجھ سے وہ پرچہ لے لیا۔

پیسہ اخبار کی قیمت کی ارزانی

اور اپنے دوسرے روز کے اخبار میں میری ملاقات کی کیفیت مع پیسہ اخبار کے ایک کالم کے فوٹوگراف کے چھاپ دی۔ اثنائے گفتگو میں جب میں نے اُن کے سوال کے جواب میں کہا برلن عمدہ شہر ہے۔ اور قوم جرمن میں بسمارک ہمبولڈٹ اور شائن جیسے لوگ گزرے ہیں۔ کہ جن کے بُت شہر میں جابجا نصب ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ جب تم لندن کو دیکھو گے۔ تو اس سے زیادہ پسند کرو گے۔ کیونکہ انگریزوں کی شائستگی زیادہ قدیم ہے۔ اور ان کے عجائبات کے ذخیرے ہم سے بڑے ہیں۔ گو ان تک پہنچنے میں تو میرا کارڈ کئی نائبوں اور دوسرے آدمیوں کے ہاتھوں میں پھرتا رہا تھا۔ لیکن جب میں ان کے سینکٹم سنکٹورم میں پہنچ گیا۔ اور ان سے ہر قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ تو پھر یہ دروازے تک پہنچانے آئے بلکہ اس سے بھی باہر آکر باہر کے دروازے تک آڈیو کہہ کر چلے گئے۔ اڈیو بمنزلہ خدا حافظ جرمنی اور فرانس میں یکساں مروج ہے۔ اور قسطنطنیہ میں بھی اس کا عام رواج ہو گیا ہے۔ میں نے اکثر صاحبان اخبار کو آسٹریا و جرمنی میں خلیق پایا۔ اخبار یہاں کے بڑا رسوخ رکھتے ہیں۔ بلحاظ دولت کے بھی بڑے بڑے تجارتی کارخانے ہوتے ہیں۔ ہر کارخانہ میں روزانہ قیمتوں کے روپیوں اور اشرفیوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے کاؤنٹنگ ہوسوں پر بنکوں کا شبہ ہوتا ہے۔ روزانہ اخبارات کے دفتروں کے باہر دم بدم تازہ تاربرقیاں چسپاں ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں۔ جنہیں عام لوگ آکر پڑھتے ہیں۔ اس لئے اخبارات کے دفتروں کے دروازوں کے آگے لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ مزدور گاڑیبان، چھتری والے۔ گلی کوچے جھاڑنے والے، غرض سب لوگ اخبار پڑھتے ہیں۔ اس لئے شائستگی کا لوگوں کی طبائع پر بہت بڑا اثر معلوم ہوتا ہے

تعلیم نے تعصبات اور جہالت کے عیوب کو دور کر دیا ہے۔ لوگ ہر دم ترقی کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں۔ اور چونکہ علوم سے بہرہ یاب ہوتے ہیں، ہر روز نئی نئی کلیں اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔ ایسی کلیں کہ جنہیں کام کرتے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ سب محنت کا اجر ہے۔ بلا محنت اور کوشش کے کبھی عزت نہیں مل سکتی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

بقدر الکد تکتسب المعالی	ومن طلب العلی سہر اللیالی
تغوص البحر من طلب اللآلی	ویحظی بالسیادة والنوال
ومن طلب العلی من غیر کدٍ	اضاع العمر فی طلب المحال

برلن کی دکانوں میں مال تجارت

بڑی بڑی مینوفیکٹریاں گو شہر سے کسی قدر فاصلے پر ہیں۔ لیکن ان کے شوروم شہر میں جا بجا واقع ہیں۔ جو نہایت دلکش اور کار آمد مال و اسباب کے ذخیروں سے لبریز ہیں ان میں سے کئی ایک کو مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ کہ موجودہ ترقی اور شائستگی نے ان کی ضروریات کس قدر بڑھا دی ہیں۔ کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزوں تک ان کا حصر نہیں ہو سکتا۔ صرف بچوں کے کھلونے سینکڑوں بلکہ ہزاروں ...... قسم کے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ان ملکوں میں دولت بہت زیادہ ہے۔ یہ کھلونے بھی بڑے دام پاتے ہیں جست اور نکل اچاندی کا ایک نیا مرکب حال میں نکلا ہے جسے سلبرٹ کہتے ہیں۔ اس کے کھلونے بہت خوبصورت تھے۔ ایسے ہی رنگی چیزیں سونے کی معلوم ہوتی ہیں۔ ہر قسم کی چیزوں کے انواع و اقسام کے نمونے بنائے جاتے ہیں۔ تاکہ نئے سمجھ کر لوگ انہیں بھی خریدیں۔ جس کے پاس ایک ڈیزاین کا لمپ یا تھرما میٹر ہو۔ وہ دوسرا نئی ڈیزاین کا بھی دلکش سمجھ کر ضرور خریدے۔ یوروپ اور امریکہ میں دولت اور تجارت کی ترقی نے ایک نئی قسم کی دکانیں پیدا کی ہیں۔ جنہیں سٹور کہتے ہیں۔ اور جن میں دنیا کی ہر چیز ایک جگہ فراہم کر کے بیچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور لنڈن میں وائٹلی کی اسی قسم کی دکان

ہے۔ جو یونیورسیل سپلائر کہلاتا ہے۔ اور جس کا زیادہ حال اپنے موقعہ پر آئیگا پیرس میں لون مارش اسی قسم کی دکان ہے کہ جس میں تمام دنیا کی چیزیں بھری پڑی ہیں۔ امریکہ میں ایسی کئی دکانیں ہیں۔

برلن کی سب سے بڑی دکان

اسی قسم کی ایک دوکان برلن میں بازار لیبزگر میں بھی میں نے دیکھی اس کا نام "ویئر ہوس لے ڈرٹ ہایم" ہے۔ یہاں کس کس قسم کا مال تہا۔ اس کی تفصیل لکھنا محال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل برلن کی روزمرہ ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہ ہوگی۔ جو یہاں نہ ہو۔ گو یہ مکان بڑا وسیع ہے۔ لیکن ابھی آس پاس کے مکانات ساتھ ملا کر اسے اور وسیع کر رہے ہیں چھت اس مکان کی آئینوں کی تھی۔ بیچ میں ایک بہت بڑا صحن تہا۔ اور دونوں طرف کا سہ منزلہ مکان مال و اسباب سے پٹا پڑا تھا۔ گو اس میں تین چار جگہ سیڑہیاں تہیں مگر دونوں پہلوؤں پر دو لفٹ لگے ہوئے تھے۔ جو ہر وقت گاہک عورتوں کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر لانے میں مصروف رہتے تھے۔ گاہک زیادہ تر بلکہ قریب قریب سب عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اور اسی لئے دکان کے ملازم بھی تمام عورتیں ہی تہیں۔ جو دو تین سو سے کم نہ ہونگی۔ میں اور میرا رفیق تمام دکان کے تینوں منزلوں میں ہر طرف پھرے مگر کسی نے پوچھا تک نہیں کہ کیا خریدو گے۔ ہر قسم کے سامان کا جدا صیغہ تھا۔ اور ہر صیغہ میں اس قسم کا مال بکثرت تھا۔ ہر صیغہ میں ایک یا زیادہ بیچنے والی عورتیں بڑی مستعدی سے مال فروخت کر رہی تھیں۔ یہاں دوسری دکانوں سے اس وجہ سے مال ارزان ملتا ہے۔ کہ ہر قسم کا مال بڑی مقدار میں خریدا جاتا ہے۔ دکان کی مالک دولت مندوں کی ایک کمپنی ہے۔ صرف فروخت کا طریقہ دیکھنے کے لئے میں نے برلن کے قابل دید مکانات کی ایک البم خریدی۔ جس کی قیمت ایک مارک (۱۲) تھی پہلے بیچنے والی عورت نے بڑے اخلاق سے اس کی اکثر تصویریں الٹ پلٹ کر دکھلائیں لیکن جب میں نے اس کی قیمت اُسے دینی چاہی تو اس نے نہ لی۔ بلکہ قریب کی ایک دوسری میز تک ہمیں لے گئی۔ جہاں ایک دوسری لڑکی نے ایک فارم پر کیا

اور ایک تیسری نے اُسے کتاب میں چڑھا کر قیمت لی۔ اور چوتھی نے اس البم کو ایک کاغذ میں اچھی طرح پیکٹ باندھ کر ہاتھ میں لٹکائے جانے کے لئے ڈورہ باندھ دیا جبکہ میں وہاں تھا۔ تو تخمیناً دو اور اڑھائی ہزار کے لگ بھگ خریدار موجود تھے۔ اسی سے اس دکان کی روزانہ بکری کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

لاہور کے ریشم کی قیمت

لاہور میں کئی سو کارگاہ ریشم کا کپڑا بننے والوں کی ہیں۔ کسی زمانہ میں ان کے بنے ہوئے کپڑے کی بڑی قدر تھی۔ اور یہاں کے گلبدن اور چوڑیے کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن جب سے مشین کا بنا ہوا ہر قسم کا سستا اور ظاہرا خوبصورت ولایتی کپڑا بکنے لگا ہے۔ ان لوگوں کی کساد بازاری ہوگئی ہے۔ ہر چند کہ اب بھی ہندوستان میں دور دور تک لاہور کا ریشم تحفہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت وہ ہے بھی بہت عمدہ۔ میں ان ریشم بُننے والوں کی ہمدردی کے خیال سے اس ریشم کے کچھ نمونے بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اور میں نے برلن میں ان کے لئے بازار ڈھونڈھنے کی کوشش کی۔ اور ایک ایجنٹ کے ساتھ ریشم کا کپڑا بیچنے والی دکانوں پر گیا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے برلن میں ذرا بھی اس بارہ میں کامیابی نہ ہوئی۔ ان لوگوں نے لاہور کے ریشم کے ارزاں نمونوں کی نسبت کہا کہ یہ صاف بُنے ہوئے نہیں ہیں۔ اور زیادہ قیمت کے نمونے جو اچھے بُنے ہوئے تھے وہ گراں ہیں اور جرمنی میں لوگ ارزاں ریشم خریدنے کے عادی ہیں۔ جو جرمنی یا دیگر ممالک کے ملوں سے آتا ہے۔ بلکہ سوئیزرلینڈ سے بہت سستا ریشم جرمنی میں آتا ہے جس کے چند سال ماقبل ایک جرمن سوداگر نے ہزارہا تھان بمبئی کو بھی روانہ کئے تھے اور ۱۲؍ گز پر بکے تھے۔ معلوم ہوا کہ جرمنی میں اب تک دستور ہے کہ غریب دہقان گرمیوں میں تو کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اور جاڑوں میں چونکہ بوجہ سردی کی شدت کے بیکار ہوتے ہیں گھروں میں ریشم کا کپڑا بنا کرتے ہیں۔ تاہم ان لوگوں نے لاہور کے ریشمی کپڑے کی مضبوطی کو پسند کیا۔ مگر کہا کہ گاہک ارزاں کپڑا خریدنے کے عادی ہیں بیس سال پہلے برلن میں ایسا بھدا ریشم پہنا جاتا تھا۔ اب لوگ زیادہ نزاکت پسند

ہو گئے ہیں۔ پردوں کے لیے بھی یہ زیادہ گراں تھا۔ ایک شخص نے صلاح دی کہ اگر قیصرہ جرمنی ایک لباس اس ریشم کے کپڑے کا پہن لے تو تمام فیشن ایبل سوسائٹی میں اس کا رواج ہو جائے۔ ایک شخص نے اس بات پر تعجب کیا۔ کہ ایک ہندوستانی اپنے ملک کے مال کے نمونے جرمنی میں لایا ہے۔ جو بڑی تعجب کی بات ہے۔

گل آورد سعدی سوئے بوستان
بشوخیٔ فلفل بہندوستان

چونکہ فرانس میں اب تک بکثرت ریشم دستی کارگاہوں میں بنا جاتا ہے۔ اور لاہور کے ریشم سے سستا ہوتا ہے۔ اس لیے اور کسی جگہ یورپ میں لاہور کے ریشم کے بکنے کی صورت نہ پیدا ہوئی۔ البتہ قسطنطنیہ اور بیروت میں اسے بہت پسند کیا گیا۔ اور بعض سوداگروں نے کچھ نمونہ کے تھان لینے بھی منظور کیے۔ وہ صرف رنگ اور کپڑے کے عرض میں کچھ اصلاح چاہتے تھے۔ گو لاہور کے ریشم بننے والوں کو میری محنت سے اب تک تو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ مگر اتنی بات کا مجھے یقین ہو گیا۔ کہ اگر کوئی شخص جو مجھ سے زیادہ وقت اس کام پر یورپ کے سوداگروں میں صرف کر سکتا ہو۔ وہ ضرور لاہور کا ریشم بکثرت فروخت کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کے لکڑی کے کام کی جیسا کہ ہشیارپور وغیرہ مقامات میں بنتا ہے یہاں ضرور مانگ تھی۔ اور ایک سوداگر نے بڑی خواہش سے مجھ سے اس کا پتہ بھی پوچھا۔

برلن کے قہوہ خانے

برلن کی کیفیت ہرگز مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہاں کے قہوہ خانوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ میرے ہوٹل کے نیچے کی منزل میں ایک عظیم الشان قہوہ خانہ تھا۔ جس میں صبح گیارہ بجے سے رات کے ایک دو بجے تک ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور ویٹروں کو کسی وقت بھی دم لینے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ یہی حال اور قہوہ خانوں کا بھی جہاں کہیں میرا جانا ہوا میں نے دیکھا۔ شہر کے اندر اور نواح شہر میں ہزاروں قہوہ خانے تھے۔ اور یہاں کے لوگ کچھ

کچھ ایسے بلا نوشس ہیں۔ کہ کسی وقت قہوہ خانے والے فارغ نہیں ہو سکتے تھے ایک روز ایک صاحب بیوز) قہوہ خانہ بیوں مجھے لے گیا۔ برلن میں یہ قہوہ خانہ بڑا تاریخی مکان مشہور ہے۔ یورپ اور جرمنی کے بڑے بڑے نامور لوگ یہاں قہوہ پینے آتے ہیں۔ اور یورپ میں اس کا نام خود برلن کیطرح مشہور ہو گیا ہے دنیا کے ہر ملک کا اخبار اس قہوہ خانے میں منگوایا جاتا ہے۔ جو اخبار برلن میں اور کسی جگہ نہ آتا ہوگا۔ وہ یہاں ملے گا۔ یہ قہوہ خانہ تمام رات کھلا رہتا ہے۔ اور مالک اس سے لاکھوں روپئے کما چکا ہے۔

برلن میں ٹپ کا رواج

اور ٹپ کا ان میں اس قدر رواج ہے کہ ان میں سے بہت سے بلا تنخواہ صرف اسی کی بدولت کام کرتے ہیں۔ نواح شہر کے ایک قہوہ خانہ میں میرے ایک جرمن رفیق نے قہوہ پینے کے بعد جب ویٹر کو ٹپ دیا تو میں نے اسے کہا کہ یہ تو بڑی قبیح رسم ہے۔ بہتر ہو اگر قہوہ خانوں کے مالک چیزوں کی قیمتیں بڑھاویں۔ جو پہلے بھی فیشی سے کم نہیں۔ اور اپنے ملازموں ویٹروں وغیرہ کو اپنی گرہ سے تنخواہ دیا کریں۔ اس نے کہا یہ تمہارا ہی خیال نہیں۔ بلکہ یہاں کے اخبارات نے بھی اس بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور کئی لوگوں نے اس طریقہ کو برا کہا ہے۔ اور ابھی دو مہینے گزرے ہیں۔ خود ویٹروں نے برلن میں ایک کانفرنس کی تھی اور اس میں اس مطلب کے ریزولیوشن پاس کئے تھے۔ کہ ہمیں یہ طریقہ تنخواہ کا پسند نہیں۔ کیونکہ اس سے بدتر دوسرا طریقہ دنیا میں ایجاد نہیں ہوا ہوگا۔ لوگوں کی خوشی پر منحصر ہے۔ کہ ہمیں جو مناسب سمجھیں دیں یا نہ دیں۔ میرے دوست نے کہا۔ پیرس میں ٹپ کا طریق اور بھی زیادہ ہے۔ اور وہیں سے برلن میں آیا ہے۔ اور اس کا معیار یہ ہے۔ کہ کھانے کی قیمت کا دسواں حصہ ویٹر کو دیا جاتا ہے۔ لیکن پیرس میں ویٹر اس پر بھی خوش نہیں ہوتے ویٹروں کی قمیصیں اور کالر ایسے ہی صاف اور کوٹ ایسے ہی ستھرے سیاہ ہوتے ہیں۔ کہ جیسے جنٹلمینوں کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض ان پر سفید کوٹ اور اوپر سفید تہ بند باندھ لیتے ہیں۔ تاکہ

دوسرے لوگوں کی بھیڑ میں ممیّز رہیں۔ ایک ویجی ٹیرین رسٹارنٹ میں ٹپ کی ممانعت تھی لیکن یہاں بھی جب میرے رفیق نے دیا۔ تو خادمہ نے بلا تامل لے لیا۔

عورتوں کا کام

برلن کے کارخانوں اور دکانوں میں اس قدر عورتیں نوکر دیکھ کر مجھے خیال ہُوا کہ ہندوستان کی آبادی تو اس لحاظ سے آدھی کام کرتی ہے۔ کیونکہ سب عورتیں گھروں کی اندر بیکار رہتی ہیں سوائے اُن معدود ے چند کے جو کھیتی باڑی کے کام میں اپنے شوہروں کو مدد دیتی ہیں۔ حالانکہ اگر یہاں کے کاموں سے عورتوں کو نکال لیں۔ تو سب کام اینڈ ہوجائیں۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ صرف کنواری یا بیوہ عورتیں ہی ملازمت کرتی ہیں۔ متاہل عورتیں گھروں میں رہتی ہیں۔ اور یہی وہ عورتیں ہوتی ہیں جو بازاروں اور تفریح کے مقامات میں مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی دیکھی جاتی ہیں۔

بے مزہ کھانے

میں میتھل سٹریٹ کے ایک اعلےٰ درجے کے رسٹارنٹ میں ہر روز یہ سمجھ کر کہ یہ یہودیوں کا رسٹارنٹ ہے کھانا کھانے جایا کرتا تھا۔ لیکن چھ سات روز کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہودیوں کا نہیں ہے۔ بلکہ عیسائیوں کا ہے۔ تو مجھے اپنی غلطی پر بڑا افسوس ہُوا اور قہر درویش برجان درویش و میٹر سا کو کچھ کہہ سُن کر خاموش ہوگیا۔ مجھے یورپ میں پہنچکر جو تکلیف ہوئی ہے۔ وہ صرف کھانے کی تھی۔ ہمارے اور اہل یورپ کے کھانوں میں اس سے زیادہ فرق ہے۔ جس قدر کہ خود ہمارے اور اہل یوروپکے درمیان ہے عجب طرح کے بدمزہ اور بے رنگ اور بے آب و نمک گوشت اور ترکاریاں پکاتے ہیں۔ کہ جنہیں پھینک دینے کو جی چاہتا ہے۔ نہیں بلکہ کھانا دیکھ کر بھوک کوسوں دُور بھاگ جاتی ہے۔ گوشت کھانے کی نسبت سرے سے اپنے ملک میں بھی میرا مذاق جُدا ہے۔ میں سادہ سے سادہ کھانا کھا لیتا ہوں۔ لیکن زیادہ روغن یا چربی دار یا ٹھنڈا گوشت نہیں کھا سکتا۔ لیکن یہی چیزیں ہر جگہ کثرت سے مجھے کھانی پڑیں۔ کبھی مٹر منگواتا۔ تو وہ شکر کی طرح میٹھے نکلتے۔ بلکہ ساگ بھی شکر میں پکا ہوا میں نے کھایا ہے۔ شوربوں

میں آٹا اور شکر کیا کیا ملاتے کہ حریرہ سے زیادہ لیسدار ہو جاتا۔ مجھے کبھی کبھی وقت صرف اس لیئے فاقہ کرنا پڑا کہ کھانا مرغوب نہیں ملتا تھا۔ غرض میرا کھانے کا معاملہ کچھ سنئی منٹل (خیالی) اور کچھ عادت کی بات تھی۔ جو دلیلوں سے نہیں بدل سکتی تھی۔

یہودیوں کا ذبیحہ

یوں تو یہودیوں کے یہاں بھی کھانے ویسے ہی بیرنگ اور بے آب و نمک ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ۔ لیکن وہاں کھانے کی ترغیب یہ تھی کہ ان کے یہاں مسلمانوں کی طرح سور کا گوشت حرام سمجھا جاتا ہے۔ اور ذبیحہ وہ مسلمانوں سے بھی زیادہ احتیاط سے کرتے ہیں۔ اس لیے یہودیوں کے رسٹارنٹوں اور ذبیحہ کا تھوڑا سا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تمام یورپ کے جس ملک میں یہودی رہتے ہیں۔ خواہ بود و باش زبان اور لباس کی ہر ایک ظاہری طرز میں وہ اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے مشابہ ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں۔ لیکن ذبیحہ کھانے کے وہ بڑے پابند ہیں۔ ان کے دکانوں اور رسٹارنٹوں پر عبرانی زبان کے یہ حروف שחט لکھے ہوئے ہوتے ہیں جن کے تلفظ کو شُشر یعنے ذبیحہ کہتے ہیں صرف شہر لنڈن کے ویسٹ اینڈ کوچہ میں ڈیڑھ سو کوشر قصابوں کی دکانیں ہیں۔ یہودیوں میں ذبیحہ کی اسقدر احتیاط کیجاتی ہے۔ کہ ان کا ذبح کرنے والا عالم یا امام کئی سال تک ذبح کرنے کے علم اور فن کو سیکھ کر امتحان دینے کے بعد "شُوشِیتہ" یعنے جانوروں کے کاٹنے کی اجازت پاتا ہے۔ پھر ذبح کرنے والی چھری کی دھار کو بڑی صفائی سے تیز رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہفتہ میں دو چار مرتبہ "ادپانیم" بعض بڑے مذہبی افسر آکر اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور اگر چھریاں ذرا بھی کُند ہوں۔ تو ذبح کرنے والے عملہ کو سزا دیجاتی ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ کم سے کم تکلیف سے جانور کی روح فنا ہو۔ ذبح کرنے سے پہلے ایک دعا پڑھی جاتی ہے۔ اور ذبح ہو چکنے کے بعد بھی گوشت کو بڑے غور سے دیکھا جاتا ہے خصوصاً جانور کے شُشش کو اگر اس میں کوئی نقص ہو یا عام صحت میں کوئی فرق پایا جائے۔ تو ذبح ہوا ہوا جانور یہودیوں کو کھانے کی ممانعت کی جاتی ہے۔ مثلاً ۱۹۰۰ء کی آخری ششماہی میں صرف

لنڈن میں اکیس ہزار بھیڑیں یہودیوں نے ذبح کی تھیں۔ اور ان میں سے چھ ہزار رد کی گئیں۔ جو عیسائیوں نے کھائیں۔ غرض یہودی ذبیحہ کھانے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ اور سوئٹزرلینڈ میں جہاں کے قانون کے مطابق وہ اپنے رسوم کے ساتھ ذبح نہیں کر سکتے۔ وہ وہاں دوسرے ملکوں سے ذبح شدہ گوشت جس پر ذبیحہ کی مہر لگی ہو منگوا لیتے ہیں۔

ٹوپی اور پگڑی کا اثر

میں سفر یوروپ کے تمام مدت میں ٹرکی ٹوپی ہی پہنے رہا۔ گو لنڈن وغیرہ شہروں میں بعض اوقات مجھے لوگوں نے صلاح دی کہ ایک انگریزی ٹوپی خرید کر پہن لوں لیکن مجھے ضرورت معلوم نہ ہوئی۔ البتہ کبھی کبھی جب زیادہ سردی معلوم ہوتی تو میں پگڑی باندھ لیتا چنانچہ برلن میں پانچ چار روز میں نے پگڑی بھی باندھی جو کچھ تو سردی کی وجہ سے تھی اور کچھ اس خیال سے کہ ویانا اور برلن میں دو تین دفعہ بعض لوگوں نے مجھ سے ٹرکی زبان میں گفتگو کرنا چاہی اور مایوس ہوئے۔ بعض لوگ عربی میں بھی مجھے مخاطب کرتے۔ کارل سٹانگین ہنسچ ایجنٹ کا کلرک عربی میں گفتگو کرتا تھا۔ میرے دل میں تھوڑا سا یہ بھی خیال گزرا تھا۔ کہ اب کوئی کوئی ہندوستانی بھی گھر سے باہر نکلنے لگے ہیں یا کوئی اور بھولا بھٹکا ہندوستانی کہیں سے مجھے دیکھ لے تو پہچان سکے، مگر وہاں کے لوگ خصوصاً عورتیں اور بچے تو پگڑی کو عجیب لباس خیال کرتے تھے۔ اور کئی راہ چلتے اشارے کرتے جاتے تھے۔ اس ٹوپی اور پگڑی سے مجھے کسی قدر نقصان بھی ہوا کہ کئی لوگوں گاڑی والوں اور مزدوروں وغیرہ نے مجھے نیم وحشی سمجھ کر مجھ سے واجبی حق سے زیادہ پیسہ تقاضا کر کے لیا۔

اتھنالوجی کا عجائب گاہ

فولکر کمنڈے عجائب گھر کہ جسے اتھنالوجیکل میوزیم بھی کہتے ہیں۔ برلن کی نہایت دلچسپ عجائب گھر ہے جسے آٹھ جولائی بروز یکشنبہ کو میں ایک جرمن دوست کے ساتھ دیکھنے گیا۔ جو آج مجھے نواح برلن میں اپنے گھر لے جانے کے لئے لینے آیا تھا۔ آج بارہ سے دو بجے تک عجائب گھر کھلا تھا۔ یہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں لیتے۔ اور نہ چھتریوں کی اجرت دینی پڑتی ہے

مگر پھر بھی میرے دوست نے جاتے ہوئے ایک آنہ دے دیا۔ مکان کے وسطی ہال میں مختلف قوموں کے مذہبی عادات کے بت اور دیوتا موجود تھے۔ یہیں جگن ناتھ پوری کی مشہور رتھ کی نقل اصلی رتھ کے حجم کی رکھی ہوئی تھی کہ جس کے پہیوں کے نیچے قدیم زمانہ میں اہل ہنود کچل کر مرجانا نجات اخروی سمجھتے تھے۔ مکسیکو کا ایک بہت بڑا گول پتھر جس پر وہاں کے دیوتاؤں کی تصویریں کھدی تھیں پڑا تھا جس کی نسبت خیال ہوا کہ اسے یہاں تک لائے کس طرح ہوں گے۔ ایک ترکی بڈھی کا موم کا بت زیورات پہنے کھڑا تھا جس کے ایک ہاتھ میں پیچوان اور سامنے رحل پر قرآن کھلا ہوا رکھا تھا۔ عجائب گاہ کی پہلی منزل پر یونانیوں کے برتن اور کھلونے۔ اہل سائبیریا ترکستان اور قدیم اہل جرمنی کے قدیم وجدید سوشل ضروریات پوشاکیں اور آثار تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قدیم زمانہ میں اہل جرمن لاشیں جلاتے تھے۔ بعض لاشیں مثل ممی کی محفوظ بھی رکھی جاتی تھیں اہل جرمن و سویڈن ناروے کے قدیم زمانہ کے زیورات میں بالکل اسی قسم کی ہنسلیاں اور بل دار چوڑیاں جیسی آجکل پنجاب کے دیہات میں پہنی جاتی ہیں، اور جنہیں ”ول“ کہتے ہیں دیکھی گئیں۔ ایک قسم کی ہنسلیاں چاندی کے تاروں کو رسی کی طرح بل دیکر بنائی گئی تھیں۔ جو بیچ میں زیادہ اور سروں پر کم ہو کر ایک ہوگئی تھیں۔ اور بجنسہ اسی طرح کی تھیں جیسے کہ پنجاب میں۔ بچوں کے گلے میں جو چاندی کے ”وھادے“ پہنائے جاتے ہیں۔ ایک جگہ بحیرہ بالٹک کے عربوں کے زیور تھے۔ لیکن بالٹک میں عرب گھر بنا کر کب رہے تھے؟۔

ان سب چیزوں کے دیکھنے سے خیال ہوتا تھا کہ انسان کی ابتدائی نسلیں اپنے سامانوں اور ضرورتوں میں کسقدر ایک دوسرے کے مشابہ تھیں۔ اسی سے واقفان علم انتھالوجی نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ ان قوموں میں کسی زمانہ میں باہمی تعلق اور ضبط و ربط تھا۔ جب ہی تو ان کے حالات اس قدر ملتے جلتے ہیں۔ دوسری منزل پر وحشی افریقہ کے مختلف اقوام کی ضروریات ان کی مختلف شکلوں اور قومی دیوتاؤں کے متعلق

سامان کا بڑا بھاری ذخیرہ تھا۔ افریقہ کے بیشمار مختلف قومیں آپس میں ایک دوسرے سے نہ بلحاظ شکل صورت ہی کے مختلف ہیں۔ بلکہ بلحاظ و عادات وخیالات اس قدر متفاوت ہیں۔ کہ گویا ایک دوسرے سے بڑے بڑے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ بعض قدیم قوموں میں جو افریقہ اور نیز امریکہ کی ہیں۔ مردوں کی لاشوں کو محفوظ کر کے رکھنے کا رواج پایا جاتا ہے۔ اور ان کے مردوں کی بیسیوں لاشیں موجود ہیں۔ ایسی وسیع نمائش گاہ پر جرمنی کے لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔ حق تو یہ ہے۔ کہ ہر صیغہ میں کافی سامان اس ملک کے لوگوں کی ضروریات اور حالات کا ہے۔ وحشیان افریقہ کی ایک بہت بڑی لکڑی کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائی ہوئی کشتی بھی رکھی ہوئی ہے۔ اور کئی ایک پورے قد کے جھونپڑے سرکنڈوں اور پھوس کے بھی موجود ہیں۔ تیسری منزل میں سیلون۔ ہندوستان کشمیر۔ ہمالیہ۔ برہما تبت۔ سیام۔ چین جاپان کے ذخیرے تھے۔ مگر عرب و ایران کے سامان بالکل نہ تھے میرے ساتھی کو ہندوستان کی مختلف اقوام کے بتوں کی شکل و شباہت میں اس قدر فرق دیکھ کر تعجب ہوا۔

پنجاب کے متعلق ذخیرہ کافی نہ تھا۔ گو لاہور کے کسیرے بازار کی آٹھ آنے والی ایک چارپائی بھی پڑی تھی۔ لیکن اس سے لوگ یہی نتیجہ نکالتے ہوں گے۔ کہ ہندوستانی صرف ایسی ہی چارپائیاں استعمال کرتے ہوں گے۔ ایک صادق الاخبار بہاولپور کا نمونہ سیالکوٹی کاغذ پر چھپا ہوا رکھا تھا۔ میں نے وہاں رکھنے کے لئے پیسہ اخبار اور انتخاب لاجواب کے نمونے مع ایک سنہری لکھے ہوئے مراسلہ کے جو اتفاقاً میرے پاس تھا۔ عجائب گاہ کے اعلیٰ افسر کے پاس بھجوا دئے۔ جس نے مجھے بعد میں شکریہ کا ایک خط بھیجا۔ چین اور جاپان کے زندگی کے بہت بڑے سامان جمع کئے گئے ہیں۔ اور چینیوں کے فنوں اور زندگی کے ضروریات پوری طور پر دکھلائی گئی ہیں۔ اور آج کل بوجہ شورش چین کے انہیں ہی لوگ زیادہ توجہ سے دیکھتے تھے۔ کئی چینی بُت پورے قد کے تیار رکھے تھے۔ ایک جگہ ایک ماہی گیری کی کشتی

اور اس کے ساتھ کئی بنگلے رکھے ہوئے تھے۔ ان بنگلوں سے چینی مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ لیکن اس لئے کہ وہ ہی مچھلی نہ نگل جائیں۔ ان کے گلوں میں چھلے ڈال رکھے تھے۔ چینیوں کا کشیدہ اور دیگر دستکاریاں ان کی غضب کی لیاقت ظاہر کرتی ہیں ایک جگہ ہاتھی دانت کے گولے تھے۔ جو ایک دوسرے پر غلاف کی طرح چڑھے ہوئے تھے۔ یعنے کہ ایک ہی بڑے ٹکڑے کو کاٹ کاٹ کر اسی میں سے یہ سب گولے نکالے گئے تھے۔ جو تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اندر لپٹے تھے۔ چوتھی منزل پر بھی چینیوں کی چیزیں اور سپاہیوں کے بُت اور اسلحہ جنگ وغیرہ تھے۔ عجائب خانوں کے محافظ بھی معقول اور خاصے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں *

عجائب گاہ سے فارغ ہو کر ہم نے ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھایا۔ اور پھر پالسڈم ریلوے سٹیشن سے گرونا والڈ کی آبادی کو گئے۔ جہاں قریب ہی قیصر جرمنی کے ہرنوں کا خوبصورت جنگل کئی میل کا ہے۔ اور جہاں عین آبادی کے وسط میں پرنس بسمارک کا ردیس مجسمہ معہ ایک بڑے کتے کے نصب تہا۔ کیونکہ وہ یہیں رہنا پسند کرتا تھا جرمنی کے بڑے کتے شیر کے ہم قد ہوتے ہیں۔ ریل کے سٹیشنوں پر بوجہ اتوار کے بڑی رونق تھی۔ اتوار کے روز عورت مرد سب تفریح اور سیر میں صرف کرتے ہیں۔ اور بہت لوگ شہر سے باہر چلے جاتے ہیں۔ جو لوگ دن بھر شہر میں کام کرتے ہیں۔ اور رات کو مضافات شہر میں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں۔ مزدوروں کے سیزن ٹکٹ جو چھ سات میل کے حلقے کے اندر رہنے والے ہیں۔ روپیہ سوا روپیہ ماہوار سے زیادہ قیمت کے نہیں ہوتے۔ جو دراصل برائے نام کرایہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ غریب لوگوں اور مزدوروں کو ہر طرح سہولت بہم پہنچائی جائے۔

ایک ہی جگہ میں مختلف طرز تعمیر کے مکانات

اس آبادی میں بڑے بڑے امیروں نے شہر سے باہر گھر بنا رکھے ہیں اور ہر گھر کی طرز تعمیر نرالی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی عمارت کی رومن کسی کی گاتھک کسی کی گریک کسی کی اسلامی

اور کسی کا مخلوط طرز اختیار کیا ہے۔ بقول میرے رفیق کے معماروں نے اپنی عقل کی جولانی دکھانے کو مختلف طرز کی عمارتیں بنائی ہیں۔ برقی ٹریموے یہاں بھی چند منٹ کے بعد گذرتی ہے۔

اطلاع کی گھنٹی

دستور ہے کہ یہاں دیوار میں ایک حلقہ یا بٹن ہوتا ہے۔ کہ جس کے دبانے سے مکان کے اندر گھنٹی بجتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی شخص دروازہ کھلوانا چاہتا ہے زور سے گھر والوں کو پکارنے اور چلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مسٹر ہوجر میرے رفیق نے اسی طرح اپنے گھر پہنچ کر اطلاع دی خادمہ نے آکر دروازہ کھولا۔ مسٹر ہوجر نے مجھے اپنی بیوی سے ملاقات کرائی۔ اور پھر میاں بیوی نے اپنے گھر کے کمرے اور تمام سامان اور

گھر کا سامان

کھلونے دکھلائے۔ یہ متوسط الحال لوگ ہیں۔ لیکن گھروں کا سامان ایسا ستھرا اور خوشنما ہے۔ اور ایسے سلیقہ سے سجایا ہے۔ کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہوجاتی ہے۔ ان کے کئی کھلونوں اور چھوٹے چھوٹے مکان سجانے کے چیزوں کی تاریخ ہے۔ جو مجھے سنائی گئی۔ یہی کیفیت میں نے یوروپ کے مختلف ملکوں انگلستان وغیرہ میں بھی دیکھی ہے۔ جس گھر میں میں گیا ہوں۔ وہیں گھر کی خانم نے مجھے کئی چینی کے برتن یا کھلونے اور سامان جو اسے یا اس کے بچوں یا شوہر کو کبھی تحفہ ملا ہو یا شاید پچاس سو سال سے اُن کے کنبہ کے پاس چلا آیا ہو یا کسی رشتہ وار نے کسی دُور کے ملک سے تحفہ بھیجا ہو بطور نادر شے کے دکھلاتے ہیں۔ ایسی چیزوں سے ان لوگوں کو بڑی دلبستگی ہوتی ہے۔ لنڈن میں ایک عمر رسیدہ لیڈی نے مجھے وہ کھلونے دکھلائے تھے۔ جو اُسے چار پانچ سال کی عمر میں اسکی سالگرہوں کے موقع پر عزیزوں نے بطور تحفہ دیئے تھے۔ ہمارے ملک میں ان باتوں کا رواج بوجہ ناقدری نہیں ہے۔

ایک گھر میں کھانا

تھوڑی دیر کے بعد صاحب خانہ کے کھانے کے کمرہ میں جانا ہوا۔ جو خوب آراستہ تھا۔ کھانے پر بیٹھے تو پہلے پہل شوربا آیا

جو دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ ٹرٹل یعنے کچھوے کا ہے۔ میں نے کھانے سے عذر کیا۔ میزبان اور اس کی بیوی نے بھی عذر کیا کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں یہ چیز نہیں کھاتا۔ کیونکہ یہ بڑے تکلف کا لذیذ اور اسی لیے گران قیمت کھانا ہوتا ہے۔ پھر جھینگہ مچھلی کا دور آیا۔ میں نے اس کے کھانے سے بھی عذر کیا۔ اور انڈے لے لیئے دو تین قسم کا گوشت اور مربہ لیا۔ روٹی مکھن چائے چیری کا شربت۔ پنیر۔ پڈنگ وغیرہ میوجات تازہ۔ مثل چیری۔ رسپبری۔ اخروٹ۔ سیب اور شفتالو۔ باری باری سے کھائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ میرے لیے ایک پر تکلف دعوت کی تیاری کی گئی تھی۔ ایک شفتالو کی قیمت پچیس فینی یعنے ۳ر تھی۔ جو کاغذ کے بکسوں میں ایک ایک خانہ میں ایک ایک بند کر کے اٹلی سے لائے جاتے ہیں۔ پڈنگ پر پسے ہوئے بادام پڑے تھے۔ پستہ اور آم کو یہاں کے لوگ جانتے تک نہیں۔ جب میز پر دوسرا کھانا منگوانا منظور ہوتا۔ تو دیوار میں ایک بٹن دبانے سے باورچی خانہ میں گھنٹی بجتی اور خادمہ خود بخود دوسرا کھانا لے کر حاضر ہو جاتی۔ دو تین گھنٹہ تک کھانے پر بیٹھے رہے۔ مجھے میوجات اور کھانے کا بار بار اصرار کیا جاتا تھا۔ آپس میں میاں بیوی ایسا برتاؤ کرتے تھے۔ جو بالکل بے تکلف کا معلوم ہوتا تھا جب بیوی کوئی چیز دیتی تو میاں تھینکس کہکر لے لیتا۔ اثنائے گفتگو میں مسز ہوجر نے کئی ایسی باتیں کیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑی باخبر عورت ہے۔ اور کثرت سے اخبار پڑھتی ہے۔ مسٹر ہوجر کا قول تھا۔ کہ جرمن عورتیں پالٹیکس میں دخل دینا پسند نہیں کرتیں۔ اور بہت عمدہ بیویاں ہوتی ہیں۔ البتہ اپنے شوہروں سے باتیں کرنے اور انہیں بہلانے کے لیے پالٹیکس سے باخبر رہتی ہیں یہاں تک کہ موجودہ قیصر بیگم بھی اپنے شوہر کے پالٹیکس میں دخل نہیں دیتیں۔ گو قیصر ہر امر میں ان سے مشورہ لیتا ہے۔ لیکن وہ مشورہ سے آگے ایک قدم نہیں رکھتیں۔ اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بذات خود مصروف رہتی ہیں ؎

تصویر والے کارڈ جمع کرنیکا شوق کھانے کے بعد ہم لوگ ڈرائنگ روم میں گئے

اور یہاں میاں بیوی نے مجھے اپنی تصویروں اور تصویر والے کارڈوں کے البم دکھلائے تصویر والے کارڈوں کے جمع کرنے کا رواج دو تین سال سے برلن اور عموماً تمام یوروپ میں بطور مرض متعدی کے پھیلا ہوا ہے۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نئے نئے ڈیزاین کے کارڈ چھاپے جاتے ہیں۔ ہر تاریخی واقعہ مثلاً قیصر کے بیت المقدس کی زیارت کو جانے۔ یا جنگ چین پر۔ جرمن فوج چین بھیجنے یا کسی تاریخی مقام یا خوبصورت منظر اور دلچسپ خیال کا کارڈ چھاپ دیا جاتا ہے۔ بلکہ کرسمس کارڈ بھی اب پوسٹ کارڈوں پر چھاپے جاتے ہیں۔ پتہ کی جانب ذراسی جگہ خالی ہوتی ہے۔ دوسری طرف بعض پر تو مضمون کے دو چار لفظ لکھنے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ لوگ ان کے مختلف نمونوں کو اسی شوق سے جمع کرتے ہیں۔ کہ جس طرح ڈاک کے پرانے ٹکٹ جمع ہوتے ہیں بعض کارڈ ایسے پر تکلف ہوتے ہیں۔ کہ دو دو شلنگ قیمت پاتے ہیں۔ لوگ اپنے دوستوں کو فرمائشیں کرتے ہیں۔ کہ جس شہر سے گزرو وہاں سے باتصویر کارڈ ضرور بھیجنا۔ اسی اثنا میں رات کے گیارہ بج گئے۔ اور ان لوگوں نے مجھے بڑے تپاک اور مہربانی کے ساتھ رخصت کیا۔ میرے اظہار شکر گزاری پر صاحب خانہ کی بیوی نے کہا کہ چونکہ مسافر کا وقت مقیم کی نسبت زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اس لئے ہم آپ کے قدم رنجہ کرنے کے زیادہ شکر گزار ہیں۔ یہاں سے ایک میل پر دوسرا ریلوے سٹیشن تھا۔ یہاں مجھے میرا رفیق ریل میں سوار کرا گیا۔ اور بتلا گیا کہ آٹھویں سٹیشن پر اتر پڑنا چنانچہ میں بارہ بجے اپنی ہوٹل میں بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا پہنچ گیا۔ گو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ لیکن بازاروں میں بھیڑ ایسی تھی۔ کہ گویا ابھی سر شام کا وقت ہے۔

ہندوستانی خدمتگار برلن میں

اثنائے گفتگو میں آج میزبان کی بیوی نے کہا کہ جب ہندوستان میں مزدوری کی شرح اتنی کم ہے۔ تو کیوں نہیں وہاں سے بہت سے لوگ خدمتگاری کی نوکری اور دوسری مزدوریوں کے لئے یہاں آجاتے۔ یہاں مزدوری بہت گراں ہے۔ یہاں گھروں میں خادمہ بڑے نخرے سے نوکری کرتی ہیں۔ نوکر ہونے سے پہلے پوچھ لیتی ہیں۔ کہ کام کیا کیا

کرنا ہوگا۔ کھانا کتنا ملیگا۔ اس ہیں پڑ نگ کتنا ہوگا۔ اور فلان فلان کام تو ہم سے نہیں ہو سکیگا۔ اگر خادمہ نے وس شانگ کا گلاس توڑ دیا۔ اور اسے ذرا بھی چشم نمائی کی گیئ۔ تو وہ جھٹ کہدے گی۔ کہ تمہارا کام ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تم اپنا کام سنبھالو ہم جاتے ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان کے نوکر بہت جفاکش اور خدمتگزار ہوتے ہیں۔ لیکن زبان اور رسم و رواج کی ناواقفیت اور یہاں کے نوکروں کی ناراضگی کی وجہ سے وہ شاید یہاں نہ ٹھیر سکیں۔ علاوہ اس کے ہندوستانی ابھی گھروں سے باہر جانا نہیں سیکھے۔ اس نے کہا کہ ۱۸۹۶ء میں جو برلن میں ہندوستان کے متعلق نمایش ہوئی تھی۔ تو اس میں چند ہندوستانی لڑکے بھی آئے تھے۔ اور نمایش کے خاتمہ پر کیئ اہل برلن نے چاہا تھا۔ کہ ان لڑکوں کو رکھ لیں۔ اور انہیں اپنے گھروں میں بچوں کی طرح پرورش کریں۔ لڑکے بھی یہاں رہنے کو خوش تھے۔ لیکن ان کے والدین انہیں یہاں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اب بھی اگر کوئی ہندوستانی لڑکے یہاں آئیں۔ تو لوگ بخوشی انہیں پرورش کرنے کو اپنے پاس رکھ لیں۔ کیونکہ کئی آدمیوں نے برلن میں حبشی بچے رکھ لئے ہیں۔ جنکو انہیں حسب قانون ملک مدرسہ میں بھی بھیجنا پڑتا ہے۔ بلکہ اس نے کہا کہ مجھے اگر ایک بچہ ہندوستان سے گھر میں رکھنے کے لئے منگوا دو تو میں نوکروں کی طرح نہیں۔ بلکہ اچھی طرح

ستھرے اور پاکیزہ مکانات

یہاں کے رہنے کے مکانات بڑے پر تکلف اور صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اور یہی حال سارے یوروپ کے شہروں کا ہے چھتوں میں کڑیاں کہیں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ صاف لکڑی یا گچ کے چھت پر خوشنما بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ بمبئی کلکتہ میں بھی کئی مکانوں کی چھت اسی قسم کی ہے دیواروں پر بیل بوٹے والا کاغذ اور کہیں کہیں کپڑا چسپاں کیا جاتا ہے۔ اس لئے مکانات میں گرد کہیں سے نہیں آتی۔ نہ ان ملکوں میں آندھیاں آتی ہیں۔ پردے نہایت مکلف ریشمی طلائی کام کے یا فینسی گاچ وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ سامان اور فرنیچر

لکڑی پیتل۔ تانبے۔ چینی اور ماربل کا ہوتا ہے۔ چارپائیاں اور بچھونے بھی نہایت پر تکلف اور آرام دہ ہوتے ہیں۔ ہوٹلوں میں چادریں اور تکیوں وغیرہ کے غلاف بہت جلد جلد بدلے جاتے ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کے سفید تولیے ہر روز بدلے جاتے ہیں ہوٹلوں رسٹارنٹوں میں کھانے پر صاف دھوئے ہوئے تولیے ملتے ہیں ایک ویجی ٹرین رسٹارنٹ میں کاغذ کا رومال ملتا تھا جسکو ہاتھ منہ پونچھ کر پھینک دیا گویا اس کی قیمت دوسرے رومال کی دھلائی کی قیمت سے بھی کم تھی۔

مضافات شہر کے کھیتوں میں جہاں سبزی ترکاری بوئی جاتی ہے۔ کسانوں نے مختلف کیاریوں میں لکڑیاں گاڑ کر ان پر ناموں یا نمبروں کے بورڈ لگا رکھے ہیں۔ اور یہیں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے گھر جیسے کہ ریل کے سٹیشنوں میں سگنل دینے والوں کے لئے ہوتے ہیں بنا رکھے ہیں۔ غریبوں کے بچے یہاں بھی ننگے پاؤں پھرتے دیکھے ہو

بلجیم وغیرہ

جہاں گشتم و در وا ہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

۱۱ر جولائی کو علی الصباح اٹھ کر میں نے چند خطوط شکریہ کے اُن اہل برلن کو لکھے کہ جنہوں نے مجھ سے مسافر نوازی کا برتاؤ کیا تھا۔ اور مختلف مقامات کے دیکھنے اور واقفیت بہم پہنچانے میں میری مدد کی تھی۔ یوروپ میں میں نے دیکھا ہے کہ گویا ساڑھے تین بجے صبح طلوع ہو جاتی ہے۔ تاہم عام لوگ ساڑھے سات سے

آٹھ نو بجے تک سوتے رہتے ہیں۔ اور اسی لئے پانچ چھ بجے اٹھنا یہاں بہت سویرا کہلاتا ہے۔

ٹپ کا سب کو شاکی پانا

اب سوائے اسباب باندھنے اور ہوٹل کا بل چکا دینے کے اور مجھے کوئی کام نہیں تھا تاہم مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے سر پر ابھی کام کا بھاری بوجھ لدا ہوا ہے۔ کیونکہ چلنے سے پہلے ہوٹل کے کئی ملازموں کو انعام دینا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ یہ انعام یا ٹپ کا سلسلہ میرے لئے تو سفر کی ایک بہت بڑی صعوبت تھی۔ بلکہ میں نے جس اجنبی یا اہل یوروپ سے اس مشکل میں مدد مانگی ہے۔ سب ہی کو اس سے نالاں پایا۔ کیونکہ سفر میں ذراسی ہر نقل وحرکت کے لئے ٹپ دینا پڑتا ہے۔ خصوصاً ہوٹلوں کے کئی ملازموں کو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ مالکان ہوٹل تنخواہ نہیں دیتے۔ اور صرف مسافروں کے انعام پر ان کا گزارہ ہوتا ہے۔ اس لئے اب یہ رسم قرار پا گئی ہے۔ کہ مسافر ہوٹل سے رخصت ہونے سے پہلے فلاں ملازموں کو حسب حیثیت کچھ دے کر جائے۔

رخصت ہوتے وقت کس کس کو کیا کیا دینا چاہیے

پورٹر جو ہوٹل کے دروازے پر رہتا ہے۔ یہ ہمیں ہر قسم کی اطلاع دیتا ہے۔ اگر گاڑی چاہیئے تو دروازے پر کھڑے ہو کر سیٹی بجاتا ہے۔ تو گاڑی والا آجاتا ہے۔ اگر ہم کو شہر میں ٹیلیفون میں کسی شخص سے بات چیت کرنی ہو۔ تو یہ ہمارے لئے بات کر دیتا ہے۔ اس کے پاس ڈاک کے ٹکٹ موجود رہتے ہیں۔ قیمت لیکر خطوں پر لگا دیتا ہے۔ یہ بھی بتلا دیتا ہے۔ کہ کس کمرے کا کیا کرایہ دینا پڑیگا۔ جب ہوٹل میں ٹھیرنے کو آئیں۔ تو قلیوں یا گاڑیبان کو کرایہ اپنی گرہ سے دیکر حساب میں لکھ لیتا ہے۔ اور جب خط ڈاک میں آئیں تو فوراً ہمارے کمرے میں ایک لڑکے کے ہاتھ بھیج دیتا ہے۔ یہ شخص سب سے زیادہ انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ شخص ہوٹل کی ناک ہوتا ہے۔ لیکن اسے ایک حبہ تنخواہ نہیں ملتی۔ بلکہ یہ اپنی انعام کی آمدنی سے دو تین اور چھوٹے موٹے ملازم ہوٹل کے لئے نوکر بھی بطور خود رکھ لیتا ہے۔ مگر چیمبر میڈ یعنی وہ خادمہ جو ہر روز جب کمرہ سے

باہر جانا ہوتا ہے، وہ دوسری کنجی سے جو اپنے پاس رکھتی ہے، تمہارا کمرہ کھول کر اُسے
صاف کرتی ہے۔ منہ ہاتھ دھونے اور پینے کا پانی بھرتی ہے۔ ہر روز رومال بدلتی ہے اور
مستعملہ پانی پھینکتی ہے۔ بچھونا جھاڑ جھوڑ کر بچھاتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو کپڑوں میں
بٹن بھی ٹانک دیتی ہے۔ کسی دوسرے سے انعام کی کم مستحق نہیں۔ اس کے علاوہ وہ
مزدور جس نے اسباب گاڑی سے نکال کر کمرے میں لا کر رکھا تھا۔ اور اب چلتے وقت
وہی پھر گاڑی میں لیجا کر رکھیگا۔ وہی شخص ہے جو ہر روز بوٹ بھی صاف کرتا ہے
جن کو سونے سے پہلے کمرے کے باہر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر کوٹ اور پتلون
وغیرہ بھی دروازے کے باہر کی کھونٹی پر شب کو لٹکا دیں۔ تو وہ برش بھی مار دیتا
ہے۔ اس لئے یہ سب سے زیادہ انعام بلکہ حق الخدمت کا مستحق ہے۔ اس طرح چھوٹا
لڑکا جو تمہارے خط دو تین مرتبہ ڈاک بکس میں ڈال آیا ہے۔ لفٹ والا جو تمہیں ہر روز
دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں بلکہ چھٹی منزل پر لفٹ کے ذریعے سے پہنچاتا ہے
گو تنخواہ دار ہے۔ لیکن انعام کا منتظر ہے۔ کھانے کے کمرے میں ویٹر ہر کھانے
پر کھانے کی قیمت کے دسویں حصہ کے برابر انعام کا امیدوار ہے۔ المختصر ہر در و دیوار
انعام کا طلبگار ہے۔ خصوصاً جس روز تم ہوٹل سے رخصت ہونے لگو۔ اس لئے
ناتجربہ کار اور نوآموز مسافر کے لئے اگر وہ ثروت بھی زیادہ ہو۔ تو یہ بڑے امتحان کا
وقت ہوتا ہے۔ جب تم ان سب کو دے دلا کر چھٹکارا ملا اور سٹیشن کو چلے۔ تو
اسباب بک کرانے کے لئے ہوٹل سے ایک شخص کو ساتھ لے جانا پڑتا ہے۔ جو زبان
اور دستور سے آگاہ ہے۔ سٹیشن پر (قلی) موجود ہوتے ہیں۔ وہی اسباب
گاڑی سے اُتار کر تولنے کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ وہاں ایک اور شخص اسباب
تولتا ہے۔ اور بکنگ کلرک کو وزن بتلاتا ہے۔ لیکن اجرت کا وہ بھی مستحق ہے
قلی گاڑی میں اسباب رکھ کر اُجرت مانگے گا۔ اور جو منہ سے مانگے گا لیگا۔ کیونکہ
وہ جنٹلمین ہے۔ لکھا پڑھا ہے۔ جھوٹ تھوڑا ہی بولیگا۔ اور تمہیں دھوکا تھوڑا
ہی دیگا۔ بلکہ بعض اوقات قلی سے پوچھا جاتا ہے۔ تمہارا حق الخدمت کیا ہے۔ جو

وہ تبلاتا ہے جبراً و قہراً دینا پڑتا ہے۔ ہوٹل کے ملازم کو بھی جو ساتھ آیا تھا۔ کچھ دینا چاہیئے اگرچہ اس نے تمہارا کوئی خاص کام نہیں کیا مگر وہ بھی انعام کا مستحق ہے۔ کیا اس صورت میں ہندوستانی مسافر بشرطیکہ وہ بہت زیادہ دولتمند نہ ہو۔ اگر کسی شہر سے رخصت ہوتے وقت دیوانہ اور ہوش باختہ ہو جائے۔ تو کچھ تعجب کی بات ہے مجھے ایسے وقتوں میں ہندوستان کے روپیہ پر رحم آتا تھا جو تھوک کی طرح یورپ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اور ہندوستان میں فقیر کو دو پیسے دینے میں تامل کیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ سب مرحلے طے کر کے میں ۱۱ جولائی کو برلن سے برسلز پایہ تخت بلجیم کو روانہ ہوا۔ بڑے بڑے شہروں سے روانہ ہونے کے لئے نووارد مسافر کے لئے ایک بڑی دقت یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ معلوم کرے کہ فلاں طرف کو جانے کے لئے کس سٹیشن سے کس ریل پر سوار ہوتا ہے۔ اور پھر فلاں شہر تک کونسی گاڑی تھرو ہے۔ بہر حال میں جس بارونق بازار فریڈریش سٹراسے میں مقیم تھا۔ اُسی نام کے سٹیشن سے پیرس کو روانہ ہوا۔ یہاں ایک جرمن سے ملاقات ہوئی۔ جس نے

میرے ہمسفر

مجھ سے پہلی بات بمبئی کی ٹوٹی پھوٹی اردو میں کی۔ میں اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص تیس سال تک بمبئی میں ریل پر انجنیر رہا ہے۔ اور اب پنشن لیکر وطن میں آیا ہے۔ عمر بھر مجرد رہا ہے۔ اور اب باسٹھ سال کی عمر میں ایک بائیس سال کی عورت سے شادی کی ہے۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ہندوستان میں سب سے بڑا عیب بچپن کی شادی ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے تو اس سے خوب عبرت حاصل کی ہے۔ تاہم یہ شخص اہل ہند کی مسکنت اور شرافت کو بہت پسند کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ جس قدر ہندوستانیوں کی قدر کرنی چاہیئے۔ انگلشمین نہیں کرتے۔ اس کی رائے میں ہندوستان کے افلاس کا بڑا سبب ہر سال بہت سا روپیہ انگلستان کو چلا جاتا ہے۔ اسی کمرے میں ایک انگریز عورت تھی جو پولینڈ سے آ رہی تھی اور جو کولون تک میری ہمسفر رہی۔ یورپ میں عموماً لوگ ایک سے زیادہ زبانیں جانتے ہیں کہ جن میں انٹرنیشنل طور پر فرانسیسی کا درجہ اول اور انگریزی کا دوم ہے

پسینجر ایجنٹس

میں نے بمبئی سے ہی جہاز کے ٹکٹ کے ساتھ ریل کا ٹکٹ بھی ہمبرگ تک خرید لیا تھا۔ لیکن وہاں آکر میں نے برلن تک کا ٹکٹ رکھا اور باقی کے دام کک کے دفتر سے واپس لے لئے۔ کیونکہ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ برلن دیکھ لینے کے بعد ہمبرگ دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ جس طرح ہندوستان اور یورپ کے اکثر مقامات میں طامس کک کا دفتر مسافروں کے آرام و سہولت کے لئے قائم ہے۔ یورپ کے مختلف مقامات میں ایسے کئی اور کارخانے ہیں۔ جو "پسینجرز ایجنٹ" کہلاتے ہیں۔ ان کا فرض یہ ہوتا ہے۔ کہ مسافروں کو ہر ریلوے لائن اور ہر جہاز کی لائن کا ہر مقام کے لئے ٹکٹ دے سکیں۔ مسافروں کو بتلا سکیں کہ فلاں مقام کو فلاں رستہ سے جانا چاہیئے۔ جن مسافروں کے پاس ان کے ٹکٹ ہوں خاص خاص مقامات میں ان کے ایجنٹ ان مسافروں کی رہنمائی اور مدد کرتے ہیں۔ ان کو ٹھگے جانے سے بچاتے ہیں۔ مختلف ممالک کے سکے تبدیل کر دیتے ہیں۔ مسافروں کے خطوط جو ان کے پتہ سے آتے ہیں انہیں دے دیتے ہیں غرض تمام ایسے کام کرتے ہیں۔ کہ جن سے مسافروں کو آرام ملے۔ لیکن اکثر کاموں کا معاوضہ ان سے کچھ نہیں لیتے۔ بلکہ ان ریلوں اور جہاز کی کمپنیوں سے کمیشن لیتے ہیں۔ کہ جن کے ٹکٹ بیچتے ہیں۔ برلن میں اسی قسم کا ایک کارخانہ "کارل شٹانگن" کا بڑا مشہور ہے۔ جس نے مسافروں کی سہولیت کے لئے بہت سے مقامات کی سیاحت کے حالات چھاپ رکھے ہیں۔ میں نے اس کارخانہ سے برلن سے کولون اور کولون سے برسلز پایہ تخت بلجیم اور برسلز سے پیرس کا ٹکٹ دوم درجے کا قریب ساٹھ روپے کو خریدا تھا لیکن جس گاڑی پر میں اب سوار ہوا تھا۔ یہ ایکسپریس (تیز رفتار) تھی۔ اس لئے مجھے دو مارک کا ایک اور ٹکٹ تیز رفتاری کی خاطر لینا پڑا۔

اب میں تھوڑا سا اس گاڑی کا ذکر کرتا ہوں۔ کہ جس میں میں نے سفر کیا تھا۔ یہ گاڑی پچھتر میٹر یا ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی تھی۔ ہر گاڑی کے ایک طرف ایک برآمدہ ہوتا ہے۔ جس میں سے تمام ٹرین کی گاڑیوں کے مسافروں کی آپس میں

آمد و رفت ہو سکتی ہے۔ ہر کمرہ جدا ہوتا ہے جس میں چھ نشستیں ہوتی ہیں گدیلے بڑے مکلّف اور کمانی دار تھے۔ اور بازوؤں کے رکھنے کے لئے بھی جگہ بنائی گئی تھی جو نشستوں کو الگ الگ کرتی تھی۔ ان سب نشستوں کا نمبر سلسلہ وار تھا۔ جو ٹکٹ پر گارڈ لکھ دیتا ہے۔ اور اسیطرح کمرے کے باہر دروازے پر ایک پلیٹ میں چھ نمبر لگے ہوئے تھے جن سے معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ کون کون سی نشست پر ہے۔ ریل کے ہر

گاڑیمیں خالی جگہوں کا حساب

کمپارٹمنٹ کے باہر اتنی تختیاں آویزاں ہوتی ہیں کہ جتنے آدمی اس کمرے میں بیٹھ سکتے ہیں۔ پس جو سیٹ گھر جاتی ہے اس کی تختی کو گارڈ الٹ دیتا ہے۔ اور ہر نئے سٹیشن پر جب ریل پہنچتی ہے۔ تو گاڑی کے برآمدہ میں جا کر بلا مسافروں کو جھانکنے کے باہر سے ہی گارڈ معلوم کر سکتا ہے۔ کہ اس درجہ میں کتنی جگہیں خالی ہیں۔ اور جو جگہ خالی ہے۔ اس پر اس سٹیشن کے مسافروں کو بٹھلا دیتا تھا۔ اول اور دوم درجہ کی گاڑیوں میں آرام کے لحاظ سے زیادہ فرق نہیں رہتا سوائے اس کے کہ دوم درجہ کے ایک کمپارٹمنٹ میں چھ اور اوّل درجہ کے کمپارٹمنٹ میں چار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اور بقول میرے ایک ہمسفر کے اول درجہ میں صرف لارڈ یا بیوقوف ہی زیادہ روپیہ خرچ کر کے بیٹھتے ہونگے۔ ان گاڑیوں کے پاخانوں میں زیادہ آرام ہوتا ہے۔ ایک تولیا بھی ہاتھ منہ پونچھنے کو ملتا ہے۔ ہر گاڑی کے پاخانہ کے کمرے میں "پینی ان دی سلاٹ مشین" میں دس کراؤنرز کا ایک سکہ ڈالنے سے مشین ایک چھوٹا سا پیکٹ باہر اچھال دیتی تھی جس میں تھوڑا سا صابن کا سفوف ایک چھوٹا سا رومال۔ اور پاخانہ پونچھنے کا تھوڑا سا لپٹا ہوا کاغذ ہوتا ہے۔ اگر دس کراؤنرز سے کم سکہ اس میں ڈالو تو یہ واپس پھینک دیتی تھی یہاں عورتیں کیسی بیباکی اور الہڑپنے کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں۔ بلکہ بیگانہ مردوں کے ساتھ بھی تنہا بے فکری سے سفر کرتی ہیں۔ عورتوں کی بے پردگی اور آزادی عام اور معمولی بات ہونے کی وجہ سے مردوں کو بھی ہر عورت کو دیکھ کر برا خیال نہیں گزرتا۔ مگر جن ملکوں میں پردہ کی رسم ہے۔ وہاں بے پردگی کے ساتھ ہی جھٹ برا خیال مردوں کے دل میں گزر جاتا

ایک سیدھی سی بات ہے۔ کیونکہ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ اِلٰی مَا مُنِعَ ایک قدرتی نتیجہ انسانی طبیعت کا ہے۔

چلتی گاڑی میں کھانا کھانا

میل ٹرین کے ہر کمرے میں ایک الارم رہتا ہے۔ جس کو صرف خوف یا حادثہ کے وقت ہلانا چاہیے۔ لیکن اس گاڑی کے ساتھ کھانے کا کمرہ بھی تھا۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میں نے ایک بٹن دبایا تو خدمتگار آگیا۔ اس سے ناشتا طلب کیا۔ وہ دو انڈے نمک وسیاہ مرچ (سرخ مرچ یوروپ میں کوئی نہیں کھاتا) قہوہ کی پیالی چینی، دودھ، ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹوسٹ دو تین قسم کے دو دو لے آیا۔ اور ایک چھوٹی سی میز پر لاکر رکھدیا جب میں کھاچکا تو وہ سب برتن اور میز اٹھا کر لے گیا۔ اور ڈیڑھ مارک یعنی ۱۲؎ اس کے دام میں اور دس فینی ۱ر۳ پائی انعام لے گیا۔ آج ریل کے دونوں جانب کا ملک نہایت سرسبز وشاداب تھا۔ حد نگاہ تک سرسبز اور خوش نما کھیت چلے گئے۔ جن کی ہم انگی کہیں کہیں سُرخ رنگ بستیوں اور کھپریل کے مکانات سے ٹوٹتی تھی۔ کاشتکاروں کے مکانات کا یہاں عجیب طریقہ ہے۔ اکثر کھیتوں میں مکانات بنے ہوئے ہیں جن کے گرد تھوڑی سی پھلواڑی اور میوہ دار درخت بھی ہوتے ہیں۔ آج کئی پون چکیاں بھی دیکھیں۔ مجھے اس سے پہلے آسٹریا میں سے گزرتے ہوئے بھی خیال ہوا تھا۔ کہ پیچیدہ مشینیں تو نہ سہی۔ لیکن پون چکی کیوں ہندوستانی زمیندار اور کاشتکار استعمال نہیں کرتے۔ صرف ایک مرتبہ پون چکی کا مکان اور اس کے پنکھے بنوالو۔ پھر اس سے مدت تک گہرائی سے پانی کھینچا کرو۔ اس میں کوئی زیادہ خرچ یا محنت درکار نہیں۔ میرا قصد ہے۔ کہ کسی وقت لاہور میں پون چکی تو ضرور تجربہ کے خیال سے کھڑی کروں گا۔ گو ایک انجینئر دوست نے مجھے یہ بھی کہا ہے۔ کہ یہاں اس قدر ہوا نہیں ہے جو لگاتار پنکھوں کو پھرا سکے۔

کارخانے کے دود کشوں کا جنگل

سہ پہر کے قریب ریل ایسے علاقہ سے گزری جس میں ہزاروں کارخانے دخانی لوہے اور فولاد کی مشینوں

توپوں۔ بندوقوں۔ کوئلہ نکالنے اور اسی قسم کی صنعتوں کے ہیں۔ ایک مقام ایسن سے گذر ہوا جہاں کارخانوں کی چمنیوں کا بلا مبالغہ ایک جنگل تہا۔ یہ ہزارہا چمنیاں کتنا مال تیار کر کے دنیا کا روپیہ کھینچتی ہونگی۔ یہیں جرمنی کی مشہور توپیں اور بندوقیں بنانے کا کرپ کا کارخانہ ہے۔ کہ جس کے آتشبار اسلحہ کے لئے یوروپ کی تمام سلطنتیں مشکور ہیں۔ اور اسی کی بدولت وہ یوروپ میں آج اول درجہ کا شخص شمار کیا جاتا ہے۔ اس وقت جو شخص اس کارخانے کا مالک ہے۔ اس کی دولتمندی کی تفصیل بیان کرنا بے سود ہے۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ جرمنی میں یہ سب سے دولتمند شخص ہے۔ اور یہ اس شخص کا بیٹا ہے جس نے اس کارخانے کی بنیاد رکھی تھی اور اس کو کامیاب کیا۔ اسی شخص کا بت برلن کے ٹکنیکل ہائی سکول کے سامنے نصب ہے۔ کہتے ہیں اپنے کارخانے سے بیس سال تک اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ اور باوجودیکہ وہ مستقل مزاج آدمی تہا۔ تاہم اس کی ہمت پست ہو گئی۔ مگر بیس سال کے انتظار کے بعد قسمت نے ہنسکر اس کی طرف دیکہا اور یہ امیر کبیر ہو گیا۔ اس کا کارخانہ میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جس کے اندر ہی لوہے اور کوئلے کی کانیں ہیں۔ قیصر ولیم اول شہنشاہ جرمنی نے اس کا کارخانہ دیکھ کر کہا تہا۔ کہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ کہ میری سلطنت کے اندر ایک اور چھوٹی سلطنت بھی ہے۔ بہرحال اس وقت تک پہلے کرپ کا وہ غریبانہ جھونپڑا بجنسہ کارخانے میں اس غرض سے محفوظ رکہا گیا ہے۔ جس میں وہ اپنی مفلسی کے زمانہ میں رہا کرتا تھا تاکہ مزدور لوگ اسے دیکھیں۔ اور باور کریں کہ وہ بھی اپنی موجودہ حالت سے ترقی کر کے اتنے اعلےٰ درجے تک پہنچ سکتے ہیں۔

مویشی کے لئے گھاس کا ذخیرہ جمع کرنا

برلن سے لیکر کولون تک تمام راستہ ایسا سرسبز تہا۔ کہ گویا صدہا میل کا ایک مسلسل باغ تھا۔ گھاس۔ غلہ۔ رائی۔ اور چقندر کے کھیتوں کی ان کے رنگوں سے تمیز ہو سکتی تھی جہاں تک نظر جاتی تھی۔ ہرے بھرے کھیتوں اور درختوں کے جھنڈوں کے بیچ میں سرخ اینٹوں اور کھپریلوں کے مکانات نظر آتے تھے۔ اکثر مکانات کے ساتھ خواہ تھوڑی جگہ ہو۔ لیکن پھلواری اور

ترکاری کے لئے بھی جگہ ضرور ہوتی تھی۔ میلوں میں گھاس کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔
اور ہزاروں عورتیں اور مرد لمبی لمبی درانتیوں سے کھڑے ہو کر کاٹتے اور خشک کرنے میں لگے
ہوئے نظر آتے تھے۔ میرے دل میں یہ کھُد بُدی ہوئی کہ کیوں اس قدر گھاس جمع کی جاتی
ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان ممالک میں صرف گرمی کے چھ مہینے ہی یہ سرسبزی اور فضلیں
اور درختوں کا رنگ روپ رہتا ہے۔ جاڑوں میں نہ صرف درختوں کے پتے جھڑ جاتے
ہیں۔ بلکہ زمین پر ایک تنکا بھی مشکل سے اُگتا ہے۔ زمین پر مہینوں برف پڑی رہتی
ہے۔ زمینداروں کے مویشی اور گھوڑے مہینوں اصطبلوں کے اندر بندھے رہتے
ہیں۔ اور سورج کی کرن نہیں دیکھتے۔ اس طول طویل زمانے کے لئے جانوروں کو جس
قدر چارہ چاہیئے۔ اس کا ابھی سے انتظام کیا جاتا ہے۔ اور جس توجہ سے کسان اپنے لئے
غلہ بوتا ہے۔ اسی طرح اپنے جانوروں کے لئے چارہ بھی بوتا ہے۔ کہ جسے ہےلر
یعنے خشک گھاس کہتے ہیں۔ اسے کاٹ کر خشک کیا جاتا ہے۔ جس کی گریاں لگادی جاتی
ہیں۔ چوں کہ سورج یہاں ہمیشہ نہیں نکلتا۔ اس لئے انگلستان میں ایک مثل ہے
یعنے جب تک آفتاب

چمکتا رہے گھاس خشک کرلو۔ یعنی موقعہ کو ہاتھ سے نہ دو۔ ہندوستانی اس موقع پر
کہا کرتے ہیں "بہتی گنگا میں ہاتھ دھولو" گھاس جمع کر رکھنا یہاں ازبس ضروری
ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں مویشی قحط سالی میں مر گئے اور مر رہے ہیں۔ اگر وہاں
بھی گھاس پیدا کرنے اور اس کو انباروں میں جمع رکھنے کا دستور جاری ہوتا۔ تو یہ مصیبت
کم ہو جاتی گو بارش نہ ہونے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ تاہم چونکہ ہندوستان
میں سال کے ہر فصل میں کچھ نہ کچھ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لئے بخلاف ان ممالک
کے وہاں کے باشندوں میں ضرورت کے لئے پس انداز کرنے کی عادت بھی نہیں
ہمارے ملک میں یہ بہت بڑی خوبی اور خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے۔ مگر ہم نے اسکو
بقول علمای روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ اپنے حق میں زحمت بنا رکھا ہے۔ یہاں میں
نے جتنے گھوڑے ہر قسم کی گاڑیوں میں جُتے ہوئے دیکھے۔ اور جتنے بیل اور گائیں

کھیتوں میں دیکھیں، وہ نہ صرف قد و قامت میں بڑے ہیں۔ بلکہ بہت موٹے تازے اور طیار ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں چارہ کی کبھی کمی نہیں ہوتی۔ یہ گھاس کا بیج مل سکتا ہے۔ میں ہندوستان کے انٹرپرائزنگ کسانوں کو تاکید کرتا ہوں۔ کہ وہ یہ گھاس بونے اور خشک کر کے رکھنے کا ضرور تجربہ کریں۔ گنی گھاس یا سارگون چری یا اور کسی قسم کے گھاس ہیں۔ جو تخم سے بوئی جاتی ہیں۔ اور خوب پھیلتی ہیں انہیں کاٹ کر کھتے ہیں دبا کر خشک کر کے رکھا جائے تو جانوروں کو بڑا آرام رہیگا۔ مجھے

گرم اور سرد ملکوں کی خوش نصیبی کا مقابلہ

یورپ کی سرسبزی اور دولتمندی۔ باشندوں کے رنگ کی سفیدی اور ذہانت کی ترقی دیکھ کر بار ہا خیال ہوتا تھا۔ کہ معلوم نہیں اس میں خدائے تبارک و تعالیٰ کی کیا مصلحت ہے۔ کہ وہ ان لوگوں پر ہم لوگوں سے زیادہ مہربان ہے۔ لیکن جب مجھے ان ملکوں کے موسم سرما کی کیفیت معلوم ہوئی کہ تمام کھیتوں اور جنگلوں اور شہروں اور کارخانوں پر ہر طرف اس کی تہیں کی تہیں جمی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ کھیتوں میں ایک تنکا پیدا نہیں ہو سکتا۔ انسان اور جانور مکانوں کے اندر دبکے پڑے رہتے ہیں۔ صرف شہر برلن کے بازاروں سے ہر برس برف صاف کرنے کا خرچ کئی لاکھ مارک گورنمنٹ کو دینا پڑتا ہے۔ لنڈن میں دن کو گھر میں اندھیرا رہنے سے چراغ روشن کرنے پڑتے ہیں۔ اور لوگ کئی کئی دن سورج دیوتا کے درشن کو ترس جاتے ہیں۔ اب مجھے معلوم ہونے لگا ہے کہ ہندوستان پر خداوند تعالیٰ کسی دوسرے ملک سے کم مہربان نہیں۔ گو میرے ایک عالم دوست کا قول ہے۔ کہ ہندوستان کی گرمی کا موسم ہندوستانی طبائع پر برا اثر ڈالتا ہے۔ اور ان کی تیزی اور عقل کی روشنی کم کر دیتا ہے۔ اس لئے ہندوستان میں گزشتہ تین چار سو سال میں لائق آدمی پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور نہ اس طویل بحث کی یہاں درج کرنے کی گنجائش دیکھتا ہوں۔ تاہم میں یورپ کے موسم سرما سے ہندوستان کے موسم گرما میں نیچر کو زیادہ مہربان اور بنی نوع انسان کے حق میں مفید پاتا ہوں۔ اگر ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت جون جولائی کی دوپہر

کی چلچلاتی دھوپ کو خالی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتی۔ تو وہ اپنے اُن جاہل بھائیوں کی طرف دیکھے جو جون جولائی میں عین دوپہر کے وقت کھلیانوں سے غلہ اُٹھاتے ہیں اور جب ماہ رمضان گرمیوں میں آتا ہے۔ تو روزے رکھ کر بھی یہ لوگ دن بھر دھوپ میں کام کرسکتے ہیں۔ اور اُن لوگوں سے جو پنکھوں کے نیچے بھی اُف اُف کرتے رہتے ہیں، زیادہ مطمئن اور خوش نظر آتے ہیں

کولون کا عظیم گرجا اور اسکے بیشمار بت

برلن سے نو گھنٹے میں گاڑی کولون پہنچی۔ یہہ مقام ایک بہت بڑے گرجے کے لئے مشہور ہے۔ کہ جس کی بنیاد ۱۲۴۸ء میں رکھی گئی تھی۔ اور جس کی تعمیر حال ہی میں ۱۸۸۰ء میں ختم ہوئی ہے۔ جبکہ نیچے کی عمارت بالکل پرانی ہوگئی۔ تب کہیں جا کر اوپر کا حصہ تمام ہوا ہے۔ یہ گرجا (۵۱۲) فیٹ بلند اور اتنا ہی لمبا ہے۔ بڑا کمرہ (۱۶۰) فیٹ اونچا ہے۔ جس میں تیس ہزار آدمی کرسیوں پر بیٹھ سکتے ہیں۔

یورپ بھر میں صرف میلان اور روم کے دو گرجے اس سے بڑے ہیں۔ اس گرجا کی پانچ ہزار چوٹیاں اور کلس ہیں۔ ۱۲۸ رنگین شیشہ کے دریچے ہیں۔ جو مختلف لوگوں اور تاجروں کی کمپنیوں نے نذر کئے ہیں۔ صرف ایک رنگین دریچہ جو دروازے کے داخلے کے اوپر ہے۔ جسے قیصر ولیم دوم کے باپ قیصر فریڈرک نے گرجا کو نذر کیا تھا۔ نوے ہزار مارک کا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ باقی دریچوں پر کیا لاگت آئی ہوگی۔ اس گرجا میں علاوہ صدہا تصاویر کے سات سو قد آدم بت حواریوں دیبیوں اور حضرت مسیح اور مریم کے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر میں نے خیال کیا۔ کہ جس قدر بت تراشی اور بت پرستی کے دنیا میں رومن کیتھلک عیسائی ذمہ وار ہیں۔ اس قدر تمام ہندو اور چینی اور جاپانی اور افریقہ کے فیٹش ل) پرست نہ ہوں گے

اس شہر میں بیس رومن کیتھالک اور صرف تین پراٹسٹنٹ گرجے ہیں۔ یہ وہ ملک ہے۔ کہ جس میں مارٹن لوتھر پراٹسٹنٹ مذہب کا بانی گزرا ہے۔ اور اس نے عیسائیوں کو بت پرستی سے روکا ہے۔ تاہم کوئی شخص جب کسی رومن کیتھالک گرجے کو

دیکھے تو اُسے ذرا سا بھی شک نہیں رہیگا اس امر کو تسلیم کر لینے میں کہ عیسائی کس قدر بُت پرستی میں منہمک ہیں۔ یہاں کئی لوگ مریم مقدس کے بت کے سامنے گھٹنے ٹیکے سجدے کر رہے تھے۔ بعض موم بتیاں بتوں کے سامنے جلا کر تسبیح پھیرنے میں مصروف تھے۔ معلوم نہیں کہ مسلمانوں سے پہلے بھی تسبیح عیسائیوں میں مروج تھی یا نہیں اس شہر میں کبھی کبھی کوئی پراٹسٹنٹ عیسائی رومن کیتھالک بنتا رہتا ہے اور اُسے اُسی طرح دوبارہ اصطباغ دیکر رومن کیتھالک جماعت میں شامل کیا جاتا ہے۔ جس طرح کوئی غیر عیسائی شخص عیسائی بنایا جاتا ہے۔ اس گرجا کا بڑا گھنٹہ اُن توپوں کے لوہے سے بنایا گیا ہے۔ جو گزشتہ جنگ میں فرانس سے چھینی گئی تھیں۔ اور یہ اتنا بڑا ہے کہ اسے بوقت ضرورت اٹھائیس آدمی کھینچکر بجاتے ہیں۔

سٹیشنوں پر مسافروں کے اسباب کی حفاظت

ان ملکوں کے سٹیشنوں پر ایسا انتظام کیا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی مسافر چند گھنٹے یا ایک آدھ رات یا دن کے لئے اپنا اسباب سٹیشن پر بعض اہلکاروں کے حوالے کر کے چلا جائے تو ہر عدد اسباب کے لئے اسے دس فینی (سوا آنہ) دینا پڑتا ہے۔ میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ جب اپنا اسباب سٹیشن پر چھوڑ کر شہر کو دیکھنے گیا۔ کیونکہ یہاں ریل پانچ چھ گھنٹے وقفہ کرتی ہے تو مجھے جاتے ہی ایک گائیڈ نے دبوچ لیا۔ اور اسّی فینی (۱۰ آنہ) لیکر مجھے گرجا دکھلایا۔ جو میں کسی کی مدد کے بغیر بھی دیکھ سکتا تھا۔ یہ گائیڈ بعض جگہ تو مسافروں کو ایسے چمٹ جاتے ہیں۔ کہ پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اور پھر یہاں کے مشہور عطر کولون واٹر کے

ناگوار تجربہ

کارخانے دکھلائے۔ یہ شہر دو تین میل لمبا چلا گیا ہے۔ اور عین بیچوں بیچ سے ایک ٹریموے گزرتی ہے۔ میں اس ٹریموے میں بیٹھ کر شہر کے دوسرے سرے تک پہنچ گیا۔ اور یہاں سے میں نے پیدل واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ تاکہ شہر کو اچھی طرح سے دیکھتا جاؤں۔ بہت سے بچے میری ٹوپی دیکھ کر عرب اور ترک کہتے ہوئے میرے پیچھے لگ گئے۔ میں بہت تیز قدم اٹھا کر ان کے آگے آگے سٹیشن کو چلا گیا۔ جتنے بچے پیچھے رہ جاتے تھے اُتنے

اور مل جاتے تھے۔ اور گویہ منہ سے بولنے اور پیچھے بھاگتے آنے کے سوا اور کوئی بدتہذیبی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ مگر میں ان کے ہجوم سے گھبراتا تھا۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ کوئی شخص انہیں میرے پیچھے لگنے سے منع نہیں کرتا تھا۔ غرض میں سٹیشن کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت پسینہ آگیا تھا۔ جاتے ہی پیاس کی شدت سے میں نے ٹھنڈا پانی پی لیا۔ اور تھوڑی دیر میں مجھے بخار چڑھ آیا۔ مجھ سے یہ بڑی غلطی ہوئی کہ بجائے یہاں ٹھیر جانے کے برسلز کو رات بھر کے سفر پر چل کھڑا ہوا۔

اس بخار کی حالت میں سفر کرنے سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔ گاڑی میں بخار کی بیہوشی سے جب ذرا ہوش آتا تو میں دیکھ لیتا کہ میرا اسباب تو کوئی لے نہیں گیا رات کو نئے نئے مسافر میرے پاس آکر بیٹھتے اور چلے جاتے۔ گاڑی میں کئی مرتبہ ٹکٹ دیکھا گیا۔ جرمنی اور بلجیم کی سرحد پر چنگی کے افسروں نے گاڑی سے باہر منگوا کر اسباب بھی دیکھا۔ غرض بڑی تکلیف سے یہ رات کٹی تاہم اس تکلیف میں بھی ایک کیفیت تھی۔ اب میں وطن اور گھر کے آرام عزیزوں اور دوستوں کی محبت اور ہمدردی کا بخوبی اندازہ کرسکتا تھا۔ ساڑھے تین بجے صبح گاڑی برسلز کے سٹیشن گار ڈو نارڈ پر پہنچی۔ آفتاب طلوع ہوچکا تھا۔ میں ریل سے اترا تو پاؤں متوالوں کی طرح تپ سے لڑکھڑاتے تھے۔

ہوٹل ملنے میں دقت

ایک مزدور کو ساتھ لے قریب کے ہوٹل میں جس پر "دور نل انگلش ہوٹل" لکھا تھا گیا۔ ہوٹل والوں کو جگایا۔ تیسری منزل پر کمرہ خالی تھا۔ مگر میں اوپر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے دوسرے اور تیسرے ہوٹل میں گیا جو مسافروں سے ایسے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ کہ مجھے جگہ نہ ملی۔ آخر چوتھے میں جا کر میں بیٹھ گیا۔ اور آگے چلنے کا یارا نہ رہا۔ معلوم ہوا یہاں کے ہوٹلوں میں لفٹ اور برقی روشنی وغیرہ کی قسم کے وہ آرام نہیں جو برلن اور ویانا میں دیکھے ہیں۔ دن بھر کمرے میں بخار سے پڑا رہا۔ عجب بے بسی کا عالم تھا۔ یہاں تک کہ شب کو چراغ تک نہ جلا سکا۔ اگلے دن طبیعت سنبھل گئی تھی۔ کارخانہ گریمالٹ و کمپنی

مشہور دوا فروش پیرس کے ایجنٹ میسن صاحب کو جن سے لاہور میں رسم ملاقات
تھی خط لکھا کہ میں پیرس آتا ہوں انہوں نے تار دیا کہ کل رات آٹھ ر کل پیرس میں اہل
فرانس کا اتنا بڑا سالانہ قومی تیوہار ہے کہ تمام دکانیں بند ہونگی یہانتک کہ سٹیشن
پر گاڑی بھی نہ ملیگی۔ دوسرے دن مجھے پیرس پہنچکر افسوس ہوا کہ میں کیوں اسی روز
پیرس نہ چلا گیا۔ تاکہ فرانس کی آزادی کی ۱۴ جولائی کی مشہور تیہوہار کی رونق دیکھتا
جبکہ فرانس کے پریسیڈنٹ نے ساٹھ ہزار فوج کا ریویو کیا تھا۔ اور شہر رات کو تین
رنگوں کے رنگین برقی اور جاپانی لالٹینوں کی روشنی سے بقعۂ نور بنا دیا گیا تھا۔ تاہم
پندرہویں کی شب کو بھی میں نے اس روشنی کا بہت سا تماشہ پیرس کے دو بڑے
بازاروں شانز ایلیزی۔ اور بولوار میں دیکھا۔ اور لاکھوں سہ رنگی سرخ۔ سفید۔ نیلگوں جھنڈیاں
بھی دیکھیں جو تمام فرانس میں اس روز اس تیوہار کی تقریب سے دروازوں اور مکانوں
پر نصب کی گئی تھیں۔ واضح رہے کہ فرانس کا قومی جھنڈا انہیں تین رنگوں کا ہے
اسی مناسبت سے برقی روشنی بھی انہیں تین رنگوں کی کی گئی تھی۔ مگر سچ تو یہ ہے
کہ پیرس پہلے ہی تمام دنیا میں اول درجے کا ایسا خوبصورت شہر ہے۔ کہ جس پر تمام
عالم متفق ہے۔ اور اب اس میں بوجہ عالمگیر نمائش ہونے کے اس قدر دلچسپیاں پیدا
ہوگئی ہیں۔ کہ میرے جیسے مردہ دل بھی دن بھر دیکھتے پھرنے اور پاؤں پر کھڑے رہنے
کو ترجیح دیتے ہیں۔ نہایت نازک مزاج اور گلبدن لیڈیاں صبح سے کھڑی ہوئی شام
تک نمائشگاہ کے مختلف سکشنوں کو دیکھتی پھرتی ہیں۔ اور تھک کر کسی کوچ یا کرسی
پر دم کے دم بیٹھ جاتی ہیں۔ اور پھر چل پڑتی ہیں۔ خیر نمائشگاہ پیرس کا حال تو آگے لکھونگا
جو مفصل ہوگا۔ بالفعل اپنی برسلز کی رام کہانی سناتا ہوں۔

برسلز کا تصویر خانہ

برسلز میں ایک شب دو روز کے بخار کے بعد مجھے آرام ہو گیا۔
تھا۔ میں نے گاڑی میں تو شہر کے مختلف اور مشہور مقامات دیکھے
اور عجائب خانہ اور پکچر گیلری کی زیادہ قدر و وقعت میری نظر میں نہیں رہی۔ تاہم
اس میں بہت سی بیش قیمت تصاویر ہیں۔ ان میں سے صرف ایک تصویر حضرت

آدمؑ و حوّا کی لنڈن کے ایک نیلام سے سات لاکھ بیس ہزار فرانک کو خریدی گئی تھی اس سے اندازہ ان لوگوں کی تصویروں کی قدر کا ہو سکتا ہے۔ ایک دوسری تصویر بطالت انامی دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوئی جس میں انسان کا انجام ایک کھوپری اور چند اعضا کی ہڈیاں رہجاتی ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا بوس و کنار اور عورتوں کی بے پردگی تو بیسیوں تصاویر سے نمایاں تھی۔ ایک دارو ور ملازم نے مجھے ساتھ پھر کر کئی تصویریں دکھلائیں۔ لیکن میری طبیعت کچھ ایسی کبیدہ تھی۔ کہ میں نے اسے کچھ بھی نہ دیا۔ حالانکہ کچھ بخشش ہی کی امید پر اس نے مجھے دکھلائی تھیں

زیادہ ستانی

مجھے تجربہ سے معلوم ہوا۔ کہ خواہ اہل یورپ کتنے مہذب ہوں لیکن ناواقف مسافر سے زیادہ ستانی میں انہیں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ مثلاً ہوٹل والوں نے پانچ فرانک روزانہ کا مجھے کمرہ دیا تھا اس پر نصف فرانک موم بتی کا زائد مانگتے تھے۔ بعض دوسرے ہوٹلوں میں بھی روشنی کی قیمت علاوہ مانگا کرتے ہیں۔ میں نے اصرار کیا کہ روشنی ہمیشہ کمرہ کے کرایہ میں محسوب ہوتی ہے۔ تو انہوں نے نصف فرانک کا مطالبہ چھوڑ دیا سٹیشن کو جانے کے وقت گاڑیبان سے صاف صاف کہدیا تھا۔ ڈیڑھ فرانک جو تمہارا کرایہ مقرر ہے۔ وہی دونگا لیکن وہاں پہنچکر زیادہ مانگنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ ٹرنک کا کرایہ اور دو لیکن جب میں ذرا سخت رہا تو وہی ڈیڑھ فرانک لیکر چلا گیا۔ اسی طرح ایک ہی چیز کی قیمت مختلف مقامات میں مختلف دینی پڑتی ہے۔ بوجہ بخار کے کئی مرتبہ میں نے یہاں سکنجبین پی۔ ہوٹل والوں نے ایک گلاس کی قیمت ۵ر لگائی رسٹارنٹ والوں نے ساڑھے تین آنے اور ایک غریب میوہ بیچنے والی عورت نے پندرہ سنٹیم یعنے ڈیڑھ آنہ۔ فرق ان میں صرف اتنا تھا۔ کہ اس بڑھیا نے لیموں کاٹ کر ہاتھ سے پانی میں نچوڑ دیا تھا۔ اور ہوٹل والوں نے لیموں نچوڑنے کے آلہ سے لیموں نچوڑا تھا۔

شام کو یہاں کا زولاجیکل پارک دیکھنے کے قابل ہوتا ہے کیسے خوشنما درخت اور

اور پھول اور پودے اور صاف ستھری روشیں ہیں کھلے تختے بلندی سے نشیب میں چلے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ڈھلوان مقام پر واقع ہے۔ اس پارک میں کئی بت سنگتراشی کی صنعت جوانی۔ پیری۔ طفولیت وغیرہ حالتوں کو زنانہ لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ یہ پارک اور قصر شاہی کے قریب کا پارک تمام یوروپ میں بے نظیر مشہور ہیں۔ شہر کا ایک حصہ ایک پہاڑی پر اور دوسرا نشیب میں واقع ہے۔ اس لئے بلند حصہ پر کھڑے ہونے سے دوسرا حصہ جو قدیم شہر ہے بہت پستی میں نظر آتا ہے۔ ٹاؤن ہال جو شہر کے وسیع مارکٹ میں واقع ہے۔ اسکی چوٹی (۳۶۴) فٹ بلند ہے۔ اور اس کے اوپر ایک سترہ فیٹ بلند تانبے کا سینٹ مچل کا بت نصب ہے۔ شہر میں کئی ایک پبلک فونٹین (فوارے) ہیں جنکو پر تکلف دھات مختلف قسم کے فرضی اور خیالی عالیشان بتوں سے آراستہ کیا گیا ہے

برسلز کے ایک اخبار کا دفتر دیکھا

میں نے یہاں کے سب سے بڑے اخبار "پیٹی بلو" کا دفتر بھی دیکھا۔ کہ جس کے لیے برلن سے معرفت کا خط لایا تھا۔ یہاں میں عکسی تصاویر کی پلیٹ بنانے کے پراسیس (طریق عمل) کو دیر تک سمجھتا رہا۔ برقی روشنی اور برقی طاقت سے اس قدر زیادہ ان ملکوں میں کام لیا جاتا ہے۔ کہ جس کی حد نہیں۔ دفتر کا ہر کمرہ برقی روشنی سے روشن ہے۔ فوراً اندر جا کر ایک بٹن دبا دو تو کمرہ روشن ہو جائیگا۔ عکسی تصویر لینی ہو۔ تو برقی روشنی دن کی طرح کمرے کے اندر کر لو۔ ان لوگوں نے تعجب کیا کہ بلا برقی روشنی کے میرا ارادہ فوٹو زنکو پراسس سے تصویریں بنانے کا ہے۔ یہ شہر چھوٹا ہے۔ مگر پھر بھی اس اخبار کی اشاعت ستر ہزار روزانہ ہے۔ پانچ سو اور سات سو فرانک ماہوار کے دو فوٹو زنکو بنانے والے علاوہ ڈیزائنر اور دوسرے لوگوں کے صرف تصویر کے صیغہ میں ملازم ہیں۔ معلوم نہیں سب سے لوگ اخلاق سے پیش آتے ہیں یا نہیں۔ مگر مجھے اخبار نویس سمجھ کر ہر شہر کے اخبار والوں نے نہایت اخلاق سے اپنے کارخانے اور دفتر دکھلائے۔

برسلز کی عمارات بھی دوسرے یورپین شہروں کی طرح خوبصورت ہیں۔ بلکہ یوروپ میں
اس شہر کو چھوٹا پیرس کہتے ہیں۔ مگر میں نے ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ جس طرح یہ
سلطنت چھوٹی ہے۔ اس کے باشندے بھی قدوقامت میں چھوٹے ہیں صرف دو
تین روز میں اس قدر پست قامت آدمی مجھے یہاں ملے۔ کہ میں حیران ہو گیا۔ برقی
اور دُخانی ٹریموے زیادہ اور گھوڑے کی ٹریموے کم ہے۔ موٹر کار یعنی برقی یا
دخانی طاقت سے چلنے والی چھوٹی سی گاڑی کا یہاں برلن سے زیادہ رواج ہے۔ کہ
ایک شام کو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص ایک ایسی ہی گاڑی دوڑائے
لئے جا رہا تھا کہ ایک عورت جھپٹ میں آ گئی۔ گاڑی والا گاڑی دوڑا کر نکل گیا
لیکن لوگ ـــ ایک دم سے دس بیس پچاس اس کے پیچھے پکڑنے کو
دوڑے۔ کیونکہ عورت کو اس نے گرا دیا تھا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ بھلا انسان کی کیا مجال
ہے۔ کہ موٹر کار کو دوڑ کر پکڑ سکے لیکن وہ لیڈی بھی اتنے میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے
چوٹ نہیں آئی تھی۔ مجھے بائیسکل کے بعد یہ خود بخود چلنے والی گاڑیاں بہت پسند
آئیں۔ لیکن ان کی قیمت ابھی بہت زیادہ ہے۔ اس لئے امید نہیں کہ ہندوستان
ایسے غریب ملک میں زیادہ رواج پائیں۔ اہل بلجیم گو پست قامت ہیں لیکن پست
ہمت نہیں۔ صنعت وحرفت میں یوروپ کی سب قوموں کے برابر ہیں۔ ناظرین
نے کئی دفعہ اخباروں میں دیکھا ہو گا۔ کہ بلجیم نے انجینروں کی کمپنیاں ٹرکی شام اور ایران
میں جرمنی۔ انگلستان فرانس اور روس کے پہلو بہ پہلو ریلوں اور سڑکوں اور تجارتی
کارخانوں کی رعائتیں حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔ بلکہ ابھی تھوڑا عرصہ گزرا ہے
کہ خلیج فارس کے بندروں کا ٹھیکہ ایران نے بلجیم کی کمپنیوں کو دیا ہے۔ مجھے خیال
ہوا کہ بڑے ڈیل ڈول اور بڑی جسامت پر انسان کی عظمت کا حصر نہیں۔ بلجیم کے
باشندے تو مجھے زیادہ ہی پست قامت اور منحنی نظر آئے ہیں۔ لیکن اٹلی اور
فرانس کے عام باشندے بھی معمولی قد کے لوگ ہیں جو ہم لوگوں سے تنا ور نہیں
لیکن ان لوگوں میں آدمیت، لیاقت اور ہمت ہم لوگوں سے بہت زیادہ ہے

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ   پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

بوجہ طبیعت ناساز ہونے کے کھانا دو دن تک نہ کھایا۔ لیکن ایک روز بازار سے گزرتے ہوئے ایک دوکان پر چیریاں دیکھ کر رغبت معلوم ہوئی مگر خیال ہوا کہ خود بازار سے چیریاں خریدنے میں سبکی ہوگی۔ لیکن پھر سوچا مجھے یہاں کون جانتا ہے چیریاں بیچنے والی بڑھیا نے مجھے ایک کاغذ کے لفافہ میں چیریاں لپیٹ دیں۔ جسے دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس میں کیا ہے۔ اس کے بعد انگلستان میں جاکر دیکھا تو کئی بھلے مانس جنٹلمین بازار سے ایسی چیزیں خریدتے ہیں۔ اور یہ بات عیب میں داخل نہیں۔

اسی شام کو پیاس لگی تو ایک قہوہ خانہ میں جاکر خادمہ سے لیمونیڈ مانگا۔ مگر وہ نہیں سمجھی اور کمبخت دوڑی ہوئی گئی اور میرے سامنے ایک لبالب گلاس بیر کا لاکر رکھدیا۔ اور بھی بہت لوگ یہاں بیر پی رہے تھے۔ میں نے کہا میں اسے نہیں پیتا۔ مگر وہ میرا مطلب نہ سمجھی اور چلی گئی۔ میں نے اسے پھر بلایا۔ اور لیمونیڈ اور لیمن سکویش کہتا رہا۔ مگر بندہ درگاہ کو اس وقت "سٹرن" یا "سٹرونیڈ" کا لفظ یاد نہ آیا۔ نہیں تو لیموں کی سکنجبیں مل جاتی۔ آخر وس شیم رسوا آنا رکہ بیر وہیں کی وہیں چھوڑی اور چلا آیا۔ یورپ میں لیمونیڈ کا بالکل رواج نہیں مگر سوڈا واٹر اکثر پیا جاتا ہے۔ زبان

دو زبانوں کا رواج

یہاں کی فرانسیسی ہے۔ لیکن چونکہ سرحد جرمنی سے ملحق ہے۔ اور ملک چھوٹا سا ہے اور آبادی اسی لاکھ سے زیادہ نہیں۔ سرکاری کاغذات اور ریلوے اور ٹریموے کے نوٹس بورڈ فرانسیسی اور جرمنی دونوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔ مجھے مغربی اضلاع مغربی وشمالی (ہند) کی عدالتی کاغذوں کی حالت یاد آگئی جو آئندہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ہوا کریں گے۔

کتا گاڑی میں جوتا جاتا ہے

یہاں بھولی بھولی ہتھ گاڑیوں میں آسٹریا اور جرمنی کی طرح کتا آگے جتا ہوا نہیں ہوتا بلکہ گاڑی اسی اونچی

ہوتی ہے کہ گتا اس کے نیچے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور وہیں ایسی طرح جوڑ دیا جاتا ہے کہ اس کے چلنے سے اس کے اوپر گاڑی خود بخود آگے چلی جاتی ہے۔ اور زیادہ جگہ بازار میں نہیں روکتی۔ ہوٹل میں جو موم بتیاں جلتی تھیں۔ ان کے اندر تین سوراخ ہوتے ہیں۔ اس لئے جو موم پگھل کر بتی کے باہر گرتا ہے۔ وہ ان کے اندر کو گرتا تھا۔ اور رائیگان نہیں جاتا۔ یہی طریقہ پیرس کی موم بتیوں کا ہے

ہوٹل کا بل

مجھے بیڈیکر کی گائیڈبک کا مشکور ہونا چاہئے۔ جس میں صاف لکھا ہے۔ کہ مسافروں کو ہر دوسرے تیسرے دن اپنا ہوٹل کا بل دیکھتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ہوٹلوں کے مینجروں کا حساب اکثر ٹھیک نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنے مطلب کی غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ برسلز کے ہوٹل کی مالکہ کے بل میں پڑتال کرنے پر غلطی نکلی۔ اور جو کھانے میں نے نہیں کھائے تھے۔ میرے نام سے کاٹے گئے۔ جب میں ویٹر چیمبر میڈ اور پورٹر کو تین فرانک انعام دیکر گاڑی میں سوار ہوا تو میں نے گاڑی والے سے صاف کہدیا کہ تمہیں سٹیشن تک ڈیڑھ فرانک سے زیادہ کرایہ نہ دونگا۔ وہاں سے تو وہ خاموش ہو رہا۔ لیکن سٹیشن پر پہنچکر جھگڑنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ تمہارا تو ڈیڑھ فرانک کرایہ ٹھیک ہے۔ لیکن تمہارے سامان کا کرایہ اس کے علاوہ ہے جب میں نے ذرا اصرار کیا۔ اور بگڑا رہا۔ تو وہ ڈیڑھ فرانک ہی لیکر چلا گیا۔ مگر برلن کے سٹیشن پر لانے والے گاڑیبان نے جھگڑا کر کے پون مارک (۹ شلنگ) کی بجائے سوا شلنگ لے لیا تھا۔

پیرس کو روانگی

باوجودیکہ میرے دوست نے پیرس سے تار دیا تھا۔ اور خط بھی لکھا تھا۔ کہ دو روز کے بعد پیرس آنا۔ کیونکہ ۱۴ جولائی کو فرانس کی آزادی کی یادگار میں بہت بڑا تیوہار تھا کہ مسافروں کو سٹیشن پر گاڑی تک نہیں ملسکتی تھی اور علاوہ اس کے وہ اپنے کنبے سمیت خود تفریحی تعطیل کے باعث شہر سے باہر کسی سیر حاصل خوش سواد مقام میں آرام کے لئے چلا گیا تھا۔ مگر ایک دوست کو ہدایت کر گیا تھا۔ کہ وہ میرا تار پہنچنے پر مجھے سٹیشن سے لے جا کر کسی

ہوٹل میں ٹھیراؤ ہوئے۔ مگر ۱۵ جولائی کو تار دیکر میں برسلز سے پیرس کو روانہ ہوگیا۔ برسلز کے سٹیشن پر ویٹنگ روم میں عام مسافروں کے لئے نہایت پر تکلف گدیلوں والے کاؤچ پڑے ہوئے تھے۔ لیکن سکنڈ کلاس گاڑی بہت گھٹیا تھی۔ نو بجے چل کر چار بجے

پیاس کی شدت

شام کو ریل پیرس پہنچی۔ مجھے راستہ میں سخت پیاس لگی۔ لیکن جب ایک آدھ منٹ کے لئے راستہ میں کسی سٹیشن پر گاڑی ٹھیرتی تو لوگ دوڑ کر اترتے سٹیشن پر پہلے ہی مختلف سٹینڈوں پر بیر شراب کے لبریز گلاسوں کی قطار سجی ہوئی ہوتی۔ ایک ایک پینی رکھ کر ہر شخص بلا پوچھے گچھے کے ایک گلاس پی لیتا۔ اور روٹی کا ٹکڑا ابھی کوئی کوئی کھا لیتا۔ پانی پینے کا یہاں رواج ہی نہیں ہے۔ میں نے ایک دو جگہ پانی مانگا بھی لیکن جلدی میں نہ ملا۔ اور ریل چلدی پیاس کے مارے میرے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ اس بیر شراب کو جو سنا ہے۔ منشی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ پانی کی طرح پیتے ہیں۔ جہاں سے ریل فرانس کے علاقہ میں داخل ہوئی تھی تمام سٹیشنوں اور راستہ کے مکانوں پر تین رنگوں کی جھنڈیاں بکثرت آویزاں نظر آتی تھیں۔ کہ جن کی وجہ کا ذکر پہلے آچکا ہے

ہوٹلوں کی گرانی

پیرس کے سٹیشن پر پہنچا۔ تو میرے دوست کا ایک دوست میرا منتظر تھا۔ اس نے فوراً اس ٹرنک کے لینے میں مدد دی جو میں نے برلن سے سیدھا پیرس بھیجا تھا۔ اور کلیمان مارو نامی ایک ہوٹل میں ٹھیرایا جس کی چوتھی منزل پر ایک چھوٹے سے کمرے کا کرایہ ایک شب کا بلا کھانے کے خرچ کے دس فرانک تھا۔ دوسرے دن کرایہ دیتے وقت مجھے خیال گزرا کہ یہ ہمارے وطن کے اس سے بہت بڑے مکان کے مہینہ بھر کا کرایہ ہے۔ چونکہ بوجہ نمائش ایک دنیا پیرس میں اُمڈی ہوئی تھی۔ اس لئے کرایہ کا نرخ خصوصاً نمائش کے قریب کے مکانات میں بہت گران تھا۔ بیس پچیس فرانک ہوٹل کے ایک اچھے

ایک لاجنگ ہوس میں قیام

کمرے کا معمولی کرایا تھا۔ چونکہ ہوٹلوں کی نسبت لاجنگ ہوس ارزان ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ زیادہ مدت ٹھیرنا چاہیں

اُنہیں اُنہیں مکانات میں ٹھیرنا چاہئے۔ پیرس کے اخباروں میں ان مکانات کے خالی کروں کے اعلان ہر روز چھپتے رہتے ہیں۔ دوسرے روز اسی دوست کے ہمراہ گاڑی پر سوار ہو کر دن بھر ہم کرایہ کے مکانات دیکھتے پھرے۔ آج گاڑی کے کرایہ اور ہوٹل کے کرایہ میں بیالیس ۴۲ فرانک خرچ ہوئے۔ آخر خدا خدا کر کے نمائش کے قریب ایک لاجنگ ہوس میں ایک کمرہ ملگیا۔ جو گو بہت سادہ تھا۔ اور پانچویں منزل پر تھا۔ تاہم بوجہ ارزانی اور نمایش سے قریب ہونے کے غنیمت سمجھا گیا۔ بعض مکانات سے نمائش تک آنے جانے کا کرایہ ہر روز دو تین فرانک خرچ ہو جاتا۔ لیکن یہاں سے مجھے کبھی ایک پیسہ نمائش تک جانے کے لیے نہ خرچنا پڑا۔ گو یہ کمرہ بہت ہی سادہ تھا۔ لیکن اس میں آہنی بستر گدیلا تکیہ سفید چادریں۔ پاانداز اور کوقالین۔ ہاتھ منہ دھونے کی چھوٹی سنگ مرمر کی میز۔ لکھنے کی چھوٹی سی میز اور دو سادہ کرسیاں منٹل پیس معمولی پتھر کا۔ کپڑوں کی الماری پر سنگ سیاہ کا تختہ اور چند چھوٹی چھوٹی آرائش کی چیزیں مثل گھونگوں جاپانی پنکھوں اور سستی تصویروں کی تھیں۔ اس تفصیل سے میری غرض یہ تبلانے کی ہے۔ کہ ان ملکوں میں غریب لوگ بھی کیسا ستھرا مذاق رکھتے ہیں۔ اور کیسی آسایش اور صفائی سے بسر کرتے ہیں۔

آج مکان تلاش کرنے میں ایک مالک مکان عورت نے کہا۔ کہ اس وقت پیرس میں صرف اہل امریکہ ساٹھ ہزار کے قریب آئے ہوئے ہیں۔ اور عموماً یہ لوگ اخبارات کے اشتہار دیکھ کر بذریعہ تار آنے سے پہلے ہی مکان ٹھیرا لیتے ہیں اور اس طرح خالی مکانات کے کرائے دے رہے تھے۔ مکان کی فکر سے سبکدوش ہو کر میں نے ۲۰ جولائی سے بالالتزام نمائش کی سیر شروع کر دی تو

سنہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش پیرس

آئینہ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

بے نظیر عالمگیر نمائش اور پیرس کا سلیقہ

آج تک دنیا میں کئی عظیم الشان عالمگیر نمائشیں ہو چکی ہیں لیکن پیرس کی سنہ ۱۹۰۰ء کی نمائش سے ان سب کو وہی نسبت ہے جو ہاتھی کے پاؤں سے دوسرے جانوروں کے پاؤں کو ہے۔ نہ صرف اسلئے کہ پیرس کی نمائش گاہ سب سے آخر میں ہوئی ہے۔ اور جب تک کہ کسی دوسرے ملک میں پھر انٹرنیشنل اگزبیشن یا بقول اہل امریکہ کے ورلڈ فیئر (WORLD FAIR) یا بقول اہل فرانس کے اکسپوزیسیوں یونی ورسال (EXPOSITION UNIVERSALE) یا بقول اہل جرمنی کے ویلٹ اوشٹلانگ (WELT AUSHTALLANG) ہو فرانس کی آخری نمائش سے گوئے سبقت لیجانا محال ہے۔ بلکہ اس لیے بھی کہ اس قسم کی عالمگیر نمائش گاہوں کے قایم کرنے اور انہیں کامیاب اور دلکش بنانے میں جو سلیقہ اہل فرانس کو حاصل ہے۔ کسی دوسرے یورپین یا امریکن اقوام کو حاصل نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے۔ کہ سب سے پہلے عالمگیر نمائش گاہوں کا خیال ہی پیرس سے پیدا ہوا۔ کیونکہ سنہ ۱۷۹۷ء میں پہلے فرانس کی حکومت ڈائرکٹری کے تاریک زمانہ میں پیرس میں چھوٹے پیمانے پر ایک انٹرنیشنل نمائش قایم ہوئی تھی۔ سلطنت اضلاع متحدہ امریکہ کہ جہاں سنہ ۱۸۹۰ء کی شکاگو کی عالمگیر نمائش کھلی تھی۔ ابھی وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔ بلکہ خود انگلستان میں پرنس کانسٹرٹ مرحوم والد بزرگوار شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی مساعی جمیلہ سے پہلے پہل سنہ ۱۸۵۱ء میں حرفت

دستکاری اور علوم و فنون کی ترقی کے لئے عالمگیر نمائش گاہ کھولی گئی تھی۔ مگر اس کے بعد انگلستان میں کوئی دوسری اس قسم کی نمائش آج تک نہیں ہوئی۔ حالانکہ اس زمانہ سے آج تک صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں صدہا عمدہ سے عمدہ ایجادیں اور اختراعیں عمل میں آچکی ہیں۔ غرض تمام یورپ اور امریکہ اس بات کے تسلیم کرنے میں متفق ہے۔ کہ عالمگیر نمائش گاہیں قائم کرنے کا سلیقہ جیسا کچھ کہ اہل پیرس جانتے ہیں اور کوئی قوم نہیں جان سکتی۔ میں اس قول کی تائید میں اس نمائش گاہ کے اینگلوسکشن گائیڈ کی تمہید سے چند سطور کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ یہ گائیڈ محض اینگلو سکشن قوم کی رہنمائی کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس لئے فرانسیسی اثر کا اس پر شبہ نہیں ہوسکتا وہ لکھتا ہے:۔

"ایک دفعہ پھر اس دنیا کے پرستان شہر پیرس نے سنہری آگ سے روشن کی ہوئی جادو کی چھڑی اپنی انگلیوں میں گھمائی ہے۔ ایک دفعہ پھر اس کے قم باذنی کے اشارہ سے عیش و عشرت۔ حسن دلفریب نور اور بشاشت کے محلات کہ جن کی نظیر دنیا کے باشندوں نے اس سے پیشتر نہیں دیکھی۔ دم زدن میں عدم سے وجود میں آگئے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر اس آزادی کی پری نے اپنی انگلیوں کے پوروں کے بوسہ سے تمام دنیا کو آنے اور شیدائی بنانے کو بلایا ہے۔ اس کی دعوت کا پیغام تمام دنیا میں ہوا کے ساتھ پھیل گیا ہے۔ اور دنیا کے ہر گوشہ سے زن و مرد اور برنا و پیر اس کی خوشنوا مرحبا سننے اور اس کی خوشی میں شریک ہونے کو آگئے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے بچے نہایت خوشی سے پیرس کی اس سُریلی آواز کو سنکر تھوڑی دیر کے لئے از خود رفتہ ہونے کے واسطے اس کی چار دیواری میں جمع ہو جاتے ہیں۔ فرانس میں تمام قوموں میں اور تنہا پیرس تمام دنیا کے شہروں میں اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ تمام قوموں کو کس طرح یکجا جمع کرنا چاہئے۔ ہر چند کہ ان کے مذاق ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف ہوں پیرس بخوبی سمجھتا ہے کہ ان میں سے ہر فرد واحد کو کچھ دیر کے لئے کس طرح شادماں اور مطمئن کرسکتا ہے تاکہ وہ اس کے صدر مقدم کے حدود کے اندر ٹھہر جائیں۔ پیرس شادمانی کے لئے مخلوق

ہوا ہے۔ اس کا دلفریب چہرہ بجائے خود ایک دعوت ہے۔ اس کا بانکپن اور حُسن طلائنگ فریب اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ اور اس کے حرکات و سکنات ایسے دل لبھانیوالے ہیں۔ کہ ہر مرتبہ جو وہ اپنے شاندار جشنوں میں شریک ہونے کے رقعے تقسیم کرتا ہے تو کسی کو سوائے انھیں قبول کرنے کے چارہ نہیں ہوتا۔ ہر متواتر جشن پہلے سے وسیع اور شاندار ہوتا ہے۔ اور جوں جوں مدت گزرتی جاتی ہے پیرس پر نیا جوبن آتا جاتا ہے۔ اور ہم میں سے ترش رو بھی اس کی خندہ پیشانی کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ یہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش اُن سب چیزوں سے جو دنیا دیکھ چکی ہے۔ بہت بڑھی چڑھی ہے۔ لاریب پیرس نے اپنے فن کا کمال دکھلا دیا ہے اور دنیا میں اور کسی شہر کو ایسا کمال حاصل نہیں۔ جو اس کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے اُداس اور بعدؔ النڈن پر جوش سرگرم اور گرد آلود نیویارک خاموش اور معمولی برلن یا دنیا بھر کا اور کوئی شہر کہ جس کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اور بین الاقوام نمائش گاہوں کو کیا جانے ان میں سے ایک میں بھی ایسے دلکش اور دلفریب سامان بہم پہونچانے کی لیاقت نہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ شوخی یہ بانکپن اور یہ البیلے ناز و ادا نہیں۔ یہ خوشنما چہرہ نکھرا ہوا جوبن اور یہ وجدانی حالت نہیں کہ جس کی کسی نمائش گاہ کی تکمیل کے لئے ضرورت ہے کہ جہاں ہر مذاق ہر طبیعت اور ہر رسم و رواج کے لوگ دنیا کے روزمرہ دھندوں سے تھوڑی سی دیر کے لئے آزاد ہو کر اپنے آپ کو بھول جائیں۔ یہاں پیرس میں کیسا روح افزا اور طبیعت میں انبساط پیدا کرنے والا موسم ہے۔ کیسے شاندار اور کشادہ بازار اور سڑکیں ہیں کہ جنکی دونوں طرف سر بفلک درختوں کی قطاریں چلی گئی ہیں۔ ہر طرف سے سوائے خوشی کی صداؤں۔ خوبصورت چیزوں اور دل لُبھانے کے سامانوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا اور ہر وقت تیوہار کی سی فرحت چاروں طرف نمودار ہے۔ پیرس عیش اور انبساط سے زندگی گزارنے کا فن جانتا ہے۔ وہ زندہ دلی کی تمام تدابیر سے واقف ہے اور زیادہ متین اور شاید غمگین قوموں کے بہلانے کے فن میں ماہر ہے۔ یہ تہذیب اور خوش خلاقی اور ناچ رنگ اور خوبصورت عورتوں کی سرزمین جو کیا بلحاظ تاریخ کی دولت اور کیا

دولت علم و فن اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرنے کی لیاقت کے ایک دفعہ پھر تمام دنیا کی قوموں کو اپنے خوان نعمت پر مدعو کرتی ہے۔ کہ کم از کم مختصر سے زمانہ کے لئے تو آپس کی رقابت اور کشمکش بھول جائیں۔ اور ایک عالمگیر نمائش کی دل لگی میں محو ہو جائیں امسال بلکہ اب پیرس آمادہ ہوا ہے۔ کہ خوشی کرنیوالوں کے ساتھ ملکر خوش ہوئے تمہیں اس کا ثبوت ہر بشرہ سے ملے گا۔ پیرس نے اپنے آپ کو سب کا دوست بنالیا وہ سب کے لئے خوش آمدید کا ہاتھ بڑھائے گا۔ خواہ وہ کسی حالت میں آئیں۔ اور اُسے بھروسہ ہے کہ جب رخصت کا وقت آئے گا۔ تو وہ لوگ آخر عمر تک اس کے یہاں ۱۹۰۰ء میں زمانہ تعطیل ہنسی خوشی میں گزار جانے اور عموماً قوم فرانس اور خصوصاً اہل پیرس کی دلچسپ مہمان نوازی کو یاد کیا کریں گے ؛

یہ ہے نمائش پیرس اور پیرس کی تعریف جو ایک انگریز مصنف لکھتا ہے۔ جو ضرور فرانسیسیوں کو رقابت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ میں پیرس اور اس کی نمائش کی تعریف اس ڈر سے نہیں کرتا کہ کہیں میرا بیان مشرقی مبالغہ نہ سمجھا جائے۔ مندرجہ بالا سطور سے روشن ہے۔ کہ پیرس نے اپنے ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش کو کسقدر دلفریب اور مفید بنایا تھا۔ کہ دنیا کا اور کوئی شہر اس سے پہلے کوئی ایسی نمائش نہیں دکھلا سکا۔ وہی مصنف لکھتا ہے کہ اسقدر کہدینا کہ ۱۹۰۰ء کی نمائش پیرس نے دنیا بھر کی تعلیم اور دل بہلاؤ کا اسقدر سامان بہم پہنچایا ہے۔ کہ پہلے جمع نہیں ہوا۔ اس کی سخت حق تلفی ہوگی۔ کیونکہ اس سے اس کی عظمت اور کوشش و کاوش کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ سرسری نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نمائش پیرس بجائے خود ایک وسیع شہر ہے۔ اور نہ صرف بلحاظ عالیشان عمارتوں وسیع باغوں اور محلات کے قابل عزت ہے۔ بلکہ اتنے متنوع اور متفرق مطالب اور دلچسپیوں کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہے۔ نکتہ چینوں اور رقیبوں نے بھی اگر اس نمائش پر کوئی الزام لگایا تھا تو وہ یہی تھا کہ یہ بہت بڑی تھی ؛

نمائش دیکھنا

یہ بتلانے کی کیا ضرورت ہے۔ کہ مجھے پیرس میں پہنچکر اس نمائش گاہ کو ایک نظر دیکھنے کا کس قدر شوق تھا۔ کہ جسکی تعریف

میں تمام یوروپ اور امریکہ کے اخبارات رطب اللسان تھے اور میری حالت اُس اعرابی سے مشابہہ تھی - جو خلیفہ کے دسترخوان کی ہر ایک نعمت پر بے محابا پیاپے حملے کر رہا تھا - اور خلیفہ کی حضوری کے آداب تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر بیٹھا تھا - میں فیصلہ نہیں کر سکتا تھا - کہ پہلے شہر پیرس کے عجائبات دیکھوں یا نمائش پیرس اور کہاں سے شروع کر کے کہاں ختم کروں - بہر حال پہلے کچھ دنوں تو میں بہت بے قراری سے نمائش کو دیکھتا رہا - میرے خیال میں اگر کوئی شخص اس دنیا کی سب سے بڑی نمائش گاہ کو کما حقہ دیکھنا چاہتا - تو اسے چھ ماہ یا کم از کم تین مہینے دیکھنے میں لگانے پڑتے - ورنہ یوں تو بعض ممالک یوروپ کے لوگ یہاں ایک ہفتہ اور تین دن کے لئے بھی آتے تھے - اور چاروں طرف نمائش گاہ میں چکر لگا کہیں کہیں تماشے دیکھ اور کھا پی کر چل دیتے تھے - اور دل کو اطمینان دے لیتے تھے - کہ انھوں نے پیرس کی سب سے بڑی اور سب سے آخری نمائش گاہ دیکھ لی بلکہ انگلستان کی بعض ٹورسٹ کمپنیوں نے غیر مستطیع اور مصروف لوگوں سے رہنے کا انتظام کیا تھا - کہ ہفتہ کی دوپہر کو انگلستان سے روانہ ہوں اور اتوار کو نمائش پیرس دیکھ کر اتوار کی شام کو لنڈن روانہ ہو جائیں - جو لوگ اور کسی طرح نمائش دیکھنے سے بالکل محروم رہ جاتے - ان کے لئے پھر یہ اچھا طریق تھا - بایں ہمہ میں اہل یوروپ کے شوق دید نمائش کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں - ہر روز یوروپ کے ہر ملک اور امریکہ کے اکثر حصوں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں زن و مرد نمائش دیکھنے کے شوق میں سرمست صبح سے شام تک نمائش کی مختلف عالیشان عمارات میں پھرتے رہتے تھے - ایسی ایسی نازک اندام لیڈیاں جو دو قدم پیدل راستہ چلنا گوارا نہ کریں - گھنٹوں نمائش گاہ میں پیدل پھرتے پھرتے تھک جائیں تو تھوڑی دیر ستانے کو بیٹھ جائیں - کیونکہ نمائش گاہ میں جا بجا عمارات کے اندر اور باہر کرسیاں بنچیں اور پر تکلف کاؤچ پڑے ہوئے تھے جن پر تھکے ہوئے شائقین بیٹھ کر دم لے لیتے - نمائش گاہ کے احاطہ کے اندر کوئی گاڑی داخل نہیں ہو سکتی - اس لئے ایک قسم کی "ایمبولیٹر" گاڑیاں جیسی کہ ہسپتالوں

میں مریضوں کے پھرانے کے واسطے استعمال کی جاتی ہیں۔ بہت سے مزدور لئے پھرتے تھے۔ اور ان پر بعض تھکی ہوئی لیڈیاں اور جنٹلمین کچھ مزدوری دے کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور مزدور انہیں جابجا کمروں کے اندر اور باہر لئے پھرتے تھے۔ چونکہ میں اس پر سوار نہیں ہوا۔ مجھے ان کا کرایہ معلوم نہیں ⁂

مقام نمائش

یوں کہنے کو تو نمائش گاہ پیرس صرف (۲۶۷) ایکڑ اراضی میں محدود[1] تھی۔ لیکن صرف دیکھنے ہی سے معلوم ہوسکتا تھا۔ کہ یہ جگہ بہت بڑی ہے۔ جبکہ اس میں تین تین چار چار منزل کی اکثر عمارات اشیائے نمائش کے لئے تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ مقام دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے درمیان واقع ہے۔ اور اسپلاناڈ ڈا انولیڈ۔ شانڈامار اور ٹراکوڈیرو نامی تین مقامات دریائے سین کے کناروں پر پھیلے ہوئے تھے۔ چونکہ شہر کے اندر ایک جگہ اتنی بڑی نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے نمائش کو تین چار مختلف مقامات پر پھیلا دیا تھا۔ اور سب کو آپس میں ملا دیا گیا تھا۔ ایسے طور پر کہ کہیں کہیں شہر کی سڑکیں نمائش گاہ کے بیچ سے گزر جاتیں۔ لیکن نمائش گاہ والوں کے لئے لکڑی کے پل اوپر سے گزرنے کے لئے بنا دیئے گئے تھے۔ اور دوہرے لوگوں کو اندر آنے سے روکنے کے لئے لکڑی کا پردہ لگا دیا گیا تھا۔

نمائش کے ٹکٹ

ہر شخص ہر روز ایک فرانک (دس آنہ کا) ٹکٹ لے کر نمائش کے اندر داخل ہوسکتا تھا۔ البتہ صبح آٹھ سے دس بجے تک اور شام کو چھ سے دس بجے تک نمائش گاہ میں داخل ہونے کے لئے فرانک فرانک کے دو ٹکٹ جدا جدا لینے پڑتے یہ ٹکٹ گو نام کو ایک فرانک کے تھے لیکن دراصل فرانک کے دو دو اور کبھی تین تین بھی بک جاتے تھے۔ نمائش گاہ کے باہر سیکڑوں غریب مرد اور عورتیں ہاتھوں میں یہ ٹکٹ لئے ہوئے آنے جانے والے آدمیوں کے سامنے لاتے۔ اور جو خریدنا

[1] کھیل کود اور ورزش اور ریلوں کے سامان وغیرہ بڑی چیزوں کی نمائش شہر کے قریب ایک کھلے میدان میں کی گئی تھی۔ جو اس سے علیحدہ ہے اور ۲۷۲ ایکڑ وسیع ہے ⁂

چاہتے خرید لیتے۔ بعض لوگوں نے بیس فرانک کا ایک ہی بانڈ خرید رکھا تھا۔ انھیں روزمرہ نیا ٹکٹ نہیں خریدنا پڑتا تھا۔ ان ٹکٹوں سے بہت بڑی آمدنی نمایش والوں کو ہوئی ہوگی۔ تاہم خیال تھا۔ کہ بمقابلہ ان کے خرچ کے اور محنت کے خسارا رہا ہو۔ تو عجب نہیں۔ کیونکہ نمائش گاہ اتنے وسیع پیمانے پر بنائی گئی تھی کہ اس کے خرچ پورے نہ ہوسکے نمائش گاہ کے داخلہ کے کئی دروازے تھے۔ جو لوگ ٹکٹ دیکر نمائش کے احاطے کے اندر داخل ہو جاتے۔ وہ نمائش گاہ کے سارے مکانات اور اشیائے نمائش کے دیکھنے کا حق رکھتے تھے۔ لیکن جو مکانات عجیب اور قابل دید تماشے پرائیویٹ لوگوں نے نمائش کے اندر قائم کئے تھے۔ ان کے لئے الگ الگ ٹکٹ فرانک یا دو فرانک یا اس سے کم وبیش قیمت کے لینے پڑتے۔ مثلاً اگر کوئی پانوراما یا ڈایوراما دیکھنا چاہیے یا سب سے بڑی دوربین دیکھے یا زیر زمین کان میں جائے یا ایفل ٹاور پر چڑھے تو الگ الگ ٹکٹ داخلہ کے لئے لینے ہوں گے۔ یہ لوگ بھی لاکھوں روپے کما رہے تھے۔ لیکن مجھے ایک اطالین جنٹلمین نے (کہ جس کی نمائش کے بہت بڑے وہیل یعنی ہنڈولے میں شرکت تھی) بتلایا کہ اکثر نمائش کرنے والے سوائے معدودے چند کے خسارہ اٹھا رہے تھے۔ کیونکہ جسقدر لوگوں کی شرکت کی توقع تھی۔ اس قدر نہیں ہوئے۔

انگریزوں کی شرکت

خصوصاً انگلستان سے بہت کم لوگ آئے تھے۔ شاید اس لئے کہ بوجہ اخراجات جنگ ٹرانسوال کئی لوگ زیادہ خرچ نہیں کر سکتے تھے۔ یا شاید اس لئے کہ بہت لوگ جنوبی افریقہ کو گئے ہوئے تھے۔ یا اس لئے کہ بہت سے لوگ افریقہ میں عزیزوں کے مارے جانے کی وجہ سے ماتم میں تھے۔ لیکن بقول "چور کی داڑھی میں تنکا" فرانسیسی سمجھتے تھے۔ کہ چونکہ فرانسیسی اخبارات نے جنگ ٹرانسوال کے متعلق انگلستان کے خلاف ناگوار تحریرات شائع کی ہیں۔ اس لئے اہل انگلستان ان سے خفا ہیں۔ اور بہت کم نمائش میں شریک ہوئے یہی حال انگلستان کی اشیائے نمائش کا تھا۔ گو جابجا انگلستان کی ساختہ چیزیں اور کلیں نمائش میں تھیں۔ اور کئی یوروپ کے ملکوں سے اچھی تھیں۔ لیکن انگلستان کے اول

نمائش کرنیوالے ملک

درجہ کی سلطنت ہونے کی وجہ سے اُس سے اِس سے بہت زیادہ حصہ ملنے کی توقع کی جاتی تھی۔ اس وقت مختلف مقامات نمائش کو دیکھ کر جو میں اندازہ اسباب نمائش کے متعلق لگا سکا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ فرانس کی اشیائے صنعت و حرفت اور کلیں وغیرہ سب ملکوں سے زیادہ تھیں اور یہ قدرتی بات تھی۔ کہ فرانس کی چیزیں زیادہ ہوتیں[1]۔ اس کے بعد دوسرا درجہ جرمنی کا تھا۔ جرمنی نے ہر بات میں بڑھ کر قدم مارا تھا۔ مکانات تھے تو نرالے ڈھنگ کے بنائے تھے۔ نمائش میں چیزیں بھی عمدہ اور زیادہ رکھی تھیں۔ تیسرا درجہ اضلاع متحدہ امریکا کا تھا۔ پھر آسٹریا ہنگری۔ انگلستان۔ اٹلی۔ روس۔ جاپان۔ بلجیم۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ پرتگال و یونان وغیرہ کا درجہ تھا۔ یہ بات بہت دلچسپ تھی۔ کہ جاپان نے اس نمائش گاہ کے اکثر شعبوں میں خاصہ حصہ لیا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایک ایشیائی قوم یوروپین اقوام کے پہلو بہ پہلو ہی صنعت و حرفت کی اشیا کا مقابلہ کرتی تھی۔

ٹرکی کی بے توجہی

افسوس ہے کہ سلطنت ٹرکی نے باوجود یوروپ میں واقع ہونے کے اشیائے نمائش میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ البتہ اقوام کے مکانات کی قطار میں سلطنت عثمانیہ کا ایک مکان عالی شان سلمانی طرز تعمیر کا بنا ہوا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس میں ضرور کچھ ٹرکی ساخت کی چیزیں اور کچھ مسلمانوں کی صورتیں ملیں گی لیکن دونوں امیدوں میں مایوسی ہوئی۔ اس مکان کی دو تین منزلوں میں جھوٹے زیورات اور بعض کپڑوں مثل رومال وغیرہ اور قالینوں کے بیچنے کی دکانیں یہودیوں نے کھول رکھی تھیں۔ ان پچاس ساٹھ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں صرف ایک شخص مسلمان تھا۔ مزہ تو یہ ہے۔ کہ یہ یہودی بھی زیادہ تر شامی تھے قسطنطنیہ کے نہیں تھے۔ مجھے ترکوں کی یہ بے پروائی دیکھ کر افسوس ہوا ایک مسلمان محمد جنید شاہ آٹھ دس سال انگلستان میں طبابت ختم کر چکا ہے۔ اور اسکی بیوی

---

[1] (۲۷۹۱۰۰) مربع فٹ زمین پر صرف فرانس اور اس کی نوآبادیوں کی نمائش تھی اور باقی (۱۸۲۹۸۸۰) مربع فٹ پر تمام ممالک غیر کی۔

انگریزن ہے۔ اس سے میں نے ترکوں کی اس بے اعتنائی کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے کہا ترک سمجھتے ہیں۔ کہ وہ یورپ میں آکر بے دین ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ گھر میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ ابتدائے اسلام میں تو مسلمان چین۔ ہندوستان اور ہسپانیہ تک بے دین نہیں ہوتے تھے۔ جبکہ راستہ سالوں میں طے ہوتا تھا۔ اور اب جبکہ راستہ گھنٹوں میں طے ہو سکتا ہے۔ اور ترک خاص یورپ میں رہتے ہیں قسطنطنیہ سے پیرس تک صرف دو شب و روز صرف ہوتے ہیں۔ کیونکر وہ بے دین ہو جانے کے ڈر سے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ دوسری طرف کمبخت جاپانی ہزارہا میل گھر سے دور سیکڑوں ہی پیرس میں ملتے ہیں اور یورپ و امریکہ کے ہر بڑے شہر میں کسب فن اور تحصیل تعلیم کے لئے جاتے ہیں ۔

یہودیوں کی کثرت ترکی کے مکان سے مایوس ہو کر مجھے خیال ہوا کہ مصر اور الجیریا اور ٹیونس اور طرابلس کے مکانات بھی تو نمائش میں ہیں وہاں مسلمان ضرور ملیں گے۔ میں نے ہر جگہ جا جا کر دیکھا کہ یہودی اور صرف یہودی ہر مکان میں ان ممالک کی اشیاء کی دکانیں کر رہے تھے۔ یہ ترکی ٹوپیاں اور مصری بدوی الجیری اور مراکشی جبے اور عمامے پہنے ہوئے تھے۔ جو صرف اپنے لباس کی بدولت یوروپ میں روٹیاں کما رہے تھے۔ الجیری مکان نمائش میں مجھے دو تین مسلمان محافظ نمائش ملے اور ٹیونس یعنی طنجہ کے مکان میں صرف باورچی مسلمان تھے۔ کہ جن کے یہاں میں ہر روز شام کا کھانا کھاتا تھا اور اس سے مجھے بڑا آرام ملا تھا ۔

یہودی عورتوں کا ناچ یہودی عورتیں تو بالکل گوری چٹی اور حسین ہوتی ہیں یہ کمبخت عربی اور مسلمان عورتوں کا لباس پہنکر ترکی۔ مصر۔ ٹیونس۔ اور مراکش چاروں مقامات کے تھیٹروں میں ناچتی تھیں۔ ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ ان کے مقابلہ میں نہایت شریفانہ اور مہذبانہ ہوتا ہے۔ یہودنوں کا لباس اور ناچ بالکل فحش ہوتا۔ اور اہل یوروپ تماشبین قدرتاً یہ سمجھتے تھے کہ وہ محمڈن عورتوں کا ناچ اور تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ مجھے یہ باتیں دیکھ کر افسوس ہوا لیکن اس کی تلافی اور کسیطرح نہیں ہو سکتی

کہ ہزارہا مسلمان یورپ میں جائیں اور اپنے کھرے چال چلن اور لیاقت سے اپنا سکہ

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

ان ممالک میں جمائیں۔ اسوقت روئے زمین پر کم از کم حساب سے اٹھارہ کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں جو دنیا کی آبادی کا آٹھواں حصہ ہیں۔ بقول دیگر پچیس کروڑ سے کم مسلمان دنیا میں آباد نہیں۔ جو دنیا[1]

[1] دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کی مقدار کے متعلق مختلف لوگوں کی مختلف رائے ہیں یہ بات قرین قیاس ہے کہ ممالک اسلامیہ خصوصاً افریقہ کی مسلمان آبادی کا صحیح اندازہ یورپین جغرافیہ داں نہ کر سکے ہوں۔ عام جغرافیوں میں کل دنیا میں ۱۸ کروڑ مسلمان بتائے جاتے ہیں۔ اور ایک حال کے انگریزی اخبار میں انکی تعداد حسب ذیل پونے بیس کروڑ کے قریب بتائی گئی ہے کل دنیا میں مسلمانوں کی تعداد انیس کروڑ پینسٹھ لاکھ ہے۔ ایک کروڑ اسی لاکھ سلطان ٹرکی کی حکومت میں ہیں۔ دو کروڑ تیس لاکھ دیگر مسلمان فرمانرواؤں (مثلاً شاہ فارس، امیر کابل وغیرہ) کے ماتحت ہیں ۳ کروڑ پینسٹھ لاکھ افریقین ریاستوں کے زیر حکومت ہیں سپین میں مسلمانوں کی تعداد دو کروڑ ہے۔ عیسائی سلطنتوں کی مسلمان رعایا کی تعداد نو کروڑ نوے لاکھ ہے اس تعداد میں سے پانچ کروڑ اسی لاکھ مسلمان انگلش گورنمنٹ کی رعایا ہیں۔ قاہرہ کے عربی اخبار المؤید سے حسب ذیل تعداد دنیا کے مسلمانوں کی نقل کی ہے۔ دولت عثمانیہ اور یورپ میں چھ کروڑ تیس لاکھ۔ سلطنت ایران نوے لاکھ۔ ملیبار دس لاکھ دولت افغانستان چالیس لاکھ۔ دولت مصر ساٹھ لاکھ۔ حکومت بخارا پچاس لاکھ ساٹھ ہزار۔ سوڈان یعنی حبش مشرقی ایک کروڑ آٹھ لاکھ۔ خیوا پچاس لاکھ۔ اوگنڈا پچاس لاکھ۔ سلطنت روس سات لاکھ سلطنت زنجبار تین لاکھ چینی تاتار بیس لاکھ سلطنت چین خاص تین کروڑ دس لاکھ جرمن واقع مشرقی افریقہ آٹھ لاکھ بلوچستان ۵ لاکھ۔ موزنبیق دو لاکھ پچاس ہزار۔ ہندوستان پانچ کروڑ اسی لاکھ سلطنت مراکو اسی لاکھ سلطنت الجیریا ۳۰ لاکھ سلطنت ترونی چار لاکھ سلطنت ٹونس پندرہ لاکھ۔ طرابلس دس لاکھ صحرائے افریقہ پانچ لاکھ سلطنت وادی چھبیس لاکھ۔ جزیرہ بورنیو پانچ لاکھ میزان کل اہل سلام دنیا بائیس کروڑ چھ لاکھ چار ہزار ہے اور میزان کل اقوام عیسائی تیس کروڑ تیس لاکھ اور اہل یہود پانچ کروڑ دس لاکھ اور غیر اہل کتاب باسٹھ کروڑ انچاس لاکھ سترہ ہزار۔ ایک فرانسیسی فاضل ایم برنا نے اپنی کتاب سیر الاسلام میں مفصلہ ذیل تعداد اہل اسلام کی درج کی ہے۔ یورپ میں ایک کروڑ اکھتر لاکھ نو ہزار چھ سو اڑسٹھ۔ ایشیا میں ایک کروڑ انتیس لاکھ باسٹھ ہزار نو سو بانوے۔ افریقہ میں دس کروڑ ایک لاکھ اکیس ہزار۔ آسٹریلیا اور اس کے جزائر میں سترہ لاکھ چھیتر ہزار برٹش انڈیا میں چھ کروڑ پندرہ لاکھ باسٹھ ہزار۔ شمالی افریقہ میں دو کروڑ پچاس لاکھ تین سو دس جزائر ہند میں ایک کروڑ تیس لاکھ چھتیس ہزار۔ ملیشیا میں دو کروڑ گیارہ لاکھ سولہ ہزار ٭ میزان کل (۲۵۷۹۸۲۸۷۰) ان تینوں اندازوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد اصل سے کم ہے۔ اس لئے ان پر مبالغہ کا شک نہیں ہو سکتا۔ (محبوب عالم)

میں ہر چھوٹا شخص شمار ہو سکتا ہے مگر یہاں مجھے تلاش سے صرف چند شخص انگلیوں پر گننے کے لائق نظر آئے اور وہ بھی بجز ایک آدھ استثناء کے نہ شوق دید نمائش سے آئے تھے اور نہ اسباب نمائش لائے تھے۔ بلکہ معمولی اور ادنےٰ خدمات پر ملازم ہو کر آئے تھے ؏

ہندوستانی تماشے کی کمپنی

یہ تو مسلمانوں کا حال تھا۔ عام طور پر اہل ہند کا قصہ سنئے ہندوستانی یا مسلمان یہاں عنقا تھے۔ البتہ لکھنؤ یا الہ آباد کے چند ہندو وکیلوں کا بھلا ہو کہ انھوں نے اپنے ملک کے تماشے اور کرتب یورپ میں دکھلانے کیلئے ایک پرفارمنگ کمپنی بنائی تھی۔ اور ساٹھ نفر ہندوستانی ہندو مسلمان ملازم رکھ کر ساتھ لے گئے تھے۔ انہیں میں مشہور پہلوان غلام محمد مرحوم امرتسری اور اس کا بھائی کلو بھی مع چار دوسرے لاہور اور امرتسر کے پہلوانوں کے تھے۔ ایک رنڈی اور کچھ بھانڈ پنجابی ایک رنڈی اودوھ کی۔ اضلاع مغربی وشمالی کے کئی سارنگی۔ ستار وغیرہ بجانے والے دو بھان متی ایک بنگالی لٹو گھمانے کا کرتب کرنے والا۔ کچھ جمناسٹک والے ایک دہلی کا مصور نذیر حسین۔ ایک سپیرا۔ ایک کپڑا کھانے والا۔ ایک حلوائی۔ ایک سات فٹ لمبا آدمی۔ دو لکھنؤ کے مٹی کے کھلونے بنانے والے اور کچھ اور ملازم تھے۔ غلام پہلوان کے مقابلہ کے لئے پہلے خیال تھا کہ انگلستان کا نامور پہلوان سنیڈو نامی نکلے گا۔ لیکن وہ اس قسم کی کشتی کرنے سے ہچکچاتا تھا۔ کہ جس کا ہندوستان میں رواج ہے۔ وہ بوجھ بہت اٹھا سکتا ہے اور ملوں سے لڑ سکتا ہے۔ کیونکہ یورپ اور امریکہ میں یہی شہ زوری کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن کشتی نہیں کرتا۔ اس لئے ایک ترک پہلوان قادر احمد نامی نے غلام سے کشتی کرنا منظور کیا۔ افسوس ہے کہ پورے تین مہینے یہ لوگ بیمار رہے۔ پہلے اس کمپنی میں کچھ فرانس کے لوگ بھی شریک تھے۔ جو کسی وجہ سے الگ ہو گئے۔ مقدمہ بازیاں ہوئیں آخر بے چارے ہندوستانیوں کے سر پر سارا بوجھ پڑ گیا۔ لکھنؤ کے وکیل پنڈت موتی لال جو اس کے بانی تھے۔ کل کام کے ذمہ دار تھے۔ میرے پہنچنے کے بعد انکا تھیٹر بنکر تیار ہوا اور انھوں نے بہت دیر کے بعد کام شروع کیا۔ لوگ ان کے تماشوں کو پسند کرتے تھے لیکن تین مہینے تک کام نہ شروع کر سکنے سے ان کا سنا گیا تھا کہ دو لاکھ روپیہ خرچ

ہوگیا تھا - میں پنڈت موتی لال اور ان کے شرکار کی ہمت کی تعریف کرتا تھا اور انکی کامیابی کے لئے دعا کرتا تھا - لیکن ان لوگوں کے دیر سے کام شروع کرنے اور خرچ بڑھے ہوئے ہونے نے انھیں کچھ بھی فائدہ نہ ہونے دیا - ورنہ جو تماشے انھوں نے پہلے پہل کئے تھے انھیں لوگ بہت پسند کرتے تھے - جب میں لنڈن سے واپس آیا تو مجھے ایک ہندوستانی نے بتلایا - کہ کمپنی کے تماشوں میں بہت کم آدمی جاتے ہیں - اور کمپنی نے پہلوان وغیرہ کئی آدمی ہندوستان کو لوٹا دیئے ہیں - شاید بانیان کمپنی کو اس بات کی سزا ملی ہو کہ ہندوستانی انھوں نے سرزمین یورپ سے بجائے خرچ کرنے کے کچھ کمانے کا ارادہ کیا تھا - بھلا کہیں

ہندوستانی یورپ سے کما کر لائیں

الٹی گنگا بھی بہی ہے - وہ تو خیر گزری کہ انھیں خسارہ ہوا ورنہ آئندہ ہمیشہ ہندوستانی یورپ میں جاکر کمانے کھانے کی راہ بھی نکال لیتے امید ہے کہ اہل یورپ کی طرح ہندوستانی اس ایک شکست سے پست ہمت نہیں ہوجائیں گے پرفارمنگ کمپنی میں کامیابی نہیں ہوئی تو کچھ انتظام کی غلطی یا اور وجوہات ہونگی ہندوستان کی دستکاریوں کو یورپ اور امریکہ میں شہرت دینے اور کھپانے کے لئے اور یورپ کے مختلف ممالک کے مال کو جو یہاں آتا ہے خوب سٹڈی کرکے ہندوستان پہنچنے کے لئے ہزار پانچسو ہندوستانیوں کی کھپت ہوسکتی ہے جو کاروبار سے کچھ مس رکھتے ہوں اور شروع میں کام چلانے کے لئے کچھ روپیہ بھی خرچ سکیں - ان میں سے ممکن ہے بعض تو لکھ پتی ہوجائیں مگر باقی بھی کام سمجھ جانے کے بعد تین چار سو روپیہ ماہوار سے کم نہیں کمایا کریں گے - مجھے وہ ہندوستانی بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں جو ہندوستان سے باہر جاکر کمائیں اور اگر ہوسکے تو اس کمائی کو ہندوستان میں لاکر کھائیں - اہل یورپ کروڑوں روپے ہندوستان سے کماکر یورپ میں لے جاتے ہیں - سو آئندہ ہندوستان کے سب سے بہتر فرزند وہ ہوں گے جو یورپ امریکہ وغیرہ میں جاکر کسی نہ کسی طرح سے محنت مزدوری یا تجارت سے کمائیں - ہر چند میں نے بہت غور کیا مگر ہندوستانیوں کے یورپ میں آکر کمانے کے سب راستے ظاہرا بند پائے - تاہم مجھے یقین ہے - کہ اگر ہندوستان کے کئی ہونہار نوجوان عزم کرلیں - تو وہ یورپ میں جاکر اپنے لئے راستے خود کھول سکتے

ہیں۔ کیا وہ چینیوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اگر ہندوستانی یہاں کی طرح طرح کی مشینوں اور دوسرے کارخانوں سے مزدور بنکر سیکڑوں ہنر اور فن سیکھ جائیں گے۔ تو اپنے ملک میں جاکر انھیں رواج دے سکیں گے۔ اب تو یہ وقت ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی یورپ سے کوئی مشین بھی خریدتا ہے۔ تو اکثر اوقات اس کے پرزے نہ جوڑ سکنے کی وجہ سے مشین کام میں نہیں لا سکتا ہرچند کہ انگریز سو سال سے زیادہ سے ہندوستان میں حکومت کرتے ہیں۔ لیکن ان کے تعلق سے ہندوستانیوں پر یورپ کی اچھی باتوں کا اتنا اثر نہیں پڑا۔ جتنا کہ ایک ہزار ہندوستانیوں کے دو تین سال یورپ و امریکہ میں رہ کر واپس جانے سے پڑ سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ہندوستانی کچھ لکھے پڑھے ضرور ہوں۔ یہاں تو میں نے دیکھا ہے کہ صرف گھوڑے اور بیل اور کتے تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ باقی اللہ کی سب مخلوقات خواندہ ہے۔ بعض اوقات کسی میلے کپڑوں والے یا غریب شخص کی طرف دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا نہیں ہے۔ لیکن وہ کم و بیش خواندہ نکلتا ہے ؎

پیشوں اور حرفتوں کے راز

نمائش گاہ پیرس میں اور اس سے باہر مجھے اکثر اوقات خیال رہتا تھا۔ کہ کوئی ایسے کار آمد اور مفید پیشے اور چھوٹی چھوٹی کلیں تلاش کروں۔ کہ جن سے ہندوستان کے غریب لوگ معمولی استطاعت کے ساتھ کام کر سکیں۔ چنانچہ میں نے اس بارہ میں جو چند نوٹ کئے تھے انھیں کتاب کے اخیر میں درج کرتا ہوں۔ ایک روز میں نے نمائش گاہ میں ایک امریکہ کے میوہ جات پریزرو کرنے والے جنٹلمین سے ملاقات کی اور اس کی خوش اخلاقی نے مجھے جرأت دلائی۔ تو میں نے اس سے میوہ جات کو سڑنے سے محفوظ رکھنے کا حال معلوم کیا۔ اس نے مجھے یہ تو بتلا دیا کہ نمائش کرنے کے لئے میوہ جات کی بغرض نمائش اصلی شکل و صورت قائم رکھنے کے واسطے کیا تدابیر کرنی چاہئیں۔ مگر عام طور پر کھانے کے میوہ جات کو کچھ مدت تک محفوظ رکھنے کا طریقہ نہ بتلایا۔ تاہم ایک طریقہ جو مجھے معلوم ہوا تھا وہ اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ لکھتا ہوں اگر ہندوستانی کم و بیش تنخواہ پر تھوڑا عرصہ یورپ کے

کارخانوں میں مزدوریاں کریں۔ تو وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں ؛

یورپ کے میوہ جات

یورپ کے سرد ملکوں میں میوہ جات بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ بعض میوے یہ لوگ بڑی مشکل سے شیشہ کے مکانات میں پیدا کرتے ہیں۔ خربزہ جیسی عام چیز کو شیشہ کے چوکھٹوں میں نگہداشت کرتے ہیں اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ خربزہ یہاں کسقدر گراں ہو گا۔ سالم خربزہ خرید کر یہاں کھانے کا رواج نہیں کیونکہ لوگ اتنے دام نہیں دے سکتے۔ اس لئے بعض رسٹارنٹوں میں کھانے سے پہلے ایک پھانک خربزہ کی بھی دیتے ہیں۔ جس کے دام دس بارہ آنے۔ یا اس کے قریب لگا لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہاں سردے کیوں نہیں بھیجے جاتے۔ شفتالو ڈبوں میں روئی میں بندھوا کر اٹلی سے دیگر بلاد یورپ میں جاتے ہیں۔ اس لئے ایک ایک شفتالو کی قیمت تین تین چار چار آنے ہوتی ہے۔ ایسے شفتالو لاہور میں پیسے کے آدھ سیر اور سیر بھر بکتے ہیں۔ میرے لاہور کے دوست جانتے ہیں کہ مجھے شفتالو سے بہت رغبت ہے لیکن یہاں میرے پاس اتنے دام نہیں تھے کہ ہر روز جتنے چاہتا کھاتا۔ علاوہ اس کے یہ ایسے لذیذ بھی نہیں تھے کہ جیسے لاہور میں ہوتے ہیں۔ آم کا یہاں کے لوگ نام بھی نہیں جانتے۔ پس ہندوستان سے لاکھوں روپیہ سالانہ کی تجارت میوہ جات کی یورپ سے جاری ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ پیسے والے ہیں۔ اور کھانے پینے پر خوب خرچ کرتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہندوستان میں میوہ جات ایک دو ماہ محفوظ رکھنے کی سستی اور سہل ترکیب جانتے ہوں تو وہ اپنے ہموطنوں کے فائدے کے لئے مشتہر کر دیں۔ کیونکہ صرف اسی لائن میں لاکھوں روپیہ سالانہ کی تجارت یورپ سے چل سکتی ہے ؛

کچھ اور ہندوستانی

علاوہ ہندوستانیوں کے جن کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ دو بنگالی۔ دو تین پارسی۔ ایک مرہٹہ ایک سرحدی پٹھان گلاب شاہ نامی جو اٹھارہ سال سے یورپ میں رہتا ہے۔ گو ناخواندہ ہے مگر فرانسیسی اور انگریزی بلا تکلف بول سکتا ہے اور یورپ سے ہر طرح اپنی روٹی کما لینے میں بڑا ہوشیار ہے

اور ایک لاہور کے بابو محمد بخش مجھے یہاں ملے۔ شاید کوئی بھولا بھٹکا اور بھی یورپین لباس میں ہو ؛

یورپ کے غریب لوگ اگرچہ نمائش گاہ میں تمام یورپ اور امریکہ کے دولتمند اور فیشن ایبل لوگ جمع تھے۔ تاہم بہت سے غریب یورپین کنبے بھی ہر طرف نظر آتے تھے۔ اور جس طرح دولتمند لوگ ہوٹلوں اور رسٹارنٹوں میں پر تکلف اور بیش قیمت کھانے کھاتے تھے۔ اسی طرح یہ غریب کنبے اپنے بیگوں اور تھیلیوں سے روٹی نکال لیتے اور نمائش گاہ کے کسی باغیچہ یا کونے میں بیٹھ کر بیر شراب یا پانی کے ساتھ خشک روٹی کو حلق سے اتار لیتے جسطرح ہمارے ملک میں دیہاتی میلوں کے موقعہ پر غریب لوگ روٹیاں پکوا کر پلے باندھ لیتے ہیں ویسا ہی ان کا حال تھا مگر یہ لوگ کچھ شربت یا شراب وغیرہ خرید لیتے تھے کیونکہ یہاں پانی مفت ملنے کا کوئی مقام نہ تھا۔ البتہ صرف دو چار جگہ میں نے پانی کے نلکے دیکھے جہاں سے لوگ مفت پانی کے گلاس اور بوتلیں بھر لیتے تھے ؛

نمائش کی گائیڈ نمائش گاہ پیرس کے حالات کے لئے فرانسیسی و انگریزی میں کئی گائیڈ بکیں چھپی ہوئی ملتی تھیں۔ لیکن سب سے اعلےٰ گائڈ وہ آفیشل ہینڈ بک تھی جو سولہ یا اس سے زیادہ جلدوں میں مہتممان نمائش کی جانب سے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں کل اشیاء کی تفصیل درج تھی جو نمائش میں رکھی گئی تھیں۔ میں نے پانچروز مختلف اوقات میں بعض پیرس کے ملاقاتیوں کی مدد سے نمائش وغیرہ کے مقامات دیکھے۔ اس لئے یہاں مجھے کسی تنخواہ دار گائیڈ کے رکھنے کی ضرورت نہیں پیش آئی ؛

اس عظیم الشان نمائش کو میں ناظرین کے تقسیم کے خیال سے پہلے دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں ایک حصہ میں وہ تمام اشیائے صنعت و حرفت و ساختہ ممالک دنیا ہیں۔ جو بغرض تعلیم جمع کی گئی ہیں۔ اور دوسرے میں وہ تمام دل بہلاؤ کے سامان مثل ایفل ٹاور پر چڑھنے یا غبارہ پر اڑنے یا زیر زمین جانے یا تھیٹر اور پینوراما وغیرہ دیکھنے کے تھے دیکھنے کے سوائے ایک بڑا حصہ نمائش میں کھانے پینے کا شامل تھا۔ چپہ چپہ پر

بیر شراب اور قسم قسم کی شرابوں قہوہ اور چائے اور لیمونیڈ پینے کی دکانیں اور کھانے کے رسٹارنٹ تھے - یہ لوگ خوب روپیہ کما رہے تھے یہاں پانی پینے کا تو رواج ہی نہیں تھا مجھے عجیب عجیب تجربے اثنائے سفر میں ہوئے یہ لوگ بڑے کھانے اور پینے والے ہیں اور اکثر وقت فرصت میں کھاتے پیتے نظر آتے ہیں - یہاں کی آب و ہوا میں بھوک بھی زیادہ لگتی ہے ؛

نمائش میں فن تعمیر زور

نمائش گاہ کی بڑی ترکیب اس طرح ہے کہ پیرس کے مشہور "لو وا ٹر" (لمبا اور کشادہ بازار جس کے دونوں طرف سایہ دار درخت ہیں) اور شانزلائزی سڑک کے قریب اور "پلاس ڈالا کونکار" (وسیع چوک) کے محاذی نمائش کا بڑا دروازہ تھا - تین ۶۶ - ۶۶ فیٹ محرابوں کا ایک مثلث (۶۶ ۴ ۵) گز زمین پر بڑے تکلف سے تعمیر کیا گیا تھا - اس کے گنبد کے نیچے دو ہزار آدمی کھڑے ہو سکتے تھے گویا یہ مثلث عمارت تھی کہ جس کے تینوں پہلوؤں میں تین دروازے تھے اور اٹھاون جھنگلے آدمیوں کے اندر گزرنے کے تھے - کہ جن سے ایک گھنٹہ میں ساٹھ ہزار آدمی داخل ہو سکتے تھے - یہ دروازہ ہزار ہا رنگین برقی لیمپوں سے رات کو خود بخود روشن ہوجاتا تھا - اور عجیب دلکش نظارہ ہوتا تھا یہ پر تکلف منبت کاری اور بتوں اور تصویروں کے کام سے آراستہ تھا - تصویروں - بتوں اور دیواروں کے "فریز" میں پتھر اور چونہ کے بیل بوٹے بنانے کے کام کی یہاں اسقدر عزت ہے اور اس کام کو نمائش کی عالیشان عمارات میں جا وبے جا اسقدر صرف کیا گیا تھا - کہ میرے خیال میں جسقدر لاگت کل عمارتوں کی تعمیر کو آئی ہو گی - اس سے بہت زیادہ انکی ایسی آراستگی پر ہوئی ہوگی کہ جنپر خاص خاص نامی آرٹسٹ اور مصور لگائے گئے تھے - اور انھوں نے جو کام کئے تھے - ان سے عمر بھر کے لئے اُن کے نام روشن ہوگئے - افسوس ہے کہ ہم لوگ ان لوگوں کی اس جانفشانی کو سمجھ بھی نہیں سکتے لیکن مندرجہ ذیل بیان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے - کہ فرانس میں اس خاص آرٹ کی کسقدر قدر کیجاتی ہے - فرانس کے تمام ملک میں مختلف مدارس آرٹ کے قائم ہیں اور سرکار فرانس کا فرض ہے کہ ان سب پرائیویٹ سکولوں کی مالی امداد کرے - پیرس کے نیشنل سکول آف

فائن آرٹس میں نقاش مصور بت بنانے والے پتھر کندہ کرنے والے اور معمار وغیرہ تعلیم پاتے ہیں۔ جن کو گورنمنٹ سے وظائف ملتے ہیں۔ اور اسی سکول کی بدولت فرانس کے آرٹ کا رتبہ یورپ بھر میں اعلےٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں سے یہ لوگ تعلیم ختم کر کے اکاڈیمی آف فرانس واقع روم (اٹلی) میں اس فن کی تعلیم کی تکمیل کے لئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ فرانس چینی اور مٹی کے برتن بنانے اور ٹیپسٹری کی قسم کے قالین بننے کے مدارس پر روپیہ خرچ کرتی ہے۔ جبھی تو مٹی کے برتن سونے کی قیمت سے خریدنے کو جی چاہتا ہے اور ان پر ایسا اعلےٰ آرٹ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے کہ انسان دنگ ہو جاتا ہے۔ ان کے بہت سے نمونے نمائش میں مَیں نے دیکھے۔

فن تعمیر میں قومی خصوصیت

اس کے علاوہ نمائش کے مکانات میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی تھی۔ کہ وہ بڑے عالیشان ہوں اور خاص خاص حالتوں کے لئے ان کی صورتیں موزوں ہوں اور یہ واقعی بہت بڑا کمال یہاں کے معماروں نے کیا تھا کہ شکل سے دیکھ کر پہچان جاؤ کہ یہ عمارت ٹرکی کی ہے۔ یہ ایران کی ہے۔ یہ مصر کی ہے۔ یہ چین کی ہے یہ جاپان کی ہے۔ یہ روس کی اور یہ افریقہ کی کسی وحشی قوم کا بھدا سا گارے سے لیپا ہوا جھونپڑا یا چھپر کا مکان ہے یہ بہت بڑا کمال ہے اور اس سے بھی بڑا کمال یہ ہے کہ سیام اور انام کے بعض پہاڑ میں کھودے ہوئے مندر اور غار بنا کر دکھائے گئے تھے۔ جو بالکل پہاڑ کی کھوہ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن دراصل کاریگروں نے چونہ سے یہ کام بنایا تھا انام اور جاوا کے مکانات پر بدھ کے کئی بت عمارت میں تراشے گئے تھے۔ الجیریا اور مراکو ٹیونس کے مکانات اپنی اپنی شان کے فن عمارت میں بنائے گئے ہیں ایسے ہی یورپ کے مختلف ممالک۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ اٹلی۔ یونان۔ بلجیم۔ ہالینڈ۔ ہسپانیہ۔ انگلستان سویڈن۔ ناروے۔ وغیرہ کے مکانات میں وہ امتیاز تھا جو ان ملکوں کی عمارات میں ہے اور ہر واقف باہر سے ہی دیکھ کر کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ اٹلی یا ہالینڈ کا مکان ہے۔ مجھے بار بار ان مکانات کو دیکھ کر اس خیال سے افسوس ہوتا تھا کہ آج سے تین ماہ بعد ایسے عالیشان مکانات گرا دیئے جائینگے اور اتنی جلدی گرا دیئے جانیوالے مکانات پر معماروں اور منبت کاروں اور سنگتراشوں

نے ایسی محنتیں اور لیاقتیں کی ہیں۔ قوموں کے مکانات میں تو صرف بعض قومی پوشش اور روزمرہ زندگی کی ضروریات بعض ساخت اور صنعت وحرفت کا سامان اور سامان تعلیم اور پیداوار ملکی رکھی گئی تھیں۔ لیکن سب ملکوں کی اصل نمائش کی تجارتی چیزیں مثلاً کلیں یا دیگر سامان صنعت و حرفت خاص خاص حصوں میں تقسیم ہو کر بڑے بڑے نمائش کے محلات میں رکھے گئے تھے۔ مثلاً زراعت کی نمائش میں ہر ملک کی زراعت کی کلیں اور پیداوار یہاں تک کہ غلہ کے خوشے اور روٹیاں تک پکی ہوئی دھری تھیں اور شیشوں میں ہر قسم کے اناج کے دانے اور فن زراعت کی کل کتابیں مکمل اور غیر تیار کرنے اور باغبانی اور نخلبندی کی کلیں غرض فن زراعت اور اس کے سب متعلقات کے سامان ہر ملک کے الگ الگ حلقوں میں موجود تھے ؃

اٹھارہ حصے

منتظمان نمائش نے اشیائے موجودہ کے کسی ترکیب سے رکھنے میں بڑی کوشش کی تھی۔ کیونکہ سب چیزوں کے بعض پہلو دوسری چیزوں سے ملتے تھے۔ مثلاً زراعت کی کلیں دوسری کلوں سے ملتی تھیں۔ اور کپڑے۔ اون اور روئی اور دیگر ریشہ دار چیزیں زراعت سے متعلق تھیں۔ اس لئے ان لوگوں نے بڑی کوشش سے تمام نمائش کی اشیا کو اٹھارہ حصوں اور (۱۲۱) شاخوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان اٹھارہ حصوں کی تفصیل یہ ہے۔ حصہ اول تعلیم وطریقہ تعلیم دوم مصوری۔ نقاشی۔ تعمیر سوم لٹریچر سائنس اور آرٹس۔ چہارم کلیں۔ پنجم برق ششم سول انجنیری؛ ور ٹرینسپورٹ وزراعت ہشتم باغبانی ونخلبندی۔ نہم جنگلات۔ شکار ماہی گیری۔ دہم خوراک یازدہم معدنیات وفلزات۔ دوازدہم سامان آرائش وفرنیچر سیزدہم پوشش دریچے۔ چہاردہم کیمیاوی حرفتیں۔ پانزدہم متفرق حرفتیں۔ شانزدہم صحت۔ حفظ صحت اور مزدوروں کے مکانات۔ ہفدہم نوآبادیاں۔ ہژدہم فوجی اور بحری نمائش ؃

۱۲۱ شاخیں

اور ان اٹھارہ حصوں کی (۱۲۱) شاخوں کی فہرست گو بہت لمبی ہے۔ تاہم نمائش گاہ کی پوری کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے اسکا

درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

حصہ اول تعلیم و تربیت شاخ (۱) بچوں کی تعلیم - پرائمری تعلیم - نوجوانوں کی تعلیم - شاخ (۲) سکنڈری تعلیم - (۳) اعلےٰ تعلیم - سائنس کے مدارس - (۴) خاص فنون نفیسہ (فائن آرٹس) کی تعلیم مع موسیقی (۵) خاص تعلیم زراعت - (۶) خاص تجارتی اور حرفتی تعلیم:

حصہ دوم - آرٹس کے کام (صرف فنون نفیسہ) (۷) نقاشی - نقشہ کشی - کارٹون - (۸) چھاپنے کی تصویریں کھودنا پتھر کا چھاپا - (۹) تمغوں اور قیمتی پتھروں پر کندہ کرنا - اور بُت بنانا - (۱۰) تعمیر عمارت:

حصہ سوم لٹریچر - سائنس اور آرائش کے متعلق آلات و تراکیب (۱۱) ٹائپوگرافی - مختلف قسم کی چھاپنے کی ترکیبیں - (۱۲) فوٹوگرافی - (۱۳) کتابیں فن موسیقی کے مطبوعات جلد بندی - اخبارات - پوسٹر - (۱۴) نقشے اور جغرافیہ - اور کاسموگرافی - علم الارض کے سامان - ٹائپوگریفی - (۱۵) ریاضی اور سائنس کے متعلق آلات - سکے اور تمغے (۱۶) طب اور جراحی - (۱۷) آلات موسیقی - (۱۸) تھیٹر کے متعلق اشیاء اور سامان:

حصہ چہارم مکینکل انجنیرنگ (۱۹) دخانی انجن - (۲۰) مختلف قسم کے انجن - (۲۱) عام کلیں - (۲۲) مشین ٹول:

حصہ پنجم برق (۲۳) بجلی کا مکینکل وسائل سے پیدا کرنا اور کام میں لانا - (۲۴) الکٹرو کمسٹری - (۲۵) برقی روشنی - (۲۶) ٹیلیگرافی - اور ٹیلیفونی - (۲۷) برقی طاقت کے مختلف استعمال:

حصہ ششم سول انجنیری و باربرداری (۲۸) سامان اسباب اور تراکیب متعلق بہ سول انجنیری - (۲۹) پبلک ورکس کے متعلق نمونے اور نقشے - (۳۰) گاڑیوں اور پہیوں کے بنانے کے کام - علاوہ ریلوں کے - (۳۱) زینیں اور ساز - (۳۲) ریل اور ٹراموے کا سامان - (۳۳) تجارتی جہازرانی کے متعلق سامان اور اسباب (۳۴) غبارہ بازی کے متعلق سامان:

حصہ ہفتم زراعت (۳۵) آلات اور ترکیب جو کشتکاری میں مستعمل ہوتی ہیں۔ (۳۶) کاشت انگور کے متعلق سامان اور ترکیبیں۔ (۳۷) دیگر اشیا کی کاشت کے متعلق سامان اور ترکیبیں۔ (۳۸) کشتکاری کے اصول۔ زراعت کے شمار و اعداد۔ (۳۹) پیداوار زراعت متعلق بہ غذا۔ (۴۰) پیداوار حیوانی متعلق بہ غذا (۴۱) زراعتی پیداوار جو قابل خوراک نہ ہو۔ (۴۲) مفید کیڑے اور ان کی پیداوار مضر کیڑے اور ان کے قاتل پودے۔ (۴۳) سامان اور تراکیب جو باغبانی اور نخلبندی میں کام آتے ہیں۔ (۴۴) خانہ باغ کے پودے۔ (۴۵) میوہ جات اور میوہ دار درخت اور پودے۔ (۴۶) درخت جھاڑیاں۔ آرائشی پودے اور پھول (۴۷) گرین ہاؤس اور ہاٹ ہاؤس کے پودے۔ یعنی شیشہ گھروں کے پودے۔ (۴۸) باغبانی اور ذخیرے کے تخم اور پودے ؎

حصہ ہشتم فن باغبانی و نخلبندی

حصہ نہم جنگلات شکار ماہی گیری اور جنگلی خودرو پیداوار (۴۹) محکمہ جنگلات کے متعلق سامان و تدابیر۔ (۵۰) جنگلات کی کاشت اور جنگلاتی حرفتوں کی پیداوار۔ (۵۱) شکاری سامان اور ضروریات۔ (۵۲) شکار کی پیداوار اور حاصلات۔ (۵۳) ماہی گیری کا سامان کانٹے وغیرہ اور پیداوار۔ (۵۴) خودرو جنگلی فصلوں کے جمع کرنے کے آلات اور سامان ؎

حصہ دہم خوراک کی پیداوار (۵۵) سامان و تدابیر جو خوراکی پیداوار کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں۔ (۵۶) پھلوں کے متعلق پیداوار اور اس کے خلاصے۔ (۵۷) روٹی اور حلوے۔ (۵۸) گوشت مچھلی ترکاریاں اور میوہ جات جو ٹین میں بند کر کے رکھے جاتے ہیں۔ (۵۹) شکر اور مٹھائی کی اقسام۔ اور انواع و اقسام کے مصالحے اور اچار و چٹنیاں۔ (۶۰) مختلف اقسام کی انگوری شرابیں۔ (۶۱) شربت اور شرابیں۔ مختلف قسم کے الکحال والی تجارتی شرابیں۔ (۶۲) مختلف قسم کی پینے کی چیزیں ؎

حصہ یازدہم کان کنی معدنیات (۶۳) کانوں کا کھودنا۔ (۶۴) فلزات و معدنیات۔ (۶۵) دھاتوں کے مختلف قسم کے کام۔ (۶۶) سرکاری عمارات

حصہ دوازدہم - پبلک عمارات اور پرائیویٹ مکانات کی آرائش کے سامان اور فرنیچر

اور سکونتی مکانات کی مستقل آرائش - (۶۷) رنگین شیشہ - (۶۸) دیوار پر چسپاں کرنے کے کاغذ کی اقسام اور کاغذ کو چسپاں کرنے کی تدابیر (۶۹) خانگی اور آرائشی آرٹ - فرنیچر - (۷۰) قالین ٹیپسٹری اور دیگر اقسام فرش و آرائش دیوارہا - (۷۱) عارضی آرائش اور سامان خانہ داری کی تجارت (۷۲) گلی اور چینی ظروف (۷۳) شیشہ بلور - (۷۴) مکانات میں حرارت - روشنی اور ہوا داری پیدا کرنے کے سامان اور وسائل - (۷۵) برقی روشنی کے علاوہ دیگر قسم کی روشنیاں اور اُن کے سامان و تدابیر ؎

حصہ سیزدہم سوت - تاگا - کپڑا

(۷۶) کاتنے اور رسے بٹنے کے سامان اور تدابیر - (۷۷) کپڑا بُننے کے کارخانوں کا سامان اور طریقے (۷۸) کپڑے کے مصالح کو مختلف حالتوں میں دھونے رنگنے چھاپنے اور تیار کرنے کے طریقے اور سامان - (۷۹) لباس سینے اور تیار کرنے کے لئے ضروری سامان اور طریقے - (۸۰) روئی کا دھاگا - اور کپڑا - (۸۱) سن اور السی وغیرہ کا تاگا اور کپڑا - (۸۲) اون کا تاگا اور کپڑا - (۸۳) ریشم اور ریشم کا کپڑا - (۸۴) لیس - زردوزی - اور گوٹہ اور حاشیے کے جھالر (۸۵) خیاطی اور عورتوں مردوں اور بچوں کے لباس تیار کرنا - (۸۶) کپڑے سے متعلق مختلف پیشے ؎

حصہ چہاردہم کمسٹری کے متعلق پیشے

(۸۷) عملی کمسٹری اور دواسازی - (۸۸) کاغذ سازی (۸۹) چمڑے اور کھالیں - (۹۰) خوشبوئیں تیار کرنا عطاری - (۹۱) تمباکو اور دیاسلائی بنانا ؎

حصہ پانزدہم مختلف پیشے

(۹۲) سٹیشنری - (۹۳) کٹلری - چھریاں - چاقو - قینچیاں - (۹۴) سنار کے سونے اور چاندی کے سامان - (۹۵) زیورات اور جواہرات - (۹۶) کلاک جیبی گھڑیاں - ٹائم پیس - (۹۷) برنج اور لوہے کے ڈھالے ہوئے اور گھڑے ہوئے سامان - (۹۸) برش - چمڑے کی چیزیں - فینسی آرٹیکل اور باسکٹ ورک (۹۹) انڈیا ربر اور گٹا پرچا کی حرفتیں - سفر اور دورہ کے سامان

(۱۰۰) کھلونے ۔

حصہ شانزدہم سوشل اکانومی حفظان صحت پبلک اور خیراتی امداد

(۱۰۱) امیدواری اور شاگردی نوعمر مزدوروں کی حفاظت - (۱۰۲) محنت اور مزدوری تقسیم منافع تجارت مشترکہ (۱۰۳) بڑی اور چھوٹی حرفتیں - کواپے ریٹو ایسوسی ایشنس - پروفیشنل اور ٹریڈ ایسوسی ایشنس - (۱۰۴) بڑے چھوٹے پیمانے پر کشتکاری کرنا جس میں دودھ اور مکھن اور انڈے اور گوشت تیار کرنا شامل ہے زراعتی بینک یا قرضے - زراعتی انجمنیں - (۱۰۵) حرفتیں کارخانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور حمایت کام کے متعلق قواعد و ہدایات - (۱۰۶) مزدوروں کے مکانات - (۱۰۷) کواپے ریٹو اور پراویژن سٹور - (۱۰۸) مزدور زن و مرد کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے متعلق انسٹی ٹیوشن - (۱۰۹) پراویڈنٹ انسٹی ٹیوشن - (۱۱۰) لوگوں کی بہتری کے لئے سرکاری اور پرائیوٹ تحریکیں - (۱۱۱) حفظان صحت - (۱۱۲) پبلک خیراتی امداد

حصہ ہفتدہم نوآبادیاں بسانا

(۱۱۳) نوآبادیوں کے بسانے کے طریقے - (۱۱۴) نوآبادیوں کی عمارات اور سامان - (۱۱۵) خاص اشیاء جو نوآبادیوں کو بھیجی جاتی ہیں ۔

حصہ ہشتدہم بری اور بحری جنگی فوجیں

(۱۱۶) توپ خانہ کے سامان - (۱۱۷) فوجی انجنیری اور متعلقہ خدمات - (۱۱۸) بحری تعمیرات ہائیڈرالکس - تارپیڈو کشتیاں - (۱۱۹) نقشہ کشی ہائیڈروگرافی مختلف آبی آلات - (۱۲۰) متفرق صیغہ جات - (۱۲۱) حفظان صحت اور حفظ ماتقدم کے سامان ۔

لیکن اس قدر دلچسپ اور عظیم نمائش کو دیکھ کر بھی مجھے بہت خوشی نہیں ہوئی بلکہ بعض اوقات ایک ایک قدم پر درد محسوس ہوتا تھا - نہ اس لئے کہ یہاں مجھے کوئی تکلیف تھی نہیں یہ تو نہایت خوبصورت شہر ہے - دنیا میں اس کا ثانی خوبصورتی میں نہیں - نہ اس لئے کہ یہاں کے باشندے تندخو اور بدمزاج ہیں - فرانسیسی نہایت متواضع اور پورے درجہ کے پولائٹ (خلیق) ہوتے ہیں - ان کے چھوٹے چھوٹے

میرے خیالات

بچوں کو میں نے نہایت متواضع اور مودب پایا ہے۔ نہ اس لئے کہ مجھے اچھی چیزیں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ دنیا بھر کے بھانت بھانت کے لوگ یہاں نظر آتے ہیں۔ دنیا بھر کی عجیب عجیب چیزیں نمائش میں ہر روز دیکھتا ہوں۔ خوبصورت لیڈیاں اور بانکے جنٹلمین ہر روز پس وپیش پھرتے رہتے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک چیز میرے درد و افسوس کو بڑھاتی ہے۔ جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ہموطن کیوں ان خوشیوں سے محروم ہیں۔ وہ کیوں قحط اور افلاس کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ بلکہ ہمارا ملک زیادہ زرخیز ہے۔ وہاں ارزانی زیادہ ہے۔ وہاں باشندے بہت زیادہ ہیں۔ ان کے اباواجداد اہل یوروپ سے پہلے مہذب تھے۔ ان سب خرابیوں کی جڑ مجھے جہالت اور بے علمی نظر آتی ہے۔ سرسید آحمد خاں مرحوم و مغفور نے آج سے بیس برس پہلے یوروپ میں آکر جو نتیجہ نکالا تھا۔ ہر شخص ضرور اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ اگر ذرا بھی آنکھیں کھول کر دیکھے مگر اولیت کا تاج ضرور اسی بزرگ سید کے سر پر رہے گا۔ آج یوروپ بیس سال پہلے کے یوروپ سے بے حد ترقی کر گیا ہے۔ فرانس کی نمائش کے مہتمم کہتے ہیں۔ کہ ان کی ۱۸۸۹ء کی نمائش گاہ میں اور حال کی نمائش گاہ میں ترقی صنعت کے لحاظ سے صدہا کوس کا فرق ہے۔ جرمنی کی کل صنعت وحرفت کی کائنات بیس سال کی عمر رکھتی ہے۔ یعنی ۱۸۷۱ء کی جنگ فرانس و جرمنی کے بعد اس کی بنیاد پڑی۔ مجھے یقین ہے۔ کہ سرسید مرحوم اگر اس زمانے میں یوروپ آتے تو اپنی تعلیم کی سکیم کے ساتھ صنعت وحرفت کی تعلیم کا جزو ضروری سمجھتے یہاں صناع اور کاریگر اور سوداگر راجوں اور شہزادوں کے درجے حاصل کرتے ہیں۔ اُن ابنائے وطن سے جو میرے خیال کی تائید کرتے ہیں۔ میں نہایت درد سے مستدعی ہوں کہ وہ اس خیال کی اشاعت میں کوشش کریں۔ تاکہ ایک عظیم قومی ٹیکنیکل سکول کی بنیاد رکھی جائے ؛

نمائش کا پہلا حصّہ

حکمت طلب و بزرگی آموز
تا بہ نگر ند روزت از روز

میں قریب ایک مہینے کے پیرس میں رہا - اور سوائے تین یا چار روز کے بلاناغہ نمائشگاہ میں جاتا رہا - اور اکثر اوقات دن دن بھر نمائش کے دیکھنے میں مصروف رہا اس لئے اتنے دنوں میں مَیں نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا - پھر بھی اکثر حصے نہایت سرسری دیکھے تھے - کیونکہ نمائش کو نظر غور و تعمق سے دیکھنے کے لئے چھ مہینے بھی کافی نہیں ہو سکتے یوروپ اور امریکہ کی تمام سائنس اور شائستگی نے انیسویں صدی مسیحی کے اس آخری سال تک جو کچھ بھی ترقی کی ہے - اس سب کا خلاصہ اور انتخاب یہاں پیش کیا گیا تھا - غرض دنیا کے ہر ایک صیغہ کی چوٹی کی عجیب نرالی کار آمد و مفید چیزیں یہاں موجود تھیں - پھر اس سے ان چیزوں کے دیکھنے میں بہت سا وقت صرف ہو جائے تو بالکل معمولی بات تھی - عمارات کہ جن میں یہ چیزیں رکھی گئی ہیں - بجائے خود بڑے بڑے قصر رفیع اور انواع و اقسام کی طرز تعمیر کے نمونے ہیں - میں تو جس چیز کی طرف دیکھتا تھا - اور جہاں دیکھتا تھا - محو تماشا رہ جاتا تھا - اشیائے نمائش کا یہ عالم تھا - ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

عمارات کی یہ حالت تھی - ؎

زہے صفاتِ عمارت کہ در تماشائش ۔ بدیدہ باز نہ گردد نگاہ از دیوار

دستور تھا کہ صبح ۸ بجے نمائش کھلتی تھی - اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ دس بجے تک فرانک فرانک کے دو ٹکٹ لے کر داخل ہونے کی اجازت تھی - آٹھ بجے سے پہلے نمائش میں صدہا گھوڑا گاڑیاں صفائی کرنے اور کھانے پینے کا سامان اور ایندھن بہم پہنچانے کو ادھر

اُدھر دوڑتی پائی جائیں مگر پھر دن بھر میں نمائش کے احاطہ کے اندر کسی گاڑی کا گزر نہ ہوتا دس

تماشائیوں کی تعداد

بجے سے چھ بجے شام تک ایک ٹکٹ داخلہ کے لئے کافی تھا لیکن شام کے چھ بجے سے گیارہ بجے تک۔ جبکہ پیرس کے اکثر امرا اور رنگین مزاج شوقین خنکی کے وقت آنا چاہتے تھے۔ دو ٹکٹ داخلہ کے لینے پڑتے تھے ۲؍ اگست ۱۹۰۰ء کے پیرس کے اخبار "لا پیٹری" سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۲؍ اگست کو حسب ذیل تعداد کے لوگ نمائش میں داخل ہوئے تھے۔ آٹھ سے دس بجے تک (۵۲۳۴) دس بجے سے چھ بجے شام تک (۴۴۱۰۰) اور شام کے چھ بجے کے بعد (۱۱۰۵۴) سیزن ٹکٹ والے ۳۷۹۷۴ ملازمت کے لئے ٹکٹ والے (یعنی جو نمائش گاہ کے اندر ملازم تھے۔ ۱۰۹۸ مفت ۱۳۰۸ کل ۶۵۰۸۷ - اور جو حصہ نمائش گاہ کے کھیلوں اور ریلوے سامان کی نمائش کا علیحدہ تھا۔ اسمیں (۵۱۱۵) داخل ہوئے۔ میزان کل (۱۷۰۲۰۲) لیکن اس روز تقاطر ہوتا رہا تھا۔ اس لئے اتنے لوگ داخل نہیں ہوئے جتنے کہ ہر روز داخل ہوتے تھے۔ کبھی کبھی تین لاکھ سے بھی زیادہ لوگ نمائش گاہ میں داخل ہوتے تھے۔ چونکہ یہ میلہ ایک روز کا نہیں تھا بلکہ لگاتار ۶ ماہ کا تھا۔ اس لئے اتنے لوگوں کا ہر روز داخل ہونا بھی بڑی بات تھی۔

تقسیم نمائش

نمائش گاہ بلحاظ مقامی حیثیت کے چار بڑے حصوں پر منقسم ہے اور اگر کھیلوں کے ضمیمہ کو الگ کر دیا جائے۔ تو تین حصے تھے۔ جو دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے وسط میں واقع ہیں۔ اور دریا ان تین حصوں کو جدا جدا حصے کر دیتا ہے۔ میں سب سے پہلے پلیس ڈا لا کنکارڈی دکھلانے کے لئے نمائش کے بڑے دروازے کی طرف سے کہ جس کی کیفیت اوپر درج ہو چکی ہے آپ کو اس میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ گو داخل ہونے کے لئے اور بھی چھپن چھوٹے موٹے دروازے تھے۔ اندر جا کر بائیں طرف بائسکل یا آٹو موبیل (خود بخود چلنے والی گاڑی) جن کا پیرس میں بڑا رواج ہے۔ تھوڑی سی فیس دے کر رکھی جاتی تھیں۔ اور راستہ کی دونوں طرف پودوں اور پھولوں کی نمائش شروع ہو جاتی تھی۔ یہاں کیاریوں میں انواع و اقسام کے پھول اور پودے تھے میں ان کا ذکر نہیں کرتا لیکن

جو شیشہ کے مکانات میں عجیب وغریب پودے اور پھول محفوظ تھے۔ وہ تمام دنیا کے عجائبات علم نباتات کا انتخاب تھے۔

گوشت خور پودہ

میں نے یہاں گوشت خور پودہ (پچر پلانٹ) کے کئی نمونے دیکھے۔ اس کے پھولوں کے اندر مکھیاں۔ اور چیونٹیاں جو جاتی ہیں۔ ایک طرح کے لیسدار شیریں لعاب سے لپٹ جاتی ہیں۔ اور پودہ انہیں ہضم کرلیتا ہے۔ اس کے علاوہ جاپان کے پست قامت درخت دیکھے بڑے بڑے درختوں کو جیسے بلوط اور سرس اور شیشم کو جاپانی باغبان کسی طرح کے پیوندوں سے بہت پست قامت بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بڑے بڑے درخت ایک ایک بالشت کے پودوں کی صورت میں دیکھے جن کے تنے ویسے ہی موٹے اور سالخوردہ ہوتے ہیں

نمائش باغبانی وغیرہ

اور شاخیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسی برس میں جاکر ہوتی ہیں۔ لیکن حجم میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان عجائبات کا ذکر کرنے کے لئے کسی علم نباتات کے ماہر کی ضرورت ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں نے ان سے اصلی لطف بھی حاصل کیا ہوگا۔ اگرچہ دریا کے دونوں طرف نباتاتی اور زراعت کی نمائش تھی۔ لیکن دائیں طرف کہ جدھر بڑا دروازہ تھا۔ تین بڑے بڑے قصر شیشوں کی چھتوں اور دیواروں کے اس نمائش کے لئے مخصوص تھے۔ ان میں مختلف ممالک کے پھول پودے اور میوہ جات دکھلائے گئے تھے امریکہ تک کے میوہ جات۔ سیب۔ ناشپاتیاں۔ انگور اور سنگترے نمائش کے لئے لائے گئے تھے۔ اور میوہ جات زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ ان کو سپرٹ وغیرہ مرکبات میں (پریزرو) کیا گیا تھا۔ تاکہ ان کی اصلی ہیئت اور حجم میں فرق نہ آجائے۔ ایک مکان میں تمام غلوں اور پودوں اور ترکاریوں اور میوہ جات کے درختوں کے تخموں کے ہدہا نمونے تھے۔ جو دوکانداروں نے رکھے تھے۔ یہیں باغبانی کے تمام آلات اور زراعت و باغبانی کی تمام کتابیں اور رسالے جو فرانس میں چھپتے تھے موجود تھے۔ ایک جگہ بہت سے پودے سفید شیشہ کے کھلے منہ کی بوتلوں میں تھے اور میزوں پر سفید

کپڑا بچھا کر انھیں رکھا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر صفائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک جگہ مخمل کے اوپر روئی کے پلٹے ہوئے چند پھل سجائے گئے تھے۔ ایک مکان کے اندر ایک بہت بڑا قالین رنگ برنگ کے پھولوں کا اگایا گیا تھا۔ اور اسی جگہ دوران نمائش میں اور بھی کئی مالیوں نے اپنے اپنے پھولوں کے قالین اُگا کر مقابلہ کیا تھا۔ ایک طرف پودوں کو پانی دینے کے آلات اور فواروں کے نمونے تھے۔ ایک سے چار سال کی عمر تک کے ذخیرے۔ گانے کے پودوں کی بھی نمائش کی گئی تھی۔ اور دوران نمائش میں تین مرتبہ ترکاریاں بونے کا مقابلہ پیرس کے بقال فروشوں نے کیا تھا۔ ان بقال فروشوں اور مالیوں کا جوان پودوں کے گرد وپیش پھرتے تھے۔ اور بعض پرائیویٹ نمائشوں کے محافظ تھے۔ کچھ نہ پوچھئے یہ بھی پورے خوش پوش اور تعلیم یافتہ جنٹلمین تھے یہاں سے دریا کی طرف زیر زمیں ایک راستہ تھا۔ جہاں امریکہ کی بہت سی کلیں زراعت کے متعلق رکھی تھیں۔ اور بعض کلیں چلا کر دکھائی جاتی تھیں۔ لیکن ان کلوں کا بہت بڑا مجموعہ شان ڈامار کی ایک عمارت میں آکوٹریم تھا۔ اس سے بھی نیچے زیر زمیں دریا کی سطح سے کسی قدر نیچے شہر پیرس کا۔ یعنی پانی کے جانوروں، پودوں اور پتھروں وغیرہ کے دکھلانے کا عجائب خانہ تھا۔ یہاں علیحدہ ایک فرانک داخلہ تھا۔ جس میں انچ بھر کے موٹے شیشہ کے تختوں کے پیچھے دریائی پانی میں مچھلیوں کے مختلف نمونے۔ جونکیں۔ سرطان اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دریائی جانور مع سمندر کی تہ کی سیپیوں۔ گھونگوں اور مونگے وغیرہ کے درختوں کے ٹھیک ٹھیک اصلی حالت میں دکھلائے گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اس شیشے کے پیچھے پانی کے اندر مصنوعی وسائل سے ہوا۔ اور روشنی پہنچائی گئی تھی۔ ایک جگہ سمندر کی تہ میں غوطہ زن مع غواصی کے آلات وسامان کے کھڑا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ غوطہ زن سمندر کی تہ میں کسی قسم کا لباس پہنکر اور تنفس کی ہوا کیلئے انتظام کر کے نیچے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ وہمی بحری جانور سمندر کی عورت یعنی مرمیڈ بھی پانی کے اندر

پھرتی نظر آتی تھی۔ جس کا نصف بالائی جسم ایک خوبصورت جوان عورت کا اور نصف حصہ زیریں مچھلی کا تھا۔ جیسا کہ تصویروں میں ناظرین نے دیکھا ہوگا۔ ایسی صفائی سے مچھلیوں کے ساتھ ساتھ انسانی شکل کا پانی کے اندر نظر آنا نہایت حیران کرنے والا منظر تھا۔ اس کی چھت اور کناروں پر پتھر وغیرہ کی نوکیں ایسی خوبصورتی سے بنائی تھیں۔ کہ یہ مکان ایک پرانا غار معلوم ہوتا تھا۔

اِس سے آگے دریا کے اسی طرف دو عالیشان عمارات تعمیر کی گئی تھیں جن کے کاریگروں نے اپنی لیاقت تعمیر سے بہت بڑا امتیاز حاصل کیا تھا۔ یہ دونوں

فنونِ نفیسہ کا بڑا قصر

عمارات آمنے سامنے تھیں۔ ایک کا نام "فنونِ نفیسہ کا بڑا قصر"۔ اور دوسری کا نام "فنونِ نفیسہ کا چھوٹا قصر" تھا۔ بڑے قصر میں فرانس اور یوروپ کے تمام ممالک۔ امریکہ اور جاپان کے اعلےٰ مصوروں کی تصاویر۔ آئل کلر اور واٹر کلر دکھلائی گئی تھیں۔ اُستادانِ فن نے مورتوں میں گویا جان ڈالدی تھی۔ پینٹنگ انگریونگ۔ سکلپچر اور آرکی ٹیکچر کا اس سے بہتر مجموعہ دنیا نے کم دیکھا ہوگا۔ یوروپ کے بڑے بڑے ملکوں کے قطع نظر چھوٹے چھوٹے ممالک بلجیم اور ہالینڈ۔ اور ریاستہائے بلقان تک کی تصویروں کے الگ الگ کمرے تھے ایشیا میں سے جاپان۔ نے پہلی دفعہ اس قسم کی نمائش کی تھی۔ عمارت کے وسط کے بڑے صحن میں اسی طرح یوروپ کے تمام ممالک اور اضلاع متحدہ امریکہ کے صناعوں کے برنج اور پلاسٹر آف پیرس کے بنائے ہوئے عجیب وغریب بُت رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض کے ذریعے سے نہایت نازک خیالات اور انسانی جذبات کو ظاہر کیا گیا تھا۔ یوروپین مصوروں اور بت سازوں کے نیچرل مذاق کے مطابق ان تصاویر میں سے اکثر میں مردوں اور عورتوں کے ستر کو کھولنے ان کی رانیں اور چھاتیاں وغیرہ مقامات برہنہ دکھلانے میں مصوروں اور بت تراشوں نے بڑے بڑے زور مارے تھے۔ میں نے ایک یوروپین دوست سے ذکر کیا کہ کیا اس سے بے تہذیبی اور ناپاکی کے خیالات کو ترقی نہیں ہوتی۔ تو اُس نے کہا کہ انھیں اُسی نظر سے

دیکھنا چاہئے۔ کہ جس سے وہ بنائی گئی ہیں۔ یعنی نیچر کی اپنی سادگی اور اصلی خوبصورتی کے اظہار کے لئے نہیں وضع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی چھاتیوں کے ابھار۔ اور گدرائے ہوئے بدن سے وہ دیکھو نیچر پھوٹ پھوٹ کر برس رہی ہے۔ اگرچہ میری نظر میں اول اول یہ بات نرالی معلوم ہوتی تھی۔ مگر میں نے کسی یورپین مرد اور عورت کو اس برہنگی کی طرف ذرا بھی ملتفت ہوتے نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ صرف مصور کی اظہار خیالات کی قابلیت اس کے کام میں تلاش کرتے تھے۔ میں خود کبھی کبھی ان بتوں اور تصویروں کے دیکھنے میں اس قدر محو ہو جاتا تھا۔ کہ ہندوستانی ہونے کا خیال ہی میرے دل سے محو ہو جاتا تھا۔ کیونکہ کئی کئی دن تک کوئی ہندوستانی نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن جب کبھی یہ خیال گذرتا تھا۔ کہ وہ سب دستکاریاں اور عجائبات جو میں دیکھتا ہوں ان میں ہندوستانیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ تو تھوڑی دیر کے لئے ہندوستانی ہونے کی ذلت کی حس تیز ہو جاتی تھی۔ چونکہ میں اپنا وہ وقت بڑی کفایت سے صرف کرنا چاہتا تھا۔ تو میں پہلے روز دن بھر کھڑا رہنے کے بعد ایک جگہ ستانے کو بیٹھ گیا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی دونوں بغلوں میں بیساکھیاں تھیں۔ اور جو چلنے سے معذور تھا۔ وہ بھی نگارخانہ دیکھنے میں مصروف ہے۔ میں نے اسے دیکھ کر خدا کا شکر کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اسقدر ناموران یوروپ کی تصویریں اور بت اس مجموعہ میں موجود تھے۔ کہ ان کی ایک چھوٹی سی لغات تیار ہو سکتی تھی ؛

چھوٹا قصہ

چھوٹے محل میں پرانی چیزیں فنون نفیسہ کے متعلق دکھلائی گئی تھیں۔ اس میں ٹےپسٹری (یعنی قدیم زمانے کے قالینوں کے کہ جن پر تصاویر بنائی جاتی تھیں) اعلیٰ نمونے دیواروں پر آویزاں تھے۔ اور ان پر نہایت نازک اور خوبصورت تصویریں تھیں۔ پیتل کے برتن شمعدان اور آرائش کے سامان لوہے کے آرائش کے سامان۔ قفل اور عجیب وغریب کنجیاں۔ لکڑی کے پرانے عمدہ کام۔ فرنیچر کی قسم سے ہاتھی دانت اور ہڈی

کے عمدہ کام کے نمونے چینی اور مٹی کے پُرانے نفیس برتن زردوزی کا کام چمڑے کے کام۔ چاندی اور سونے کے قدیم زیورات و سامان آرائش۔ پُرانی گھڑیاں شیشہ اور موزائک (پچیکاری) کے کام پُرانے سکّے۔ پُرانی کتابیں۔ اور مسودے اس عجائب گاہ فنون میں صرف پُرانی چیزیں جمع کر کے دکھلائی گئی تھیں۔ جس سے معلوم ہو کہ فرانس میں زمانۂ قدیم میں صنعت و کمال فن کی کیا حالت تھی ان چیزوں کے صناعوں کے نام ملک میں مشہور ہیں۔ فرانس کے ہر شہر میں عجائب خانے اور تصویر خانے ہیں۔ اُن سب نے اپنے یہاں کے استادوں کے نام اس نمائش گاہ کو مستعار دیئے تھے۔ مجھے خیال ہوا۔ کہ اگر ہندوستان میں وہاں کے استادان فن کے کمال کے نمونے تلاش کئے جائیں گے۔ تو نہیں ملیں گے۔ کیونکہ اہل یورپ وہاں سے سب چیزیں۔ کھینچکر یوروپ میں لا رہے ہیں۔ وہ مبصر ہیں اور دولتمند بھی ہیں۔ اور اتنے دام دے سکتے ہیں۔ کہ ہندوستانی نہیں دے سکتے اور حاجتمند ہندوستانی جس کے آبا و اجداد اپنے وقت میں آسودہ تھے اپنی سب چیزیں فروخت کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ ہند ہندوستان کے عجائب خانوں میں رکھنے کے لئے اتنا روپیہ ان چیزوں پر خرچ نہیں کر سکتی۔ جتنا روپیہ کہ یوروپین سیاح خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے اہل ملک یہ بات ہی نہیں سمجھتے کہ ملکی عجائب خانوں کو چیزیں تحفہ بھی دیجاتی ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں اکثر علم و فن کے قدردان اپنی جمیعت سے اپنے ملک کے عجائب گاہوں کو نادر چیزیں تحفۃً دیا کرتے ہیں۔ نمائش ۱۹۰۰ء کے لئے جس قدر عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔ نمائش کے بعد وہ سب گرا دی جائیں گی مگر مگر یہ دونوں عمارتیں فائن آرٹس کی قائم رہیں گی۔ اور عجائب گاہوں کے کام آئیں گی۔ پہلے ہی پیرس میں دو تین درجن اعلےٰ سے اعلےٰ قسموں اور مقصدوں کے عجائب گاہ ہیں ؛

خوبصورت پل لوگ یہاں سے فارغ ہو کر اور پُل سے گزر کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلے جاتے تھے۔ یہ پُل الگزینڈر سوم

زار روس کے نام سے نامزد کیا گیا تھا۔ اور اسی نے اس کا بنیادی پتھر ۱۸۹۶ء میں رکھا تھا۔ جو روس و فرانس کے حال کی پولیٹیکل دوستی کی یادگار ہے۔ یہ اسی نمائش کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ جو پیرس کے دریائے سین کے سب پلوں سے عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اسپر بہت سا کام بت بنانے اور تعمیر اور سکلپچر کی خوبی کا کیا گیا ہے جس سے یہ نہایت قیمتی تعمیر شمار ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایسی عمارات پر بت ایسی صنعت سے بناتے ہیں جو واقعات تاریخ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور انسانی خیالات اور حالات وقت کے اظہار کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس پل سے گذر کر سامنے "اسپلاناد ڈوے انوالیڈ" کا چوک آتا ہے۔ یہ دو بڑی عالیشان تین تین چار چار منزل کی عمارات مقابل مقابل تعمیر کی گئی تھیں۔ ان عمارتوں میں فرانس کی اور تمام ممالک دنیا کی ساختہ اشیائے تجارت بطور نمونہ رکھی گئی تھیں۔ ان اشیاء سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ کہ کس ملک میں صنعت و حرفت کیسی ترقی پر ہے۔ کس ملک میں کیا کیا چیز زیادہ بنتی ہے۔ اور کیسی بنتی ہے۔ حتی الوسع ہر ملک کے کاریگروں اور کارخانہ داروں نے اپنی حرفت کے بہترین نمونے دکھلانے کی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ ان ملکوں میں ہندوستان کی ساختہ کسی چیز کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اور نہ چین کا تھا۔ البتہ جاپان کی اشیائے صنعت و دستکاری نے بہت سی جگہ گھیر رکھی تھی۔ ہندوستان کی اشیائے حرفت کی نمائش ایک الگ مکان میں سیلون کے ساتھ یورپ کی نوآبادیوں کے حلقے میں تھیں۔ جہاں کہ چین و مراکو و الجیریا و ٹیونس و سوڈان۔ سینیگال و جاوا وغیرہ ممالک کی تھیں۔ یہاں کوئی ایسی چیزیں تو بنتی ہی نہیں جو ممالک غیر یوروپ میں جا کر وہاں کے استعمال کے لئے کھپتی ہوں۔ بلکہ اہل ہند کی سوشل زندگی کے لئے جو اشیاء درکار ہوتی ہیں۔ اور ہندوستان میں بنتی ہیں۔ وہی ہندوستان کی خام پیداوار کے ساتھ یہاں رکھی گئی تھیں۔ میں جو تفصیل دنیا کی صنعت و حرفت کی عجیب غریب چیزوں اور بے نظیر اور حیران کر دینے والی کلوں اور کاریگریوں

کی اس نمائش کے متعلق لکھونگا۔ اُن سے اہل ہند اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ دوسری
قومیں دنیا میں کیا کر رہی ہیں اور وہ خود کس خواب خرگوش میں پڑے ہیں

تعلیم ہی ترقی کا ذریعہ ہے

میں جہاں تک غور کرتا ہوں۔ اور جہانتک دیکھتا ہوں مجھے
یورپ اور امریکہ کی ترقی کا باعث سوائے ان کی تعلیم
کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن تعلیم سے میری غرض صرف اعلےٰ تعلیم پانے اور ڈگریاں
حاصل کرنے سے نہیں ہے۔ اعلےٰ تعلیم بجائے خود بہت عمدہ بات ہے۔ لیکن پھر
بھی ہر شخص کی قسمت میں اُس سے فائدہ اٹھانا نہیں لکھا ہے۔ اس لئے جو تعلیم
دنیا میں زیادہ لوگ پاتے ہیں۔ وہ ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لائق
بننے کی تعلیم ہے۔ ہندوستان میں ایسے بہت سے لوگ ہیں۔ جنہوں نے
کالجوں میں فزک اور کیمسٹری اور جیالوجی پڑھی ہے۔ لیکن کسی نے بھی کوئی نیا
طبعی عنصر دریافت نہیں کیا۔ کوئی نیا مرکب کیمیاوی ایجاد نہیں کیا۔ نہ کوئی
کان ہی دریافت کی ہے۔ نہ کوئی عمدہ کل ہی بنائی ہے۔ یہاں لوگ صرف کتابیں
ہی نہیں پڑھتے۔ بلکہ زیادہ لوگ نوشت وخواند سیکھ کر کارخانوں میں عملی کام
سیکھتے ہیں۔ فرانس کا سب سے بڑا علم جراثیم کا ماہر اور بیکٹیریالوجی کا استاد
بلکہ دریافت کرنے والا پاسٹیور ہرگز گریجوائٹ یا اعلےٰ تعلیم یافتہ شخص نہیں تھا
صرف ایک عام کیمسٹ تھا۔ اس نے ادھر توجہ کی اور آج بیکٹیریالوجی نے دنیا
کے علوم صحت کی صورت بدل دی ہے۔ پاسٹیور کے سگ دیوانہ کے علاج
نے دنیا کو حیران کر دیا ہے۔ فرانس نے بڑے فخر سے نمائش گاہ کے حفظ صحت
سکشن میں پاسٹیور کا بت رکھا تھا۔ اسی طرح امریکہ کا نامور برقی موجد اڈیسن
اور بلا تار کے برقی خبر رسانی کا موجد مارکونی کبھی باقاعدہ تعلیم سے بہرہ یاب
نہیں ہوئے۔ ایسی صدہا مثالیں ہیں۔ علم بہت ضروری ہے۔ لیکن عمل اس سے
ضروری ہے۔ سہ

علم چندانکہ بیشتر خوانی　　چوں عمل در تو نیست نادانی

نہ محقق بود نہ دانشمند چارپائے بروکتابے چند

یہاں عمل سے مراد میری علم کے ذریعے سے صنعت و حرفت کی تعلیم میں ترقی کرنا ہے - یورپ میں یہی بڑی خوبی ہے کہ یہاں کے لوگ فوراً علم کو عمل کی کسوٹی پر کستے ہیں - اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں - میرے خیال میں تو منزل مقصود کا یہی راستہ ہے ؂

کس ندانست کہ منزلگہ مقصود کجاست این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

نمائش کا دوسرا حصہ

الولیڈ قصر

پل الگزینڈر سوم کے عین سامنے یہ دو عالی شان دو منزلہ عمارات تعمیر کی گئی تھیں - جن کے بیچ سے اٹھائیس فیٹ کھلا راستہ چھوڑا گیا تھا - ان میں فرانس اور دیگر ممالک کے صنعت و حرفت کی عام اشیاء تھیں - مگر خصوصاً پرائیویٹ اور سرکاری مکانات اور عبادتگاہوں کی آرائش کا فرنیچر اور سامان رکھا گیا تھا - اس ذیل میں ہر قسم کے قالین شیشہ لوہے - لکڑی - چینی مٹی - چمڑے - کپڑے - ربڑ - جواہرات - چاندی - سونے گھڑی سازی وغیرہ کا سامان آجاتا ہے - حفظ صحت اور ضروریات زندگی کی سب چیزیں یہاں تھیں - بٹوے - برش - پروں کی چیزیں - ہاتھی دانت سینگ اور ربڑ کا کام - انواع و اقسام کی گھڑیاں - بڑے بڑے کلاکوں کی کلیں اور کھلونے وغیرہ بے شمار تھیں - پل کی طرف سے ان عمارات کو جاتے ہوئے ایک دائیں اور ایک بائیں ہاتھ تھی - بائیں طرف کی عمارت کے نیچے ایک بڑے

حصہ میں مکانات اور سرکاری عمارات کے سجانے کا چوبی قالین اور کپڑے کی قسم کا سامان تھا۔ ناظرین تعجب کریں گے۔ کہ صرف مکانات کے سجانے کے لئے اتنا کون سا سامان درکار ہوتا ہے۔ کہ جس کی اتنے بڑے عالیشان مکانات میں نمائش کی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی ان مکانات کو دیکھنے سے پہلے نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس ضرورت کے لئے کونسا اتنا بڑا سامان درکار ہوگا۔ لیکن اہل یورپ کی تہذیب نے اپنے مکانات کو بلحاظ آسائش وخصوصاً بلحاظ آرائش ہمارے مکانات سے بالکل نرالی قسم کی چیز بنا دیا ہے۔ ان کے فرنیچر اور سجاوٹ کے سامان اتنے زیادہ اور ایسے نفیس ہیں کہ وہ بجائے خود ایک علم ہو گیا ہے۔ یہاں میں اس امر سے بحث نہیں کروں گا۔ کہ ایسی آرائش وآسائش ضروری ہے یا نہیں لیکن اس امر کا اعتبار ضروری ہے۔ کہ یورپ نے گذشتہ تین چار صدیوں میں آرائش کے بارہ میں بڑی بھاری ترقی کی ہے۔ اور چینی اور شیشے اور کپڑے اور مختلف فلزات سے آج یہ لوگ ایسی عجیب وغریب چیزیں تیار کر سکتے ہیں۔ کہ کوئی زاہد خشک مغز بھی انہیں دیکھ کر گرویدہ ہونے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شیشہ یا کانچ

شیشہ یا کانچ کے استعمال

یا بلور اسے جو نام دو ہندوستان میں بیٹھ کر ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ کس کثرت سے یورپ میں استعمال ہوتا ہے ہزاروں مکانات کی چھتیں صرف شیشہ کی بنی ہوئی ہیں۔ کہ جن میں اور کسی طرف سے روشنی نہیں آسکتی تھی۔ وہ چھت میں سے آتی ہے۔ سیکڑوں جگہوں میں بازاروں میں اور مکانوں کے اندر کہ جہاں سے صرف آدمی گزرتے ہیں مگر گاڑیاں نہیں گزر سکتیں۔ شیشہ کے چھوٹے بڑے فرش دکھائی دیتے ہیں۔ جن کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ زمین کی قلت کے اس جگہ کے نیچے جو مکان ہیں۔ ان میں بجز اس شیشے کی چھت کے اور کہیں سے روشنی آ نہیں سکتی۔ یہ چھت میلے رنگ کے شیشے کی مکعب شکل کی اینٹوں کو آہنی فریموں میں جڑ دینے سے بنتی ہے۔ کہ جن اینٹوں کا ہر پہلو ایک فیٹ لمبا ہوتا ہے۔ مکانات کی تنگی کی وجہ سے برس

اور لنڈن میں زیر زمین ریلیں موجود ہیں۔ جو میلوں بازاروں اور مکانوں کے نیچے نیچے چلی جاتی ہیں۔ برلن اور پیرس میں ایسی ریلیں ہیں جو سطح زمین سے بلند مکانات یک منزلہ کے برابر ستونوں اور پلوں پر چلتی ہیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ میں شیشے کے استعمال بتلا رہا ہوں۔ علاوہ چھتوں کے گز گز بھر کے لمبے چوڑے شیشے تو ہر مکانات کے دروازوں اور کھڑکیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن تمام بڑے بڑے شہروں کی دکانوں کے بیرونی دروازوں میں ڈھائی تین گز لمبے اور دو دو گز کے چوڑے شیشے میں نے دیکھے ہیں۔ کہ جس کے اندر مکان کا سامان نمائش سجایا جاتا ہے دوکان کے سامنے کی تمام جگہ سوائے ڈھائی فیٹ کے داخلہ راستہ کے اسی کام میں صرف ہوتی ہے۔ ہر قسم کے رنگین بیل بوٹے دار شیشے اب تیار ہوئے ہیں جو کھڑکیوں میں لگائے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں منظور ہو کہ باہر سے اندر نظر نہ آسکے۔ وہاں ایک نئی قسم کا شیشہ لگایا جاتا ہے جس میں کھردرے کپڑے کی طرح شکن پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دو گز اونچی اور دو گز دور کی بوتل شیشہ کے ان مکانات میں دیکھی ایک بلوری شیشہ کی گز بھر لمبی کشتی مع متلاطم سمندر کے پانی کے نقشہ کے دیکھی۔ جو شیشہ کے فن کا روح کمال پر پہونچنا ظاہر کرتی تھی۔ میں نے وینس میں شیشہ کے بالوں کو دیکھا تھا۔ جو انسان کے سر کے بالوں کی طرح شیشہ کے باریک تار تھے۔ یہاں کی ایک دوسری نمائش میں ایک دوربین کا سب سے بڑا شیشہ دیکھا جسکا وزن پانچ ٹن یعنی ایک سو چالیس من سے زیادہ تھا۔ یہ ڈیڑھ بالشت موٹا اور تین گز قطر کا تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے شیشے کے عجائبات دیکھے۔ اسی طرح چینی اور مٹی کے برتنوں کی نسبت قیاس کر لیجئے۔ یہاں چینی کی انگیٹھیاں اور مینٹل پیس

چینی اور مٹی کے برتن

اور دوسرے گھروں کے سجانے کے سامان علاوہ برتنوں اور بتوں کے عام بات ہے۔ مگر مٹی کے جو نفیس برتن اور بت بنائے جاتے ہیں۔ اور انفیس انواع و اقسام کے روغنوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ وہ غضب کا دلکش فن ہے۔ ان مکانات میں مٹی اور چینی کے برتنوں کی بڑی

نمائش ہے۔ وہ کمہار جو ہمارے یہاں ایک بڑا غریب اور ادنے درجہ کا پیشہ ور ہے۔ اور جس کے بنائے ہوئے پیالے۔ صحنکیں۔ ہانڈیاں اور کونڈے دو دو چار چار پیسے کو بکتے ہیں۔ یہاں اس نے ایسی جون بدلی ہے۔ کہ کسی دوسرے سوداگر سے کم نفع نہیں کماتا۔ بعض مٹی کے برتن ایسے نفیس بنائے جاتے ہیں۔ اور بعض برتنوں پر ایسے خوشنما بیل بوٹے اور باریک تصویریں دیکھی ہیں کہ استادان فن اس صنعت کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ درحقیقت فرانس نے مٹی اور چینی کے کام میں فی زمانہ نام حاصل کیا ہے۔ گورنمنٹ فرانس اس فن کی ترقی کے لئے بعض مدارس اور کارخانوں کو مالی امداد دیتی ہے۔ شاہ کجکلاہ ایران میرزا مظفرالدین فرانس کے مٹی کے کام کو دیکھ کر ایسے ریجھے تھے۔ کہ فوراً اپنا ایک مٹی کا بت بنانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ جب کاریگر نے بت کو بنانا شروع کیا تو کبھی کبھی شاہ کجکلاہ اس کے سامنے گھنٹہ گھنٹہ بیٹھے رہتے تھے۔ تاکہ نقل اور اصل میں فرق نہ ہونے پائے۔ ان مٹی کے برتنوں کی دکانوں کے ملازم دیکھنے میں ایسے صاف ستھرے اور معقول معلوم ہوتے تھے جیسے کہ ہمارے یہاں بڑے بڑے صاحب لوگ نظر آتے ہیں۔ مٹی کا سونا بنانا اس کو کہتے ہیں۔ بحقیقت دستکاری کیمیا ہے اور مٹی کے برتنوں پر پتھر کا روغن کرنا بھی شائستگی کے لئے ضروری جزو ہے۔ ملتان اور گوجرانوالہ وغیرہ مقامات پنجاب میں جو اینٹوں اور برتنوں پر پتھر کا روغن کیا جاتا ہے۔ وہ اس کے سامنے گرد ہے۔ بہرحال مٹی کے کام کی یہاں بڑی وسیع صنعت وحرفت ہے۔ جو مٹی کی اینٹوں سے لے کر مٹی کے منقش برتنوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور بجائے ہمارے یہاں کے کمہار کے ایک بھدّے چاک اور اینٹیں بنانے کے لکڑی کے سادہ سانچے کے یہاں کئی کلیں اس کام میں آتی ہیں اور ان کی بھی نمائش کی گئی تھی ؛

لکڑی اور لوہے کا فرنیچر

ایک اور بڑا صیغہ لکڑی اور لوہے کے کام کی نمائش کا تھا لکڑی پر سنہری روپہلی رنگ وروغن اور وارنش اور لوہے وغیرہ دھاتوں پر انامل یعنی چینی چڑھانے کا فن بھی ہندوستان کیلئے نہایت ضروری ہے

ہے۔ میں نے آسٹریا اور جرمنی میں برتنوں پر چینی روغن چڑھانے کے کارخانے میں جانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ کیونکہ ایسے کاموں کو جن میں نفع کافی ہو اور خرچ زیادہ نہو یہ لوگ مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔ لوہے کے پھول پتے بنانے۔ جنگلے اور دیگر آرائش کے سامان تیار کرنے میں یہ لوگ ایسے ہی استاد ہیں۔ جیسے کہ مٹی کے برتن تیار کرتے ہیں قفل۔ چٹخنے اور پیچ وغیرہ کیل کانٹے بھی مختلف اقسام کے موجود تھے۔ لکڑی کے فن میں ہر قسم کا فرنیچر عجیب عجیب قسم کی کرسیاں میزیں اور الماریاں دکھلائی گئی تھیں۔ جن کے گدیلوں کی ساخت اور رنگ روپ کے مذاق پر لیڈیاں دیکھتے ہی مفتون ہو جاتی تھیں ٭

سجے ہوئے کمرے

بہت سے کمرے نمائش گاہ میں ایسے مختلف طریقوں سے سجائے گئے ہیں۔ کہ لوگ دیکھیں اور پھر ان کارخانوں سے اسی سامان سے اور اسی وضع پر کمرے سجوائیں۔ ایک کمرے میں زمین سے چھت تک صرف نیلگوں فرنیچر تھا۔ یہ کمرے کیا تھے۔ ان کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ مگر ان کی حد سے زیادہ نفاست اور نزاکت دیکھ کر مجھے یہ بھی خیال آیا تھا۔ کہ شاید کام میں لانے کے لئے نہیں بلکہ صرف دکھلانے کے لئے ہیں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ مذاق سلیقہ اور عقل آبدار خانہ کے کمروں کے سجانے میں صرف کی گئی تھی۔ ان سے میری مراد اُن کمروں سے ہے۔ جن میں غسل خانہ کا سامان رکھا جاتا ہے۔ ان میں ہاتھ منہ دھونے کے چینی سنگ مرمر اور شیشہ کے برتن موجود تھے۔ نہانے کے ٹب سنگ مرمر چینی۔ یا پیتل تانبے وغیرہ کے تھے۔ جن میں پانی پیچیدہ نالیوں سے بل کھاتا ہوا آتا تھا۔ میں نے کئی ایسے نہانے کے سامان دیکھے کہ جن میں ایک جگہ ایک دیا سلائی سلگا کر لگانے سے گیس کے ذریعے سے پانی ساتھ ساتھ گرم ہو کر ٹب میں گرتا تھا۔ گویا آپ ایک منٹ میں گرم پانی سے غسل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پیرس میں میں نے ایک دوست کے مکان میں ایسے ٹب میں غسل بھی کیا ہے۔ لیکن غسل خانے کے سامان کا ذکر کرنے سے میری یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ ہندوستان کے شائقین کو

ایسے عیش و آسائش کے سامانوں سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دوں۔کیونکہ اُن کے لئے ان کی قیمتیں اِن کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔تاہم وہ میرے بیان سے معلوم کر سکتے ہیں۔کہ مہذب دنیا کن باتوں میں اپنی عقل صرف کر رہی ہے۔ یہ لوگ کس دُھن میں لگے ہیں ؛

ونٹی لیٹر پنکھے

نمائش کے اسی حصہ میں بہت سے ونٹی لیٹر یعنی گھومنے والے دیواروں پر لگے ہوئے پنکھے ایسی تیزی سے چکر بھر رہے تھے۔کہ ان کے پاس کھڑے ہونے سے خوب ہوا لگتی تھی۔ ایسے پنکھے میں نے پہلے بھی یورپ کے ہر ملک کے دفتروں اور کارخانوں میں چلتے دیکھے تھے۔ انھیں لوگ کام کرنے کی میز یا سامنے کی دیوار پر لگا رکھتے ہیں۔ اور یہ برقی بٹیری یا موٹر کے ذریعے سے ہر وقت بڑی تیزی سے گھومتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ امریکہ میں بنتے ہیں۔ اور ہر ایک کی قیمت مع بٹیری کے سو شلنگ کے قریب ہو گی ؛

حفظِ صحت کی عمارت

ان دو عالیشان عمارتوں کے علاوہ ایک حفظِ صحت کی عمارت ہے۔جس میں بلا مبالغہ ایک ہزار قسم کے کھانا پکانے اور پانی گرم کرنے کی انگیٹھیاں۔مٹی۔ لوہے۔ گلٹ۔ چینی۔ پیتل اور خدا جانے کس کس چیز کی موجود ہیں۔اہل یورپ علم کو حاصل کر کے جب عمل میں لاتے ہیں تو اس کے ذریعے سے وہ ایسی نفیس چیزیں تیار کر سکتے ہیں۔کہ جن سے بنی نوع انسان کو روزانہ زندگی بسر کرنے میں آسائش حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی لیاقت سے خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں بخلاف علم کے ایشیائی خیال کے کہ جہاں علم صرف تزکیہ نفس کے لئے سیکھا جاتا ہے۔ اور پھر اس پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ ایسے لوگ "چار پائے بر وکتابے چند" کی مثال ہیں۔ مگر اب بقول ایک فلاسفر کے علم کو آسمان سے اُتار کر باورچیخانہ میں لایا گیا ہے۔تاکہ وہ زندگی کی ضرورتوں میں خدمت کر سکے ؛

کاغذ کے صیغہ کی چھوٹی کلیں وغیرہ

ان دونوں عمارات میں سے بائیں جانب کی عمارت میں صرف فرانس کے مختلف پیشہ وروں کی اشیائے نمائش تھیں اور دائیں میں اوپر کی چھت میں علی الترتیب بلجیم - روس - جرمنی سویڈن انگلستان - ہسپانیہ - اٹلی - ناروے - آسٹریا - ہالینڈ - فرانس کا - چینی کا کام اور پرتگال کے کاریگروں کی نمائشیں تھیں - ہر ملک نے وہ چیز نمائش میں بھیجی تھی - کہ جس کی صنعت پر اُسے ناز تھا - یہاں میں نے بہت سی عجیب و غریب کلیں اور سامان دیکھے مثلاً ایک جگہ ایک چھوٹی سی کل کاغذ کی ڈبیاں تیار کر رہی تھی - صرف کاغذ اور لیئی اس میں رکھد یتے تھے - کل خود کاغذ کاٹ کر ایک خاص پیمانے کی ڈبیاں بنا بنا کر پھینکتی جاتی تھی - پھر ان پر لیبل چسپان ہوتے تھے - یہیں ایک مشین دیا سلائی بنانے کی دیکھی - یہ کل مشین کا حصہ تھی جس میں کاٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے ایک بوڑھیا عورت ڈالتی جاتی تھی تیلیاں خود بخود بعض سوراخوں میں پھنسکر جو اس مطلب کے لئے ہوتے تھے - آتشی مرکب سے چھو جائیں تو تھوڑی دیر میں (ساتھ ہی ساتھ خشک ہو کر) ایک گڑھے میں جا گرتیں - ایک مشین سگرٹ کے کاغذ بلا مدد ہاتھ کے چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں سی کر خود بخود پیکٹ لپٹتی جاتی - ایک عورت ایک چھوٹی سی مشین سے ایک ہی داب میں ایک خوبصورت ابھری ہوئی تصویر نقش کر دیتی ایک جگہ لوٹیاں اور چھینٹیں چھاپنے کے گول رولر اور چپٹی پلیٹیں تھیں - جن میں مٹیل کے ابھرے ہوئے - بیل بوٹے تھے - یہ صیغہ مکان سجانے کے لئے کاغذ کی چیزیں بنانے کا تھا - کہ جہاں کاغذ کے استعمال کے سیکڑوں طریقے دکھلائے جاتے تھے - ان مشینوں کے بنانے میں یہ بات مدنظر رکھی جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے انسان کے ہاتھ سے کام کرنے کی ضرورت نہ رہے - اور کئی آدمیوں کا کام مشین تھوڑے وقت میں کر سکے - چھینٹیں چھاپنے اور دیواروں پر چسپاں کرنے والے کاغذوں کے بیل بوٹوں کے

سانچے جلد بندی کی ابریوں اور ہر قسم کے کاغذات کے سامان کی الگ نمائش تھی - صرف کاغذ کے سودا بیچنے کے لفافے اور مال تجارت ڈالنے کے ڈبے بنانے کی تجارت یورپ میں بے حد ہے اور ان کاموں کے لئے خاص کلیں بنائی گئی ہیں - ذرا بازار سے دو پینی کی چیریاں خرید و یا شفتالو چند پیسے کے لو تو دکاندار سودا ایک مضبوط کاغذ کے لفافے میں ڈال کر دے گا - اور وہ ہاتھ گاڑی والا دکاندار نہیں (کیونکہ ہمارے ملک کے چھبڑی والے دکانداروں کی طرح یہاں بھی ہاتھ کی گاڑی والے دکاندار عورتیں یا مرد ترکاری اور میوہ جات بیچتے ہیں - تو اُس کے لفافے پر اس کی دکان کا نام چھپا ہوا ہو گا - کوئی دو چار پیسے کی خشک روٹی خرید یئے تو وہ بھی لفافے میں ملے گی ؛

ان عمارات میں ربڑ کی مختلف چیزوں مثل کھلونوں بائیسکلوں کے ٹایروں اور سیکڑوں دوسری چیزوں کے بھی کہ جن کا بیان کرنا مشکل ہے - نمائش کی گئی تھی

زیورات

چاندی سونے کی چیزیں زیادہ تر عورتیں یورپ میں بطور زیورات کے نہیں پہنتیں - سوائے انگوٹھی یا بروچ کے گو سوئٹزرلینڈ کی عورتوں کے کانوں میں اُنگلی کے برابر لمبے اور موٹے سونے کے زیور دیکھے - جو اسی شکل کے ہیں - (جیسے کہ پنجاب میں دُر ہوتے ہیں) یہاں سنار کا کام زیادہ تر آرائشی سامان مثل چاندی سونے کے برتن بنانا ہے چنانچہ ایک سیغہ میں کھانے کے برتن - صراحیاں - جواہرات کے صندوقچے آرائشی پیالے اور قدیم زمانہ کے رومیوں اور یونانیوں کے ڈیزائنوں کے برتن موجود تھے کہ جن پر یورپ کے سناروں نے اپنی عقل صرف کی تھی - ایک جگہ فرانس کی

گھڑیاں اور کھلونے

گھڑیاں (کلاک اور جیبی) اور ہر قسم کے کلاک ورک کے کھلونے موجود تھے - جو خود بخود چل رہے تھے - لیکن کھلونوں کے صیغہ میں ایسی عجائبات تھیں کہ جہاں سے نہ بچے ہی گر رتے ہوئے خوش ہو جاتے تھے - بلکہ بڑے بوڑھے بھی مسکرائے بغیر نہ رہتے تھے - اور لوگ دیر تک پاس کھڑے ہو کر

سیر دیکھتے تھے۔ گھڑیوں کے صیغے میں گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی پرانی گھڑیوں کا ایک نہایت عمدہ ذخیرہ فرانس نے دکھلایا تھا۔ سوئٹزرلینڈ کی مشہور گھڑیاں اور زیورات موجود تھے۔ اس حصہ میں روس کی نمائش میں مَیں نے ایسی ایسی چیزیں دیکھیں (خصوصاً ایک مٹی یا رنگین لوہے کے گرجا کا ماڈل) جن کے دیکھنے کی مجھے توقع نہ تھی۔ میرا خیال تھا کہ صنعت و حرفت کے بارے میں روس بالکل وحشی ملک ہے لیکن یہاں آکر یہ خیال بالکل بدل گیا۔ جس طرح یورپ کے دیگر ممالک صنعت و

مختلف ممالک کی حرفتیں

حرفت میں ترقی کر رہے ہیں۔ اور نفیس اور نازک چیزیں کلوں کی مدد سے بناتے ہیں۔ ایسی ہی روس بھی بناتا ہے جو اس نے اس صیغہ میں نمائش کے لئے رکھی ہیں۔ روس میں بھی مانچسٹر کی طرح چھینٹیں اور دوسری قسم کے سوتی کپڑے بنتے ہیں۔ جو وسط ایشیا میں بکتے ہیں۔ جرمنی اور آسٹریا کی تو تعریف کرنا فضول ہے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ یہ دونوں ملک کیا کچھ کر رہے ہیں۔ البتہ فرانس کی نسبت مجھے یہ علم نہ تھا۔ کہ فرانس ہر قسم کی صنعت و حرفت کلوں اور فنون نفیسہ میں اسقدر ترقی کر چکا ہے۔ کیونکہ فرانس کی بنائی ہوئی چیزیں ہندوستان کے بازاروں میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرانس انگلستان کی طرح جرمنی اور امریکہ کا مقابلہ سستی چیزیں بنانے میں نہیں کر سکتا۔ امریکہ اور جرمنی سستی چیزیں بنا کر انگلستان اور فرانس میں بیچتے ہیں۔ امریکہ کی نمائش کی چیزیں بھی بہت نفیس تھیں۔ اور وہاں کی ذہانت کا پتہ دیتی تھیں۔ لیکن انگلستان کی نمائش بہت اچھی نہ تھی۔ نہ اس لحاظ سے کہ یہاں کی چیزیں عمدہ نہیں چیزیں تو بہت اعلےٰ نہیں۔ لیکن بہت تھوڑی سی اس صیغہ اور دوسرے صیغوں میں دکھلائی گئی تھیں۔ لیکن اس کے بعد مجھے ایک اخبار سے معلوم ہوا کہ خود نمائش پیرس کے انگلستان کی کمیٹی نے تسلیم کیا تھا۔ کہ انگلستان نے بہت نامکمل نمائش دکھلائی ہے۔ جس کی اس سے توقع نہ تھی۔ خواہ وجہ اس کی کچھ بھی ہو۔ جاپان نے

بہت سی جگہ سامان "لیکر" (یہ جاپانی مشہور روغن ہے) اور چینی کے برتنوں سے روک رکھی تھی۔ واقعی اس کے سامان کی شان نرالی تھی۔ شاید یورپ کبھی اس کی نقل کرلے۔ لیکن ابھی تو جاپان کی شان نرالی ہے ؛

پاؤں کا پنکھا ۱۷ر جولائی کو انھیں عمارات میں میں نے ایک نرالی قسم کا پاؤں سے چلنے والا پنکھا دیکھا۔ ایک لیڈی نمائش کے ایک کمرہ کی محافظ کتاب پڑھ رہی تھی۔ اور پاؤں سے اسے آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔ میں نے جھٹ اس کا بھدا سا نقشہ لے لیا۔ ایک سادہ فریم میں ایک لکڑی سر پر لگی ہوئی ہے۔ جس کے دونوں طرف چول ہے۔ اس میں دو سوراخوں میں دو دو ڈورے پڑے ہیں۔ جو نیچے پاؤں کی لکڑیوں سے بندھے ہیں۔ اسی لکڑی میں ایک چھوٹا پنکھا لگا ہے۔ جس کی پچھلی طرف تھوڑا سا بوجھ ہے۔ باری باری بہت آہستہ پاؤں ہلانے سے یہ بخوبی چلتا ہے۔ اور ایک آدمی کے لئے کافی ہوا پہنچاتا ہے میں نے لاہور پہنچکر اس کے ایک دو نمونے بنوائے تھے۔ ان میں پوری کامیابی ہوئی ہے ؛

یہاں ایک مشین لیس یعنی ریشم کی کناری بن رہی تھی۔ مشین بے شک بہت پیچیدہ تھی۔ لیکن کناری میں بیل بوٹے اور انگریزی حروف خود بخود بنتے جارہے تھے۔ صرف ایک آدمی کھڑا ہوا کہیں کہیں تاگا جوڑ دیتا تھا۔ ایک دوسری پر لیس کی پانچ چھ پٹیاں بنی جاتی تھیں۔ میز پوشوں اور بستروں کے غلافوں میں انواع و اقسام کی تصویریں اور بیل بوٹے بنتے ہوئے دیکھے اور ہزاروں مختلف قسم کی چیزیں ان عمارتوں میں دیکھیں لیکن اُن کی تفصیل بیان کو طویل کردے گی

اضلاع متحدہ امریکہ کی نمائش میں ایک قسم کے گول برقی پنکھے بکثرت خود بخود چل رہے تھے۔ یہ ایک دو فٹ قطر کے چار پروں والی گول سی مشین ہے بر تر چھے ہیں۔ اور تیزی سے گھومنے سے ہوا کو خوب حرکت دیتے ہیں۔

علاوہ نمائشی اشیاء کے ایک بہت بڑا جزو تجارت کا بھی نمائش کے مکانات

میں موجود تھا۔ جو چیزیں نمائش کے لئے لائی گئی تھیں۔ انھیں تو بیچنے کا حکم نہیں تھا البتہ جو لوگ انھیں خریدتے وہ مالکوں سے سودا کر کے نوشت و خواند کر لیتے تھے۔ اور چیز پر ایک کاغذ چسپاں کر دیا جاتا تھا۔ کہ یہ ایک مرتبہ یا دو چار یا دس یا بیس مرتبہ فروخت ہو چکی ہے۔ لیکن نمائش کے ختم ہونے تک وہاں سے اٹھائی نہیں جائیگی

سودا بیچنے والی عورتیں

مگر جا بجا چھوٹی چھوٹی دکانوں پر عورتیں کھڑی چھوٹی چھوٹی چیزیں عموماً اسی ملک یا اسی قسم کی کہ جن کا وہ سکشن ہے۔ بیچتی تھیں اور آنے جانے والوں کو بلا بلا کر اپنا مال دکھلاتی تھیں۔ یہی نمائش کے گائڈ اور کارڈ اور فوٹوگراف اور نمائش کی یادگار کی قسم کی دوسری چیزیں بیچتی تھیں مثلاً ایک قسم کے چمچوں پر ایفل ٹاور یا نمائش کے بڑے دروازے کی تصویر نقش کی گئی تھی۔ ایفل ٹاور نامی بڑے مینار کی شکل کے لوہے اور پیتل کے کھلونے بنائے گئے تھے۔ جنھیں لوگ ہزاروں خریدتے اور اپنے گھروں کو سفر کی یادگار کے طور پر لے جاتے تھے۔ رومالوں پر ایفل ٹاور کی نقل چھاپی گئی تھی۔ ان کے علاوہ مختلف ملکوں کی نمائشوں میں وہاں کی انگوٹھیاں یا کھلونے یا زیورات بٹوے وغیرہ ہزاروں چیزیں یہ عورتیں بیچتی تھیں۔ اور چونکہ یہ ہر پاس سے گزرنے والے سے ہر وقت خریداری کی درخواست کرتی تھیں۔ مجھے تو اب زہر معلوم لگی تھیں۔ کیونکہ میں کچھ خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ اور یہ ہر چیز بیچنے پر مستعد ہوتی تھیں۔ میں نے بعض وقت چیزیں نمائش کے قریب جا کر اسی لئے نہیں دیکھیں کہ وہ خوبصورت عورت جو میز پر دکان لگائے کھڑی ہے ضرور ٹوکے گی۔ کہ سل وو پلے موسیو (صاحب مہربانی کرکے یہ چیز تو ضرور خریدیئے۔ میں نے بارہا زبان نہ سمجھنے کا بہانہ کیا اور پاس سے چپکا چلا گیا۔ تاہم دس بیس روپے کسی کسی چیز پر داغنے ہی پڑے۔ پیرس کی عورتیں دوکانداری کا بہت اچھا سلیقہ رکھتی ہیں۔ اور اکثر عورتیں نہ صرف تنہا دکانیں کرتی ہیں۔ بلکہ اپنے شوہروں کا دکان میں ہاتھ بٹاتی ہیں

ٹکٹیں بیچنے والے

نمائش گاہ کے اسی حصہ میں اور بعض بعض دوسرے حصوں

میں بھی بہت سی عینکیں بیچنے والے بھی ہر وقت شکار کے منتظر رہتے تھے - یہ لوگ سب کے سب امریکن تھے - اور ہر گزرنے والے سے درخواست کرتے تھے کہ تمھاری آنکھوں کا مفت بلامعاوضہ امتحان کردیں گے - میں نے پانچ سات کو توٹالا - ایک دو سے آنکھیں امتحان بھی کرائیں - مگران سے عینک نہیں خریدی - لیکن ایک روز ایک کمبخت نے ادویات کے سکشن کے قریب مجھے ایسا سبز باغ دکھلایا - کہ میں نے ایک عینک اس سے ایک پونڈ کو خرید لی - اور جب میں رات کو مکان پر پہنچا - تو میرے ایک دوست نے کہ جس کے مکان پر میں ان دنوں فروکش تھا - مجھے تبلایا کہ دو فرانک کا مال میں نے بیس فرانک کو خریدا ہے

امریکن اخبارات

ہر چند کہ اخبارات اور چھاپنے کے فن کی نمائش کا حصہ بالکل الگ تھا - جیسا کہ آگے معلوم ہوگا - لیکن امریکہ والوں نے اپنے اخبارات اور چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کلوں کی نمائش یہیں کی تھی - ایک کمرہ میں ہر روز سیکڑوں امریکہ کے اخبارات اور رسالے کھول کر رکھے جاتے تھے - اور جو چاہتا انھیں پڑھتا - امریکہ کے عجیب وغریب اخبارات اور رسالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ ان میں کس قدر عقل اور دانش خرچ کی جاتی ہے - مجھے امریکہ کے اخبارات اور رسالے انگلستان کے اخبارات اور رسالوں سے بہت زیادہ دلچسپ معلوم ہوتے ہیں - میں کئی گھنٹے ان اخبارات کے مطالعہ میں محو رہا - اس کمرہ کے پاس ہی امریکہ کی چھاپنے کی مشینوں نیویارک لائف انشورنس کمپنی - فونوگراف - اور ٹائپ رائٹروں کا دفتر تھا - امریکہ کے اخبار نیویارک ٹائمز کا پیرس کا ایڈیشن ہر روز یہیں چھاپا جاتا تھا - اور دیکھنے والوں کے سامنے مشین کے منہ سے نکلتے ہی مفت بٹ جاتا تھا - یہ کتنی بڑی انٹرپرائز تھی - یہ بہت بڑی تین منزلوں کی مشین تھی جس میں تین ریلیں کاغذ کی چڑھی ہوئی تھیں اور ایک ہیچ میں آن واحد میں تین پرچے اخبار کے چھپ جاتے تھے - واضح رہے کہ امریکہ کے اخبار نیویارک ہیرلڈ اور نیویارک ٹائمز دونوں کے یورپین ایڈیشن انگریزی زبان

میں ہر روز پیرس سے شائع ہوتے ہیں۔

فرانسیسی بولی تحریری اور تقریری

نمائش کرنے والے لوگ اپنے اپنے سامان کی فروخت کرنے کے لئے ہزارہا قسم کے دلچسپ اشتہار اور پشتاروں فہرستیں چھاپ کر لاتے تھے۔ جو عموماً فرانسیسی زبان میں تھے۔ اور تقسیم کرتے تھے اتنا غنیمت تھا۔ کہ میں اب کچھ کچھ ان کا مطلب سمجھنے لگا تھا۔ کیونکہ تھوڑی سی شُدبُد فرانسیسی زبان کی میں نے لاہور میں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر مزہ یہ تھا کہ باوجود اس تمام جدوجہد کے کسی فرانسیسی کی باتیں سمجھ میں کم آتیں۔ جو لوگ فرانسیسی زبان کتابوں سے سیکھیں گے۔ ان کا یہی حال ہوگا۔ اس زبان میں بہت سے حروف جو لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تلفظ میں نہیں آتے۔ مثلاً نمائش کے ایک حصہ کا نام "مریخ کا کھیت" ہے۔ انگریز تو اس کو "شامپ ڈے مارس" پڑیں گے۔ لیکن فرانسیسی اس کا تلفظ "شان دا مار" کرتے ہیں۔ پیرس کے ایک مشہور بازار کا نام ہے۔ جس کو فرانسیسی "شانز لیزی" کہتے ہیں۔ اس لئے اجنبی جس نے ان کے منہ سے سنکر زبان نہ سیکھی ہو۔ ان کا تلفظ سمجھ نہیں سکتا۔

متحرک پلیٹ فارم کی سیر

میں نے تین دن میں اس حصہ نمائش کو سرسری دیکھا آخری روز دیکھا کہ دوسری منزل کے ایک دروازے سے اکثر لوگ باہر کو جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کے پلیٹ فارم (چبوترہ) پر کھڑے ہوتے ہیں۔ جو خود بخود دوڑتا ہے۔ نقشہ نمبر اول میں عمارات نمائش کے اندر شہر پیرس کا ایک حصہ گھرا ہوا ہے۔ جس پر ج کا نشان ہے۔ اس حصہ کے گرد یہ پلیٹ فارم برقی طاقت سے دن بھر پہیوں کے اوپر پھرتا رہتا ہے اور اس کا نام "پلیٹ فارم موبیل" یعنی متحرک پٹڑی تھا یہ دراصل تین پلیٹ فارم تھے۔ ایک تو بالکل ساکن تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر لوگ دوسرے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے تھے۔ جو چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا تھا۔ لیکن اس سے اگلا پلیٹ فارم جو اس سے جوڑا تھا۔ وہ آٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے

چاروں طرف نمائش کے اندر اس کے کئی سٹیشن تھے۔ لفصف فرانک (۸ر) کا ٹکٹ تھا۔ ہزاروں عورتیں۔ مرد بچے۔ ہر روز اس پر سوار ہوتے تھے۔ اور جب تک خود اُکتا کر نہ اُتر جائیں۔ کوئی انھیں نہیں اُتارتا تھا۔ ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پر آسانی سے قدم رکھ سکتے تھے۔ غرض یہ پلیٹ فارم بھی نمائش کا ایک نہایت دلچسپ فیچر تھا۔

متحرک سیڑھی

اس قسم کے علاوہ ایک قسم کی متحرک سیڑھی نمائش گاہ کی اکثر دو منزلہ عمارات کے اوپر چڑھنے کے لئے لگی ہوئی تھی۔ جو ہر وقت چلتی رہتی تھی۔ گویا دو رولروں پر ایک آہنی جالی لپیٹی ہوئی ہے اور رولر ہر وقت گردش میں رہتے تھے۔ جس سے وہ ہر دم نیچے سے اوپر کو جایا کرتے تھے اس پر لوگ کھڑے ہوتے تو دم بھر میں دوسری چھت پر پہنچ جاتے تھے۔ دس سنٹیم یا ایک پینی کا ٹکٹ تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سیڑھی کی لکڑی بھی حرکت کرتی رہتی تھی۔ کہ جس کو دونوں طرف سے پکڑ کر اوپر چڑھتے ہیں۔ غرض یہ بھی ایک دلچسپ اور نئی ایجاد تھی کہ سیڑھیاں چڑھنے کے لئے دو قدم بھی نہ ہلانے پڑیں

کرایہ کی کرسیاں

نمائش میں جابجا تھکے ماندے مسافروں کے بیٹھنے کے لئے چند آہنی بنچیں پڑی تھیں۔ لیکن یہ سب لوگوں کے بیٹھنے کے لئے کافی نہ تھیں۔ اس لئے بڑے مینار کے نیچے اور عجائب گاہ کے سامنے ہزاروں ہلکی پھلکی آہنی کرسیاں پڑی رہتی تھیں۔ دن میں کسی وقت تھک کر یا شام کو عموماً قصر۔ برق وقصر آب کی بہار دیکھنے کے لئے لوگ ان پر بیٹھتے تھے۔ تو سیاہ پوش بوڑھیا عورتیں اُن سے کرسیوں کا کرایہ وصول کرنے کو آموجود ہوتی تھیں۔ کرسیوں کا کرایہ دس سے تیس سنٹیم (دو پیسے سے چھ پیسہ) تک ہر دفعہ بیٹھنے کے لئے مقرر تھا۔ خواہ دو منٹ بیٹھو یا دو گھنٹے۔ اور اسی طرح مشہور ٹھنڈی سڑک شانزلیزی پر دو رویہ کرسیاں پڑی تھیں۔ ان کا کرایہ بھی عورتیں ہی لیتی تھیں۔

عظمت کا راز

حضرت سلیمان کا قول ہے۔ کہ حکمت جواہرات سے بیش قیمت

ہے - اور اس کی تصدیق نمائش گاہ پیرس کے دیکھنے سے اچھی طرح ہوتی تھی وہاں جاکر معلوم ہوسکتا تھا - کہ اہل یورپ کی موجودہ عظمت کا راز کیا ہے - جبکہ افریقہ کی بالکل وحشی قوموں سینی گال اور سینی گیمبیا کے قدیم متوطنوں کے نہایت ابتدائی - اور وحشیانہ ساخت کی چیزوں کے پہلو بہ پہلو یورپ اور امریکہ کی آخری ساخت کے بیس بیس ہزار گھوڑوں کی طاقت کے برقی ڈائی نیمو شور مچاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے - اہل یورپ کے بڑے طبقہ میں مجھے کئی ایک اخلاقی قباحتیں نظر آتی تھیں - لیکن ان میں بہت سی خوبیاں محنت دماغ سوزی - ایفائے وعدہ راست گوئی دیانت کی بھی بطور ایک جماعت کے مجھے نظر آئیں - بقول "الکاسب حبیب اللہ" کہ خدا ان کی محنت کا انھیں انعام دیتا ہے - اور اپنے کسب میں کمال حاصل کرنے کی وجہ سے یہ لوگ عزت حاصل کرتے ہیں - سہ

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

نمائش کا تیسرا حصہ

انولیڈ کی دونوں عالیشان اسباب صنعت وحرفت کی عمارات دیکھ چکنے کے بعد ہمیں دریائے سین کی طرف لوٹ کر بائیں کنارہ پر چلنا پڑتا - جہاں اقوام یورپ وامریکہ کی قومی عمارات تھیں - ان میں سب سے پہلے نہایت عالیشان عمارت اطالیہ کی تھی - ان عمارات کی تعمیر میں خصوصیت سے اس امر کو مدنظر رکھا گیا تھا - کہ جس قوم یا ملک کی عمارت ہو - اسی ملک کی خاص طرز تعمیر کے اعلےٰ نمونوں سے اسے یہاں نقل کیا گیا تھا - اس لئے یہ حصہ نمائش کا اور ایک دوسرا حصہ جس میں فرانس وانگلستان کی نوآبادیوں

اطالیہ کی قومی عمارت

اور ممالک مشرق کی تعمیرات تھیں۔ نہایت دلچسپ تھے۔ کیونکہ ان میں مختلف ممالک کے طرز پہلو بہ پہلو نظر پر نہایت عمدہ اثر پیدا کرتے تھے۔ اور بعض عمارتیں تو ایسی خوبصورت اور عالیشان اور نرالی طرز کی تھیں کہ ان کے دیکھنے سے جی سیر نہیں ہوتا تھا۔ اٹلی کی عمارات وینس کے مشہور گرجا سینٹ مارک کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ کہ جس کی کیفیت میں سیر وینس کے حالات میں لکھ چکا ہوں۔ یہ عمارت نہایت خوبصورت اور عالیشان معلوم ہوتی تھی۔ اس پر فن مصوری و نقاشی کہ جس میں اطالئین یورپ بھر میں استاد سمجھے جاتے ہیں۔ بے حد خرچ کیا گیا تھا۔ اور اس خیال پر تعجب ہوتا تھا۔ کہ عنقریب ختم نمائش کے بعد اسے گرادیا جائے گا۔ اس کا گنبد طلائی تھا۔ اور اس کی دو منزلوں میں اطالئین حرفت کے نمونے خصوصاً آرٹ کے نمونے دکھلائے گئے تھے ؛

ٹرکی کی قومی عمارت

اس کے بعد ٹرکی کی قومی عمارت تھی۔ یہ عربی اور شامی طرز تعمیر سے مرکب تھی۔ قسطنطنیہ کی چند بڑی بڑی پبلک عمارات کے حصے اور خصوصاً عجائب گاہ چلنی سیریز کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اس میں تین منزلیں تھیں۔ پہلی میں چھوٹے چھوٹے زیورات اور کشیدہ کے رومال دوسری میں برتنوں قالینوں کی قسم کی چیزیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں یہودی۔ یہودنیں بیچ رہے تھے۔ جیسا کہ قسطنطنیہ کے بازاروں کا حال ہے۔ دوسری منزل میں جو دمشق کے ایک قہوہ خانہ اور سلطان احمد کے فوارہ کے نمونے پر تعمیر کی گئی تھی۔ ایک تھیٹر تھا۔ جس میں یہودی اور یہودنیں عربوں اور مسلمانوں کے سوانگ بھر کر عربی گیت گا کر اور ناچ کر مسلمانوں کو بدنام کر رہی تھیں۔ مصر الجیریا۔ ٹیونس اور ٹرکی سب کے مکانات کے ساتھ تھیٹر بھی تھے۔ ان سب ملکوں میں عورتوں کے ناچنے کی طرز نرالی ہے۔ جس میں چھاتیاں اور کندھے پھڑکائے جاتے ہیں۔ اور ناف کے حصے کو تمام جسم سے الگ عجیب طور سے حرکت دی جاتی ہے۔ جس میں ان عورتوں کو خاص مہارت ہوتی ہے۔ ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ ان کے مقابلہ میں عین

تہذیب کا نمونہ ہے۔ ناچنے والی عورتیں اور ان کے مرد سب یہودی تھے۔ مگر یقیناً یورپ کے ناواقف لوگ انھیں مسلمان سمجھتے ہوں گے۔ اور کبھی کبھی جبکہ یہ بدوؤں کا لباس پہنکر رجز خوانی کرتے تھے۔ اور عربوں کے شادی بیاہ کی رسمیں اور عنترہ کی زندگی کے ایک واقعہ کی نقل کرتے جو میں نے بھی دیکھی تھی۔ تو کوئی شخص ان میں اور مسلمانوں میں بمشکل تمیز کر سکتا ہوگا۔ ٹرکی کے دکان میں صرف ایک مسلمان مجھے ملا جو مدت تک انگلستان میں رہا ہے۔ اس نے ایک میم سے شادی بھی کی ہے۔ اس نے کہا گورنمنٹ ٹرکی نے

ترکوں کے تحریک نہ ہونے کا باعث

نمائش میں خاص حصہ لینا پسند نہیں کیا اور نہ کسی مسلمان نے یہاں آنا پسند کیا ہے۔ مسلمان نوجوان یورپ میں آکر اہل یورپ کی بے حجاب لڑکیوں کو دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اور مسلمان نہیں رہتے۔ مجھے یہ سنکر نہایت افسوس ہوا کہ ترک ابتک ایسے نادان ہیں۔ کہ باوجود کئی صدیوں سے یورپ میں رہنے کے انھیں اتنی عقل نہیں آئی۔ کہ اسلام ایسا کچا دھاگا نہیں جو ٹوٹ جائے۔ نہ یہ کسی خاص ملک اور قوم اور آب وہوا سے مخصوص مذہب ہے۔ اور بالفرض اگر یورپ جاکر یہ اہل ہنود کے مذہب کی طرح خراب بھی ہوسکتا ہے۔ تو انھیں کی طرح مشدھ کرنے سے پھر صحیح وسالم بھی ہوسکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اسلام کے معنی کیسے غلط سمجھے گئے ہیں۔ ع

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

مگر اس کے بعد مجھے ایک معزز فرنچ لیڈی سے یہ سنکر اطمینان ہوا کہ جس مدرسہ میں ان کی جوان لڑکی پڑھتی ہے۔ اس میں چند ترک نوجوان خاتونیں بھی تعلیم پاتی ہیں۔ جو قسطنطنیہ سے صرف پڑھنے کے لئے آئی ہیں۔ ایک اور شخص سے بھی معلوم ہوا کہ پیرس کے مختلف مدرسوں اور کالجوں میں چند ترک نوجوان تعلیم پاتے ہیں گو تعداد میں یہ جاپانی طالب علموں سے بہت کم ہیں جو سات سمندر پار سے یورپ اور امریکہ میں تحصیل علم کے لئے جاتے ہیں ؂

ٹرکی کے بعد اضلاع متحدہ امریکہ کا مکان واشنگٹن کے کیپی ٹول کی نقل پر بنایا گیا تھا۔ اس مکان کی زیریں سطح خالی تھی۔ جس میں اہل امریکہ کی آسائش

کے لئے ڈاکخانہ تار اور خبر رسانی وغیرہ کے دفتر تھے۔ مکان کے سامنے امریکہ کے

امریکہ کی عمارت

نامور بہادر جارج واشنگٹن کا رویں بت گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ جس نے امریکہ کو انگلستان سے آزاد کرایا تھا۔
مکان کی پیشانی پر آزادی کا فرضی بت ترقی کی گاڑی میں سوار دکھلایا گیا تھا۔ مکان کے بیچ میں ایک بڑا ہال تھا۔ اطراف کے کمرے اضلاع متحدہ میں سے ہر ایک ضلع کے نام سے الگ الگ تھے۔ اوپر جانے کے لئے دو لفٹ تھے اور رات کو برقی روشنی ہوتی تھی۔ اس مکان میں کوئی سامان نمائش نہیں تھا۔ کیونکہ امریکہ کے سامان سے نمائش گاہ کی مختلف عمارتیں بھری پڑی تھیں۔ اس کے اندر صرف اہل امریکہ کی شائستگی کے تمام پہلو دکھلائے گئے تھے+

ڈنمارک

ڈنمارک کے مکان ڈنمارک کے خاص طرز تعمیر میں بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ اس کے اندر اس ملک کی ساخت کی چیزیں سجائی گئی تھیں۔

آسٹریا

اس کے بعد آسٹریا کا قومی مکان دو منزلہ بڑا عالیشان تھا اس میں نیچے دو تین کمرے صرف اعلیٰ درجہ کے فرنیچر سے سجا کر دکھلانے کے لئے مخصوص تھے۔ دوسری منزل میں کچھ اسباب نمائش برقی کلوں کے نمونوں۔ تصویروں۔ بتوں کی قسم سے تھا۔ ایک بت ایک مادر زاد برہنہ عورت کو سر سے اونچا اُٹھا رکھا تھا۔ اور اور بھی کئی برہنہ تصویریں تھیں۔ جن کے آرٹ کو بہت پسند کیا جاتا ہے ایک کمرہ میں یہاں کے کل اخبارات اور رسالجات کے سرورق چسپاں تھے۔ جو بجائے خود بہت دلچسپ نمائش تھی۔ اور نمونے اخبارات کے بھی موجود تھے۔ کچھ کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک کتاب میں کہ جس کا نام زمانہ حاضرہ کی ترقی تھا۔

آسٹریا کی صنعت و

حرفت کی ترقی کی کیفیت ۱۸۴۸ء سے ۱۸۹۸ء تک جرمنی زبان میں بہ تفصیل بیان کی

گئی تھی - نمائش گاہ میں آسٹریا ہنگری کا جہاں جہاں سامان تھا وہیں شہنشاہ فرانس جوزف کا ایک رویئیت بھی رکھا ہوا تھا -

پرتگال پرتگال کا مکان سادہ تھا - لیکن اپنی خاص مشرقی نما طرز کا تھا -

بوسینیا وہرزی گووینا بوسینیا اور ہرزی گووینا کو بھی صبر نہیں آیا - کہ نمائش پرس میں حصہ نہ لیں - اس مکان میں ایک طرف عربی طرز کے ستون لگا دیے گئے تھے اور محراب ایسے طور پر بنائے تھے کہ ایک عالیشان مسجد معلوم ہوتی تھی - اور ان ممالک سے ٹرکی کا تعلق یاد آجاتا تھا - مگر یہاں ٹرکی کے مکان میں اشیاء ساختہ کی کوئی نمائش نہیں تھی اور یہاں کی اشیاء ساختہ کی بھی کوئی نمائش نہ تھی -

پیرو اس کے آگے پیرو کی عمارت تھی - جو جنوبی امریکہ کی ایک جمہوری ریاست ہے - طرز تعمیر ہسپانیہ کی عمارات کی سی تھی - کیونکہ اس میں پہلے ہسپانیہ کا بھی قبض و دخل تھا - اوپر دو مینا کاری کے مینار تھے - دو منزلہ عمارت تھی - جس میں پیرو کی ساختہ چیزیں اور خام پیداوار موجود تھی بعض چیزیں یورپ کی اشیاء ساختہ سے لگا کھاتی تھیں - (۸۳) مربع گز زمیں پر مکان تعمیر کیا گیا تھا -

ہنگری ہنگری ہر چند کہ سلطنت آسٹریا کا حصہ ہے لیکن اس قوم نے جا بجا نمائش میں آسٹریا سے علیحدہ حصہ لیا ہے - چنانچہ اسکا مکان بھی آسٹریا کے مکان سے علیحدہ تھا - جو فن تعمیر کا اعجوبہ شمار ہونے کے قابل تھا - مگیار (یا مجار) قوم جتنی طرزیں تعمیر میں استعمال کرتی ہے - وہ سب اس عمارت میں جمع تھیں - جو جیسی باہر سے خوبصورت تھی ویسی ہی اندر سے ہنگری کی فوجوں کی وردیوں تاریخی یادگاروں اور خانگی زندگی کے سامانوں کے نمونوں اور تصویروں سے مکان نہایت دلچسپ بنایا گیا تھا - افسوس ہے کہ یہ چند فقرات اس اثر کا کوئی حصہ بھی پیدا نہیں کر سکتے

جو مکان کے دیکھنے سے حاصل ہوتا تھا۔

انگلستان اس کے آگے برطانیہ عظمے کا مکان تھا۔ نمائش کی تیاری کے ابتدائی زمانہ میں جو رائل کمیشن انگلستان نے نمائش پیرس میں حصہ لینے کے لئے مقرر کی تھی۔ حضور پرنس آف ویلز (حال شاہ ایڈورڈ ہفتم) اس کے سرپرست قرار پائے تھے۔ لیکن اس کے بعد بوجوہات چند در چند فرانس و انگلستان کے تعلقات ایسے دوستانہ نہ رہے جس سے انگلستان نے اتنی دلچسپی نمائش پیرس میں نہیں لی جتنی کر لینی چاہئے تھی پھر بھی بہت کچھ حصہ لیا ہی۔ انگلستان کی قومی عمارت ایک نامور انگریزی مکان کنگسٹن ہوس کے نمونہ پر تعمیر کی گئی تھی۔ نمائش کے طور پر اس میں بہت سا قیمتی اسباب سجایا گیا تھا۔ بشمل نمونہ ہائے فنون نفیسہ جواہرات۔ زیورات۔ اسلحہ وغیرہ جو انگریزی ساخت کا نامہ عجائب گاہ ہے کئی کمرے انگلستان کے مکان سجانے والے کارخانوں نے اپنے فرنیچر سے سجائے تھے۔ داخلہ کے سامنے ہال میں خوبصورت ٹیپسٹریاں (یا تصویر قالین) دیواروں پر آویزاں کی گئیں تھیں۔ دوسری منزل پر ایک لمبی گیلری میں انگلستان کی اٹھارھویں صدی کے مصوروں کے کمال کے نمونے جمع تھے اور چینی کے کمرے میں انگریزی ساخت کا بہترین سامان موجود تھا۔

ایران اس کے پچھلی طرف ایران کا مکان تھا۔ عمارت کو دیکھکر بے ساختہ مان لینا پڑتا ہے۔ کہ ہم ایران کے کسی کوچہ میں آ گئے ہیں۔ اس عمارت میں اصفہان کے مدرسہ نادر شاہی کا خاکہ اڑایا گیا تھا۔ دونوں سرو نبر دو مکانات دو منزلہ تھے جن میں شیشے ایسی طرز سے لگائے گئے تھے۔ کہ دن کو آفتاب اور رات کو برقی روشنی بہت اچھا اثر پیدا کرتی تھی۔ نمائش کے کمروں میں کرمان اور خراسان کے ایرانی قالین خلیج فارس کے بڑے بڑے موتی اور کچھ چینی کی قسم کے برتن تھے شیراز کا عطر گلاب اور کچھ قدیم ایرانی اسلحہ اور دستکاری کے نمونے تھے۔ اس کے علاوہ بیش قیمت زیورات جو شاہی خاندان کے سوا ایران میں کسی کو دیکھنے نصیب نہیں ہو سکتے۔ موجود تھے۔

عمارت کے تینوں طرف کچھ نظم خوشخط فارسی نستعلیق میں کندہ تھی۔ اس میں سے یہ شعر میں نے نقل کر لئے۔ جو ایرانیوں کے خیالات کا خاصہ نمونہ ہیں۔ اور شہنشاہ مظفر الدین کی معارف پژوہی پر دلالت کرتے ہیں۔ ؎

بگلشن ہنر و باغ معرفت پاریس — فگندہ اند بساطے ز صنع دست بشر
زمانہ پرورش فضل مے دہد ہر روز — درخت علم کنوں بیشتر گرفتہ ثمر
ہمیشہ تا بجہاں نام علم بودہ بلند — ازیں دیار ہمی نشر کردہ در دیگر
ز ہر دیار ہنر ملک خاصۂ ایران — کہ دولت است ہنر پیشہ و ہنر پرور
علی الخصوص بعہد خدیو صاحب جاہ — مظفر الدین شہنشاہ ما بلند اختر

اور بڑے دروازے پر یہ شعر تھے۔ ؎

ایں طرفہ بنا کہ دلکش شاہاں است — در عرض ہنر ز دولت ایران است
تا ہست جہاں باد مظفر منصور — شاہنشاہ ما مؤید یزداں است

واضح رہے کہ نمائش کی اور کسی عمارت پر کوئی نظم یا شعر نہیں دیکھے گئے۔ البتہ اٹلی کی عمارت پر کچھ تاریخی عبارت تھی۔

بلجیم بلجیم کا مکان اس ملک کے ایک مشہور مکان ہوٹل ڈالاویل۔ (ٹاؤن ہال) کا نمونہ تھا۔ جو سولھویں صدی کا بنا ہوا تھا اور چونکہ اس ملک کی "لیس" مشہور ہے اس لئے اس کی گیلری۔ ستون۔ محراب اور ایک گنبد پر لیس ایسی خوبصورتی سے تعمیر میں دکھلائی گئی تھی۔ کہ فن تعمیر کی بڑی قابلیت ظاہر کرتی تھی نیچے کے کمروں میں بلجیم کے مختلف شہروں کے اسباب کی نمائش تھی اور ایک کمرہ وہاں کے اخبارات اور مطابع کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ دوسری منزل پر سٹیٹ روم اور دوسرے سجے ہوئے کمرے تھے۔ لکسمبرگ کی گرینڈ ڈچی سے بھی ان اقوام عالیشان کے محلات میں اپنا گھر بنانے بغیر رہا نہیں گیا۔ جس میں اس چھوٹے سے علاقہ کی پیداوار اور ساخت کے نمونے تھے۔

ناروے ناروے کا مکان بالکل لکڑی کا بنا کر سرخ و سفید اور سبز رنگا گیا

تھا۔ کہ جیسا ناروے کے دیہات کے مکانات ہوتے ہیں۔ چونکہ ناروے کے سمندر کا کنارہ بوجہ دندانہ دار ہونے کے بہت بڑا ہے اور اندرون ملک بھی پانی بہت ہی اس لئے ماہی گیری یہاں کا پیشہ ہے۔ اس عمارت میں یہاں کی ماہی گیری کے قدیم سے لے کر حال تک کے مختلف قسم کے سامانوں کا ایک بڑا دلچسپ عجائب خانہ موجود تھا پہلو بہ پہلو ماہی گیر اور جنگل سے لکڑیاں کاٹنے والے کی زندگی دکھلائی گئی تھی۔ ایک بڑی چٹان پر کئی سو پرند بھس سے بھرے ہوئے دکھائے گئے تھے۔ جو بڑا دلچسپ نظارہ تھا۔ ڈاکٹر نانسن جس جہاز میں دو تین سال پہلے قطب شمالی کی تحقیقات کے لئے گیا تھا اس کا نمونہ اور سامان سفر دکھلایا گیا تھا۔ لیکن منجملہ کئی دیگر اشیا کے ناروے کے باشندوں کے بت اور ان کے مکانات کے نمونے تیرھویں سے انیسویں صدی تک وہاں کی زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتے تھے۔

جرمنی

جرمنی کا مکان ایک جرمنی کے آخری زمانہ کے طرز تعمیر کے گرجا کے نمونہ سے بنایا گیا تھا۔ جس کا مینار (۲۰۰ فٹ) بلند چلا گیا تھا نیچے کی منزل میں جرمنی میں کاشت انگور کی نمایش بالتفصیل دکھلائی گئی تھی۔ بیچ کے بڑے کمرے میں جو پچاس فٹ بلند ہے۔ جرمنی کے استادان فن کی چھت کے آرائش کے نمونے تھے۔ اور جرمنی کی کتابیں چھاپنے اور فوٹوگرافی کے نمونے بھی یہاں دکھلائے گئے تھے۔ باقی نیچے اوپر کے کمروں میں فریڈرک اعظم شہنشاہ سابق جرمنی کا بیش قیمت مجموعہ عجائبات سامان آرائش اور محلات پاٹسڈم (قصر شہنشاہ حال) کا بیش قیمت فرنیچر مع دیگر سامان فرنیچر کے نمونوں کے دکھلایا گیا تھا۔ لیکن جرمنی کی موجودہ دستکاری اور حرفت کے نمونے نمائش گاہ کی عمارات میں قطع نظر فرانس کے باقی سب ملکوں سے زیادہ تھے۔

بلگیریا

بلگیریا کی عمارت میں داخلہ کا دروازہ صرف ترکی طرز تعمیر کا تھا۔ جو دو بلند مربع ستونوں پر قایم تھا۔ باقی عمارت عیسائی طرز کی تھی۔

ہسپانیہ

ہسپانیہ کا قومی محل ہسپانیہ کے زمانہ "ری نیسنس" کے طرزِ تعمیر میں بنا ہوا تھا جس میں اسلامی طرزِ عمارت کی بہت سی جھلک نمایاں تھی۔ اس میں الکالا کی یونیورسٹی (۱۵۰۳ء) ٹولیڈو الکزار (القصر) سالامانکا کی یونیورسٹی وغیرہ مکانات کے حصوں کی نقل اتاری گئی تھی۔ اندر ایک بڑے حال کے گرد دو منزلہ گیلریاں تھیں۔ جن میں وہاں کی تصاویر اور فنون نفیسہ کی تاریخ نمایش کی گئی تھی۔ ملکہ ہسپانیہ نے محلات شاہی سے عجیب و غریب چیزیں نمایش کیلئے مستعار دی تھیں اور قومی اور پرائیوٹ عجائب خانوں نے بھی بعض چیزیں بھیجی تھیں ہسپانیہ کی ساختہ چیزیں نمایش کے مختلف حصوں میں موجود تھیں۔

رومانیا

رومانیا ایک چھوٹا ملک ہے۔ لیکن اس کی عمارت میں بھی اس ملک کی طرز تعمیر کا پورا خاکہ کھینچا گیا تھا۔ مکان کا وسطی ہال ہوریزد کی خانقاہ سے نقل کیا گیا تھا۔ پہلوؤں کی بیرونی صورت آرگاش کے بڑے گرجے اور دریچے سنادرپوبی اُوس سے نقل کئے گئے تھے اس لئے مکان کی عام صورت رومانیا کی خاص تعمیر معلوم ہوتی تھی۔ جس کے اندر وہاں کی مختلف پیداواروں اور تصویروں کے نمونے تھے۔

سویڈن

سویڈن کا مکان بھی ناروے کی طرح چوبی تھا۔ اور اس ملک کی صنعت و حرفت اور تجارت کے نمونوں سے پر تھا۔ مکان کی تعمیر میں جو لکڑی لگائی گئی تھی۔ وہ بھی سویڈن کی تھی۔ لکڑی پر کھدا ہوا کام اور سویڈن کی لیس کے نمونے بہت عمدہ تھے۔ آزمودہ کار پیشہ ور اندر بیٹھے ہوئے اپنے ملک کی مختلف حرفتوں میں تماشا دیکھنے والوں کے سامنے مشغول تھے۔ لیس جو ہاتھ سے بنی جاتی تھی۔ اور جو یورپ کی عورتوں کے لباس کا نہایت قیمتی جزو ہے میں نے بُنی جاتے دیکھا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی لکڑیوں پر دھاگا لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ جو نیچے لٹکتی رہتی ہیں۔ اور بننے والی عورت ایک اڈے کے سامنے بیٹھی ہوئی ایسی پھرتی سے اُن دھاگوں کو نیچے اوپر کرتی ہے۔ جیسے کہ لاہور میں ازاربند بننے والی عورتیں جلدی سے

ریشم کے تار انگلیوں سے نیچے اوپر کرتی ہیں۔ ہال کے سامنے نیچے کی طرف ایک بڑا کمرہ مکلف طور سے سجایا گیا تھا جس میں ممتاز آدمی (کوئی بادشاہ یا عمدہ دار جو یہاں آئے) بیٹھ سکتا ہے۔ اس کے پردے اسی کمرہ کے لئے بُنے تھے اس کے دونوں پہلوؤں میں دو پینورامے نمایاں تھے۔ جن میں ایک کا نام "شب زمستان" اور دوسرے کا نام "شب تابستان" تھا۔ میں نے سفر واُسنا کے حالات میں پینوراما کی کیفیت سمجھا دی ہے۔ جو ایک لمبے چوڑے کپڑے پر کسی کی تصویر ایسے طور پر رنگوں سے کھینچی جاتی ہے۔ اور کپڑے کو ایسے طور پر ایک نیچ کے گرد زمین سے چھت تک آویزاں کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والے باور کرتے ہیں۔ کہ وہ کوئی اصلی قدرتی نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ قدرت کی حرف نقل ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک پینوراما میں قطب شمال کے قریب کے ایک برف کے علاقہ کو دکھایا گیا ہے۔ اور دوسری میں رات کا رنگ ایسا تھا جیسے صبح صادق کیونکہ اس ملک میں گرمیوں میں آدھی رات کو بھی آفتاب افق کے قریب جھکا ہوا نظر آتا ہے جس کو دیکھنے کو ہر سال ہزارہا لوگ جاتے ہیں۔ دو کمروں میں سویڈن کے اخبارات اور رسالے میزوں پر پڑے رہتے ہیں۔ جو چاہتا ہے بیٹھ کر پڑھتا ہے۔

یونان یونان کا مکان خالص بائی زنٹائن طرز تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ اور چھت کے اوپر نیلگوں روغن کی اینٹیں لگائی تھیں۔ ڈھانچ عمارت کا۔ بجائے لکڑی کے لوہے کا تھا۔ اس میں یونان کے زمانۂ حال کی اشیاء ساختہ کے ساتھ ساتھ قدیم یونان کی صنعت مصوری اور بت تراشی کی حالت بھی دکھلائی گئی تھی یونانی نمایش کرنے والوں نے زیادہ تر شراب۔ تمباکو۔ ریشم۔ اور سوت کے کپڑے معدنیات اور چمڑا دکھلایا تھا۔ اور یونان کی تمام چیزیں اسی مکان میں تھیں جو (۹۵۰) مربع گز پر تعمیر کیا گیا تھا۔

سرویا سرویا کے مکان سادہ شکل کا تین گنبدوں والا خالص اسلامی طرز تعمیر کا تھا۔ گو ان ملکوں میں اب اسلامی حکومت نہیں رہی

لیکن طرز تعمیر پر مسلمانوں کا اثر ایسا نہیں تھا۔ جو ان کی حکومت کے ساتھ ہی کم ہو جاتا اس مکان کے اندر سرویا کے فن مصوری کے چیدہ نمونے نمایاں تھے یہ مکان دوسری اقوام کے مکانات سے علیحدہ جگہ پر واقع تھا۔

مکسیکو اور اسی طرح مکسیکو کا دو منزلہ مکان علیحدہ تھا۔ اس کی تعمیر میں بھی اسلامی عمارات کی جھلک تھی۔ ہسپانی کے ستونوں پر بنی ہوئی گیلری ہسپانیہ کی تعمیر کی نقل تھی۔ کیونکہ جنوبی افریقہ کی ان جمہوریوں پر پہلے پہل ہسپانیہ کا قبضہ تھا۔ جو مدت تک مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ اندر مکسیکو کی پیداوار اور دستکاری کی نمائش تھی۔ مکسیکو کی نوکدار نرالی ٹوپیاں جن میں سے بچوں کی ٹوپیوں پر بھاری طلائی کام گوٹے اور گٹوں کا تھا۔ اور بالکل مشرقی لباس معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑوں کی زینوں پر بھی طلائی کام بنا ہوا تھا۔ مکسیکو کے مکان میں کلیں تو بہت کم تھیں۔ مگر قدرتی پیداوار کی قسم کا سامان بہت تھا۔

قہوہ خانے مندرجہ بالا قریب قریب کل اقوام کے مکانات کے ساتھ قہوہ خانے اور ریسٹارنٹ (کھانے کی دکانیں) متعلق تھیں جن میں اس ملک کے طرز مخصوص کا کھانا پینا مناسب قیمت پر ملتا تھا۔ کہیں کہیں قہوہ خانوں اور ریسٹارنٹوں میں گاہکوں کو اکٹھا کرنے کے لیے اسی ملک کا لباس پہنکر یورپین مرد اور عورتیں گا اور بجا رہے تھے۔ اور لوگ سامنے کرسیوں اور میزوں پر بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ بعض اوقات صرف یہ گانا بجانا سننے کے لئے کرسیوں پر جا بیٹھتے جو ہر قہوہ خانہ کے پاس بکثرت پڑی رہتی تھیں اور کرسی پر بیٹھتے ہی قہوہ خانہ کا ویٹر (خدمتگار) حاضر ہو کر پوچھتا کہ کیا حکم ہے۔ یعنی کیا کھانا یا پینا لاؤں؟ مجھے دن دن بھر نمائش میں پھرتے رہنے کے وقت اور قہوہ خانوں میں کبھی مجبور ہو کر بیٹھ جاتا اور شربت لیموں کی بار بار فرمائش کرنا ہمیشہ یادگار رہے گا۔ غریبانہ قہوہ خانوں میں جہاں لیموں کاٹ کر ہاتھ سے نچوڑا جاتا تھا۔ دو تین آنے کو تازہ شربت کا گلاس ملتا تھا۔ لیکن اچھے قہوہ خانوں میں جہاں بجلی

سے نچوڑا جاتا ہے۔ وہی گلاس چھ سات بلکہ آٹھ دس آنہ کو ملتا تھا جس میں گیہوں کے پودے کے دو دو ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کی نالیاں (جسے پنجابی میں ناڑ کہتے ہیں) پڑی ہوتی تھیں۔ تاکہ ان کے جوف میں سے شربت چوس لیں۔ یہ نالیوں کا دستور میں نے اسٹریا۔ جرمنی۔ اٹلی اور پیرس کے قہوہ خانوں میں بھی دیکھا ہے۔ میرے خیال میں اس وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ان لوگوں کے دانت عموماً خراب ہوتے ہیں۔ اور برفاب دانتوں کو تکلیف دیتا ہے۔ اسی لئے آئس ٹی (برفانی چائے جو میں نے یورپ میں اکثر دیکھی ہے۔ جس میں چائے کے گلاس میں برف کا ٹکڑا ڈالا جاتا ہے اور گلاس کے سرے پر دودھ کے جھاگ ایک انچہ بلند نظر آتے ہیں۔

قومی شرب

اور شربت برف ان ڈنٹھلوں کی نالیوں سے پیتے ہیں۔ لیکن قطع نظر کم و بیش چائے اور قہوہ کے یورپ کے ملکوں کا عام شربت کسی نہ قسم کی شراب ہے۔ اور یورپ پر کیا منحصر ہے۔ مصر اور مراکو اور ٹیونس اور ٹرکی کے قہوہ خانوں میں ان ملکوں کی انگوری شراب زیادہ پی جاتی ہے چین کے قہوہ خانے میں لوگ جانوروں کے گھونسلوں کا شوربہ اور ایک قسم کی خاص شراب جاپان کا قومی "شرب" "ساکی" (ایک قسم کی چاول کی شراب۔ روس کے قہوہ خانہ میں روس کا عام قومی ووڈکا (ایک قسم کی شراب) غرض ہر ملک کے مکان کے ساتھ نرالی قسم کا کھانا پینا موجود ہوتا ہے۔ یقیناً ہر شخص جو اس نمائش میں آیا ہوگا اس نے اپنے ملک کی طرز تعمیر ضرور دیکھی ہو گی اور (سوائے ہندوستانی کے) اپنے ملک کے کھانے پینے کی بھی شکل دیکھی ہو گی۔ میں نے بارہا دور دور سے اکر ٹیونس کے عربی رسٹارنٹ میں کھانا کھایا۔ گو وہ بالکل ہندوستانی طرز کا پکا ہوا نہیں ہوتا۔ تاہم ہندوستان سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اور یورپین بے نمک کھانے سے جدا قسم کا ہوتا تھا۔ اور ساتھ ہی برس بھر میں سستا بھی یہی ایک مکان تھا۔ اس لئے نمائش گاہ کے تمام عربی ممالک کے باشندے جو بجز معدودے چند کے تمام یہودی تھے اور سینکڑوں سے کم نہ تھے۔ حبشی اور اکثر یورپین بھی یہاں آیا کرتے تھے۔ میں نے روغن زیتون

اپنی عمر میں پہلی مرتبہ یہیں کے سلاد میں کھایا ہے اور صرف اس خیال سے دل کو تسلی دیتا تھا کہ قرآن مجید میں زیتون کا اچھے طور پر ذکر کیا گیا ہے ۔ روغن زیتون تمام یورپ میں کم و بیش کھایا جاتا ہے ۔ مگر قسطنطنیہ اور شام میں پہنچکر تو زیتون کا اچار بھی بہت کھایا ۔

حفظ صحت کی نمائش انگلستان کی سوتھ کنسنگٹن کی نمائش گاہ ۱۸۸۴ء میں پہلے پہل حفظ صحت کے آلات اور سامان کی نمائش کا خیال پیدا ہوا تھا ۔ مگر اس نمائش گاہ میں اس کو تکمیل تک پہنچا دیا گیا تھا ۔ انسانی صحت کے متعلق جو کچھ ضروری ایجادیں اور ترقیاں ہو چکی تھیں ۔ وہ سب نمایاں کی گئیں تھیں ۔ سرد ملک میں عمارتوں کو بھاپ گرم پانی اور گرم ہوا سے گرم کرنے کے ہر قسم کے سامان مکانوں کی وینٹی لیشن (ہوادار بنانے) کے متعلق طرح طرح کی ایجادیں کھانا پکانے کے لئے انواع و اقسام کے چولھے ۔ انگیٹھیاں جو فلزات مٹی اور چینی کی بنی ہوئی ہزاروں نمونوں کی تھیں ۔ ان میں سے بعض تیل اور بعض گیس اور بعض برقی حرارت سے گرم کی جاتی تھیں ۔ ایک سکشن میں بیسیوں نمونوں کے پانی چھاننے کی فلٹر اور ایک دو سرے میں غسل کرنے کے ٹب پانی کے حمام اور نلکے رکھے ہوئے تھے ۔ سنگ مرمر اور چینی اور اناملی (تام چینی) کے دلکش حمام دیکھ کر طبیعت بغیر غسل کرنے کے ہی خوش ہو جاتی تھی ۔ ایک حمام کا ایک سوئچ پھرانے سے دس پندرہ گیس کی بتیاں روشن کی جاتی تھیں ۔ اور فوراً گرم پانی بہنے لگتا تھا ۔ ایک جگہ فرانس کے مشہور سگ گزیدہ کے علاج کے موجد پاسٹور کا بت رکھا ہوا تھا ۔ اور اس کے قریب اس کے علاج کا اصول اور عمل دکھلایا گیا تھا ۔ طاعون سل ۔ اور دیگر اسی قسم کی بیماریوں کے بیسی لس یعنی جرثومے بوتلوں میں بند کر کے رکھے گئے تھے ۔ جو میگنی فائنگ شیشوں کے ذریعہ بالکل ایسے ہی نظر آتے تھے جیسے کہ مریضوں کے جسم کے اندر ہوتے ہیں ۔ قریب ہی جرمنی کے سل کے مشہور معالج ڈاکٹر کوچ کا بت بھی تھا جس کے قریب اُس کے سل اور ٹیوبرکلوسس کے علاج اور حفظ ماتقدم کے سامان تھے ۔ جرمنی کے علاوہ انگلستان سوئزرلینڈ اور

اٹلی نے بھی اس حصہ میں بہت چیزیں دکھلائی تھیں۔

بحری و بری فوجی نمائش

دریائے سین کے اسی طرف ان عمارات سے آگے ایک بہت لمبی چوڑی عمارت "پیلے ڈے زارمی ڈے برآنے ڈے مرلینی" "قصر افواج بحر و بر" کے نام سے موسوم تھی۔ جو (۱۳۳۴) فیٹ لمبی اور (۱۶۴) فیٹ بلند تھی باہر سے یہ عمارت بالکل بھدی نظر آتی تھی۔ لیکن اندر سے عجائبات جنگی سے پر تھی اس میں زمانہ وسطیٰ کی جنگی تعمیرات کے ہر پہلو کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ لیکن ایسی سیڑھیاں لگائی تھیں جیسی قلعوں میں ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا تہہ خانہ بنایا تھا جیسا قلعوں کے قید خانے ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر جو نمائش اس عظیم الشان دو منزلہ عمارت میں ترتیب دی گئی تھی وہ نہایت دلچسپ تھی۔ ایک بڑے حصے میں فرانس کے جنگی اسلحہ جنگی سامان باربرداری کی گاڑیوں اور جانوروں ہر قسم کی توپوں۔ بندوقوں۔ گولوں۔ گولیوں وغیرہ وغیرہ وغیرہ سامان کی نمائش کی گئی تھی۔ جو میرے جیسے ناواقفوں کو بھی متحیر کر دیتی تھی۔ یہاں میں نے تین مرتبہ لفظ وغیرہ جان بوجھ کر لکھا ہے۔ کیونکہ فرانس نے جنگی ضروریات میں بے حد چیزیں دکھلائی تھیں۔ ہر قسم کا غلہ جو فوج میں انسان اور جانوروں کے کام آتا ہے۔ دکھلایا گیا تھا۔ ہر قسم کی روٹی۔ غلہ اور گوشت اور ترکاریاں جو سپاہی اپنے توشہ دان میں تھوڑی جگہ میں لے جا سکتا ہے۔ فوجی روٹیاں اور کھانے پکانے کی انگیٹھیوں اور چولھوں کی نمائش انواع و اقسام کی شرابوں اور پانیوں کی نمائش ہر قسم کے سوتی اونی۔ اور ریشمی ریشوں اور کپڑوں کی نمائش جس سے سپاہیوں کی وردیاں بن سکتی ہیں۔ اور جنگ کی ضرورتیں چل سکتی ہیں۔ جنگی تمغے ہر عہد کے انواع و اقسام کے بری سامان جو جنگ کی خبر رسانی یا کسی دوسری اغراض میں کام آ سکتے ہیں۔ پورے قد کے نقلی خچر اور گھوڑے گولی بارود کے صندوقوں سے لدے ہوئے ہر قسم کے چرمی سامان اور ساز جانوروں کا چارہ اصلی ہوا منٹ کی خوفناک لمبی سے لمبی بحری و بری توپیں جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے زخمیوں کے معالجے کے جراحی سامان زخم سینے کی سوئیاں دھاگے تک اور بیماروں کی ڈولیوں کی قسمیں۔ غرض جو چیز جنگ کے متعلق سمجھ میں

آ سکتی ہے۔ وہ سب مع تار اور ڈاک خانہ کے سامان کے بڑے اہتمام سے سرکاری اور مختلف تجارتی دکانوں کے دکھلائی تھی۔ قریباً آدھے مکان میں دیگر تمام دول یورپ نے اپنے یہاں کے جنگی سامان دکھلائے تھے۔ ۱۶۰۰ء سے ۱۸۵۰ء تک فرانسیسی فوج کے مختلف عہدہ داروں کی وردیوں اور فرانس کے بادشاہوں اور سرداروں کی تصویریں اور بتوں کی نمائش علیحدہ کی گئی تھی۔ سینکڑوں مومی بُت ہر عہد کے افسروں کی وردیاں پہن کر فوجی آن بان سے کھڑے تھے۔ ایک جگہ میدان جنگ کی شام کا منظر دکھلایا گیا تھا۔ سپاہیوں اور افسروں کے مومی بت بنا کر اپنے اپنے کام میں مصروف دکھلائے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود فرانس کے کسی میدان جنگ میں کھڑا ہوا میں وہی کیفیت دیکھ رہا ہوں۔ فرانسیسی فوج میں جو الجیریا کے مسلمان سپاہی بھرتی ہیں وہ بھی ترکوں کی طرح سرخ ٹوپی پہنے ہیں۔ الجیری ٹوپیاں ترکی ٹوپیوں سے زیادہ کشادہ اور پست ہوتی ہیں۔ جن کے پھندنے بہت بھاری ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سوار الجیری سپاہی بھی دکھلائے گئے تھے۔ برقی طاقت کی آٹوموبیل گاڑیاں بھی جنگ میں کام آنے کے لئے وضع کی گئی ہیں ؀

روس کے مکان میں وسط ایشیا کے تمام قبیلوں چرکس۔ کرد۔ کاسک سائبیریا سپاہیوں کے بت اپنی اپنی وردیوں میں کھڑے تھے۔ مگر آگے چل کر ایک کمرہ میں ترکی فوج کی تمام قسم کی وردیاں پہنکر ترکی سپاہیوں کے فوجی بت بھی استادہ تھے جن کا محافظ ایک ترک تھا۔ یہ پہلی اور مفرد ترکی نمائش گورنمنٹ عثمانیہ کی طرف سے دکھائی گئی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ترکی فوج ہی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جس کے سر پر ترکی سلطنت کا مدار ہے۔ اور جس پر ترک ناز کر سکتے ہیں۔ اس محافظ نے میرے سر پر سرخ ٹوپی دیکھ کر مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی مگر جلدی ہی اسے معلوم ہو گیا۔ کہ میں ترک نہیں تھا تاہم اس نے میرا مسلمان ہونا غنیمت سمجھا اور کہا تمہارے سوائے میں نے کوئی مسلمان گذشتہ تین مہینوں میں اس مکان میں نہیں دیکھا ممکن ہے بعض مسلمان یورپین لباس اور یورپین ٹوپی میں وہاں گئے ہوں۔ لیکن یہ بھی عجب نہیں کہ کوئی بھی اس مکان میں نہ گیا

ہو۔ کیونکہ میری طرح ہر شخص دیوانہ نہیں تھا۔ جو ہر چیز دیکھتا پھرتا۔ باہر سے بھی یہ عمارت کچھ دلکش نہیں تھی۔ ترکی سپاہیوں کے مومی بُت ترکی وردیوں میں نہایت شاندار معلوم ہوتے تھے۔ مگر سوائے بتوں کے اور کسی قسم کے ترکی سامان جنگ کی نمائش نہیں کی گئی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ واقعی یہ ٹرکی کی اصلی حالت کا مرقع ہے ان کے پاس سپاہی تو گھر کے ہیں۔ مگر سامان جنگ توپیں۔ بندوقیں وغیرہ یورپ سے لینا پڑتا ہے۔ ٹرکی میں اب بھی توپیں۔ بندوقیں بنتی ہیں۔ کہ جنگی مزید کیفیت قسطنطنیہ کے حالات میں درج ہے۔ جرمنی اور اسٹریا نے بھی سامان جنگ کی اچھی نمائش کی تھی۔ شروع میں اس مکان میں حفظ صحت اور جنگ کے سامان سے نمائش شروع ہوئی تھی۔ نیچے کی منزل میں بحری سامان اور جیب توپیں انگلستان فرانس اور جرمنی کے بڑے بڑے کارخانوں نے دکھلائی تھیں۔ جنگی جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے بہت سے موجود تھے۔ اس کام میں انگلستان سب سے بڑا ہوا تھا۔ اسی مکان میں فرانس نے اپنی فوج کی گذشتہ صد سالہ حالت کی نمائش بھی کی تھی جسمیں گذشتہ سو سال کی وردیاں مومی بتوں کو پہنا کر اور اسلحہ اور ان کی ترقی دکھلائی گئی تھی۔ اور تمام فرانسیسی زرہ بکتر اور فرانسیسی فوجی تمغے دکھلائے تھے۔ اس مکان کی بائیں جانب بہت سے مکانات ہیں جنگی سامان کے ضمیمے ہیں۔ ایک مکان میں سب سے بڑی روسی توپ دیکھی ایک مکان بلجیم کی بندوقوں سے بھرا ہوا تھا کسی میں فرانسیسی فوجی ہسپتال کے مجروحوں اور ڈاکٹروں کے بت تھے۔ اور کئی اور مکانوں میں ہر قسم کی روشنی کے سامان اور کھانا پکانے کے متنوع انگیٹھیوں کی نمائش تھی۔ قریب ہی ایک علحدہ مکان میں بحری و برّی جنگی نمائش کا ضمیمہ ایک مکان میں تھا جسمیں روس بلجیم اور انگلستان کی توپیں اور بندوقیں دکھائی گئی تھیں۔ بندوقوں کے نمونوں میں بلجیم بہت بڑھا ہوا تھا۔ روس نے دو بہت بڑی توپیں دکھلائی تھیں جو پچیس پچیس گز سے کم نہ ہوں گی۔ اور اسی مناسبت سے ان کے گولے بھی بڑے تھے آج کل فنون حرب و ضرب پر یورپ کی بہترین عقل صرف ہو رہی ہے اسکے قریب ہی

فرانس کی فوج کی روٹیاں پکانے کے تنوروں اور فرانسیسی جنگی ہسپتالوں کی اور نمائش تھی۔ یہاں فرانسیسی سپاہیوں کے یتیم بچوں کے لئے چندہ جمع کرنے کا صندوق بھی پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب مختلف قسم کی روشنیوں مثل برقی۔ ایسے ٹیلیں۔ الکحال گیس وغیرہ کے مختلف سامان اور نمونے دکھلائے گئے تھے۔ نمائش سامان جنگ میں میری رائے میں فرانس کے بعد جرمنی اور پھر روس اور انگلستان کا رتبہ تھا۔

میں نے نمائش کو چھ حصوں پر تقسیم کیا تھا جنمیں سے تیسرے حصہ کا بیان ختم ہو چکا لیکن دریا کے دائیں جانب کے چوتھے حصے کا بیان کرنے سے پہلے میں چھٹے حصے کی ایک دو عمارات کا ذکر کرتا ہوں۔ جو اقوام کے محلات کی قطار میں واقع ہیں۔ جنگی سامان کی عمارات سے آگے ایک مکان "پیلے ڈالانیوی گیبنوں ڈاکامرس" یعنی تجارتی جہاز رانی کے محل کے نام سے (۱۰۰) فیٹ لمبا دو منزلہ مکان واقع تھا۔ اس میں دو بڑے ہال اور

تجارتی جہاز رانی

اور ایک برآمدہ تھا۔ جو جہاز رانی کے متعلق ہر قسم کے سامان سے جن کا مصرف سمجھ میں آ سکتا ہے پُر تھا۔ تمام دنیا کی جہاز رانی کی کمپنیوں نے جہازوں کے چھوٹے ماڈل (نمونے) اور جہاز کی تعمیر کرنے والے کارخانوں نے جہاز کے استعمال میں آنیوالی اشیاء از قسم لکڑی لوہے تار کے رسّے۔ کپڑے۔ ٹاٹ۔ پال۔ کیل کانٹے۔ غرض ہر چیز کے نمونے موجود تھے۔ کئی سو قسم کے آہنی تار اور سوت اور سن اور ناریل کے ریشے اور خدا جانے اور کس کس چیز کے رسّے موجود تھے جان بچانے کے لئے لائف بوٹ کشتیاں۔ لائف بوئے۔ ترپال ہیوں قسم کا سامان ربڑ اور کارک کا جسکو لپیٹ کر سمندر میں کود پڑتے ہیں یا سمندر میں ڈوبتے ہوئے اس کے سہارے جانبر ہو سکتے ہیں۔ تمام بڑی بڑی جہازی کمپنیوں نے اس نمائش میں حصہ لیا تھا۔ نہر سویز کی کمپنی نے نہر کا نمونہ کئی گز لمبا چوڑا چوبی تختہ پر بنا کر دکھلایا تھا جسمیں دونوں طرف کے سمندر نہر اور راستہ کی جھیلیں شیشہ سے دکھلائی گئی تھیں۔ خدیو عباس اور خدیو اسمٰعیل دونوں کے بت بھی یہاں موجود تھے۔ تمام جہازی کمپنیوں اور دنیا کی سلطنتوں کے جہازی پھریروں اور جہازوں پر بذریعہ اشارات گفتگو کرنے کے بعد جھنڈیوں کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے۔ صرف اسی ایک مکان کی فہرست اشیاء

دو دیتیں موٹی موٹی جلدوں میں بمشکل سما سکتی ہے۔ اس عمارت کی تعمیر میں جہازوں کے سکان اور رسے اور دوسرے نشان دکھلائے گئے ہیں۔ اس کے بائیں جانب جرمنی کی جہاز رانی کی کمپنیوں اور پی اینڈ او کمپنی وغیرہ نے اپنے علیحدہ مکانات میں اپنے اپنے جہازوں کے نمونوں کی نمائش کی تھی۔ جرمنی کے جہازوں کے مکان کے اوپر جو کہ ایک لائٹ ہوس کی نقل تھا۔ ایک بہت بڑا کرۂ ارض ہر وقت برقی طاقت سے گردش کرتا رہتا تھا۔ اور رات کو سمندر کے لائٹ ہوسوں کی زوردار برقی روشنی اس سے نکلتی تھی۔ جس کی سرخ لائٹ روشنی آدھی رات تک تماشہ گاہ کو شہر کے چاروں طرف پڑتی رہتی تھی۔ مکانکے اندر جرمنی جہازوں کے نمونے اور جہازوں کے اندر فاصلہ اندازہ کرنے کے آلات تھے۔ مکان کے وسط میں ایک بہت بڑا برجی دیو بنایا گیا تھا۔ جسکے ایک ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھوڑا تھا۔ جو اگر ٹھوس ہوگا۔ تو چار من کا ہوگا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے کرۂ ارض تھام رکھا تھا۔ کہ جس کے ایک قطب کی میخ اس کے منہ میں حرکت کرتی تھی۔ کیونکہ برقی طاقت سے یہ کرہ ہردم پھرتا رہتا ہے۔ اسی کرہ کے گرد خطوط سے دکھلایا گیا تھا۔ کہ جرمنی کے تجارتی جہازوں کی لائنیں دنیا کے کن کن سمندروں میں ہیں۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بڑے محلات کے سامان سے اہل ہند کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ جہاز رانی سے اندرون ملک کے لوگوں کو کام نہیں پڑتا اور ساحل بحر کے لوگ بھی اس فن سے نابلد ہونے کی وجہ سے واقف نہیں۔ فوجی چیزوں سے وہ اور بھی ناواقف ہیں۔ یورپین لوگ یہاں جنگی سامان کی عمارت میں مختلف توپوں اور بندوقوں کو سمجھتے تھے بلکہ ان کی عورتیں تک اس سے دلچسپی رکھتی تھیں مگر مجھے کبھی ایک معمولی بندوق سے بھی ایک فائر کرنے کا موقع نہیں ملا۔ میں کیا سمجھ سکتا ہوں۔

جنگلات شکار و ماہی گیری

ٹراکو ڈیرو کا پل چھوڑ کر سامنے ایک قطار میں دریا کے کنارے پر ایک دو منزلہ عمارت (۶۲۳) فیٹ لمبی تھی جس کے اندر دو

قطعے علیحدہ علیحدہ تھے۔ جو ایک پچاس فیٹ بلند اور ۲۷ فیٹ چوڑے محراب کے دروازے سے ملحق تھے۔ جو تمام چوبی تھا۔ یہ عمارت "جنگلات اور شکار ماہی گیری" کے سامان پر مشتمل تھی۔ مگر جنگلات میں دنیا کے ہر قسم کے جنگلات اور ذخیرے اُن کے چوبی نمونے چھالیں۔ درختوں کے پھل مختلف قسم کے گوند اور لکڑی کے ہر قسم کے استعمال آ گئے۔ خواہ مکان کی تعمیر میں لگاؤ۔ جہاز بناؤ ہتھیاروں کے دستے یا کلیں یا کوئی چیز ہو شکار میں تمام جنگلی جانور چرند و پرند ان کی کھالیں اور پر اور سینگ ہاتھی دانت قیمتی کھالوں کے کپڑے ان کے سر دانت اور ہڈیاں اور ماہی گیری میں دنیا کے تمام سمندروں کی ہزارہا قسم کی مچھلیاں صدف یعنی سیپ اور جانوروں کے نمونے اور مونگے موتی۔ وغیرہ آ گئے مچھلی کے تیل چمڑے ہڈیاں پکڑنے کے ہر قسم کے سامان یعنی جال کنڈیاں نیزے وغیرہ آ گئے۔ گنجائش کہاں ہے کہ اس مکان کی سب چیزوں کی تفصیل بیاں کرسکوں جس قدر آپ کا وہم وگمان اقسام کے متعلقات کے اصناف بنا سکتا ہے بنا لیجئے۔ شکار کرنے کی بندوقیں اور پستول اور پھندے اتنے قسم کے تھے۔ کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ مختلف ملکوں کے شکار اور ماہی گیری کے طریقے شکار کے لباس۔ جنگل کے میوہ جات۔ چھالیں۔ گوند۔ جڑیں۔ انڈے یا پر وغیرہ چیزوں کے متعلق تمام مشینیں اور آلات قیمتی سمور اور پوستینیں صدہا قسم کی موجود تھیں۔ ایک روسی پوستین کے زنانہ گاؤن کی قیمت غالباً پندرہ بیس ہزار پونڈ تھی۔ یعنی دو ڈھائی لاکھ روپیہ سے بھی زائد مختلف ملکون اور قوموں کے شکاریوں کے بت قد آدم کھڑے تھے۔ مچھلیوں۔ اور جانوروں کے سروں کے صدہا نمونے ہر ملک کے آویزاں تھے۔

نمائش کا چوتھا حصہ

سوشل اکانومی اور محتاجوں کی امداد

اب نمائش کے چوتھے حصہ میں یعنی دریا کی دوسری جانب اقوام غیر کے محلات کے مقابل چلئے باغبانی اور نخلبندی کے تین شیشہ کے محلات کے قریب کہ جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے - ایک عالیشان عمارت محل کانگرس سوشل اکانومی کے نام سے موسوم تھی اس میں یورپ اور امریکہ کی تمام اقوام نے اپنے یہاں کی لائف انشورینس کمپنیوں - محتاج خانوں - یتیم خانوں - ہسپتالوں کے حالات سے نتائج مستنبط کر کے بتلائے تھے - کہ انسان کی اوسط عمر صحت اور بیماری کی حالت میں کیا ہے - یعنی فلاں مدت میں فلاں ملک میں کتنے لوگ کہ جنکی جانوں کا بیمہ ہو چکا تھا - اچھے بھلے مر گئے - اور کتنے بیمار ہو کر مر گئے - کتنا روپیہ محتاج خانوں پر خرچ ہوا غریب مزدوروں کے بچوں اور یتیموں کی پرورش کا کیا انتظام کرنا چاہئے - مزدوروں کے مکانات کے بڑے شہروں میں کیسے ہوں - مکانوں اور کارخانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور ان کے مکانات کے نمونے غریبوں کو خیرات کس طرح پہنچائی جائے چھوٹے چھوٹے پیشے جو غریب لوگ گھروں میں کر سکیں - غریب لوگوں کی باہمی امداد کے فنڈ جنھیں بلڈنگ سوسائٹیاں کہتے ہیں - اور جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غریب مزدوری پیشہ لوگ اپنی آمدنی سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ہفتہ وار یا ماہوار ان برادرانہ سوسائٹیوں میں دیتے جائیں - اور کام چھوٹ جانے یا بیمار ہو جانے کی حالت میں یہ سوسائٹیاں انھیں مقررہ رقمیں گزارے کے لئے دیں - محتاج خانوں کی معاونت کی کمیٹیاں - زراعتی قرضہ اور کاشتکاروں کو امداد محنت پیشہ لوگوں کی ضروریات کی دکانیں ان کی اخلاقی اور دماغی ترقی کے سامان حفظ صحت - محتاج خانوں کی امداد کی کمیٹیاں - سیونگ بنکوں کے نتائج کواپریٹو اور مشترکہ سرمایہ کے کاموں کے نتائج مویشی کی پرورش دودھ دہی اور زراعت کے کارخانوں کی حفاظت غریبوں کی صحت کا خیال بے کاروں کو مزدوری

دلانے کی کمیٹیاں - مزدور عورتوں کے بچوں کی حفاظت - مزدوری پیشہ عورتوں اور مردوں کی حالت کی اصلاح اُن کی اخلاقی اور ذہنی ترقی کا سامان پراوی ڈنٹ سوسائٹیاں سامان حفظ صحت کی نمائش - غریبوں اور یتیموں کی پرورش کا سامان غریب خانوں اور یتیم خانوں کے لئے سستا لٹریچر (کتابیں) اور تصویریں اور بہت سے اسی قسم کے دوسرے سوشل امور کے متعلق واقفیت کتابوں اور چیزوں کے نمونے اور ڈایا گراموں کی صورت میں اس وسیع مکان کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی تھی سب سے پہلے جرمنی پھر امریکہ - انگلستان - فرانس - بلجیم - ہنگری - روس - اٹلی - وغیرہ وغیرہ ممالک کے کمرے تھے - انگلستان کے کمرے میں جنرل بوتھ کا ایک نقشہ لنڈن کے مفلسوں کے مقام نمایاں کرنے والا بڑا دلچسپ تھا - جس میں رنگوں کے ذریعے سے دکھلایا گیا تھا - کہ فلاں کوچہ میں کتنے محتاج - کتنے متوسط الحال اور کتنے خوشحال رہتے ہیں - امریکہ کے مکان کی محافظ لیڈی سے میں ایک سلسلہ مندرجہ بالا مطالب کے پندرہ رسالوں کا لیا - جو خاص اسی نمائش میں مفت تقسیم کرنے کے لئے امریکہ کے وزیر تعلیم نے لکھوائے تھے - میں نے قیمت دریافت کی تو اس عورت نے کہا - کہ ہم مفت تقسیم کرتے ہیں - اور کہا کہ ہمارے لئے یہی امر خوشی کا موجب ہے کہ اس خاص مسئلہ سے لوگ دلچسپی رکھتے ہیں - ایک دو کمروں میں کھیتی باڑی کے جانوروں کے فوٹوگراف موٹوسکوپ میں لگا کر رکھے ہوئے تھے - اوراوپر کی منزل میں جو (۳۳۰) فیٹ لمبا (۴۰)

مختلف علوم و فنون پر لکچر

فیٹ چوڑا ہال کانگرس کے لئے تھا - اس میں فرانس کی آبادی کے مختلف سوشل حالات کے متعلق نہایت عمدہ اعداد و شمار کے بڑے بڑے نقشے آویزاں تھے - مثلاً جن سے سرسری نظر سے معلوم ہو سکتا تھا - کہ فرانس میں یتیم کتنے ہیں یا سارے ملک میں مفلس کتنے ہیں - اور وہ کہاں کہاں رہتے ہیں - گونگے اور بہرے کتنے ہیں - سکول اور ہسپتال کتنے اور کہاں کہاں ہیں اس مکان میں ایک ہزار آدمی بفراغت میز کے گرد بیٹھ سکتے تھے اور اُن معاملات کو سُن سکتے تھے - کہ جن کے لئے کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں - کُل (۱۲۷)

کانفرنسیں مختلف تاریخوں میں اس عالیشان مکان میں ہوئیں۔ جن میں سے بعض میں سپیکروں نے میجک لینٹرنوں کے ذریعہ سے بھی اپنے مطالب حاضرین کے ذہن نشین کئے

ارسٹھ مضامین

نمائش گاہ کی تعلیمی اغراض کا یہ جلسہ بہت بڑا جزو تھا اور پہلے سے ہی انتظام کیا گیا تھا۔ کہ صرف دنیا کے وہ مختلف علما۔ جو مختلف علوم و فنون اور ترقی کے مسائل میں دستگاہ رکھتے ہوں ان مسائل پر بحث کریں کہ جن کی تحقیقات اور تلاش میں ان کی عمریں صرف ہو چکی تھیں۔ یورپ کے مختلف ممالک میں بسرپرستی منتظمان نمائش اس اغراض کے لئے متعدد کمیٹیاں قائم کی گئی تھیں جنھوں نے اپنی طرف سے سپیکر نامزد کئے تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ارسٹھ مضامین پر تین کورس لیکچروں کی نمائش گاہ میں دیئے جانے قرار پائے۔ اور یہ کل مضامین آرٹس صنعت و حرفت حفظان صحت تعلیم طب اور پولیٹیکل اور سوشل اکانومی پر مشتمل تھے*

سائنس

آرنی تھالوجی (پرندوں کا علم) میٹی آرولوجی (علم حوادث موسم) علوم طبعی۔ علوم ریاضی۔ جیالوجی (طبقات الارض) علم برق۔ انتھرو پالوجی۔ اور آرکیالوجی (انسان کی طبعی ساخت۔ اور اشیائے قدیم کا علم) سائکالوجی (علم دل و دماغ) اتھنوگرفی (علم خصوصیات نسل انسان) کمسٹری (کیمیا) باٹینی (علم نباتات)

عملی علوم اور متعلقہ حرفیں

باغبانی۔ جنگلات۔ کانیں۔ اور معدنیات۔ کاشت انگور بیمہ مال و جان۔ بیمہ زندگی کے کاروبار کے حسابات زراعت میٹیریل کی آزمائش۔ دخانی انجن۔ اور مشینیری۔ عملی جرثقیل۔ فن عمارت اور بحری تعمیرات۔ فوٹوگرافی۔ عملی کمسٹری۔ جہازرانی۔ دواسازی تجارتی۔ اور مادی پیداوار کا جغرافیہ۔ ٹراموے کاشت۔ میوہ جات۔ ریلیں*

طب اور حفظان صحت تعلیم

پیشہ طبابت۔ علم طب ڈرماٹولوجی۔ (علم امراض جلد) وندان سازی۔ حفظ صحت۔ ہپناٹزم (مقناطیس جسمانی) جدید زبانوں کا

سکھلانا - اعلےٰ تعلیم - سوشل سائنس کی تعلیم - پرائمری تعلیم - سکنڈری تعلیم - ٹکنیکل اور انڈسٹریل تعلیم - تعلیمی کتابیں اور رسالے - بیلیوگرافی - نقشہ کشی کی تعلیم - پاپولر ایجوکیشن فنِ زراعت کی تعلیم ٭

سوشل اور پولیٹیکل ایکانومی

سستے مکانات - کمپیریٹو ہسٹری (معاصرانہ تاریخ) عورتوں کا کام اور زنانہ انسٹی ٹیوشن - زراعتی سنڈیکیٹ - قرضہ کے بینک (کریڈٹ بینکس) کوآپریٹو پروڈکشن - مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں کوآپریٹو سوسائٹیاں - انٹرنیشنل کوآپریٹو الائنس - تجارت اور حرفت کوانٹیل سوشیالوجی - امداد مفلساں - (پور ریلیف) اندھے - گونگے بہرے خلاف بردہ فروشی - نوآبادیاں - تاریخ مذاہب عورتوں کے حقوق - سوشل تعلیم - امن - بحری قانون ٭

جتنا مجھے یورپ کے مختلف ممالک کی زبانیں نہ سمجھنے کا اس مکان میں افسوس ہوا کہیں نہیں ہوا - میں ان مضامین کے متعلق مختلف ملکوں کے حالات دیکھنا چاہتا تھا - جن کی کتابیں یہاں بکثرت میزوں پر پڑی تھیں اور جن کے مقوّے زنجیروں یا میخوں سے میزوں پر جڑے ہوئے تھے - تاکہ کوئی لے نہ جائے - اس سے آگے دریا

پیرس قدیم

کے کنارے پر ایک لمبا چوڑا مکان کئی حصوں میں قدیم پیرس کے نام سے موسوم تھا - اس میں قدیم زمانہ کے شہر پیرس کے خاص خاص اور نمونہ کے مکانات کی ٹھیک نقل اُتاری گئی تھی یورپ کے زمانہ وسطیٰ اور بعد کے زمانہ ری نیسنیس (ترقی) ، اور سترھویں اٹھارھویں صدی کے پیرس کے الگ الگ نمونے دکھلائے گئے تھے - اندر کے لوگوں کے لباس اسی زمانہ کے تھے - عورتیں مرد - دکاندار - ملازم - نوکر آقا سب کے اسی زمانہ کے لباس اور لمبے بال پوڈر آلودہ بال تھے - یہاں تک کہ مکان بھی اسی زمانہ کی طرز کے اور اسی مصالح سے تعمیر کئے گئے تھے - جو اس وقت مروج تھا - حال کے پیرس اور اُس وقت کے پیرس میں زمین و آسمان کا فرق ہے جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے - کہ مرور زمانہ کے بعد قومیں

کس قدر بدلجاتی ہیں - اس کے اندر متعدد رسٹارنٹ ایک تھیٹر اور اور بھی تماشا گاہیں تھیں - کہ جہاں تھیٹر اور موسیقی کے استاد آکر کمال فن دکھلاتے تھے - اسی مکان میں پیرس کے قدیم تعلیمی حرفتی سکولوں سے لے کر آج تک کی ترقی دکھلائی گئی تھی - قدیم زمانہ کی باغبانی کا نمونہ بھی دکھلایا تھا - جو آج بے حد عروج کو پہنچ گئی ہے ؛

پودوں اور جانوروں کی نسل کی ترقی

کیسی عجیب بات ہے کہ قطع نظر پھولوں اور پھلوں کے درختوں کی ٹہنیاں صرف ایک طرف یا دوسری طرف کی قطار ہی میں سدھائی جا سکتی ہیں - مثلاً ایک پھل کے درخت کی صرف اس شکل کی ٹہنیاں ہیں  اور دوسرے کی صرف اس شکل کی ہیں  کہ جن کو پہلے بانس کی کھپچیاں باندھ کر ان صورتوں میں سدھایا جاتا ہے - اور پہلی قسم کے شاخوں والے درختوں کی قطاریں ہر درخت کی شاخیں ساتھ کے درخت سے اس طرح ملادی ہیں کہ شاخوں اور پتوں کی اس شکل کی  ہے - ان لوگوں نے پھولوں پھلوں درختوں اور ترکاریوں تک کو اپنے مطالب کے مطابق عمدہ بنا لیا ہے - نباتات کو ہی نہیں بلکہ حیوانات کو بھی اپنے ڈھب کا بنا لیا ہے - یہاں ہل جوتنے اور بوجھ کی گاڑیاں کھینچنے والے گھوڑوں کی نسل گاڑی کے تیز رفتار گھوڑوں سے علیحدہ ہے - پہلی قسم موٹی بھدی اور بارکش ہے - دوسری تیز رفتار اور خوبصورت ہے - بھیڑوں - بیلوں - اور سوروں کو چونکہ یہ لوگ صرف گوشت کے لئے پالتے ہیں - اس لئے یہ جانور ایسے موٹے تازے اور صرف گوشت کے مربع لوتھڑے ہوتے ہیں - کہ جن کے نیچے صرف ٹانگیں اور سامنے چھوٹے چھوٹے سر نظر آتے ہیں - اب ان کی نسلیں ہی اس ڈھب کی ہو گئی ہیں - جن کے تیار کرنے میں اس قسم کی کوشش کی گئی ہے کہ جس گھوڑے کو بھدا اور بارکش پایا - اس کو اسی صفت کی گھوڑی سے ملا کر بچہ لیا - اور اگلی نسل میں بھی یہی امر مد نظر رکھا - تو چند پشتوں میں یہ ایک علیحدہ نسل قائم ہو گئی - اس قسم کا ذرا ذرا سا فرق بہت بڑا نتیجہ پیدا کرتا ہے ؛

نمائش کے باقی دو بڑے حصوں یعنی پنجم و ششم میں کل ایشیائی اور افریقن اقوام اور کل دنیا کی بہترین کلوں اور تعمیر و تعلیم کے طریقوں کا سامان جمع کیا گیا تھا - جو کچھ ان کلوں کی عظیم الشان عمارتوں میں مَیں نے علم برق و مکنیکس کے شعبدات اور عجائبات دیکھے ہیں - وہ میں کبھی بھول نہیں سکتا - واقعی علم بہت بڑی طاقت ہے کتنے کتنے عظیم الشان لوہے کے مینار اور پل اور پہیئے برمے - برقی - دخانی اور مکینکل طاقتوں سے کیسی سرعت اور سہولت سے چل رہے ہیں کہ جن کے سامنے ہاتھی بھی چیونٹی کی طرح پس جائے - مگر ایک آٹھ سال کا بچہ بھی انھیں جب چاہے روک سکتا ہے - واقعی علم بڑی طاقت ہے - اور جہالت کی طاقت اس کے مقابلے میں ایسی ہی بے حقیقت ہے - جیسے کہ سوڈان کے ہزارہا درویشوں کے ڈنڈے - انگریزی میکسم توپوں کے مقابلہ میں ثابت ہوئے ؛

نمائش کا پانچواں حصّہ

نمائش گاہ کو میں نے اپنی تجویز میں جن چھ حصوں پر تقسیم کیا تھا - ان میں سے چار کا مختصر بیان ہو چکا - اب شکار اور ماہی گیری کے سامان کی عمارت کو دیکھ کر باہر نکلنے کے وقت دریا ہماری بائیں طرف تھا - اور پیرس کا مشہور آہنی مینار (ایفل ٹاور) دائیں طرف - بائیں طرف دریا کے پار ٹراکوڈیرو کی خوبصورت عمارات مختلف طرز تعمیر کی موجود ہیں - جن میں مراکو اور الجیریا مصر اور ٹیونس کی عربی طرز تعمیر کی عمارتیں چینی - جاپانی - جاوی وغیرہ ملکوں کی تعمیرات کے پہلو بہ پہلو دل لبھا رہی ہیں - یہ ممالک یورپ کے مقبوضات اور نو آبادیوں کا سکشن ہے - اور انہیں میں ہندوستان اور سیلون کی عمارات بھی ہیں - یہ چھٹا حصہ نمائش کا ہے - لیکن

ایفل ٹاور کی دوسری طرف جو عظیم الشان عمارات دونوں طرف دور تک چلی گئی ہیں - اور آخری حصہ پر قصر برق اور بہارِ آب کے محل نے انھیں ملحق کر دیا ہے - یہ ہر قسم کی صنعت وحرفت اور علوم و فنون کے شعبدوں اور کلوں کی عمارتیں ہیں - جو پانچواں حصہ نمائش کا ہیں - علاوہ علوم وفنون کے انہیں دونوں حصوں میں دل بہلاؤ کے سامان بھی زیادہ ہیں - کہ جن میں نہ صرف تھیٹر اور قہوہ خانے شامل ہیں - بلکہ پینورامے ڈیوراما - مینار ایفل ٹاور یا دوسری دلچسپی کی چیزیں کہ جن کا حال اخیر میں درج کیا جائے گا - پانچویں حصہ کی بھی عمارتیں کہ جن میں کان کنی کپڑا بننے کی کلوں - زراعت - صنعت - کمسٹری سول انجینیری اور ریلوں - فن تعلیم لٹریچر سائنس و آرٹ و برق وغیرہ علوم وحرفتوں کے سامانوں اور کلوں اور نمونوں کے رکھنے کے لئے وسیع جگہ تیار کی گئی تھی - در اصل نمائش گاہ کہلانے کے لائق تھیں اور یہ اتنی وسیع اور اتنے سامان سے پُر تھیں کہ انھیں کو پورے طور پر دیکھنے کے لئے ایک مدت درکار تھی - یہ سب عمارتیں اندر سے آپس میں ملحق تھیں - صرف جہاں ایک صیغہ کی نمائش کی چیزیں ختم ہو جاتیں وہاں سے دوسرے صیغہ کی شروع ہو جاتیں -

قصر برق

اگر قصر برق کو سینہ یا سر قرار دیا جائے - کہ جس کے سامنے دلکش فواروں اور آبشاروں کے لئے شاٹوڈواٹو کے نام سے ایک تماشائے آب کا حوض اور آبشار تھے - تو دونوں طرف کی صنعت وحرفت اور علوم وفنون کی عمارات بمنزلہ دونوں بازوؤں کے نظر آئیں کہ جن کے خاتمہ کے قریب سر بفلک ایفل ٹاور تھا - یہ قصر برق رات کے وقت روشنی کے کام آتا تھا - کہ جس کے ہزاروں برقی چراغوں کے ایک طرفۃ العین میں روشن ہو جانے سے تمام نمائش گاہ بقعۂ نور بن جاتی تھی - اور جو فوارے اور آبشارونکو معمولی حالت میں نظر آتے تھے اب ہزارہا مختلف الالوان برقی لمپوں کے سامنے ہونے سے ان پر قوس وقزح کے تمام رنگ منعکس ہوتے تھے اور یہ دور تک پھیلے ہوئے نور کے شعلے بلا مبالغہ ایک ایسا فوق العادۃ نظارہ پیدا

کرتے کہ بلا اس کے دیکھنے کے اس کا قیاس میں لانا مشکل ہے۔ ہر شب کو تو یہ قصر برق روشن نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن جس شب کو یہ روشن کیا جاتا۔ نمائش گاہ کے اس وسیع میدان میں جو عجائب گاہ ٹراکوڈیرو تک چلا گیا تھا۔ دن سے زیادہ رونق ہو جاتی تھی۔ اسی قصر آب کے پیچھے وہ برقی روشنی بھی تیار ہوتی تھی۔ جو نمائش کی دوسری عمارتوں میں پہنچائی جاتی تھی۔ قصر برق کی کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے اسقدر اور بتلا دینا مناسب ہے۔ کہ اس کی چوٹی پر ایک "برق" کا قیاسی بت ایک چرٹ میں بٹھلایا گیا تھا۔ جیسے پیگاسس اور ڈراگن دو دیوتا کھینچتے تھے۔ دن کو تو یہ شیشے اور لوہے کا بت معلوم ہوتا تھا۔ کہ جس کے عقب میں شیشہ کا ایک بڑا آفتاب بنا ہوا تھا۔ جس کی ہزاروں بلوریں کرنیں آفتاب سے ملتی تھیں۔ لیکن رات کے وقت اس کے پانچ ہزار رنگین لیمپوں کی روشنی قابل دید ہوتی تھی۔ علم برق کو جان بوجھ کر نمائش کے عین وسط میں نہایت امتیاز کی جگہ دی گئی تھی۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نمائش میں اسپر پوری توجہ کی گئی ہو۔ اور علاوہ اس کے برق کو بیسویں صدی کے عجائبات کا منبع سمجھا جاتا ہے۔ اور اس نمائش کی حیات کا تو واقعی یہی قصر برق منبع تھا کیونکہ یہیں سے تمام کلوں کو چلانے کے لئے برقی طاقت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ اور تمام نمائش کے لاکھوں برقی لیمپ اسی سے روح حیات پاتے تھے۔ سیکڑوں میل برقی تار اس عجائب گاہ کے چپہ چپہ پر زیر زمین اور زیر دریائے سین پھیلے ہوئے تھے۔ جو ایک بٹن کے دبانے سے اس تمام نمائش کے ہزارہا کمروں اور حجروں اور مکانوں کو روشن کر دیتے تھے۔ مگر یہ روشنی صرف راتوں کو ہی یہ اچنبھے نہیں دکھلاتی تھی۔ بلکہ دن کو بھی ہر ایک جگہ کام آتی تھی۔ چھٹی اگست کی دوپہر کو میں کلوں کے سکشن میں طرح طرح

حصۂ برق

کی کلوں کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ کہ برقی سامان کے صیغہ میں جا پہونچا جہاں برقی طاقت سے ایسے ایسے عجیب و غریب کام لئے جاتے تھے۔ کہ جن سے گمان ہوتا ہے۔ کہ وہ زمانہ دور نہیں ہے جبکہ انسان کی ہر ضرورت کا انصرام برقی طاقت سے ہی ہوا کرے گا۔ یہاں میں نے دیکھا کہ صدہا دو

عورتیں ایک سیڑھی کے راستے سے بھاگے جا رہے ہیں۔ اور اتنے دنوں کے تجربہ سے یہ بات مجھے بخوبی معلوم ہو گئی تھی۔ کہ نمائش میں جدھر بہت سے زن و مرد جا رہے ہوں اُدھر ضرور کوئی قابل دید چیز ہوتی ہے۔ میں بھی

جادو کا کمرہ

اسی ہجوم کے ساتھ ایک بہت بڑے شش پہلو کمرے میں گیا۔ جس کی پیشانی پر جلی حروف میں (سال ڈی اِل لیوژن) یعنے "دھوکے کا کمرہ" لکھا ہوا تھا۔ اور واقعی یہ عجیب کمرہ تھا۔ جب دو تین ہزار مرد اور عورتیں اس میں سما گئے۔ تو کمرے کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور اس میں اندھیرا چھا گیا۔ مگر آنِ واحد میں بے شمار برقی لیمپ روشن ہو گئے اور مکان جگمگا اٹھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس میں چھ سات گیلریاں دور تک بنی ہوئی تھیں۔ اور ان میں ہر طرف ستونوں کی قطاریں انتہا تک چلی گئی تھیں یہ ستون بھی چھوٹے چھوٹے برقی لیمپوں سے لدے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں ان میں سے بعض لیمپوں کا رنگ سُرخ اور بعض کا سبز اور ایک دم زدن میں سب کا نیلگوں اور کبھی سفید براق ہو جاتا تھا۔ اور کبھی ایک دم کے لئے سب لیمپ گل ہو جاتے اور کمرے میں گہری تاریکی چھا جاتی۔ لیکن جب سب لیمپ مختلف رنگوں کے چشم زدن میں روشن ہو جاتے۔ تو اس شیشہ کے مکان میں عجیب سامان نظر آتا ہے۔ جو ہر فرد و بشر کہ جس نے ایک دفعہ اس کو دیکھ لیا ہے۔ عمر بھر کبھی فراموش نہ کرے گا۔ ناظرین مندرجہ بالا سطور کے معائنہ کے بعد شاید کچھ اندازہ اس عجیب کمرہ کا لگا سکتے ہیں لیکن دراصل یہ کمرہ اتنا وسیع نہیں تھا۔ اور نہ اس میں اتنے لیمپ اور اتنے ستون تھے۔ کہ جتنے نظر آتے تھے۔ اس کی تمام دیواریں اور چھت سالم شیشہ کے بڑے بڑے تختوں کی تھیں۔ کہ جن میں بہت سے برقی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ اور چھ ٹکڑوں میں چھ ستون برقی لیمپوں سے پٹے ہوئے نصب تھے۔ برقی لیمپوں کے یکایک روشن ہو جانے سے جہاں تک نظر جاتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کمرہ کے ہر طرف گیلریاں اور ہزاروں ستون چلے گئے ہیں۔ اور حد نگاہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ لیکن دراصل نگاہ کو

شیش محل کی وجہ سے دھوکا ہوتا تھا۔ تماشہ کے خاتمہ پر سب زن و مرد نے خوب تالیاں بجا کر داد دی۔

برقی سامان

اس کمرے کے قریب دوسری منزل پر یورپ کے مختلف ممالک کے برقی سامان کی دکانیں تھیں۔ اور ان میں جو جو برقی شعبدے میں نے دیکھے وہ بیان کرنے مشکل ہیں۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ انگلستان اور اضلاع متحدہ امریکہ کے برقی آلات کی دکانیں بہت زیادہ اور پُررونق تھیں۔ ان میں مختلف اقسام کی طاقت کی بیٹریاں طبی عمل روشنی اور طاقت حاصل کرنے کے لئے موجود تھیں سیکڑوں قسم کے فونوگراف اور گرامو فون اور ٹیلیفون اور روشنی کے لیمپ اور طاقت کے ایکومولیٹر جمع تھے۔ ان میں سے بعض مشینیں چل رہی تھیں۔ جن کے دیکھنے کو ہزارہا تماشائی گرے پڑتے تھے۔ مجھے یہ تمام کارخانہ طلسم ہوشربا معلوم ہوتا تھا۔ اور جبکہ تمام یورپ اور امریکہ کے موجدوں نے لوگوں کو حیران کرنے کا ایکا کر لیا ہو۔ تو کوئی دانا سے دانا بھی ایسا نہ ہوگا۔ کہ جو اس برقی ذخیرہ کے شعبدات کو دیکھ کر محو حیرت نہ ہو جائے۔ ؎

حیرت ہر کس دریں عالم بقدر بینش است ہر کہ دانا در یں ہنگامہ حیراں بیشتر

برقی موجدوں کے شعبدے

اس سے نیچے کے کمرے میں بڑے بڑے برقی ڈائی نیمو پچاس ہزار کیلوگرام طاقت سے لے کر ذرا ذرا سے کھلونوں تک اور ہر قسم کے بھاری اور ہلکے موٹر اور بڑی بڑی مشینیں تھیں۔ برقی ٹریموے اور برقی ریل گاڑیاں برقی کشتیاں اور لائٹ ہوسوں کے استعمال کے لئے۔ برقی سرچ لائٹ۔ غرض بڑی بڑی طاقت کی برقی روشنی اور قوت کا سامان تھا۔ ایک جگہ اضلاع متحد امریکہ اور ایڈیسن کی آخری برقی ایجادیں دکھلا رہا تھا۔ جرمنی ڈاکٹر رونجن کی ایکس شعاعیں۔ رنگین فوٹوگرافی اور پروفیسر وسنلٹ کی ایک سیکنڈ میں پانچ ہزار مرتبہ کی برقی رَو کی رکاوٹ نمایاں کر رہا تھا اٹلی مارکونی کے بے تار کی برقی خبر رسانی کا سامان اور سوئٹزرلینڈ ایم ڈو سانڈ کی برقی ایجادیں بلند بولنے اور لکھنے والے ٹیلیفون کہ جو ایک بات کو ایک مرتبہ کہہ دینے کے بعد بار بار بتلا سکتے تھے۔ نمائش کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ برقی گھڑیاں طبی برق کیمیاوی برق کان کنی

وغیرہ مختلف اقسام کے برق کے جابجا تجربے بتلائے جارہے تھے اگر صرف اس نمائش کے سامان برقی کے حالات بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے جائیں تو تمام کتاب کے پُر کردینے کے لئے کافی ہیں ؛

اب میں ان عظیم الشان عمارات کی نمائش اشیا کو بہت اختصار سے بیان کرتا ہوں لیکن بوجہ اشیا کے بے شمار ہونے کے میں کسی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا - کان کنی اور

کان کنی و معدنیات

معدنیات کے صیغہ میں تمام بڑی معدنیات اور پتھر کے کوئلہ کی کانوں کے نمونے دکھلائے گئے تھے - اور کان کنی کے تمام آلات اور سامان مثل بارود اور ڈائنامیٹ وغیرہ کے موجود تھا - آرٹیزین کنوؤں کے کھودنے اور مٹی کے تیل کے لئے زمین میں سوراخ کرنے کے آلات اور طریق اور کانوں میں آمدورفت کے سامان بتلائے گئے تھے - غرض کان کنی کے متعلق جتنی کلیں اور دستی آلات کانوں کی پیداوار کے نمونے اور کام کے طریقے ابتک ایجاد ہوئے ہیں - ہر ایک کا نمونہ یہاں موجود تھا سیفٹی لیمپ اور مختلف اقسام کی کان کنی کی زندگی کی حفاظت کی تدابیر چھکڑے اور دستی گاڑی بان معدنیات ڈھونے کے لئے موٹے رسے اور کرینیں وغیرہ لادنے کا سامان رکھا ہوا تھا - انواع و اقسام کے پتھر اور سنگ مرمر تراشیدہ اور ناتراشیدہ عمارت کے کام کے اور چونہ اور سیمنٹ بنانے کے الگ الگ چنے ہوئے تھے - ریت کٹھالیاں بنانے کے لئے اور دیگر مصالحے بھٹیاں اور مٹی اور چینی کے برتن بنانے کے موجود تھے معدنی کھادیں مثل فاسفیٹ وغیرہ کے اور معدنی ایندھن مثل پتھر کے کوئلہ اور پیٹ کے دکھلایا گیا تھا - اور معدنیات کے کئی عجیب و غریب نمونے اسفالٹ سائمبر - پٹرولیم - بٹومن راک اور منگنیز کے صندوق کی قسم سے موجود تھے - آسٹریا کی کان کنی کی نمائش میں بتوں کا ایک گروپ نمک میں سے تراشا گیا تھا - اس کے آگے مختلف دھاتوں کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی چیزیں مثل گھنٹوں - زنجیروں - باغبانوں اور دیگر حرفت پیشہ لوگوں کے اوزاروں - گھر کے برتنوں - اور چاندی سونے کی چیزوں کے جمع کی گئی تھیں اس میں اٹلی - جرمنی - روس - انگلستان - سویڈن - ناروے - بلجیم - اضلاع متحدہ امریکہ اور آسٹریا ہنگری نے مختلف معدنی اور آہنی چیزیں اور کلیں اور انجن دکھلانے میں کافی حصہ لیا

نب بنانا

تھا۔ اس صیغہ کے شروع میں بعض آہنی کارخانوں نے اپنی بنائی ہوئی آہنی چیزوں کو سجا کر اُن سے بڑے بڑے دروازے بنا دیئے تھے یہیں میں نے نب بنانے کی دو تین مشینیں دیکھیں۔ جرمن سوئٹزرلینڈ کی عورتیں نب بنانے میں مصروف تھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی دستی مشینیں تھیں۔ پہلے ایک مشین میں لوہے کے باریک باریک پترے نب کی برابر کتر لیتے تھے۔ دوسری میں اس کو نب کی شکل میں موڑتے تھے تیسری میں شگاف دیا جاتا اور چوتھی میں ان پر حرفوں کا ٹھپہ کیا جاتا تھا۔ گویا ایک ہی پریس میں مختلف چار ڈائیاں لگانے سے یہ سارا کام ہو جاتا تھا اور اس طرح نب بنانے کی مشین پر پانچ سات سو روپے سے زیادہ خرچ نہیں پڑے گا۔ البتہ نب بنانے کے لئے لوہے کو کمانا اور نب کو کافی آب دینا تجربہ سے سیکھا جاتا ہے ؛

لباس وغیرہ

کپڑے سوت اور دھاگے کے صیغہ میں ہر قسم کی اون۔ ریشم۔ روئی۔ السی اور سن وغیرہ کے موٹے اور پتلے کپڑے اور تاگے موجود تھے۔ اور ریشم وغیرہ ریشوں کے تیار کرنے کے مختلف مراتب نمونوں سمیت دکھلائے گئے تھے۔ یعنی ریشم کے کیڑے کی ابتدائی حالت سے لے کر ریشم کے کپھولدار کپڑے اور اس کے بہترین سلے ہوئے لباس تک پہلو بہ پہلو موجود تھے۔ فرانس ریشم کی عمدگی کے لئے خاصکر مشہور ہے۔ درزی کے کام اور سلائی کی مختلف شاخوں اور زردوزی وغیرہ کا کمال بھی پوشاکوں کے نمونے دکھلا کر نمایاں کیا گیا تھا۔ مختلف ملکوں کی روئی کے ریشوں کی طوالت کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ اونی۔ سوتی کپڑے سفید چھاپے ہوئے اور رنگے ہوئے دھونے اور رنگنے کے مصالحے غرض کپڑے کے متعلق جو امر اعلےٰ سے اعلےٰ خیال میں آسکتا ہے۔ یہاں موجود تھا۔ اور اس کے علاوہ مختلف قسم کے کپڑے اور جالیاں اور لیسیں اور فیتے اور فیتوں اور گوٹے بُننے اور کاتنے کی مشینیں بھی ساتھ ہی ساتھ رکھی گئی تھیں۔ جو کام کر کے دکھلا رہی تھیں۔ ایک مکمل مشین کپڑا بُننے۔ روئی دھننے سے لے کر کپڑا تیار کر دینے تک کی یہاں موجود تھی۔ جسے روس کے ایک مکینکل سکول کے لئے خرید لیا گیا تھا۔ ریشمی بناوٹ کی کلیں اور جرابیں اور بنیان بُننے کی

کلیں بھی یہاں چل رہی تھیں۔ ہر قسم کے زنانہ بیش قیمت کپڑے ٹوپیاں دستانے دستی چھڑیاں اور بوٹ بھی انواع و اقسام کے تھے۔ تاگے اور باریک اور موٹے رستے بٹنے کی کلیں اور سامان اور مال کے نمونے الگ تھے۔ اور جسطرح کہ ہر صیغہ کے ساتھ ایک "ری ٹراسپکٹو" یعنی گذشتہ زمانہ کی اسی صنف کی چیزوں کی نمائش اس نمائش گاہ میں دکھلانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کپڑوں کے صیغہ میں یہ بڑی تیاری سے دکھلائی گئی تھی۔ یورپ کے ہر عہد اور خصوصاً فرانس کے عروج سلطنت کے زمانہ کے کپڑوں کے فیشن اور نامور بادشاہوں بیگمات اور امراء کے کپڑوں ٹوپیوں اور چھڑیوں وغیرہ کے نمونے اور ان کی تصویریں جمع کی گئی تھیں۔ پوشاکوں کے بعض نمونے نمائش کے ایک دوسرے حصہ میں مومی بتوں کو پہنا کر دکھلائے گئے تھے۔ اور بعض کو پینوراما بنا کر دکھلایا گیا تھا۔

خوشبوئیں وغیرہ

اسی صیغہ کے ساتھ ہی خوشبوؤں کا صیغہ تھا۔ فرانس عطریات کے لئے بڑا مشہور ہے۔ مختلف اقسام کے عطریات کی خوبصورت شیشیاں۔ عطر کشید کرنے کے سامان اور مختلف خوشبودار پودے اور پھول کہ جن سے عطر کشید کیا جاتا ہے۔ نمایاں کئے گئے تھے۔ دانت صاف کرنے کے سفوف مابن انواع و اقسام کے چہرہ پر ملنے کے غازے اور بالوں کے سفوف اور رنگ اور ٹائلیٹ کے بیسیوں قسم کی چیزیں اکٹھی کی گئی تھیں۔ یہاں ایک شخص دانتوں کے سفوف کی خوبصورت ڈبیاں ہر تماشائی کو مفت بانٹ رہا تھا۔ اور اگر اس نے نمائش کی تمام مدت یعنی چھ ماہ یہی عمل مفت ڈبیاں بانٹنے کا جاری رکھا ہوگا۔ تو خدا جانے کتنے لاکھ ڈبیاں تقسیم کر گیا ہوگا۔

انجن اور آہنگری

صیغہ مکینکل انجنیری میں دخانی انجن مختلف قسم کی موٹر مشینیں متفرق قسم کی کلیں اور ٹکنیکل اوزار تھے۔ ان میں سے بعض انجن گاس۔ بعض دخان۔ بعض گرم ہوا۔ اور چند مٹی کے تیل سے چلتے تھے اور بہت سی ہائڈرالک پریس۔ پون چکیاں۔ ہوا ناپنے کے پیمانے جسکا خرچ دو لاکھ دس ہزار

فرانک اندازہ کیا گیا تھا۔

نجاری

نجاری کی بہت سی کلیں۔ لکڑی کے ہر قسم کے کام کے لئے موجود تھیں اور ان کا کام دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ کہ انسان کے دستی کام کو ان سے کیا نسبت ہوسکتی ہے۔ ایک کل بوتلوں کے کاگ کھولنے کے آلے بناتی تھی۔ لکڑی کے دستے وہیں تیار پڑے تھے۔ لوہے کے ایک موٹے تار کو ایک مشین میں ڈالکر اس دستہ کے گرد ایسی طرح پیچ دیا جاتا کہ دم زدن میں ایک آلہ کاگ کھولنے کا تیار ہوجاتا۔ اور ہزار ہا شوقین بطور نمائش گاہ کی یادگار کے ایک ایک سنٹیم سکہ پھینک کر لے لیتے تھے۔ یہ مشین بھی سات آٹھ سو روپیہ سے زیادہ قیمت کی نہ تھی یہیں مشین سے باورچی خانے کے برتن بنانے کی کلیں بھی تھیں۔ مگر یہ ایسے ہی برتن بناتی تھیں۔ جیسے کہ امرتسر اور دہلی میں برتن بنانیوالی مشین تھی۔ جو فیل ہو گئی۔

زراعت اور کلیں

زراعت کا حصہ بہت وسیع تھا۔ اور بخیال سہولت کئی شاخوں میں منقسم تھا۔ اسی میں غلوں اور خوراک کی شاخ شامل تھی۔ آٹا پیسنے کی چکیاں اناج صاف کرنے کی کلیں۔ روٹی پکانے کے تنور اور چولھے شکر بنانا۔ قہوہ۔ عرقیات اور شراب کشید کرنے کا سامان نہایت مکمل تھا۔ شراب مٹھائیاں۔ گرم مصالحے۔ انگور کی پیداوار اور کشید انگور میں کیڑا وغیرہ لگنے کی روک کھیتوں کے مکان۔ نالیاں۔ کلیں۔ غلہ کے کوٹھے۔ دودھ دہی اور مکھن تیار کرنا۔ کھیتی باڑی کے دوسرے کام فصل کے مضر اور مفید کیڑے پودوں کے مضر کیڑوں کا استیصال۔ سبزی ترکاریاں۔ غلے۔ چارے۔ پر یز روکی ہوئی مچھلی۔ گوشت۔ بقولات اور میوہ جات علاوہ خوراک کے زراعتی پیداوار ہیں۔ حیوانی خوراک۔ اصولِ زراعت کی تحقیقات کا سامان۔ مویشی کتوں اور مرغیوں کے مکانات۔ فرانس اور یورپ کے تمام ممالک سے جمع کئے گئے تھے۔ مختلف ملکوں نے اپنے یہاں کے ہر قسم کے غلے اور زراعتی پیداوار کی چیزیں مع زراعتی کلوں کے بتلائے تھے امریکہ کے ہل کئی قسم کے تھے ایک ہل جوں جوں تخم بوتا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کھاد بھی کھیت میں ڈالتا جاتا تھا۔ مگر ایسے

طور پر کہ کھاد اور تخم ہل نہ جائیں - امریکہ نے دو سو قسم کے گیہوں اور ڈیڑھ سو قسم کی مکئی کے بیج دکھلائے تھے - اور گھاس کے تخم بھی تھے - بلجیم - ہالینڈ - ہنگری سوئٹزرلینڈ اور فرانس کی زراعت کی مشینیں بکثرت تھیں - اور سوئٹزرلینڈ ہی کی دودھ مکھن - اور پنیر کی مشینیں بھی زیادہ تھیں - جنیوا کی ایک برف کی قلفیاں بنانے کی مشین بہت عمدہ تھی - ایک دو منٹ میں دودھ منجمد ہو جاتا تھا - اور ساتھ ساتھ لوگ یہ قلفیاں لے کر کھاتے جاتے تھے - یہ مشین بھی اگر کوئی انٹرپرائزنگ ہندوستانی کسی بڑے شہر میں منگوائے تو فائدہ کی چیز ہے - ہنگری کے غلوں - اٹلی کی سیویوں (ماکرونی) اور شراب کی نمائش زیادہ تھی - جاپان - ہسپانیہ اور پرتگال تینوں ملکوں نے غلوں اور شرابوں کی نمائش کافی کی تھی - ہل تو خیر دو دو تین تین پھالوں کے اور بھاری بھی تھے - اور سراونیں طرح طرح کی تھیں - مگر کھیت سے غلہ نکالنے کی مشینیں ریل کی گاڑیوں کے برابر بلکہ بعض بعض اس سے بھی بڑی تھیں - صرف بڑے بڑے تناور جانوروں سے صاحب مقدور زمیندار ہی انھیں استعمال کر سکتے ہونگے ان مختلف یورپین ممالک کی صدہا کشتکاری کی کلوں کو دیکھ کر خیال ہوا - کہ جب ان چھوٹے چھوٹے یورپین ممالک میں اسقدر کثرت سے کھیتی باڑی کے آلات اور کلیں بنتی ہیں - تو اگر کبھی ہندوستانی کاشتکاروں کو ہوش آیا اور وہ اصلاح یافتہ آلات زراعت استعمال کرنے لگے تو ہندوستان میں بے شمار ایسے آلات کی کھپت ہوگی - اسوقت بھی تمام ہندوستان کے ایک سو بڑے بڑے شہروں میں اگر آلات زراعت کی دکانیں کھولی جائیں - تو یقیناً نہ صرف ان دکانوں ہی کا کام چل نکلے گا - بلکہ کاشتکاروں کو اچھے آلات سے بہت فائدہ پہنچیگا - کھیتی باڑی کرنے اور دودھ دہی وغیرہ کے متعلقات کی کلیں اسقدر کثرت سے جمع تھیں جن میں بعض ایسی نادر تھیں - کہ اگر بہت سا وقت ملتا تو انھیں غور سے دیکھنا ضروری تھا - مگر وقت کی تنگی سے میں اور دوسرے تمام دیکھنے والے ان اشیا کی قطاروں میں سے عموماً سرسری طور پر گذر جاتے تھے - اور بہت کم ٹھیر کر کسی چیز کو زیادہ غور

سے دیکھ سکتے تھے۔ یہیں کھیتی باڑی پر کتابیں اور زراعتی مدرسوں کے نصاب بھی مختلف ملکوں کے موجود تھے ؂

شراب مٹھائیاں وغیرہ شراب کشید کرنے کا ایک بہت بڑا کارخانہ بھی اسی نواح میں سجایا گیا تھا۔ اور بھی بنت عنب کی خاطر مدارات کے سامان یعنی کشید کی کئی کلیں چاروں طرف تھیں۔ ایک چاکولیٹ بنانے کا فرانسیسی کارخانہ عملی کام کرکے دکھلا رہا تھا۔ اس کی ترکیب بڑی دلچسپ تھی۔ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کوکو کے بیجوں کو بھون کر پیستے اور پھر گوندھ کر سانچوں میں ڈالتے۔ یہ سانچے چھوٹی چھوٹی ریل کی پٹری پر رکھے جاتے۔ اور خود بخود بھٹی میں داخل ہو کر پک کر نکل آتے اس تمام کارروائی میں ہاتھ کہیں نہیں لگانا پڑتا تھا۔ اور یہ سب کام کل کے ذریعے سے کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کی مٹھائیاں مربے اور جام دکھلائے گئے تھے۔ اور سرکہ بھی ایک طرف بنتا تھا۔ ایک طرف سوڈا واٹر اور شمپین بنانے کی کلیں کام کر رہی تھیں ؂

ڈیری و پولٹری ہندوستان میں ہندوستان بہت بڑا زراعتی ملک ہے۔ اور یہاں مویشی بھی زراعت کے لئے رکھنے ضرور ہیں۔ مکھن اور پنیر بنانے کے سامان کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ جبکہ یورپ میں سوئیٹزرلینڈ جیسا چھوٹا سا ملک لاکھوں روپیہ کا مکھن اور پنیر ہر سال غیر ممالک کو بھیج سکتا ہے اور انڈے مرغیاں اسی قدر قیمت کے اس کے علاوہ تو معلوم نہیں ہندوستان کیوں اُدھر متوجہ نہیں ہوتا۔ میں نے ۱۹۰۱ء کے اخیر میں لکھنؤ میں جاکر معلوم کیا کہ وہاں لاہور سے بالائی بہت ارزاں ملتی ہے۔ سنا تھا کہ لکھنؤ میں پنہاری کو بھی ایک پیسہ کی ملائی کھائے بغیر چین نہیں آتا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں دودھ بہت سستا ہے۔ اس صورت میں وہاں یا جہاں کہیں ہندوستان میں دودھ سستا ہو۔ ڈیروں کی مشینوں سے ضرور کام لینا چاہئے۔ اور اسی طرح مرغی انڈے کی بھی توقیر کرنی چاہئے۔ انگریزوں میں ان چیزوں کی بہت قدر ہے۔ گو ہندوستانی بھی انھیں خوشی سے خریدتے ہیں۔ اوّل

اول اندرون ملک کی ضرورت کے لئے یہ چیزیں تیار کرنی چاہئیں اور بڑھتے بڑھتے بتدریج یہ تجارت غیر ممالک سے بھی ہو سکتی ہے ⁂

عظیم الشان کمرہ زراعت کے صیغے کو دیکھتے دیکھتے میں ایک ایسے عظیم الشان کمرے میں جا پہونچا کہ جس کا ثانی نہ پہلے دیکھا ہے اور نہ شاید پھر کبھی دیکھنا نصیب ہو۔ یہ نمائش گاہ کا سب سے بڑا کمرہ "سال ڈا فینٹ" تھا۔ یہ کمرہ جو چوہتر ہزار (۷۴۰۰۰) مربع گز زمین پر گول بنا ہوا ہے۔ اس میں پچیس ہزار آدمی بآسانی بیٹھ سکتے تھے۔ اس کی چھت شیشہ کی تھی۔ اور بڑے بڑے جلسوں اور ناچوں کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ پریسیڈنٹ فرانس نے اسی میں بیٹھ کر نمائش کا افتتاح کیا تھا۔ اس کے وسط میں آٹھ آہنی ستونوں پر نوتے میٹر وسعت کا شیشہ کا گنبد تھا۔ فرانس کے چار نامور مصوروں کو اس عظیم کمرہ میں زراعت۔ صنعت و حرفت اور برق وغیرہ کی بیس بیس میٹر کی لمبی کئی کئی تصویریں نقش کرنے کے لئے ۲۸-۲۸ ہزار فرانک گورنمنٹ فرانس نے دئے تھے ان کے علاوہ کل تیس اقوام کہ جنھوں نے اس نمائش میں کچھ نہ کچھ چیز بھیجی تھی۔ اُن کے ایک ایک آدمی کی تصویر آٹھ آٹھ فیٹ اونچی دیواروں میں الگ الگ کاریگروں لے کھودی تھی۔ مثلاً" انگلستان کو ایک ملاح سے تعبیر کیا ہے۔ ترک کو سپاہی اضلاع متحدہ امریکہ کو کام کرنیوالا لڑکا جرمنی کو طالب علم سوئیزرلینڈ۔ گڈریا ناروے۔ ماہی گیر اور بلجیم کان کن وغیرہ اس کمرہ کو ضرورت کے وقت پینتالیس سو برقی لمپوں سے روشن کیا جاتا ⁂

موسیقی تعلیم اور علوم و فنون کا صیغہ مختلف مزامیر اور باجوں سے شروع ہوتا تھا۔ گو مجھے ان سے دلچسپی نہ تھی۔ اور نہ کچھ سمجھ میں آتے تھے تاہم سیکڑوں قسم کے پیانو۔ آرگن۔ سارنگیاں۔ طنبورے۔ اور منہ سے بجانیوالے باجے۔ فونوگراف۔ اور گریموفون۔ تھے انھیں کے قریب ایک کانسرٹ کا کمرہ تھا۔ جس میں پانچ سو آدمی بیٹھ کر موسیقی سُن سکتے تھے۔ اس کا دوسرا حصہ فونوگرافی اور چھپائی کا ہے۔ فوٹوگرافی کے متعلق مقامی اور مسافرانہ کیمرے۔ جیبی کیمرے

فوٹوگرافی کے تمام کیمیائی اجزا اور سنسلٹو کاغذ جمع کئے گئے تھے - رنگین فوٹوگرافی - فوٹو تھیوڈ و - لائٹ - سینومیٹوگراف - فوٹو ہیلوگراف - سٹیریوسکوپ اور موٹوسکوپ مختلف روشنی میں لئے ہوئے گراف بڑے بڑے استادوں کی دستکاری کے چیدہ نمونے شیشے - کپڑے - لکڑی اور انامل پر عکسی تصاویر کے پروف اجرام آسمانی کی عکسی تصاویر اور ایکس رے شعاعوں کے آلات بھی دکھلائے تھے - انھیں کے قریب ایک کمرہ میں

جغرافیہ اور نقشے

جغرافیہ اور طبقات الارض کے نقشے اور اٹلس جمع تھے - اور اٹلس چھاپنے والے کئی فرانسیسی وغیرہ کارخانوں کا اسباب موجود پڑا تھا - ایک کرۂ ارض ربڑ کا بنا ہوا تھا - جس میں ہوا پھونکنے سے وہ پھیل کر گول ہو جاتا تھا - میں نے اسے چھ سات فرانک کو خرید کر وہیں سے لاہور کو روانہ کر دیا - یہ کرۂ ارض بوقت ضرورت ہوا بھر دینے سے گول ہو جاتا ہے اور ہوا نکال لینے سے لپیٹ کر جیب میں ڈالا جا سکتا ہے - اسی اٹلس بیچنے والے کارخانے کے ایجنٹ نے کہا کہ انگلستان کے اٹلس اور کرے بیچنے والے بعض کارخانے ہمیں سے نقشے چھپواتے ہیں تھیٹر بھی یورپ میں تعلیم کا ایک صیغہ سمجھا جاتا ہے - اسی لئے تعلیم کے ضمن میں تھیٹر کے بڑے بڑے سبق آموز نظارے اعلےٰ درجہ کے استادوں نے ۱۴×۲۰ فیٹ کے پردوں پر کھینچکر آویزاں کئے تھے - تھیٹر کی سینری کھینچنے میں حد کردی تھی - اس کے علاوہ تھیٹر میں پہننے کے جھوٹے جواہرات اور چمکدار زیورات خوبصورت لباس بھیس بدلنے کے کپڑے اور ٹوپیاں اور غازے اور پوڈر شیشے کے کیسوں میں رکھے گئے تھے - تھیٹر میں کام آنے والے اعلےٰ درجہ کے فوٹوگراف اور پچھلی صدی کے تھیٹر اور ڈراما کے نامور آدمیوں کی تصویریں بھی یہاں تھیں ناچنے کی تاریخی حالت بعض خوبصورت مومی بتوں کو لباس میں آراستہ کر کے دکھلائی گئی تھی - اسی کے

جراحی طبابت وغیرہ

قریب ایک حصہ ڈاکٹری اور جراحی سے مخصوص تھا - جہاں ہر قسم کی جراحی اور میڈیسن کے آلات قدیم و جدید لوہے چاندی اور سونے کے چمک رہے تھے - جراثیم کی شکلیں بھی دکھلائی گئی تھیں

سروں اور دماغوں کے نمونے ۔ اعمال جراحی کی تصویریں اور بُت ۔ دندان سازی کے آلات ۔ مختلف امراض کی تماثیل جنہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے ۔ اور مصنوعی ٹانگیں ۔ مریضوں کے بستر فوجی زخمیوں کی مدد کا سامان جابجا تھا ۔ اسی کے قریب عینکوں ۔ دوربینوں خوردبینوں ۔ آلات نقاشی اور انجنیری وجہازرانی وغیرہ کا کشن تھا ۔ بڑی بڑی دوربینیں گز گز بھر قطر کے محدّب اور مقعر شیشے چھ چھ انچ موٹے موجود تھے ۔ عینک لگانے کے امتحان کرنے کے آلے ۔ اور عینکوں کے پتھر کے شیشے رگڑنے کی کلیں ۔ لیکن سب سے عجیب کل مجھے وہ معلوم ہوئی ۔ کہ جس کے ذریعے سے کوئی جمع تفریق کا سوال صحت سے حل ہو سکتا ہے ۔ یا جو کسی لمبی چوڑی رقم کی صحت سے میزان کر سکتی ہے ۔ لیباریٹروں ۔ اور آبزرویٹریوں کے استعمال کے آلات مختلف ممالک کے اوزان وناپ ایم گاٹیر کی اُنیس فیٹ لمبی دوربین بھی یہیں تھی ؛

تعلیم تعلیم کے مضمون کو چھ حصّوں کو تقسیم کیا گیا تھا ۔ جیسا کہ (۱۲۱) شعبوں کی تفصیل میں بیان ہو چکا ہے ۔ (۱) کم سن بچوں کی تعلیم اور پرائمری تعلیم ۔ (۲) سکنڈری تعلیم ۔ (۳) اعلےٰ اور علمی تعلیم ۔ (۴) خاص فنون کی تعلیم (۵) خاص زراعتی تعلیم ۔ (۶) دستکاری اور تجارت کی تعلیم ؛

ابتدائی تعلیم طرقِ تعلیم میں ۱۹۰۰ئ تک دُنیا نے جو ترقی کی ہے ۔ وہ سب نمایاں کی گئی تھی ۔ پہلے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے متعلق مدرسہ کا کمرہ اور کھیل کی جگہ دکھلائی گئی تھی ۔ کاغذ کی کترنیں کاٹ کر ان سے ٹوکریاں بنانا اور بچوں کی تصویروں کی کتابیں ۔ سکول کا کمرہ (۴۰ × ۳۰) فیٹ مربع بنایا گیا تھا ۔ اس کی دیواروں پر ٹھیک موقع پر تصاویر نقشے ۔ استاد کی میز ۔ لڑکوں کی بنچیں کتابیں اور پلاسٹر کے ماڈل اور بلیک بورڈ تھا لوئر پرائمری کے بچوں کی ماہانہ مشقی کا پیاں مضمون نویسی حساب اور ڈرائنگ وغیرہ کی دکھلائی گئی تھیں ا پر پرائمری سکولوں کی لڑکیوں کا کشیدہ لیس بنانا ۔ زردوزی ۔ اور کپڑوں و جرابوں کی مرمت کرنے کے نمونے ۔ اور لڑکوں کا لکڑی

اور لوہے کا کام۔ اس کے بعد پیشے کے مدارس میں ابتدائی تعلیم کی کمی پوری ہو جانے کے نمونے تھے۔ زنانہ اور مردانہ نورمل سکولوں کی تعلیم اور لکچروں کا نتیجہ ماسٹروں کے بھیجے ہوئے اپنے مدارس کے سامان اور جماعتوں کے فوٹوگراف کہ جن میں سے بعض کو بڑا کر کے دکھلایا گیا تھا۔ میجک لالٹین کے سلائڈ نائٹ سکولوں کا سامان اور مدارس کی لائبریریاں کے نمونے۔

سکینڈری تعلیم کے متعلق فرانس اور دیگر ممالک کے سرکاری اور پرائیویٹ مدارس کے لڑکوں کی کاپیاں۔ نصاب کی کتابیں۔ جواب مضمون امتحانات کے پرچے۔ مدارس کے شمار و اعداد اور مطابع کی خاص خاص تعلیمی کتابیں سب ہی کچھ تھا تاریخ الحیوان کی تعلیم کا سامان آلات ڈرائنگ اور سائنس پڑھانے کے لئے آلات مختلف کارخانوں نے دکھلائے تھے۔ لڑکیوں کے کام میں سوزن کاری اور زردوزی کے نمونے بہت اعلےٰ قسم کے تھے۔ رسائل کہ جن سے استادوں کی تعلیمی قابلیت بڑھائی جا سکتی تھی۔ نصاب اور اوقات تعلیم۔ سکاٹلینڈ کے سیکنڈری سکولوں میں علاوہ ڈرائنگ کے (ا) لکڑی کا کام (ب) لوہے کا کام۔ (ج) تانبے اور پیتل پر کندہ کرنا (د) ڈھالے ہوئے لوہے کا کام۔ (ہ) نجاری۔ (و) مٹی کے ماڈل بنانا۔ سیکنڈری تعلیم کی طرح ہی اعلےٰ تعلیم کی کیفیت ہے۔

زراعتی تعلیم کے متعلق زراعتی علاج مویشی اور باغبانی کے مدرسوں کے نقشے نمونے۔ پودوں۔ غلوں۔ ہڈیوں پتھروں شہد کے چھتوں ریشم کے کیڑوں کے کویوں وغیرہ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔ حیوانات کے امراض کے نمونوں کا عجائب گاہ نہایت بھیانک نظارہ پیش کرتا تھا۔ پتوں اور انڈوں پرندوں اور ان کے انڈوں اور نیچرل ہسٹری کے دیگر نمونوں کا مجموعہ مکمل تھا۔ کاشت زمین اور پودوں اور حیوانات کے امراض اور بہبود کے لئے یہ آلات جو یہاں دکھلائے گئے تھے۔ کسقدر دلچسپ اور مفید تھے اور مویشی پالنے اور کاشتکاری کی تمام اصلاح کی تدابیر میں ان سے کسقدر مدد مل سکتی تھی۔ ایسے مدارس فرانس میں

بہت ہیں - اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی ان کی کمی نہیں - بارہ سال پہلے کے ایک کاغذ سے معلوم ہوتا ہے - کہ اُسوقت یورپ کے بعض ممالک میں ایسے مدارس کیسقدر تھے - کہ جن سے کاشتکاروں کو مدد ملتی ہے ؛

ٹیکنیکل تعلیم کی ہر شاخ کے متعلق کافی مصالحہ موجود تھا - ہائیر یا اپر پرائمری سکولوں کی تعلیم میں جو خامی رہ جاتی ہے - یہ صنعت و حرفت اور پیشہ سکھلانے کے سکول پوری کر دیتے ہیں - ڈرائنگ ایک ایسا مضمون معلوم ہوتا ہے - جو تمام ابتدائی پرائمری سکنڈری اور ٹیکنیکل مدارس میں سکھلایا جاتا ہے ٹیکنیکل سکولوں کے طلباء کے کام بود کھلائے گئے تھے - ان میں دخانی انجن فٹنگ کے پرزے اور لوہے - اور لکڑی کا ہر قسم کا کام تھا - گھڑی سازی - زیورات - امی ٹیشن جیولری کے مدرسے کے بنے ہوئے نقلی جواہرات اور زیورات - ساروں کے مدرسہ کے زیورات اور آرٹ کے سامان لڑکیوں کے مدرسہ کی زردوزی اور لیس - پیرس کی پدرانہ مدد کی سوسائٹی کا پروں اور پھولوں کا کام پیپر مینوفیکچر کے پروفیشنل سکول کا ڈبوں وغیرہ کا کام کپڑے کے رنگین پھول جو لیڈیوں کی ٹوپیوں وغیرہ میں لگائے جاتے ہیں نمائش میں ایک جگہ بنا کر دکھلائے جاتے تھے - انکا سارا کام چھوٹی چھوٹی مشینوں سے ہوتا ہے - خاص خاص پھولوں کے رنگ کے کپڑوں کو خاص خاص پیٹرنوں کے برابر مشینیں کتر کر اُبھار بھی دیتی ہیں - اور گول یا ٹیڑھا بنا دیتی ہیں - اور پھر عورتیں انھیں سوئی سے کہیں کہیں ٹانکے لگا کر جوڑ لیتی ہیں - یہ بہت تھوڑی توجہ سے سیکھا جا سکتا ہے - میں نے اپنے دوست کی مدد سے فرانس کے ہر قسم کے ٹیکنیکل سکولوں کے تیس چالیس پروگرام جمع کر لئے - جن میں فرانس کی زراعت و باغبانی کے مدارس بھی شامل ہیں سکاٹلینڈ کے دستی کام سکھلانے کے مدرسوں میں بُننا - بُرش بنانا - ڈرائنگ اور چیزوں کے ڈیزائن بنانا - نجاری اور ورزش جسمانی سکھلائی جاتی ہے اور پرائمری سکولوں میں چھوٹے بچوں کو (۱) قدرتی اشیا مثل پھل پھول اور پتوں وغیرہ کے برش (موقلم) سے نقل اُتارنا - (۲) سہل اور سادہ چیزوں کی کاغذ کی شکلیں کاٹنا (۳) بید گھاس

یا پرال وغیرہ کی ٹوکریاں۔ ٹوپیاں اور کرسیاں وغیرہ بننا۔ (۴) بڑھئی کا سہل کام۔ آلات اور سامان جو جماعت میں کام آتے ہیں۔ اُن کے ماڈل بنانا (۵) مٹی کے بُت بنانا۔ غرض امریکہ اور یورپ کے اکثر ابتدائی مدارس میں بچوں کو دستکاری کا ڈھنگ سکھلایا جاتا ہے۔ دستکاری کا شوق ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی تعلیم کنڈر گارٹن کا سامان بھی دکھلایا گیا تھا۔ یہ دو جرمنی زبان کے لفظوں کنڈر (طفل) اور گارٹن (باغ) سے مرکب ہے کہ جس کا عمدہ ترجمہ حدیقۃ الصبیان ہو سکتا ہے اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے۔ کہ کھلونوں اور تصویروں کے ذریعے سے کھیل اور بات چیت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو تعلیم دیجائے ڈاکٹر برلٹز کا طریقہ جسمانی تربیت کا بھی دکھلایا گیا تھا۔ اور اندھوں اور بہروں اور گونگوں کی تعلیم کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے۔ قریب ہی ایک شخص اپنی مجوزہ ایک عالمگیر زبان کی اشاعت کے متعلق مختلف زبانوں میں پمفلٹ بانٹ رہا تھا۔ جیسے کہ وولاپک بین الاقوام کاروبار چلانے کے لئے ایک سہل زبان اختراع کی گئی تھی۔ ویسے ہی اسپرانٹو بھی ہے۔ جس کا موجد اور دفتر اشاعت پیرس میں موجود ہے۔

مطابع اور متفرق تعلیم حرفت اسی صیغہ تعلیم کے متعلق چھاپنے کے کام کا ہر قسم کا طریقہ دکھلایا گیا تھا۔ چونکہ اس کام سے مجھے کچھ دلچسپی ہے۔ اس لئے اس کا ذکر کسیقدر وضاحت سے کرنا چاہتا ہوں نقاشی اور مصوری رنگوں کا چھاپنا مختلف چھاپنے کے رنگ۔ تصاویر چھاپنا۔ اخبارات مطابع کی کلیں۔ جلد بندی کی کلیں اور سامان مختلف ممالک کی مطبوعہ کتابیں اور رسالے دیکھے۔ ایک بہت بڑی مشین پر دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا پوسٹر کئی رنگوں میں چھپ رہا تھا۔ اور مختلف پتھروں پر ایک ایک رنگ چھپتا تھا۔ انگلستان کی ایک بہت پیچیدہ آٹھ دس رنگ کا پوسٹر ایک آن واحد میں چھاپ رہی تھی۔ مگر دریافت کرنے پر اس کی تخمینی قیمت بیس ہزار روپیہ معلوم ہوئی۔ جرمنی کی کئی ایک اعلےٰ درجہ کی ٹائپ کی مشینیں موجود تھیں۔ جو زمین سے چار چار پانچ پانچ گز بلند کھڑی تھیں کراموٹیتھو چھاپنے۔ اور جلد بندی کی

کلیں بھی کئی ایک تھیں۔ ایک ایسی مشین بھی تھی۔ جو کتابوں کے فرموں کی خود بخود سلائی کرتی جاتی تھی۔ یعنی دفتری کا کام کرتی تھی۔ ایک شخص نے حروف کو ابھارنے اور کاغذ پر اُبھرواں یعنی تصویریں چھاپنے کی کل بھی مجھے دکھلائی۔ میری اونی اور گازٹ وغیرہ کارخانوں کے چھاپنے اور کاغذ توڑنے کی مشینیں گھنٹہ میں سات آٹھ ہزار فرمے چھاپ کر تہ بھی کر دیتی تھیں۔ روس۔ فرانس۔ بلجیم۔ سوئٹزرلینڈ۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ انگلستان اور جاپان نے چھاپنے کے کام میں بڑا حصہ لیا تھا۔ انگلستان اور آئرلینڈ کی پبلشرز ایسوسی ایشن نے بہت عمدہ چھپی ہوئی کتابوں کا ایک ذخیرہ نمائش میں بھیجا تھا۔ اخبار لنڈن گرافک کا دفتر بھی مع چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کل کے یہاں موجود تھا انگلستان کے تمام ماہوار رسالوں۔ ہفتہ وار اور روزانہ اخباروں کے سرورق ایک جگہ چسپاں تھے۔ جو بہت خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ اسی طرح روسی آسٹرین اور فرانسیسی وجرمنی اخباروں رسالوں کے سرورق کے مجموعے بھی میں نے دیکھے۔ ایک جگہ انگلستان نے تعلیم کے سامان کی نمائش میں مسٹر گلیڈسٹون کی طالب علمی کے زمانہ کا ایک امتحان کا پرچہ بھی دکھلایا تھا۔ جاپان کے تعلیمی سکشن میں کئی ٹکنیکل تعلیم کی رپورٹیں جاپانی کلوں کے نمونے اور عمدہ جلدوں کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ بلجیم نے زنانہ اور مردانہ تعلیم کے سامان اور اعداد اور شمار کی فہرستیں طلبا کی تصویروں سمیت دکھلائی گئی تھیں۔ سوئٹزرلینڈ نے کنڈرگارٹن (حدیقۃ الصبیان) کے سامان کی نمائش بھی کی تھی۔ جن میں ہمارے یہاں کے بچوں کی سی کاغذ کی کشتی اور کاغذ کا بنایا ہوا رات دن کا کھلونا اور معمولی لکڑی کی جنجھری بھی کھیلوں میں تھی۔ سوئٹزرلینڈ کے کے مجموعہ میں آلات ڈاکٹری کے علاوہ مقیاس المطر کی نئی طرح کی کل تھی اور ایک برقی مشین موسم کی کیفیت بتلاتی تھی۔ ہنگری کے نابیناؤں کے مدرسہ سے کچھ چیزیں مثل پشم کے بوٹ۔ بید کے بوتلوں کے غلاف گھاس کے صندوق۔ برش اور غالیچے وغیرہ کے رکھی ہوئی تھیں۔ جو اندھوں کے ہاتھ سے بنی ہوئی تھیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر اندھوں کو بھی کچھ کام سکھلایا جائے تو وہ بالکل بے کار نہیں رہتے

بڈوڈاپسٹ (ہنگری) کے ٹیکنیکل سکول کی آہنی چیزیں اور جواہرات کے علاوہ سوٹزرلینڈ اور جنیوا کے انڈسٹریل آرٹس سکولوں کی بنی ہوئی چیزیں بھی بہت عمدہ تھیں۔ آخرالذکر مدرسہ نے ایک کھانے کا کمرہ نہایت عمدہ فرنیچر سے سجا کر دکھلایا تھا۔ آسٹریا کے سکول آف گریفک آرٹس کے فوٹو وغیرہ بہت پسند کئے جاتے تھے۔ اضلاع متحدہ امریکہ نے علاوہ کئی دلچسپ تعلیمی اشیا کے دنداں سازی و فن بیطاری کے آلات کی اعلیٰ درجہ کی نمائش کی تھی۔ دوسری طرف فرانس کے آرٹس سکولوں کے طلبا کے تیار کئے ہوئے سامان سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ سب سے گوئے سبقت لے جا چکے ہیں۔ فرانس کے مدارس نقاشی مصوری۔ بُت تراشی۔ اور کشیدہ کاری و تعلیم مکنیکس کے کام کے نمونے بکثرت نمایاں کئے گئے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ تصویر کھینچنے نقاشی کرنے لکڑی پلاسٹر اور لوہے کے پھول پتے بنانے کپڑے پر کشیدہ کاڑھنے اور گابلن۔ یعنی موٹے کپڑے پر تصویر بُننے یا کاڑھنے کے کام میں انھیں بڑی مہارت ہے۔ سویڈن کا ایک مکمل پرائمری سکول مع جماعتوں دستکاری کی تعلیم امور خانہ داری اور کھانا پکانے کے برتنوں باورچی خانے اور چولھوں وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے نمونے بنا کر دکھلائے گئے تھے۔ اور اسی طرح ناروے نے ابتدائی سکولوں کی حالت اور ایک مکمل کھانا پکانے کے مدرسہ کی کیفیت دکھلائی تھی ؞

روس کے مطابع اور ٹیکنیکل سکولوں کا کام بھی کسی ملک سے کم درجے کا معلوم نہ ہوتا تھا۔ روس کے چھاپنے کی مشینیں چھپی ہوئی تصویریں رنگین اور عکسی فوٹو زنکو اور دیگر تمام وسائل سے چھپا ہوا خوبصورت جلد بندی کے نمونے اور عمدہ چھپی ہوئی کتابیں۔ ٹین پر رنگین چھپا ہوا۔ نقاشی۔ نقشہ کشی اور مصوری کے آلات۔ نجاری اور آہنگری کے اوزار اور اسی قسم کی سیکڑوں دوسری چیزیں دیکھیں۔ روسی زنانہ و مردانہ پیشوں کے مدرسوں قومی ٹیکنیکل سکولوں اور اعلےٰ علمی مدارس کے مکانات کے نقشے نمایاں کئے گئے تھے۔ ایک روسی نقشہ سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ قلمرو روس میں ایک ہزار انڈسٹرئل سکول ہیں۔ روسی اخبارات کا ریڈنگ روم بھی موجود تھا اور روسی اخبارات

اور رسالہ جات کے جو سرورق چسپاں تھے۔ اپنے اپنے ڈیزائن کے لحاظ سے انگریزی سرورقوں سے کم نہیں تھے۔ ایک مشین اس وقت تصویریں چھاپ رہی تھی۔ جنھیں دیکھ کر مجھے ماننا پڑا کہ چھاپنے کے معاملہ میں روس دیگر ممالک یورپ سے ذرا بھی پیچھے نہیں۔

ایک جگہ فرانس اور یورپ کی پرانی کتابوں اور پرانی تصویروں اور قدیم زمانہ کی بیش قیمت جلد بندی کے نمونوں کی نمائش کی گئی تھی۔ پہلے زمانہ کے بھدّے پریس دیکھے علم جغرافیہ کی قدیم زمانہ کی کتابیں اور نقشے اسطرلابیں۔ اور پرانے زمانہ کے کرہ ہائے ارضی۔ طبعی۔ بحری۔ متعلق ہیئت اور شمار و اعداد وغیرہ ہر قسم نقشے جمع کئے تھے۔ یہیں ایک مجموعہ پرانے زمانے کے خطوں کا تھا۔ جسمیں ہر زمانہ کے یورپ کے سلاطین قدیم کے خطوط تھے۔ مشہور لوگوں کی دستخطی کتابیں اور ایک ہزار جیبی کتابوں کی لائبریری بھی بہم پہونچائی گئی تھی۔ جن کی تقطیع ۲×۳۔ انچ سے زیادہ نہ ہوگی۔ پوسٹر یعنی دیواروں پر چسپاں کرنے والے بڑے بڑے رنگین چھپے ہوئے اشتہارات کا بھی ایک بڑا دلچسپ ذخیرہ تھا۔ جسمیں سیکڑوں ایسے ڈیزائن تھے جو گویا منہ سے بڑے بول رہے تھے۔ اور زبان حال سے ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ پوسٹر ابھی سے یورپ اور امریکہ کی تجارت کی ترقی میں اشتہار دینے کا بہت عمدہ ذریعہ ثابت ہوا ہے اور آئندہ زمانہ میں اس سے اور بھی بہت کچھ امید کی جاتی ہے؛

فرانس کے سکوں اور تمغوں کی نمائش بھی خاص تھی یہیں ایک کل سکے ضرب کرکے دکھلا رہی تھی۔ اور جو شخص چاہتا اس نمائش کی یادگار کا تمغہ جس پر اسی روز کی تاریخ چھاپی جاتی وہاں سے تازہ بتازہ خرید لیتا؛

فرانسیسی اخبارات کے ریڈنگ روم میں سب سے زیادہ رونق تھی۔ فرانس کے ماہوار رسالے انگریزی رسالوں سے کسی طرح پیچھے نہ تھے۔ ان میں بھی ایسی ہی تصویریں اور ایسے ہی مضامین ہوتے ہیں۔ جیسے کہ انگریزی رسالوں میں ہوتے ہیں فرانس کے بعض نامور رسالوں کی کل جلدوں کے مجموعے لوگوں کے ملاحظہ کے لئے جمع کر دیئے گئے تھے۔ اور بعض اعلےٰ درجہ کی چھپی ہوئی تصویروں کی کتابیں اور

البم بھی تھے۔ تاکہ اگر کوئی شخص پڑھنا نہ چاہے یا پڑھنا نہ جانتا ہو مگر یہاں آکر بیٹھ جائے تو کم سے کم تصویریں ہی دیکھ لے۔ فرانس کے بہت سے کتب فروشوں نے اپنی کتابوں کی دکانیں بھی یہاں سجا رکھی تھیں۔ جنہیں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اکثر کارخانے اور مطابع علم کی ایک ایک شاخ کی طرف متوجہ ہیں۔ مثلاً ایک کارخانہ صرف ٹیکنیکل تعلیم پر کتابیں چھاپتا ہے۔ ایک صرف مدارس کی تعلیم کے لئے ایک صرف ناول یا تاریخ جغرافیہ اور اس وجہ سے وہ اپنی اپنی شاخ کو تکمیل کے درجہ تک پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ان کی تمام کوششیں ایک ہی حلقہ میں محدود ہوتی ہیں۔ بعض مطابع نے اپنی چھپی ہوئی رنگین تصویریں اور لیبل بھی دکھلائے تھے۔ جن سے رنگ کا ہر طرح کا شیڈ نظر آتا تھا۔ یہ تصویریں فوٹوگرافی۔ فوٹو زنکو گرافی۔ فوٹو کرامو گرافی۔ ٹائیپو کرومو اور تصویر کرومو گرافی اور دیگر تمام ترکیبوں سے چھپی ہوئی تھیں اور یہیں چھاپنے کے رنگوں سیاہیوں، اور روپہلی سنہری وغیرہ انواع و اقسام کے سفوف کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے۔

اس نمائش میں کس قدر چیزیں ہر قسم کی جمع تھیں۔ ان کا اندازہ جرمنی کے کاریگروں کی خوردبینوں دوربینوں۔ عینکوں اور دیگر آلات نظر کے مجموعے سے ہو سکتا تھا۔ کہ جن کی فہرست کی ضخامت چار پانچ سو صفحہ سے کم نہ ہوگی۔

فن زراعت کے مدرسہ کے متعلق فرانس نے تمام کھیت کے جانوروں کی اناٹومی (تشریح) مومی بتوں کے ذریعے دکھلائی تھی جس میں عجیب الخلقت بچے ناقص اعضا اور مریض جانوروں کی حالت سب کچھ تفصیل کے ساتھ موجود تھی۔ باوجودیکہ میں بڑے التزام سے ہر چیز دیکھتا تھا۔ مگر مکان اتنے وسیع تھے۔ اور اشیاء کی وہ کثرت تھی۔ کہ سیکڑوں چیزیں بلا دیکھے رہ جاتی تھیں۔

اسی حصہ میں ٹائپ رائٹر بھی طرح طرح کے تھے جنہیں چلا کر دکھلایا جاتا تھا۔

انواع و اقسام کی گاڑیاں

سول انجنیرنگ اور بار برداری کے سامانوں کے سکشن میں ریل گاڑیوں کے سوائے باقی ہر قسم کی سڑک پر چلنے والی گاڑیاں تھیں۔ لیکن یہاں موٹر کار یا آٹو موبیل گاڑیوں کا بڑا زور تھا۔ آٹو موبائل گاڑی تین پہیوں کی

یا چار پہیوں کی ہوتی ہے۔ جو بلا مدد کسی گھوڑے ٹٹو یا انسانی طاقت کے دخانی یا برقی طاقت سے چلے۔ اس کا آج کل پیرس میں بے حد رواج تھا۔ ہر چند کہ یورپ کے ہر شہر میں ایسی گاڑیاں کم و بیش موجود تھیں مگر پیرس میں تو ان کا شمار ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ اسوقت ان گاڑیوں کے بنانے میں پیرس تمام دنیا میں سر برآوردہ ہے۔ اور امریکہ و جرمنی میں بھی یہیں سے زیادہ تر خریدی جاتی ہیں۔ شاید پیرس کے پچاس ساٹھ کارخانوں نے تو نمائش میں اپنی اپنی گاڑیاں بھیجی ہوں گی۔ ابھی سے اس گاڑی کے بہت ہر دلعزیز ہونے کی امید کی جاتی ہے۔ سستی سے سستی قیمت دو آدمیوں کے بٹھانے کے آٹوموبیل کی اس وقت ڈیڑھ ہزار روپیہ کے قریب تھی برقی طاقت والی گاڑی کے بار بار بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے گاس سے چلنے والی پسند کی جاتی ہے۔ پیرس میں نمائش کے زمانے میں یہ کرایہ پر بھی چلتی تھیں۔ البتہ دوسری گاڑیوں سے ان کا کرایہ کسی قدر زیادہ تھا۔ یہ عجیب چیز ہے کہ چپ چاپ مگر بڑی تیزی سے ہر بازار میں دوڑ رہی ہے اور بائیسکلوں کی جگہ لیتی جاتی ہے۔ اس صیغہ میں بائیسکلیں بھی انواع و اقسام کی تھیں۔ چوپہیہ گاڑیوں چھکڑوں۔ توپوں کی گاڑیوں اور گاڑی کے متعلق فرانسیسی سامان کی نمائش مکمل تھی۔ ایک جگہ دو سو سال کی پرانی گاڑی اور کوچبانوں کی وردیاں دکھلائی گئی تھیں۔ پالکی کا بھی اس زمانے میں رواج ہوگا۔ ایک پالکی ایران کے تخت رواں کی طرح دونوں طرف خچروں پر لدی ہوئی چلتی تھی۔ اور ایک بادشاہ لوئس پانزدہم کی گاڑی تھی۔ سنہ ۱۷۰۹ء کی ایک بائیسکل دکھلائی گئی تھی۔ جو نہایت بھدی تھی۔ اور پیدل چلنے اور اس کی رفتار میں شاید ذرا ہی سا فرق ہو تو ہو۔ گاڑیوں کے مکلّف اور معمولی ساز بھی تھے۔ برف پر چلنے والی بلا پہیوں کی دو ایک گاڑیاں بھی تھیں۔ اس کے قریب ہر قسم کا ساز زین لگامیں اور قمچیاں تھیں ؂

سڑکیں اور پل — اس کے بعد ایک صیغہ میں سڑکوں۔ سنگوں۔ پلوں اور عمارت کی تعمیر کے متعلق کلیں اور مصالحے تھے۔ جو زیادہ تر پیشہ وروں اور انجنیروں اور معماروں کے کام کے تھے۔ مختلف سیمنٹ اور

پلاسٹر وغیرہ مصالحے بھی تھے - جن پتھروں سے مختلف قسم کا سیمنٹ بنایا جاتا ہے - وہ بھی تھے - مصالح پیسنے مختلف مصالحوں کی طاقت معلوم کرنے اور ان پیشیوں کے متعلقہ اوزار اور لیمپ جمع کئے گئے تھے - بڑے بڑے پلوں - پشتوں - اور ورکشاپوں وغیرہ کے نقشے - اور نمونے بھی موجود تھے ؛

غبارہ بازی غبارہ بازی کا سامان بھی جمع کیا گیا تھا - اس میں ایک موجد کی اڑنے کی کل بہت ہی نادر تھی - جو ایک بہت بڑی چمگادڑ کے اصول پر بنائی گئی ہے - اور اس کی پسلیاں اور جوڑ ایسے لچکدار ہیں کہ ایک موٹر جو اس کے اوپر لگا ہوا ہے اور سہولت سے انھیں کھولتا اور بند کرتا رہتا ہے - اور اسطرح یہ بڑی بڑی چادریں ہوا کے اوپر پھیلتی ہوئی بلند ہوتی جاتی ہیں - اس موٹر کو ایک شخص چلاتا ہے جو چمگادڑ کے جسم کی جگہ ایک پنجرے میں بیٹھا رہتا ہے - ۱۸۹۷ء میں اس کے تجربات میں کئی حادثات بھی واقع ہوئے اس لئے بالفعل اس کے تجربات روک دیئے گئے ہیں - اور کئی قسم کے غباروں میں بیٹھ کر فوٹوگراف لئے ہوئے جمع کئے گئے ہیں - چونکہ پہلے پہل غبارہ ۱۷۸۳ء میں دو فرانسیسی بھائیوں نے ایجاد کیا تھا اس لئے اُس وقت سے آجتک اُس کی ترقی کی تاریخ کا متفرق سامان بھی فراہم کیا گیا تھا

اسی صیغہ کی ایک شق یعنی ریلوں اور ٹرمیوے گاڑیوں کی نمائش ایک دوسرے مقام ونسینیز میں کی گئی تھی - کیونکہ ایسی بڑی چیزوں کی نمائش گاہ میں کافی گنجائش نہ تھی - اور یہاں چند چیزیں دکھلائی گئی تھیں - ایم باڈری کا ایک ریل کا برقی انجن تھا جس نے ۱۸۹۷ء و ۱۸۹۸ء کے تجربات میں (۱۲۰) کیلومیٹر (ایک کیلومیٹر ⅝ میل) فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کرلی تھی - اور پھر ایک سوٹن کا وزن رکھ کر سو کیلومیٹر بسہولت جاسکتا تھا - بعض ٹرمیوے کمپنیوں کی برقی گاڑیاں بھی دکھلائی گئی تھیں ؛

کمسٹری علوم و فنون متعلقہ کمسٹری کے صیغہ میں علاوہ اجزا و آلات کمسٹری کے کاغذ چمڑا دیا سلائی و تمباکو وغیرہ اشیا کے سامان

دکھلائے گئے تھے - ایم ڈار بلے کی کاغذ بنانے کی عجیب و غریب مشین قابل دید تھی کہ جس میں ایک طرف کاغذ سازی کا خام مصالحہ ڈالدیا جاتا تھا اور دوسری طرف کاغذ بنا بنایا نکل آتا تھا - گلاس کے کیسوں میں انواع و اقسام کے کاغذ تھے - جن میں فوٹوگرافی کے کاغذات سے لے کر بنک نوٹ کے کاغذ تک موجود تھے اور قریب ہی ایک کاغذ کا ذخیرہ ایسا تھا کہ جس میں ابتدائے زمانہ کے کاغذ کے نمونوں سے لے کر آج تک کے نمونے موجود تھے - ایک جگہ فارمیسی یعنی دواسازی کی بھی نمائش تھی جہاں ہر رنگ کی گولیاں اور ہر قسم کے پوڈر جمع تھے - دوائیاں کوٹنے کے آلات سے لے کر گولیاں خوبصورت بوتلوں میں بند کرنے تک سب سامان اور آلات دکھلائے گئے تھے - ایک دانتوں کے منجن والا کارخانہ بے غل و غش منجن کے ٹین کے بکس مفت تقسیم کر رہا تھا - جاپانی باریک رومال کے کاغذ کے بیسیوں قسم کے سادہ اور رنگین چھپے ہوئے نمونے رکھے ہوئے تھے +

دیاسلائی اور سگرٹ

دیاسلائی اور سگرٹ کا جو تعلق کاغذ اور کمسٹری سے ہے وہ ظاہر ہے - اس لئے یہ دونوں چیزیں بھی یہیں رکھی گئی تھیں - دیاسلائی کی تیلیوں کے بننے کا بڑا تماشہ ہے - لیکن تمباکو کی تاریخ بھی بڑی دلچسپ تھی - اس کی تیاری ہر منزل کاشت سے لے کر سگار و سگرٹ بنانے پائپ میں ڈالنے اور ناس بنانے تک بذریعہ نمونوں کے دکھلائی گئی تھی - ایفل ٹاور کے قریب بھی ایک علیحدہ مکان میں دیاسلائی اور سگرٹ بنانے کی مشینیں نصب تھیں - دیاسلائی کی مشین میں کتری ہوئی تیلیوں کے گٹھے ایک سوراخ دار تختی پر رکھدیتے تھے - ان سوراخوں میں خودبخود ایک ایک تیلی داخل ہو جاتی تھی - اور یہ تختی ان تیلیوں سمیت ایک طرف کو گھومتی جہاں سب تیلیوں کے دونوں سروں پر ایک جگہ سے گھلا ہوا مصالحہ لگ جاتا تھا جو تھوڑی سی دور گھوم کر جلنے میں خشک ہو جاتا تھا - اسپر یہ تیلیاں بیچ میں سے کٹ کر دو دو ہو کر ایک گہری جگہ میں گر جاتیں - صرف ایک بوڑھیا عورت اس مشین میں کٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے کھول کر رکھتی جاتی تھی - باقی سب کام آخر تک مشین کر لیتی تھی

سگرٹ بنانے کی مشین اس سے کم پُرلطف نہ تھی۔ ایک طرف باریک کاغذ کا گولا لگا ہوا تھا۔ اور ایک طرف کٹا ہوا تمباکو اس کی بٹی ہوئی رسی پر باریک کاغذ لپٹتا جاتا اور خودبخود مناسب مقدار کے سگرٹ کٹ کر نیچے گر پڑتے تھے۔ گو سگرٹ مصر میں بہت بنتے ہیں اور مشہور بھی زیادہ ہیں۔ لیکن وہاں یہ سب کام لپیٹنے کا میں نے تو تین فیکٹریوں میں ہاتھ سے کیا جاتا دیکھا ہے۔ اسی طرح سگرٹوں کی ڈبیاں خودبخود مشین سے بنجاتیں اور جب سگرٹ ہاتھ سے ان میں ڈالے جاتے تو پھر لیبل ان پر مشین سے چسپاں ہوتے

ایک صیغہ میں لیبارٹری میں کام کرنے کے تمام آلات موجود تھے۔ جیسے کہ بیکر۔ بوتلیں۔ مرتبان۔ سپرٹ۔ لیمپ۔ ریٹارٹ۔ بھکنی۔ فلٹر۔ بھٹی۔ خوشبوئیں۔ دافع بدبو۔ دوائیں۔ وارنش۔ انڈیا ربر۔ گٹا پرچا۔ مختلف قسم کی دھاتیں۔ ریڈ اکسائڈ آف لیڈ۔ کروم ییلو۔ کروم اور رینج اور پتھروں کی بعض قسمیں بڑے سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں۔ یہاں علم کیمسٹری کی منزل بمنزل ترقی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور پرانے اور بے کار آلات کو نئے اور کارآمد آلات کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھ کر دکھلایا گیا تھا۔ تیزاب مختلف قسم کے نمک اور شورا مع گندھک اور فاسفورس کی مختلف اشکال کے اور کیمیائی حرفتیں (موم۔ موم بتی۔ صابن۔ گلسرین۔ کول ٹار وغیرہ) بھی سجا کر رکھی ہوئی تھیں اور انکے پاس وہ خام مصالے بھی تھے۔ جن سے کہ یہ چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ مختلف رنگ۔ سریش جیلاٹین۔ وارنش بوٹ کی سیاہی اور چھاپنے کی سیاہی وغیرہ چیزیں بھی مختلف ممالک نے اسی ضمن میں دکھلائی تھیں۔ یہاں کئی پرانے آلات کمسٹری ایسے تھے۔ جنھیں اپنے وقتوں میں بڑے بڑے استادان کمسٹری نے استعمال کیا تھا۔ مثلاً لیوازیر نے جس آلہ سے پانی میں آکسیجن دریافت کیا تھا۔ وہ بھی موجود تھا۔ اور پاسٹیور نے جس خوردبین کی مدد سے پہلے پہل بکٹیریا یعنے جراثیم دریافت کئے تھے۔ کہ جس نے دنیا کی تشخیص امراض میں حیرت انگیز تغیر پیدا کیا ہے۔ وہ بھی یہیں رکھی ہوئی تھی۔

چمڑا کھال اور چمڑے کی حرفت کی بہت سی مشینیں دکھلائی گئی تھیں کہ جن کے ذریعے سے چمڑے کی دباغت مکمل ہوتی ہے۔ اسی کے

متعلق زمانۂ قدیم وجدید کی جوتیوں اور بوٹوں کے بھی بہت سے نمونے تھے۔ اسی ضمن میں انگلستان نے رنگ اور وارنش وغیرہ دکھلائے تھے۔ روس نے کاغذ اور کاغذ بنانے کی لکڑی اور جرمنی اٹلی۔ آسٹریا۔ سویڈن وغیرہ نے بھی مختلف اشیاء اسی مادہ کے متعلق دکھلائی تھیں ؎

قصر آب

قصر برق کہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے سامنے قصر آب ایک خوبصورت عمارت تھی۔ اٹھتر فیٹ چوڑی جگہ سے چھتیس فیٹ کی بلندی کی آبشاروں سے چھ نالیوں سے پانی گرتا تھا۔ اور آبشاروں اور نیچے کے فواروں کی بہار قابل دید ہوتی تھی۔ رات کو قصر برق کے ہزارہا برقی لیمپ ان فواروں پر قوس قزح کے رنگ ڈالتے تھے۔ اسی وقت پانی کی قوت سے نمائشگاہ کی کئی مشینیں چلتی تھیں۔ اس عظیم الشان تماشا کا نظارہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا ؎

حصہ شانڈامار کی صنعت وحرفت اور تعلیم کا صیغہ تو یہاں ختم ہوتا ہے اب اس حصہ کی کچھ دل بہلاؤ اور تماشے کے لائق عمارتیں باقی ہیں۔ جن میں سے ضروری ضروری عمارتوں کا ذکر کیا جاتا ہے ؎

دنیا میں بلند ترین مینار

مشہور ایفل ٹاور شانڈامار کے داخلہ پر آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ دنیا میں انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا کوئی مینار اتنا بلند نہیں اس کی (۹۸۵) فیٹ کی بلندی کے مقابلہ میں مصر کا سب سے بڑا مخروطی مینار (۵۲۰) فیٹ بہت پست[1] معلوم ہوتا ہے۔ ایفل ٹاور بتمامہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ کہ جو انسان کے لوہے کے فن میں کمال حاصل کرنے کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ دراصل یہ آہنی مینار ۱۸۸۹ء کی نمائش گاہ پیرس کے لئے کارخانہ ایفل کے دانشمند انجنیر مسٹر روکیر کے دماغ نے تجویز کیا تھا۔ جنوری ۱۸۸۷ء سے لے کر مارچ ۱۸۸۹ء تک اس کی تعمیر ختم ہوئی جب

[1] ایفل ٹاور واقعہ پیرس ۹۸۵ فیٹ۔ واشنگٹن امریکہ کی ایک پتھر کی لاٹ ۵۵۰ فیٹ عظیم مخروطی مینار مصر ۵۲۰ فیٹ۔ کولون (جرمنی کا) گرجا ۵۱۵ فیٹ۔ پیٹرسبرگ کا گرجا ۴۶۶ فیٹ۔ گرجا سینٹ پیٹر (واقعہ روم) ۴۲۵ فیٹ۔ سینٹ پال گرجا لندن ۴۰۴ فیٹ۔ سالسبری کیتھڈرل انگلستان ۴۰۰ فیٹ۔

میں (۷۰۰۰۰۰۰) تہتر لاکھ کیلو گرام لوہا صرف ہوا۔ اور ڈھائی کروڑ کیلوں کے ذریعے سے اسے جوڑا گیا تھا۔ جب سے یہ تعمیر ہوا ہے اسے ایکدفعہ دوبارہ رنگا گیا ہے جس پر ساٹھ ہزار مینیٹ رنگ ایک لاکھ فرانک کا خرچ ہوا۔ نمائش کی راتوں میں سات ہزار برقی لمپوں سے کہ جن میں سے ہر ایک میں دس بتیوں کی روشنی تھی روشن کیا جاتا تھا اور اس کی چوٹی پر گیارہ بجے رات تک برقی روشنی چوطرفہ چکر مارتی تھی۔ جس کی روشنی کئی کئی میل تک جاتی تھی۔ کہ جس کا نظارہ نہایت عجیب وغریب تھا۔ ۹۸۵ فیٹ کی بلندی سے ایفل ٹاور کی عظمت کیا ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ سوائے اس شخص کے کہ جو اس عظیم الشان برج کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ یا اس کی چوٹی تک چڑھ جائے۔ ہر چند کہ اس کے چاروں طرف اوپر جانے کے لئے لفٹ بھی لگے ہوئے تھے۔ اس لئے لوگ لفٹوں کے ذریعے چڑھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ کیونکہ لفٹ کے ذریعے چڑھو یا سیڑھیوں پر سے مینار والے کرایہ ایک ہی لیتے ہیں۔ یہ لفٹ خاصے معمولی کمرے کے برابر ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں ایک سو آدمی بآرام بیٹھ سکتا ہے۔ پہلی منزل پر جانے کا کرایہ دو فرانک (اور دوسری کا اور دو فرانک اور تیسرے کا اور دو فرانک۔ اور وہاں سے چوٹی تک کا اور ایک فرانک مگر ایک ہی دفعہ سب بلندی کے لئے پانچ فرانک کرایہ مقرر تھا۔ ہزارہا لوگ ہر وقت لفٹوں کے ذریعے سے چڑھتے اترتے رہتے تھے۔ لفٹ میں بیٹھکر دروازہ بند کیا اور دم زدن میں اوپر کی منزل پر جا پہنچے۔ پہلی منزل پر جگہ بڑی کشادہ تھی۔ مینار کے چاروں طرف سیمنٹ یا اسفالٹ ایک چھوٹی سی ۷، گز کی سڑک بنی ہوئی تھی۔ کئی قسم کے "پینی ان دی سلاٹ" مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں آنہ یا دو آنہ کے برابر ایک سکہ ڈالنے سے کوئی نہ کوئی چیز خود بخود باہر نکل پڑتی تھی۔ یا مشین تھوڑا سا باجا سنا دیتی تھی۔ یا اس میں سے کچھ خوشنما نظارے سامنے آجاتے تھے۔ یہاں ایک کھانا کھانے کا رسٹارنٹ بھی تھا۔ دوسری منزل پر جگہ تنگ ہو جاتی تھی۔ مگر رسٹارنٹ یہاں بھی تھا۔ جو جی میں آئے۔ کھا پی لیں۔ اِن دونوں منزلوں پر کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں اور یادگاریں بیچنے کی دکانیں بھی تھیں۔ پوسٹ کارڈ دن پر ایفل ٹاور

پر ایفل ٹاور کی تصویر چھپی ہوئی یا رومالوں پر ایفل ٹاور چھپا ہوا اور کاڑھا ہوا یا شیشہ کے گلاسوں اور پرچھوں پر یہ ٹاور نقل کیا ہوا یا اس کی چھوٹی سی پینسل کی نقل لوگ اسپر چڑھنے کی یادگار میں خرید لیتے تھے۔ ہرچند کہ پہلی اور دوسری منزلوں سے بھی شہر پیرس اور نمائش گاہ کا نظارہ بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ شہر کی سطح کی بلندی و پستی ٹھیک ٹھیک معلوم ہوتی تھی۔ پیرس کی جنوب رُخ کی پہاڑی اور بلند زمین نظر آتی تھی۔ لیکن تیسری منزل سے تو نیچے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا۔ دریائے سین پاؤں کے نیچے ایک چھوٹی سی پانی کی نالی نظر آتی تھی۔ اچھا برڈ آئی ویو۔ کسی دوسرے شہر کا تو غبارہ میں بیٹھ کر ہی دیکھا جاسکتا ہوگا۔ پیرس کی ان عالیشان عمارتوں مثل نوٹرڈام۔ لودر۔ سینٹ جرمین ڈا پرے سینٹ سلفیس اور پینتھین جیسی عالیشان عمارات کے کہ جن کی شہرت عالمگیر ہے۔ گنبد مینار اور کلس نیلگوں آسمان پر جڑے ہوئے بہت صاف نظر آتے تھے۔ یہاں جابجا دوربینیں بھی تماشہ کے لئے موجود تھیں۔ جب میں تیسری منزل پر گیا۔ تو آندھی زور سے چل رہی تھی۔ اور مجھے گمان تھا۔ کہ اگرچہ ایفل ٹاور کو نہیں گرا سکے گی تاہم خدشہ ہے کہ میں پھوس کی طرح یہاں سے اڑ کر نیچے نہ جا پڑوں اس لئے مجھے چوٹی تک جانے کی ہمت نہ پڑی اور میں نیچے اتر آیا۔ کوئی اور شخص بھی اس وقت اوپر نہ جاتا تھا۔ کیونکہ شام کا وقت تھا۔ جس طرح کسی انسان کے چہرہ پر ناک ہوتی ہے۔ ایسے ہی نمائش گاہ پیرس کے میدان میں ایفل ٹاور تھا۔

مناظر و مرایا کے شعبدات

ایک مکان بنام اوپٹیکل پیویلین مناظر اور مرایا کے سامان سے پر تھا۔ یہ عالی شان مکان جو ایفل ٹاور کے متصل تھا۔ اس کے دروازہ کے گرد علم قصص الاصنام کے بت اور منطقۃ البروج کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ اس کا گنبد بھی جو زمین سے بتیس میٹر بلند تھا۔ ایک طاقتور برقی روشنی سے آراستہ تھا۔ ڈیڑھ فرانک اس کا داخلہ مقرر تھا۔ وہ عظیم الشان

دنیا کی سب سے بڑی دُوربین

ساٹھ میٹر (۱۹۵ فیٹ) لمبی اور بیس ٹن بھاری دوربین کہ جس سے بڑی دُوربین کبھی نہیں بنی۔ اسی مکان میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کے شیشے ایسے طاقتور تھے کہ ان کے ذریعے سے چاند صرف چند میل دور نظر

آتا تھا۔ اس کے ایک طرف ایک نئی مشین فوکالٹ کی سٹینڈرسٹال رکھی ہوئی تھی۔ کہ جس کے ذریعے سے ہر وقت ایک سیارہ نظر میں رہ سکتا ہے۔ یہ دوربین اسے نظر سے غائب نہیں ہونے دیتی تھی۔ اگرچہ بڑی دوربین اپنی پوزیشن نہیں بدل سکتی۔ اس کا وزن ستر ٹن ہے اور اس کے شیشے ایک میٹر کلپیس سنٹی میٹر قطر کے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب تماشائیوں کی ایک پارٹی اس مکان میں جمع ہو جاتی۔ تو ایک ہیئت دان پروفیسر فرانسیسی زبان میں اس دوربین کے مقصد پر لکچر دیتا۔ پھر سب لوگ ایک تھیٹر کی گیلری میں جا کر بیٹھ جاتے جہاں غالباً لایم لائٹ کے ذریعے سے چاند اور دیگر سیاروں کی شکل کی پرچھائیں سامنے کی دیوار پر ڈالی جاتی کہ جو اس عظیم دوربین میں سے نظر آسکتے تھے۔ چاند کے فوٹوگراف بڑے کرکے دیوار پر ڈالے جاتے جس سے صاف طور پر چاند کے مختلف حصوں کی سطح کا نشیب و فراز نظر آتا تھا۔ چاند کی سطح بالکل ویسی ہی تھی۔ جیسی کہ میں نے ٹریٹو (برلن) کی بڑی دوربین سے دیکھی تھی۔ لیکن یہ ایسی روشن نہ تھی جیسی کہ اصلی چاند کے مشاہدے معلوم ہوتے تھے ظاہرا یہ ٹریٹو کی دوربین سے تگنی سے بھی لمبی دوربین ہوگی۔ اس کے علاوہ ساٹھ اور قابل دید نظارے اور چیزیں اس عمارت میں تھیں ایک نیچے کے کمرے میں تین بہت بڑے محدب شیشے تھے۔ جن میں سے ایک کا قطر ڈھائی گز سے کم نہ ہوگا۔ دو کا وزن پانچ پانچ ٹن (۱۴۰ من) سے زیادہ بتلایا گیا تھا۔ جس سے ان کی جسامت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی کمرہ میں امریکہ کی ایک ہردلعزیز ایکٹرس (تماشاگاہ میں ناچنے والی عورت) کا خالص

خالص سونے کا ٹھوس قد آدم کا بت

سونے کا ٹھوس بت کھڑا تھا ایک ایکٹرس کا خالص سونے کا ٹھوس قد آدم بت اس کی تعریف کرنے والوں نے امریکہ کی ایک سونے کی کان والے شہر سے بھیجا تھا۔ آج کل کی تہذیب کے بھی عجیب و غریب کرشمے ہیں۔ ایک جگہ سمندر کی تہ کے جانور اور سمندر کے جنگل اور پہاڑ شیشوں کے پیچھے دکھلائے گئے تھے۔ ایک جگہ زمانہ قدیم کے بڑے بڑے گراں ڈیل جانور مثل سلاتھ۔ ڈوڈو ہاتھی اور مچھلیوں کے دکھلائے گئے تھے۔ جو اب دنیا سے ناپید ہوگئے

ہیں۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ مقووں کی شکلیں کاٹ کر ان کے پیچھے مدہم روشنی رکھدی ہے۔ اور شیشوں کی اوٹ سے یہ بہت عجیب معلوم ہوتے تھے۔ ایک جگہ شیشہ کی دیواروں سے بھول بھلیاں بنادی گئی تھی۔ جس کے اندر داخل ہونے سے ہر طرف اپنی شکل نظر آتی تھی اور بار بار شیشوں سے ماتھے ٹکراتے تھے۔ اور لیڈیاں اور جنٹلمین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے بعض برقی اور شیشہ کے شعبدات ایسے تھے۔ کہ دیکھنے والوں کو کبھی فراموش نہ ہوں گے۔ ایک کمرہ میں تماشائیوں کی جماعت کو داخل کر کے وہاں اندھیرا کر دیا گیا تھا۔ ایک لکڑی ایک میخ سے میز پر جڑی ہوئی تھی برقی طاقت سے یہ میخ کے گرد ایسے زور سے گھومتی اور چمکتی تھی۔ کہ رعد کی گرج معلوم ہوتی تھی ایک کمرہ میں ہیضہ اور طاعون کے کیڑے ایک میگنی فائینگ (بڑا دکھلانے والے) شیشہ کے پیچھے دیوار پر منعکس کر کے دکھلائے گئے۔ ایک جگہ قد آدم اور مقعر شیشے ایسے رکھے تھے۔ کہ ان کے سامنے جانے سے دیکھنے والوں کی صورتیں کیسی کیسی مسخ ہو جاتی تھیں۔ کہیں یہ دیو زاد لمبے اور کہیں بالشتیوں کی طرح پست قامت ہو جاتے تھے ایک میم بہت موٹی اور پست قد تھی۔ اور پست قامت بنانے والے شیشے کے سامنے جا کر جو اس کی گت بنی تھی۔ وہ اس پر خود ہنسی ضبط نہ کر سکی ایک اور کمرے میں پہلے اندھیرا کر کے ایک سیاہ کپڑے پر برقی فوٹوگراف کا عمل اس طرح دکھلایا گیا کہ جو لفظ حاضرین میں سے کوئی بولتا۔ وہ ایک عورت ایک شیشے پر لکھدیتی اور وہ خط شعاع میں کمرہ کی دیوار پر جو سیاہ کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ روشن ہو جاتا۔ ایک اور کمرہ میں دو شیشہ کی پون پون گز کی لمبی اور معمولی دستی لکڑی کے برابر موٹی نالیوں کو صرف برقی باٹری سے چھو دینے سے ایسا روشن کیا گیا۔ کہ ان میں سے آگ کی لپٹیں نکلتیں مگر ہاتھ لگانے سے نالیاں سرد معلوم ہوتی تھیں۔ ایک کمرہ میں چند شیشہ کی صراحیوں میں ایک ایسا مرکب دیکھا جو ہلانے سے بالکل روشن ہو جاتا تھا۔ اور کسی کمرہ میں مدھم سی روشنی کر لینے کے لئے اس صراحی کا رکھدینا کافی تھا۔ اسی اصول پر بنے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے شیشے کے لیمپ دیکھے۔ جو صرف شیشہ کی نلکیاں تھیں اور ان میں یہ مرکب پڑا ہوا تھا۔ روغن

زیتون میں اگر فاسفرس کو حل کرلیں اور اُسے شیشی میں ڈال کر تاریک کمرہ میں رکھیں تو وہاں ایسی ہی روشنی ہوسکتی ہے۔ اور غالبًا ان شیشیوں میں بھی فاسفورس کا مرکب تھا ایک اور کمرہ میں ایک اور شخص باجا بجاتا تھا۔ تو ساتھ ہی کمرے کے چاروں طرف برقی لیمپ خودبخود جلتے اور بعض بجھتے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چابی کا کسی نہ کسی برقی لیمپ سے تعلق تھا۔ غرض عام مناظر و مرایا کے بہت سے عجیب و غریب شعبدات یہاں دکھلائے جاتے تھے۔ جن کا بیان موجب طوالت ہے ؛

سر نیچے ٹانگیں اوپر

اور ایک مکان کا نام "مانوآرڈو آنوز" یعنی اُلٹ پلٹ کا مکان" تھا جس کا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اس کے اندر داخل ہوکر ہر چیز اُلٹی نظر آتی تھی۔ میں خود یہ مجرد اندر پہنچنے کے اپنی ٹانگیں چھت سے لگی ہوئی اور سر فرش پر دیکھ کر حیران ہوگیا۔ اندر جتنی لیڈیاں اور جنٹلمین تھے سب کی یہی گت نظر آتی تھی۔ میزیں چھت سے لگی ہوئی تھیں اور جھاڑ فانوس زمین سے لگے ہوئے تھے۔ اس کے اندر سراور کئی قسم کے تماشے تھے۔ اور کھانے پینے کا سامان بھی بکتا تھا۔ کھانے پینے سے ان لوگوں کی کوئی جگہ خالی نہیں ہوسکتی ایک فوارہ ایسی طرح چلتا ہوا نظر آیا۔ جس کا پانی چھت سے نیچے آکر پھر چھت پر جا گرتا۔ یہ سب کام بڑی کاریگری سے کیا ہوا تھا۔ چونکہ تمام دیواریں اور چھت شیشے کی تھیں۔ غالبًا یہ اسی کا نتیجہ تھا۔ تیسری منزل پر ایک شیشہ کا محل ایسا بنا ہوا تھا۔ کہ جو اس میں داخل ہو۔ فورًا اس کے سیکڑوں سر اور سیکڑوں ٹانگیں اور بازو نظر آنے لگیں ؛

سفر گرد زمین

ٹور راؤ ونڈ دی ورلڈ (سفر گرد زمین) ایک اور دلچسپ تماشا تھا۔ اس عمارت کی بیرونی شکل چینی۔ جاپانی کمبوڈیا اور ہندوؤں کی طرز تعمیر کا مجموعہ تھی باہر سے ایک بلند چینی مینار معلوم ہوتا تھا اور اندر داخل ہوتے ہی بودھ کے کئی بتوں سے آراستہ نظر آتا تھا۔ پینورا ما دروازہ ٹوکیو کے ایک مندر کے دروازے کی نقل تھی۔ اسی کے قریب ایک چینی مینار باغ نیکو کے مینار کی نقل

بنایا گیا تھا۔ ڈیڑھ فرانک داخلہ نصف فرانک کا پینورا ما کا گائڈ اور دس سینٹیم چھتری رکھنے کو دیئے۔ اندر داخل ہو کر دیکھا تو پینورا ما کو واقعی دلچسپ پایا۔ اس سے بڑھ کر مصوری کا کمال کیا ہو سکتا ہے۔ ویانا میں قیصر فرانسس جوزف کے حالات زندگی کا جو پینورا ما دیکھا تھا۔ اس کے سامنے وہ ہیچ ہے۔ اس میں یونان۔ شام۔ پورٹ سعید سیلون۔ سیام۔ چین۔ جاپان اور ہسپانیہ کے سین دکھلائے گئے تھے۔ اور ہر ملک کے نظارہ میں جیسی کہ توقع کی جا سکتی تھی۔ وہاں کی عمارات وہاں کے درخت بلکہ وہاں کے آسمان کی مختلف شکلیں۔ بلکہ مختلف موسم تصویر کی خوبی اور مضافات کا اثر پیدا کر کے دکھلائے گئے تھے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ ہر ایک ملک کے سین میں وہیں کی عورتیں اور مرد لا کر سامنے بٹھلائے گئے تھے۔ دو جاپانی عورتیں بیدو کے گلابی رنگ کے آسمان کے نیچے پر شگوفہ سیب کے پودوں کے پاس بیٹھی ہوئی اپنا قومی شربت ساکی پینے میں مصروف تھیں۔ چین کے شہر شانگھی کے خوشنما فصیل دار باغات اور چینی میناروں کے قریب چینی مرد اور عورتیں کسی قومی کھیل میں مصروف تھیں۔ عورتوں کے پاؤں بھدے سے گیندوں کی طرح گول اور مردوں کے ناخن درندہ جانوروں کے ناخنوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ نہر سویز کے ریگستانی نظارہ کے قریب پورٹ سعید کا مصری گلگو مٹی کے برتن بنا رہا تھا۔ اور اس کی بیوی انھیں دیکھ بھال رہی تھی۔ شام کے یہودی زیور بنانے میں مصروف تھے قسطنطنیہ میں آبنائے باسفورس کا خوبصورت نظارہ دکھلایا تھا۔ جس کے دونوں طرف کے مساجد کے مینار نیلگوں آسمان کے مقابل نہایت دلکش معلوم ہوتے تھے اور ایک طرف ترکوں کا بڑا قبرستان بنا ہوا تھا۔ جس کے بید مجنوں کے درخت اور قبروں کے مرمر کے کتبے برابر شناخت ہو سکتے تھے۔ ان اصلی اور جاندار نظاروں کو تصویر کے پردہ سے ایسی عمدگی سے ملحق کیا گیا تھا۔ کہ تماشائیوں کے لئے باوجود جستجو کے یہ دریافت کر سکنا مشکل تھا۔ کہ کہاں سے تصویر شروع ہوتی ہے۔ اور کہاں مادی حصہ ختم ہوتا ہے۔ نمائش کے زندہ نمونوں میں دو ہسپانی عورتیں اور دو مرد بھی تھے۔ جو ویسے

ہی سرخ و سپید تھے - جیسے فرانسیسی ہوتے ہیں - اور ان کی سرحد بھی فرانسیسیوں سے ملتی ہے - لیکن چونکہ یہ لوگ سیر و سیاحت کے بہت کم شائق ہیں ان کے نمونے بھی یورپ میں کم لوگوں نے دیکھے ہوں گے - یہی ان کی خانہ نشینی اب اس قوم کی نکبت کا موجب

ہندوستانی بھان متی

ثابت ہو رہی ہے - سیلون کے نظارہ میں دو بمبئی کے مسلمان بھان متی مع ایک چھوٹی سی لڑکی کے بیٹھے ہوئے تھے - مگر انھوں نے سیلون والوں کی سی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں - مجھے دیکھ کر کہنے لگے - کہ چار مہینے میں جب سے ہم یہاں بیٹھے ہیں تم پہلے ہندوستانی نظر آئے ہو - جن سے اپنی بولی میں بات کرکے جی خوش ہوا - ورنہ ایک طرف چینی اور دوسری طرف مصری ہمسایہ ہیں جن کی ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آتی - اور جو لوگ ہیں دیکھنے آتے ہیں - ان کی بھی ایک بات ہم نہیں سمجھتے - کہتے تھے کہ ہم نے لنڈن میں بھی تماشا کیا تھا - اور آگرہ کے منشی عبدالکریم صاحب کی معرفت ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی حضور میں بھی تماشا دکھلایا ہے - چلتے ہوئے انھوں نے مجھ سے کچھ مانگا - میں نے ایک فرانک دیدیا - میں نے دل میں کہا کہ اچھا ہے - کہ یہاں کوئی ان کی بات نہیں سمجھتا - یہ کمبخت تو ہر وقت ان سے بھیک مانگ کر ان کی جان کھا جاتے ۔

سیام کی عمارت

سیام کی قومی عمارت اس ملک کے مندر کی شان میں بہت خوبصورت بنی ہوئی تھی - سامنے پتھر کے سیامی شیر کھڑے تھے اور عمارت کی چوٹی پر ایک گھنٹہ گھر تھا - اس کے اندر دیسی لکڑیوں خصوصاً ساگون کی لکڑی کی نمائش تھی - جو دو لاکھ پونڈ سالانہ کی سیام سے باہر جاتی ہے اور گیلریوں میں دیسی صنعت و حرفت کی چیزیں تھیں - مختلف قسم کے غلے اور میوے اور اسباب فرنیچر اور کٹلری (چھری چاقو وغیرہ) سامان زردوزی - جواہرات تراشیدہ و ناتراشیدہ اور چینی کے برتن تھے - سیامیوں کے چہرے کچھ عجب شکل و شمائل کے تھے - سیامی رسٹارنٹ میں جو یہاں تھا اس ملک کے کھانے پینے کی چیزیں ملتی تھیں

سوئٹزرلینڈ کا گاؤں

ایفل ٹاور کے قریب ہی سوئٹزرلینڈ کی قومی طرز کی چھوٹی

سی عمارت تھی - جو ایک خوبصورت دہقانی جھونپڑی کی نقل تھی۔ لیکن سوئٹزرلینڈ کے ایک گاؤں کا پورا نمونہ ایک دوسری جگہ آباد کیا گیا تھا۔ جس کا داخلہ ایک فرانک تھا اس گاؤں میں جو پیرس کے ایونیو ڈ اسفرن کے اکیس ہزار میٹر زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ سوئٹزرلینڈ کے خوبصورت بلند پہاڑوں اور ایک چونتیس میٹر بلند آبشار کی نقل بنائی گئی تھی۔ یہ گاؤں قرون وسطیٰ کے سوس نام کے موضع کی نقل تھی - اور اس میں ایسا نظارہ دکھایا تھا کہ جن کے دیکھنے کے لیے ہر سال لاکھوں یورپین سیاح سوئٹزرلینڈ میں جاتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کا مشہور پنیر ایک ڈیری میں بنا کر دکھایا جاتا تھا - ایک چھوٹی سی جھیل میں اُس ملک کی ایک مشہور سرائے کی شیشہ کی دیواروں کی پرچھائیں پڑتی تھی۔ کہ جس میں اس ملک کی مختلف قسم کی شراب اڑا کر لوگ رنگ رلیاں مناتے تھے۔ ساقنیں اور دودھ دوہنے اور مکھن نکالنے والی عورتیں ہمیشہ سفید براق گاؤن اور مخمل یا ساٹن کی کرتیوں میں بنی ٹھنی رہتی تھیں۔ بورگ سینٹ پیٹر کی مشہور سرائے میں تماشائی اسی قسم کی میز پر کھانا کھاتے۔ کہ جس پر نپولین اعظم نے کوہ سینٹ برناڈ کی چوٹی سے گزرتے ہوئے کھایا تھا۔

کوہستان ایلپس کی نقل

برابر تین سال تک تین سو مزدور اس وسیع نقلی سلسلہ کوہستان ایلپس کی ڈھانچ کو بناتے رہے۔ کہ جس پر دس لاکھ فرانک سے زیادہ خرچ آیا تھا - اور اس پر کوہ ایلپس کے گھاس پودے صنوبر کے درخت اسی ملک کی مٹی میں بوئے گئے تھے اور جہاں کہیں چٹان ٹوٹی ہوئی اور خالی نظر آتی تھی۔ وہ بالکل کوہ ایلپس کی چوٹیوں کے پتھر کا نمونہ تھا اس سے اس خرچ اور کوشش کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو یورپ اور امریکہ نے اور خصوصاً اہل پیرس نمائشگاہ کو دلکش اور کامیاب بنانے کے لئے کیا تھا - سوئٹزرلینڈ کے اس موضع پر کل تیس لاکھ فرانک خرچ ہوئے تھے - پہاڑ کی بلندی پر کہ جہاں سے آبشار سیدھی نیچے کو گرتی تھی کوہستان سوئٹزرلینڈ کی دائمی برفانی چوٹیوں کا نظارہ دکھلایا گیا تھا۔ کہ جنھیں دیکھ کر ذرا بھی شک باقی نہیں رہتا تھا۔ کہ نقل بالکل قدرت کا نمونہ تھی۔ ایک مکان میں سوئٹزرلینڈ کے موجد ایم ڈ سوڈ کا ایجاد کیا ہوا ٹیلیفون رکھا ہوا تھا - جو علاوہ بولنے کے وہی پیغام

بھی دیتا ہے ۔

کوہ الپس کی سیر

چونکہ یورپ کے سیاحوں کو کوہ الپس کی چوٹیوں پر چڑھنے اور وہاں کے خوشنما نظارے دیکھنے کا بڑا شوق ہوتا ہے ۔ اس لئے ایک "الپائن کلب" بھی ایفل ٹاور کے نواح میں تعمیر کیا گیا تھا ۔ کہ جس کی عمارتیں فرانسیسی حصہ الپس کی چوٹیوں کی عمارتوں کا نمونہ تھیں ۔ اور زرد لکڑی سے بنی ہوئی تھیں ۔ اس کی نچلی منزل میں کوہ الپس کی چوٹیوں پر چڑھنے کے سامان کے نمونے مثل رسّوں سیڑھیوں ۔ اور نوکدار لاٹھیوں کے موجود تھے ۔ برف باری کی صورتوں میں جن مکانات میں مسافر پناہ لیتے ہیں ۔ ان کے ماڈل اور کوہ الپس کی بوٹیوں اور پتھروں کے نمونے بھی موجود تھے ۔ اور اس نواح کے باشندوں کے خوبصورت لباس کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے ۔ دوسری چھت پر کوہ الپس کے خوبصورت اور خوفناک منظروں کے مرقعے اور فوٹوگراف تھے ۔ اور وہاں کی نہایت دشوار گزار چوٹیوں راستوں اور خندقوں اور وادیوں کے آٹھ ڈایوراما اور ایک پینوراما تھے ۔ ان میں سے ایک ڈایوراما ڈار جیلنس گراٹو کا تھا ۔ جس سے زیادہ عمیق غار اور کوئی دنیا بھر میں نہیں ہے ۔

خالص شیشہ کا مکان

یونس کے پیلیس آف لائٹ کا نام قصر الزجاج رکھنا مناسب ہوگا ۔ کیونکہ یہ مکان از سر تا پا کانچ اور شیشہ کا بنا ہوا تھا ۔ اس میں سوائے مختلف قسم کے شیشہ کے کوئی دوسری چیز نہیں لگائی گئی تھی ۔ اور اسی لئے اس کے کسی کونے میں ذراسی بھی تاریکی نہ تھی نیچے کی منزل میں شیشہ بنانے کی ایک بھٹی تھی ۔ کہ جس میں شیشے کے مختلف آلات اور ظروف تماشائیوں کے سامنے صبح سے شام تک بنتے رہتے تھے ۔ اور لوگ چھوٹی چھوٹی چیزیں مونتو (یادگار) کے طور پر خریدتے رہتے تھے ۔ اس کی قبہ نما چھت سے شیشہ کی نوکدار شاخیں نکلی ہوئی تھیں ۔ جو قدرتی حالت میں بلور کی معدنوں میں پیدا ہو جاتی ہیں باہر کی طرف سے فراخ سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں ۔ جو مع اپنے کٹہرہ دار دیوار کے بالکل میلے شیشہ کی بنی ہوئی تھیں ۔ دوسری منزل میں ایک بڑا کمرہ اور ایک برآمدہ تھا

ان کے فرش چھت اور دیواروں میں بیسویں صدی کے انتہائی زمانے کی شیشہ گری کے کمال دکھلائے گئے تھے - فرش پر شیشہ کے رنگوں میں سمرنا کے قالین اور سنہری ستاروں کی نقل اتاری گئی تھی - دیواروں میں بڑے بڑے سورج مکھی کے پھولوں وغیرہ کے ڈیزائن کٹ گلاس میں بنائے گئے تھے - ہر قسم کے شیشہ کا نمونہ اس تعمیر میں موجود تھا جس سے اس میں جابجا ہیروں - لعلوں اور پنوں کی جھلک پڑتی تھی - اس مکان کی سجاوٹ بھی شیشہ کے آلات سے کی گئی تھی - اور اس میں جو ایک دو دکانیں تھیں - وہاں بھی ہر قسم قسم کے جواہرات بکتے تھے اور اس میں بیٹھنے کے دو تین کوچ بھی خالص شیشہ کے تھے اس کا داخلہ ایک فرانک تھا - رات کو اس عمارت میں صدہا برقی چراغ روشن ہوجاتے اور تمام عمارت دور سے ایک بقعہ نور نظر آتی تھی - اس کی چوٹی پر ایک شیشہ کا بت یونانی مائیتھالوجی کے مطابق آفتاب کی دیوی الکٹرون کا تھا - اس خوبصورت مکان کا بانی ایم یونس افسوس ہے کہ اس کی تکمیل تک پہنچنے سے پہلے مرچکا تھا۔

لباسوں کا عجائب خانہ

پیلیس آف کاسٹیوم یعنی لباس کا محل بھی نمائش پیرس کی اُن تعلیم اور دلچسپی کی متحدہ نمائشوں میں سے تھا - کہ جس پر پانی کی طرح بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا تھا اور لباس کے ساتھ ساتھ جو چیز کسی خرچ اور کوشش سے دستیاب ہوسکتی تھی - یہاں فراہم کی گئی تھی - خصوصاً فرانس اور عموماً یورپ کی تاریخ کے بڑے واقعات اور شاہی درباروں اور نامور تاریخی لوگوں کی تصویریں بہم پہونچا کر ان سے بڑی احتیاط کے ساتھ اس عہد کے نئے لباس تیار کرائے گئے تھے - یہ لباس مومی بتوں کو پہنا کر کھڑا کیا گیا تھا - ان کے دیکھنے سے حیرت ہوتی تھی کہ لباس کسقدر تغیر پذیر چیز ہے - اور ایک زمانہ میں امرا اور سلاطین جس لباس کو شاندار اور شریفانہ سمجھتے رہے - دوسرے زمانہ میں اسے قطعاً ترک کردیا گیا - داخل ہوتے ہی مصری پہرے وغیرہ تھے - اور سامنے کے رخ پر اہل روما کی زندگی کے نظارے دکھلائے گئے تھے - دربار سلاطین بازنطین بھی بنایا گیا تھا - قرون وسطیٰ کے یورپ کے سرداروں کے لباس اور ان کے بھالے اور نیزے بھی ایک جگہ آراستہ کیے گئے

تھے۔ معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں یورپ کی امیر عورتیں صبح کو بہت عمدہ لباس پہنکر اپنے بچھونے ہی پر بیٹھی رہا کرتی تھیں اور وہیں عورتیں مرد ملاقاتی ان سے آکر ملتے تھے۔ لیکن اب سونے کا کمرہ دیکھنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آسٹریا کی مشہور ملکہ اپنی چونکہ بڑی تندرست تھی اور وہ بچھونے ہی پر بیٹھے بیٹھے امرا و وزرا کے ساتھ امور سلطنت کے احکام نافذ کیا کرتی تھی اس لئے یہ رسم پھیل گئی تھی۔ نپولین اعظم کی بیوی تاجپوشی لبادہ پہن رہی تھی۔ اور مختلف زمانوں کے لباس جابجا اکٹھے کر دیئے گئے تھے۔

قصر نسواں پیلیس آف وومن ہڈ یعنی قصر نسواں کی غرض یہ تھی کہ عالم نسواں کی ہر زمانہ کی تاریخ اور سلسلہ وار ترقی کو نہ صرف فرقہ اناث کی دستکاری میں بلکہ ان کی ذہنی ترقی اور خانگی فرائض کی کامیابی اور طرز زندگی اور لیاقت کا ہر پہلو دکھلایا جائے۔ اس مکان کی سطح کی گیلری پر فرانس اور بعض دیگر ممالک یورپ کی عورتوں کے پیشے اور خاص خاص لباس بھی دکھلائے گئے تھے اور اس قصر کے چاروں کونوں میں وہ نئے پیشے

جو جدید سائنس نے زمانہ حال میں عورتوں کے لئے

نکالے ہیں۔ مثلاً ٹیلیفون اور ٹائپ رائٹر وغیرہ کے دکھلائے تھے۔ بیچ میں یورپ کی اُن نامور عورتوں کے قد آدم بُت اُن کے خاص لباسوں میں کھڑے تھے کہ جنھوں نے اپنے عصر میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان میں جون آف آرک روس کی ملکہ کیتھرائن انگلستان کی ملکہ الیزبیتھ ازبیلا آف کیسٹیل میریا تھریسیا آف آسٹریا۔ امریکہ کی مسز بیچر سٹو جس نے انکل ٹامس کیبن ایسا مشہور ناول لکھا تھا۔ اور اور کئی عورتیں تھیں۔ دوسری منزل پر عورتوں کی دستکاریوں کے نمونے اور عورتوں کے لئے مخصوص کانفرنس حال اور تھیٹر اور عورتوں کے لکھنے پڑھنے ریفریشمنٹ اور سنگار کے کمرے۔

روس کی شرابیں روس الکوہال شرابوں کا مکان کہ جس میں پولینڈ اور ریگا کی شرابیں مقطر کرنے کا سامان رکھا گیا تھا۔ اور شراب بنانے کا طریقہ دکھایا جاتا تھا۔ گرجے کی صورت کا لمبا چوڑا مکان تھا۔ آسٹریا کے پہاڑی صوبہ ٹائیرول کی پیداواروں اور منظروں کی

تصویروں وغیرہ کے لئے ایک الگ خوبصورت مکان تھا - اور سینٹ مارین کی چھوٹی سی جمہوری ریاست کی نمائش کا خوشنما مکان اسی نواح میں علیحدہ تھا - ان چھوٹے چھوٹے مگر پرلطف مکانوں کی نفاست اور سجانے کا سلیقہ اور ان میں جو چیزیں دکھلائی گئی تھیں ان کا اہتمام دیکھ کر مجھے خیال آتا تھا کہ انکی یہی مثال ہے کہ اگر کلکتہ یا دہلی میں نمائش ہو تو نہ ہندوستان کے ہر صوبہ کی نمائش علیحدہ ہو - بلکہ تمام چھوٹی بڑی دیسی ریاستیں اپنے یہاں کے اسباب کی علیحدہ علیحدہ یا دو دو چار چار ملکر نمائش کریں - مگر ابھی یہ بہت دور کی بات ہے ؛

یورپ اور افریقہ کی سیر کا دھوکا

بیلوں پینورامااایک اور نہایت عجیب کشش اس نمائش گاہ میں تھی - ایک دلکش پینوراما کے اندر ایک بہت بڑے غبارے کی گاڑی پر لوگوں کو سوار کیا جاتا تھا - اور غبارہ ایسی طرح فضا میں چلتا ہوا معلوم ہوتا تھا - کہ گویا سینکڑوں میل کی مسافت طے کر رہا ہے - ابھی ناپید اکنار متلاطم سمندر پر گزر رہا ہے - اور تھوڑی دیر میں یورپ میں نائس کا رینوال (میلا) نظر میں پھر جاتا تھا - اس سے آگے دو فوجوں کی جنگ ہو رہی تھی - توپیں چل رہی تھیں - بندوقیں چلتی تھیں - اور حریف ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے - ذرا آگے ہسپانیہ کے پرانے قصبات کی منڈیوں کی رونق نظر آتی تھی - اور اہل ہسپانیہ کا مرغوب کھیل یعنی سانڈوں کی لڑائی ہو رہی تھی - تھوڑا اور آگے بڑھ کر افریقہ کے لق و دق ریگستان میں قافلوں کی قطاریں کی قطاریں تھیں اور ایک عرب سواروں کا دستہ کسی رقیب قبیلہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے سرپٹ گھوڑے ڈالے جاتا تھا - اور پھر لوٹ کر غبارہ ایک یورپ کے پررونق شہر میں آکر ٹھیر جاتا تھا - گویا کہ ہزاروں میل کی سیر و سیاحت میں جو نظارے انسان کو یاد رکھنے کے قابل نظر آتے ہیں - وہ یہاں چند منٹ میں آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے - اور اس صفائی اور خوبی سے کہ اس امر کا باور کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا کہ یہ مصنوعی نظارے ہیں اور گو بظاہر یہ کھیل تماشا ہی تھا - تاہم اس تکمیل میں سائنس کی بہت سی آخری ترقیوں سے مدد لی گئی تھی - یعنی خاص قسم کے سینومیٹوگراف کی بہت سی تصویروں کو ملا کر ایک خاص طرز کے پردے کے گرد کہ جس کے یکساں وندانے اس کی

حرکت میں ذرا بھی وقفہ نہیں ہونے دیتے تھے پنیتیس ہزار سے چالیس ہزار تصویریں ایک منٹ میں نظر کے سامنے سے گزر جاتی تھیں۔ واضح رہے کہ سینومیٹوگراف کے تماشہ میں زندہ اور متحرک تصویریں چلتی پھرتی اور کام کرتی نظر آتی ہیں اور فوٹوگرافی کی ایک خاص تدبیر سے کسی متحرک جسم چیز کے سینکڑوں فوٹوگراف کہ جن میں سے ایک دوسرے میں فرق مشکل نظر آتا ہے۔ ایک منٹ میں سیکڑوں لئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ایک قدم اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے کے درمیان اگر اس کے دس پندرہ فوٹوگراف مختلف حالتوں کے لے لئے جائیں۔ تو ان میں آپس میں بہت کم فرق معلوم ہوگا۔ پھر انھیں تصویروں کو قریب قریب جوڑ کر اگر جلدی سے نظر کے سامنے سے گزر جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ گھوڑے نے بعینہ ایک قدم اٹھا کر دوسری جگہ رکھدیا ہے یہی سینومیٹوگراف کا اصول ہے لیکن بعض اور سائنٹیفک تدابیر کی مدد سے اس پینوراما کو اشیاء کا قدرتی رنگ بھی ایسی اچھی طرح دکھلایا جاتا ہے۔ کہ ان کے منظروں کے قدرتی ہونے میں کچھ شک باقی نہیں رہتا۔ اور اس طرح یہ سینومیٹوگراف اور پینوراما کا مجموعہ ایک ہزار میٹر (فی میٹر ۳۹ء۳۷ انگریزی انچ) لمبا نظارہ دکھلا کر ساری دنیا کو حیران کر رہا تھا۔ یہاں وجہ صرف دو فرانک داخلہ تھا۔

بحری سفر کا نمونہ

میریوراما سے مراد بحری نظارہ ہے۔ اسی جانب ایک فرانک لے کر اس پنوراما کے اندر مارسیلز سے قسطنطنیہ تک بحری سفر کا نظارہ دکھلاتے تھے۔ راستہ میں الجیرز نیپلز اور وینس کے خوبصورت منظر نظر آتے تھے تماشائی اپنے آپ کو ایک سچ مچ کے جہاز کے صحن میں بیٹھا ہوا پاتے۔ اور جہاز کسی ذریعہ سے اسی طرح ہچکولے بھی کھاتا تھا۔ جیسے کہ طوفانی سمندر میں سچ مچ کا جہاز ڈگمگاتا ہے جہاز کے نلوں سے دھواں نکلتا تھا۔ دخانی وہسل (سیٹیاں) بجتی تھیں (جھنڈے پھیلے ہوئے تھے۔ اور سمندر اور کنارہ کے طرح طرح کے نظارے آنکھوں کے سامنے سے گزرتے جاتے تھے۔ دور سے بجلی چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ آندھی کا سماں بھی تھا۔ اور سمندر میں طلوع و غروب آفتاب کے خوشنما نظارے بھی تھے۔ ایک دوسری جگہ ایک ٹرینس

اطلانٹک پینوراما تھا - جس میں بحیرۂ روم کے بارہ خوبصورت منظر ساحل افریقہ کے بحری سفر کے دوران میں نظر آتے تھے - الجیرز مین فرانسیسی بیڑہ ٹیولنس کا نظارہ ایک عربی حمام اور بیابان میں چلتا ہوا کاروان وغیرہ ایک فرانک لے کر دکھلاتے تھے ایک جگہ "وینس و پیرس" کا پینوراما بھی بنایا گیا تھا - مگر وینس اور ویانا کا جو ویانا کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے - وہ اس سے بہت اعلےٰ تھا ؎

علم ہیئت کا خلاصہ

آسمانی کرہ یہ سرخ رنگ کا عظیم الشان کرہ جس کے اوپر دور سے منطقۃ البروج کی شکلیں بنی ہوئی نظر آتی تھیں - اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ اس کے اندر علم ہیئت کے اکثر بڑے بڑے مسئلے عام لوگوں کو سمجھائے جائیں - نظام شمسی بنا کر دکھلایا تھا - تاکہ لوگ اپنی آنکھ سے دیکھ کر سمجھ لیں - کہ آفتاب کے گرد کون کون سے سیارے کس طرح گھومتے ہیں - اور زمین پر رات دن کیوں ہوتے ہیں - اور موسم کیوں بدلتے ہیں - تمام ستاروں کے اجرام میں ان کے حجم کی باہمی نسبت بھی قائم رکھی گئی تھی - اور اس طرح کرۂ ارض آٹھ میٹر قطر کا بنایا گیا تھا - خود یہ بڑا کرہ یا ہیئت کی نمائش کا مکان اڑتالیس میٹر قطر کا تھا - مگر افسوس کہ کسی وجہ سے اندنوں بند تھا - کہ جب میں نمائش میں تھا ؎

وسطی امریکہ کی جمہوری ریاستیں

جمہوریہ ایکواڈور اور وسطی امریکہ کی دیگر جمہوری ریاستوں نکاراگوا گوئٹے مالا کوسٹاریکا ہانڈورس اور سالوڈور کی پیداوار اور وطنی حرفتوں کی نمائش کے لئے یہ دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی تھی - ان سب علاقوں کی پیداوار اور حرفت قریب قریب یکساں تھی - مثلاً خام قہوہ - کوکو - گٹا پرچہ - تمباکو اور زیادہ تر جنوبی افریقہ کے وسیع جنگلات کی لکڑیوں کے نمونے تھے - اور دستکاریوں میں شکر سفید - قالین - روئی - کپڑا - اون - زردوزی اور لیس کے نمونے اور کھجور کے ریشوں کے جہازی بستر تھے -

مراکش کی عمارت

مراکش کا مکان بھی جو ایفل ٹاور کے پاس تھا ایک قابل دید مقام تھا - چونکہ مراکو ایک آزاد سلطنت ہے - اس لئے وہاں کے

اس طرف اس کا مکان بنایا گیا تھا۔ ورنہ الجیریا ٹیونس اور مصر وغیرہ اسلامی ممالک کے مکانات دریائے سین کے مقابل کی طرف تھے کہ جنہیں نمائش کے چھٹے حصے کے ذیل میں بیان کروں گا۔ یہ مکان فیض کے عمدہ مکانات کا نمونہ بنایا گیا تھا اور اس میں تمام شان عربی تعمیر کی موجود تھی پیشانی پر عربی خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط اور "سلطان عبد العزیز سلطان العرب" وغیرہ چینی کے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ اور ایک نہایت خوبصورت اذان کا مینار بھی ایک کونہ پر روغنی تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ مکان کے اندر ایک فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ ادھر اُدھر ستون دار برآمدے تھے۔ جن میں مراکو نمونہ پر موزائیک کا کام کیا گیا تھا۔ مکان کے اندر مراکو کی صنعت کے طور پر اچھے اچھے رباط کے قالین اور کئی رنگوں کے چمڑے کے کام کے نمونے تھے کہ جن کاموں میں اب تک مراکو مشہور ہے۔ سابر اور چمڑے کے بہت بڑے بڑے پنجہ والی جوتیاں اور سلیپر تھے بعض پر سنہری کام تھا۔ کھجور کے پنکھے اور کھجور کے تھیلے پرانی طرز کے چینی مٹی کے برتن نیلگوں رنگ کے مرتبان تھے۔ جیسے ہندوستان میں بھی ہوتے ہیں۔ ریشمی کپڑوں پر ریشم اور کلابتون کا کشیدہ۔ پیتل کے برتن۔ خصوصاً مجمعے جن میں عربی نقاشی کا سیدھے خط کا کام تھا۔ کچھ عجیب قسم کے چارجامہ کی قسم کے زین طلائی کام کے تھے۔ توڑے دار بندوقیں اور چمڑے باروو کی کپیاں۔ جن پر سنہری کام تھا اس نمائش گاہ میں بارہا یہ دلچسپ بات یاد آتی تھی کہ ایک طرف تو یورپ اور امریکہ کی اعلٰے درجہ کی ترقی یافتہ صنعتیں اور بیس بیس گز لمبی جنگی توپیں اور پیچیدہ کلیں تھیں اور دوسری جانب مراکو اور سوڈان کی صنعتیں موجود تھیں مکان کے اندر دو قوی ہیکل مسلمان عربی شکل کے جبّے اور عمامے پہنے ہوئے اسباب کے محافظ تھے ان کے رنگ بالکل گورے تھے۔ عموماً اہل مراکو سرخ اور سپید رنگ کے ہوتے ہیں۔ مکان کی دیواروں پر مراکو کے مختلف منظروں کے فوٹو تھے۔ اس کے متصل مراکو کے رسٹارنٹ اور قہوہ خانہ سے پلاؤ اور مراکو کی مٹھائی اور قہوہ مل سکتا تھا اس مکان کے گرد کوئی پچاس چھوٹی چھوٹی دکانوں میں یہودی چھوٹی چھوٹی چیزیں

پیرس ہی سے خرید کر فروخت کر رہے تھے - ایک یہودی کی دکان پر ایک بہت عمدہ زندہ اشتہار تھا - یہ ایک حبشی سے فرانسیسی لفظ کہلواتا تھا - جو ان کا تلفظ بہت غلط کرتا تھا - اور بہت لوگ اسے سنکر ہنستے تھے - انہیں ایک دوسرے دکاندار نے پانی کے نلکے سے ایک چھوٹی سی کل بنا رکھی تھی - نلکے کے پانی کی دھار ایک پنکھے پر پڑتی تھی - جو پن چکی کے پنکھے کی طرح تھا - اس کے ایک طرف چار کوڑیاں بندھی تھیں - جو گھوم کر چار گلاسوں کو لگتی تھیں - اور ان سے خاصی سریلی آواز پیدا ہوتی تھی - بہت لوگ تھوڑی دیر کے لئے اس چھوٹی سی دکان پر یہی تماشا دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے تھے ؏

نمائش کا چھٹا حصّہ

اب میں نمائش گاہ کے چھٹے اور آخری حصہ کے کچھ حالات لکھتا ہوں - جو شانڈمارڈ کے مقابل دریا کی دوسری طرف باغات ٹراکوڈیرو کے پاس تھا - اس حصہ میں زیادہ تر ممالک یورپ کی نوآبادیاں اور مقبوضات کی نمائش اور کچھ تماشے اور دلچسپی کے مکانات تھے - بائیں طرف کی جگہ فرانس کی نوآبادیوں کو دی گئی تھی - اور دائیں طرف انگلستان اور روس پرتگال - ڈچ مقبوضات اور چین - جاپان روسی سائبیریا ٹرینسوال وغیرہ تمام متفرق ممالک تھے ؏

میڈیغاسکر

جزیرہ میڈیغاسکر کی نمائش ایک پچپن میٹر قطر کے گول مکان میں تھی - نیچے سطح پر ایک جزیرہ بنایا گیا تھا - جسپر میڈیغاسکر کے درخت اور پودے اُگے ہوئے تھے - اور اس جزیرے کے زندہ پرند اور بندر یہاں

لاکر رکھے گئے تھے۔ اس کے گرد پانی کا ایک گول قطعہ تھا۔ جس میں دو تین چھوٹی چھوٹی اہل میڈیغاسکر کی کشتیاں پڑی تھیں۔ اور کئی زندہ گھڑیال پانی میں چھوڑے گئے تھے جو کبھی کبھی منہ کھول دیتے تھے۔ دوسری منزل پر اس وسیع جزیرے کی مختلف قوموں کی روزمرہ زندگی کے عملی کام اور پیشے دکھلائے گئے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہاں سونا کیسے نکالتے ہیں۔ اور وہاں کے کھیتوں کو پانی کیسے پہونچاتے ہیں۔ اور چونکہ فرانس کو منظور تھا۔ کہ اس کے اس نو مفتوحہ ملک میں فرانسیسی نو آبادگاروں کو جاکر لینے کی ترغیب ہو۔ اس بارہ میں مکمل واقفیت بہم پہونچانے کا ایک دفتر بھی یہاں تھا یہیں جزیرے کے حیوانات نباتات اور اقوام کی نمائش تھی اور یہیں چاول۔ قہوہ اور دوسرے غلے مع ریشم اور روئی کے لمبے لمبے ریشوں کے تھے۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے پتھر اور جواہرات قسم قسم کی پوشاکیں۔ زیورات جو تاریخی معلومات بہم پہونچاتے تھے موجود تھے۔ غرض اس جزیرہ سے واقفیت بڑھانے کی ہر چیز یہاں تھی۔ ایک جگہ مومی بتوں کا ایک موضع بنا ہوا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اگر کوئی فرانسیسی جزیرہ کے اندر غیر آباد جگہ میں جانا چاہے۔ تو اسے کیا کیا سامان از قسم اسلحہ و خوراک وغیرہ کتنے دیسیوں کے سروں پر اٹھوا کر لیجانا چاہئے۔ اور کسطرح اہل میڈیغاسکر فرانسیسی افسروں کی ڈولیاں اٹھاتے ہیں۔ یہیں پینتیس میڈیغاسکری باجا بجانے والے اپنی بھدی بانسریاں اور نقارے بجارہے تھے۔ تیسری منزل پر ایک پینوراما فتح میڈیغاسکر کا بنایا گیا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کس طرح فرانسیسی فوج نے ٹانانا ریو پر قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اور یہاں کی سیاہ رنگ ملکہ کو فرانسیسی وظیفہ خوار بنایا گیا۔ اسی کے قریب ایک عمارت میں کرنل مارچنڈ فرانسیسی افسر کے مہم سوڈان کا (کہ جس کے متعلق انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی) پینوراما بنایا گیا تھا۔ جس کا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اس میں اس مہم کے راستہ میں جسقدر واقعات پیش آئے تھے۔ ان کو اصلی قد و قامت کی تصاویر میں نمایاں کیا گیا تھا۔

دو عجائب گاہیں

قصر ٹراکوڈیرو ایک ایسا مکان ہے۔ جو اس نمائش سے پہلے

کا بنا ہوا ہے۔ اور جو اس کے بعد قائم رہے گا۔ اس میں علوم انتھا گرافی (اقوام عالم کی اشکال) اور کمپیر بیٹو پر پکچر پیلس کی دو عجائب گاہیں قائم تھیں۔ اول میں جو ۱۸۷۳ء سے قائم ہے امریکہ افریقہ اور اوشیانا کی قدیم و جدید شائستگی کے متعلق اسلحہ اور دیگر اشیا کا مجموعہ تھا۔ اور مقابلہ کے لئے قبل از تاریخی یورپین تہذیب کی چیزیں بھی فراہم کی گئی تھیں یہاں رومی اور یونانی سنگین بت اور مٹی کی نقلیں رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری میں جو ۱۸۸۲ء سے قائم ہے۔ گیارھویں صدی سے زمانہ حال تک تعمیرات کے خاص خاص نمونے جمع کئے گئے تھے۔ کہ جن سے اس فن کی تاریخ سلسلہ وار اتک معلوم ہوتی ہے خدا جانے ہزاروں مختلف ذریعوں سے اس عجائب گاہ کے لئے کس کس تلاش اور محنت اور کتنے خرچ سے یہ چونے اور پتھر کے ٹکڑے بہم پہنچائے گئے ہوں گے۔ گو ہمیں اس خشک مضمون سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہوئی؎

کیوبا و ہوائی

کیوبا اور ہوائی دونوں اضلاع متحدہ امریکہ کی نو آبادیاں۔ کیوبا نے دو سو چیزیں نمائش کو بھیجی تھیں۔ اس جزیرہ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ شکر ہے۔ لیکن تمباکو یہاں کا بہت مشہور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قہوہ۔ شراب۔ روئی۔ غلہ میوہ جات تانبا خوشبوئیں قیمتی پتھر چینی کے برتن اور زردوزی کا کام تھا۔ ہوائی کی بھیجی ہوئی چیزوں میں لاوا کے کچھ نمونے تھے۔ جو اس جزیرہ میں آتشی مادہ نکلتا ہے صندل کے صندوق۔ گودنے کے کئی نمونے اور کئی چھوٹی چھوٹی عجائبات مثل وہیل مچھلی کے دانتوں کے زیورات اور باشندوں کے بھدے مزامیر وغیرہ کی تھیں؎

آسٹریا کی دستکاریاں

آسٹریا ہنگری یورپ میں ایک ایسا ملک ہے کہ جس کی کوئی نو آبادی یا مقبوضہ ملک یورپ سے باہر نہیں تاہم آسٹریا بہت سی صنعت و حرفت کی چیزیں بنا کر دیگر ممالک کی نو آبادیوں کو بھیجتا ہے۔ اس لئے اس نے نو آبادیوں سے اپنا تعلق اس طرح ظاہر کیا تھا کہ یہاں ایک مکان میں ان تمام اشیا کے نمونے رکھ دیئے تھے جو کہ یہاں سے غیر ممالک میں بھیجی جاتی ہیں۔ آسٹریا کے تمباکو اور بینٹ وڈ کی کرسیاں وغیرہ یہاں خاص کر دکھلائی گئی تھیں؎

گرین لینڈ

مقبوضات ڈنمارک کے خوبصورت مکان میں زیادہ تر گرین لینڈ کی چیزیں تھیں جہاں بہت سی بھیڑیں پالی جاتی ہیں کہ جن سے عمدہ قسم کی پشم حاصل ہوتی ہے۔ قطب شمالی کے وحشی جانوروں مثل ریچھ رینڈیر ہرن اور سیل مچھلی وغیرہ کی کھالیں بہت عمدہ تھیں سمندر اور ندیوں کے پرندوں کا مجموعہ بہت دلکش تھا جزیرہ آیس لینڈ کی پیداوار بھی یہیں دکھلائی گئی تھی۔ گو یہ جزیرہ بنجر اور آتش خیز ہے۔ مگر اس میں مچھلیاں اور جانور انواع و اقسام کے ہیں۔ اور معدنی دولت بھی کئی قسم کی ہے +

الجیریا کی نمائش

جیسا کہ میڈیغاسکر کی نمائش سے معلوم ہوتا ہے اور فرانس کی دیگر نو آبادیوں کی نمائش سے معلوم ہوگا۔ فرانس نے اپنی نو آبادیوں کی نمائش کرنے میں بڑا زور لگایا تھا۔ ہر ملک کی ہر قسم کی پیداوار اور آمدنی کے ابواب تفصیل سے دکھلائے گئے تھے۔ اور ان کے متعلق بہت سے طبع شدہ حالات پیش کئے تھے خصوصاً الجیریا کی نمائش پر بہت زور دیا گیا تھا۔ اور بڑے بڑے عالیشان مکانات ٹیونس کے مکان کے مقابل اور عجائب گاہ ٹراکوڈیرو کے سامنے تعمیر کئے گئے تھے اور تمام نمائش گاہ میں کسی مسلمان کو بلحاظ شکل و صورت کے اور کوئی مکان اس سے زیادہ دلچسپ نہیں معلوم ہوتا ہوگا۔ انھیں میں سے ایک کے رسٹارنٹ میں کم از کم دن میں ایک بار میں عربی کھانا کھایا کرتا تھا۔ ان میں سے بڑی عمارت میں الجیریا کی سرکاری نمائش تھی اور دوسرے مکان میں اس ملک کے منظروں کے تماشے اور چھوٹی چھوٹی دکانیں اور پیشہ وروں کے مکان تھے الجیریا کی کئی قدیم اور عالیشان عمارات کے بعض حصوں کی اس عمارت میں نقل اتاری گئی تھی ایک عالیشان مینار اور ان کے سلطان پاشا کی مسجد کی نقل پر بنائی گئی تھی اور پیشانی پر عربی کا ایک لمبا کتبہ کندہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت میں کئی گنبد اور چھت اور دروازے بہت عمدہ تھے۔ رات کو جب تین ہزار برقی لمپوں سے یہ عمارت روشن کی جاتی تھی تو بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ اس کا بڑا گنبد جو الجیرز کے ماہی گیروں کی مسجد کے گنبد کا نمونہ تھا۔ اسقدر روشن کیا جاتا۔ جیسا کہ الجیرز کی مسجد کا ماہ رمضان میں کیا جاتا ہے۔ اس عمارت کا بڑا کمرہ جو مورش روم (عربی کمرہ) کے نام سے نامزد تھا (۱۲۴) مربع میٹر تھا

کہ جو فن تعمیر و آرائش کا اعلےٰ نمونہ تھا - یہ الجیریا کے عجائب خانہ اشیائے عتیق کی نقل تھا - اور اس میں بہت سی تاریخی یادگار کی چیزیں پلاسٹر کے بنے ہوئے نمونے طلمسان اور طبیشہ کے کھنڈروں اور الجیرز اور سرشل کے عجائب خانوں کے بتوں کے اور ہر قسم کے سکیچ اور نقشے تھے - ساتھ کے کمرے کی چھت کی الجیرز کی مسجد ماہی گیراں کے "مقبرہ قاضی" سے نقل کی گئی تھی - اور طلمسان کے قریب سدی بن ادہم سے کئی پلاسٹر کے نمونے یہاں بھی رکھے گئے تھے - اس ملک میں معلوم ہوتا ہے انگور بہت پیدا ہوتا ہے - اور انگور - اور انگور کی شراب اور کشید کے طریقوں کے لئے ایک کمرہ مختص کیا گیا تھا اور کمرہ میں جنگلات کی پیداوار سرکاری اور پرائیویٹ نمائش کرنے والوں نے جمع کی تھی - کارک کے درخت کی چھال اور صنوبر اور اس کے رس کے یہاں بہت سے نمونے تھے - لکڑی پتھر اور معدنیات کے یہاں کئی نمونے تھے - ایک درخت کی موٹائی اتنی تھی - کہ اس کا کٹا ہوا سکشن میرے سر تک پہنچتا تھا - ایک کمرے میں تعلیم کا سامان سجایا گیا تھا - عربی اور فرانسیسی کتابیں جو الجیریا کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں - بچوں کی مشق کی کاپیاں اور قلم دوات کی قسم کا سامان یہاں موجود تھا یہیں الجیریا کے کئی فرانسیسی اور دو ایک عربی اخبار بھی تھے دو ایک فرانسیسی رسالے فن زراعت کے تھے - جو الجیریا میں چھپتے تھے اور دو ایک عربی کتابیں بھی تھیں میں انھیں دیکھ رہا تھا - کہ محافظ نے جو ایک نوجوان الجزائری عرب تھا - مجھ سے پتہ پوچھا - اور یہ معلوم کر کے کہ میں مسلمان ہوں مجھ سے ہندوستان کے متعلق کئی باتیں پوچھتا رہا - اس کا نام خواجہ سید علی بن مصطفےٰ اجزائری تھا - یہ ایک تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن مجھ سے مسلمانان ہندوستان کی تعداد دریافت کر کے حیران ہوا اس نے کہا کہ میرا بھائی الجیرز کے اخبار "المبشر" کا ایڈیٹر ہے - پھر اس نے حقوق نسواں کے متعلق ایک کتاب دکھلائی جو اس کے بھائی نے لکھی تھی - مجھے تعجب ہوا - کہ مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی اسی زمانے میں حقوق نسواں پر کتابیں لکھنے کا خیال پیدا ہوا ہے جو زمانہ کا ایک بدیہی اثر ہے - وہاں الجیریا کے مسلمانوں کے متعلق فرانسیسی زبان میں ایک رپورٹ

بھی تھی ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کہاں سے ملے گی ۔ تو اس نے مجھے یہ اور اسی طرح تیرہ چودہ اور فرانسیسی رسالے الجیریا کی زراعت جغرافیہ تاریخ مذہب اور دستکاریوں وغیرہ پر لا دیئے اور کہا ۔ کہ ہماری سرکار نے یہ خاص خاص واقف کار اشخاص سے مفت تقسیم کرنے کے لئے لکھوائے ہیں ۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا ۔ کہ کس تیاری سے الجیریا کی نمائش کی گئی تھی ایک کمرہ میں صرف تصاویر تھیں جو اس ملک کے متعلق فرانسیسی اور عرب مصوروں نے ہاتھ یا کیمرہ سے کھینچی تھیں ۔ ایک کمرہ کی چھت کا گنبد مشہور شیخ عبدالقادر الجزائری کی مسجد مسکارا کی نقل تھا ۔ اس کمرہ میں الجیریا کی کشتکاری کی پیداوار اور آلات کے نمونے بھی تھے ۔ گیہوں بہت اعلےٰ قسم کا تھا ۔ مکی ۔ جو ۔ جوار ۔ جئی ۔ ماش ۔ مٹر غرض سب غلے عمدہ تھے ۔ دیواروں پر جوتنے بونے کاٹنے غلہ نکالنے کے فرانسیسی اور عربی طریقوں کی تصویریں آویزاں تھیں ۔ انگور نچوڑنے زیتون کی کاشت کھجور اور سنگتروں کی فصل جمع کرنے جنگل میں آرٹیزئن کنوئیں کھودنے اور فاسفیٹس وغیرہ نکالنے کی تدبیریں بھی دکھلائی گئیں ۔ الجیریا کی زراعتی سوسائٹیوں نے ایک جگہ اپنی نمائش کی تھی جس میں تمباکو کے اقسام اور چمڑے اور ریشم کے نمونے تھے (ہندوستان کے اتنے بڑے ملک میں جہاں تک کہ میں جانتا ہوں ایک بھی پرائیویٹ زراعتی سوسائٹی نہیں) اور اسی کے قریب دیسی دستکاریوں کی نمائش تھی ۔ چاندی اور تانبے کا کام بہت تھا ۔ کپڑوں پر زردوزی اور کشیدے بہت اچھے تھے اور قالین اور زیورات بھی تھے ۔ دو تین کمرے صرف کشیدوں اور زردوزی کے نمونوں سے سجائے گئے تھے جنمیں دیواروں اور چھت پر ایک انچ جگہ خالی نہ تھی ۔ دستمالوں تکیہ کے غلافوں اور دیواروں

سونہکاری تحریریں

کے سجانیوالے کپڑوں پر نہایت نفیس عربی خط میں اچھی اچھی دعائیں مبارکباد اور نصیحت کے فقرے اور عبارتیں کاڑھی ہوئی تھیں ۔ میرا جی بہت چاہا کہ ہندوستان کے شرفا کے گھروں میں بھی لڑکیاں کپڑوں پر ایسے کشیدے کاڑھا کریں ۔ قسطنطنیہ میں برابر یہی رواج ہے کہ خواندہ مسلمان خاتونیں کپڑوں پر بہت خوشخط عبارتیں سوت ریشم اور کلابتون سے کاڑھتی ہیں ۔ اس مکان کی پچھلی

طرف ایک سیٹورا ما اور ایک ڈائیوراما میں ساحل الجیریا کے مختلف بحری منظر اور صفا و وربسکارا کے مابین بیابان کی خشکی کے سفر کی خصوصیات نمایاں کی گئی تھیں اور قبائل کی آپس کی چھیڑ چھاڑ کا نمونہ دکھلایا گیا تھا؛

ٹیونس ٹیونس کا مکان الجیریا کے عین بالمقابل تھا۔ جہاں وہ عربی رسٹارنٹ بھی تھا۔ کہ جہاں کھانا کھانے کے لئے نہ صرف مصر مراکو اور ٹیونس کے عرب اور یہودی اور حبشی زن و مرد ہی آتے تھے۔ بلکہ بہت سے فرانسیسی عورت و مرد بھی آتے رہتے تھے۔ کیونکہ کھانا یہاں کا ارزاں اور اچھا بھی تھا گو ایسے تکلف پیرایہ میں نہ دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ دوسرے رسٹارنٹوں میں اسی احاطہ کے اندر ٹیونس کا ایک بادیہ نشین عرب مع اپنی بیوی اور بچے کے ایک سیدھے سادے خیمہ میں بیٹھا رہتا تھا۔ اور کبھی وہ میاں بیوی ان کا ایک موٹا سا کپڑا بھی لوگوں کو دکھلانے کے لئے بنا کرتے تھے۔ کہ جس کا کرگہ خیمہ کے اندر تھا اور ان کا بچہ تماشائیوں سے پیسے مانگنے کا عادی ہوگیا تھا۔ پاس کے قہوہ خانہ میں سیاہ اور تلخ الجیری قہوہ کی ذراسی پیالی ایک ایک آنہ کو بکتی۔ ہر ایسی قہوہ کی پیالی ایک چھوٹے سے ٹین کے برتن میں کہ جسے لمبی دستک لگی ہوئی تھی۔ اور جسے ہر مرتبہ آگ پر گرم کرنا پڑتا تھا۔ اس قہوہ کی فروخت کی رونق کے لئے اس مکان میں دو ایک یہودنیں تھوڑی تھوڑی دیر میں ناچا کرتی تھیں دو تین مرد بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ عجیب قسم کا فحش ناچ ہے۔ صرف کمر کے حصہ کو ہلایا اور تھرکایا جاتا ہے۔ سینہ اور چھاتیاں قریباً برہنہ ہوتی ہیں پہلے تو یہ حرکت دیکھ کر میں متعجب ہوا۔ لیکن اس کے بعد ٹرکی اور مصر کی عمارات میں یہودنوں کے اسی قسم کے ناچ دیکھ کر میں نے سمجھا۔ کہ ان ملکوں کا دستور یہی ہے۔ اور یقیناً اس کے مقابلہ میں ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ نہایت مہذبانہ اس ناچ کو دیکھنے کے لئے جوق جوق یورپین اس قہوہ خانہ میں آگر گرتے اور تلخ قہوہ کا مزہ چکھتے تھے اس کے سامنے ٹیونس کی مٹی کے برتنوں کی دکان تھی۔ پس پشت ٹیونس کا بازار تھا چھوٹی چھوٹی دکانوں میں بہت سے زردوزی کپڑے اور رومال عربی بولنے والے

یہودی بیچ رہے تھے - اور بعض کچھ بنا بھی رہے تھے - قالین اور کچھ چمڑے کا سامان بھی تھا - ایک حلوائی ایک موچی اور ایک درزی بھی کام کر رہے تھے - ان کے سوں کی ٹیونس کی ٹوپیاں تھیں - الجیریا مراکو اور ٹیونس کی ٹوپیاں گو عام شکل میں ترکی ٹوپی کی طرز کی اور سُرخ رنگ کی ہوتی ہیں - لیکن ترکی ٹوپی ذرا زیادہ چُست اور چھوٹی ہوتی ہے - اور اول الذکر ٹوپیاں اونچی اور پھیلی ہوئی ہوتی ہیں - اور ان کے پھندنے بھی بہت بڑے ہوتے ہیں - میری ترکی ٹوپی دیکھ کر بعض نے مجھے بلایا بھی مگر میں کوئی سودا نہیں خریدنا چاہتا تھا - ٹیونس کا بازار بہت تنگ تھا - دوسری منزل کے مکانوں کے چھجے ایک دوسرے سے بہت قریب تھے - اور یہ ٹیونس کے ایک بازار کا نمود دکھلایا گیا تھا؛

ٹیونس کی نمائش کی چیزیں جس عمارت میں تھیں وہ طنجہ کی دو مساجد مسجد سیدی بن سید اور مسجد تبریز کی نقل تھیں - اور اسی طرح ایک اور مسجد کا مینار ایک طرف تعمیر کیا گیا تھا - مسجد سیدی تبریز اور دوسرے مکان میں روغنی غلے اور جو چیزیں ان سے تیار کی جاتی ہیں - مثلاً صابن رنگ خوشبوئیں عطر ست اور ریشم - سیشہ کی - السی کارک ترکاریاں و میوہ جات رکھے گئے تھے - آثار قدیم کے ماڈل اور آرٹس کے نمونے قسم قسم کی کثرت سے موجود تھے - سرکاری محکموں کے علاوہ پرائیویٹ لوگوں کی چیزیں بھی تھیں - جیسے ٹیونس کے انگوروں کی پیداوار اور روغن زیتون وغیرہ کا سااور قیروان مقدس کے قالین اور کمبل - جربا اور ساحل صفا کے اسفنج اور ٹیونس کے مشہور برتن - یہودنیں نہ صرف ناچتی تھیں - بلکہ الجیریا اور ٹیونس کے تماشا کے مکانات کے دروازوں میں کھڑی ہو کر خوب دفیں بجاتیں اور لوگوں کو تماشہ دیکھنے کی ترغیب بڑی کامیابی سے دیتی تھیں - کہیں کہیں اپنے شوہروں کی دکانوں پر سودا بھی بیچتی تھیں - کچھ عربی کتابیں اور ٹیونس کی جامع مسجد کے عربی کتب خانہ کی قلمی کتابوں کی مطبوعہ فہرستیں بھی موجود تھیں - جو گورنمنٹ ٹیونس سے درخواست کرنے پر مل سکیں گی؛

اندلس عربوں کے عہد میں

"اندلس عربوں کے عہد میں" ایک علیحدہ دلچسپ تاریخی تماشا تھا۔ عمارت کی شان باہر سے ہی عربی تھی اور بادیہ نشین عرب شتر سوار ونکی تصویریں باہر بنی ہوئی تھیں۔ لیکن اندر کی خوبصورتی اور تاریخی دلچسپی سے باہر کو کیا نسبت تھی۔ ہسپانیہ کے زمانہ حکومت اہل اسلام اور بعد کے کئی زندہ نظارے دکھلائے جاتے تھے۔ سویل کے دروازہ الکزار (القصر) سے داخل ہوکر تماشائی غرناطہ کے قصر الحمرا کے مشہور دلکش صحن میں جا پہنچتے تھے۔ کہ جہاں فوارہ چھوٹ رہا تھا اور چاروں طرف ستونوں کے غلام گردش محیط تھی جس کے خوبصورت دریچوں میں نفیس عربی کلیچر کا کام نیلگوں اور سنہری رنگوں میں دل لبھا رہا تھا۔ غرض الحمرا کی یہ نقل بھی دنیا کو دنگ کر رہی تھی یہ بات اور ہے کہ اصل سے اسے نسبت ہو یا نہ ہو۔ ایک طرف سویل کا گھنٹہ گھر عربی طرز تعمیر کا ستر میٹر بلند تھا۔ جس میں اندر ہی اندر سیڑھیاں نہیں قرون وسطی کا ایک عربی موضع "غربی" کے نام سے آباد کیا گیا تھا۔ جس کی مسجد کا کلس سنہری تھا۔ اور گو باشندے غریب نظر آتے تھے۔ مگر ان کی دستکاری کے قالین چمڑے کی چیزیں اور اسلحہ اعلے درجہ کی کاریگری کا ثبوت دیتے تھے۔ غرناطہ کے باب الانصاف سے گزر کر جہاں سلاطین اسلام عدالت کا اجلاس کیا کرتے تھے۔ تماشائی ٹولیڈو کے ایک عجیب سے کوچے میں پہنچ جاتے تھے۔ جہاں زمانہ رومن اور رے نیسنس کی دستکاریوں اور حرفت کی چیزوں سے دکانیں بھری پڑی تھیں۔ ایک طرف ایک ہسپانی تھیٹر تھا۔ جس میں ہسپانی لڑکیاں کوئی نہ کوئی عربی تان اڑا دیتی تھیں اور دوسری طرف ہسپانیہ کی مشہور و مرغوب کھیل سانڈ لڑانے کے دکھلائے جاتے اور اسی طرح ایک جگہ بدوی شہسواروں کے گھوڑے دوڑانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ افسوس ہے کہ دونوں آخری نظارے دیکھنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ یہاں کا داخلہ ڈھائی فرانک تھا۔

کانگو

فرنچ کانگو کی عمارت جو لکڑی اور لوہے کی تھی۔ اور بعد میں پھر توڑ پھوڑ کے کانگو کو بھیجی گئی ہوگی۔ کہ اس سے وہاں کا ڈاک خانہ بننے والا تھا۔ اس علاقہ کی بیش قیمت لکڑی عمدہ نقاشی سے لپی ہوئی تھی۔ علاوہ اس کے

اس میں ہاتھی دانت انڈیا ربڑ - معدنیات اور نباتات کے نمونے - دیسی باشندوں کے برتن اسلحہ - کپڑے اور اس ملک کو بھیجے جانے کے لائق چیزیں جمع کی گئی تھیں - دو نقشوں میں ۱۸۸۹ء اور سنہ ۱۹۰۱ء میں کانگو کی ترقی کے نمونے دکھلائے گئے تھے ؛

نیو کیلیڈونیا

نیو کیلیڈونیا کے خوشنما مکان میں قہوہ انڈیا ربڑ تمبا کو دینلا اور کسی اور گوندیں جو اس علاقہ کی پیداوار ہیں موجود تھے - معدنیات کے نمونے اور نکل تانبے کوبالٹ کے نکالنے کے طریقے دکھلائے گئے تھے - گورنمنٹ فرانس کو توقع ہے کہ اس سرزمین سے سونا - جست - چاندی - پارہ - لوہا - سرمہ - منگنیز اور سیسہ بھی ضرور برآمد ہوں گے - پتھر کا کوئلہ ابھی سے نکلنے لگا ہے - صندل شاہ بلوط اور روزوڈ وغیرہ لکڑی کی قسمیں نہ صرف تعمیر کے کام آتی ہیں - بلکہ ان سے ست نکالے جاتے ہیں جن کے نمونے یہاں رکھے ہوئے تھے - اور یہ مکان بھی نیو کیلیڈونیا کی لکڑیوں سے ہی بنایا گیا تھا ؛

فرانسیسی نوآبادیوں کی متعلق

فرانس کی نوآبادیوں کا دفتر بڑا عالیشان تھا - جسے نوآبادیوں کے پودوں سے خوب سجایا گیا تھا - اور فرانسیسی نوآبادیوں کی تاریخ کے متعلق تمام واقفیت کی کتابیں رسالے اور تصویریں یہاں موجود تھیں - جغرافیہ کی سوسائٹی نے بھی اس خاص صیغہ کے متعلق اپنی کتابیں یہاں رکھی تھیں - جن سے معلوم ہو سکتا تھا - کہ افریقہ میں خصوصاً نائیگر کے دہانہ پر شمالی سوڈان صحرائے اعظم نئی گنی یا فرنچ کانگو میں فرانس نے نوآبادیاں بسانے میں کتنی ترقی کی ہے - ایشیا کے متعلق کولونیل آفس نے صرف انڈوچائنز پنشولا - دریائے میکانگ اور یونن کی مہم ریلوے کی بابت بھی یہاں کتابیں تھیں - اس مکان کے ایک کمرے میں آٹھ ہزار کتابوں کا کتب خانہ تھا - فرانس کی نوآبادیوں کے متعلق کوئی قابل ذکر رپورٹ یا کتاب سرکاری یا پرائیویٹ نہ ہوگی - جو یہاں نہ ہوگی - غنیمت ہے کہ اب لارڈ کرزن بہادر نے کلکتہ کے وکٹوریہ ہال میں ہندوستان کے متعلق ہر قسم کی کتابیں جمع کرنے کا ارادہ کیا ہے - جس سے اہل ہند کو ہر قسم کی ہندوستانی واقفیت کے

ایک جگہ جمع ہو جانے سے بڑا آرام ملے گا۔ ایک دوسرے کمرے میں ایسے افسر ہر وقت موجود رہتے تھے۔ جو نو آبادیوں کے متعلق ہر قسم کی واقفیت تجارتی ہو۔ یا کسی اور قسم کی ہر شخص کو بہم پہنچاتے تھے۔ کیا ہندوستان میں ایک ایسے سنٹرل آفس کی ضرورت نہیں ہے۔ جو رعایا کی سہولت کے لئے کم از کم ہر قسم کے تجارتی اور تعلیمی معاملات (اگر دیگر امور سے قطع نظر بھی کر لیں) ایسی مفید معلومات بہم پہونچا کرے۔ جو ہر شخص کے لئے بآسانی معلوم کرنا ممکن نہ ہو۔ اگر سرکار ایسے کام کو اپنے ذمہ نہیں لے سکتی۔ تو کسی تجارتی یا علمی مجلس کو یہ کام سپرد کرنا مناسب ہوگا۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ کسقدر فائدہ ایسے دفتر سے لوگوں کو پہونچ سکتا ہے۔ علاوہ تاریخی ذخیرے کے فرنچ کونوئیل آفس نے ایک خاصہ تجارتی عجائب خانہ جمع کر دیا تھا۔ ایک کمرہ میں ان نامور فرانسیسیوں کے بت تھے کہ جنھوں نے فرانسیسی نو آبادیوں کی توسیع میں مدد دی تھی ؛

گائنا

فرنچ گائنا کی چھوٹی سی عمارت میں یہاں کی معدنی اور صحرائی پیداوار کے نمونے تھے۔ مہاگنی کی لکڑی یہاں کی مشہور پیداوار ہے اور اس مکان کا فرنیچر اسی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ زرد خاکی اور سبز آبنوس اور کئی دوسری قسم کی لکڑیاں خاصکر جو اسی ملک میں پیدا ہوتی ہیں کئی قسم کی گوند کپڑے بناتی بیل اور رنگنے کے مصالحے وغیرہ تھے۔ اس ملک میں سونا بہت نکلتا ہے۔ اس لئے کچا سونا اور فاسفیٹ اور سونے کے پتھر ہر قسم کے خالص بنے ہوئے سونے کے نمونے سب ہی تو موجود تھے۔ یہاں ایک چھوٹا سا سونے کا مینار بھی تھا۔ جس کے مختلف ٹکڑوں کی ضخامت سے اس ملک کے ہر سال کے سونے کی پیداوار کا اندازہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک جگہ سونے کی ایک کان کا نمونہ دکھایا گیا تھا۔ پرند جانور اور کیڑے مکوڑے بھس بھر کر رکھے ہوئے تھے اور مختلف قسم کے غلے بھی تھے۔ اور ایک خاص بالتصویر ہینڈ بک اس عمارت کی اشیاء کے مفصل حالات کی بھی چھاپی گئی تھی۔

سینی گال

سینی گال اور فرانسیسی سوڈان یہ علاقہ بڑا زرخیز اور سرسبز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے انواع و اقسام کے غلے اور دیگر

نباتاتی پیداوار یہاں کے مکان میں دکھلائی گئی تھیں - باجرا - مکئی اور چاول لوگوں کی خوراک ہے - روئی کے ریشے خوب مضبوط تھے - اس سے کپڑا عمدہ بنا جاتا ہے نیل اور کئی قسم کے درختوں کے نمونے تھے - اس علاقے سے ایک لاکھ اسی ہزار پونڈ سالانہ کا صرف گوند غیر ممالک کو بھیجا جاتا ہے - انڈیا ربڑ گراؤنڈ نٹ یہ دو چیزیں اور غیر ممالک کو جاتی ہیں انڈیا ربڑ کے جمع کرنے اور بنانے کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے - جو بہت دلچسپ تھے - دیسی باشندے ربڑ کے درختوں میں چاقو سے شگاف دے کران کے نیچے برتن رکھ کران میں رس یا دودھ جمع کر لیتے ہیں - اور اس سے انڈیا ربڑ بنتی ہے - ان وحشی اور کم مہذب ملکوں کے اسلحہ زیورات کپڑے اور دیگر دستکاریاں دیکھ کر کبھی انسان دنگ رہ جاتا ہے - کہ مدت کی کوشش کے بعد یہ بھی بعض چیزیں کیسی صفائی سے بنانے لگے ہیں - ان لوگوں کے فیٹش اور دیوتا اتنے تھے - کہ ان کا حصر کرنا مشکل ہے - ہر چیز لکڑی وغیرہ کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں - جنھیں فیٹش کہتے ہیں - اشانٹی کے باشندوں کو جولاہوں کا کام کرتے بھی دیکھا - کیسا ادنے قسم کا کارگہ اور کپڑا تھا - ان لوگوں کی عورتیں بھی یہاں تھیں - جو بالکل گائے بھینسوں کی طرح وحشی معلوم ہوتی تھیں - ان کی بولی بھی جانوروں کے چیخنے کی طرح عجیب تھی - اس مکان کی ایک طرف سینی گال کے نہایت سیاہ باشندے بھدے مٹی اور چھپر کے مکانات میں کپڑا بنتے - چاندی کے چھلے بناتے اور لوہار کا کام کرتے ہوئے تماشائی دیکھتے تھے - بلکہ اکثر لوگ اُن سے چھلے خریدتے تھے - اور ان میں کا ایک حبشی فرانسیسی زبان میں لوگوں کو دام بتلاتا تھا ؏

فرانسیسی ہند

فرنچ انڈیز کے نام سے جو تھوڑا سا فرانسیسی علاقہ ہندوستان میں ہے - اسکی نمائش علیحدہ تھی - یہ قدیم ہندو طرز تعمیر کا ایک مکان معلوم ہوتا تھا - جس میں ہندوستان کی دستکاریاں تھیں اور ہندوستانی جواہرات بیچنے والے ریشم کے کپڑے اور بتوں وغیرہ کے سوداگروں کی دکانیں تھیں اس میں لاہور کے بابو محمد بخش صاحب نے اپنے جواہرات کا پودا بغرض فروخت رکھا تھا - ایک مندر خالص ہندو طرز تعمیر کا اس کے قریب تھا - ایک ہندو تھیٹر بنایا

ہندوستانی کمپنی کا تماشا

گیا تھا۔ جس کی روکار سے ہندو طرز تعمیر صاف معلوم دیتی تھی۔ اور ایک تنگ کوچہ ہندوستان کی دوکانوں کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اسی ہندو کھیتر میں الہ آباد کی ہندوستانی تھیٹریکل کمپنی کو تماشے کرنے کی اجازت ملی تھی۔ مگر تعجب ہے کہ اس تھیٹر کے ختم ہونے میں اتنی دیر لگی تھی۔ کہ جب مجھے نمائش گاہ میں پہونچے ہفتہ عشرہ گزر چکا تھا۔ تب کہیں جاکر اس مکان کی تعمیر ختم ہوئی اور اس میں جو پہلا تماشا ہندوستانیوں نے کیا اتفاقاً اس وقت میں بھی موجود تھا۔ سورت کا ایک مسلمان جو میڈیغاسکر میں دکان کرتا تھا اور فرانسیسی خوب بولتا تھا۔ وہی مجھے لے گیا تھا۔ تھیٹر کے ایک ہندوستانی ملازم نے چاہا کہ ہمیں مفت تماشا دکھلائے۔ لیکن ہم نے منظور نہ کیا۔ ایک ایک فرانک کا ٹکٹ تھا۔ گو مجمع بڑا نہ تھا لیکن حاضرین کی داد دینے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ تماشا لوگوں کو بہت پسند آیا ہے بنگالی میجک پروفیسر دو ہندوستانی بھان متی۔ دو تین جمناسٹک کے کرتب کرنیوالے پوربئے۔ لٹو گھمانیوالا بنگالی جو تار پر لٹو چلاتا تھا۔ دو لکھنؤ کے ستار بجانے والے پانی کے بھرے ہوئے پیالوں سے لکڑی سے سریلی آواز پیدا کرنیوالا جسے جل ترنگ کہتے ہیں ایک شخص بھوسہ اور کپڑا کھانے والا منہ میں تلوار گھونپنے والا۔ بازی گر جو تلواروں اور چھریوں کے تنگ جھروکے میں سے صاف کود جاتا تھا۔ اور بید کے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں سر اور پیر داخل کر لیتا تھا۔ سات فیٹ کچھ انچ لمبا ہندوستانی اگر بہت دبلا نہ ہوتا تو خاصہ دیوزاد تھا (یہ یہانتک کمزور معلوم ہوتا تھا۔ کہ صاف بات اس کے منہ سے نہ نکلتی تھی۔ جس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ اتنا طویل القامت ہونا اس کا مرض ہوگا) اور اخیر میں ایک پنجابی اور دو ہندوستانی رنڈیاں سٹیج پر ناچیں۔ مجھے یہاں آکر معلوم ہوا کہ پنجاب اور ہندوستان کی رنڈیوں کے ناچنے میں بڑا فرق ہوتا ہے ایک سپلیتن ترک پہلوان نے غلام محمد مرحوم امرتسری سے کشتی قبول کی۔ کیونکہ ہندوستانی کمپنی نے اخبارات میں مشتہر کر دیا تھا۔ کہ جیتنے والے پہلوان کو معقول انعام دیا جائے گا لیکن کشتی جس روز ہوئی میں لنڈن چلا گیا تھا۔ پیرس میں واپس آیا تو معلوم ہوا کہ

پنجابی پہلوان وطن کو واپس جا چکے تھے۔ اور غلام اور قاراعلی کی کشتی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اور دونوں برابر رہے تھے۔ کہ پہلے روز اُن کی کشتی دوسرے روز کے وعدے پر چھڑا دی گئی۔ اور دوسرے روز ایک اور پہلوان کے دنگل میں اُترنے سے اُنھوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اور کشتی نہ ہوئی ؛

شب کی روشنی اور کرسیاں میں ہمیشہ نمائش گاہ سے سویرے ہی تھک کر مکان کو واپس جاتا تھا۔ اور کبھی وہاں دیر تک ٹھہر کر نمائش کو شب کی روشنی میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ۲۹ جولائی کو جو میں نے ہندوستانی کمپنی کے کرتب دیکھے۔ تو اس میں دیر ہو گئی تھی۔ باہر تمام نمائش برقی روشنی سے بقعۂ نور بنی ہوئی تھی شاٹو ڈو (قصر آب) پر قصر برق کی روشنی کا عکس پڑنے اور سامنے قصر ٹراکوڈیرو کی پانی کی روشنی تھی۔ ایفل ٹاور کی روشنی کی کچھ اور ہی شان تھی۔ دریا کی دور دیہ تمام عالیشان عمارات برقی روشنی سے جگمگاتی ہوئی کیسی بھلی معلوم ہوتی تھیں اور باغات کے چراغاں بوقلموں رنگوں کے جگنوؤں کی طرح چمکنے کا لطف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قلم سے ادا نہیں ہو سکتا۔ نمائش گاہ کے اس تمام وسیع میدان میں جو شانڈامار اور ٹراکوڈیرو میں قصر برق کے مقابل تھا۔ ہزارہا کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دن کو بھی کبھی تھکے ماندے لوگ ان پر بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن جس رات کو بڑی روشنی ہوا کرتی تھی اس رات تو ساری کرسیاں شام سے ہی رُک جاتی تھیں۔ اور بیٹھنے کے ساتھ ہی کرسیوں کی محافظ عورتیں فوراً کرایہ کے پیسے لینے اور ٹکٹ دینے کو آموجود ہو جاتیں۔ یہ پیسے دے کر اختیار ہے کہ آدھی رات تک بیٹھے رہو۔ یا جب جی چاہے۔ اُٹھ جاؤ۔ یہی حال پیرس کے بڑے بولوار شانزلیزی کی کرسیوں کا تھا ؛

گواڈی لوپ گواڈے لوپ ایک پُرانی فرانسیسی آبادی کے مکان میں شکر کی بہت عمدہ نمائش تھی۔ جو اس علاقہ کی سب سے بڑی پیداوار ہے۔ یہاں شکر بنانے کی بڑی بڑی کلیں نصب کی گئی تھیں۔ یہاں شکر بہت عمدہ قسم کی سفید شفاف بنتی تھی۔ کافی کوکو۔ نیلا گرم مصالحے وغیرہ اس نو آبادی کی دوسری

پیداواریں ہیں۔ آننناس۔ کیلا اور کئی قسم کے آم بھی اس مکان میں موجود تھے۔ جو اس نوآبادی میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور فرانس میں اور میوؤں کے ساتھ جہازوں پر صحیح سلامت پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان جہازوں میں اسی غرض کے لئے ریفریجریٹنگ چیمبرس (یعنی ٹھنڈا رکھنے والے کمرے) بنائے گئے ہیں۔ کیا ہندوستان کے آم اور کیلے فرانس اور انگلستان وغیرہ ممالک میں اسی قسم کے جہازوں میں ولایت تک تازہ نہیں پہونچ سکتے؟ ضرور پہنچ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی اُلوالعزم میوہ کا تاجر یا تاجروں کی جماعت ادھر متوجہ ہو۔ اور انگلستان کی جہازراں کمپنی کو ادھر توجہ دلائے۔ ہندوستان میں جتنے میوے اب پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے بہت زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اور لاکھوں روپیہ کے یورپ میں بک سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند دستکاریاں اور ملک کے جانوروں وغیرہ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔ نمائش گاہ کی اکثر عمارت کی طرح یہاں کے منظروں کے فوٹوگرافوں کا ایک چکر پھرنے والا اسٹینڈ یہاں بھی رکھا ہوا تھا۔

ایک اور فرانسیسی بستی

مارٹینیک (کہ جسے ۱۹۰۲ء کے زلزلہ سے سخت صدمہ پہنچا تھا) بھی ایک قدیم فرانسیسی نوآبادی ہے۔ جس پر بعض اوقات ۱۷۶۲ء اور ۱۸۱۶ء کے مابین انگریزی قبضہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ بڑا سرسبز جزیرہ ہے اور یہاں بھی قہوہ نیشکر اور ونیلا کی زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ اس مکان میں قہوہ کی تمام صورتیں خام۔ بُھنا ہوا۔ اور پِسا ہوا۔ جابجا دکھلائی گئی تھیں۔ جزیرہ کے پانچویں حصہ میں نیشکر بویا جاتا ہے۔ اس لئے نیشکر سے لے کر اس کے رس کی ہر صورت یعنی شیرہ شکر اور رم (شراب) وغیرہ علیحدہ علیحدہ دکھلائی گئی تھیں کوکو کے دانے اور مٹھائی بنانے کا طریق بھی بتلایا تھا۔ روئی۔ مکئی۔ بادام۔ کیلا۔ اور معدنیات کے نمونے بھی تھے۔ دیسی باشندوں کی عکسی تصاویر کے علاوہ اس ملک کا ایک خاص ناچ "لمبولا" موجی بتوں کے ذریعے سے دکھلایا گیا تھا۔ ایک فونوگراف میں یہاں کے باشندوں کے گیت بھی بند کئے گئے تھے۔

لاری یونئین

لاری یونئین ایک اور فرانسیسی نوآبادی کا مکان وہاں کی زراعتی اور جنگلات کی پیداوار کے نمونوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں بھی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ نیشکر ونیلا قہوہ کوکو۔ تمباکو۔ گرم مصالحے۔ کونین۔ ربڑ وغیرہ کے نمونے تھے۔ اس جزیرہ میں بھی گائنا کی طرح ہندوستانی قلی بہت ہیں کہ جن میں سے بعض وہیں رہ پڑے ہیں۔ یہ لوگ پہلے نیشکر کے کھیتوں میں کام کرنے کے لئے گئے تھے۔ لیکن اب گورنمنٹ ہند نے سوائے انگریزی مقبوضات کے ہندوستانی قلیوں کا بھرتی ہوکر جانا بند کر دیا ہے

مختلف نوآبادیاں

ایک اور مکان میں فرانس کی کئی ایک چھوٹی نوآبادیوں مثل سینٹ پیٹر میکیلن فرانسیسی شمالی لینڈ۔ مٹوٹ اور اوشینیا وغیرہ کی پیداواریں اور دستکاریاں دکھلائی گئی تھیں یہی سینٹ پیٹر ہے۔ جو ۱۹۰۲ء کے زلزلہ کے صدمے سے برباد ہوگیا تھا۔ یہاں جزائر کورو کے ایک کارخانہ شکر کا دیوراما بہت دلچسپ تھا۔ ہرچند کہ ہندوستان میں کئی جگہ کھانڈ بنتی ہے۔ مگر سب جگہ وہی پرانا طریقہ چلا آتا ہے۔ جیسا کہ روہیلکھنڈ میں مَیں نے دیکھا ہے۔ لیکن اگر ایسی مشینری استعمال کی جائے۔ تو یقیناً کم خرچ سے عمدہ شکر تھوڑے وقت میں تیار ہوسکتی ہے۔ فرانسیسی شمالی لینڈ کے بندرگاہ جبوتی سے جو مال تجارت مثل سونے ہاتھی دانت۔ قہوہ۔ چمڑہ اور ابی سینیا کے لئے اور اسلحہ روئی اور دیگر ریشے اور موتی وغیرہ یورپ کے لئے گزرتا ہے۔ دکھلایا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی پتھر کی سیڑھی میں ہاتھی دانت کا کام شمالی لینڈ کا بہت خوشنما تھا۔

آدمی کی کھوپریوں کا مینار

ڈھومی بھی فرانسیسی مقبوضہ ہے اس کے مکان کا دروازہ ایک بلند مینار کے بیچ میں سے نکالا گیا تھا۔ جو یہاں کے بڑے شہر ابومی کے "قربانی کے مینار" کی صحیح نقل تھا۔ اور اس کی چھپر کی چھت پر جو لکڑیوں کے سروں پر انسانی کھوپریاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ واقعی ڈھومی کے غلاموں کی تھیں۔ کہ جنھیں بادشاہ نے ایک دن میں قتل کیا تھا۔ اندر سے بھی اس مکان کو آرائش کے انھیں نمونوں سے سجایا گیا تھا۔ جو اہل ڈھومی میں مروج ہیں۔ اور اسی

لئے مکان نہایت مہیب معلوم ہوتا تھا - اس میں اس ملک کی معلومات کے متعلق کئی کتابیں رپورٹیں اور نقشے اور فوٹوگراف رکھے ہوئے تھے - پاس کے کمرے میں اس ملک کے لوگوں کے فیشن پرستی کی اچھی خاصی عجائب گاہ تھی - یہ لوگ ہر ایک بھینگم سی چیز کو قابل پرستش سمجھ کر پرستش کرنے لگتے ہیں - خواہ لکڑی کا ٹکڑا ہو یا پتھر کا کوئی نمونہ ان چیزوں کو دیکھ کر خیال ہوتا تھا - کہ انسان کی عقل یہانتک پست ہوسکتی ہے - یہاں شاہ ابومی کا تخت اور اس کے کپڑے اور سزا دینے کے آلات بھی رکھے ہوئے تھے - کبھی کبھی اس ملک کا جادو کے زور سے علاج کرنے والا حکیم بھی آکر اپنے لغو طریقے دکھلاتا تھا - مگر میں نے نہیں دیکھا - ان کی تین چار عورتیں اور مرد بھی یہاں موجود تھے -

آیوری کوسٹ

آیوری کوسٹ کے لئے ایک علیحدہ عارضی مکان بارک کی طرح کا بنا ہوا تھا - جو نمائش کے بعد کھولکر اس علاقہ میں کام آنے کے لئے بھیجدیا گیا ہوگا - اس ملک میں مہاگنی کی نہایت مضبوط لکڑی انڈیا ربڑ کھوپرے کا تیل اور سونا بھی زیادہ پیدا ہوتا ہے - اور یہاں انھیں چیزوں کی نمائش کی گئی تھی مہاگنی کی لکڑی کے طرح طرح کے ٹکرے رکھے ہوئے تھے انہی باشندوں کے سونے کے بھدے زیورات کا بھی ذخیرہ تھا - دیسی باشندوں کی شکلوں اور صورتوں سے تماشائیوں کو واقف کرنے کا بھی اچھا سامان کر دیا تھا - دیواروں پر بہت سے نقشے آویزاں تھے - ایک نقشے میں مختلف رنگوں سے بتلایا گیا تھا - کہ اس ملک کے کس کس حصہ میں کیا کیا پیداوار ہوتی ہے ؎

فرنچ گنی

فرنچ گنی کا مکان اس ملک کے اصلی باشندوں کی طرح کے دو منزلہ گول جھونپڑے چھپر کی چھت کے تھے - یہ چھپر سرے پر ایک ایک نوک پر جاکر ختم ہوتا تھا - سپاریاں کولانٹ - مختلف قسم کی لکڑیاں سونے کی رنگ - ہاتھی دانت اور سپارنٹو گھاس کی چیزیں بطور پیداوار دستکاری کی دکھلائی گئی تھیں - اس مکان کے سامنے ایک مٹی کا بلند تودہ دیسیوں کے قطعہ کی طرح بنا کر اس میں دو ناریل کے درختوں اور پشتہ پر چھپر ڈال کر گائنا کی پولیس

اور ملیشیا کا نمونہ دکھلایا تھا۔ سامنے ایک کھیتی میں دلیسیوں کی کھیتی باڑی اور فصل کا نمونہ دکھلانے کے لئے۔ باجرا۔ کیلا۔ چاول۔ قہوہ۔ کوکو۔ انڈیا ربڑ اور گوبھی کے پودے بو رکھے تھے۔

انڈوچائنا فرانسیسی افریقن نوآبادیوں کے مکانات کو اگرچہ جُدا جُدا طرز پر بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن یہ دکان اندر بہت بھدّے اور سب ایک ہی وضع قطع کے تھے۔ لیکن فرانسیسی انڈوچائنا کی عمارتیں کیا بلحاظ ظاہری صورت اور کیا بلحاظ اندرونی حالت کے بہت دلچسپ تھیں۔ فرانسیسی علاقہ انڈوچائنا جو ایک گورنر جنرل کے ماتحت ہے کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ اس میں کوچن چائنا کمبودیا۔ لاؤس۔ انام اور ٹانکیں شامل ہیں اور فرانس نے انڈوچائنا کی نمائش کے لئے پانچ ہی مکانات بھی تعمیر کئے تھے۔ (۱) انڈوچائنا کی پیداوار کا مکان۔ چولوں کے پکوڈا کی نقل تھا۔ (۲) فنون و دستکاری کا مکان کولوا (ٹانکین) کے محل کا نمونہ تھا۔ (۳) جنگلات کی پیداوار کا مکان ایک انامی گھر کی شکل کا تھا۔ (۴) پنوم پینہ نام کی پہاڑی اور شاہی مندر کی نقل تھا۔ (۵) انڈوچائنا تھیٹر۔

(۱) انڈوچائنا کے بڑے آباد چینی شہر چولوں میں یہ مندر عجائبات سے سمجھا جاتا ہے۔ اس میں تمام فرانسیسی علاقہ کی زراعتی پیداوار اور دستکاریوں کے نمونے جمع کئے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ چاول۔ چائے۔ قہوہ۔ کوکوا۔ موم شہد۔ نیشکر۔ نیل۔ رنگدار لکڑیاں۔ روئی۔ تیل۔ اخروٹ۔ مچھلی ہاتھی دانت ہڈی۔ مختلف سوتی کپڑے۔ پودے۔ ریشم کچا۔ افیون۔ تمباکو۔ دیاسلائی۔ نمک۔ مچھلی سیپ۔ چٹائیاں۔ اسلحہ۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ ٹین۔ پتھر کا کوئلہ۔ گاڑیاں۔ پالکی باجے وغیرہ دیواروں پر کئی نقشے ان ممالک کے شہروں اور اس میں فرانسیسی ترقی کے تھے۔

(۲) فنون اور دستکاری عمارت میں انڈوچائنا کے ڈرائنگ کتبے کتابیں۔ اور تصویریں چھتریاں۔ پنکھے چلمنیں۔ ریشم پر کام۔ زردوزی کام۔ کچھوے کے چھلکے پر کام۔ فرنیچر کھلونے لے کر (ایک قسم کا جاپانی روغن) کے برتن۔ پروں کی چیزیں

چینی اور مٹی کے فینسی برتن۔ ٹوکریاں۔ لباس ۔ اور ساز وغیرہ گلاس کیسوں میں تھے ۔ (۳) جنگلات کے سامان کا انامی شکل کا مکان جو واقعی انام میں بنایا گیا تھا اور جو یہاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے لائے تھے ۔ ایسے مکانات دولتمند انامی سوداگروں یا حکام کے ہوتے ہیں ۔ انگریزی نوآبادی سنگاپور کی طرح یہاں کی سرکاری آمدنی کا بھی بہت سا مدار جنگلات کی پیداوار پر ہے ۔ مگر لکڑیوں کے سب نمونے ایسے تھے جو ہم لوگ نہیں جانتے ۔ (۴) پنوم کے مینار کی عمارت واقعی بڑی عجیب تھی۔ ایک دو منزلہ مکان کے برابر بلند پہاڑی پر ایک بہت بڑا گنبد بنایا گیا تھا۔ جو ظاہرا ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے پتھر میں کھود کر بنایا ہے۔ چاروں کونوں پر چار بڑے بڑے قوی ہیکل دیو بنائے گئے تھے۔ دہلیز کے قریب ایک چھ فٹ بلند بودھ کا سنہری بت نروان کی حالت میں رکھا گیا تھا۔ بہت سی سیڑھیاں چڑھ کر اس دروازہ تک پہنچتے تھے۔ مکان کے اندر کی تعمیری آرائش میں جنگلات کے پھل اور پھول اور بودھ کی مورتیں تھیں۔ بیچ میں ایک غار تھا جس کے کمبودیا کے کئی نظاروں کے ڈایوراما اور ایک سینومیٹوگراف تھا۔ یہیں وہاں کے باشندوں کے چند موم کے بت دیسی لباس میں تھے ۔ اور وہاں کے جانوروں کے نمونے بھی تھے ۔ کچھ مذہبی رسوم کی متعلقہ چیزیں۔ موم بتیاں اور کچھ اور بڑے بڑے بت بودھ کے تھے ۔ پجاریوں کے چھوٹے سے مکان کے پاس چند بانس کی پھچیوں کے چھپر کمبودیا کے ایک موضع کا نقشہ دکھلانے کے لئے بنائے گئے تھے لیکن ایک اور نہایت عجیب چیز دکھلائی گئی تھی ۔ جو ایک چھوٹا سا سفید ہاتھی تھا۔ جو گورنر جنرل انڈو چائنا کی درخواست پر ایک فرانسیسی سوداگر لوگوں کے دکھلانے کو یہاں لایا تھا ۔ گو اس کا رنگ سفید تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ زردی مائل بھورا سا تھا۔ مگر کہتے ہیں۔ کہ سچ مچ کا سفید ہاتھی کہیں ہوتا بھی نہیں جس سفید ہاتھی کی برہما انام کوچن چائنا اور کمبودیا کے بادشاہوں تک پرستش کرتے تھے اور اُسے سونے کے برتنوں میں کھانا دیتے تھے ۔ اور وہاں کے باشندے اب تک اسے بادشاہ سے بھی زیادہ بودھ کا مقرب سمجھتے ہیں ۔ وہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی زیارت سے نمائش

سفید ہاتھی

پیرس کے دیکھنے والے بھی مستفید ہوئے۔ انڈو چائینز تھیٹر میں کمبودیا کی عورتیں اور مرد تماشے کرتے تھے مگر مجھے دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ لیکن اس کے قریب ہی ایک جگہ انام کیمن کے رہنے والوں کے آٹھ دس جھونپڑے تھے۔ جن میں یہ مرد اور عورتیں چٹائیاں بنانے ریشم بننے زردوزی اور سیپ کھودنے کے کام میں مشغول تھے۔ انامی لوگ کو بہت چھوٹے قد کے اور دُبلے پتلے ہوتے ہیں۔ مگر ان کے چہروں سے ذہانت ٹپکتی ہے۔ ان کے مقابلہ میں کمبودیا کے لوگ گو قد آور تھے۔ مگر بھدّے معلوم ہوتے تھے۔ انامیوں کا لکڑی میں سیپ کا کام بہت عمدہ تھا؛

ہندوستان کا محل

انگریزی مقبوضات اور آبادیوں میں ہندوستان کا محل بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت عربی اور ہندوستانی طرز تعمیر کی تھی اس کے داخلہ کے دروازہ کے گرد دو گول گنبدوں والے مینار تھے۔ میں نے اس مکان کو دو تین دفعہ دیکھا۔ تحتانی منزل میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی دستکاریوں کے نمونے سجے ہوئے تھے۔ برہما کا بہت بڑا لکڑی کا کھلا ہوا دروازہ بہت نفیس تھا۔ سورت کا لکڑی کا کام بھی عمدہ تھا۔ پنجاب کا پیپر میشی اور کشمیر کا چاندی اور تانبے اور میناکاری کا کام آگرہ اور کشمیر وغیرہ جگہوں کے قالین۔ جودھپور کا ہاتھی دانت کا کام۔ میسور کی چوبی میزیں ہاتھی دانت کا باریک کام بھاؤنگر اور مدراس کی چاندی کی چیزیں سب خوشنما نہیں۔ بنگالہ کی سوزن کاری۔ ملتان اور ٹراونکور کے مٹی کے روغنی برتن کا نمونہ اور میرٹھ کا صابن اور سیلون کے موتی بھی منجملہ اور چیزوں کے موجود تھے۔ بہ ہیئت مجموعی ہندوستان کا لکڑی پر کھودنے کا کام کئی یورپین ممالک سے بھی بہتر تھا۔ گو نمونے اور وضع اچھی نہ ہوں داخلے کے قریب ہی کئی قد آدم بت ہندوستان کے فوجی سپاہیوں کے کھڑے تھے۔ جو بہت شاندار اور قد آور معلوم ہوتے تھے۔ مکان کے بیچ کے حصہ میں ہندوستان کے جنگلی جانوروں کا ایک جنگل بنایا گیا تھا۔ جس میں ہاتھی شیر۔ چیتے ریچھ۔ بھیڑیئے۔ لومڑی وغیرہ جانوروں کے مجسمے بھس سے بھرے ہوئے قدرتی ہیئت میں کھڑے تھے۔ چند ہندوستانیوں کی دکانیں بھی تھیں۔ ایک پارسیوں کے کپڑے

اور دھات کے برتنوں یعنی انڈین کیوری آسی ٹینز کی ایک اچار اور
چٹنیوں کی بھی - میں نے یہ بھی سنا تھا کہ یہ پارسیوں کی دکانیں بیس بیس
سال سے لنڈن میں ہیں - مگر انھیں کامیابی نہیں ہوئی - سر ٹامس لپٹن اور
انڈین ٹی الیسوسی ایشن کی چائے کی دکانیں تھیں - اس الیسوسی ایشن نے جو
ہندوستان کے یورپین باغات چائے کے مالکان کی قائم مقام ہے - یہیں چائے
پلانے کا ایک قہوہ خانہ کھول رکھا تھا - یہاں یورپین عورتوں نے اپنے سروں پر چھوٹی
چھوٹی پگڑیاں ہندوستان کی نقل کے طور پر باندھ رکھی تھیں اگر الیسوسی ایشن کو ہشیار
ہندوستانی نوکر مرد یا عورتیں اس کام کے لئے ملتے تو خوشی سے رکھتی - چنانچہ انھیں
میں ایک شخص گلاب شاہ نامی پنجابی چائے پلانے پر ملازم تھا - وہ کہتا تھا میری تنخواہ
قریباً سوا سو روپیہ ہے - اور جو لوگ چائے پیتے ہیں وہ بطور ریٹ کے اور بھی کچھ دے
جاتے ہیں - یہ لنگی اور کلاہ بڑے فخر سے باندھتا تھا - اور زیادہ تر لوگ اسی سے آکر چائے
مانگتے تھے - ایک کلکتہ کی رسیوں کی دکان بھی تھی جس نے ہر قسم کے موٹے اور باریک
رسیوں سے ایک محراب بنا رکھی تھی ایک فرخ آباد کا بنیا چھیپی کی دکان لے گیا تھا
دو باپ بیٹے وہ تھے اور ایک پردے چھاپنے والا نوکر ساتھ تھا - چونکہ کوئی سامان اور
مشین پردے چھاپنے کے لئے اسے درکار نہ تھی - اور نہ سوائے تین آدمیوں کی خوراک
کے اسے کچھ اور خرچ پڑتا تھا - اس لئے یہ کہتا تھا کہ میرا کام اچھا چل رہا ہے - کچھ
لدھیانہ سے بھیجی ہوئی پھلکاریاں اور موٹا پشمینہ کا سامان بھی ساتھ تھا چونکہ یہ بنیا تھا
اور سوائے پیرس کے آلو خریدنے اور وہاں کا پانی پینے کے باقی ہر کھانے کی چیز فرخ آباد
سے منگواتا تھا - اور خود کھانا پکاتا تھا - اس لئے بھی اس کا خرچ غیر معمولی طور پر کم ہوتا ہوگا
ہندوستانی تھیٹر کمپنی کا خرچ تنخواہوں کا بہت زیادہ تھا - مثلاً ایک پہلوان کو ہزار
اور ایک اور کو سات سو روپیہ ماہوار - اور ایک ایک رنڈی کو آٹھ آٹھ دس دس سو
روپیہ ماہوار دیتے تھے - ایک بھان متی کو سو روپیہ - ہاں یہ کمپنی کچھ کاریگر بھی ساتھ لے گئی تھی جنکو
فرنچ انڈیا بازار میں - میں نے کام کرتے دیکھا تھا - انمیں سے ایک مٹھائی بناتا تھا

ایک مٹی کے کھلونے - ایک میاں نذیر حسین دہلی کے مصور تھے - جو ہاتھی دانت کی پلیٹ پر بہت عمدہ منی ایچر یعنی چھوٹی سی تصویر بناتے تھے - ان کے کام کو اچھے اچھے یوربین مصور پسند کرتے تھے اس کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے - بلکہ یہ کمپنی مراد آباد - بنارس و کشمیر کے پیتل اور تانبے کے برتن خورجہ اور بلند شہر کا آبنوس اور ہاتھی دانت کا کام اور کچھ ہندوستانی سامان بھی لے گئی تھی مگر میں نے اس کے ملازموں سے یہی شکایت سنی کہ کچھ بکری نہیں ہوتی ہندوستان کے قصر نمائش کی دوسری منزل پر ہندوستان کی زراعت معدنیات و جنگلات کی پیداوار کی نمائش تھی - ابرک کے بڑے بڑے ٹکڑے آدھ گز تک کے میں نے یہیں دیکھے تھے - سیڑھیوں کے مقابل دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کا نظارہ مع امام صاحب کی تصویر کے ایک اچھا مرقع تھا - اور چند ہندوؤں کے دیوتاؤں کی بھی تصویریں تھیں اگر نہیں تھی تو اس مکان میں ایک بھی مشین کسی قسم کی نہ تھی ؎

سیلون ہندوستان کے قریب سیلون کی علیحدہ عمارت میں بہت سی بیش قیمت اور خوبصورت چیزیں اس جزیرہ کی پیداوار کی تھیں - جواہرات اور زیورات خصوصاً سیلون کے موتیوں کا ذخیرہ تھا - قریب کے قہوہ خانے سے سیلون کی چائے کی پیالی بھی بہ قیمت مل سکتی تھی -

کینیڈا کینیڈا - اور آسٹریلیا کی قابل نمائش چیزیں ایک ہی عمارت میں تھیں - جسے کولونیل بلڈنگ کہتے تھے - اور اسی میں جبرالٹر برٹش ہانڈورس ونڈورو آئیلینڈس - ٹرینی ڈاڈ ٹوباگو فاکلینڈ آئلینڈس سیرالیون گولڈ کوسٹ لاگوس سینٹ ہلینا - ملاکا - ہانگ کانگ نیوگنی اور جزائر سٹینڈ ٹچ وغیرہ کی بھی کچھ کچھ چیزیں تھیں - فرانس کی طرح انگلستان اگر ہر نو آبادی - یا مقبوضہ علاقہ کے لئے الگ الگ مکان بناتا اور اسی کوشش سے ان میں وہاں کی چیزیں لاکر رکھتا تو نمائش میں کسی اور ملک کے لئے جگہ ملنی مشکل ہو جاتی کینیڈا میں بالکل یورپ کی طرح اشیائے صنعت و حرفت بنتی ہیں - بائیسکل ٹائپ رائٹر - باجے وغیرہ

وغیرہ معدنی اور زراعتی پیداوار بہت چیزیں علیحدہ علیحدہ تھیں - گیہوں کا بہت بڑا ڈھیر ایک شیشہ کے صندوق میں پڑا تھا - ایک انبار آٹے کا بھی تھا - کیونکہ گزشتہ چند سال میں کنیڈا میں گیہوں کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے - اور کنیڈا سے بھی اضلاع متحدہ امریکہ کی طرح گیہوں غیر ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے - کنیڈا کے جنگلی جانور بھی بھس بھر کر دکھلائے گئے تھے - سفید بھیڑیا ریچھ سفید اور کئی قسم کی مچھلیاں تھیں - وہیل مچھلی یعنی دریائی بچھڑا اس سے پہلے سوائے تصویر کے میں نے نہیں دیکھا تھا - اس کا سر باقی جسم سے خاصا الگ اور اونچا اٹھا ہوا ہوتا ہے - جنگلی جانوروں کی کھال پوستین اور سموروں کی بھی کثرت تھی - چونکہ کنیڈا ابھی بہت سا غیر آباد ملک ہے اور گورنمنٹ برطانیہ اور نیز گورنمنٹ کنیڈا چاہتی ہیں کہ لوگ وہاں جاکر آباد ہوں گورنمنٹ نوآباد کاروں کو طرح طرح کی ترغیبیں زمین مفت دینے وغیرہ کی دیتی ہیں - یہاں کنیڈا کے متعلق ایک خاصی ریفرینس کی لائبریری - جیا تھی جس سے خصوصًا کنیڈا میں جاکر آباد ہونے والوں کو ہر قسم کی واقفیت حاصل ہو سکتی تھی کنیڈا کی ریلوں اور جہازی کمپنیوں کے راستوں کے چارٹ (نقشے) بھی تھے؞

آسٹریلیا آسٹریلیا کی اشیاء نمائش میں معدنیات کے نمونے بہت تھے - سونا چاندی - جست - ٹین کے نمونے موجود تھے - گذشتہ پچاس سال میں اس نوآبادی سے کس قدر سونا برآمد ہوا ہے - تیل اور لکڑی کے نمونے بھی تھے - خصوصًا پشم کے کہ جو گوشت کے علاوہ اس ملک کی بڑی پیداوار ہے؞

جاوا و سماٹرا ڈچ انڈیا کا مکان پچیس سو مربع گز رقبہ میں تھا - اور ہالینڈ نے اس میں اپنے مشرقی مقبوضات جاوا اور سماٹرا وغیرہ کی نمائش کے لئے تین مکان بنائے تھے - ان میں سے جاوا کے مندر چاندی ساری کی نقل بودھ طرز تعمیر کا اعلےٰ درجہ کا نمونہ تھا - جاوا میں اس مندر سے پلاسٹر کے ٹھیک نمونے اتار کر یہ مکان بنایا گیا تھا - اور جاوا کے بورو بدھو کے مشہور

مندر سے بودھ دیو کی زندگی کی مختلف حالتوں کی ساٹھ میٹر لمبی باس ریلیف (ابھری ہوئی مبنت) تصاویر کا مجموعہ نقل کیا گیا تھا۔ اس کے احاطہ کی دیوار پر بودھ کے بہت سے بت بنا کر جابجا رکھے ہوئے تھے۔ جس سے دور سے دیکھنے والوں کو اس مکان کے اندر داخل ہونے کی بڑی ترغیب ہوتی تھی۔ مکان کے اندر نہ صرف وشنو اور شو کے بہت سے بت تھے۔ بلکہ ہندوؤں کی طرز تعمیر سے عمارت کو جابجا آراستہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت کی ہر دو جانب پہلوؤں میں دو مکانات اہل سماٹرا کی رہائشی مکانات کی طرز کے تھے۔ جن کی پیشانی پر لکڑی کی کھدائی کے کام تھے اور چھپروں کی چھتیں تھیں یہ چھپر کسی باریک قسم کی روئیدگی یا گھاس سے بنائے گئے تھے۔ جسے میں شناخت نہ کر سکا مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ گھوڑے کی دم یا لکڑی کے موٹے موٹے ریشے ہیں۔ ان مکانات کے اندر کچھ نمونے ان ملکوں کے باشندوں کے خس پوش مکانات کے بھی تھے۔ جو کھجور کے پتوں کے چھپر معلوم ہوتے تھے۔ ان مکانات میں سے ایک میں ہالینڈ کے کولونیل قلعبندی کے نقشے۔ جنگی ہسپتال۔ بحری اور فوجی سامان تھے۔ اور بہت سے چارٹ اور فوٹوگراف آویزاں تھے۔ دوسرے میں مقبوضات ڈچ کی زراعت معدنیات اور وہاں کی مختلف اقوام کی شکلوں اور ستر ہندو دیوتاؤں کے مٹی کے بت تھے۔ پاس ہی جاوا کے ناچ لیلا کے شائقین کے بھیس بدلنے کے بھدے سامان اور کاغذ اور سنہری پتر کے ٹکٹ جمع کئے گئے تھے اہل جاوا اور سماٹرا کی بھی تیسری چوتھی انگلی اور انگوٹھے کے ناخن چینیوں کی طرح بڑھے ہوئے دیکھے گئے ؛

ٹرنسوال

ٹرنسوال کا اسی نواح میں ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔ جس پر بوئروں کا جھنڈا اڑ رہا تھا۔ اور چونکہ وہ جنگ کے شروع ہونے سے پیشتر کا بنا ہوا تھا۔ اس لئے علیحدہ مکان تھا ورنہ ضرور انگریزی نوآبادیوں اور مقبوضات میں ہی ٹرنسوال کی اشیاء بھی رکھدی جاتیں یہ دو منزلہ مکان اٹھارہ سو مربع گز کے رقبے پر تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہ پر ٹرنسوال کے

متعلق مکانات تھے۔ ایک مکان بوئروں کے فارم کے نمونہ کا تھا۔ کہ جن فارموں کا حال چند سال سے لوگ اخباروں میں بکثرت پڑھ چکے ہیں۔ بوئر فارم اور بڑے مکان کے مابین بوئروں کے آلات کشتکاری تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ چالیس برس پہلے کے بھدے سے آلات اور چھکڑے بھی تھے۔ مگر سب سے دلچسپ ٹرینسوال کا وہ مکان تھا جس میں سونا نکالنے کی ترکیب دکھلائی جاتی تھی۔ اس کا ذکر ذرا آگے چلکر آئیگا ٹرینسوال کی نمائش کے مکان میں زیادہ تر اس ملک کے غلوں اور نباتات و معدنیات کے نمونوں اور بھیڑیوں وغیرہ کی جنگلی جانوروں کی کھالوں کا مجموعہ تھا۔ اس ملک کے اصلی باشندوں کی چیزیں مثل ڈھال و تیر و کمان کے اور اُن کے بُت تھے۔ ایک جگہ بوئروں کے سررشتہ تعلیم کے نقشے آویزاں تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ ٹرینسوال میں تعلیم خوب ترقی کر رہی تھی سنہ ۱۹ئہ میں کل اٹھارہ ہزار طلبا ٹرینسوال کے مدارس میں ہر قسم کے مضامین پڑھتے تھے۔ جن میں مردہ زبانیں عبرانی اور یونانی بھی بعض لوگ سیکھتے تھے۔ اور فزک کمسٹری اور جیالوجی سیکھنے والے طلبا بھی تھے۔ لیکن سارے مکان میں دلچسپ بات یہ تھی کہ بڑے کمرے

کروگر کا بُت

کے عین وسط میں پریسیڈنٹ کروگر کا ایک بت ایک پیڈسٹل پر رکھا ہوا تھا۔ اور بوجہ جنگ کے اس کے گرد پھول اور پتے بکثرت لٹکا دیئے گئے تھے۔ لوگ اس پر پھول کے ہار بھی چڑھاتے تھے۔ جیسے کہ مُردہ کے عزیز مردہ کی قبر پر چڑھاتے ہیں۔ اور سیکڑوں نام کے کارڈ ان پتوں کے ساتھ یورپین تماشائیوں نے ٹانگ دیئے تھے۔ انہیں سے اکثر کارڈوں پر فرانسیسی اور ایک جگہ انگریزی میں بھی لکھا ہوا تھا۔ "شاباش بہادر" تمھاری بہادر قوم زندہ رہے اس سے اندازہ ہو سکتا تھا۔ کہ یورپ میں جنگ ٹرینسوال کی وجہ سے بوئروں سے بہت لوگوں کو اور خصوصاً فرانسیسیوں کو ہمدردی تھی۔ اور انگریزوں سے اُسی قدر بغض و حسد تھا۔ ہندوستان کی مکئی ٹرینسوال میں چھوٹی مکئی کہلاتی ہے۔ وہاں کی بڑی مکئی کا دانہ بہت چوڑا اور بڑا تھا۔ میری نوٹ بک میں اتنا بڑا خاکہ کھینچا ہوا ہے؛



سونے کی کان کی سیر

چونکہ ٹرینسوال کی ناموری اور دولت کا تمام مدار سونے کی برآمد پر ہے - اس لئے سونے کی حرفت تفصیل کے ساتھ دکھلائی گئی تھی - اور سونا نکالنے کی ہر منزل کو دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی سونے کی کانوں کی پوری کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے زیر زمین لمبی چوڑی کان کھود کر اسمیں ٹرینسوال سے لائے ہوئے سونے والے پتھر کا چورہ جا بجا پھیلا دیا گیا تھا - ایک فرانک کا ٹکٹ لے کر میں بھی کان میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے چھتری لے کر رکھ لی - اور مجھے ایک ایسی لکڑی پر بٹھلا کر کہ جس کی صورت کچھ اس طرح پھسلواں



تھی اور جسے سلائڈ کہتے تھے نیچے کو دھکیل دیا اس لکڑی کا ڈھلاؤ بارہ چودہ گز سے کم نہ ہوگا - اور بوجہ ڈھلواں اور پھسلنی ہونے کے جس شخص کو گھوڑے کی طرح دونوں ٹانگیں اس کی دونوں طرف کر کے بٹھلا دیا جاتا وہ دم زدن میں کان کی سطح پر جا کر کہ جہاں تک یہ لکڑی جاتی تھی - رک جاتا - دفعتاً تو مجھے نیچے پھسلتے ہوئے ڈر سا لگا - لیکن ابھی یہ خیال ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا - کہ میں نیچے پہونچکر زمین پر کھڑا ہو گیا - جو کانیں زیادہ گہری نہ ہوں ان میں نیچے اترنے کا اس سے سہل طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے - نیچے ایک پارٹی پہلے ہی ایک گائڈ کے ہمراہ جس کے سر پر ٹوپی میں چراغ جڑا ہوا تھا - کان کے دیکھنے کو جا رہی تھی میں بھی ان میں شریک ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پورے طور پر زبان نہ جاننے کی وجہ سے کچھ پوری طرح سمجھ میں نہ آیا - گائڈ آگے آگے کان میں مختلف طریقے کھودنے کے دکھلاتا جاتا تھا - جا بجا کان کنوں کے بت بھی کھڑے تھے - تا کہ معلوم ہو سکے کہ کیسی کیسی مشکل جگہوں سے کس طرح کھودنا پڑا - قریب نصف میل کے پیچ در پیچ راستہ زمین پر بنے ہوں گے ایک جگہ مکان کے بارود کے ساتھ اڑنے کے حادثہ سے کئی آدمی مرے پڑے تھے - جو ہانسبرگ کی سونے کی ایک کان میں بوئر حبشی مزدوروں سے کام لے رہے تھے - ہر راستہ میں ٹرموے کی سڑک تھی - جا بجا چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیاں سونے کی چٹی دار پتھروں سے بھری ہوئی ملیں - ایک جگہ ایک برقی ٹرموے مع انجن اور چند گاڑیوں

کے دور تک ایک حلقہ کے گرد چلا کر دکھلائی گئی۔ راستہ میں کئی جگہ دونوں طرف لکڑیاں کھڑی کر کے اور بیچ میں لکڑیوں کا پٹاؤ ڈالدیا تھا۔ تاکہ کوئی کان کی خندق میں نہ گرجائے یا کان کا لمبا راستہ نہ رُک جائے۔ سب جگہ برقی لیمپ روشن تھے۔ ایک جگہ اتنا تنگ راستہ تھا۔ کہ جھک کر بمشکل گزر سکے۔ کان کے اندر داخل ہوتے ہی خاصی سردی معلوم ہونے لگی تھی۔ کئی لیڈیوں نے اپنے گاؤن اُلٹ کر اوڑھ لئے۔ کئی جگہ کان میں زر اندود پتھر کی دھاریاں تھیں اور انہیں جگہوں سے پتھر کھود کر کچلا جاتا ہے۔ کہ جس سے سونے کی ریگ برآمد ہوتی ہے۔ ایک جگہ گندھک اور نمک کی کان کا نمونہ بھی تھا۔ جہاں سے ہم کان میں داخل ہوئے تھے۔ اس سے بہت دور باہر جا نکلے۔ یہاں ایک بھاری مشین لگی ہوئی سونے والے پتھر کچل رہی تھی۔ خود بخود پانی اس گلی اور سنگین مادہ کو دھوتا اور چھانتا جاتا تھا۔ اور جو اس میں سونا ہوتا تھا۔ وہ علیحدہ ہوتا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایک لیبارٹری بنا کر دکھلائی گئی تھی۔ کہ جس میں سونے کا میل صاف کیا جاتا تھا۔ یہاں ایک مینار بنا کر اس پر نشان لگا دیئے تھے۔ جس سے ٹرنسوال کے سونے کی سالانہ برآمد کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں ٹرنسوال کی (۱۰۵) کانوں پر چھ کروڑ پونڈ سرمایہ خرچ ہوا۔ مگر اس سے چھ گنا قیمت کا اس سال میں سونا برآمد ہوا۔ یہاں سے کسی قدر مشکل سے تلاش کر کے میں پھر اسی مقام پر پہنچا۔ کہ جہاں سے کان میں داخل ہوا تھا اور اپنی چھتری لے کر راستہ لیا۔

قدیم غار

لیکن اس جگہ سے قریب ہی ایک مقام میں ایک اور غار تھا۔ جس میں قدیم تاریخی غاروں اور کانوں کے نمونے نادر زیر زمین اشیاء کی کیفیت دکھلائی گئی تھی۔ اس کا نام انڈر ورلڈ (تحت الارض) تھا۔ لوگ ایک فرانک دے کر اندر داخل ہوتے تھے۔ اس میں زمین کی ساخت کے مختلف طبقات کی ماہیئت دکھلائی گئی تھی۔ بعض کانوں کے بلور وغیرہ کے نمونے بھی پہنچے دکھلائے گئے تھے ایک قدیم زمانہ کی کھدی ہوئی کان تھی ایک مصری ممی (حنوط کی ہوئی لاش) کی خندق تھی۔ جس کے محافظ ایک مصری دیوتا اور اس کی بیوی تھی۔ ایک ٹراجن مقبرہ

ہیں ایگی ممنن اور کسانڈرا کی قبریں تھیں۔ کئی اور قدرتی خندقوں اور غاروں کے نمونے بھی تھے۔ ان میں سے ایک میں فاسفورس کی مدھم روشنی نظر آتی تھی ؎

روسی مقبوضات

ایشیائی روس کی کئی عالیشان اور خوشنما عمارتیں۔ ٹراکوڈیرو کے فواروں کے سامنے تھیں۔ ان کی تعمیر میں۔ بائی زنطائین طرز تعمیر کے بہترین نمونے صرف کئے گئے تھے۔ جس طرح روس کے گرجوں اور زار روس کے عالیشان محلات وغیرہ کی تصاویر میں ہم نوکدار اور رنگین مینار دیکھا کرتے ہیں۔ میں نے روس میں گئے بغیر ہی یہاں ان خوبصورت میناروں کو دیکھ لیا۔ ان کی نوکدار چھتیں زرد۔ سبز اور نیلگوں جابجا مطلا کی ہوئی بہت شاندار معلوم ہوتی تھیں۔ روس کے پاس پاس چار پانچ مکان تھے۔ جن میں سے ایک جو بخارا کی اشیائے نمائش کے لئے مخصوص تھا۔ وہ اندر سے سمرقند کی جامع مسجد کے نمونے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ ان مکانات میں سائبیریا وسط ایشیائی روس اور بخارا کی تمام پیداواریں اور دستکاریاں جمع تھیں۔ اکثر نام

بخارا کی نمائش

روسی خط اور زبان میں تھے اس لئے سب چیزوں کو میں نہ سمجھ سکا۔ وسط کے بڑے کمرے میں تمام سامان زیورات۔ زین۔ لگامیں۔ قالین ریشم کے کپڑے اور کچھ درختوں اور جانوروں کے نمونے۔ امیر صاحب بخارا کا ذاتی مجموعہ تھا۔ بخارا کا ریشم مشہور ہے۔ اور واقعی یہ نمونے اعلیٰ درجہ کے تھے۔ یہاں تین چار اہل بخارا محافظ تھے ان میں سے دو سے فارسی میں باتیں ہوتی رہیں کہیں کہیں فارسی بھی کام آجاتی ہے۔ ایکدن شاہ کجکلاہ ایران کے بعض ہمراہیوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ ایکدوسرے کمرے میں روس کی پیداوار بہت سی قیمتی پتھروں اور جواہرات کے نمونے تھے۔ اس میں روس کے مختلف اقوام قلماق اور گلیاک وغیرہ کے دیوتا اور دیگر اشیا بھی تھیں۔ روسی ڈیول ڈانس (شیطانی ناچ) کے بُت بھی ایک جگہ تھے۔ روسی رعایا کی مختلف قوموں کے قدآدم بت بھی کئی ایک تھے۔ ایک نہایت حسین جارجیا کی عورت کے مومی بت میں گویا باتیں کرنے کی کسر تھی۔ روس کے ریشم اور پوستین والے جانوروں ریچھ اور کئی قسم کی بلیوں اور لومڑیوں کی اور چوہوں اور مچھلیوں اور بارہ سنگوں کی کھالیں۔ اور بھس سے بھرے ہوئے نمونے ایک

کمرہ میں تھے۔ یہ پوستین اور سمور روس کی سرکاری محاصل کا بہت بڑا ذریعہ آمدنی ہے کیسی کیسی خوبصورت پوستینیں روس میں پیدا ہوتی ہیں سبحان اللہ لیڈیاں تو ان پر فریفتہ ہو جاتی تھیں وہ بہت بڑے سفید ریچھوں کے بُت دیکھے۔ ان میں سے ایک تو خاصا معمولی گائے کے برابر تھا۔ روس کے مختلف مقامات کی پیداواروں خصوصًا سائبیریا کی لکڑی کے کئی نمونے تھے تاتاریوں کی خانگی زندگی کے سامان جابجا تھے۔ ان میں ایک جگہ ایک قرآن شریف بھی تھا۔ روس کے دونوں طویل ریلوے سلسلوں یعنی ٹرنس کاکیشیا اور سائبیریا ریلوں اور کئی دوسرے انجنیری کاموں کے نقشے اور فوٹوگراف رکھے ہوئے تھے۔ اور بعض جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے تھے۔ غرض روس کا بڑا معقول ذخیرہ اشیائے نمائش کا تھا؛

سائبیریا کی ریل

ان عمارتوں کے عقب میں ایک جگہ سائبیرین ریلوے کا پینورامہ تھا۔ جس میں اس دنیا کے سب سے لمبے ریلوے سلسلہ کے راستہ کا عجیب وغریب نظارہ دکھلانے کے لئے لوگوں سے ایک یا دو فرانک فیس لے کر انھیں ریل کی سچ مچ گاڑیوں میں بٹھلا دیا جاتا۔ اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے ان نظاروں کی تصاویر ایسی کاری گری سے پھیرتے کہ لوگوں کو گمان ہوتا کہ وہ سچ مچ سائبیریا کی ریل میں سوار ہو کر سفر کر رہے ہیں۔ اور کہیں جنگل اور کہیں بیابان اور کہیں دریا اور کہیں کسی خانہ بدوش قوم کا قافلہ ان کے سامنے سے گزر جاتا تھا افسوس ہے کہ میں نے اس تماشے کو نہ دیکھا۔ جس وقت میں یہاں کا ٹکٹ لینے لگا۔ تو ایک میم ٹکٹ دینے والے سے جھگڑنے لگی کہ تم نے محض دھوکا کر رکھا ہے۔ کچھ بھی سائبیریا کے سفر کا مزہ نہیں آیا۔ اور ریل کی گاڑیاں ذرا نہیں چلتیں۔ مجھے بھی اس عورت نے اس بات کا یقین دلایا اور میں نے اس کے دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ورنہ جس طرح اور بعض ملکوں کے پینوراموں کی خواب آنکھیں بند کر کے دیکھ لیا کرتا ہوں سائبیریا کے بھی دیکھ سکتا۔ سائبیریا کا علاقہ تمام یورپ کے برابر ہے اور اب تو ویران اور غیر آباد ہے۔ لیکن اس ریلوے لائن سے اس علاقہ کی آبادی میں ضرور بڑا تغیر ہوگا۔ کیونکہ اہل یورپ چین اور جاپان کو جانے کے لئے اسی راستہ کو ترجیح دیا کریں گے۔ آج کل فرانس یا انگلستان

سے جلدی سے جلدی اٹھائیس روز میں جاپان میں پہنچ سکتے ہیں۔ اور تیس روز میں چین میں۔ لیکن اس لائن کی تکمیل کے بعد انگلستان یا فرانس سے لوگ سولہ دن میں جاپان میں۔ اور سترہ دن میں چین پہنچ جایا کریں گے۔ کیونکہ گیارہ دن میں موسکو سے ولیڈی واسٹاک تک اس لائن کی گاڑیاں پہنچیں گی۔ اور ڈھائی دن میں اب لنڈن سے ماسکو تک پہنچ جاتی ہیں ؛

چین کے مکانات

چین کی نمائش پانچ چھوٹے چھوٹے مکانات میں تھی۔ جو ایک دوسرے کے متصل تھے۔ ۱۸۸۹ء کی پیرس کی نمائش میں چین نے روس کے قریب بعض پولیٹیکل وجوہات سے مکان بنانے سے انکار کیا تھا۔ مگر اب کے اس نے روس کے قریب اپنے مکان تعمیر کرلئے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ چین نے معقول مقدار روپیہ کی اس کام پر خرچ نہیں کی۔ کیونکہ مکانات چھوٹے چھوٹے تھے۔ تاہم ان میں چین کی مشہور عمارات کی نقل اتاری گئی تھی۔ ایک میں پیکن کے نو دروازوں کی نقل تھی۔ چھ منزلہ مکان تھا۔ ایک جگہ چین کے مشہور دیوار کے پیکن سے تین میل کے فاصلہ پر ایک دروازہ کی نقل کی گئی تھی۔ کہ جس پر چھ زبانوں میں کچھ کندہ ہے۔ لیکن اس میں سے اسوقت ایک کا بھی مطلب کوئی نہیں سمجھ سکتا چینی مکانات کے چھتوں کے کونے اسی طرح مڑے ہوئے تھے۔ جیسے کہ چینیوں کے ہوتے ہیں۔ ایک مکان کے عین وسط میں ایک درخت اُگا ہوا تھا۔ اور اس کی شاخیں چھت سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ایک عمارت میں پیکن کے کنفوشش کے مندر کے مشہور دروازہ کا نمونہ بنایا گیا تھا۔ جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور اوپر سے زرد اور سبز دو رنگوں کی چینی سے بنا ہوا تھا۔ ایک مکان فغفور چین کے محل کے ایک حصہ کی نقل تھا۔ جس کے چھت کی کھپریل سبز اور ستون نہایت مبک تھے۔ یہ مکان ایک چھوٹی سی جھیل کے کنارے پر چینی پودوں کے باغ کے اندر بنایا گیا تھا۔ چینی زراعتی پیداوار۔ گیہوں اور چری اور شہد بھی یہاں دکھلایا گیا تھا۔ لیکن چینیوں کی بڑی غذا صرف چاول ہے اور چاول کے سوائے چینی ہیچ ہیں۔

کاغذ پر چینی کے نقاش اور مصور بیش قیمت تصاویر بنانے میں بڑے مشاق ہیں۔ اس کے علاوہ چائے چین کی دولت کا بڑا ذریعہ ہے۔ گو پوست کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ اور اسی لئے ان سب اجناس کے کچھ کچھ نمونے دکھائے گئے تھے۔ لیکن جس چیز پر چینی ناز کرتے ہیں۔ وہ ان کے ملک کی پیداوار نہیں۔ بلکہ ان کے ہاتھوں کی پیداوار ہے۔ چینی دستکار یہاں بھی پتھر اور دانت کے کھودنے عجیب الخلقت عفریتوں کی کاغذ پر تصویریں بنانے (یا اگر آپ پسند کریں تو اسے نقاشی کہہ لیجئے) اور چاندی سونے پر مینا کاری کرنے۔ جوتے بنانے اور ریشم بننے میں وقتاً فوقتاً مصروف پائے جاتے تھے۔ یہاں ہر درجہ کے چینیوں کے قد آدم ثبت تھے۔ ان میں سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑتی تھی۔ وہ یہاں کے لوگوں کے بڑے بڑے بڑھے ہوئے مکروہ ناخن تھے۔ خدا کی شان کہ ایسی مہذب قوم اور ایسے کریہہ ناخن آدھ آدھ اِنچ سے زیادہ بڑھے ہوئے باعث فخر و ناز سمجھے جائیں۔ میں نے بعض یورپین ممالک مثلاً آسٹریا اور زیادہ جرمنی میں دیکھا ہے۔ کہ لوگ یوں تو سب انگلیوں کے ناخن ذرا بڑے رکھتے ہیں۔ مگر چھنگلی کے تو بہت بڑھا لیتے ہیں چینیوں کا لکڑی میں سیپ کا کام اور ریشم کے کپڑے اور ریشم پر کشیدہ اور نقاشی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ان لوگوں کو خداوند تعالےٰ نے کیسی اعلےٰ درجہ کی صنعت عطا فرمائی ہے۔ لیکن خود ایسے بے تمیز ہیں کہ حالات زمانہ کی ہوا تک انھیں نہیں لگی۔ نمائش گاہ کے ایک کمرہ میں ایک چینی عورت کی لاش کو سامان عروسی پہنا کر تابوت میں رکھا تھا اور شوہر پاس بیٹھا ہوا بین کر رہا تھا۔ عورت کے دونوں کانوں کے قریب اور سینہ پر سو سو روپے (یا ڈالر ہوں گے) ڈبوں بھرے ہوئے رکھے تھے۔ جو مردہ کا زاد راہ تھا۔ بلحاظ مقدار اور نوعیت کے اس نمائش سے زیادہ چینی سامان میں نے برلن کے عجائب خانے میں دیکھا تھا؛

پرتگال پرتگالی نو آبادیوں کا بھی مکان علیحدہ تھا اور اس پر پرتگالی قومی جھنڈا لہرا رہا تھا لیکن اسباب نمائش بہت کم تھا؛

کوئلہ کی کانیں

فرانسیسی کوئلہ کی کانوں کی عالیشان عمارت میں پتھر کے کوئلہ کی کان کنی کے متعلق تمام کوئلہ کی کانوں سے سامان نمائش جمع کیا گیا تھا۔ یہاں بڑے بڑے گیس انجن برقی ڈائینمو چلانے اور نیز زیر زمین مکانات میں ہوا پہنچانے کے لئے تھے۔ دیواروں پر علم طبقات الارض کے نمونے اور کان کنی کے انجنوں کے ماڈل تھے۔ دوسری چھت پر کانوں کے من وعن مومی نمونے اور ہوا پہنچانے والے سامانوں کے نمونے تھے۔ عمارت کے نیچے ایک کان کھدی ہوئی تھی جو ٹرینسوال کے سونے کی کان سے جا ملتی تھی۔ اس کان میں جانے کا اُسی قسم کی لکڑی کا ڈھلواں راستہ بھی تھا۔ دستی ٹھیلوں پر بھی جا سکتے تھے۔ اور جس طرح کان کن ایک ٹوکری کی طرح کے پنجرے میں بیٹھ کر اُترتے ہیں۔ اس طرح بھی جا سکتے تھے۔ اندر کوئلے۔ نمک۔ جست۔ اور سونے کی کانوں کی سیر کی جاتی تھی؀

لائٹ ہوسوں کی نمائش

لائٹ ہوسوں یعنی روشنی کے میناروں کی نمائش بھی ایک خاص مکان میں کی گئی تھی۔ فرانس کے ساحلوں پر (۴۸۴) روشنی کے مینار ہیں۔ جو تاریکی کے وقت جہازوں کو راستہ بتاتے تھے۔ اور اگر ہو سکے تو مصیبت کے وقت ان کی تھوڑی بہت مدد بھی کرتے ہیں۔ اس لئے فرانس کے لئے لائٹ ہوسوں کی نمائش ایک ضروری چیز تھی۔ یہاں قدیم تاریخی بحری میناروں کے نمونے جو دستیاب ہو سکتے تھے۔ رکھے گئے تھے۔ سب سے قدیم لائٹ ہاؤس آٹھ نو صدی قبل مسیح سے بننے شروع ہوئے پائرس کے مشہور لائٹ ہوس کا ماڈل بھی یہاں تھا۔ کہ جو قدیم زمانہ میں بندر اسکندریہ کے داخلہ پر نصب تھا۔ یہ پانچ سو میٹر بلند ایک مخروطی مینار تھا۔ کہ جس کی چوٹی پر ہر شب آگ روشن رہتی تھی۔ اسیطرح روڈس کا مشہور معدنی بت بھی صرف ایک لائٹ ہوس تھا۔ کہ جس کی چوٹی پر رات کو آگ روشن رہتی تھی اور اس کے دونوں ٹانگوں کے درمیان سے جہاز گزر جاتے تھے۔ فرانس کا سب سے مشہور اور بلند (۱۸۰ فیٹ) اکمہل کا مینار ہے۔ جسپر تیس لاکھ بتیوں کی برقی روشنی جلتی ہے۔ جو ساٹھ پینسٹھ میل سے نظر آتی ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ

۳۳ میل کی مسافت سے بھی دیکھی گئی ہے ؂

پادریوں کے کارنامے

مشنری حیس فرانس کے عیسائی مشنوں کا مکان تھا۔ جس میں تمام دنیا کی رومن کیتھولک مشنوں نے اپنی اشاعت دین اور اشاعت تہذیب کے کام کو دکھلایا تھا۔ مشنوں کی تاریخ کی منزلوں کے نمونے دکھلائے تھے۔ کیونکہ انھیں غیر مہذب ممالک میں سابقہ پڑتا ہے۔ پادریوں نے جو علمی دریافتیں اور تحقیقاتیں غیر معلوم مقامات میں کی ہیں۔ جو انھوں نے کتابیں رپورٹیں اور رسالے لکھے ہیں۔ ان سب کے نمونے یہاں تھے۔ انھیں میں امریکہ کے نہایت قدیم نقشے بھی تھے۔ جو روم کے کتب خانوں سے منگوائے گئے تھے۔ اس مکان کی پہلی منزل میں مشنریوں کے افریقہ چین اور بعض جزائر میں لوگوں کو جاکر تعلیم دینے کی کیفیت مومی بت بنا کر دکھلائی گئی تھی۔ ان میں ایک نظارہ ایک مشنری لیڈی کا تھا جو جذامیوں کو مرہم پٹی کر رہی تھی۔ واقعی ایسی قربانی کی نظیریں دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ مذہب عیسوی خواہ کچھ ہو مگر ان لوگوں میں خلوص نیت ضرور ہوتا ہے۔ دوسری منزل میں مشنریوں کی دنیا میں کارکردگی اور رومن مشنوں کے کام کے نقشے اور جن قوموں کے اندر وہ کام کرتے ہیں۔ ان کے بت تھے۔ مشنریوں کی ہندوستان چین افریقہ وغیرہ مختلف ملکوں کی زبانوں اور مشنوں کے متعلق تصنیفات اور مشنوں سے کام سیکھنے والوں کے کشیدے اور کام بعض بڑے بڑے پادریوں کے بت۔ پادریوں کے کھنچے ہوئے فوٹو پادریوں کے مرکزوں کی قابل نمائش چیزیں ایک حصہ میں مشنوں کے متعلق کارخانوں اور دستکاری کے مدرسوں کے بنے ہوئے بوٹ۔ چھوٹی چھوٹی مشینیں کپڑے خوراکی اشیاء کی نمائش تھی۔ میں اس حصہ کو دیکھ کر عیسائی پادریوں کے ایثار نفس کشی اور مفید کام کا ہمیشہ سے زیادہ قائل ہوگیا۔ ممکن ہے۔ کہ پادریوں میں بعض مکار طالبان جاہ اور عیش ہوں۔ لیکن بہت سے ایسے روشن ضمیر لوگ ہیں۔ کہ قطع نظر مذہب کے وہ دنیا میں شائستگی پھیلانے اور نوع انسان کی خدمت کرنے کا بہت نیک کام کرتے ہیں ؂

مصر کا قومی مکان

مصر کے مکان کے تین حصے تھے - جدید مصری بازار - قدیم مصر کے بت اور قبریں اور مصر کا تھیٹر اس لمبے چوڑے مکان کے باہر اور اندر ہر جگہ مصری بتوں کی تصویریں۔ مصری ہائٹرو گلائفک (تصویری حروف) کی شکلیں اور لوبیا اور کارناک کی قدیم تعمیروں کے نمونے تھے - دور سے ہی اس مکان کا دروازہ دیکھ کر ہر شخص سمجھ جاتا تھا کہ یہ مصر کا کوئی مندر ہوگا - ایک مکان میں مصری ساخت کے کپڑوں مصری غلوں اور کپاس کے قدیم نمونے ہیں - واقعی مصر کی مشہور کپاس کے ریشے بہت لمبے ہوتے ہیں - بنولے معمولی اور سیاہ رنگ کے تھے - مگر پودے میرے قد سے بھی دو بالشت اونچے تھے - کئی مصری ساخت کے نئے اور پرانے قالین بھی دیواروں پر آویزاں تھے - کئی کپڑوں پر جلی عربی حروف سفید کپڑے کی رنگین زمین پر ٹکے ہوئے جو دیواروں پر بطور قطعات کے لٹکائے گئے تھے - بیچ کے مکان میں مصری دوکاندار قریب سب یہودی (ایک نے کہا کہ وہ مسلمان ہے - اور ہندوستان بھی آیا تھا - اور کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتا تھا) چھوٹے چھوٹے زیور رومال اور طلا کار کپڑے صدریاں وغیرہ بیچ رہے تھے اسی مکان کے ساتھ ایک رسٹارنٹ بھی تھا - جس کی چھت پر چاندنیاں تنی ہوئی تھیں اور سب پر جا بجا خوشخط عربی حروف کپڑے پر ٹانکے ہوئے تھے - اس کے

مصری تھیٹر

اندر کے مکان میں مصری تھیٹر تھا - درجہ دوم کے لئے نصف فرانک دے کر میں بھی گیا - سہ پہر کا وقت تھا لوگوں کا مجمع ساٹھ ستر سے زیادہ نہ ہوگا - تماشے والے کسی قدر اور آدمیوں کا انتظار کرنا چاہتے تھے کہ لوگوں نے زور زور سے لکڑی کے فرش پر بوٹ مارنے شروع کئے - اسپر تماشہ شروع ہوا - پہلے ایک مصری عورت نے ناچ دکھلایا - یہ ایسا ہی تھا - جیساکہ ٹرکی تھیٹریں اور پھر ٹیونس کے قہوہ خانہ میں میں پہلے دیکھ چکا تھا - ناچتے وقت یہ عورتیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے دو برنجی رنگولے آرسی کی شکل کی بجاتی جاتی ہیں - اور ان کی سُر تال کو ناچ کے مطابق رکھتی ہیں - ہر چند کہ ان کا ناچ بے حیائی کا ہوتا ہے - تاہم قائل ہونا پڑتا ہے - کہ انھوں نے اسی طریقہ کو آرٹ کے اعلےٰ درجہ تک پہنچا دیا ہے - جیساکہ میں آگے چل کر بیان

کیا جاتا ہے تاکہ ان کی کمر کی حرکت صاف طور پر معلوم ہو سکے ان کے گلے میں صرف ایک نیمان ہوتا ہے اور کندھوں پر تھوڑا سا فینسی کپڑا اور ہوتا ہے - یہ عورت دانتوں میں ہلکی سی کرسی اٹھا کر بھی ناچی - ایک دوسری عورت کچھ دیر اسی طرح ناچ دکھلا کر ایک گاڈچ پر لیٹ گئی - اور چار شیشہ کے گلاس اپنی چھاتی پر رکھ لئے - یہ سینہ ایسی صفائی سے ہلاتی تھی - یا یوں کہئے کہ سینہ کے مختلف حصوں کو باری باری سے اس طرح جنبش دیتی تھی کہ چاروں گلاسوں کے آپس میں ٹکرانے سے بالکل موزوں اور ہم آہنگ سریلی صدا پیدا ہوتی تھی یہ اسقدر کاریگری کا کام سمجھا گیا - کہ لوگ بار بار اسپر داد دیتے تھے اس کے بعد حبشی زن و مرد کا بھنگم سا ناچ دکھلایا گیا - پھر ایک شادی کا سین دکھلایا جس میں عورتوں نے مل کر دردناک سریلی آواز میں عربی گیت گائے - پہلے دولہا لاکر بٹھلایا گیا - پھر زرق برق لباس میں دولھن لائی گئی - اور بہت سی عورتوں نے ایک دوسری کی کمر میں ہاتھ ڈال کر حلقہ بنا کر ناچنا شروع کیا - سروں پر دو مرد تھے جو ساتھ ساتھ تلواریں پھراتے جاتے تھے اور حلقہ کے بیچ میں ایک شخص بانسری بجا رہا تھا - اس کے بعد دو لڑکے بدوی لباس پہنکر آئے بازی گر کا کھیل دکھلا گئے پھر بہت سی عورتیں دولھن کو ساتھ لے کر قطار بنا کر آئیں یہ برابر برابر دو عورتوں کی قطار تھی - اور کچھ عربی گیت گاتی ہوئی پردوں کے پیچھے چلی گئیں اور تماشا ختم ہو گیا -

ان مکانات کے پچھلی طرف قدیم بادشاہانِ مصر کی قبریں اور عتیق مصری چیزیں تھیں - لیکن ایک شخص نے مجھے صاف جواب دیدیا - کہ اس وقت نہیں دکھلاتے شاید کچھ مانگتا ہوگا - اس مکان میں ایسی ہی بد انتظامی معلوم ہوتی تھی ؞

جاپان

جاپان کے چھوٹے چھوٹے مکانات مصر کے مکانوں کے پیچھے تھے جو ایک باغ کے اندر بنے ہوئے تھے - اس چھوٹے سے باغ میں ٹوکیو پایہ تخت جاپان کے شاہی باغ سے بہت سے پودے اور پھول مثل درخت کافور - شہتوت - ممو سا پام کے اقسام اور وارنش کے درخت لاکر یہاں بودئے گئے تھے گل داؤدی اور بعض دوسرے مشہور جاپانی پھولوں کے بھی نمونے تھے - وسط میں ایک چھوٹی سی جھیل میں جاپانی مچھلیاں چھٹی ہوئی تھیں - ان میں سے بڑا مکان مندر گوڈے

کی نقل تھا۔ جو جاپان کے بدھوں کا نہایت مقدس مندر سنہ ۵۹۶ء کا تعمیر شدہ ہے جاپان نے گو بہت کم چیزیں نمائش کی تھیں۔ لیکن اس کی صنعت کا ثبوت دینے کو یہی کافی تھیں آرٹ کے چند نظارے پیتل پر کھودے ہوئے اور کچھ جاپانی بُت تھے۔ جاپانی چائے کا ایک علیحدہ مکان تھا۔ جہاں چائے بھی تیار کر کے پلائی جاتی تھی۔ اور دوسرے مکان میں ساکی (چاولوں سے بنی ہوئی ایک قسم کی ہلکی شراب) کا دور چل رہا تھا۔ جاپانی چائے کا پودا بہت نازک ہوتا ہے۔ جیسے دھوپ اور جاڑے دونوں سے بچا کر رکھا جاتا ہے۔ اور جاپانی بچے ہاتھوں میں دستانے پہنکر اس نازک پودے کے پتے توڑتے ہیں۔ جاپان کے رسٹارنٹوں میں یورپین مرد جاپانی لباس پہنکر جاپانی سارنگیاں بجا رہے تھے اور یورپین عورتیں جاپانی لباس میں چائے پلا رہی تھیں جاپانی بازار میں جاپانی ریشم کے نمونے بھی منجملہ اور چیزوں کے تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جاپان نے گذشتہ پچیس تیس سال میں جو ترقی علوم و فنون میں اور صنعت و حرفت میں کی ہے۔ اس سے یہ قوم اہل یورپ کی نظروں میں قابل عزت قرار پاگئی ہے۔ جولائی سنہ ۱۸۹۹ء کو ابھی زیادہ مدت نہیں گزری۔ جبکہ جاپان کی متواتر درخواستوں پر دول یورپ نے جاپان کو اپنے برابر شائستہ تسلیم کیا تھا۔ اس سے پہلے یورپ کے لوگوں کے مقدمات جاپانی مجسٹریٹوں کے سامنے پیش نہیں ہو سکتے تھے۔ اور نہ جاپانی پولیس یورپین مجرموں کو پکڑ سکتی تھی۔ لیکن فروری سنہ ۱۹۰۲ء میں انگلستان ایسی سلطنت نے جاپان کو اپنا خاص دوست اور قوت بازو تسلیم کر لیا۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ چند سال کی لگاتار کوشش سے ایک قوم جو کہ سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہے اگر اسے اسباب موافق پڑیں تو کیا کچھ کر سکتی ہے۔ جاپان نے صنعت و حرفت میں بھی بہت ترقی کی ہے۔ لیکن کتنے دنوں میں ذرا ان اعداد کو ملاحظہ کیجئے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں جاپان نے صرف (۴۷۱۰۰۰۰۰) فرانک کا مال ممالک غیر کو بھیجا تھا۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں (۹۵۵۰۰۰۰۰) فرانک کا۔ سنہ ۱۸۹۵ء اسکا کل سرمایہ جو حرفت میں مصروف تھا (۱۲۵۰۰۰۰۰) فرانک سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۵ء میں (۳۷۵۰۰۰۰۰) فرانک کو پہونچ گیا۔ پہلے سوت کاتنے کے مل سنہ ۱۸۶۸ء میں اوساکا میں قائم ہوئی لیکن سنہ ۱۹۰۰ء میں جاپان میں ستر ملیں قائم تھیں۔ اور گزشتہ دس سال

میں سوت اور سوتی کپڑا ایک سو اسی ملین گنا بڑھ گیا ہے ؛

ناچ کا پیلیس یوں تو نمائش گاہ میں ناچ اور تماشا دکھلانے کے کئی مکان تھے لیکن اس مکان میں ناچ کی فلاسفی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک تھیٹر کی سٹیج پر مختلف زمانوں کے یورپین ناچ کی تاریخ اور مختلف ممالک اور اقوام کے عجیب و غریب ناچوں کے نمونے دکھلائے جاتے تھے۔ ممالک مشرق کے مذہبی ناچ بھی نظرانداز نہیں کئے گئے تھے یسپینیوں کا پنی وون ناچ ہندوؤں کے فرقہ شوجی کا بیاوری ناچ مصریوں کا مکھی کا ناچ قدیم یونان اور روم کے مذہبی اور جنگی ناچوں میں آسس کا ناچ پرہک کا ناچ اور بیکا تیلیا کا ناچ تھا۔ اسی سے قدیم زمانہ موجودہ کے یورپ کی بعض قوموں کے ناچ (جو انخیس قوموں کے لباس میں ہوتے تھے۔ بہت عمدہ تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ ناچ نے بھی دنیا کی تاریخ میں خصوصاً ممالک یورپ میں بڑا حصہ لیا ہے ؛

نقل مطابق اصل اس مکان میں بیس بیس انچ کے بلند چند آٹومیٹک (خود بخود حرکت کرنے والے بُت) تھے جنھیں بہت عمدہ لباس پہنایا گیا تھا۔ اور دیکھنے میں ان میں اور زندہ آدمیوں میں بمشکل تمیز ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ فونوگراف کے ذریعے سے یہ بول بھی سکتے تھے۔ ان کے ذریعہ سے زمانہ حال کی یورپین زندگی کا خاکا اڑایا جاتا تھا۔ بعض اوقات کسی فیشن ایبل ڈرائنگ روم میں چند لیڈیاں اور جنٹلمین بیٹھے ہوئے خوش گپی میں مصروف ہوتے۔ اور ناچتے اور گاتے تھے ایک رجمنٹ مع اپنے افسر کے کوچ کرتی نظر آتی تھی۔ فرانس کے پریسیڈنٹ کی سواری گزرتی اور ایک فوج کا دستہ سلامی اتارتا اور ہرّہ کا نعرہ بلند کرتا تھا غرض تمام تر ایسے ہی مصنوعی آدمی ہوتے تھے لیکن برابر چلتے پھرتے اور بولتے چالتے تھے ؛

قہقہہ خانہ "میزون ڈورِیر" یعنی ہنسی کا گھر ایک علیحدہ خوشنما مکان تھا۔ جس کی غرض ہر طرح ہنسانا تھا۔ اس کی عمارت اس کی عمارت کی فرنیش کارنیوال" یعنی یورپ کی ظرافت ہو کی کے نظارے تھے۔ اس مکان کے اندر ہر چیز گویا

نظر آتی تھی۔ یہاں جدھر نگاہ ڈالے ہنسی مخول۔ ہزل ٹھٹھا ظرافت ہی نظر آتا تھا اور فرانسیسی مذاق اور ٹھٹول کا نچوڑ یہاں جمع کیا گیا تھا۔ اس کے اندر کے تھیٹر میں پیرس کے بہترین کومیڈی کا تماشا کرنے والے لوگوں کو اس طرح ہنساتے تھے۔ کہ ان کے گرد و پیش کا ہر ایک مرقع ہر ایک تحریر اور ہر ایک حرکت بے اختیار ہنسانے والی تھی۔

ہنڈولا یہ بہت بڑا ہنڈولا کہ جسے "جائنٹ وھیل" کہتے تھے۔ شکاگو کی نمائش کا تھا۔ اس کا قطر (۱۰۶) میٹر تھا۔ اور (۱۶۰۰) تماشائی ایک وقت میں اس کی گاڑیوں میں بیٹھ کر زمین سے بلند ہوتے تھے۔ گویا کہ یہ غبارہ کا کام دیتا تھا۔ اور انجن سے کام چلتا تھا۔ اتنا ہی بڑا وہیل ویانا میں بھی میں نے دیکھا تھا۔

قاہرہ کا بازار ایک جگہ قاہرہ کے ایک بازار کی نقل اتاری گئی تھی۔ جہاں کئی ایک مصری عورتیں اور مرد پھرتے تھے اور عمارتوں کی صورت بالکل مصری تھی۔ ۱۸۰۰ء کا پیرس۔ اپی سائیکل کا عجیب تماشا۔ سٹیڈیم۔ بحری جنگ کوہ وسودیس اس کی آتش فشانی اور شہر پومپی اور ہرکولینیم کا آتشی مادہ کے نیچے دب جانے کا پینوراما اور اور کئی پینوراما۔ تھیٹر ڈرامے۔ تصویر غلطے اور تماشے اس عظیم الشان نمائش گاہ کے متعلقات سے تھے۔ کہ جن کے ذکر کی گنجائش نہیں ÷

شہر پیرس کی عمارت اگر نمائش میں نہ ہوتی۔ تو نمائش نامکمل رہ جاتی۔ اس کی دونوں منزلوں اور زیر زمین تہ خانہ میں شہر پیرس کی خوشنمائی کی بہت عمدہ تفصیل دکھلائی گئی تھی۔ اس کے صحن میں ایک خوبصورت باغ میں پیرس کے تمام باغات سے پودے جمع کئے گئے تھے۔ اوسط باغ میں ایک خوبصورت فوارہ کی ڈیزائن میں پیرس کی آب رسانی کے تمام نمونے تھے اور پیرس کی میونسپلٹی نے گزشتہ گیارہ سال میں جس قدر بت شہر میں نصب کرنے اور عجائب گاہوں کے لئے خریدے تھے وہ سب اسی باغ میں جابجا نصب تھے۔ مکان کے اندر محکمہ پولیس نے اپنا عجائب گھر اور صیغہ شناخت رکھا تھا۔ جس میں انتھروپومیٹری (مجرموں کی شناخت کے طریقے) کا سامان تھا۔ یہ طریقہ ایم برٹیلان ایک فرانسیسی نے ایجاد کیا ہے۔ مفلسوں کو مدد دینے کا صیغہ

چیزیں گرد رکھنے کا سرکاری صیغہ امور میونسپل مثل حفظان صحت وغیرہ مع ڈایاگراموں اور عکسی تصاویر کے سینومیٹوگراف جس سے میونسپلٹی کے صیغوں کی کارروائی دکھلائی جاتی تھی۔ بازاروں کوچوں کے صیغہ میں روشنی چھڑکاؤ اور موریوں وغیرہ کی صفائی کا سامان تھا۔ دوسری منزل پر پیرس نے گیارہ سال میں جو تصاویر خریدی ہیں۔ آویزاں کی تھیں اور علاوہ اس کے پیرس کی تاریخ اور دیگر حالات کے متعلق قومی کتب خانہ اور عجائب گاہ سے بیش قیمت کاغذات لاکر رکھے گئے تھے۔ ایک طرف شہر پیرس کی پرائمری اور ٹکنیکل تعلیم کے لئے مخصوص تھی۔ کہ جہاں فرنیچر اور آرائشی سامان کے ٹکنیکل سکولوں کا بنا ہوا سامان جمع کیا گیا تھا۔ اور پیرس کی بڑی بڑی عمارات کے نقشے دیواروں پر آویزاں تھے۔

ضمیمہ نمائش

جس طرح کسی کتاب یا اخبار کے ساتھ ضمیمہ لگایا جاتا ہے۔ ویسا ہی سنہ ۱۹۰۰ء کی نمائش پیرس کے ساتھ بھی ایک ضمیمہ لگایا گیا تھا۔ شہر کے اندر جن مقامات میں نمائش گاہ کے لئے عالیشان قصر اور رفیع مکانات تعمیر کئے گئے تھے۔ وہاں بعض بڑی بڑی چیزوں کی نمائش کے لئے کافی جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ جیسے کہ ریل کی گاڑیاں اور انجن ٹریموے گاڑیاں گھوڑے۔ ٹٹو وغیرہ زندہ جانور اور گھوڑدوڑوں اور ورزشوں کے مقابلوں کے لئے نمائش کے اندر جگہ نکلنی نہایت مشکل تھی۔ اس لئے نواح پیرس میں ایک بڑے جنگل میں اس کام کے لئے جگہ نکالی گئی تھی جس کا نام ونسینز تھا اور جہاں لوگ ریل یا گھوڑے گاڑیوں سے جاتے تھے۔ اس میدان میں بھی نمائش کے ٹکٹ سے داخل ہو سکتے تھے یہاں ایک بہت بڑے شیڈ کے نیچے بس ریلوے

ریلوے گاڑیاں و انجن

لائنیں تھیں - کہ جن پر بیس قطار پونن گاڑیوں اور انجنوں کی کھڑی کی گئی تھیں - جیسے کہ بعض بڑے بڑے سٹیشنوں پر گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں - روس کی ٹرین ڈالکس (سونے اور آرام و آسائش کی گاڑیاں جن میں مکلف گدیلے وغیرہ سامان آرائش و آسائش ہوتا ہے) کی گاڑیاں سب ملکوں سے عمدہ تھیں اس سے بعد امریکہ کی بڑے بڑے ریلوے انجن تھے - جن میں سے بعض کے پہئیوں کے قطر تین تین گز تھے - یہ مٹی کے تیل سے چلتے ہیں - اضلاع متحدہ امریکہ نے ایک بیالیس گز اونچا اور ساٹھ گز چوڑا اس ملک کی ریلوے لائنوں کا ایک نہایت عمدہ نقشہ ریلیف میں بنوایا تھا - جس میں ہر لائن کو برقی روشنی کے سلسلہ سے ظاہر کیا گیا تھا - اٹلی نے کچھ کوہستانی ریلوں کے انجن دکھلائے تھے - انگلستان - فرانس - جرمنی - آسٹریا کے بھی انجن تھے - ہسپانیہ اور انگلستان کی زراعتی مشینوں کی نمائش بھی نہایت ہی اچھی تھی ؛

غبارے اور موٹر کار

ایک بہت بڑا مکان موٹر گاڑیوں کی نمائش کے لئے موضوع تھا موٹر گاڑیوں کی ایک دوڑ بھی ہونے والی تھی - مگر میرے سامنے نہ ہوئی غبارے بھی یہاں نمایاں کئے گئے تھے - اور بعض بعض دن غبارے ہوا میں اڑتے تھے - نمائش کے قریب شہر میں ایک غبارہ ہمیشہ ہوا میں اُترتا رہتا تھا - اور جو لوگ غبارہ کے سفر اور خوف و خطر کا مزہ چکھنا چاہتے تھے - وہ تھوڑی سی اجرت دے کر اس غبارہ پر دس بارہ منزل کی بلندی تک جا سکتے تھے ؛

خانگی حیوانات

یہیں خانگی حیوانات مثل مویشی گھوڑے - بلیاں - کتے - سور مرغ اور کبوتر وغیرہ دکھلائے گئے تھے - کچھ انگورہ کے اور امریکہ کی لکڑیوں اور جنگلی پیداوار کے نمونے بھی تھے - امریکہ کے جنگلات میں بڑی دولت بھری ہوئی ہے ؛

اطفائے آتش

آگ بجھانا بڑے بڑے شہروں میں کس قدر ضروری کام ہے یہاں آگ بجھانے کے انجنوں آگ بجھانے والوں کی گاڑیوں سیڑھیوں - پائپوں - پمپوں اور جلے ہوئے مکانات کا مصالحہ ادھیڑنے وغیرہ کے

سامان جمع کئے گئے تھے ؛

ورزشیں اور کھیل اگرچہ جسمانی ورزشوں اور کھیلوں کا انتظام خاص نمائش گاہ کے اندر کیا جاتا اور سیر و شکار کے سامان کے بڑے بڑے مجموعے تو شہر کے اندر کی نمائش میں بھی تھے - لیکن دوڑوں کے مقابلے اس مقام میں ہوتے تھے - کہ جن کے لئے مختلف تاریخیں مقرر تھیں - پیدل دوڑ جو مختلف اقوام مثلاً انگریزوں اور جرمنوں یا انگریزوں اور فرانسیسیوں اور سوئزرلینڈ والوں میں ہونے کو تھی اور فٹ بال اور لاٹینس کے مقابلوں میں سولہ سولہ ہزار فرانک اول رہنے والوں کو دیا جانا مقرر ہوا تھا اسی طرح گدکا بازی جمنیسٹک چھوٹے شکار کی نشانہ بازی تیراندازی کے لئے پانچ سو سے پندرہ ہزار فرانک تک مختلف انعام تھے - (مگر میں بوجہ قلت وقت پیرس میں زیادہ ٹھیر نہ سکتا تھا) پانی میں تیرنے میں اول رہنے والوں کے لئے دو سو سے دو ہزار تک کا انعام تھا - ڈوبتے ہوئے آدمیوں کی جان بچانے کے مقابلہ کے لئے بھی انعام مقرر کیا گیا تھا ؛

خاتمہ غرض بیسویں صدی مسیحی کے آخر تک دنیا کا کوئی ایسا خیال یا علم یا فن نہیں تھا کہ جس کا اظہار یا مقابلہ یہاں نہ کیا گیا ہو - انسان نے اپنے طبعی لالچ میں آکر ہر صیغہ میں اس قدر چیزیں جمع کر دی تھیں - کہ کوئی شخص بھی ان سب چیزوں کو پوری طرح نہ دیکھ سکا ہوگا - تاہم دنیا نے یہاں سے بہت فائدہ اٹھایا ہوگا - اور یہ بہت سادہ فہرست جو میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اس عظیم الشان مجموعہ سے (کہ جس کا مثل دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا - اور شاید اس کے بعد بھی نہ دیکھے - کیونکہ بوجہ بہت بڑا ہونے کے نمائش کو مالی کامیابی نہیں ہوئی تھی) تیار کی ہے - اگر آپ نے بھی غور سے دیکھی ہوگی - تو آپ کا وقت بھی ضائع نہیں ہوا ؛

شہر پیرس کے حالات

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است وہمین است و ہمین است

میں پندرہ جولائی کو بلجیم سے پیرس پہونچا تھا۔ اور ۸۔ اگست کو یہاں سے لنڈن کو روانہ ہوا۔ اس پچیس روز کے زمانہ میں میں نے بہت زیادہ وقت نمائش میں اور تھوڑا سا شہر پیرس کے قابل دید مکانات کے دیکھنے میں صرف کیا۔ اس لئے پیرس کے وہ حالات جو مجھے پیش آئے یہاں لکھنے مناسب ہیں؛

چونکہ مجھے پیرس کے ایک واقف کار شخص نے مکان کرایہ پر لے دیا تھا۔ یہ باوجود نمائش گاہ سے قریب ہونے کے میرے فلک پیچم کی رہائش منظور کر لینے کے باعث نسبتاً بہت سستا تھا۔ نمائش سے دور اور معمولی لوگوں کے مکانات میں جگہ اس سے بھی نصف یا ثلث کرایہ پر مل سکتی تھی۔ مگر میں نے پسند نہ کیا۔ لاہور کی روانگی سے پہلے میرے معزز دوست شیخ عمر بخش صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے مجھے ایک نہایت دور اندیشی کی صلاح سفر کے متعلق دی تھی۔ جس کو میں نے تمام سفر یورپ میں پختہ اور بکار آمد پایا۔ وہ یہ ہے کہ ہمیشہ اول درجے کے ہوٹل یا مکان میں رہو۔ خواہ کفایت شعاری کے خیال سے وہاں کا سب سے سستا کمرہ ہی لو۔ جو ہمیشہ اوپر کی منزلوں میں ملتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں کو اپنی عزت قائم رکھنی پڑتی ہے۔ اور یہاں مال یا جان کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ ورنہ یورپ میں بعض بدمعاشوں نے بھولے بھالے مسافروں کو لوٹنے کا یہی ڈھنگ نکال رکھا ہے۔ کہ سستی فرودگاہیں یا دوم درجے کے ہوٹل بنائے ہیں۔ جہاں مسافروں کے سامان اکثر چوری جاتے رہتے ہیں؛

خوب گت بنی جس روز میں نے نمائش کے قریب کے خیال سے پانچویں منزل

پر مکان لیتا تھا اس کے دوسرے ہی دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا میں اپنے کمرہ سے نکل کر صبح پاخانہ کو گیا۔ تو اپنے کمرے کے کواڑ بھیڑ کر گیا تھا۔ کنجی مکان کے اندر تھی مجھے گمان بھی نہیں تھا۔ کہ دروازہ بند ہو جائیگا۔ لیکن یہ قفل اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ اگر زور سے دروازہ بھیڑا جائے۔ تو اندر سے خود بخود قفل لگ جاتا ہے۔ پھر جب تک باہر سے کنجی سے نہ کھولا جائے۔ نہیں کھلتا جب میں فارغ ہو کر آیا تو دروازہ بند تھا۔ میں پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھا۔ اور اس حالت میں سیڑھیوں سے اتر کر جانا بد تہذیبی میں داخل تھا مگر مجھے مجبور آجانا پڑا۔ اور میں نے کونسی ارژ (دربان عورت) سے اس کمرے کی دوسری کنجی لی۔ اور جب کبھی میں کنجی لیکر دروازہ کھولنے کے لیے پانچویں منزل پر پہنچا تو معلوم ہوا۔ کہ یہ کنجی اس دروازے کی نہیں ہے اس نے غلطی سے دیدی ہے۔ میں دوبارہ نیچے گیا اور دوسری کنجی لایا تب کہیں جاکر دروازہ کھلا۔ اور اس ذراسی غلطی سے مجھے چار مرتبہ پانچ پانچ زینے اترنے اور چڑھنے پڑے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اتنی ورزش کسی پہلوان کے لیے بھی تھوڑی نہیں۔ اس مکان کا کرایہ دو ہفتہ کا پیشگی دیدیا تھا البتہ جو خادمہ میرے کمرے کو صاف کرتی اور ہر روز بچھونا بچھاتی اور تازہ پانی بھر دیتی اُسے ایک فرانک روزانہ کے حساب سے اخیر میں دینا پڑا۔ اور اسی طرح ایک دودھ والے کارخانہ کا لڑکا

دودھ والا لڑکا

جو ہر صبح ایک روٹی اور دودھ کا لوہے کا برتن میرے دروازے کے باہر کھونٹی سے لٹکا جاتا تھا۔ وہ ہفتہ وار چھپا ہوا بل لاتا اور جو نکلتا لے جاتا۔ دودھ کے خراب ہونے کی مجھے کبھی بھی شکایت نہ ہوئی۔ ایک دن اس دودھ لانے والے لڑکے نے دیکھا کہ میرے پاس ہندوستان سے بہت سے خطوط آئے ہیں۔ تو اس نے کہا ہندوستان کے کچھ مستعمل ٹکٹ مجھے مانگے۔ کیونکہ اسے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تھا۔ یورپ میں بچوں تک کو بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شغل رہتا ہے۔ اور ہندوستان میں اس کے برعکس بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ کہ مستعمل ٹکٹ لوگ کیوں جمع کرتے ہیں

پیرس میں کھانا۔

مکان کی طرف سے بے فکر ہو کر میں کھانے کی فکر کی۔ میری طبیعت کھانے کے معاملے میں دنیا بھر سے نرالی واقع ہوئی ہے

خواہ کھانا کیسا ہی سادہ ہو مجھے پسند ہے۔ لیکن اسی طرز کا پکا ہوا ہو جیسا کہ ہندوستان میں ہمارے گھروں میں پکتا ہے جس میں ہلدی اور گرم مصالحہ ہوتا ہے۔ اور جو میں نے بچپن سے آج تک کھایا ہے۔ اس کے علاوہ میری طبیعت میں شک بہت ہے اور میں گوشت کھانے کا زیادہ شایق بھی نہیں ہوں۔ اس لئے میں نے ہفتوں گوشت نہیں کھایا جب تک کہ کوئی مناسب موقع نہیں ملا۔ مگر پیرس میں قسمت نے ایسی یاری کی کہ نمائش میں پہونچنے کے ساتھ ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ وہاں ٹیونس کے عربوں کا ایک رسٹارنٹ بھی ہے۔ وہاں کے کھانے ہندوستان کے کھانوں سے بہت ملتے جلتے تھے۔ اُن میں کم و بیش نمک مرچ بھی ہوتا تھا۔ اور چونکہ بہت سستے بھی تھے۔ اس لئے نہ صرف مراکو ٹیونس۔ الجیریا۔ مصر اور ٹرکی کے معدودے چند مسلمان اور تمام یہودی یہیں آکر کھانا کھاتے تھے۔ بلکہ بہت سے یورپین لوگ بھی آتے تھے۔ یہ کھانے بالکل ہندوستانی طرز کے تو نہ تھے۔ تاہم ہندوستان کے کھانوں کے لگ بھگ تھے۔ زیتون کے تیل اور سرکہ سے جو سلاد بنایا جاتا ہے۔ یہ مجھے بہت پسند تھا۔ ایک بنا کھانا "کسکس" کے نام سے مشہور تھا۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ جوار یا باجرے کا دلیا۔ جو غریب لوگ کھاتے ہیں۔ اور چاولوں کا نعم البدل یہی تھا۔ گو کبھی کبھی غریبانہ قسم کا پلاؤ بھی مل جاتا تھا۔ لیکن میرے ایک خط سے نمک مرچ کی شکایت دیکھ کر لاہور سے کچھ لال مرچیں مجھے بھجوا دی تھیں جس سے کبھی کبھی یورپ میں بھی ہندوستان کا مزہ آجاتا تھا۔ ایک روز مجھ سے غلام پہلوان مرحوم نے تقاضا کیا کہ اُس کے مکان پہ کھانا کھاؤں کیونکہ ان کے ساتھ ایک اپنا پکانے والا آدمی تھا۔ وہاں بہت دنوں کے بعد چپاتیاں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک ہندوستانی نے مولیاں پکوا کر کھلائیں جو پیرس کی تمام نعمتوں سے مزیدار معلوم ہوتی تھیں کیونکہ ان میں نمک مرچ خوب تھا۔ پیرس کی مولیاں سرخ رنگ کی چھوٹے چھوٹے شلجموں کی طرح کی ہوتی ہیں۔ اور اکثر لوگ کھانے کیساتھ یوں بھی ایک دو کچی مولیاں پتوں سمیت اُڑا جاتے ہیں

دو ہفتہ کی تعطیل کے بعد میرے دوست مسٹر ملیسن صاحب مفصلات سے پیرس میں

آگئے اور وہ مجھے کرایہ کے مکان سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ مجھے ان کے گھر میں ایک ہفتہ عشرہ بڑا آرام ملا۔ مسز بیین خصوصیت سے میرے کھانے پینے کی بڑی توجہ سے خبر رکھتیں۔ اسی عرصہ میں ان کے دو تین دوستوں نے چونکہ میں ان کے ہاں ٹھیرا ہوا تھا۔ میری اور ان کی دعوتیں کیں۔ یورپین لوگوں کے کھانے کے میز پر اگر کوئی شخص کسی قسم کی ہلکی سے ہلکی شراب بھی نہیں پیتا۔ تو بہت تعجب کرنے لگتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ کسی طرح کا گوشت نہ کھاتا ہو اور پھر کھانے کے بعد سگار یا چرٹ (تمباکو) بھی نہ پیئے۔ تو اس نے تو حد ہی کر دی میرے میزبان اور دوست اکثر مجھے حیرت سے دیکھتے تھے۔ کہ یہ کس قماش کا آدمی ہے۔ مگر چونکہ یہ تعلیم یافتہ اور مہذب اور نہایت شریف ہوتے ہیں۔ اگر ان کو معلوم ہو جائے، کہ فلاں کھانے سے رغبت نہیں۔ تو پھر کیا مجال کہ وہ اصرار یا حجت کریں۔ یا بھولے سے بھی وہ چیز ہمارے سامنے آنے دیں۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے، کہ جتنے روز میں ان کے مکان پر رہا، یا ان کے دوستوں کی دعوتوں میں شریک ہوا۔ ایک دن بھی خنزیر کا گوشت ان کی میز پر نہیں آیا۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتلائی، کہ اسے غریب لوگ زیادہ کھاتے ہیں۔ اور نیز یہ سردی کے موسم میں زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر مجھے اپنے نہایت متشرع اور پرہیزگار ہم مذہب اہل وطن سے معذرت کر لینی چاہیئے۔ کہ وہ مجھے یا میرے دوسرے بھائیوں کو جو میری طرح مجبور ہوں۔ اور پھر بھی اپنی طرف سے ہر طرح کا حفظ ماتقدم اور پرہیز کرتے ہوں۔ ہدف تیر ملامت نہ بنائیں۔ بلکہ اُن کی مشکلات کو سہل کرنے کی صورتیں پیدا کریں۔ اسلام کی نہایت جیّد تعریف یہ ہے، کہ یہ نہایت سہل مذہب ہے۔ اور اگر مجھ سے یہ صاحب اتفاق نہ کرتے ہوں۔ تو خاموش رہیں۔ وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغوِ مَرُّوا كِرَامًا ۵

۵ حافظ بخود نپوشید این خرقهٔ می آلود ÷ اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را

نئی قسم کے کھانے

ایک موقع پر ایک میزبان کے لڑکے نے مجھ سے پوچھا۔ کہ آپ مچھلی کھاتے ہیں؟ میں نے کہا بیشک۔ اتنے میں ایک سرخ سی چیز میز پر آئی۔ جو کریب یعنے کیکڑا تھا۔ میں نے معذرت چاہی۔ تو صاحب خانہ کی بیوی نے مجھے بتلایا، کہ فرانس میں تو یہ نہایت لذیذ کھانوں میں شمار ہوتا ہے، بلکہ صرف

دعوتوں میں بطور پرتکلف کھانے کے پکایا جاتا ہے۔ اور تم کو اس سے نفرت ہے۔ میں نے اس لیڈی سے کہا۔ کہ شاید تم کو کتے کی ران اور بلی کی زبان لذیذ معلوم ہوتی ہوگی۔ اس نے نہایت نفرت ظاہر کر کے کہا کہ مجھے تو اس سے گھن آتی ہے۔ پھر میں نے کہا۔ کہ چینی تو نہایت رغبت سے ان کھانوں کو کھاتے ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں جن کو آپ لوگ پسند کرتے ہیں۔ ہم لوگ ان سے گھن کرتے ہیں۔ یہ توجیہ اس پر موثر ثابت ہوئی۔ اتنے میں صاحب خانہ نے کہا۔ کہ مجھے مینڈکوں کی رانیں بہت پسند ہیں۔ کیا آپ بھی پسند کرتے ہیں؟ میں نے کہا اگر داب مجلس مانع نہ ہو۔ تو میں کہونگا۔ کہ کھانا تو درکنار ان کا نام سننے ہی سے میری طبیعت مالش کرنے لگتی ہے۔ اس پر ایک فرمائشی قہقہہ ہوا جس میں سب لیڈیاں اور جنٹلمین شریک تھے۔ اہل یورپ میں دستور ہے۔ کہ جب بیٹھنے کے کمرے سے کھانے کے کمرے کو جاتے ہیں۔ تو اُس شب کا مہمان سب سے پہلے میزبان کی بیوی کی بانہہ میں ہاتھ ڈال کر اُسے کھانے پر لیجاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے جنٹلمین حسب مدارج دوسری لیڈیوں کو لاتے ہیں۔ اور میز پر بیٹھنے کے وقت بھی مہمان کو صدر جگہ دی جاتی ہے۔ مگر یہ تو سب وہی رسمیں ہیں۔ جو ہندوستان میں بھی انگریز برتتے ہیں۔ دراصل یورپ کی تمام عیسائی قومیں تمدنی اور اخلاقی باتوں میں اس قدر یکسان ہیں۔ کہ ان کی طرز معاشرت اور پوشش وغیرہ سے ان کی قومیت معلوم کرنا مشکل ہے۔ جنٹلمینوں کی پوشاک کوٹ، پتلون اور ٹوپی یورپ بھر میں ایک ہی ہے۔ اسی طرح لیڈیوں کا فیشن جو پیرس ہر سال اختراع کرے۔ تمام یورپ کی لیڈیاں اس کا تتبع کر کرتی ہیں۔ لیکن جیکٹ گاؤن (سایہ) اور ٹوپی قریب قریب سب یورپین عورتوں کی یکسان ہے۔

انگلیوں سے کھانا کھانا

ایک دفعہ کھانے پر ایک لیڈی کو یہ معلوم کر کے بڑا تعجب ہوا کہ ہندوستانی انگلیوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ اور جب تک میں نے اس کی تصدیق نہ کردی وہ اس کو باور کرنے میں تامل رہا۔ کہ میں بھی انگلیوں سے کھانا کھایا کرتا ہوں۔ گو انگلیوں سے کھانا کھانا ان لوگوں کے نزدیک خواہ کیسا ہی

مکروہ پھر بھی جو لوگ انگلیوں سے کھاتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ اور خصوصاً ناخن عموماً صاف رہتے ہیں۔ اور وہ ناخن بھی جلدی جلدی کترواتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ لوگ انگلیوں سے کھانا نہیں کھاتے اسی وجہ سے یورپ کے مختلف ملکوں خصوصاً آسٹریا و جرمنی میں میں نے لوگوں کے ناخن بہت ہی بڑے ہوئے دیکھے۔ خاص کر ایک دو انگلیوں کے تو بالقصد بڑھائے رکھتے ہیں۔ اور جو غریب ہوتے ہیں چونکہ وہ ناخن صاف نہیں رکھ سکتے اس لئے ان کے ناخن بہت ہی بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے۔ تو ہاتھ دھونے سے ضرور ناخن صاف رہتے۔

ایک آزاد خیال جنٹلمین کیسا پیرس کی سیر

میرے پیرس والے دوست نے اپنے ایک نہایت آزاد خیال دوست سے میری ملاقات کرادی۔ اور اس جنٹلمین نے جو یورپ کی سات زبانوں سے واقف اور بڑا آزاد خیال تھا۔ مجھے شہر کے بہت سے مقامات کی سیر کرائی۔ ایک روز ہم یونیورسٹی کے رسٹارنٹ میں کھانا کھانے گئے۔ اسی دوست نے کھانے کی قیمت نو دس فرانک اور گاڑی کا کرایہ پانچ فرانک بھی اپنی گرہ سے دیا۔ جس سے یہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ باوجود ہر قسم کی آزاد خیالی اور یورپین لوگوں کی خشک مزاجی کے بھی اتنی تواضع اور لحاظ ان میں ہوتا ہے۔ کہ باوجود میرے اصرار کے میرے دوست نے ہی کرایہ اور کھانے کے دام دیئے۔ اس رسٹارنٹ میں بہت سے طالب علم بھی کھانا کھا رہے تھے۔ اور وہ ایسے ہی پرتکلیف لباس میں تھے۔ جیسے کہ امرا اور دولتمند ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہاں غریب امیر سب ہی پڑھے ہوئے ہوتے ہیں

طالبعلموں کی عورتیں

یہاں کئی خوبصورت عورتیں طالب علموں سے ناز و ادا میں مصروف تھیں۔ میرے دوست نے بتلایا کہ یہ طالب علموں سے مذاق کرنے والی عورتیں یونیورسٹی کے قریب ہی رہتی ہیں۔ اور یونیورسٹی کے طالب علموں ہی سے ان کے تعلقات ہیں۔ دوسرے لوگوں سے انہیں سروکار نہیں ہوتا اس نے کہا کہ تمہارے ملک میں تو ایک آدمی کئی کئی عورتیں رکھتا اور رکھ سکتا ہے لیکن یہاں کئی کئی مرد مل کر ایک عورت کو رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں عورتوں پر بہت

کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ایک پوشاک پر تین تین چار چار ہزار فرانک خرچ ہوجاتا ہے۔ صرف اس لئے کہ عورتیں پہنکر لوگوں کو دکھلائیں۔ کہ وہ کیسی خوبصورت ہیں

معاش کی تنگی

میرے دوست نے کہا کہ زمانہ حال کی شائستگی ہمیں بجائے آرام کے بہت تکلیف دہ ہے۔ اور بجائے روشنضمیری کے ہمیں جہالت کی طرف لیجا رہی ہے۔ تمہارے ہندوستان میں ابھی تک اصلی شائستگی موجود ہے۔ مگر شاید دن بدن وہ خراب ہو رہی ہے۔ فرانس میں جب تک کوئی شخص کم از کم چار پانچ فرانک روزانہ نہ کمائے۔ وہ دو وقت کھانا اطمینان سے نہیں کھا سکتا۔ گویا ہر شخص کو شام سے صبح تک پیٹ کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں پیٹ بھرنے کو دو آنے کافی ہیں۔ برائے نام شائستگی کے آنے اور ریلوں وغیرہ کے جاری ہونے سے پہلے فرانس میں بھی اصلی شائستگی یعنی کھانے کی ارزانی اور مشقت اور مصیبت کی کمی تھی۔ اور کھانا سستا ملسکتا تھا۔ لیکن اب غریبوں کا یہاں بہت بُرا حال ہے۔ فرانس کے بعض دیہات کی نسبت مشہور ہے۔ کہ غریب لوگ گھر کے اندر ڈورے سے ایک مصری کی ڈلی لٹکا رکھتے ہیں۔ اور تلخ قہوہ پی کر گھر کا ہر شخص اس ڈلی کو باری باری چوس کر منہ میٹھا کر لیتا ہے۔ مذہبی تعلیم کی نسبت کہا کہ یونیورسٹی میں کوئی مذہب نہیں۔ البتہ چونکہ رومن کیتھالک فریق کا زور ہے۔ اس فرقے کے پادری یونیورسٹی سے علیحدہ ہفتہ میں صرف آدھے دن طلبا کو اپنے عقاید سکھلاتے ہیں۔

کھانے پر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اور بہت اطمینان سے کھانے کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے کھانا خربوزے کی ایک پھانک سے شروع کیا۔ اور ختم چیریوں پر کیا۔ یورپ کا عام اور سستا میوہ ہے۔ بعض لوگ یہاں شفتالو یا انگور پر کھانا ختم کرتے تھے۔ مگر یہاں ایک اچھے اور بڑے شفتالو کی قیمت تین چار آنے ہوتی ہے

اس جگہ سے قریب ایک جگہ لکڑی کے جوتے بکتے تھے۔ جو شکل میں بھدّے بوٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ اور غریب لوگ اُن مکانوں میں جہاں کہ سیل ہوتی ہے۔ اِنکو استعمال کرتے ہیں ؎

پیرس کی ایک شادی کی رسوم

مجھے پیرس میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک شادی کی محفل میں بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ جبکہ نکاح کا وقت آیا اور دولہا دولہن مع اپنے عزیزوں اور دوستوں کے گرجے گئے۔ تو میں بھی ایک طرف جا بیٹھا میری ترکی ٹوپی کو دیکھ کر بعض لیڈیاں متحیر تھیں۔ کہ شادی کی محفل میں یہ غیر کون آگھسا چونکہ یہ شادی رومن کیتھالک طریقے کی تھی۔ اور یہاں کے لوگوں کا زیادہ تر یہی مذہب ہے انکے رسوم نکاح بڑے عجیب تھے جب دولہا دولہن کہ جنکی عمر بترتیب ۳۵ و ۲۵ سال تھی۔ دونوں آلٹر (قربان گاہ منبر) کی طرف بڑھے تو پادری صاحب نے آلٹر کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ پڑھنا شروع کیا پہلے دولہا دلہن کو شادی کے فرایض اور ذمہ واریوں پر مختصر لیکچر دیا پھر نکاح کا ایجاب وقبول شروع ہوا۔ لیکن اس رسم کی ابتدا اس طرح شروع ہوتی ہے کہ دولہا ایک انگشتری دلہن کی بنصر انگلی میں پہنانا چاہتا ہے۔ اب اس انگشتری کی نسبت عام خیال یہ ہے۔ کہ اگر دلہن بلا تامل اُس کو اپنی انگلی میں پہن لے۔ تو عمر بھر گھر میں مرد کا دباؤ رہیگا۔ لیکن اگر کسی قدر توقف اور حیص بیص کے بعد پہنے۔ تو عورت کا دباؤ رہیگا۔ لیکن چونکہ میری طرف ان کی پُشت تھی۔ میں یہ بات بخوبی دیکھ نہ سکا۔ کہ دولہا یا دلہن میں سے کون جیتا۔

رومن کیتھالک گرجا

رومن کیتھالک گرجوں میں ایک عجیب کبوتر خانہ ہوتا ہے۔ اس گرجا میں اس کی دو تین منزلیں تھیں۔ بیچ کی منزل میں حضرت مسیح کا بُت اور اس کی دونوں طرف چھ چھ حواریوں کے بُت تھے۔ اس کے اوپر ایک اور قطار خانوں اور کنگروں کی تھی۔ حضرت مریم کے بُت کے سوائے روح القدس کے کبوتر اور فرشتوں وغیرہ کے کئی بت اور بھی تھے۔ اور ان سب کے آگے بہت سی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ان کی نسبت معلوم ہوا کہ یہ اصلی موم بتیاں نہیں تھیں۔ بلکہ سفید مٹی کی نلکیوں سے گیس جل رہا تھا۔ میرے ایک دوست نے کہا۔ کہ لوگ خدا سے بھی فریب کرنے میں نہیں چوکتے۔ قدیم زمانے سے گرجوں میں موم بتیاں جلانے کی رسم چلی آتی ہے۔ لیکن اب گیس اور برقی روشنی کے زمانہ میں موم بتیوں کا تو احتمال

نو ترک ہو گیا۔ مگر ان کی ظاہری شکل اب تک قایم ہے۔ یہ تو سامنے کے رخ کا حال تھا۔
گرجا کے دونوں اطراف اور کونوں میں بھی کئی بت تھے۔ اور اطراف میں یعنی چپ و
وراست دونوں طرف تین تین چار چار چھوٹے چھوٹے چوبی مکان تھے رسال تمام میں رومن
کیتھولک عقیدہ کے ہر عورت مرد پر واجب ہے۔ کہ پادری کے سامنے اپنے سال بھر کے
گناہوں کا اقرار کرے۔ اور ان پر اظہار ندامت و انفعال کرے۔ اسے مذہبی اصطلاح
میں "کانفشن" (اعتراف و اقرار) کہتے ہیں۔ اور رومن کیتھولک عقیدہ کے مطابق جن
گناہوں کا اقرار کر لیا جائے۔ وہ بخشے جاتے ہیں۔ ان لکڑی کے چھوٹے چھوٹے مکانوں
میں سے ایک میں پادری بیٹھ جاتا ہے۔ اور دروازہ بند کر لیتا ہے۔ لیکن ہوا کے لئے
ایک روزن کھلا رہتا ہے باہر ایک طرف گنہگار کا سٹول ہوتا ہے۔ اور ایک چھوٹی سی
موری کی راہ سے وہ پادری سے جو اس کٹھہ کے اندر ہوتا ہے۔ اپنے تمام گناہوں کو دہراتا
ہے۔ بعض نالایق پادریوں نے اس اقرار کو بعض گنہگاروں کے خلاف بھی استعمال کیا
ہے۔ مگر عموماً ایسے اقراروں کو محفوظ رکھنے کی سخت تاکید ہے۔ ممکن ہے کہ کسی شخص نے
اپنی زناکاری یا چوری یا خون کا افشا کر دیا۔ اور پادری نے اس راز کو راز نہ رکھا۔ گرجا
کے ایک اَور کونے میں دو ایک اور بتیاں بھی روشن ہیں۔ یہاں جو لوگ مراد مانگتے
ہیں کچھ پیسے دیکر گرجا میں ایک بتی روشن کرا دیتے ہیں۔ اس کے مقابل میں ایک بت
سینٹ انٹونی کا کھڑا تھا جس کے ہاتھ پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ اصل میں مرادیں پوری
کرنے کا علم اجارہ اسی ولی کو حاصل ہے۔ اس بت کے دونوں طرف دو بکس لکڑی
کے موجود تھے۔ مثلاً جو لوگ کوئی مرادیں مانگتے تھے۔ مثلاً تجارت میں نفع یا تنخواہ کی ترقی
وہ اپنا مدعا لکھ کر اس بکس میں ڈال دیتے تھے۔ جس میں اپنا وعدہ درج کرتے ہیں۔ کہ اگر
وہ کامیاب ہوئے تو رقم نذرانہ کی اس سینٹ کے پیش کرینگے۔ جن لوگوں کی مراد آجاتی
ہے۔ تو وہ جو کچھ منت مانی ہے۔ لا کر دوسرے بکس میں جو ولی کی بائیں طرف ہوتا ہے
ڈال دیتے ہیں۔ غرض رومن کیتھولک پادریوں نے بھی کمانے کھانے کے عجیب
عجیب ڈھنگ نکالے ہیں۔ عموماً رومن کیتھولک لوگ حضرت مریم کے پاک دل

سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ مریم عذرا کے دل کا ٹکڑا ان دعاؤں کو قبول کر سکتا ہے۔ ہر رومن کیتھولک گرجا میں ایک جگہ دروازہ کے قریب زمین سے ایک گز بلند پایہ پر ایک برتن میں پانی رکھا رہتا ہے۔ ہر شخص جو اندر جاتا ہے۔ اس مقدس پانی میں انگلی ڈبو کر اپنی پیشانی پر صلیب کی صورت بنا لیتا ہے بلکہ پیرس کے سب سے بڑے گرجے ہنڈیلین میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اُس نے اس پانی میں انگلی بھگو کر ایک اور عورت اور ایک مرد کی انگلیوں سے چھوا دی۔ اور انہوں نے اس سے ماتھوں پر صلیب کا نشان بنا لیا

شادی کے باقی حالات

یہ تو گرجے کی کیفیت تھی۔ اب شادی کی کیفیت اس سے بھی دلچسپ تھی۔ گرجے کے آلٹر کے سامنے جسقدر بچوکیاں ہوتی ہیں ان کا کرایہ ایک روز کا وہ لوگ دیتے ہیں کہ جن کے یہاں شادی ہوتی ہے۔ اور ان کے عزیز اور رفیق ان پر آکر بیٹھتے ہیں انہیں کے قریب دوسرے لوگ بھی اگر چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔ ہر شخص شادی کے وقت گرجے میں جا سکتا ہے۔ بلکہ امریکہ میں تو دستور ہے۔ کہ شادی کے روز گرجے کے دروازے پر لکھ کر لگا دیا جاتا ہے۔ کہ ”ہر راہرو کو اندر آنے کے لئے خوش آمدید ہے“ کوئی گھنٹہ سوا گھنٹہ شادی کی رسم میں لگا۔ پہلے پہل جب دولہا دلہن گرجے کے اندر آئے۔ تو گرجے کا بڑا باجا بجا۔ اور یونہی جب پادری گھنٹی بجاتا تو باجا بجتا۔ پادری صاحب اس تمام عرصہ میں دولہا دلہن کی طرف پیٹھ کر کے آلٹر پر دعا مانگتے تھے۔ روح القدس نے کبوتر کی صورت میں اس وقت واقعی اُن میں حلول کر کے شادی کو برکت دی۔ کبھی گھٹنوں کے بل بیٹھتے کبھی کھڑے ہوتے۔ کبھی پچھلی طرف منہ پھیر کر دونوں ہاتھ پھیلا کر یا دیتے جیسے کہ افسوس یا حیرت کے وقت ہاتھ ملائے جاتے ہیں۔ غرض ایسی عجیب حرکات اس بندہ خدا نے کیں کہ مجھے تو دیکھ کر تعجب ہوا کہ انیسویں صدی مسیحی کے خلتے پر یورپ کی تہذیب کی روشنی میں ابھی تک ان ملکوں میں ایسی حرکات مذہب کے پیرایہ میں روا رکھی جاتی ہیں۔ اثنائے نکاح میں پانچ چھ دفعہ حاضرین کو کھڑا ہونا پڑا۔ پادری صاحب نے ایک دل کے کپڑے کے ٹکڑے کو دولہا دلہن سے بوسہ دلایا اور نکاح ختم ہوا۔ ہر گرجے میں کئی ایسے تبرکات ولیوں اور حواریوں کے ہوتے ہیں۔ بلکہ بقول ایک آزاد خیال عیسائی دوست

کے ان گرجاؤں میں حضرت مسیح کی صلیب کے اتنے ٹکڑے موجود ہیں۔ کہ ان کے جمع کرنے سے ایک گاؤں کے مکانات تعمیر ہو سکتے ہیں۔ نکاح ختم ہونے کے بعد حاضرین میں سے چار خوبصورت عورتیں مع چار مردوں کے اٹھیں۔ ان کے ہاتھوں میں خوبصورت تھیلیاں تھیں۔ یہ حاضرین میں پھر کر سب سے کچھ نہ کچھ نقدی ان تھیلیوں میں جمع کرنے لگیں۔ ہر ایک جو مناسب سمجھتا۔ تھیلی میں ڈال دیتا۔ اور کسی دوسرے کو پتہ نہ لگتا۔ کہ اس نے پیسہ ڈالا ہے یا روپیہ۔ گرجا کا نقیب ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ جب روپیہ جمع ہو چکا۔ تو گرجے کا نقیب گرجے کی ایک کوٹھڑی میں جاکر جمع کر آیا۔ اس نقیب کی پوشاک بھی نہائیت بد قطع اور یہی وضع جو تین سو برس سے چلی آتی ہے۔ دوران نکاح میں دس دس سال کے دو لڑکے جن کے سُرخ کرتوں پر سفید ململ کے کرتے تھے۔ پادری صاحب کو ادھر ادھر سے چیزیں لا لاکر دیتے تھے۔ دلھن کا نقاب باریک تھا۔ کہ اس کا سارا چہرہ برابر دکھائی دیتا تھا۔ اور اس کا گون بھی دو گز سے زیادہ زمین پر گھسٹتا جاتا تھا۔ دولھا دلہن مع اپنے رشتہ داروں کے گرجے کے بائیں طرف کے ایک بڑے کمرہ میں جاکر ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ سب دوست مرد اور عورتیں ان کے پاس ایک ایک کرکے جاتے تھے۔ اور ان سے ہاتھ ملاکر انہیں مبارکباد دیتے تھے۔ میرے دوست نے مجھے کہا کہ بہتر ہے کہ ہمارے ساتھ چل کر تم بھی مبارکباد دو۔ یہاں سے فارغ ہو کر اکثر لوگ مع دولھا دلہن کے دلہن کی ماں کے مکان پر گئے۔ جہاں ضیافت کا سامان تھا۔ مگر میں اپنے دوست کے مکان پر چلا گیا۔ دلہن کی ماں نے مجھے نہ دیکھا تو میرے دوست کو ایک گاڑی پر سوار کر کے بھیجا۔ کہ جاؤ اور فوراً ہندوستانی مہمان کو بلا لاؤ۔ یہ کیا بات ہے کہ وہ چلے گئے اور وہ کیوں چلے گئے۔ یہ ایک عالی شان کرایہ کا مکان تھا۔ جو ایسی ہی تقریبوں کے لیئے مخصوص تھا۔ ایک طرف ایک لمبی میز پر کھانے پینے کا سامان تھا۔ دو تین شخص مہمانوں کو جو کہ وہ کھاتے۔ دیتے جاتے تھے اور وہ میز کے پاس کھڑے ہی کھڑے کھاکر ہٹ جاتے تھے۔ مجھے انہوں نے جو چیز سب سے پہلے کھانے کو دی۔ اس میں ممنوع چیز کی ملاوٹ تھی۔ میں نے اپنے دوست کو سمجھا دیا تھا۔ اس نے اسے واپس کرکے مجھے تھوڑی سی روٹی اور چند سادہ سموسے

و ٹے۔ پورک (جنزیر کا گوشت) زیادہ تر شادیوں اور جلسوں کے موقع پر کھایا جاتا ہے اب اور مشکل یہ پیش آئی کہ سوائے شراب کے یہاں پانی کا نام نہ تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ لیمونیڈ مل گیا۔ میرے دوست نے یہاں کئی اچھی اچھی لیڈیوں اور جنٹلمینوں سے میرا تعارف کرایا منجملہ ان کے ایک اخبار نویس لیڈی بھی تھی، اور ایک سکول کے پروفیسر سے بھی ملا۔ جس کا نام اڈولف ڈو کروسے (Adolphe Ducmet) تھا۔ دستور ہے کہ جب دو آدمی ملاقات کرتے ہیں۔ تو ہر ایک دوسرے کو اپنے نام کا کارڈ نکال کر دیدیتا ہے۔ اس کارڈ بدلنے میں بڑا فایدہ یہ ہے۔ دونوں شخص اس ملاقاتی کا نام جب چاہیں کارڈ سے دیکھ سکتے ہیں ہمارے یہاں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے، مگر ان کے پورے نام اور پتے اکثر ذہن سے اتر جاتے ہیں۔

ایک بیمار عورت

میں ایک ور پروفیسر اڈولیف ڈوکروسے سے کہ جس سے شادی میں ملاقات ہوئی تھی ملنے گیا۔ اس بیچارے کی بوڑھیا بیوی بہت سے بیمار اور کمزور تھی۔ اس نے خادمہ کے ہاتھ معذرت کہلا بھیجی۔ کہ آپ میرے کمرہ میں بیٹھیں میں چند منٹ میں آتا ہوں۔ پہلے مجھے اس گھر کے ڈرائینگ روم میں اور پھر پروفیسر صاحب کی سٹڈی روم میں بٹھلایا گیا۔ یہ گھر پانچویں منزل پر تھا۔ سٹڈی کے کمرے میں علاوہ کتب و بائسکل وغیرہ سامان کی چار بندوقیں دیوار سے آویزاں تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر صاحب نے آکر کہا۔ کہ اگر میری بیوی بیمار نہ ہوتی تو ہم آپ کو سیر کے لیے لے جاتے لیکن اب میں مجبور ہوں۔ میں نے افسوس ظاہر کیا۔ اور کہا ایسی حالت میں میں آپ کو زیادہ دیر مصروف نہیں رکھونگا۔ مگر پروفیسر نے کہا میری بیوی تم سے مصافحہ کرنا چاہتی ہے۔ اور بیمار کی آرزو پورا کرنا ضروری ہے، وہ انگلش رومن ہے۔ اور گو جسم اس کا کمزور ہے، مگر بڑی ذی ہمت ہے۔ میں نے جاکر دیکھا تو بیچاری سخت بیمار تھی۔ ہمارے بیماروں کے کمروں اور ان بیماروں کے کمروں میں آسمان زمین کا فرق ہوتا ہے۔ بچھونا نرم اور صاف ستھرا تھا۔ تکیے بھی کئی تھے۔ پاس ایک چھوٹی سی میز پر دوا کی کئی شیشیاں رکھی تھیں۔ پروفیسر صاحب نے کہا۔ کہ میری لڑکی جو بہت خوبصورت

اور جوان ہے۔ ابھی اس کی شادی کو تھوڑی ہی مدت گذری تھی۔ کہ بیوہ ہو گئی۔ اس سے اس کی والدہ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ دیوانی ہو گئی۔ اور جب ہی سے بہکی بہکی باتیں کرنے لگی ہے تاہم پروفیسر کی بیوی نے میرے رخصت ہونے کے وقت اپنے شوہر کو تاکید کی کہ مجھے سیر کو ضرور لیجائیں۔ گویا یہ مہمانوں کی مدارات اور تفریح کا دستور ہے۔

سررشتۂ تعلیم فرانس

پروفیسر صاحب سے میں نے فرانس کے سررشتۂ تعلیم کے متعلق چند سوالات کیے۔ جنکے جوابات کا خلاصہ یہ ہے۔ فرانس میں ایک پرائمری (ابتدائی) تعلیم ہے۔ جو زمانۂ اصلاح سے پہلے رومن کیتھولک پادریوں کے ہاتھ میں تھی۔ مگر اب سرکار نے اپنے ہاتھ میں لے کر کئی مدرسے قایم کر دئے ہیں جن میں بچوں کو بلا فیس تعلیم دیجاتی ہے۔ جو ملک فرانس میں ہر بچے کو حاصل کرنی قانوناً لازم ہے۔ اس میں نوشت خواند۔ حساب اور تاریخ فرانس لازمی مضمون ہیں۔ اس کے بعد سیکنڈری درجۂ دوم تعلیم ہے۔ جو مفت نہیں دی جاتی۔ کیونکہ اس کا حاصل کرنا ہر شخص پر لازمی نہیں صرف اہل مقدرت لوگوں کے بچے ہی حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ہر طالب علم کو تیس سے چالیس فرانک تک ماہوار فیس دینی پڑتی ہے۔ جو ہندوستان کے سکہ میں انیس سے لیکر پچیس روپے تک کے برابر ہوتی ہے۔ مگر اس سے بھی مدرسہ کے تمام اخراجات نہیں چل سکتے۔ اس لیے گورنمنٹ کچھ اپنی گرہ سے بھی خرچ کرتی ہے۔ فیس کی کمی بیشی طالب علم کی عمر اور جماعت پر موقوف ہے۔ بعض اہل مقدرت لوگ جو اعلیٰ سوسائٹی کے ارکان کہلاتے ہیں۔ وہ پرایمری انسٹرکشن اور تعلیم کے لیئے بھی اپنے بچوں کو سیکنڈری سکولوں میں بھیجتے ہیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ابتدائی سکول میں غریب اور پیشہ ور لوگوں کے بچوں کے ساتھ ان کے بچے بھی تعلیم پائیں۔ اور قصابوں یا دیگر پیشہ ور لوگوں کے بچوں کیساتھ ملکر ان کے بچے بیٹھیں۔ غنیمت ہے کہ ہندوستان کے مدارس سرکاری میں اس قسم کی کوئی تفریق نہیں۔ اور وضیع و شریف کے بچے ایک ساتھ مل کر پڑھتے ہیں۔ اگر استاد بچوں کے اخلاق اور تربیت کا پورا خیال رکھیں۔ تو دولتمندوں کے بچوں کو غریبوں کے ساتھ ملکر پڑھنے سے بجائے نقصان کے کچھ نہ کچھ فایدہ ہی ہے

انگلستان میں بھی امرا کے بچوں کے لیے ایٹن وغیرہ کے مدرسے علیحدہ ہیں۔ کہ جن میں غریبوں کے بچے تعلیم نہیں پاسکتے۔ مگر امریکہ میں سب لوگوں کے بچے ملکر پڑھتے ہیں۔ اور کوئی امیر یا غریب کی تمیز مدارس میں نہیں۔ کیونکہ اس ملک میں تمام کروڑپتی اور نامور لوگ قریب قریب مفلس اور محتاج والدین کی اولاد ہیں۔ پروفیسر ڈوکروئے صاحب جس مدرسہ کے پروفیسر ہیں۔ وہ پیرس میں اپنی قسم کا اول درجے کی سرکاری تعلیم گاہ ہے۔ جو پہلے بطور ایک پرائیویٹ مدرسہ کے جاری تھی۔ لیکن آخر گورنمنٹ نے ایک معقول رقم دیکر خرید لیا۔ اور اس میں اس وقت دو درجن سے زیادہ استاد ہیں۔ یہ پروفیسر صاحب زبان انگریزی کے استاد ہیں اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا کہ انگریزی جو غیر ملک کی اور بہت مشکل زبان ہے۔ تم کس طرح صحت اور روانی سے بول سکتے ہو۔ میں نے کہا ہندوستان میں ہزارہا لوگ مجھ سے بھی اچھی طرح انگریزی بول سکتے ہیں۔ کیونکہ مدارس میں باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے۔ پھر پروفیسر صاحب نے کہا کہ سیکنڈیری تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امیدواروں کو کالج کی تعلیم دینی پڑتی ہے۔ جس میں علاوہ مرّجہ کلاسک زبانوں کے اول جرمن دوم انگلش اور بعد ازاں یورپ کی کسی زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔ جو لوگ یونیورسٹی کے امتحانات کی تیاری کرتے ہیں۔ انہیں ایک سال تک اعلیٰ درجے کے پروفیسروں کے لکچر سننے پڑتے ہیں یہ پروفیسر کسی مدرسہ یا کالج میں لکچر نہیں دیتے۔ بلکہ پبلک لکچر شہر کے عام مقامات میں ہر کس و ناکس کے لیے کھلے ہوتے ہیں۔

تعلیم حرفت اس شاخ تعلیم کے مدرسے علیحدہ ہیں کہ جن میں گورنمنٹ فرانس معقول روپیہ خرچ کرتی ہے۔ ان تمام مدارس کی ضرورت تعلیم کے رسالے جو ساٹھ ستر سے زیادہ تھے۔ نمائش گاہ میں ایک خاص ہول کے خانوں میں رکھے ہوئے تھے۔ اور جو شخص چاہتا ان میں سے سب کو جمع کرکے لیجاتا تھا چنانچہ میں نے بھی ایک مجموعہ لے لیا۔ اس مجموعے سے کسی ملک کی ٹکنیکل تعلیم کے لئے اعلیٰ درجہ کا نصاب مرتب ہو سکتا ہے ❊

جیمز وائٹ مجھے کسی لائق اور واقف آدمی سے فرانس کے مشہور پولیٹیکل

اور مذہبی فرقہ جیزوایٹ کے حالات دریافت کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ میں نے پروفیسر صاحب سے جیزوایٹ فرقہ کی بابت کچھ دریافت کیا۔ یہ دراصل رومن کیتھولک عیسائیوں کا ایک مذہبی فرقہ ہے۔ لیکن یہ لوگ سخت مکار اور چال باز ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی ممبر اگر مکار اور چال کا کھوٹا نہ ہو تو پورے طور پر جیزوایٹ نہیں ہو سکتا۔ بعد ابتدائی آزمائشی امتحان میں کامیاب ہونے کے بڑے بڑے لایق لوگ اس گروہ میں شامل کئے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی کے پروفیسروں کو یہ لوگ کم شریک کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ نادار ہوتے ہیں۔ جیزوایٹ فرقہ کی بڑی غرض پولٹیکل طاقت حاصل کرنا ہے۔ کئی مرتبہ ان لوگوں کو فرانس میں اس قدر طاقت حاصل ہو گئی کہ یہ بادشاہ گر ہو گئے۔ لیکن کئی مرتبہ یہ لوگ فرانس سے جبراً نکالے بھی گئے۔ مگر ایسے طور پر کہ اگر گھر کے دروازہ سے انہیں نکالا۔ تو یہ کھڑکی کی راہ سے پھر اندر گھس آئے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں۔ کہ جن کی نسبت کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ جیزوایٹ ہیں۔ لیکن درپردہ وہ جیزوایٹ ہوتے ہیں۔ اور اپنی جماعت کی خوب خدمت کرتے ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو علی الاعلان جیزوایٹ کہلاتے ہیں۔ پیرس کے سیکنڈری تعلیم کے دو اعلیٰ مدارس جیزوایٹ لوگوں کے ہیں۔ جن میں اعلیٰ سوسائیٹی کے لوگوں کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ چونکہ ان مدارس میں مذہبی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ جو سرکاری مدارس میں نہیں ہوتی۔ اس لئے بہت لوگ اپنے بچے یہیں بھیجتے ہیں۔ جیزوایٹ ایسے ہوشیار ہیں کہ فوجی خدمت میں داخل ہونے والے قریباً تمام لڑکوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں بچپن ہی سے اپنے فرقہ کی ہمدردی کا خیال پیدا کرا دیتے ہیں۔ اس لیئے فوج میں اکثر جرنیلوں سے لیکر ادنیٰ افسروں تک ان کے ہمدرد ہوتے ہیں۔ غرض یہ ایک ایسی خفیہ جماعت پولٹیکل خیالات کے مذہبی لباس میں موجود ہے۔ کہ جس کے ہاتھ میں عجیب طاقت ہے۔ اور جو فرانس کے لیئے بڑے اندیشہ کی بات ہے۔

پیرس کتنا غدار شہر ہے

میں یوں تو اکیلا یا اور لوگوں کے ساتھ کئی مرتبہ ادھر ادھر شہر میں پھرا۔ مگر میں نے دیکھا ہے۔ کہ جب تک میں گاڑیوں یا ٹرمیوے

پر سوار ہو کر یورپ کے شہروں میں پھرا۔ مجھے وہاں کسی پیچیدہ رستوں کا کچھ پتہ نہیں لگا۔ اور جب پیدل چلا تو مجھے گلیوں اور بازاروں کے رستے سمجھ میں آ گئے۔ چنانچہ میں نے یورپ کے سب شہروں میں ایسا کیا۔ کہ گائیڈ بک کی مدد سے جس میں ہر گلی اور ہر کوچہ کا نقشہ ہوتا ہے۔ کسی ایک طرف کو نکل گیا۔ اور جس طرف جانا چاہا وہاں پہنچ گیا۔ ۲ جولائی کو تین بجے سے سات بجے شام تک میں پیرس میں پیدل پھرتا رہا اور تھک کر چور ہو گیا۔ مگر سوائے ایک کونے کے شہر کی نوعیت کا پتہ نہ لگا جو میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور جس میں چھبیس تیس ہزار باشندے آباد ہیں۔ جدھر چلے جاؤ عالیشان سربفلک کشیدہ مکانات ملتے ہیں۔ ہزاروں گلیاں اور بازار یکساں بارونق ہیں۔ سب میں عالی شان مکانات۔ سب مکانات پر یکساں مکلف حروف میں نوٹس بورڈ اور اشتہارات لگے ہوئے ہیں۔ اس قدر آمد و رفت پیدلوں اور گاڑیوں کی شہر میں ہوتی ہے۔ کہ الامان علاوہ ٹریموے اور آہنی ریل کے کئی لائینوں کے شہر میں کئی ہزار کیب گاڑیاں ہیں۔ بعض بڑی بڑی چوکوں میں پولیس مین کھڑے رہ کر دونوں طرف سے آنے جانے والی گاڑیوں اور آدمیوں کو گزرنے کا اشارہ کرتا رہتا ہے۔ جب تھوڑی دیر میں ایک طرف کی گاڑیاں اور آدمی دوسری طرف کو گزر چکتے ہیں۔ تو پھر دوسری طرف سے کہ جدھر اس عرصہ میں ہجوم ہو جاتا ہے دکانوں میں سامان اس کثرت سے ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ کہ کون خریدتا ہوگا۔ رسٹارنٹ قہوہ خانے اور شراب خانے تو چپے چپے پر ہیں۔ یہ لوگ دن میں بار بار کھاتے پیتے ہیں۔ اس شہر میں دفاتر سرکاری خصوصاً مختلف وزارتوں کے دفاتر تو ایسے عالیشان اور وسیع اور پر تکلف ہیں کہ شاہی قصر معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت پیرس میں تعمیر مکانات کی طرف بے حد توجہ کی گئی ہے۔ بڑے بڑے محلات کے آہنی جنگلوں کے بعض حصوں پر سنہری گلٹ ہے۔ عام کرایہ کے مکانات بھی نہایت عالیشان پانچ پانچ سات منزلوں کے ہیں ایک روز ایک صاحب کے ساتھ میں سائنس اینڈ آرٹس میوزیم کے پاس سے جا رہا تھا کہ جس میں تمام نئی ایجادیں رکھی جاتی ہیں۔ اور کیمسٹری اور سائنس کے آلات دکھلائے جاتے ہیں۔ اور موسم سرما میں ان علوم پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ رستہ میں میرے دوست نے

نے بتلایا کہ ان کوچوں میں جو مکانات ہیں۔ ان میں دو ڈیڑھ سو سال پہلے تمام امرا رہتے تھے۔ مگر اب سب مفلس لوگ کرایہ پر رہتے ہیں۔ کیونکہ اب امیروں کے مکانات اعلیٰ سٹایل پر بن گئے۔ ریسٹورنٹ اور شراب بیچنے کی دوکانیں چپے چپے پر دیکھ کر کہا کہ ہر سال ان میں سے آدھی دوکانیں ہمیشہ نقصان اٹھا کر بند ہوتی رہتی ہیں۔ مگر پھر بھی لوگ جاری رکھتے ہیں کیونکہ بہت سے لوگوں کو اور کوئی ذریعہ معاش کا نہیں ہے۔ ایک شخص سے راستہ میں ملاقات ہوئی جو بہت اچھا لکھا پڑھا اور لٹریری آدمی تھا۔ مگر اسے کھانا پکانے میں اسقدر مہارت تھی۔ اور اس کام کا اتنا شوق رکھتا تھا۔ کہ تمام پیرس میں اس فن کا استاد سمجھا جاتا تھا۔ اور اخبارات اور رسالجات میں طباخی پر مضمون لکھ کر سات آٹھ سو پونڈ سالانہ کما لیتا تھا۔ تمام بڑی بڑی دعوتوں کے موقعوں پر ہوٹلوں وغیرہ میں اسے ہی بلایا جاتا ہے۔ یورپ کا دستور ہے۔ کہ جب کسی کو کوئی دعوت دینی ہوتی ہے۔ تو ہوٹل والوں سے انتظام کر لیتے ہیں اور سوائے روپیہ دیدینے کے کسی قسم کی زحمت نہیں ہوتی۔

پیرس کی آزادی

پیرس میں دو تین ہفتے رہنے کے بعد مجھے معلوم ہونے لگا۔ کہ یہاں کسی قدر کم خرچ سے بھی آدمی گزارہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہاں کے حالات سے واقف ہو۔ بجائے کیب گاڑیوں پر سوار ہونے کے آمنی بس گاڑیوں دریائے سین میں چلنے والے جہازوں پر دور دراز کے فاصلے طے کر سکتا ہے ایک پینی (ایک آنہ) دیکر جہاز پر جتنی دور چاہیں چلے جائیں۔ جو شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دریا میں دونوں طرف چلتے ہیں۔ اور جہاں تو پہلے ہی سٹیشن پر اتر پڑیں۔ بجائے گراں ریسٹورنٹوں اور ہوٹلوں کے غریبانہ ریسٹورنٹوں میں کھانا کھا سکتے ہیں۔ ارزاں روٹی خرید کر گزارہ کر سکتے ہیں۔ دوکانداروں اور سستی گاڑی والی عورتوں سے سستی ترکاریاں اور میوہ جات خرید سکتے ہیں۔ فرانک ڈیڑھ فرانک روزانہ کے ارزاں مکان میں گزارہ کر سکتے ہیں۔ آمنی بس گاڑی کے اوپر پندرہ سنیٹم یعنی تین پیسے دیکر سوار ہو جاؤ۔ اور جہاں تک گاڑی جاتی ہے چلے جاؤ یا جی چاہے اتر پڑو۔ اگر گاڑی کے اندر بیٹھو تو تیس سنیٹم یعنی ڈیڑھ آنہ دو۔ یہاں آمنی بس

یا ٹریم میں کنڈکٹر کو ٹپ دینے کا رواج نہیں۔ ایک روز میں نے جس فاصلہ کے تین فرانک بس گاڑی والے کو دیئے تھے۔ دوسرے روز اس سے تگنے فاصلہ کے لئے ۱۵ اسٹیم برقی ٹریموے پر دیئے۔

مہمانی

میں قریب دو ہفتے کے کرایہ کے مکان میں رہ چکا تھا۔ کہ مسٹر میسن جو پیرس کے مشہور دوافروشاں گریالٹ کمپنی کے ایجنٹ ہیں۔ جب میں ساحل سمندر سے خشکی پر اترا تو وہ مع مسز میسن آ گئے۔ تو انہوں نے مجھپر تقاضا کیا۔ کہ میں اُن کے مکان پر چلا جاؤں۔ کیونکہ اس سے مجھے آرام ملیگا۔ اور جب میں نے ان کی اس مہربانی کے قبول کرنے میں تامل کیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ اگر دوستی میں اتنا بھی مفاد نہ ہو تو پھر دوستی کس کام کی۔ چنانچہ میں نے مکان کا کرایہ خادمہ کی تنخواہ اور دودھ وغیرہ لانے والوں کا حساب شام کو چکا دیا۔ اور گاڑی میں اسباب رکھکر مسٹر میسن کے مکان پر چلا گیا۔ اس مکان میں لفٹ لگا ہوا تھا۔ میں نے خود ہی اپنے دونوں ٹرنک لفٹ میں رکھکر لفٹ کو اٹھا دیا۔ اور جب تیسری منزل پر پہنچا کہ جہاں ان کا مکان تھا۔ تو ہمسایہ کی گھنٹی بجا دی۔ ہمسایہ کی خادمہ نے نکلکر مجھے تبلایا کہ وہ گھنٹی بجاؤ۔ غرض مسز میسن بہت مدارات سے پیش آئیں۔ اور مجھے میرے رہنے کا کمرہ دکھلا دیا۔ خادمہ نے میرا اسباب اٹھا کر وہاں رکھ دیا۔ آج شام کو ایک لیڈی اخبار نویس جو بچوں اور خانہ داری کے مضمون کا رسالہ نکالتی ہے۔ ایک آرٹسٹ (مصور) اور ایک شخص مارشیس کا سوداگر ان کے ہاں کھانے پر مدعو تھے۔ شام کو جب سب ملکر کھانے پر بیٹھے تو باتوں چیتوں میں دو گھنٹے میں کھانا ختم ہؤا۔ اور مہمانوں کو رخصت کرتے کرتے گیارہ بج گئے۔ میرے کمرے میں مسز میسن نے سب ضروریات رکھدی تہیں۔ اور بار بار کہتی تھیں۔ کہ گھر کی طرح آرام سے رہیئے۔ اور جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے بے تکلف فرمایئے۔ مجھے غسلخانہ پاخانہ اور ہاتھ منہ دھونے کے کمرے دکھلا دیئے۔ غسلخانہ میں گیس کے ذریعے سے ایک دو منٹ میں پانی گرم ہوجاتا تھا۔ مسز میسن نے آج شام کو مجھے اپنا فوٹوگرافوں کا البم بھی دکھلایا۔ یورپ میں فوٹوگرافوں کا البم ہر کنبہ میں ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے

کہ جس میں کنبہ کے ممبروں کے مختلف عمروں اور حالتوں کے فوٹوگراف اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ اور بیشک ان کے دیکھنے سے بہت دلچسپی اور لطف پیدا ہوتا ہے۔ ان کے دو خوبصورت بچے ہیں۔ ایک لڑکی۔ اور ایک لڑکا جو دونوں اس وقت ساحل سمندر پر بغرض تفریح گئے ہوئے تھے۔ میم صاحب اپنی لڑکی کی خوبصورتی کی تعریف کرتی رہیں۔ اور انہوں نے مجھے بھی اپنے کنبے کے دو چھوٹی چھوٹی تصویریں دیں۔ اور پوچھا کہ تمہارے پاس بھی تمہارے بچوں کے تصویریں ہیں۔ میرے نہیں کہنے پر تعجب کیا۔ کہ میں کیوں اپنے بچوں کا ذکر نہیں کرتا۔ کیا وہ اچھے نہیں۔ میں نے کہا بیشک وہ بہت اچھے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ تم نے انہیں لاہور میں بھی مجھے نہیں دکھلایا۔ اور اب بھی ان کا ذکر نہیں کرتے۔ حالانکہ میں اپنے بچوں پر ناز کرتا ہوں۔ اور وہ اپنی لڑکی کا فوٹو اپنے پاکٹ بک سے نکال کر اپنے مہمانوں کو دکھلایا۔ اور کہا کہ کیا یہ خوبصورت نہیں ہ سب نے اس نوجوان لیڈی کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ کہ جس پر یہ میاں بیوی بہت خوش ہوئے۔ یورپ میں اپنے بچوں کی تعریف کرنا عیب میں داخل نہیں مگر ہمارے ہاں معیوب ہے۔ مسز میسن بڑی معقول اور آزاد خیال عورت ہیں جتنے دنوں میں ان کے گھر مہمان رہا بڑی مہربانی اور شفقت سے پیش آتی رہیں اور ہمیشہ میرے آرام اور کھانے پینے کا بڑا خیال رکھتیں کہ جس کے لیئے میں اُن کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ ان کے گھر میں رہنے کے زمانہ میں ان کے دو تین دوستوں نے میری دعوت بھی کی اور میں نے ان کے ساتھ جا کر پیرس کے بعض بعض مقامات کی سیر بھی کی۔

ایک رسٹارنٹ میں کھانا

ایک روز مسٹر میسن کے ساتھ ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے گیا۔ وہاں ان کے اور تین دوست بھی تھے۔ ان میں سے ایک فرنچ اور دو ڈچ تھے۔ اور اتفاق سے سب انگریزی بول سکتے تھے۔ ان میں سے ایک سے میری پہلے ملاقات تھی۔ اور باقی دونوں سے انہوں نے تعارف کرادیا۔ اور ہم نے ایک دوسرے سے کارڈ بدل لیئے۔ یہ دونوں ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ اور فرانس کا ریشم امریکہ کو روانہ کرتے تھے۔ کھانے میں حسب معمول بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ مجوزہ

طرح طرح کے سوالات ہندوستان کی اور ہندوستان کے مذاہب کی نسبت کرتے رہے کبھی گورنمنٹ ہند کے انتظام کے نسبت بھی بات آجاتی۔ یہ بات سنکر کہ مسلمان ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ حیران ہوتے تھے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ عملاً برائے نام فائدہ اس اجازت سے اٹھایا جاتا ہے۔ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے بھی تعجب کرتے تھے۔ ان چار یورپینوں سے جو میرے ساتھ کھانا کھارہے تھے سوائے مسٹر میسن کے کہ جنکے دو بچے ہیں۔ اوروں کے بچے تو بچے بیویاں بھی نہ تھیں۔ حالانکہ یہ معزز لوگ معزز اور متوسط الحال تھے۔ مگر بوجہ خانہ داری کے اخراجات کی زیادتی کے بیوی رکھنے کا جھگڑا انہیں سہیڑتے تھے۔ ان کے روزانہ کھانے کا خرچ اتنا پڑتا ہے۔ کہ ہندوستان میں ایک غریب آدمی اس پر مہینہ بھر گزارہ کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں یہاں سوائے سوڈا وغیرہ کے پانی کا نام نہیں ہوتا۔ میں تو اس سے یہی نتیجہ نکالتا ہوں۔ کہ باوجود مجبوری کے بھی یہاں زندگی کا معیار بہت اعلی ہوتا ہے۔ آج کھانے پر مجھ سے ایک بڑی مضحکہ انگیز بات ہوئی۔ سبز بادام جو چھلکے سمیت میز پر لائے گئے۔ تو میں ایک بادام توڑ کر اس کا چھلکا کھانے لگا۔ کھانے پر منجملہ دیگر امور

پولیٹیکل بحث

جنگ کے ٹرینسوال کے متعلق بھی باتیں ہونے لگیں مسٹر میسن جب انگریزوں کی طرف داری کی بات کرتے تو ان کا ڈچ دوست جو ہالینڈ کا رہنے والا تھا۔ بہت بگڑتا۔ اور کہتا کہ ان لوگوں نے ٹرینسوال میں میرے ہم قوموں کو بہت اذیت پہنچائی ہے۔ یہ بہت کمینے ہیں۔ مجھ سے پوچھا کہ ان کا ہندوستانیوں سے کیسا سلوک ہے۔ میں نے کہا کہ ہندوستان میں ہم لوگ کبھی انگریزوں کا احسان اتار نہیں سکتے۔ کیونکہ انہیں کی بدولت ہم تک مغربی علوم کی روشنی پہنچی ہے۔ اور یورپین انسٹی ٹیوشنوں کا حال معلوم ہوا ہے۔ ہالینڈ کے جنٹلمین نے جواب دیا۔ کہ اگر روس بھی ہندوستان میں جاتا۔ تو یہی نتیجہ نکلتا پھر مجھ سے پوچھا۔ کیا ہندوستانی روس کی حکومت سے خوش ہونگے میں نے کہا مجھے اس کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ البتہ ہم اپنی حالت میں بہت مطمئن ہیں۔ پھر کہا کیا روس کا قصد ہندوستان پر تاخت کرنے کا ہے۔ میں نے کہا نہیں ہمیں

طرف انگریزی گورنمنٹ کے روک تھام سے روس کے حملہ کا قصد معلوم ہوتا ہے۔ آج کل بوجہ جنگ ٹرمینوال کے براعظم یورپ کے اور سب ملکوں میں بھی کہ جہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوا۔ لوگ انگریزوں کو نظر حسد و عداوت سے دیکھتے ہیں ٭

پیرس کا صرافہ

پیرس کا بورس یعنی صرافہ راستہ میں پڑا اس مشہور صرافہ کو جو یورپ کے مالی معاملات کا تھرمامیٹر ہے۔ اس کے بڑے حال میں جب میں نے دیکھا دو تین ہزار سے کم آدمی نہ تھے۔ یہ لوگ بعض کمپنیوں کے حصوں کے نرخ کی بولی بولنے میں اس قدر شور مچا رہے تھے۔ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ بعض لوگ توڑے جوش سے اپنی بولی کی جانب توجہ دلانے کے لئے لکڑیاں کھڑی کرتے اور ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اسی طرح صبح سے شام تک صرافہ میں ہر روز کئی غریب سے امیر اور کئی مفلس قلاش ہو جاتے ہیں۔ مسٹر میین نے بتلایا کہ یہاں جتنے لوگ جو بولی دیتے ہیں۔ یا جو کچھ خریدتے ہیں۔ وہ صرف ایک پرزہ کاغذ پر بطور یادداشت کے لکھ دیتے ہیں۔ اور خواہ وہ دو لاکھ روپیہ کے نقصان ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو مگر وہ اپنے قول سے نہیں پھرتے۔ اس مکان سے زیادہ شور میں نے یورپ یا ایشیا میں کبھی نہیں سنا ٭

مصطفی خلیل آفندی سے ملاقات

یہ وہی شخص ہیں جن کو کسی زمانہ میں اخبار کریسنٹ میں مسٹر کوئلیم کے مسلم انسٹی ٹیوٹ میں فرانسیسی اور ترکی زبانوں کا پروفیسر مشتہر کیا جاتا تھا۔ میرے سفر یورپ پر روانہ ہونے سے پہلے یہ صاحب ہندوستان سفر کرتے ہوئے لاہور پہنچ گئے تھے۔ اور اثنائے قیام لاہور میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے مکان میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں دنیا کے مسلمانوں کی حالت پر ایک لکچر بھی دیا تھا۔ یہ لاہور میں میرے مہمان بھی رہے تھے۔ اور آجکل پیرس میں سکونت بھی رکھتے تھے۔ بنے گلاب شاہ افغان سے میرا ذکر سنکر مجھ سے بڑے تپاک سے ملے پہلے روز ملکر بغلگیر ہوئے۔ اور میرے سینہ کی دونوں طرف بوسہ دیا۔ یہ اپنے آپ کو ترک کہتے ہیں۔ اور بتلاتے ہیں کہ ٹانگ میں گولی لگنے کی وجہ سے لنگ ہو گیا۔ اس لئے فوجی ملازمت ترک کرنی پڑی۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتلایا۔ کہ وہ دمشق کے خاندان علم زادگان

سے بچتے۔ لیکن دمشق میں جاکر معلوم ہوا۔ اس نام کا اس خاندان میں کوئی شخص نہیں۔ بہر حال پیرس میں خلیل آفندی مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ ایک روز ایک نوجوان ترک طرابلسی عبدالقادر نامی بھی جو ان کا دوست تھا ایسے ہی محبت سے ملا خلیل آفندی کا مکان عین وسط شہر میں ایک اچھے موقع پر جو سینٹ میشل میں تھا۔ انہوں نے افسوس کیا کہ اگر انھیں یہاں میرے آنے کی خبر پہلے ملی ہوتی تو سستا مکان کرایہ پر لے دینے کے علاوہ ہر کام میں مدد دیتے۔ چنانچہ وہ مجھ سے ملکر بہت خوش ہوئے۔ اور بہت خاطر تواضع کی۔ اور میرے لئے پر تکلف کھانا گھر میں تیار کرایا۔ اسی کمرہ میں ایک اور شامی مسلمان کھانا پکا رہا تھا۔ پکانے کا چولہا گیس سے گرم ہوتا تھا۔ اور دیگچیاں ایسی صاف کہ ان سے کمرہ کی آرایش میں فرق نہیں آیا تھا۔ ایک قسم کے چاول "شعریہ" جو میرے لئے عجیب چیز تھے۔ وہ شکل میں جو دانہ کے برابر تھے بلکہ سیویوں اور چاولوں کے بیچ بیچ کوئی چیز معلوم ہوتی تھی۔ اور قسطنطنیہ ہی میں پیدا ہوتے ہیں پکائے گئے۔ ایک بکرے کی ران بھی میز پر لائی گئی۔ اور خلیل آفندی نے کہا کہ یہ ایک مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ پیرس میں ایک ٹیونسی مسلمان خاندان ہفتہ میں ایک دو مرتبہ اپنے لئے ایک بکرا ذبح کرتا ہے۔ اور یہ ران ایک ڈبل تنور میں ثابت دم کی گئی تھی۔ کھانے کی میز پر ہمارے ساتھ ایک آدھیڑ عمر کی عورت تھی۔ جو کہتی تھی۔ کہ انگلستان کی رہنے والی ہے۔ مگر اب تو فرانسیسی بھی خوب بولتی تھی۔ اور آفندی کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ کھانے کے بعد حسب معمول کچی مولیاں اور میوہ جات آئے۔ اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد بھی خلیل آفندی نے ایک مرتبہ مجھے کھانے پر بلایا اور بہت کچھ التفات کا اظہار کیا۔ پہلے روز مجھے اپنے نوجوان دوست عبدالقادر سے انٹروڈیوس کر کے کہا کہ یہ فرانسیسی خوب بولتا ہے۔ پہلے ایک پیرس کے رئیس کا ملازم خدمتگار تھا مگر اب ایک فرانسیسی لیڈی سے شادی کر لی ہے۔ اور کچھ کاروبار کرتا ہے۔ یہ پیرس کے چپّہ چپّہ سے واقف ہے۔ اس لئے تمہیں خوب سیر کرا سکتا ہے۔ میں نے اسے غنیمت سمجھا۔ اور ہم فوراً پیرس کا چڑیا گھر اور بعض مقامات دیکھنے کو چلے گئے۔ یہ شخص فرانسیسی اور عربی دونوں مادری زبانوں کی طرح بے تکان

بولتا تھا۔ مگر ناخواندہ تھا۔ یہ پورا فرانسیسی جنٹلمین تھا۔ کہتا تھا فرانس بہت اچھا ملک ہے، اور فرانسیسی بہت اچھے لوگ ہیں۔ یہاں کی عورتوں کی خوبصورتی اور موٹی تازی ہونے کی بھی تعریف کرتا تھا۔ برخلاف اس کے انگریز عورتوں کو سوکھی چمرخ کہتا تھا۔ فرانسیسیوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت کا عام خیال ہے۔ اور ایسے ہی جرمنی کی طرف سے ؛

پیرس کا چڑیا گھر

پیرس کا چڑیا گھر جسے یارڈین دے پلانٹ کہتے ہیں، دراصل صرف چڑیا گھر نہیں۔ بلکہ زولاجیکل گارڈن چڑیا گھر کے اس وسیع مکان میں اناٹومی کا عجائب گھر بوٹینکل گارڈن (نباتات کا باغ) زوآلوجی (تاریخ الحیوان) جیالوجی (طبقات الارض) منرالوجی (معدنیات) انتھروپولوجی (علم ترکیب انسان) کی گیلریاں، پودوں کے لئے ہاٹ ہاؤس۔ ان علوم کے متعلق ایک مکمل کتب خانہ اور علوم حیوانات، نباتات اور معدنیات کے متعلق لکچر دینے کے لئے امفی تھیٹر ہے۔ جس میں بڑے بڑے سائینس دان لیکچر دیتے ہیں۔ بخلاف برلن کے چڑیا گھر کے یہاں داخلہ کا ٹکٹ مفت ملتا ہے، مختلف جانوروں کے پنجرے اور مکان دیکھے۔ شیر کئی قسم کے تھے، ہر شیر کو آٹھ دس پونڈ گوشت روزانہ ملتا تھا۔ بندر ایسے ایسے عجیب اور مختلف اقسام کے تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے۔ دریائی گھوڑے گینڈے، ہاتھی اور اونٹوں کے مکان بھی تھے، پرندے آٹھ سو قسم کے اور سانپ ڈھائی سو قسم کے جمع تھے، ان میں بڑے بڑے اژدھے نہایت خوفناک معلوم ہوتے تھے۔ جو دبیز شیشے کے صندوقوں میں بند تھے۔ ایک اژدہا ایک گز سے کم موٹا نہ ہوگا۔ سبز رنگ کی زہریلی چھپکلیاں، زہریلے مینڈک اور پانی کے سانپ بھی موجود تھے۔ تماشائیوں کی نظر میں یہاں کی یہ بات بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ کہ جس طرح برلن کے فولکر کنڈے عجائب گاہ میں مختلف ممالک کی اشیائے نمائش کے ساتھ اُن ممالک کا نقشہ آویزاں ہوتا تھا۔ کہ جس سے معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ یہ ملک اور مقام دنیا کے نقشہ میں کس جگہ واقع ہے۔ جہاں کی یہ اشیا ہیں۔ ویسے ہی ان جانوروں کے پاس انامل کی تختیوں پر ایسے نقشے آویزاں تھے، کہ جس پر اس جانور کی پیدائش کا ملک سرخ رنگ میں دکھلایا گیا

تھا۔اس سے ہر ایک دیکھنے والے کو فوراً معلوم ہو جاتا تھا۔کہ یہ شیر وسط افریقہ کا ہے یہ ریچھ قطب شمالی کا اور یہ دو کوہان والا اونٹ ترکستان کا ہے۔یہاں لوگ بندروں۔ ہاتھیوں اور بکریوں کو بڑی عجیب چیز سمجھتے ہیں۔ہاتھی پر پیسے دیکر بچے سوار ہوتے ہیں۔سگ آبی کے یہاں بڑے نمونے تھے۔نیل گاؤ کے متعدد اقسام تھے۔بارہ سنگا بہت قدآور دیکھا۔کئی جانور ایسے تھے۔جن کے نام مجھے معلوم نہیں۔یہاں لوگوں میں جانوروں کے سامنے روٹیاں خرید کر ڈالنے کا بڑا دستور ہے۔بعض جانوروں کے کمروں کو سرد رکھنے کے لیئے پانی کے حوض اور بعض کو گرم رکھنے کے لیئے انگیٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔یہ چڑیا گھر پہلے پہل ۱۶۳۵ء میں قایم ہوا تھا۔اور چھتیس ایکڑ میں واقع ہے۔پیرس میں اس کے علاوہ ایک اور چڑیا گھر بھی ہے۔

باغ ٹوئلریز

ٹوئلریز سلاطین فرانس کا ایک قدیم اور شاندار محل تھا جس میں نپولین لول بھی اپنی بیوی جوسفین کے ساتھ رہ چکا تھا۔لیکن اب ۱۸۷۱ء میں کمیونسٹ لوگوں نے اسے جلا دیا۔اب یہاں ایک نہایت خوشنما باغ ہے۔جہاں ہفتہ میں تین مرتبہ سہ پہر کو فوجی باجا بجتا ہے۔آج یہاں باجہ کا دن تھا۔اور بہت بڑا ہجوم تماشائیوں کا تھا۔پیرس میں ہر روز کسی نہ کسی باغ یا پارک میں سرکاری باجا بجتا رہتا ہے۔عین وسط باغ میں خوبصورت تالاب ہے۔اطراف میں روشیں ہیں۔اور ان پر بہت سے بت بڑے بڑے کاریگروں کے بنائے ہوئے کھڑے ہیں۔یہ باغ خوبصورتی اور صفائی کے لحاظ سے آئینہ کی طرح صاف ستھرا نظر آتا ہے۔اور ہزاروں آہنی کرسیاں پبلک کے آرام کے لیے جا بجا پڑی تھیں

وندوم مینار

وندوم پیرس کا ایک چوک ہے۔جہاں ایک عالیشان مینار کھڑا ہے۔جسے نپولین اعظم نے ۱۸۰۵ء کے فتح کی یادگار میں روم کے ٹراجن کے مینار کی نقل کے طور پر اسے تعمیر کرایا تھا۔اور دشمن سے جو توپیں جنگ میں چھینی تھیں۔پگھلا کر پتھر کے مینار کے گرد ان کے پترے چڑھوا دیئے۔جنگ بولون سے لے کر آسٹرلٹز کے معرکہ تک کے تمام جنگی واقعات اور مشہور اشخاص کی ابھروان

تصویریں اس مینار پر بنی ہوئی لہریئے کی طرح چوٹی تک چلی گئی ہیں۔ اور سب سے اوپر پولین کا بُت ہے۔ اسے بھی کمیونسٹ باغیوں نے گرا دیا تھا۔ مگر سنہ ۱۸۷۵ء میں پھر وہیں کھڑا کر دیا گیا ہے٭

بوں مارشے

Bon Marche

اگر کسی شخص نے پیرس میں جا کر بوں مارشے یعنے "اچھا سودا" یا اسی قسم کے دو دوسرے تجارتی مخزن نہ دیکھے تو اس نے پیرس میں گویا کچھ بھی نہ دیکھا۔ میں نے سنا ہے کہ اب سب سے بڑی دکانیں نیویارک اور شکاگو میں ہیں۔ کہ جن میں ہر وقت کروڑہا روپیہ کا ہر قسم کا مال تجارت بکثرت جمع رہتا ہے۔ اور جنہیں سٹور کہتے ہیں۔ لیکن پیرس کے مگاسین یعنی مخزن اور لنڈن ولیم واٹیلے کی دکانیں بھی امید ہے کہ امریکہ کے سٹوروں سے کسی نہج سے کم نہ ہونگی البتہ برلن کی جس بڑی دکان کو میں نے اس سے پہلے دیکھا ہے۔ وہ باوجود اپنی عظمت کے بوں مارشے سے بڑی نہیں۔ بوں مارشے ایک عظیم الشان دکان پیرس میں اس قسم کی ہے۔ کہ جس میں انسانی ضرورت کی ہر چیز بکثرت مہیا رہتی ہے۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں ایک غریب آدمی کے بیٹے ارسٹائیڈ بوسی کلٹ نے بیالیس سال کی عمر میں اس دکان کو بلا کسی سرمایہ کے بہت چھوٹے پیمانہ پر جاری کیا۔ لیکن اس شخص کے پاس اگرچہ دولت نہ تھی۔ مگر ایک ایسا دماغ ضرور تھا۔ جو دانش او فراست کا مخزن تھا۔ اس نے دو تین ایسے اصول اپنی دکان کے لیے مقرر کیے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں گاہک اس کی دکان کی طرف ٹوٹ پڑے اور دُکان دن بدن ترقی کرتے کرتے عظیم الشان مخزن بن گئی۔ اسکا پہلا اصول یہ تھا کہ نفع تھوڑا اور سودا بہت بکے۔ ۲ اسباب سب اعلیٰ درجہ کا ہو ۳ اور قیمتیں مقرر ہوں۔ تاکہ بغیر سردردی کے ہر شخص کو اچھی چیز مناسب قیمت پر مل جائے اس کے علاوہ اس نے یہہ طریقہ بھی اختیار کر لیا۔ کہ جس کسی کو سودا خریدنے کے بعد کوئی چیز پسند نہ آئے وہ واپس کرے اور اپنے دام لے لے۔ ان باتوں کے ساتھ اس نے اپنے مال کا اشتہار بھی بہت عمدہ پیرائے میں دینا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۵۲ء سے سنہ ۱۸۶۳ء تک اس کی بکری ساڑھے چار لاکھ فرانگ سے ستر لاکھ فرانک تک پہنچ گئی

اس شخص کے مرنے پر اس کی بیوی نے دکان کا کاروبار سنبھالا اور گو کہ وہ ناتعلیم یافتہ تھی مگر اس کی نگرانی میں بھی کارخانہ نے بڑی ترقی کی۔ ان میاں کے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی نے اپنے مرنے کے وقت دکان کی ملکیت ان ملازموں اور کلرکوں میں تقسیم کردی جو اس وقت اس کارخانہ میں تھے۔ چنانچہ اس وقت اس دکان کے مالک پانچ سو حصہ دار ہیں۔ جو سابق کلرک اور اب ان کے وارث ہیں سنہ ۱۸۸۰ء میں اس دوکان کے ہر حصہ کی قیمت پچاس ہزار فرانک قرار پائی تھی۔ لیکن دن بدن اسے اس قدر کامیابی ہو رہی ہے کہ اب ہر حصہ تین لاکھ بیس ہزار کا ہو گیا ہے۔ اور اٹھارہ ہزار فرانک سالانہ اس کا منافع ہے۔ پانچ سو سودا بیچنے والی عورتیں اس دکان میں ملازم ہیں کہ جن میں سے چوتھائی اسی مکان میں رہتی ہیں۔ اور انہیں خوراک پوشاک سرما میں آگ اور تفریح کا سامان دکان کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس دکان کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اگر ساڑھے تین بجے شام کے دکان کے متعلقہ ریڈنگ روم میں جہاں ہر قسم کے اخبار بھی آتے ہیں جائیں تو ایک ترجمان ان کے ساتھ جا کر تمام دکان دکھلا دیتا ہے۔ ۲۶ نومبر کو ہر سال زائد مال کم قیمت پر نکال دیا جاتا ہے ؛

گراں مگاسین ڈولوور

اسی پیمانہ کی اور اسی اصول کی ایک دوسری بڑی دکان پیرس میں اس نام کی ہے جو عجائب گاہ مورد کے قریب ہے۔ اس میں بہتر صیغے ہیں۔ کہ جن میں مختلف اقسام کا مال بکتا ہے۔ اور اس میں بھی سودا بیچنے والی تقریبا سب عورتیں ہی ہیں۔ یہ ۱۸۵۵ء میں بشرکت تین شرکا کے قائم ہوئی تھی۔ پہلے سال کے اخیر میں نفع صرف پانسو فرانک ہوا۔ ایک شریک چھوڑ گیا۔ باقی دو شرکا نے پندرہ لاکھ کے سرمایہ سے مشترکہ کمپنی بنائی۔ جس کا ہر حصہ پانچ ہزار فرانک کا تھا۔ ۱۸۹۷ء میں ایسے ہر حصہ سے انیس ہزار فرانک یا قریب چار سو فیصدی کے منافع ہوا۔ اور کل سالانہ بکری بارہ کروڑ فرانک تک پہنچ گئی۔ یہاں بھی مودر کی طرح علاوہ لفٹ کے اوپر کی منزلوں پر چڑھنے کے لیے ایسے متحرک پلیٹ فارم تھے۔ کہ جن کا نمائش گاہ پیرس میں ذکر ہو چکا ہے۔ میں نے اس وقت اندازہ کیا تھا۔

کہ شاید پچاس ہزار کل گاہک اور تماشہ دیکھنے والے اور ملازم دکان کی سب منزلوں میں ہوں گے شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ کھلونے زیور گھڑیاں کپڑے قالین غرض ہر چیز جو خیال میں آسکتی ہے یہاں موجود تھی۔ میرا ارادہ صرف سیر کرنے کا تھا۔ مگر میں نے یہاں سے نصف درجن کالر اور چوتھائی درجن کف آٹھ فرانک پندرہ سنیٹم کو خریدے۔ یہ لوگ دکان کے اندر جانے سے کسی کو منع نہیں کرتے۔ اور ایسا کم اتفاق ہوتا ہے کہ جو صرف سیر و تماشے کی غرض سے دکان میں جائیں۔ اور کچھ نہ کچھ نہ لیں۔

بازار ہوٹل ڈاویل

پیرس میں اور بھی کئی ایک بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ لیکن اُن میں سے بازار ہوٹل ڈاویل میں ایک خصوصیت ہے۔ اور ہر ایک ظاہری لحاظ سے یہ بھی بون مارشے اور مگاسین ڈالوور کی طرح بہت بڑا مال تجارت کا مخزن ہے۔ مگر اس میں اس امر کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے۔ کہ غریب لوگوں کی ضرورت کی سب چیزیں مہیا ہیں۔ گو وہاں کے غریب لوگوں کی استعمال کے قابل چیزیں ہمارے یہاں کے امرا کے سامان سے اچھی ہیں۔ یہ مکان بھی چار پانچ منزل کا ہے۔ اور اس میں ہر ایک چیز اکٹھے جمع کی گئی ہے۔ زیورات برتن کھلونے کپڑے اور ہر ایک ضروری اور معمولی سے معمولی چیز بھی موجود ہے۔ چیزیں سب سستی مگر سب خوشنما اور ستھری بنی ہوئی ہیں۔ یہاں میں نے ایک پرند شکار کرنے کی نرالی چیز دیکھی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے چمکدار شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کو دھوپ میں ہاتھ میں لے کر پھرانے سے کھیت کے جانوروں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور وہ گرنے لگتے ہیں۔ اور آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ اس دکان کے مالک سے بھی میں نے سنا کہ بہت دولت کما لی تھی "ہوٹل ڈاویل" فرانسیسی زبان میں ٹاؤن ہال کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ دکان پیرس کے ٹاؤن ہال کے متصل واقع ہے۔ اس لئے اس کا یہی نام مشہور ہو گیا۔

پیرس کی زیر زمین ریلوے

میرے ایک دوست کے ایک دوست نے وعدہ کیا کہ مجھے فلٹر اور سیپ اور ونڈملین نواح پیرس کے ایک گاؤں میں سیر کرا لائیگا۔ گو میں وقت مقررہ پر اس کے پاس نہ پہنچ سکا۔ بلکہ وقت مقررہ سے گھنٹہ بھر بعد

پہنچا۔ تاہم وہ جنٹلمین میرے ساتھ چلنے کو اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے پیرس کے راستے کافی طور پر نہ جاننے کا عذر کیا۔ ٹاؤن ہال کے پاس پیرس کی نئی زیرزمین ریلوے میں سوار ہو کر میں بوآڈا بولون کو گیا۔ یورپ میں یہ پہلی زیرزمین ریلوے تھی جس پر میں سوار ہوا۔ پیرس میں یہ لائن حال میں بنی ہی ہے۔ جو برقی طاقت سے چلتی ہے۔ زمین کے اندر اتر جانے سے آگے ایک بہت بڑا اسٹیشن اور کھلا پلیٹ فارم ملتا ہے۔ ہر طرف برقی روشنی سے دن کا سا اُجالا ہے۔ ہزاروں عورتیں مرد دوڑ دوڑ کر گاڑیوں پر سوار ہو رہے تھے۔ غرض میں بھی بیٹھ گیا۔ اور انسانی صنعت کی ترقی پر عش عش کرنے لگا۔ زمین کے اندر جو راستہ بنایا گیا ہے۔ اس میں چھت اور کونوں میں سفید چینی کی اینٹیں لگائی گئی ہیں۔ اس سے پہلے انگلستان وغیرہ ممالک میں جہاں زیرزمین ریلیں چلتی تھیں۔ بوجہ انجنوں کے دھوئیں کے ان کے راستے (ٹنل) بہت میلے ہو گئے تھے۔ مگر برقی طاقت سے چلنے والی لائنوں کی سڑکیں ہمیشہ ستھری رہیں گی۔ کہ اس میں دھوئیں کا نام نہیں۔

فلٹر

یہ صاحب خود فلٹروں کا کارخانہ رکھتے ہیں۔ اور چھوٹے چھوٹے فلٹر بنانے کے علاوہ شہروں کی آبرسانیوں کے لیئے بڑے بڑے فلٹر بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ ان کا نام مسٹر ہارڈسن ہے۔ انہوں نے مجھے کسی طرح کے فلٹر دکھلائے۔ اور ان کے پانی صاف کرنے کی قابلیت کا اس طرح امتحان کروایا کہ ایک ٹب میں کچھ مٹی اور کوڑا کرکٹ ڈالدیا۔ اور اس گدلے پانی میں ایک فلٹر مع پمپ کے لگادیا۔ پانی پمپ کے راستہ سے اوپر چڑھتا تھا۔ اور فلٹر اسے صاف اور پینے کے قابل بنا کر نیچے گرتا جاتا تھا۔ ہندوستان میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لوگوں کو جوہڑوں اور تالابوں کا گدلا پانی پینا پڑتا ہے۔ کہ جس سے بخار وغیرہ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر سارے گاؤں میں ایک ایک ایسا فلٹر بھی لگادیں تو کافی ہو۔ ایسے ایک فلٹر کی قیمت آٹھ دس روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ فلٹر دیکھنے کے بعد ہم بوآڈا بولون سے گزر کر ایک قریب کے گاؤں کو گئے ٭

ونڈملین اور پمپ

بوآڈا بولون پیرس کا مشہور پارک ہے۔ یہ ویانا اور برلن

دونوں شہروں کے پارکوں سے بڑا اور بہت زیادہ خوبصورت ہے عالی شان درختوں کی قطاروں کے بیچ سے بڑی خوبصورتی سے سڑکیں نکالی ہیں۔ اسی میں ایک طرف پیرس کی گھوڑ دوڑ کا میدان ہے۔ اور گرینڈ سٹینڈ کتنا بڑا ہے۔ دوسری طرف ایک پانی کا قطعہ ہے جس کا آبشار بہت بڑا ہے۔ باوجود موسم درست نہ ہونے کے بہت سی شوقین لیڈیوں اور جنٹلمینوں کی گاڑیاں ادھر سے گزرتی ہیں۔ بیسیوں راستے اور بہت سے قہوہ خانے ہر طرف ہیں۔ یہاں کے مزدوری پیشہ اور دستکار لوگوں میں رسم ہے۔ کہ شادی کے بعد سب سے پہلے اس پارک میں میاں بیوی ضرور گلگشت کو آتے ہیں۔ اور یہاں کے کسی رسٹارنٹ میں کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے جمعہ ہفتہ اور اتوار کو یہاں بہت سے نئے بیاہے ہوئے جوڑے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً ہفتہ کے انہیں دنوں میں شادی کرتے ہیں۔ ہم نے منزل مقصود پر پہنچ کر ایک کارخانے میں مختلف قسم کے واٹرپمپ دیکھے۔ ہمیں ایک ونڈمل ہوا سے چلنے والی کل) کام کرتی ہوئی دکھلائی گئی۔ جو زمین پر تیس گز کی گہرائی سے پمپ کے ذریعے پانی کھینچ رہی تھی۔ ونڈمل کے صرف آہنی پنکھوں کی قیمت علاوہ قیمت فریم کے سات سو فرانک اور پمپ کی قیمت دو سو فرانک تھی پانی ایک معمولی کوئیں سے نکال کر زمین سے دس بارہ گز اونچے حوض میں ڈیڑھ انچ کی نالی سے پہنچایا جاتا تھا۔ ایک دوسرا ہاتھ سے پھرانے والا پمپ میں نے پسند کیا جس کی قیمت پچھتر فرانک تھی۔ اور اس کی زنجیر اور ربڑ کے لاٹوؤں کی قیمت گیارہ فرانک فی گز تھی۔ میرا اب تک یہ خیال ہے کہ ونڈمل ہندوستان کے زمینداروں کو کنوؤں سے پانی نکالنے میں بڑی مدد دیگی۔ اور اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو ملک میں ہزاروں ونڈملیں لگ جائیں گی۔ اس وقت اس بات کا اندیشہ ہے۔ کہ ہندوستان میں ہوا بہت کم اور نہائت غیر مقررہ طور پر چلتی ہے کبھی تو آندھی آجاتی ہے۔ اور کبھی پتا تک نہیں ہلتا پہلے تو مجھے یقین ہے۔ کہ ہندوستان کے میدانوں میں بھی ونڈمل بہت کام دے سکتی ہے۔ بالفرض اگر ہر روز ہوا موافق نہ ہو۔ تو ونڈمل خود بخود پانی بلندی پر پہنچا دیگی۔ لیکن اگر میدان میں کامیابی نہ ہوئی تو سمندر کے کنارے اور پہاڑوں کے دامنوں میں جہاں پانی کی ضرورت ہو۔ یہ

مفت کا خدمتگار کام دیگا۔ نہ اس میں بیل جوتنا پڑیگا نہ انجن کی طرح ایندھن ڈالنا پڑیگا سوائے ابتدائی قیمت کے خرچ کے اور کچھ خرچ نہیں۔ میرے خیال میں اگر کوئی ایک صاحب یا چند صاحب ملکر چھ سات سو روپیہ جمع کر کے تجربہ کے لیئے ایک ونڈمل منگوائیں تو ملک کے زمینداروں اور کاشتکاروں پر بڑا احسان ہوگا۔

یورپ کے ملاقاتی

ٹیکنیکل تعلیم اور چھپائی کی کلیں اور اخباروں اور کتابوں کے سامان دیکھنے میں مجھے خوش نصیبی سے پیرس کے ایک ایسے شخص سے مدد ملی جو وہاں کے باتصویر اخبارات کی سوسائیٹی کا سکرٹری اور ایک فیشن کے تصاویر کے رسالہ کا ایڈیٹر تھا۔ مجھے اتفاق سے اس کے نام ایک ایسی تقریبی چھٹی مل گئی تھی۔ کہ جس سے وہ دوست بن گیا اور اس سے نمائیش گاہ کے اندر اور باہر ہر قسم کے چھپائی کے کام دکھلانے میں مجھے بڑی مدد ملی۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ کے لوگ بہت کورے ہوتے ہیں تاہم بعض بڑے با اخلاق اور بامروت بھی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس اُن کے دوستوں یا عزیزوں کی انٹروڈکشن کے خطوط لیکر میں گیا۔ وہ ہمیشہ مجھ سے اخلاق اور مہربانی سے پیش آئے۔ ایک آدہ وقت کھانے یا چاء پر بلا لینا ایسی ملاقات کی قدردانی کے لیئے مناسب سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر ان کی رفاقت میں کسی ہوٹل یا رسٹارنٹ میں کھانا کھانا پڑے۔ تو قیمت وہ اپنی گرہ سے دیتے ہیں۔ اور گاڑی وغیرہ کا کرایہ بھی خود دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان پر زیادہ بوجھہ ڈالنا نامناسب ہے۔ خیر یہ جنٹلمین جس کا نام مسٹر ایماس تھا۔ ۲۔ اگست کو فارسی نستعلیق ٹائپ کی تلاش میں مجھے فرانس کے سرکاری مطبع کی شاخ نمائیش میں لے گیا۔ یہاں میں نے کئی عربی فارسی خوشخط ٹائپ میں چھپی ہوئی کتابیں دیکھیں جو فرانس کے گورنمنٹ پریس میں چھپتی تھیں۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض بالکل فروخت نہیں کی جاتیں۔ اور نہ نستعلیق ٹائپ جو اس پریس میں بنتا ہے۔ فروخت ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے اس پریس کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ اس کے دیکھنے کی اجازت کا ٹکٹ یہیں سے ملتا تھا۔ ہم یہ ٹکٹ لیکر پیرس کے

ایک دُور دراز حصہ میں اس مطبع میں پہنچے ۔

پیرس میں مستعمل کتابوں کی منڈی

راستہ میں پیرس کا مشرقی زبانوں کا مدرسہ دیکھا اور نیز پیرس کی پُرانی کتابیں بیچنے والوں کا بازار آیا۔ کہ جہاں اس کے بعد دو تین مرتبہ پھر جا کر میں نے کتابیں تلاش کیں۔ میرے رفیق نے جو بڑا علم دوست تھا یہاں دو جلدیں علم تمدن کی پُرانی کتابوں کی دو فرانک میں خریدیں۔ اور مجھ سے کہا کہ یہاں لوگوں کو پڑھنے کا اتنا شوق نہیں جتنا انگلستان میں ہے۔ جو اہل فرانس پڑھتے بھی ہیں وہ پرانی کتابوں کا شوق نہیں رکھتے۔ پیرس کی مستعمل کتابوں کا بازار علم دوست لوگوں کی نظر میں بڑی مشہور جگہ ہے۔ اس کا نام "سینٹ میشل" اور اسی نواح میں پیرس کے تمام کالج اور سکول اور زیادہ تر دوسرے کتب فروشوں کی دکانیں ہیں مستعمل کتابوں کی دکانیں دراصل دکانیں نہیں۔ ایک دریا ہے جو اس بازار کے بیچ سے گزر جاتا ہے۔ اس کے ایک کنارے پر بازار کی حفاظت کے لئے جو دیوار کمر تک بلند کھڑی ہے اس کے سرے پر دور تک سینکڑوں صندوق جڑے ہوئے ہیں۔ بس یہی مستعمل کتابوں کی دکانیں ہیں۔ کئی بوڑھی عورتیں اور ہر عمر کے مردان میں سے ایک یا دو یا چار صندوقوں کے مالک ہوتے ہیں جن میں پُرانا کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ گو اسی کوڑے میں بعض جواہرات بھی چھپے رہتے ہیں۔

پیرس کا سرکاری مطبع

غرض جب ہم امپیریمری نیشنال (مطبع سرکاری) کے صحن میں پہنچے تو ہم سے پہلے ایک خاصہ مجمع تماشائیوں کا یہاں موجود تھا جو ہماری طرح نمائش گاہ سے یہ مقام دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ صحن میں گٹن برگ سیسہ کے حروف کے موجد کا رُوئیں بُت نصب تھا یہ اتنا بڑا مطبع ہے۔ کہ دو گھنٹہ میں بمشکل اس کی سب شاخوں میں پھر سکتے تھے۔ ہر مشرقی اور مغربی زبان کے ٹائپ یہاں موجود تھے۔ بوجہ تنگئی وقت ہم نے صرف عربی فارسی ٹائپوں اور کتابوں اور چھاپنے کی کلوں کا دیکھنا کافی سمجھا۔ یہاں ایک قرآن شریف خوشخط ٹائپ میں چھپ رہا تھا۔ جس کے گرد بہت بھاری مینا کاری اور

سنہری بیل بھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دو سال میں ختم ہوگا۔ معلوم ہوا کہ جو کتابیں گورنمنٹ فرانس فروخت نہیں کرتی وہ یہاں کے مقبوضات اسلامی کے دفاتر اور حکام کے استعمال کے لیے چھاپی جاتی ہیں

کرامو لیتھو مطبع

یہاں سے ایک اور پتھر پر رنگین چھاپنے کا مطبع دیکھنے گئے۔ جہاں گیس انجن سے کئی پریس اور مشینیں چل رہی تھیں۔ اور کئی رنگین کام چھپ رہے تھے۔ ایک کاغذ پر گیارہ رنگ چھاپے گئے تھے۔ مینیجر نے کہا اس قسم کا اچھا کام میں دن میں پانچ چھ سو سے زیادہ نہیں چھاپ سکتا۔ اکثر لوگ حروف اور تصویروں کے ڈیزائن بجائے کاپی پر بنانے کے پتھروں پر ہی بناتے ہیں۔ اور بعض اوقات کاغذ پر بنا کر پتھر پیان کا چربہ اُتار لیتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں پتھر کے چھاپے خانہ میں ہر جگہ بلکہ ہر کاتب خود کاپی کا کاغذ رنگ لیتا ہے۔ یہاں ایسا نہیں کرتے۔ اس کام کا ایک علیحدہ کارخانہ ہے۔ کاپی لکھنے کی سیاہی کا کارخانہ علیحدہ ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ جتنا کام کسی کارخانہ کی "سپیشلٹی" کا ہوتا ہے۔ اس میں وہ خوب ترقی کرتا ہے۔ یورپ میں لوگ اس اصول کو خوب سمجھتے ہیں کہ کسی کام کا جتنا چھوٹے سے چھوٹا جز ہو سکے اُسے اختیار کر کے اس میں اصلاح اور ترقی کریں۔ میرے دوست نے کہا۔ کہ یورپ کے چھپے ہوئے جتنے نفیس کام دیکھا کرو سمجھ لیا کرو۔ کہ بڑی محنت توجہ اور زیادہ خرچ سے تیار کیے گئے ہیں۔ کچھ کاغذ عمدہ ہوگا۔ کچھ سیاہی اچھی ہوگی۔ اور کچھ مصالح اچھا ہوگا۔ یہ مطبع چھاپنے کی سیاہی کا وارنش بھی خود نہیں پکاتا۔ بلکہ بنی بنائی سیاہی خریدتا ہے۔ جو لامحالہ اپنی بنائی ہوئی سے اچھی ہوتی ہے۔ میں نے مینیجر سے کہا کہ مجھے اپنی کاپی کے کاغذ پر اپنی سیاہی سے کچھ لکھنے دو اور میرے سامنے اُسے پتھر پر چھاپان کرو۔ کیونکہ اس نے کہا تھا۔ کہ ہم لوگ کاپی جمانے کے لیے پتھر گرم نہیں کرتے۔ اس نے کہا پرسوں تمہارے سامنے ایسا تجربہ کی فرصت ہوگی۔ چنانچہ ۲ اگست کو ہم پھر وہیں پہنچے۔ مینیجر نے مجھے تھوڑا سا آہار شدہ کاغذ دیا۔ جو معمولی سریش اور ذرا سے میدہ کی مایا سے رنگا ہوا تھا۔ کاپی کی سیاہی بھی میرے سامنے بلا گرم کرنے کے

گھولی گئی۔ میں نے ایک فارسی کا شعر لکھا۔ اور اسی وقت ایک مختصر سے دستی پریس میں جو اسی کام کے لئے مخصوص تھا۔ اور جس کی داب صرف ایک شخص دبا سکتا تھا۔ بلا پتھر گرم کرنے کے پتھر پر چھاپ دیا۔ مینیجر نے کہا پتھر گرم کرنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ حالانکہ تمام ہندوستان کے پتھر کے چھاپہ خانوں میں آئے دن پتھر گرم کئے جاتے ہیں ترشی کے لیئے بجائے امچور یا کشٹہ کے پانی کے گندھک کا نہایت رقیق تیزاب استعمال کیا جاتا ہے جس سے چھاپا بہت نفیس آتا ہے۔ پھر رنگین تصویروں کے رنگ ٹھیک نیچے اوپر چھاپنے کی ترکیب بتائی۔

رنگ چھاپنے کے مزید حالات

رنگ چھاپنے کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لیئے مسٹر ایماس نے نمائش گاہ کی رنگین تصاویر کے سکشن میں مجھے اپنے رسالہ کے فیشن کی تصاویر بھی دکھلائیں۔ یورپ کے کاریگروں اور کارخانہ داروں نے جس شوق سے اپنی اپنی چیزیں دکھلائیں۔ اسکا کسی قدر اندازہ اسی میرے دوست کے کارخانہ کی نمائش سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کارخانہ سے ایک ہفتہ وار لیڈیوں کے فیشنوں کا باتصویر رسالہ اور ایک اعلیٰ درجہ کا ماہوار رسالہ دس رنگین تصاویر سمیت شایع ہوتا ہے۔ یہ آخری رسالہ دنیا بھر کے رسالوں میں فرد ہے۔ اور یورپ کی ملکہ اور شہزادیاں بھی اس کی سرپرست ہیں۔ چونکہ پیرس فیشن کے معاملہ میں تمام یورپ اور امریکہ کا لیڈر رہے اور فیشن کے ہر سال بدلنے اور ہر ماہ اس میں ایجادیں اور اختراعات ہونے سے پیرس اور تمام یورپ کے لاکھوں درزیوں کے کارخانے مصروف رہتے ہیں۔ اور کروڑوں روپے یورپین عورتوں کے اس پر ہر سال خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس کارخانہ کی ذمہ واری کچھ کم نہ تھی جسے اس طرح پورا کیا گیا۔ کہ سنہ ۱۸۰۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۰۰ء تک ہر سال کے پیرس کے عورتوں کی پوشش کی عمدہ تصاویر بہم پہنچا کر نمائش میں رکھی گئیں۔ اس ایک سو سال میں جسقدر یورپ کی عورتوں کے لباس کی قطع وضع میں فرق آیا ہے اتنا کسی بات میں نہیں آیا ہوگا۔ یہ فیشن کا تھرمامیٹر دیکھ کر مجھے ان مطابع کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ کہ جہاں ایسی خوبصورت تصاویر چھپی تھیں۔

رنگین فوٹوگرافی

چنانچہ ایک روز میرے دوست نے مجھے وہ بھی چھپتی دکھائیں یہاں ایک تصویر تین رنگوں میں پلیٹ پر چھپ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ فوٹوگراف میں رنگین مثلاً زرد شیشہ رکھ کر پہلے ایک پلیٹ لیتے ہیں جس میں سب کچھ آجاتا ہے۔ مگر زرد شعاع نہیں آتی پھر اسی طرح نیلگوں شیشہ رکھ کر ایک اور پلیٹ لیتے ہیں۔ اور پھر سرخ شیشہ رکھ کر اور لیتے ہیں۔ ان تینوں پلیٹوں کو اپنے اپنے رنگوں سے ایک دوسرے کے اوپر چھاپتے ہیں۔ تو تصویر مکمل ہوجاتی ہے۔ یہ نہایت عجیب ایجاد ہے۔ ان شیشوں پر ہر کاغذ میں پن لگاکر جماتے ہیں۔ تاکہ کوئی رنگ سرک نہ جائے۔ گھنٹہ بھر میں ایسے پانسو کاغذ سے زیادہ نہیں چھپ سکتے۔

ہاتھ سے تصویریں رنگنا

ایک دوسری جگہ جاکر ہم نے ہاتھ سے رنگی جاتی ہوئی فیشن کی تصویریں بھی دیکھیں مجھے اس بات کا خیال بھی نہیں گزر سکتا تھا۔ کہ پیرس یا لندن کے کسی سالہ میں ہاتھ سے رنگی ہوئی تصاویر بھی آجتک پڑت کھاسکتی ہیں لیکن واقعی ایسا ہوتا ہے۔ پیتل کی ایک باریک پلیٹ میں تصویر کا اتنا حصہ کہ جس پر کوئی خاص رنگ کرنا مطلوب ہو کاٹ دیا جاتا ہے جیسی کہ سٹنل پلیٹ ہوتی ہے۔ اور پھرتی کے ساتھ عورتیں اور لڑکے اس پلیٹ کو چھپی ہوئی تصویر پر رکھ کر ایک بڑے سے برش سے رنگ پھیرتی جاتی ہیں۔ اس طرح ایک ایک تصویر پر دس دس رنگ کرلیے جاتے ہیں۔ یہ رنگ بہت عمدہ تھے اور بہت جلد بھی ہورہے تھے۔ ان رنگ کرنے والی عورتوں اور لڑکوں کو ہر ہزار کاغذ پر ایک رنگ کا داش دینے کی اجرت صرف ایک پینی (ایک آنہ) دیجاتی تھی۔ یورپ میں جہاں دولت اور شان و شوکت بے حد ہے۔ افلاس اور مصیبت کی بھی انتہا نہیں اسی مکان کی نچلی منزل میں ایک شخص ایسی ٹوکریاں بنا رہا تھا کہ جیسے لاہور میں بیچھی کی شاخوں کی بنتی ہیں۔ میرے دوست نے کہا کہ کیا تمہیں کبھی اس بات کا بھی خیال آیا۔ کہ پیرس ایسے شاندار شہر میں ایسے ایسے غریب لوگ بھی بسر کرتے ہیں۔ جن کا برا حال ہے۔

بہت بڑا کتب فروش

راستہ میں ایک کتابوں کی بہت بڑی دکان آئی۔ معلوم ہوا۔

کہ یہ کارخانہ پیرس میں سب سے بڑا کتب فروش ہے۔ اس کے مالک ای فلیماریون اور اے ولوٹ ہیں۔ اس دکان کی بدولت پیرس میں کتابیں سستی بکنے لگی ہیں۔ یہ کتابیں خود چھاپتے ہیں۔ اور دوسروں کی چھپی ہوتی بھی بیچتے ہیں ایک مربع مکان کے چاروں طرف بازار ہے۔ کہ جس میں اسی دکان کی کتابیں بکتی ہیں۔ اور مکان کے اندر تھیٹر ہے۔ شہر میں متفرق مقامات میں اس دکان کی بارہ شاخیں ہیں۔ یہاں سے میں نے چینی فرانسیسی ڈکشنریاں اور ایک جنتری المینک ناسٹ نامی خریدی کہ جس میں فرانس اور دنیا کے ہر قسم کے حالات اور اعداد درج تھے، ہر چند کہ انگلستان کی مشہور وہٹاکر المینک اپنی جگہ نہایت کارآمد ریفرنس کی کتاب ہے۔ اور المینک ڈی گوتھا جو فرانسیسی زبان میں انگریزی کتاب سٹیٹسمین ییر بک کی طرح ہر سال چھپتی ہے، تمام یورپ میں معتبر اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ لیکن المینک ہاسٹ ان سب سے بعض بعض باتوں میں سبقت لے گئی ہے۔

فوٹو پراسس سے تصویروں کے بلاک

مجھے فوٹو پراسس کے معلوم کرنے کا بھی شوق تھا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے سے یورپ کے اخباروں میں خوبصورت دانہ دار تصاویر فوٹوگرافوں سے نقل کر کے چھاپی جاتی ہیں۔ برلن میں بھی میں نے اس بارہ میں پوچھا تھا، لیکن برلن کے اخبار پیٹی بلو کے دفتر کے مصور نے مجھے پتہ دیا کہ پیرس یا لنڈن میں اے ڈبلیو پیروڑ اینڈ کمپنی کی دکانوں سے اس کا پتہ چلے گا۔ میں نے اپنے دوست مسٹر ایماس سے اس کا تذکرہ کیا۔ اور انہیں کی معرفت پہلے پیرو کمپنی کے مینجر سے ملاقات کی انہوں نے تبلایا کہ اگر ۱۱ × ۹ انچ کی پلیٹ کے ہاف ٹون یعنی عکسی تصاویر کی نقل مطلوب ہو تو اس کے کل سامان پر چار یا پانچ ہزار فرانک سے کم خرچ نہ ہوں گے۔ اور علاوہ اس کے چونکہ فوٹوگرافی بھی نہیں جانتا مجھے اس کام کے سیکھنے میں دو تین مہینے لگ جائیں گے گو اس جواب سے میری ہمت ٹوٹ گئی، تاہم میرے دوست نے بذریعہ ٹیلیفون ایک کارخانہ کو مجھے کام سکھلانے پر آمادہ کر دیا۔ لیکن جب پیرس کے پرلے سرے پر ہم ان کے مکان پر پہنچے۔ اور انہوں نے مجھے ہاف ٹون کا سامان

دکھلایا اور بتلایا کہ اس کی قیمت آٹھ دس ہزار فرانک ہے۔ اور طریق سمجھایا تو مجھے معلوم ہوا کہ کلوں کی قیمت کے سوا اور کوئی مشکل اس کام کے ہندوستان میں جاری کرنے میں نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس سفر میں اتنا موقعہ کہاں تھا۔ میرے دوست نے صلاح دی کہ بہتر ہے ہندوستان جا کر کسی دوسرے شخص کو اس کام کے سیکھنے کے لئے یورپ بھیجو۔ لیکن اب ہندوستان میں آٹھ دس انگریزی اور دیسی کارخانے ہاف ٹون تصاویر چھاپنے لگے ہیں۔

فرانس میں آرٹ کی ترقی

فرانس میں گورنمنٹ کو آرٹس (فنون) کی ترقی کی طرف بڑی توجہ ہے اور گورنمنٹ اس بارہ میں تین مختلف صورتوں میں اپنا فرض ادا کرتی ہے۔ اول بحیثیت استاد کے گورنمنٹ بہت سے آرٹس کے مدارس چلاتی ہے۔ اور بعض جو پرائیویٹ کوشش سے چلتے ہیں۔ انہیں مالی امداد دیتی ہے۔ پیرس کا مشہور نیشنل سکول آف فائن آرٹس جسے واقف کار لوگ یونیورسٹی سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۸۶۳ء سے جاری ہے۔ نقاش، سنگتراش، بت ساز، انگریور (کندہ کرنے والے) اور معمار وہاں ایسی تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے فرانسیسی آرٹ یورپ کے ممالک میں سر برآوردہ ہے اس عظیم الشان مدرسہ میں ایک بیش قیمت کتب خانہ خصوصاً فنون نفیسہ کے متعلق اور ایک بہت بڑا مجموعہ فنون نفیسہ کے نادر نمونوں کا جمع کیا گیا ہے۔ جو طالب العلم نیشنل سکول آف فائن آرٹس سے نقاشی مصوری اور بت سازی وغیرہ سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ان میں تکمیل تعلیم کے لئے روم (اٹلی) کے اکیڈیمی آف فرانس میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ اکیڈیمی گورنمنٹ فرانس کے خرچ سے اٹلی میں قائم ہے۔ کیونکہ اٹلی ابھی تک مصوری اور سنگتراشی وغیرہ میں یورپ کا استاد سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح گورنمنٹ فرانس چینی کے کام کے اور ٹیپسٹری کی قسم کے قالین بنانے والے مشہور کارخانوں سیویس کے گوبلین اور بووے کو مالی امداد دیتی ہے کیونکہ ان کارخانوں سے صرف یہ مقصود نہیں ہے۔ کہ یہاں سے بیش قیمت چینی برتن اور ٹیپسٹریاں یورپ کے سلاطین اور امرا کو تحفے دینے کے لئے بنتی ہیں، بلکہ یہ کارخانے

چینی برتنوں اور ٹیپسٹری قالینوں کے مدرسوں کا کام دیتے ہیں۔ اور فن کی اس شاخ کا
معیار بلند رکھنا ان سے مقصود ہے۔

فرانس کے ۱۷۸۹ء کے مشہور انقلاب سلطنت کے زمانہ سے کونسرویٹوار ناشنل دا موزیک
اے دا ڈیکلامیشیوں (زبانی اور مزامیر کی موسیقی کا مدرسہ) جاری ہے۔ کہ جہاں سرکار کی طرف
سے لوگوں کو زبانی اور مزامیر کے ذریعے سے علم موسیقی میں تعلیم دیجاتی ہے۔ اور جو لوگ
یہاں تعلیم ختم کرتے ہیں وہ روم اکیڈیمی آف فرانس میں تکمیل تعلیم کو بھیجے جاتے ہیں۔
اور فارغ ہونے کے بعد ان میں سے ان لوگوں کو کہ جنہوں نے اپنے فن میں انعام
حاصل کئے ہیں۔ فرانس کے اُن تھیٹروں میں نوکر رکھنے میں ترجیح دی جاتی ہے۔ کہ جنہیں
سرکار مالی امداد دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آرٹ نہ ہو تو پیرس کچھ بھی نہیں۔ بازار یا گلی کوچوں میں سے گزرتے
ہوئے آپ کی نظر جس در و دیوار پر پڑے گی۔ وہیں فنون نفیسہ کے آثار نظر آئیں گے۔ ہر
کوچہ و دوکان آرٹس کے دلفریب نظاروں سے پر ہے۔ اور اگر کسی کو نقاشی اور مصوری کا
ذرا بھی شوق ہے تو عجائب گاہ لوور یا سوسائٹی لوور یا سوسائٹی ڈی آرٹسٹس فرانسی یا
سوسائٹی نیشنل یا بو آرٹس وغیرہ میں چلے جاؤ۔ تو مصوری۔ نقاشی اور بت تراشی کے بے
انتہا عجائبات میں محو ہو جاؤ گے۔

آرٹ کے عام اور اعلیٰ مدارس کے سوائے اسکی منتہا اکیڈمی ڈے بو آرٹس پر ہوتی
ہے۔ فرانس میں یونیورسٹیوں سے فراغت حاصل کر کے ہر ایک فرانسیسی عالم کو انسٹیٹیوٹ
آف فرانس کے ممبر بننے کا شوق ہوتا ہے۔ اور فرانس میں یہ درجہ کسی کی لیاقت کا اعلیٰ درجہ
کا تمغہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ انسٹیٹیوٹ آف فرانس کے ماتحت پانچ اکیڈیمیاں ہیں (۱)
اکیڈیمی فرانسیسی (۲) اکیڈیمی دی سائنس (۳) اکیڈیمی دی انسکرپسیاں اے بل لیٹرس
(۴) اکیڈیمی ڈے بو آرٹس (۵) اکیڈیمی دے سائنس مورل اے پالی ٹیک ان میں سے
ہر ایک اکیڈیمی کے چالیس ممبر ہوتے ہیں۔ کہ جنہیں انہیں کے برادر ممبر منتخب کرتے
رہتے ہیں۔ سائنس اور ڈاکٹری کے اکیڈیمیوں کے ممبر چالیس سے زیادہ ہوتے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک ممبر اپنے نام کے آخر میں اپنی اکیڈیمی کی ممبری کے حروف بطور سند یا ڈگری کے لکھتا ہے۔ اور جب کوئی شخص اکیڈیمی کا ممبر منتخب ہوتا ہے۔ تو تمام ملک اُسے اس امتیاز پر مبارکباد دیتا ہے۔

غرض فرانس میں منجملہ دیگر اقسام تعلیم حرفت کے آرٹ سے تعلیم پر بھی خاص توجہ کی جاتی ہے۔ اور طلبار آرٹ کی امداد کے لئے قوم کی گویا خاص توجہ نافذ ہے۔

اور سوم سلطنت نے خود بہت سی پبلک عمارات تعمیر کرائی ہیں۔ اور جو عمارات اس کی نگرانی اور انتظام میں ہیں ان کی مکمل آرائش تعمیر اس کا فرض ہے۔ اس سے مختلف معماروں اور کاریگروں کے مابین آپس میں مقابلہ کا خیال ترقی کرتا ہے۔ جو آرٹ کی ترقی کے لیئے بہت ضروری ہے۔

فرانسیسیوں اور جرمنوں کا مقابلہ

ایک روز اثنائے گفتگو میں ایک تجربہ کار انگریز سے کہ جس نے پیرس کی سکونت اختیار کی تھی۔ مگر اپنے آپ کو اہل امریکہ کی نیچرلائزڈ رعایا بنایا ہوا ہے۔ کیونکہ یورپ میں جو شخص جس ملک کی رعایا بننا چاہیئے بعض معمولی قواعد کی پابندی سے بن سکتا ہے۔ اہل جرمنی کا ذکر آیا۔ اور جو خیالات ایک ایسے تجربہ کار شخص نے اہل جرمن اور فرانس کی نسبت ظاہر کئے مناسب معلوم ہوا کہ میں بھی نوٹ کر لوں۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ اہل جرمن نہایت بدباطن بلکہ شیطان ہیں۔ گو آئندہ زمانہ میں محض محنت اور سخت جانی کی وجہ سے وہ ایک بڑی قوم ہو جانے والے ہیں جرمن بڑے مکار اور ظالم ہیں۔ ان میں دل ہی نہیں کہ ظلم کی تمیز کر سکیں۔ اور اس بات کی تائید میں یہ مثال بیان کی کہ مثلاً ایک فرانسیسی اور ایک جرمنی جنرل لاکھ لاکھ آدمی کی فوج میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں لائے ہیں۔ فرانسیسی جنرل جب دیکھے گا۔ کہ اس مقابلہ میں اس کے ایک ہزار آدمی تلف ہو جائیں گے۔ تو وہ ایسا نرم دل ہے۔ کہ وہ مناسب سمجھے گا کہ بہتر ہے کہ میں شکست مان لوں بہ نسبت اس کے کہ ایسے ایک ہزار آدمی مارے جائیں۔ کہ جن کے بال بچے اور بیویاں زندہ درگور ہو جائیں۔ لیکن جرمن جنرل اگر دیکھے گا۔ کہ اس کے نفیے ہزار آدمی مارے جانے کے بعد ایک ہزار آدمی فتح حاصل

کرلیں گے۔ تو وہ اپنے نوے ہزار آدمیوں کے کٹوا دینے میں ذرا تامل نہیں کرے گا چونکہ ان لوگوں میں محنت کرتے آگے بڑھتے چلے جانے اور آئندہ نسل کی ترقی کی امید پر محنت شاقہ کرنے کی کافی سمجھ موجود ہے۔ یقین ہے کہ یہ نابکار قوم ایک وقت صرف اپنے استقلال اور محنت کی بدولت دنیا کی سب قوموں سے آگے نکل جائیگی۔ ہر چند کہ اہل جرمن بڑے کوڑھ مغز اور بھدی طبیعت والے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے سامنے کوئی بڑی ایجاد پیش نہیں کی۔ مگر لگاتار محنت اور معمولی لیاقت سے انہوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا ہے۔ اور فرانسیسیوں کی نسبت کہا کہ ان کی قسمت میں تو بربادی لکھی جا چکی ہے۔ مگر یہ بڑے نیک طینت اور رحم دل لوگ ہیں۔

انگریزوں کی بابت

انگریزوں کی نسبت اثنائے گفتگو میں یہ ریمارک نہایت غمخواری سے کیا۔ کہ اس قوم کی اول درجہ کی سلطنت کی شہرت تو یقیناً آئندہ چند سال میں تباہ ہو جائیگی۔ کیونکہ ان کی تباہی شروع ہو چکی ہے۔ یہ وسط ۱۹۰۰ء زمانہ جنگ ٹرنسوال کے دوران کے خیالات ہیں۔ اگر تیس سال اس سے پہلے انہیں ایک اچھی سی شکست مل جاتی تو وہ اسوقت دنیا میں بڑی زبردست قوم ہوتی۔ مگر بوجہ زیادہ دولت مند ہو جانے کے ان کے قوی دل پر چربی چڑھ گئی ہے۔ اور اب سوائے ان کے دنیا میں اسپانیہ کی طرح ذلیل ہو کر رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ ٹرنسوال میں اس قدر تکلیف اٹھانے پر بھی اکثر انگریز اپنے زعم باطل میں اپنے آپ کو فاتح سمجھتے ہیں۔ میں پندرہ سال سے ان کے زوال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ اور اس میں زیادہ قصور مسٹر گلیڈسٹون کا ہے جو بڑا ریاکار اور طالب شہرت تھا۔ میں باوجود انگریز ہونے کے اسی زمانہ سے انگلستان کی سکونت چھوڑ کر امریکہ کی نیچرلائزڈ رعایا بن گیا ہوں۔

ایک سوشلسٹ سے گفتگو

پیرس کے رہنے کے دنوں میں اتفاقاً ایک روز کھانے پر ایک سوشلسٹ خیالات کے شخص سے بہت لمبی چوڑی گفتگو چھڑ گئی۔ یورپ کی سوشلسٹوں کے جو قصے اخباروں اور کتابوں میں پڑھتے تھے۔ آج ان کی

تصدیق ہوگئی۔ یہ شخص بڑا تعلیم یافتہ اور نیک محض معلوم ہوتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا میں
کسی شخص کے پاس کوئی ذاتی جائداد نہیں ہونی چاہیئے۔ اور نہ لوگ جائداد پیدا کرنے کے
لیے محنت اور مشقت کی تکلیف گوارا کیا کریں۔ ہر شخص اس قدر سمجھدار ہو جائے۔ کہ اپنی
روٹی کمانے کی ضرورت کے موافق تین چار گھنٹے کام کرے۔ اور پھر فارغ رہے۔ سچی
خوشی جس چیز کا نام ہے۔ وہ اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ نہ کہ بہت سا روپیہ کما لینے
سے جو دوسروں کا حق غصب کر کے جمع کیا جاتا ہے۔ اگر سب لوگ ان خیالات سے
متفق ہو جائیں۔ تو نہ سوسائٹی کو کسی عدالت کی ضرورت رہیگی نہ پولیس اور قیدخانہ کی
اور سب آزاد آدمی رتبہ میں ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں گے۔ اس پر میں نے
اعتراض کیا کہ اگر عدالتیں نہ رہیں تو فرض کرو کہ ایک شخص کی خوبصورت لڑکی یا دلربا بیوی
کو کوئی شخص لے بھاگے تو اُسے کون سزا دیگا۔ اس نے کہا اگر عورت کسی مرد سے
محبت رکھتی ہے۔ اور اس کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ تو پھر کسی اور مرد کا جس سے اُسے
محبت نہیں اور جس سے اس نے بیوفائی کی ہے کوئی حق نہیں۔ اور اگر وہ شخص جبراً
اس عورت کو چھین کر لے گیا ہے۔ تو وہ سوسائٹی کا ایک مریض ممبر ہے۔ اور اس کے
دماغ کا علاج کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا یہ جیلخانے ایسے ہی مریض ممبروں کے دماغوں
کے علاج کے لیے تو ہیں مگر جن کی آپ ضرورت نہیں دیکھتے۔ ایک دوسرے
سوشلسٹ صاحب نے جو پاس بیٹھے تھے کہا کہ ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہیئے
تاکہ سوسائٹی اس سے نجات پا جائے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگوں کا آپس میں اتفاق
نہیں ہے۔ اس پر پہلے سوشلسٹ صاحب نے کہا کہ ہاں ابھی کئی امور ایسے ہیں۔ کہ
جنپر ہم سب متفق نہیں۔ یہ شخص فلاسوفی پڑھتا ہے۔ اور خوب سوچتا ہے۔ کہتا ہے
کہ امریکہ میں جا کر میں نے یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ انسان رہنے کے لیے ایسے مکانات
بھی بنا سکتا ہے۔ کہ جن میں پاخانہ وغیرہ اُٹھانے کے لیے نوکر کی ضرورت نہ رہے۔
جن میں واٹر ورکس کے پانی کی طرح آگ کی بھاپ بھی تقسیم ہوا کرے تاکہ لوگ
اسپر کھانا پکا لیں۔ کوئی کسی کا نوکر نہ ہو سب لوگ اپنا کام آپ کریں۔ میں نے

کہا ظاہرا دنیا تو ہر روز اس کے خلاف ترقی کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ لوگ سچی خوشحالی کی حقیقت کو سوشلزم میں تسلیم کرنے لگے ہیں۔ میں نے کہا جمہوری سلطنتوں کا امپریلیسٹ ہو جانا تو اس کے خلاف دلیل ہے۔ اس نے کہا اصل میں سلطنتیں اور قومیں دو الگ چیزیں ہیں۔ قوموں کو بعض بے اصول اخبار نویس جو چاہتے ہیں سمجھا کر پھیر لیتے ہیں۔ مثلاً انگلستان میں چند آدمی جنوبی افریقہ کے جنگ کے خواہاں تھے۔ اخبارات نے حب الوطنی کا نام لے کر سب کو گرما دیا۔ قوم گو پہلے جنگ نہیں چاہتی تھی۔ مگر آخر جنگ پر آمادہ ہو گئی۔

انگریزوں کا ہندوستانیوں سے سلوک

پھر ذکر آ گیا کہ انگریز ہندوستان میں دیسیوں سے کیسا سلوک کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے جو سیاح بھی تھا بتلایا کہ میں نے دہلی کے ایک ہوٹل میں کھانے کی فہرست کے اخیر میں چھپا ہوا دیکھا ہے۔ کہ جنٹلمینوں کو چاہیئے۔ کہ زیادہ سخت نہ مارا کریں جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے۔ کہ تھوڑا بہت نوکروں کو بے شک مار لیا کریں۔ یہ بات سنکر سوشلسٹ صاحب نے کہا تمہیں چاہیئے کہ ہندوستانیوں کو سمجھاؤ کہ اگر کوئی انگریز تم سے سختی سے پیش آئے۔ اور تم پر حملہ کرے تو تم بھی ترکی بترکی جواب دیا کرو۔ میں نے کہا مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زمانہ سب سے اچھا استاد ہے۔ لیکن جب ہندوستان میں پہنچکر میں نے ایک دوست سے دہلی کے ہوٹل کا یہ قصہ سنایا کہ جسے بارہا دہلی کے ہوٹلوں میں ٹھیرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں نے کبھی دہلی کے کسی ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ بلکہ ہوٹلوں کے خدمتگار صاحب لوگوں کو اس قدر دھوکے دیتے ہیں اور دق کرتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں انگریزوں کا تحمل قابل تعریف ہے۔ ایک اور دفعہ انہیں سیاح صاحب نے انگریزی افسروں کے مغرور ہونے کی تصدیق کے طور پر یہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں جاپان کو گیا۔ ہندوستانی فوجوں کا ایک انگریز لفٹنٹ بھی میرے ساتھ تھا۔ سب سے پہلے جاپانی بندرگاہ میں پہنچکر جب ہم نے چند رکشا گاڑیاں کرایہ کیں تو گاڑی میں بیٹھکر انگریز نے قلی کو ٹھوکر ماری۔ غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ قلی جلدی نہیں چلتا تھا۔ اس پر جاپانی قلی نے گاڑی ٹھیرا کر

دی اور لفٹنٹ صاحب کو گاڑی سے باہر نکال کر ایسا مارا کہ دھن کر رکھ دیا۔ اور پھر گاڑی میں بٹھا کرلے چلا۔ اس فوجی افسر کا ہندوستانی قلیوں کا تجربہ جاپانیوں پر قابل افسوس و ناکامی ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کے ادنی درجہ کے لوگ بھی سلف ریسپکٹ (خودداری) کو بخوبی سمجھنے لگے ہیں ؏

خوبصورت پیرس اور با اخلاق اہل پیرس

شہر پیرس بجائے خود دنیا کی بہشت ہے۔ نہیں میں نے اسکے لیئے نئی تعریف تجویز کی ہے۔ قدیم زمانے میں رومتہ الکبریٰ کو دنیا کی ملکہ کہا کرتے تھے۔ میں چاہتا ہوں پیرس کو دنیا کے شہروں کی دلہن کہا جائے۔ واقعی بلحاظ بازاروں کی آراستگی اور صفائی اور عمارتوں کی عظمت اور خوبصورتی کے یہ شہروں میں نئی نویلی دلہن کی طرح ممتاز ہے۔ لنڈن اس سے بڑا شہر ہے۔ مگر ایسا خوبصورت۔ ایسا ستھرا اور ایسا دلکش نہیں۔ پیرس کے چند بازار جو کھلے ہیں۔ جن میں میلوں تک دورویہ سرسبز شاندار درخت چلے گئے ہیں کہ جنہیں ایونیو (Avenue) کہتے ہیں۔ یہ اس دلہن کے خوبصورت چہرے کی ناک ہیں۔ پیرس کی ہر بات میں سلیقہ اور نفاست ہے۔ لنڈن میں بڑائی اور عظمت ہے۔ ہر چند کہ بجائے خود پیرس ایسا دولتمند شہر نہیں جیسا کہ لنڈن ہے۔ لیکن تمام یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے دولتمند لوگ ہر سال لاکھوں اور کروڑوں روپے خوبصورت پیرس کے لہو ولعب پر خرچ کرنے آتے ہیں۔ گویا پیرس ایک بازاری عورت ہے۔ کہ جس کا حسن ہمیشہ نکھارتا رہتا ہے۔ اہل پیرس بڑے زندہ دل بڑے خوش طبع اور بڑے ملنسار اور نیک مزاج ہیں۔ مجھ پر کیا موقوف ہے۔ کوئی شخص جو پیرس میں چند روز بھی رہا ہو۔ اس شہر کو بھول نہیں سکتا۔ کہ ہر مرد یا عورت۔ جس سے ملاقات ہو۔ ہر خدمتگار عورت یا راستہ چلتا بچہ تمہیں "موسیو" (صاحب میاں صاحب) کہہ کر بات کریگا۔ اور ان کے منہ سے یہ لفظ واقعی بہت پیارا معلوم ہوتا ہے ایک روز ایک چھوٹے سے لڑکے سے میں نے راستہ پوچھا اور اس نے ٹوپی اتار کر ایسی متانت اور ادب سے مجھ سے باتیں کیں کہ میں دنگ ہو گیا۔ مگر اس پر عقلمندوں اور زمانہ کے تیور پہچاننے والے عاقبت اندیشوں کا خیال ہے۔ کہ فرانسیسی قوم دنیا میں اب زیادہ

ترقی نہیں کرینگی۔ یہہ لوگ زیادہ عیش میں ڈوب گئے ہیں طبعاً فرانسیسی سہولت پسند اور آرام طلب ہیں محنت کرنے کے لیئے اینگلو سیکسن قومیں بنی ہیں جفاکشی میں جرمن اور امریکین ممتاز ہیں۔ اور ایک انگریز جنٹلمین نے ایک روز اثنائے گفتگو میں نہایت موثر پیرایہ میں تذکرہ کیا۔ کہ آئیندہ زمانے میں جرمن سب سے بڑی قوم ہونے والی قوم نظر آتی ہے۔ گو وہ جرمنوں کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ مگر ان میں استقلال سے محنت کرنے کی صفت عجیب ہے۔ بقول اس انگریز کے جرمنوں میں رحمدلی تو کیا دل ہی نہیں البتہ فرانسیسی نہایت نیک دل اور رحمدل ہیں۔

اولاد کی قلت

فرانس میں جو قباحت سب سے مجھے نظر آئی وہ یہہ تھی کہ بوجہ گرانی اسباب معاشرت کے لوگ زیادہ اولاد پیدا کرنا پسند نہیں کرتے اور مصنوعی وسائل سے صرف ایک یا دو بچوں سے زیادہ توالد و تناسل کو روک دیتے ہیں۔ ایک شخص نے ہنسکر اپنی بیوی کے سامنے مجھ سے کہا کہ اگر میں صاحب قدرت ہوتا۔ تو میری بیوی مجھے ہر سال ضرور ایک بچہ نظر کیا کرتی ہم ہندوستانی لوگوں بلکہ تمام اہل مشرق کو اولاد اور ثروت دنیاوی کے درمیان کبھی کوئی تعلق معلوم کرنے کا خیال بھی نہیں ہوا۔ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ جو خدا منہ پیدا کرتا ہے وہ ان کے کھانے کو بھی دیتا ہے۔ حالانکہ ہندوستانی کے قحط کی نسبت ذکر کرتے ہوئے ایک یورپین نے کہا کہ اگر ہندوستانی ذرا سمجھ کر نسل بڑہائیں تو قحط سے تو نہ مرا کریں۔ اُس کا خیال ہے کہ جو لوگ اپنی روٹی بھی نہیں کما سکتے۔ وہ شادی کر کے بچے پیدا کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ تو سوسائٹی اور تمدن پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے۔ کہ عیش پسند فرانسیسی ہندوستانیوں سے زیادہ تمدن پر ظلم کرتے ہیں ۱۸۹۹ء کی اعداد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملک فرانس میں سال بھر میں کل (۸۴۷۶۲۷) بچے پیدا ہوئے جو پچھلے دس سالوں کے اوسط سے قریب دس ہزار کے کم ہیں۔ اور اس سال ۸۱۶۲۲۳ فرانسیسی مرے اور (۲۹۵۷۹۲) شادیاں ہوئیں ۱۸۸۶ء سے اب تک کسی سال میں اتنی شادیاں نہیں ہوئیں۔ گو فرانس کی تمام آبادی اکتیس ملین ہے۔ اور جرمنی کی چھپن ملین۔ لیکن جرمنی میں ایک سال کے

اندر (۱۳۱۴۲۵۹۱) بچے پیدا ہوئے جس سے بآسانی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ اگر اہل فرانس نے عقل سے کام نہ لیا اور بچے پیدا ہونے کے قدرتی طریقہ کی بدستور مخالفت کرتے رہے۔ تو ایک روز ان کی قوم بہت گھٹ جائیگی۔ اور اہل جرمنی بڑھتے بڑھتے فرانس پر قابض ہو جائینگے

عجائب گاہ لوور

پیرس میں بہت عجائب خانے بہت سی قابل دید تاریخی عمارتیں بہت سے تصویر خانے۔ وو چڑیا گھر۔ بوڈبا بولون نامی بہت بڑا پارک نپولین کی قبر اور اور بے شمار قابل دید چیزیں ہیں جن کا بہت سا حصہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ لیکن اس سب کا مختصر ذکر کرنا بھی یہاں ممکن نہیں۔ میں دو تین چوٹی کے مقامات کا ذکر کرتا ہوں۔ لوور ایک عظیم الشان اور نہایت شاندار سلسلہ عمارات بلکہ محلات کا جو پیرس میں واقع ہے۔ جو یکے بعد دیگرے کئی پیرس کے بادشاہوں نے تعمیر کرا کر ختم کیا۔ اور نپولین اعظم نے اس قصر میں مع اپنے خادم و حشم کے سکونت اختیار کی۔ یہ محل تمام یورپ میں بلحاظ خوبی تعمیر کے ممتاز مکان سمجھا جاتا ہے۔ دو طرفہ عالیشان سہ منزلہ عمارات ہیں۔ اور بیچ میں کھلا صحن اور باغ ہے۔ اب اس کے ایک حصہ میں تو بعض سرکاری محکمہ جات ہیں۔ اور ایک حصہ تصویر خانہ یعنے پکچر گیلری ہے جو ۱۷۹۳ء میں یہاں کھولی گئی ہے۔ اس ایک تصویر خانہ میں اتنی تصویریں ہیں کہ بقول وہیڈ گیر گائیڈ بک کے اگر دو گھنٹے متواتر چلتے رہیں۔ تو صرف لوور کی تصویروں کے سب کمروں سے سرسری طور پر دیکھکر گزر سکتے ہیں۔ ہاشٹ کی اینگلو امریکن گائیڈ بک میں لکھا ہے۔ کہ لوور کو اچھی طرح دیکھنے کے لیئے پورے آٹھ روز درکار ہیں۔ یورپ کے چوٹی کے مصوروں اور استادوں نے جو صدہا سال میں جگر کاوی کی ہے۔ اور کلیجے نکال کر رکھدیئے ہیں۔ کوئی کیسا ہی ناقدردان کیوں نہ ہو۔ ممکن نہیں کہ جا بجا کھڑا ہو کر کسی دردناک نظارہ کسی منہ سے بولتے ہوئے مرقع۔ کسی حسن و عشق کے واقعہ۔ کسی رزم یا بزم کے نقشے کو نہ دیکھے۔ اور کیا ممکن ہے۔ کہ باوجود رقیق القلب ہونے کے بھی اس کے دل کی حرکت تیز نہ ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ نپولین اور اس کی سپاہ اپنے عروج کے زمانے میں تمام یورپ کے بڑے بڑے شہروں خصوصاً روم (اٹلی) کے عجائب خانوں اور پرائیویٹ مجموعوں سے تمام اعلیٰ درجے کی تصویریں چھین جھپٹ لائے تھے۔ جو نپولین کے تنزل کے بعد بھی

تاجداران یورپ کو پیرس سے سب تصویریں چھیننے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر اس کے علاوہ جمہوریہ فرانس نے نہ صرف ورسائی کے محلات سے یہاں تصویریں لاکر رکھیں، بلکہ بہت سا روپیہ بھی اچھی تصویریں جمع کرنے پر خرچ کیا اور کئی محب الوطن فرانسیسیوں نے اپنے بیش قیمت مجموعے لوور کی نذر کر دیئے۔ لوور میں علاوہ تصویر خانہ کے بہت بڑا عجائب خانہ عجائبات چین و نمونہ ہائے سامان بحر و نمونہ ہائے جہازات جنگ کا بھی موجود ہے۔ پہلی منزل میں بت تراشی کی صنعت کے نمونے اعلیٰ ہیں۔ ایک جگہ سلاطین فرانس کے تمام شاہی زیورات اور نادر الوجود قیمتی سامان مع جواہرات کے رکھا ہوا ہے۔ ایک تاج میں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ ایک دستہ شمشیر کا بھی چھوٹے چھوٹے ہیروں سے مرصع تھا۔ برٹش میوزیم کہ جس کا ذکر ہم آگے کریں گے نہایت بڑا عجائب گھر ہے۔ لیکن آرٹ کی خوبی کے لحاظ سے لوور کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ کہ جس میں تمام یورپ کے استاد مصوروں کی کاریگری کے نمونے جمع کئے گئے ہیں۔

ورسیلز کے عجائبات

لوور تو بیشک پیرس کی ناک ہے، لیکن شہر پیرس سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر شہر ورسیلز میں (جسکو فرنچ ورسائی کہتے ہیں) اور جہاں فرانس کے بادشاہوں کے شہر سے باہر کے محلات کئی پشتوں تک رہے ہیں تصویروں اور بتوں کا مجموعہ اور بھی بے نظیر ہے۔ یہ شاہی محلات بڑے مرتفع اور وسیع ہیں انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ بادشاہان فرانس کیسے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے مگر باوجود اس کے ان کی ہستی بھی بے ثبات تھی۔ ان عالیشان عمارتوں کے سینکڑوں کمرے بڑی بڑی قیمتی تصویروں سے سجے ہوئے ہیں، جو زیادہ تر فرانس کی تاریخ کے متعلق ہیں جس طرح برلن کے زیوگ ہاؤس میں چند تصاویر میں جرمنوں کی فتوحات جنگ دکھلائی گئی ہیں، یہاں چند تصویروں میں فرانس کے میدان کارزار کی کامیابیوں کے مرقع کھینچے ہیں۔ ان میں سے بہت سی تصویروں میں مسلمان صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ صلیبی جنگوں سے لیکر اہل فرانس نے جس جنگ میں شرکت اختیار کی ہے۔ اس کی تصویر یہاں موجود ہے۔ نپولین کی مصر پر چڑھائی م۔ و فرانسیسیوں کی مسلمانان الجیریا سے لڑائیاں سب آنکھوں

کے سامنے بھر جاتی ہیں ایک جگہ نپولین کی شاہ پرشیا کی بیوی سے ملاقات کی تصویر دکھائی گئی ہے جسے نپولین نے کہا تھا۔ کہ میں تمہاری بیوی سے ہم بستری کرونگا۔ اور ایسا ہی کیا۔ مجھے میرے دوست نے بتلایا کہ جرمن اس کینہ کو اب تک نہیں بھولے۔ علاوہ نپولین کے مصر اور شام کی فوج کشی کے صلیبی جنگوں کی تصویریں بھی بہت سی ہیں جن میں عموماً عیسائیوں کو مسلمانوں پر کامیاب دکھلایا گیا ہے۔ اسے کہتے ہیں ع ولیکن قلم در کف دشمن است۔ نپولین کی زندگی کے آخری سالوں میں سے تو ۱۸۰۱ء سے لیکر ہر سال کے لیے ایک کمرہ تصویروں کا مخصوص ہے۔ اور تاریخ فرانس کے قریب قریب ہر نامور شخص۔ بادشاہ، وزیر سپہ سالار کے بُت تحتانی منزل کے برآمدوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن مکان کے باہر وسیع حوض اور فوارے کہ جن کا پانی برنجی مچھلیوں مینڈکوں کچھوؤں اور گھڑیالوں کے منہ سے نکلتا ہے مع سبز روشوں اور سر بفلک درختوں کی قطاروں کے عجیب بہار دکھلاتے ہیں جس نظارہ کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں مشکل ہے کہ زبانِ قلم سے ان کا تصور بھی ہو سکے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ محل کے سامنے دونوں طرف درختوں کے گھنے جنگل کے درمیان ایک راستہ سبزہ زار کا چلا گیا ہے۔ جس کے دونوں طرف قدیم قوموں کے دیوتاؤں اور ناموروں کے بہت سے بُت اور بیچ میں پانی کی جھیل ہے ان بڑے محلوں سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر جنگل میں دو چھوٹے محل ہیں۔ جن میں سے ایک لوئیس چہاردہم شاہ فرانس نے اپنی مسٹرس داشتہ امیڈم ڈامینٹی نان کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ یہ مکان اتنا عالیشان نہیں جیسے بیش قیمت فرنیچر سے یہ سجایا گیا ہے۔ اور جو اُس زمانہ سے لیکر اب تک اس میں احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ پیٹر اعظم ۱۷۱۷ء میں لوئیس پانزدہم اور نیز نپولین ۱۸۰۹ء میں اس محل میں فروکش تھا۔ آج بوجہ اتوار کے ہجوم تماشائیوں کا بے حد تھا۔ اور فواروں کا نظارہ بڑا پُر لطف ہے پیرس سے یہاں جس ریل میں آئے تھے۔ اس کی گاڑیاں دو منزلہ تھیں۔

پیرس کی گاڑیاں

اب میں ایک خاکہ پیرس کی عام زندگی کا کھینچا چاہتا ہوں ان شہروں میں اس بات سے میری طبیعت بہت اکتاتی تھی

کہ اتنے وسیع ہیں کہ دو مختلف مکانوں کے درمیان کئی کئی میل کی مسافت حایل ہے تاہم یہاں کے طے مسافت کے سامان یعنی گھوڑوں سے چلنے والی آمنی بسین اور ٹریموے گاڑیاں اور یہاں کی برقی اور دُخانی ٹریموے اور جو زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے بھی چلتی ہیں فاصلہ کے طے کرنے میں نہائت کارآمد ہیں۔ اسی لیئے ان بڑے بڑے شہروں خصوصًا لنڈن اور پیرس اور برلن کے بہت لوگ مکانات کے بھاری کرایئے ہونے کی وجہ شہروں سے باہر مضافات میں رہتے ہیں۔ دن کو شہر میں کام کاج کر کے شام کو سستی ریلوں میں سوار ہوکر پانچ پانچ دس دس پندرہ پندرہ میل شہر سے دُور چلے جاتے ہیں۔ اور رات کو گھر میں سوکر صبح پھر کام کاج یا ملازمت کے لیئے شہر میں آجاتے ہیں۔ اس واسطے ان شہروں کی دن کی آبادی اور رات کی آبادی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ پیرس کے کھلے بازاروں میں گو گھوڑا گاڑیوں میں دستور عام ہے۔ جو ہزارہا وکٹوریہ گاڑی کی قسم کی ہیں۔ تاہم شوقین اہل پیرس موٹر کار کے بڑے فدائی ہیں۔ یہ گاڑی گیس کے انجن یا برقی طاقت سے چلتی ہے۔ اور کوئی منٹ نہیں گزرتا کہ کسی مشہور سڑک پر ہمارے سامنے سے دو چار موٹر کار فراٹے بھرتی ہوئی ادھر اُدھر نکل جائیں۔ لنڈن میں تو ان کا سواں حصہ بھی موٹر گاڑیاں نہیں دیکھیں۔ عام گاڑی بانوں کی پوشاک ایسی ستھری اور کالر اور نکٹائی ایسے صاف ہوتے ہیں کہ اگر وہ گاڑی پر نہ بیٹھے ہوں تو اُن پر کبھی گاڑیبان ہونے کا خیال نہیں ہوسکتا۔ یہ سب پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ جہاں جانا ہو انہیں کہدو یا اگر تم اجنبی ہو اور نام کا بخوبی تلفظ نہیں کر سکتے تو لکھ کر نام دیدو یہ منزل مقصود تک پہنچا دینگے مجھے زبانی نام تبلانے میں ایک دفعہ بڑا دھوکا ہوا۔ جرمنی سے ایک صاحب نے اپنے پیرس کے ایجنٹ کے نام چھٹی دی۔ کہ وہ مجھے کسی نہ کسی کی مدد دیگا۔ اس کا مکان پیرس کے

مزیدار غلطی

ایک بازار "روشاٹوداں" میں تھا۔ "شاٹوڈون" لکھنے میں "شاٹوڈن" Chotearideam ہوتا ہے۔ اور پیرس میں ایک دوسرا بازار جو پہلے سے بہت دور ہے "روشاٹوڈو" نامی ہے۔ جو فرانسیسی زبان میں شاٹوڈو" (Lulu ئل") کی طرح لکھتے اور بولتے ہیں۔ میں نے گاڑیبان کو بلا کر کہا

کہ مجھے "روشاٹوڈن" میں لے چلو۔ اس کمبخت نے "روشاٹوڈو" سمجھا اور ۵۲ نمبر کے مکان کے سامنے اتار کر دو فرانک کرایہ لے کر چلا گیا۔ پیرس میں دستور ہے کہ کسی گاڑی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ خواہ کتنی دور یا قریب ہو جاؤ۔ تو ڈیڑھ فرانک کرایہ اور نصف فرانک گاڑیبان کا ٹپ جو بمنزلہ کرایہ کے ہو گیا ہے۔ دینا پڑتا ہے۔ لیکن اگر گھنٹہ بھر کے لیے گاڑی کرایہ کرو تو دو فرانک کرایہ اور نصف فرانک ٹپ یعنی بخشیش دو جب میں مکان کے اندر گیا تو معلوم ہوا کہ یہ "روشاٹوڈو" ہے۔ اور "روشاٹوڈون" وہاں سے بہت دور ہے۔ چنانچہ ایک دوسری گاڑی گھنٹہ کے حساب سے لیکر وہاں گیا۔ زمین کے نیچے چلنے والی برقی ریل میں بھی مجھے پہلے پہل پیرس میں سوار ہونے کا اتفاق ہوا۔

آمنی بس گاڑیاں

پیرس کی آمنی بس گاڑیوں کے کرائے لمبے فاصلوں کے لیے لنڈن سے بہت ارزاں ہیں۔ پندرہ سنیٹم یعنی ڈیڑھ پنس دیکر گاڑی کے چھت پر سوار ہو سکتے ہیں۔ اور تین پنس دیکر گاڑی کے اندر۔ اور جہاں تک وہ گاڑی جائیگی بخلاف لنڈن وغیرہ شہروں کے اس سے پھر کرایہ نہیں لیا جائیگا۔ بلکہ جو لوگ گاڑی کے اندر بیٹھتے ہیں ان کا یہ بھی حق ہوتا ہے۔ کہ جہاں وہ گاڑی رکے اسی طرف اس سے آگے جانے والی دوسری گاڑی کے لیے انہیں ٹکٹ مفت دیا جائے اس ٹکٹ کو "کارسپانڈنس" کہتے ہیں کنڈکٹر کہتے ہیں یہ ٹکٹ دیدیتا ہے۔ لنڈن اور پیرس دو ایسے قریب قریب شہر ہیں۔ تاہم ان میں بعض باتوں میں عجیب اور بڑا تفاوت ہے لنڈن کی آمنی بس گاڑیوں میں بخلاف پیرس کی گاڑیوں کے جو لوگ چھت پر بیٹھتے ہیں اور جو اندر بیٹھتے ہیں۔ اُن سے ایک ہی کرایہ لیا جاتا ہے۔ ایک اور نرالا طریقہ پیرس کی آمنی بس ٹریموے گاڑیوں کے اڈوں پر یہ دیکھا گیا۔ کہ گاڑی کے آنے سے پہلے جتنے لوگ جمع ہو جاتے ہیں وہ اس آمنی کے سٹیشن سے گاڑی میں سوار ہونے کا حق پیدا کرنے کے ٹین کے ٹکٹ لے لیتے۔ یہ ٹکٹ سو تک نمبروار بکسوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو شخص آتا ہے۔ وہ پہلے ٹکٹ ان میں سے اٹھا لیتا ہے جس کی غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ جب گاڑی یہاں آکر کھڑی ہوگی۔ تو جن کے ٹکٹوں کے کم نمبر ہوں گے وہ پہلے سلسلہ

وار اس میں سوار ہوں گے۔ کنڈکٹر سلسلہ وار ٹکٹوں کے نمبر پکار کر ٹکٹ کے دام لیکر لوگوں کو گاڑی میں بٹھلاتا جاتا ہے۔ عموماً لوگ پہلے اوپر جاکر بیٹھتے ہیں اور جب وہ جگہ بھر جاوے۔ تو پھر دوچند کرایہ دیکر نیچے بیٹھتے ہیں۔ صرف مسافروں کی کثرت کی وجہ سے پیرس آمنی بسوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ بعض انگریزوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ پیرس کا یہ طریقہ لنڈن سے بہت بہتر ہے۔ آمنی بسوں کے کنڈکٹروں اور گھوڑا گاڑیوں کے کمپنیوں کے پاس تمام شہر کے گلی کوچوں کی فہرست ہوتی ہے۔ تاکہ ناواقفوں کو راستہ بتاسکیں۔

پیرس میں بعض ٹریموے گاڑیوں میں برابر برابر تین تین گھوڑے جوتتے ہیں۔ اور کبھی حسب ضرورت اور دو گھوڑے ان کے آگے بھی جوڑ لیتے ہیں۔ بارکشی کی بھاری گاڑیوں کے آگے کبھی تین تین گھوڑے ایک دوسرے کے آگے پیچھے جوڑ دیتے ہیں۔

مزدور مزدور یا خدمتگار اپنے کپڑوں کے اوپر ایک نیلا یا میلا کرتا پہنے رکھتے ہیں۔ جو ٹخنوں تک نیچا ہوتا ہے۔ ایسا ہی نیلا یا میلا کرتہ کئی غریب مائیں اپنے بچوں کو کپڑے پہنا کر اوپر سے پہنا دیتی ہیں۔ کہ کپڑے میلے نہ ہوں یہاں پھول بیچنے کی بہت سی دکانیں اجنبی کو نرالی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ کئی عورتیں ہاتھوں میں پھول یا گلدستے لیکر بازاروں میں بیچتی پھرتی ہیں۔ پیرس کے مزدور بخلاف لنڈن کے مزدوروں کے کام کرنے کا لباس علیحدہ رکھتے ہیں۔ جس سے ستھرائی پائی جاتی ہے۔

کوشک بڑے بڑے بازاروں میں جابجا لوہے کے ہشت پہلو یا شش پہلو قد آدم سے دوچند مینار سے بنے ہوئے ہیں جو اندر سے خالی ہیں اور کوشک کہلاتے ہیں۔ ان میں بیٹھ کر اخبار بیچنے والی عورتیں اخبار بیچا کرتی ہیں۔ لیکن بعض ایسے بھی ہیں۔ جو اخبار بیچنے کے کام نہیں آتے۔ ان کے سروں

اشتہارات کے کوشک کے قریب شیشے لگے ہیں۔ جن کے اندر روشنی رکھ دینے سے اشتہار پڑھے جاتے ہیں۔ اشتہاروں کی کچھ نہ پوچھو کہ کتنے اور

کیسے ہوتے ہیں۔ دیواروں پر بے انتہا پوسٹر لگائے جاتے ہیں۔ مگر ہر دیوار پر نہیں بلکہ صرف انہی پر جو اس مطلب کے لئے کرایہ پر لی جائے اخباروں کے اشتہاروں کا طریقہ بھی نرالا ہے۔ ایک بہت بڑے ورق پر کئی رنگوں سے کچھ دلکش تصویریں چھاپی جاتی ہیں اور اس کی پشت پر ایک حیرت انگیز ناول سے ایک باب چھاپ دیتے ہیں اور اس کے اخیر میں لکھ دیا جاتا ہے۔ کہ یہ ناول سلسلہ وار فلاں تاریخ سے فلاں اخبار میں چھپنا شروع ہوگا۔ جسکی یہ قیمت ہے پھر یہ خوشنما ورق بازاروں میں لاکھوں ہی بانٹ دیئے جاتے ہیں بازار میں جابجا مردوں اور عورتوں کے کھڑے ہو کر پیشاب کرسکتے ہیں۔ اور اوپر سے ہر وقت پانی بھکران لوہے یا پتھر کی سلوں کو صاف کرتا رہتا ہے۔ اور پانی نیچے کی بدرروں میں چلا جاتا ہے۔ ان پیشاب خانوں میں خفیہ قسم کی بیماریوں کے علاج کے اتنے اشتہارات چسپاں ہیں کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ برلن کی دکانوں کی طرح مختلف رنگوں کے برقی نوٹس بورڈ تو یہاں ایک معمولی بات ہے۔ مکانوں کے نوٹس بورڈ وں کے انواع اقسام کے سنہری اور شیشہ اور پتھر اور انامل کے حروف کو چھوڑ کر سب سے عجیب طریقہ اشتہار کا جو میں نے آج تک اپنی آنکھ سے یورپ میں دیکھا ہے۔ وہ بھی سنئے ایک شخص رات کو ایک دو منزلہ مکان کے دریچے سے موٹوسکوپ کی تصویریں ایک پردہ پر

اشتہار کا عجیب طریقہ

ڈالتا ہے۔ جو حرکت کرتی معلوم ہوتی ہے۔ جب دس پندرہ منٹ میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں راہ گیر یہ مفت کا تماشا دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو وہ تصویروں کے بجائے آٹھ دس مختلف کارخانوں کے اشتہاروں کا عکس اُس پردہ پر ڈالنے لگتا ہے اور لوگ اطمینان سے انھیں کو اس امید پر دیکھے جاتے ہیں۔ کہ ابھی پھر کوئی دلچسپ متحرک تصویر نظر آئے گی۔ اس سے بہتر طریقہ اشتہار کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ پیرس کے ایک چوک میں ایک بہت بڑا رومین منار کھڑا ہے۔ جو نپولین نے اپنے دشمن سے توپیں چھین کر انہی کے لوہے سے بنایا تھا۔ اور اس پر اس کی سب جنگوں کی تصویریں کندہ ہیں؛

فرانسیسی اخبارات

پیرس سے اخبار بھی بہت سے نکلتے ہیں۔ روزانہ اخبارات لندن

سے بھی تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ البتہ ہفتہ وار اخبار پیرس سے کم نکلتے ہیں۔ ظاہری حیثیت شکل و صورت اور مضامین کے اعتبار سے انگلستان کے اخبار فرانس کے اخباروں سے بہت آگے ہیں۔ اور اسی طرح مضامین کی وسعت ان کے حصول وسائل مضامین کی ماہیت اور خبروں کے ماخذ کے لحاظ سے پیرس کے اخبار لنڈن کے اخباروں سے بہت پیچھے ہیں۔ اور بلحاظ مقدار اشتہارات کے تو بمقابلہ انگلش اور امریکن اخبارات کے کوئی درجہ نہیں رکھتے۔ پیرس کا "پیٹی جرنل" لنڈن کے تمام اخباروں سے اشاعت میں زیادہ ہے۔ یعنی اس کی اشاعت پندرہ لاکھ کہی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بہت ارزاں دس سنٹیم یعنی نصف پینی کا ہے۔ لیکن لنڈن میں بھی اب نصف پینی کے اخبار ڈیلی اکسپریس سنہ ۱۹ع میں جاری ہو گیا ہے۔ اس کی بھی اشاعت بہت کثرت سے ہے۔ اور ڈیلی میل کی اشاعت بھی اتنی ہی بڑی ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ پیرس میں لوگ اخبار پیٹری (حب وطن) کو جو زیادہ جوشیلا ہے۔ اور اخبار ماٹین (صبح) کو بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ دونوں نصف نصف پینی کے اخبار ہیں۔ مگر "فگارو" "گالوا" "تام" جو ڈیڑھ ڈیڑھ پینی کے پرچے ہیں یا جرنل ڈے۔ ڈیبیٹ جو دو پینی یعنی سنٹیم کا ہے۔ یہ اول درجے کے اخبار شمار ہوتے "آرور"۔ "اتھاریٹی"۔ "سیاکل"۔ "ریڈیکال"۔ "ایکو ڈا پاری" وغیرہ بہت سے دوسرے مشہور اخبار بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ پیرس میں ۱۶۳ پولیٹیکل اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں سے ۷۹ روزانہ۔ ۷۳ ہفتہ وار۔ چھ پندرہ روزہ اور تین ماہوار ہیں ان کے علاوہ ۱۶۶ ریویو یعنی رسالے چھپتے ہیں۔ لیکن بخلاف لنڈن کے پیرس کے اخبارات کے ہفتہ وار ایڈیشن پیٹی پیریزئن۔ اور لی پیٹی جرنل رنگین تصاویر سے مزین ہیں۔ اور وہ بھی دس سنٹیم یعنی نصف پینی یا ہندوستان کے دو پیسے کو بکتے ہیں۔ ان کی ارزانی قابل تعریف ہے۔ پیرس کے اخبارات میں بڑا نقص یہ ہے کہ بوجہ زیادہ آزادی کے بدلگام اور منہ پھٹ زیادہ ہیں۔ آپس میں بھی ایک دوسرے کے منہ آتے رہتے ہیں۔ اور پولیٹیکل پارٹیوں اور دولتمند ریڈروں کے پولیٹیکل رسوخ بڑھانے کے لئے روپے کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر ایسا نہ کریں۔ تو اپنا

خرچ نہیں چلاسکتے۔ فرانسیسی زبان میں کتابیں ایسی ہی چھپتی ہیں اور صدہا اور ہزار قسم کی چھپتی ہیں جیسی کہ انگریزی میں چھپتی ہیں۔ نمائش گاہ میں بہت سے پیرس کے کتب فروشوں اور اہل مطابع نے اپنی کتابوں کے نمونوں کی نمائش کی تھی۔ بلحاظ چھپائی۔ اور کیا بلحاظ جلد بندی اور کیا بلحاظ آرٹ کے فرانس ہر بات میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور کلوں اور دستکاری اور صنعت اور حرفت میں تو اتنی ترقی کی ہے۔ کہ مجھے پہلے جس کا گمان بھی نہ تھا۔

جرنل لی پٹی

پیرس میں سے دو تین اخبار دیکھے۔ جن میں سے جرنل لی پٹی Journal le Petite. کے کچھ حالات تذکرے کے قابل ہیں

میں اس مطبع میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی ایک گھنٹہ کے بعد یعنی پانچ بجے شام کے پیرس ایڈیشن چھاپنے کے لیے مشینیں چلیں گی۔ واضح رہے کہ دن میں اس عظیم الشان اخبار کے چھ ایڈیشن نکلتے ہیں۔ ان میں سے پہلے ایڈیشن تو بذریعہ ریل اور ڈاک کے فرانس کے دور دراز مقامات پر بھیجے جاتے ہیں۔ مگر شام کا ایڈیشن جس میں خبریں زیادہ ہوتی ہیں خاص پیرس میں تقسیم ہوتا ہے۔ جرنل لی پٹی کی روزانہ اشاعت ڈیڑھ ملین یعنی پندرہ لاکھ کاپی بتلائی جاتی ہے۔ اور یہ اشاعت تمام دنیا کے اخباروں سے بدرجہا زیادہ ہے مگر ایسی مقبولیت حاصل کرنا اور ایسی کثیر اشاعت کو برقرار رکھنا کچھ آسان کام نہیں ہے کارخانہ میں تیس مختلف صیغے ہیں۔ کہ جس کی مدد سے اس جرنل کی ہر کاپی مکمل ہوتی ہے۔ اور تین ہزار عورتیں اور مرد ان سب صیغوں میں کام کرتے ہیں۔ تین چیف ایڈیٹر ہیں۔ جنہیں مختلف صیغے سپرد ہیں۔ کئی نائب ایڈیٹر اور کئی سو نامہ نگار فرانس اور دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کا دفتر رات دن کھلا رہتا ہے۔ نہایت تنگ کہ دروازہ تو کبھی بند نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتوار کو بھی اخبار برابر چھپتا ہے۔ بارہ مشینیں چھاپتی ہیں۔ ہر مشین چالیس ہزار کاپی فی گھنٹہ کے حساب سے نکالتی ہے۔ اور تین سو سیر مونو ٹائپ بنانے پر بارہ ہنڈرڈ ویٹ سیسہ خرچ ہوتا ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کاپی ہر روز مقررہ خریداروں کو جاتی ہے۔ جس پر چالیس ہزار پونڈ کا ٹکٹ خرچ آتا ہے۔ اسکے علاوہ بہت سا روپیہ

ڈاک کے محصول کا دینا پڑتا ہے - اور باقی کاپیاں جو ریل کے ذریعہ سے ملک کے ہر حصہ میں
بنڈل باندھ باندھ کر بھیجی جاتی ہیں - ان پر ساٹھ ہزار پونڈ یعنی نو لاکھ روپیہ ریلوے کو دیا
جاتا ہے - پچیسٹھ مرد ریل کے لئے اخبار کے بنڈل بناتے ہیں - ۱۰۵ سو عورتیں ڈاک کے
لئے اخبار لپیٹتی ہیں - ان میں سے بعض ایسی مشاق ہیں کہ فی گھنٹہ ایک ہزار کاپیاں
لپیٹ کر لیئی سے ٹکٹیں چسپاں کر دیتی ہیں - ہر روز ایک چھوٹی سی جھیل لیئی کی خرچ
ہو جاتی ہے - اتنی بڑی اشاعت والے اخبار پر جسقدر کاغذ خرچ ہوتا ہے - مندرجہ
ذیل اعداد سے آپ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں - سال تمام میں ستاون کروڑ کاپیاں
جرنل کی چھپتی ہیں - اس کے علاوہ پانچ چھ اور ہفتہ وار اخبار بھی اس دفتر سے نکلتے ہیں
جن میں سے ایک ہفتہ وار جرنل لی پیٹی رنگین تصویر کا پرچہ ہے ایک پرچہ زراعت
کے لئے مخصوص ہے - ایک علمی مذاق کا ہے - غرض ان سب کی مجموعی سالانہ اشاعت
دس کروڑ تیس لاکھ ہے - تو کل سرسٹھ کروڑ تیس لاکھ کاپیوں پر نو ہزار ٹن دیا دو لاکھ
اٹھاون ہزار من) کاغذ سال تمام میں صرف اس ایک اخبار کے کارخانہ میں خرچ ہوتا ہے
اور چونکہ یہ کاغذ لکڑی کا بنتا ہے اس لئے جنگلوں کے جنگل صرف ایک اخبار کے کاغذ کیلئے
صاف ہو جاتے ہیں - ریلوں کے مختلف سٹیشنوں پر اٹھارہ ہزار ایجنٹ موجود ہیں - جو
اخبار کے گٹھے لینے کے بعد فوراً پیدل یا گھوڑا گاڑی یا بائیسکل کے ذریعے اپنے اپنے علاقہ
میں تقسیم کرنے کو دوڑ جاتے ہیں - اس طرح پر فرانس کے ہر کونے اور ہر گوشے میں
جرنل لی پیٹی ہر روز امیر سے غریب تک کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے - اس کے دفتر
میں ایک نہایت مکلف کمرہ کونسل کے لئے بنایا گیا ہے - جب کوئی پیچیدہ معاملہ
آتا ہے تو چیف ایڈیٹر شہر کے بعض بارسوخ اصحاب کو بلا کر ان سے بحث کر کے
فیصلہ کرتا ہے اور جب مضامین ایسی تحقیقات سے لکھے جائیں تو پبلک ان پر
کیوں اعتبار نہ کرے گی - غرض اس کارخانہ کے مالکوں کو بھی خوب منافع حاصل

پیرس کے تھیٹر

ہوتا ہے - اگرچہ چیز کو میں نے سب سے کم دیکھا ہے - تو وہ تھیٹر ہیں
میں نے صرف دو مرتبہ پیرس کے تھیٹر دیکھے - وہ بھی صرف

اس خیال سے کہ یہاں ہر کوئی ہر روز تھوڑا ہی آتا ہے۔ میں ایک دن شام کو پیرس کے مشہور تھیٹر لارڈ سینٹ مارٹن میں گیا۔ جہاں عموماً تاریخی ڈرامے دکھلائے جاتے ہیں۔ اور فرانس کا چوٹی کا ایکٹر کہ جو انگلستان کے مشہور ایکٹر ز ہنری اور ونگ کے پایہ کا ہے۔ اکثر یہاں اپنا پارٹ کرتا رہتا ہے۔ یہ تھیٹر اول درجے کا اعلےٰ پیمانہ پر ہے۔ گو میں نے بوجہ زبان کی اجنبیت اور پلاٹ کی ناواقفیت کے بہت کم قصہ سمجھا البتہ حرکات و سکنات اور سامان کی صفائی اور سادگی قابل تعریف تھی ایکدفعہ پھر لنڈن سے واپس آنے کے بعد میں تھیٹر میں گیا۔ اور سب سے پچھلی قطار میں چار فرانک کا ٹکٹ لیا۔ ٹکٹ تھیٹر کی تمام نشستوں کی ایک چھوٹی سی نقل بھی تھی۔ جس میں نشستوں کے نمبر لگے ہوئے تھے۔ ہر شخص ان نشستوں کو دیکھ کر جو جگہ پسند کرتا۔ اگر وہ خالی ہوتی تو اس کا ٹکٹ خرید لیتا۔ لیکن ٹکٹوں کی قیمت کھیل کے شروع ہونے تک دم بدم بڑھتی جاتی تھی۔ لنڈن میں ایک تھیٹر کے دروازہ پر بھیڑ دیکھ کر میں اندر گیا تھا تو دربان نے کہا۔ جگہ خالی نہیں۔ رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹر نے مجھ سے لنڈن میں کہا تھا۔ کہ یہاں کا تھیٹر بھی ضرور دیکھو۔ تاکہ معلوم کہ کیوں یہ لوگ ایک ہی تماشا اتنی راتوں تک کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور لوگ ہر رات کو بکثرت دیکھنے آتے ہیں پیرس کے اس رات کے ناٹک میں ایک پارٹ میں انگریزوں کا خوب خاکہ اڑایا گیا۔ ایک انگریز کا سوانگ بھرا گیا۔ جو اپنی جوان بیٹی کی شادی کرنے کے لئے اسے پیرس لایا تھا۔ اور سوائے یس دہاں کے اور کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ جہاں نو (نہیں) کی ضرورت ہوتی وہاں بھی وہ یس ہی کہتا۔ اور اس کی بیٹی تھی جو ابھی فرانسیسی زبان نہیں جانتی تھی۔ ایک فرانسیسی کی بول چال کی مدد سے باتیں کرتی تھی۔ اور جب اس کا فرانسیسی تلفظ (جو انگریزوں کے فرانسیسی تلفظ کی طرح غلط ہوتا تھا) نہ سمجھا جاتا تو وہ جھٹ اپنی کتاب کا وہ فقرہ پیش کر دیتی۔ میں نے فرانسیسی میں ایک دو ہی تماشے دیکھے۔ تو معلوم ہوا کہ انگریزی قوم کا یہ لوگ کتنا مضحکہ اڑاتے ہیں ؏

ڈانسنگ ہال ایک دوست کے ساتھ ایک شام کو جار دان دا پاری نامی ایک

ڈانسنگ ہال بھی دیکھا۔ جو آج کل بوجہ نمائش کے بڑا پُر بہار تھا۔ اس میں علاوہ اہل فرانس و جرمنی کے انگلستان اور امریکہ کے تماشائی بھی بکثرت تھے۔ تین فرانک کا ٹکٹ تھا۔ نو دس بجے شام کو ہم لوگ اس احاطہ میں پہونچے تو دیکھا کہ سیکڑوں مرد اور بہت سی عورتیں چھوٹی چھوٹی میزوں پر بیٹھے ہوئے کھانے پینے میں مشغول ہیں ہم بھی ایک میز پر جا بیٹھے۔ اتنے میں سامنے والے مکان میں باجا بجنے لگا اور کچھ عورتیں سٹیج پر جا کر ناچنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں سٹیج کے مقابل ایک گول مکان میں کہ جس کی چھت ستونوں قائم تھی۔ کچھ اور لڑکیاں ناچنے لگیں۔ یوروپ کے ناچ کی بڑی خوبصورتی اور عمدگی یہ ہے۔ کہ ناچنے والی ایک ٹانگ کو اونچا کر کے اپنے سر تک پہنچادے۔ یا ٹانگ کو بڑی پھرتی سے ہلائے۔ اور ایک پاؤں پر پھرتی رہے۔ اسی بڑے اصول سے ناچ کی بیسیوں قسمیں اختراع کی گئی ہیں۔ جب اس گول مکان میں ناچ شروع ہوتا۔ تو سب لوگ اس کے گرد پھر پھر کر دیکھتے۔ کئی عورتیں جو لیڈیوں کے سے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ میرے دوست نے کہا کہ صرف ایک اشارہ کی منتظر ہیں۔ بلکہ کئی دوسری خود عشوہ گری سے تھک کر زبان اور ہاتھ کی مدد پر آمادہ پائی گئیں۔ جو ان میں سے اس حلقہ کے اندر جا کر خوب ناچتی جب وہ باہر آتی تو بہت سے نوجوان امریکن اور انگریز ٹوپی اُتار اُتار کر اس کے ناچنے کی داد دیتے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں وہ عورت ان میں سے کسی مرد کے ساتھ چل دیتی۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر سمجھ میں آیا۔ کہ کیوں پیرس کے بازاروں میں رنڈیاں دن بھر دریچوں میں نہیں بیٹھتیں۔ گو میں نے سُنا ہے کہ گیارہ بارہ بجے شب کے بعد پیرس کے بعض بڑے بازاروں میں یہ لیڈیاں اکثر راہ چلنے والوں کو بلا انٹرڈیوس کئے جانے کے ملاقات کا شرف بخشنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ اس تماشہ گاہ میں بعض چالاک عورتیں ایسا بھی کرتی ہیں کہ جب کسی اجنبی کو تنہا کسی میز پر بیٹھا ہوا دیکھتی ہیں۔ تو اس کے پاس جا بیٹھتی ہیں۔ اور ویٹر سے کھانا یا شراب وغیرہ منگواتی ہیں۔ اور جب دیکھتی ہیں کہ ویٹر دام وصول کرنے کو قریب آرہا ہے تو چُپ چاپ کھسک جاتی ہیں۔ اور اجنبی جنٹلمین سے جب ویٹر اس لیڈی کے کھانے کا بھی بل کرتا ہے۔ تو تب اُسے معلوم ہوتا ہے

کہ وہ عورت اسے احمق بنا گئی ہے۔ یہ تماشا صرف اسی ڈانسنگ ہال میں ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ پیرس کے اور کئی میوزک ہالوں اور اسی قسم کی تماشا گاہوں میں بھی یہ چالاکی ہوتی ہے؛

فرانس میں شادیاں فرانس کی شادیوں کے متعلق امریکہ کی ایک میم صاحبہ نے جو مدت سے پیرس میں رہتی ہیں۔ ایک روز بسبیل تذکرہ کہا کہ پیرس میں شادیاں زیادہ تر سوسائٹی کی خاطر کی جاتی ہیں۔ تاکہ مرد کو جو رتبہ حاصل ہے اس سے عورات کو بھی حصہ ملے۔ ورنہ در اصل فرانس میں یہ جنٹلمین کی داشتہ اور رہر لیڈی کا آشنا علیحدہ ہوتا ہے۔ فرانس میں بھی شادی کے وقت اہل بنگالہ کی طرح لڑکی والوں کو ایک معقول رقم بطور جہیز دینا پڑتی ہے۔ اس جہیز کے سوائے لڑکیوں کو اچھے شوہر مشکل سے مل سکتے ہیں۔ بعض صورتوں میں دولہا کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہوتی لیکن عموماً خیال کیا جاتا ہے۔ کہ جسقدر رقم دُلھن اپنے والدین کے یہاں سے لائے گی۔ اتنی ہی جائداد دولہا کے پاس بھی ہوگی۔ فرانس میں ہر چند کہ عام لوگ متوسط درجہ کا گزارہ رکھتے ہیں اور بمقابلہ دیگر ممالک یورپ کے غریب ہیں۔ تاہم اکثر مائیں اپنی لڑکیوں کو ایک ٹانکا تک لگانا نہیں سکھلاتیں۔ حالانکہ امریکہ میں دولتمند مائیں بھی اپنی لڑکیوں کو سب کام کاج سکھلاتی ہیں

فرانس میں شادی کی اصلیت پیرس کی عام عورتوں کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب سے چند اقتباس یہاں بے موقع نہ معلوم ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیرس میں شریف لوگ اپنی لڑکیوں کو اسی طرح حفاظت اور نگرانی میں رکھتے ہیں جیسے کہ ممالک مشرق میں لڑکیوں کو پردہ میں رکھا جاتا ہے اگر ایک روز بھی کوئی ماں اپنی لڑکی کو کسی غیر آدمی کے ساتھ گھر سے جانے دے تو کہا جائیگا کہ اس ماں نے اپنی بیٹی کو ذلیل کر دیا۔ اور پھر اُس لڑکی کی شریفانہ شادی ہو جانے کا اتفاق کم باقی رہ جائیگا۔ پیرس کی سوسائٹی میں شادی سے یہ مقصود نہیں ہوتا۔ کہ دو آدمی آپس میں محبت کرتے ہیں۔ تو انکا اتحاد ہو جائے۔ بلکہ یہاں دنیاوی اغراض کو زیادہ مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ایک دولتمند شخص نے ایک صراف سے جاکر کہا۔ میں تمھاری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں یہ

میری جائداد کے کاغذ ہیں۔ اور کسی بات کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ فوراً لڑکی اس شخص کے حوالے کر دی گئی۔ دوسری طرف لڑکیوں کے والدین کو اپنی حیثیت سے زیادہ جہیز دینا پڑتا ہے۔ تب اُس کی بیٹیاں قبول کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دہقان ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرنے والا تھا۔ کہ لڑکی کے باپ نے داماد سے کہا "میں تمھیں جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ باغ میں وہ بڑا چیری کا درخت میرا رہے گا"۔ اس پر داماد نے کہا۔ "تو میں تمھاری لڑکی سے شادی نہیں کرتا۔ پیرس میں عموماً شادی کا سودا محبت پر نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے بہت سی عورتیں اور مرد ناپاک اور بدکار زندگی بسر کرتے ہیں۔ پیرس کے مشہور مصنف ڈوما کی نسبت یہ قصہ مشہور ہے۔ کہ جس میڈمازل (مس) آڈا سے ڈوما کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے باپ کا ڈوما بہت قرضدار تھا۔ مگر ڈوما کے پاس قرض ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ آخر قرضخواہ نے ڈوما کو قید کرانے کا ارادہ کر لیا لیکن آخر وقت میں اسے ایک انوکھا خیال پیدا ہوا۔ اُس کی لڑکی مس آڈا نہ تو حسین تھی۔ اور نہ نیک چلن ڈوما کو کہا۔ اگر تم میری لڑکی سے شادی کر لو۔ تو سب قرض معاف کر دوں گا۔ آخر ڈوما نے قید پر اس زندگی کو ترجیح دی۔ اور مس آڈا سے شادی کر لی۔ لیکن وہ شادی کس قسم کی تھی اس کا ذیل کے واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

ڈوما کی بی بی

ایک شام کو ڈوما ناگہاں اپنے گھر میں آیا۔ تو اس نے دیکھا کہ اس کے گول کمرے میں ایک اجنبی شخص اس کی بیوی سے اختلاط کر رہا ہے۔ ڈوما نے کچھ دیر تک اجنبی کو نہایت تعجب اور حیرت سے گھور کر کہا۔ "مجھے تعجب آتا ہے۔ کہ تم ایسی حرکت کے از خود مرتکب کیوں ہوئے۔ مجھے تو مجبوری تھی۔ تم پر کیا خدا کی مار تھی۔ تمھیں کسی نے اس کام پر مجبور بھی نہیں کیا۔ میرے گلے تو یہ بلا جبراً منڈھی گئی۔ پر تمھاری کیا شامت آئی کہ اس سے منہ کالا کر رہے ہو؟"

اپنی بیوی کے بچے

میڈم ڈراگو پیرس میں ایک مصنفہ اور فیشن کی سرپرست لیڈی گزری ہے۔ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہو گئی جو

کتابوں کا کیڑا تھا اور جسے سوائے اپنے کتب خانہ کے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر تک تھی بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کے بچے کتنے ہیں۔ اور یہ بڈھا فلاسوفر اس بارہ میں اس قدر بے پرواہ تھا کہ جب کوئی اجنبی اُس کے گھر میں آتا تو وہ بے تکلفی اور بے ریائی سے اسے ان لفظوں سے اپنے کنبہ سے ملاقات کراتا کہ میں اپنی بیوی کے بچے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں"

فرانس کی عورتوں پر غیر مردوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرانس میں شادی دل سے نہیں بلکہ جیب سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم فرانس کی عورتیں بالطبع ذہین اور چالاک ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی تعلق معقول پیدا کرنا پسند کرتی ہیں انگلستان میں سنا جاتا ہے۔ کہ ایک نوجوان لڑکی اپنے باپ کے سائیس کے ساتھ روپوش ہو گئی۔ اور ایسی ہی باتیں امریکہ میں سنی جاتی ہیں مگر فرانس کی عورت اپنے سے کمتر درجہ کے آدمی سے کبھی بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔

عورتوں کے ہتھکنڈے

بقول پیرس گائیڈ کی پینتیس ہزار عورتیں جو پیرس میں ناجائز وسایل سے روزی کماتی ہیں۔ ان میں سے صرف پانچ ہزار کا نام پولیس کے رجسٹروں میں درج ہیں۔ اور ان پانچ ہزار میں سے بھی اٹھارہ سو باضابطہ لائسنس یافتہ مکانوں میں رہتی ہیں۔ اور باقی اپنے گھروں میں سکونت رکھتی ہیں۔ اب یہ عورتیں لوگوں کو اور خصوصاً اجنبیوں اور ناواقفوں کو کس طرح مونڈتی ہیں۔ ذیل کے حالات سے معلوم ہوگا جو متذکرہ بالا کتاب سے اخذ کئے جاتے ہیں۔

بعض رسٹارنٹوں میں کئی عورتیں آدھی رات کے بعد تک کھانے کی منتظر رہتی ہیں فرض کرو ایک شخص سے ایک خوبصورت عورت کی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ سب سے پہلے تو کھانے کی فرمائش کرتی ہے۔ کھانا دو کے لئے منگوایا جاتا ہے۔ اتنے میں ایک گل فروش عورت ایک گلدستہ لاکر اس شخص کو پیش کرتی ہے۔ اور اُس کی حسین آشنا گلدستے کی فرمائش کرتی ہے حضرت کو مجبوراً یہ گلدستہ خریدنا پڑتا ہے۔ ذرا سی دیر بھی نہیں کرتی۔ کہ فوراً یہ گلدستہ پھر اسی گل فروش کے ہاتھ بک جاتا ہے۔ اور اسی طرح کئی کئی مرتبہ ایک ایک گلدستہ بکتا رہتا ہے۔ اگر تو گرفتار بھولا بھالا شکار ہو تو ایک کو حسین فوراً دن بھر کی گاڑی کے کرایہ کا تقبیہ

بل میں فرانک کا لے آتا ہے۔ اور تقاضا کرتا ہے۔ معشوقہ کی خاطر یہ بھی دینا پڑتا ہے۔ ع

ع این ہم اندر دوستی بالائے غمہائے دگر۔ اسی کتاب میں لکھا ہو کہ

فرض کرو کہ کسی بال میں ایک خوبصورت عورت تم کو مفتون کر لیتی ہے۔ تھوڑی دیر میں اس کی گفتگو سے مترشح ہوتا ہے۔ کہ وہ ایسی جگہوں میں جانے کی عادی نہیں۔ صرف آج رات کو پہلی مرتبہ وہ چھپ کر یہاں آئی ہے۔ اس کا شوہر کسی ڈنر کی پارٹی میں گیا ہے۔ اور نصف شب کے بعد آئیگا۔ رخصت ہونے سے پہلے تم خوش نصیبی سے اُسے آمادہ کر لیتے ہو۔ کہ تم دوسرے روز اس کے مکان پر ایک بجے شب کو پہنچو گے۔ اس کا شوہر صرافہ میں جاتا ہے۔ اور بارہ بجے سے تین بجے شب تک وہیں رہتا ہے۔ تم قرارداد کے مطابق اُس کے مکان پر پہنچے ہو وہ تمہیں ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھلاتی ہے۔ اور ہر طرح کی ہنسی مذاق کی گفتگو ہونے لگتی ہے۔ شاید تم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وہ لپک کر سامنے کے آتش دان سے جا لگی۔ جس پر ایک خوبصورت چینی کا برتن دھرا ہوا تھا۔ جو اس ٹھوکر سے گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

یا اللہ! یہ کیا مصیبت ہے! اب کیا ہو گا۔ میرا شوہر اسے کل ہی خرید کر لایا تھا۔ وہ تو سخت ناراض ہو گا۔

کچھ پرواہ نہیں۔ اس کی قیمت کیا تھی؟ وہ جھٹ سے بول اٹھتی ہے۔ کہ صرف پچاس فرانک! تم جانتے ہو کہ شوہر کیسے سخت گیر ہوتے ہیں؟" ظاہر ہے کہ تمہیں خیال آئیگا کہ تمہاری ہی بدولت تمہاری میزبان کو کیوں تکلیف ہوئی اس لئے تم ذرا سے تامل کے بعد پچاس فرانک گن کر پیش کر دیتے ہو۔

"اب پھر وہی پہلے کا سا ہنسی مذاق شروع ہونے والا تھا۔ کہ گھڑی تین بجا دیتی ہے۔ ایک خادمہ جلدی سے آکر کہتی ہے۔ کہ ایک دو منٹ کے اندر ہی صاحب خانہ تشریف لاتے ہیں۔ میاں گھر میں۔ اور میز پر دستر خوان بچھانے لگتی ہے۔

"اب کیا تھا۔ تو کون اور میں کون۔ بلا ایک دم کے وقفہ کے وہ تمہیں دروازہ سے نکال باہر کرتی ہے۔ یہ انجام ہے رات کی چوری سے ملاقات کا۔ وہ چینی کا برتن جو کسی معمولی دُکان

ہے وہ فرانک کو خریدا گیا تھا، دوسرے دن پھر لاکر وہیں رکھدیا جاتا ہے۔ اور پھر تمہاری طرح جو آن پھنسے اُسے اسی ڈھب سے پچاس فرانک اگلوا لیے جاتے ہیں۔

''ایک اور مشہور ہتھکنڈا یہ ہے۔

ابھی تم خواب غفلت سے پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوئے کہ علی الصباح کوئی شخص دروازہ زور سے کھٹکھٹاتا ہے۔ اور ایک خادمہ کاغذ کا ایک پرزہ لے کر اپنی مالکہ کو لادیتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ کہ ایک شخص اس کا جواب ابھی مانگتا ہے، صاحب خانہ کہتی ہے'' کیسے افسوس کی بات ہے۔ کہ وہ کیسے بے وقت میں آیا ہے۔ اس سے پوچھو کہ کیا وہ ایک دن کے بعد نہیں آسکتا؟ خادمہ اور تھوڑی دیر میں یہ جواب لاتی ہے۔ کہ وہ کہتا ہے میں آج ہی اپنا روپیہ لے کر جاؤنگا۔ لیڈی بہت پریشان ہوتی ہے۔ اور تم باوجود اس امر کے اندیشہ کے کہ تمہاری بات دخل در معقولات نہ سمجھی جائے۔ اس کی وجہ پوچھتے ہو وہ کہتی ہے موسیو کچھ بڑی بات نہیں جو بات خلاف توقع ہو تولامحالہ پریشانی ہوہی جاتی ہے۔ وہ مکار فوراً اپنا لکھا ہوا سو فرانک کا پرزہ تمہارے ہاتھ میں دیدیتی ہے۔ جو آج واجب الادا ہے۔ اتنے میں لیڈی کو کچھ خیال آتا ہے۔ وہ کہتی ہے ٹھیرو میرے پاس پچاس فرانک ہیں۔ اس شخص کو کہو یہ رقم علی الحساب لے جائے اور باقی کے لئے کل صبح آئے۔ خادمہ جا کر یہ جواب لاتی ہے۔ وہ نہیں مانتا اور کہتا ہے۔ یا تو کل رقم دو، ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ شاید تم نہیں دیکھ سکتے کہ خوبصورت لیڈی اس قدر پریشان کیوں رہے۔ تم باقی رقم اپنی گرہ سے دیدینے کی تجویز پیش کرتے ہو۔ اور وہ بڑے اتامل اور انکار کے بعد آخر اس رقم کو شکریہ کے ساتھ تمہاری فیاضی کی تعریف کرتے ہوئے قبول کر لیتی ہے۔

''ایک اور عورت بال روم میں داخل ہوتی ہے وہاں کئی نوجوان بیٹھے ہوئے پاتی ہے۔ اور وہ ایسی ہوشیار ہوتی ہے کہ جھٹ تاڑ جاتی ہے۔ کہ مسافر اور سادہ لوح ان میں سے کون شخص ہے۔ اس کے کندھوں پر خوبصورت کشمیری شال رکھکر کہتی ہے کہ اسکو کلوک روم میں رکھ آؤ گے؟ دستور یہ ہے کہ کلوک روم میں جو کپڑے رکھے جاتے

ہیں۔ ان کے ٹکٹ ملتے ہیں۔ اور چلتے وقت وہ ٹکٹ دکھلا کر اسی نمبر کی کھونٹی سے کپڑا اُتار لیا جاتا ہے۔ غرض ایک خوبصورت عورت کی ایسی درخواست کو یورپ میں منظور نہ کرنا بدتہذیبی میں داخل ہے۔ اس لیئے نوجوان جھٹ وہ شال لے کر کلوک روم میں لے آتا ہے۔ اور لیڈی کو ٹکٹ دینا چاہتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ نہیں اپنے ہی پاس رکھیئے۔ ایسا نہ ہو کہ میرے پاس سے کہیں کھو جائے۔ کیونکہ میرے پاس جیب بھی نہیں ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب سب لوگ رخصت ہونے لگتے ہیں۔ اور وہ لیڈی اپنی شال مانگتی ہے۔ تو نوجوان کلوک روم سے ایک بہت پرانا سا گھٹیا شال کا لے آتا ہے جسے دیکھ کر شور وغل مچانے لگتی ہے۔ کہ یہ تو ہرگز میری شال نہیں۔ سب لوگ بھی تعجب کرتے ہیں۔ اجنبی نوجوان اپنے آپ کو عجیب حالت میں پاتا ہے۔ اور طوعاً و کرہاً شال کی قیمت ادا کر دینا چاہتا ہے۔ جو دو سیکنڈ کے تامل کے بعد بخوشی قبول کر لی جاتی ہے۔ اس میں چالاکی یہ کی جاتی ہے۔ کہ اصلی شال اس لیڈی کا کوئی رازدار کلوک روم کے ملازم سے ساز باز کر کے بدل دیتا ہے۔

یہ اور اسی قسم کے کئی فریب پیرس اور یورپ کے اور کئی بڑے بڑے شہروں میں اکثر عورتوں کی چالاکی سے ہوتے رہتے ہیں۔

موت کا قہوہ

باوجودیکہ اہل پیرس کی تفریح کے لیئے بہت سے تھیٹر، میوزک ہال اور ڈانسنگ ہال علاوہ سینکڑوں کافی شاپوں کے موجود ہیں لیکن اہل پیرس کی تفریح اور دلبستگی صرف عیش و عشرت کے سامانوں اور ناچ رنگ تک محدود نہیں۔ بلکہ ان میں عجائبات اور نرالی باتوں کے دیکھنے کا شوق اس حد تک ترقی کر گیا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ نئی نئی باتوں کی تلاش میں رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ ایسے ڈراؤنے نظارے لوگوں کو کھینچنے کے واسطے اختراع کیئے جاتے ہیں۔ کہ جن سے بجائے تفریح کے غمگینی اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مقامات کو کباریٹ کہتے ہیں۔ ان میں کباریٹ ڈو نیانٹ یعنی موت کا قہوہ سب سے مشہور ہے۔ اس مکان کے دروازہ پر سیاہ پردہ لٹکا رہتا ہے۔ جو ماتم کی علامت ہے۔ اور جب اندر داخل ہوتے ہیں۔ تو تمام دیواریں اور چھت سیاہ کپڑے سے منڈھی ہوئی

نظر آتی ہے۔ بیچ میں چند منبر بن تابوتوں کی شکل کی رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ تابوتوں کے گرد بہت سی کرسیاں قرینے سے لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ کمرہ سبز لیمپ کی روشنی سے نہائیت بھیانک صورت پیدا کرتا ہے۔ کمرے کافور کی بو اتنی آتی ہے۔ کہ دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ دیواروں پر انسانی کھوپریاں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں۔ جو اس کمرہ کی آرائش ہے۔ سیاہ پوش ویٹر جو تمہارے لیے شربت وغیرہ لاتا ہے۔ تو وہ کان میں آہستہ سے کہتا ہے۔ کہ اس میں ہیضہ کے جراثیم (جو بمنزلہ زہر ہیں) ملے ہوئے ہیں۔ ایک شخص پادریوں کے سے کپڑے پہنے ہوئے آتا ہے۔ اور حاضرین میں سے گزرتا ہوا یہ دعا مانگتا جاتا ہے۔ کہ خدایا یہ سب لوگ یہاں سے جانے سے پہلے مر جائیں۔ جب یہ پہلا کمرہ تماشائیوں سے پُر ہو جاتا ہے۔ تو حاضرین کو ایک گنبد کے نیچے لے جاتے ہیں سامنے سٹیج پر ایک تابوت ہوتا ہے۔ ہر شخص سے درخواست کی جاتی ہے۔ کہ اگر تم تابوت میں داخل ہو کر مشتِ استخوان بن جانا چاہتے ہو۔ تو آؤ۔ اگر حاضرین سے کوئی نہیں اٹھتا تو موت کے قہوہ والے کسی اپنے آدمی کو تابوت میں داخل کر کے رونجن صاحب کی کرنوں یا کسی اور روشنی کے دھوکے سے لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کو مشت استخوان بنا دیتے ہیں۔ پہلے اس لڑکے کے کپڑے آہستہ آہستہ اس کے بدن سے غائب ہوتے ہیں۔ پھر گوشت پوست بوسیدہ ہو کر ہڈیوں سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور صرف ہڈیوں کا ڈھیر نظر آنے لگتا ہے۔ کہ دیکھ کر حاضرین کو عجیب عبرت ہوتی ہے۔ لیکن پھر تھوڑی دیر میں بتدریج ہڈیوں پر گوشت پوست اور اس پر کپڑے نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور آدمی ہنستا ہوا صندوق سے باہر نکل آتا ہے۔

دوزخ کا قہوہ

موت کے قہوہ کے ٹھیک مقابل دوزخ کا قہوہ (لاانفر) آسمانی عجائبات (لاسیال) اور دنیا کا خاتمہ (لافین ڈو مونڈ) ہیں دوزخ کے قہوہ خانہ میں ویٹر شیطان کا لباس پہنتے ہیں۔ اور تمام مکان کو جہنم کے نمونہ پر سجایا جاتا ہے۔ اور مجلس رقص و سرود جہنمیوں کے پیرایہ میں برپا کی جاتی ہے۔ خیالی طور پر دنیا کے خاتمہ اور آسمانی عجائبات کے قہوہ خانوں کو آراستہ کیا گیا ہے۔ کہ معمولی دل و

و گروہ کا آدمی تو پہلے پہل انہیں دیکھ کر سہم جاوے

کیٹے کومب

شہر کا بڑا حصہ تحت الارض کھوکھلا ہے۔ اور مردوں کی ہڈیوں سے بھرا ہوا ہے۔ قدیم اہل روما کے زمانہ میں یہاں سے پتھر کھودا گیا تھا۔ اور سینکڑوں برس تک یہ لمبا چوڑا غار خالی پڑا رہا۔ لیکن اٹھارہویں صدی کے آخر میں جبکہ بعض جگہ مکانات کے بوجھ سے یہ غار دھنسنے لگا۔ تو نیچے ستون کھڑے کئے گئے اور اس پر ۱۷۸۶ء میں اہل پیرس کو خیال آیا کہ بعض بڑے بڑے قبرستانوں جو کو جو شہر کے اندر ہیں حفظان صحت کے خیال سے اٹھا کر ان کی ہڈیاں یہاں بھر دی جائیں۔ صرف ۱۷۹۲ء اور ۱۸۱۴ء کے مابین سولہ قبرستانوں کی ہڈیوں کا ڈھیر یہاں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد فرانس کے انقلاب عظیم میں جو بے شمار آدمی گلوٹین اور دوسرے طریقوں سے مارے گئے۔ ان کی ہڈیاں بھی یہاں دفنائی گئیں۔ لیکن اسوقت تک یہ سب ہڈیاں بلالحاظ کسی ترتیب اور قاعدہ کے ڈھیر کے ڈھیر پڑے تھے۔ مگر ۱۸۱۰ء میں انہیں ایک ترتیب سے رکھنے کا انتظام شروع ہوا۔ اس طور پر کہ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس قبرستان سے یہ ہڈیاں لائی گئی ہیں۔ یا کس جنگ یا فساد میں لوگوں کی جانیں تلف ہوئی تھیں۔ اس لمبے چوڑے غار میں ہڈیوں کی مختلف گیلریاں اور قطاریں بنائی گئی ہیں۔ اور شہر کا جو کوچہ اس مقام کے اوپر آباد ہے۔ اسی کے نام سے نیچے کے اس شہر خموشاں کے کوچے نامزد کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں فرانسیسی مزدوروں اور کاریگروں نے ان ہڈیوں کو ایسی ترتیب سے اور سلیقہ سے سجایا ہے۔ کہ ان سے مختلف ڈیزائنیں اور نقشے بنا دئے ہیں۔ کہیں صرف کھوپریاں چن دی ہیں۔ صرف ایک گیلری میں اتنے آدمیوں کی ہڈیاں ہیں کہ دنیا کے اور کسی حصہ میں اور کوئی اتنی بڑی قبر نہ ہوگی کہ جس میں اس سے زیادہ آدمیوں کی ہڈیاں آرام پاتی ہوں۔ اور اس لئے اس شہر خموشاں کے اندر گھسنے کے وقت دیکھنے والوں کا حزن اور ملال سے کیا حال ہوتا ہوگا۔ لیکن دراصل یہ بات درست نہیں ہر مہینہ کے پہلے اور تیسرے ہفتہ کو پیرس کے کیٹے کومب دیکھنے کی اجازت سین کے پریفکٹ سے ملتی ہے۔ اور جب سب لوگ اکھٹے ایک وقت اس قبر کے منہ میں داخل

ہوتے ہیں تو ان میں سے بعض اجنبیوں پر تو خاموشی طاری ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ تر فرانسیسی ہنستے کھیلتے ہوئے ان انسانی ہڈیوں کی چار سے چھ فیٹ تک بلند دیوارں میں سے اس طرح بلاخوف وخطر گزر جاتے ہیں۔ گویا کہ یہ کسی میلہ سے گزر رہے ہیں۔ داخل کے دروازہ پر پنس یا دو پنس کی موم بتی ہر شخص کو خریدنی پڑتی ہے۔ کہ جسے وہ اندر جاکر روشن کرتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ میں لئے پھرتا ہے۔ اس مجمع کے ساتھ کچھ فرانسیسی سپاہی بھی جاتے ہیں اور کئی جگہ راستہ میں مزدور ہڈیوں کو سمیٹتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ مزدور بھی ان ہڈیوں کو ایسی بے پروائی سے چھانٹتے اور چنتے ہیں کہ گویا وہ لکڑیاں یا پتھر چن رہے ہیں اس شہر خموشاں کی سیر کرکے دوسری طرف باہر نکلتے ہیں تو سامنے بہت سے لڑکوں اور فقیروں کا مجمع ملتا ہے۔ لڑکے تو پیسے مانگتے ہیں۔ مگر اپاہج اور بوڑھی عورتیں ان موم بتیوں کے ٹکڑے مانگتے ہیں کیونکہ فرانس میں موم بتی بہت مہنگی چیز ہے۔ اور گورمنٹ کے اجارہ میں ہے۔ یہ لوگ انہیں بتیوں کے ٹکڑوں کو اپنے گھروں میں جلاتے ہیں ؎

پیرس میں ٹپ

جیسا کہ میں دیانا اور برلن کے بیان میں لکھ چکا ہوں۔ ہوٹلوں کے خدمت گاروں کو صرف کام کرنیکی اجازت حاصل کرنے کے لئے مالکوں کو کچھ اپنی گرہ سے دینا پڑتا ہے۔ یہی حال پیرس کا ہے کہ ہر صبح کام شروع کرنے سے ویٹروں کو پہلے مقررہ رقم ہوٹل یا رسٹوران کے مالک کو دینی پڑتی ہے۔ تب کہیں اس کو کام کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں "کافی ڈالاپے" اسی آمدنی سے اپنے کرایہ کی خطیر رقم ادا کیا کرتا تھا۔ اس لئے ہر شخص جانتا ہے۔ کہ پیرس کے ہر رسٹوران اور ہوٹل میں جو ویٹر کھانا لاکر رکھتا ہے۔ اُسے خدمت کا معاوضہ بجز تمہارے دینے کے اور کہیں سے نہیں ملتا۔ گویا ٹپ جسکا مطلب بخشش کا ہے۔ اسے پیرس کے مزدور اور خدمتگار اپنا حق سمجھنے لگے ہیں۔ اسی طرح کسی کیب گاڑی پر سوار ہونے پر گاڑیبان کو علاوہ مقررہ کرایا کے جو گھنٹہ اور "کورس" کے لئے بترتیب پانچ پنس و ڈھائی پنس ہوتا ہے۔ اور کچھ اوپر سے بھی دینا پڑتا ہے۔ اگر گاڑی والا کسی سبب سے صحت تکرار کرے

تو صرف یہ کہدینا کافی ہے۔ کہ قریب کی پولیس کی چوکی پر پہنچکر کرایہ دیا جائیگا۔ اس سے وہ بہت چکرائیگا۔ کیونکہ وہ قانوناً اُسے لازم تھا کہ تمہارے سوار ہوتے ہی تمہیں ایک چھپا ہوا اُجرت کا پرچہ دیتا۔ یہ وہ دیدہ دانستہ اکثر نہیں دیتا کیونکہ ان کا بھید کھل جاتا ہے۔ اور اس پرچہ کے نہ دینے کی صورت میں پولیس اسے سخت جرمانہ کرتی ہے۔ ہر دفعہ کسی رسٹوران میں شربت کا گلاس پینے کے بعد قیمت کے بعد ایک پینی ویٹر کا حق ہو جاتا ہے لیکن اگر چٹھی لکھنے کا کاغذ یا لفافہ درکار ہو تو یہ مفت بہم پہنچانا اُس کا فرض ہے۔ بلکہ اگر کوئی اخبار تم مانگو اور وہ موجود نہ ہو تو خواہ اُسے خریدنا ہی پڑے مگر تمہیں لاکر دیگا۔ ریفرشمنٹ کی قیمت ادا کرنے کے بعد فوراً برتن اُٹھوا دو۔ ورنہ دوبارہ قیمت دینی پڑیگی۔ کھانے پر عموماً دو پنس ہر شخص کو ویٹر کو دینے مناسب ہیں۔ اور جب دو فرانک سے کھانے کی قیمت زیادہ ہو۔ تو ایک پنس فی فرانک دینا مناسب ہے۔ اگر ویٹر کو اطمینان ہو جائے کہ ہر روز اُسے اتنے ہی ٹپ ملتے رہینگے۔ تو وہ گوشت کا اچھا ٹکڑا لائیگا۔ اور تمہارے حکم کی بھی خوش دلی سے تعمیل کرے گا۔

مشروبات کی قیمت

پیرس کے بعض رسٹارنٹوں میں یہ بہت اچھا دستور ہے۔ کہ وہاں سے جو پینے کی چیز مثل شربت یا چلے وغیرہ کی لی جائے۔ اس کی قیمت دریافت نہیں کرنی پڑتی سو ویٹر اس گلاس یا پیالہ کو ایک ایسی چینی کے ساسر (طشتری) میں رکھ کر لاتا ہے کہ جس میں بیس یا تیس یا چالیس یا پچاس کا ہندسہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر پینے والا خود بخود اتنے ہی سنٹیم قیمت دے دیتا ہے۔ بعض اعلیٰ درجے کے رسٹارنٹوں میں کھانے اور پینے کے سامان میں ضرورت سے زیادہ تکلف کیا جاتا ہے۔ بجائے ٹھنڈے پانی کے برف کی بوتلیں جمائی جاتی ہیں۔ جو سوائے اس جگہ کے میں نے کہیں نہیں دیکھیں۔

پیرس کی صفائی

یورپ میں چونکہ لوگ عموماً رات کو دیر سے سوتے ہوئے ہیں۔ اس لئے صبح بھی دیر کر کے اُٹھتے ہیں لیکن یہاں کا وہ گروہ جس کے ذمہ اس شہر کی صفائی ہے۔ وہ ضرور سویرے اُٹھ کر صفائی کے کام میں

معروف ہوجاتا ہے خصوصاً پیرس صفائی کے لحاظ سے سب شہروں میں ایک نمونہ ہے پیرس کے سب مکانات کئی کئی منزلہ ہیں۔ جو عموماً یہ اتنے بڑے بڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے بڑے بڑے گھروں میں تیس تیس کرایہ دار رہتے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کے پاس کئی کئی کمرے ہوتے ہیں۔ ان گھروں کے وسط میں ایک صحن ہوتا ہے جس کے چاروں طرف سر بفلک مکان چلے جاتے ہیں ساڑھے نو اور دس بجے شام کے درمیان ان سب مکانوں کا دن بھر کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے نیچے صحن میں ان آہنی ٹوکروں میں ڈالا جاتا ہے۔ چونکہ بطور قاعدہ کلیہ کے پیرس کے سب لوگ دوپہر کا کھانا ایک بجے اور شام کا سات بجے کھاتے ہیں۔ اس لئے نو دس بجے کے میچ میں سب گھروں سے کوڑہ جمع کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ ان سب گھروں میں ایک عورت یا مرد خدمتگار "کونسی آرژ" کے نام سے نوکر ہوتا ہے۔ عموماً یہ کام عورتیں کرتی ہیں۔ کونسی آرژ کا یہ کام ہے کہ اس مکان کے مختلف کرایہ داروں کے لیے چٹھیاں اور پیغام لے رکھے۔ شاہ بلوط کی لکڑی کی سیڑھیوں کو زمین سے آخری منزل تک مل مل کر خوب چمکائے۔ اور ہر روز صحن کو دھوئے اور جھاڑ کر صاف رکھے کونسی آرژ عموماً سب سے پہلے صبح کے پانچ بجے اٹھ کر کوڑے کی گاڑی والوں کو کوڑا الٹ کر دیتے ہیں۔ ان گاڑی والوں کے پیچھے سڑکوں کو جھاڑنے اور دھونے والے لوگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ جو بڑی پھرتی سے کام جلد ختم کرنا چاہتی ہے تاکہ لوگوں کے بازاروں میں جمع ہوجانے سے پہلے کام ختم ہوجائے۔ چھڑکاؤ کا طریقہ بڑا عمدہ ہے۔ واٹر ورکس کے نلکوں کا پانی ایک قسم کے ٹاٹ کے نلکوں کے ذریعے سڑکوں پر دور دور تک چھڑکا جاتا ہے۔ اس ہوس کے نلکے کے نیچے ایسے لوہے کے گولے لگے ہوتے ہیں۔ جو پھپھوکا کام دیتے ہیں۔ غرض موسم سرما میں صبح کے سات بجے تک پیرس کی گلیوں کی اہل پیرس کے محاورے میں کنگھی چوٹی ہوچکتی ہے۔

ہندوستان میں مروج ہونے کے لائق پیشے اور حرفتیں

بدست آہک تفتہ کردن خمیر
بہ از دست بندی بہ پیش امیر (سعدی)

میں نے پیرس کے ایک خط میں اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ کہ میں نمایش پیرس میں اور اس کے باہر دیکھ رہا ہوں کہ کون کون سی چیزیں اور پیشے کم استطاعت ہندوستانیوں کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ کہ جو پانچ پانچ روپے کی نوکری کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور کامیاب نہیں ہوتے۔ چنانچہ میں نے اس بارہ میں چند نوٹ کر لیے تھے اور انہیں ان اوراق میں شایع کرنے کا ارادہ تھا۔ کہ اتفاقاً مجھے معلوم ہوا کہ مہاراجہ صاحب بڑودہ کے ٹکنیکل سکول کے پرنسپل صاحب صرف اس غرض سے سرکاری خرچ پر نمایش پیرس میں بھیجے گئے تھے۔ کہ وہ اس نمایش کو دیکھ کر اپنی ریاست کو مشورہ دیں کہ کون کون سے ایسے پیشے عام لوگ اختیار کر سکتے ہیں۔ کہ جن میں ہمارے ملک کا خام مصالح خرچ ہوتا ہے۔ اور جن کے سیکھنے میں بہت وقت اور محنت نہیں ہوتی چنانچہ مسٹر ایم۔ سی۔ دیسائی۔ بی۔ ایس۔ سی نے جو رپورٹ نمایش پیرس سے واپس آکر لکھی ہے۔ اس میں وہ مندرجہ ذیل پندرہ خانگی دستکاریوں اور آٹھ بڑی حرفتوں کے اپنی ریاست میں داخل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ میں پہلے انہیں کی تجاویز کو پیش کرتا ہوں۔

اول خانگی دستکاریاں کہ جن کو ہر شخص اپنے گھر میں سہولت سے بلا کسی بڑی مشین یا سرمایہ کی مدد کے محنت سے چلا سکتا ہے اور کنبہ کے دوسرے ممبروں

سے مدد لے سکتا ہے۔ یہ ہیں:۔

(۱) سادہ کپڑا بُننا (۲) قالین بُننا (۳) ٹیپسٹری بُننا (۴) غالیچہ بُننا (۵) ٹلمن بنانا (۶) لیس بنانا (۷) زردوزی (۸) ریشمی فیتے بننا (۹) کراچٹ ورک (کروشیا) (۱۰) برش بنانا (۱۱) بید و بانس کا فینسی ورک (۱۲) چمڑے پر ٹھپا لگانا اور ابھارنا (۱۳) لکڑی کھودنا (۱۴) گلگوی (۱۵) پائروگرافی یا لکڑی پر جلا یا وارنش کرنا۔

دوم۔ دوسری قسم کی بڑی بڑی حرفتیں کہ جن کے وسیع پیمانہ پر چلانے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور تھوڑے سرمایہ سے نقصان کا اندیشہ ہے یہ ہیں۔

نب بنانا (۱) نب بنانا (۲) دیا سلائی کی ڈبیاں معہ مومی دیا سلائیوں کے (۳) چمڑے کی دباغت (۴) شکر بنانا (۵) کاغذ بنانا (۶) شیشہ بنانا (۷) موم بتی بنانا (۸) صابن بنانا

ولایتی صابن مندرجہ بالا رائے ایک پیشہ ور واقف کار اور عالم شخص کی ہے اس لیے میرا اس میں دخل دینا مناسب نہیں۔ البتہ میرے خیال میں دوسری قسم کی حرفتوں میں سے نب بنانا اور صابن بنانا بھی پہلی قسم کی دستکاریوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان میں تھوڑا سا سرمایہ لگا دیا جائے۔ اگرچہ ہندوستان کے کئی شہروں میں مثلاً لاہور، بمبئی، میرٹھ اور کانپور وغیرہ کے صابن بنتا ہے۔ لیکن ابھی اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اور تھوڑا تھوڑا صابن بنانے والے بہت روپیہ نہ کما سکیں لیکن بڑے سرمایہ کے کارخانوں کے لیے ابھی اس کام میں بڑی گنجائش ہے۔ اس کے اجزاء تیل اور چربی اور سوڈا اور پوٹاس سب بکثرت ہندوستان میں ملتے ہیں۔ پھر ولایتی صابنوں کے لیے لاکھوں روپیہ سالانہ کیوں ہندوستان سے باہر جانے دیا جاتا ہے یورپ میں صابن سب سے زیادہ بکنے والی چیز ہے۔ صابن سے زیادہ انگلستان اور امریکہ میں کسی چیز کا اشتہار نہیں دیا جاتا۔ لیکن صابن بنانا یہ لوگ خوب جانتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ زیادہ مشق سے یہاں کے لوگوں کو بھی اچھے صابن بنانے کا ڈھنگ آ جائیگا اور دوسری قسم کی حرفتوں میں پنسل بنانا بڑھایا جائے۔

نب بنانا نب بنانے کی مشین میں نے جو نمائش میں دیکھی تھی۔ وہی مسٹر

ولیسائی نے دیکھ کر اس کی قیمت دریافت کی، تو چھ سو روپیہ معلوم ہوئی۔ یہ مشین بہت سہل قسم کی ہے۔ لیکن نب بنانے کے لئے پہلے لوہے کے پتروں میں خاص لچک پیدا کرنی چاہیئے۔ مسٹر ولیسائی کی رائے میں پیتل کے بھی ویسے ہی نب بن سکتے ہیں۔ یہ سب کام تجربہ اور مشق کے ساتھ سیدھے ہو جائیں گے۔ باقی چھ حرفتوں کی نسبت میں یہاں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ کیونکہ وہ بڑے سرمایہ سے چل سکتی ہیں۔ باقی رہیں سہل قسم کی پندرہ دستکاریاں۔ ان میں سے ۱-۵-۶-۸-۱۰ اور ۱۴ میری فہرست میں بھی داخل تھیں۔ اور ان کے علاوہ جو دستکاریاں میں نے تجویز کی تھیں۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) سوئیاں اور پنیں بنانا (۲) سگرٹ بنانا (۳) جرابیں بنانا (۴) بنیان بنانا (۵) گلوبند بُننا (۶) کارک نکالنے کے سکرو بنانا (۷) انگریزی سیاہی بنانا (۸) برقی کال بل اور بادبان بنانا (۹) جوتے سیاہ کرنے کی سیاہی بنانا (۱۰) ربڑ کی مہریں بنانا (۱۱) گلٹ کرنا (۱۲) تالے بنانا (۱۳) شیشوں (کانچ) پر نام کھودنا (۱۴) لکڑی کا وارنش (۱۵) چھاپنے کی سیاہی (۱۶) کنسٹر گارٹن کا سامان (۱۷) اچار چٹنیاں بنانا (۱۸) میوے پریزرو کرنا (۱۹) شیشے قلعی کرنا و گلٹ کرنا (۲۰) دانت بنانا (۲۱) عمدہ تخم محفوظ رکھنا (۲۲) کھاد بنانا (۲۳) بطخوں اور مرغول پروں کے تکیے (۲۴) مرغیوں کے انڈے (۲۵) رسے بٹنے کی مشین، تاگے کی گوبیاں (۲۶) پردے چھاپنا (۲۷) کپڑے کے پھول بنانا (۲۸) گیہوں کے ڈنٹھلوں سے فینسی ٹوکریاں (۲۹) سٹیشنری (۳۰) لفافے بنانا (۳۱) کاپی لینے کی ربڑ پریس (۳۲) اشتہارات اور پوسٹر بنانا (۳۳) اخبار کے خریدار پیدا کرنا اور کتابیں سبسکرپشن کے طریقہ پر بیچنا (۳۴) عینکیں بیچنا اور مصنوعی آنکھیں لگانا (۳۵) دیسی کپڑے کی دکانیں (۳۶) ست وغیرہ (۳۷) سوت کی گوبیاں (۳۸) کھلونے (۳۹) لکڑی کے خلال بنانا (۴۰) بلا چمنی کا بے دود لیمپ (۴۱) سادہ کپڑا بننا (۴۲) بٹن بنانا (۴۳) لیس بنانا (۴۴) فیتے بننا (۴۵) برش بنانا (۴۶) گلگونہ بنانا خوشبودار تیل اور لونڈر بنانا۔

اب ان میں سے ہر ایک کے متعلق میں کچھ اشارات لکھتا ہوں جن سے غرض صرف

اس طرف توجہ دلانے کی ہے۔ مکمل ہدایات دینا مقصود نہیں۔

(۱) سوئیاں اور پنیں

میں نے نمائش میں ایک مشین سوئیاں بنانے کی دیکھی تھی۔ اس کی قیمت بھی زیادہ نہ تھی۔ سوئیوں کی کھپت کی کچھ فکر نہیں البتہ یہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سوئی کے لئے لوہے کے تار میں ایک خاص درجہ تک لچک ہونی چاہئے۔ جو ناواقف نہیں جانتا۔ مگر تجربہ سکھلا دیگا۔

(۲) سگرٹ بنانا

سگرٹ بنانے کی چھوٹی چھوٹی مشینیں میں نے دیکھی ہیں جو دس بیس روپیہ کی ہونگی۔ ان کا کام صرف کٹے ہوئے تمباکو کے گرد باریک کاغذ لپیٹ دینا ہوتا ہے۔ یہ کام مصر میں بہت لڑکے کرتے دیکھے ہیں۔ اس لیے بلا اس مشین کے بھی ہو سکتا ہے۔ مصری سگرٹ میں مصر میں بھی ٹرکی کا تمباکو استعمال ہوتا ہے۔ مگر چونکہ سگرٹ مصر سے باہر بھیجنے میں چار شلنگ فی کیلو محصول لگتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کچھ روپیہ خرچ کر کے ٹرکی سے زیادہ تمباکو منگوائے اور ہندوستان میں اس سے سگرٹ بنوائے تو فائدہ میں رہیگا۔ اب بھی بمبئی میں بعض کارخانے ایسا کرتے ہیں۔

(۳) جرابیں بنانا

اس وقت لاہور میں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جرابیں مشینوں سے بنتی ہیں۔ لاہور میں بہت لوگ اب انہیں مشینوں کی بنی ہوئی جرابیں پہنتے ہیں۔ کیونکہ یہ ولایتی جرابوں سے بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ ایک صاحب جو اس کام سے خوب واقف ہیں دعوے سے کہتے تھے۔ کہ ایک ہوشیار آدمی یا لڑکا ایک روپیہ روزانہ اس کام سے کما سکتا ہے۔ مشین کم و بیش سو روپیہ کی ہوتی ہے۔ جرابیں کثرت سے ہندوستان میں آتی ہیں۔

(۴) بنیان بنانا

بنیان بنانے کی مشین میں نے قسطنطنیہ میں چلتی ہوئی دیکھی ہے۔ جرابوں کی مشین کے اصول پر ہوتی ہے۔ مگر اس سے بہت بڑی۔ ابھی تک یہ مشین ہندوستان میں منگوائی نہیں گئی۔ مگر بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس میں کیوں کامیابی نہ ہو۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ابھی اتنے سستے نہیں بن

سکنے۔ جیسے کہ آسٹریا اور جرمنی سے آتے ہیں۔ مگر یہ ضرور اُن سے بہت مضبوط اور چلاؤ ہوں گے۔

(۵) گلوبند بُننا سستے رنگین گلوبند جو عام لوگ پہنتے ہیں۔ لاکھوں روپے کے ہندوستان میں جرمنی سے آتے ہیں۔ اور اُن کی مشین بھی میں نے دیکھی ہے چھوٹی سی ہے گو میں نے اس کی قیمت نہیں دریافت کی۔ مگر بہت گران نہ ہوگی۔

(۶) کلارک سکریو کی مشین میں نمایش پیرس کے ذکر میں اس مشین کا حال بیان کر چکا ہوں۔ شاید سات آٹھ سو روپے سے زیادہ نہیں ہوگی۔ مگر ایک منٹ میں پانچ چھ بوتل سے کلاک نکالنے کے سکریو بنا دیتی ہے۔ جن کے دستے لکڑی کے علیحدہ بنے ہوتے ہیں۔ یہ صرف ایک لوہے کی تار کو دوہرا کر کے پیچدار بنا دیتی ہے۔ اور ضرور فایدہ کی چیز ہے ؏

(۷) انگریزی سیاہی بنانا میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ ہندوستان میں صرف سیاہی کئی لاکھ روپے سالانہ کی خرچ ہوتی ہے۔ سرکاری دفاتر میں انگریزی سیاہی عموماً ولایت سے آئی ہوئی استعمال کی جاتی ہے۔ انگریزی سیاہی کے نسخے کئی کتابوں سے مل سکتے ہیں۔ بنانے سے تجربہ اور مشق کے ساتھ جو لوگ اچھی سیاہی بنانے لگینگے انہیں کی سرکاری دفتروں اور نیز سکول کے طالب علموں وغیرہ کے کام آئے گی۔ ہاں توجہ شرط ہے۔ سیاہی کے مصالحے سب دیسی ہیں۔ اور کثرت سے ملتے ہیں۔ کاپی اتارنے کی سیاہی اور رنگین روشنائیاں بھی بنانے کی چیز ہے۔ کارخانہ پیسہ اخبار میں مختلف روشنائیوں کے نسخوں کی ایک کتاب حال میں چھپی ہے۔

(۸) برقی کال بل بیٹری بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ذرا سی توجہ سے ہر ایک لکھا پڑھا ہوشیار شخص ایک معمولی خشک یا تر بیٹری بنا سکتا ہے۔ اور کال بل کا اگر لکڑی اور پیتل کا کام خود بنالے یا بنوا لے اور ریشم لپٹا ہوا تار ولایتی بنا ہوا خرید لے تو ایک قیمتی آلہ بن سکتا ہے۔

(۹) جوتوں کی سیاہی یہ سیاہی ہزاروں روپیوں کی ولایت سے آتی ہے۔ اس کے

بھی نسخے کتابوں میں بہت ملتے ہیں۔ ایسے سب کام کچھ توجہ کچھ محنت کچھ تجربہ کے محتاج ہیں۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ انگلستان کے ایک مشہور بوٹ کی سیاہی بنانے والا کارخانہ جواب لاکھوں روپے سالانہ کی بوٹ کی سیاہی بیچتا ہے اس کے مالک نے ایک پیاسے سپاہی کو ٹھنڈا پانی پلایا تھا جس کی شکرگذاری میں سپاہی نے وہ نسخہ سیاہی کا اسے دیدیا کہ جس سے وہ لاکھوں روپیہ کما رہا ہے۔ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے۔ کہ جن پر خرچ بہت کم ہوتا ہے۔

(۱۰) ربڑ کی مُہریں یہ بہت سہل کام ہے ہندوستان میں بعض بعض لوگ اب بھی بناتے ہیں۔ لیکن ابھی نوجوان کے لئے اس میں تقدیر آزمائی کی بہت گنجائش ہے۔ کسی قیمتی مشین خریدنے کی ضرورت نہیں مصالحہ ولایتی ملتا ہے۔ اور کسی جاننے والے سے دو چار روز میں بنانے کی ترکیب سیکھی جاسکتی ہے۔

(۱۱) گلٹ کرنا میں نے امریکہ کی گلٹ کرنے کی مشین بھی دیکھی ہے۔ جس میں چاندی سونا وغیرہ کی بجائے خاص خاص دھاتیں استعمال کیجاتی تھیں بہت تھوڑے خرچ میں ہر شخص صرف ایک دفعہ دیکھکر گلٹ کرنے لگیگا۔ مشین دو سو روپیہ کی ہوگی۔ اس مشین کے سوائے بھی گلٹ ہو سکتا ہے۔

(۱۲) قفل بنانا جو لوہار یا دوسرا کوئی سمجھدار شخص قفلوں میں بہت سے لیور ڈالنے میں اپنی طبیعت کو لڑا سکے۔ اس کے لئے اس کام میں بڑی آمدنی ہے۔ اور کوشش کے ساتھ ولایت جیسے اعلیٰ قسم کے قفل بن سکتے ہیں۔

(۱۳) شیشوں پر نام کھودنا کانچ پر تیزابوں سے شیشے کی سطح کھد جاتی ہے۔ اور جب اس شیشے کے نیچے قلعی چڑھی ہوئی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کھدی ہوئی جگہ میں چاندی بھر دی گئی ہے۔ میں نے ایک دو شخصوں کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔ بہت منافع کا کام ہے۔

(۱۴) وارنش اگر کوئی شخص مختلف قسم کی وارنشیں لکڑی اور لوہے وغیرہ پر لگانے کے لئے اچھی طرح بنا سکے تو یقیناً اس کا تیار کیا ہوا مال بکتا رہیگا۔ ولایت

میں مختلف قسم کے رنگ وارنشوں میں ملاکر لاکھوں روپیہ کے بکتے ہیں اور لوگ انہیں فرنیچر وغیرہ رنگنے میں استعمال کرتے ہیں۔

(۱۵) چھاپے کی سیاہی اگر کوئی شخص عمدہ قسم کی چھاپے کی سیاہی بنانے لگے تو سب مطابع والے کثرت سے خریدیں۔ کیونکہ ولائیت کی سیاہی اگران بہت ہوتی ہے۔ مگر یہ اس سے ارزاں اور ویسی ہی اچھی ہوگی۔ اصل کاجل حاصل کرنے کا انتظام کرے، جو باوجود تلاش کے بھی مشکل سے ملتا ہے۔

(۱۶) کنڈر گارٹن گو کرکٹ بیٹ اور بیڈمنٹن وغیرہ انگریزی کھیلوں کا سامان اب سیالکوٹ وغیرہ مقامات میں بہت اچھا بنتا ہے، لیکن مدارس کے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے کنڈرگارٹن یعنی حدیقۃ الصبیان اور آبجکٹ لیسن یعنی اسباق الاشیا کا سامان بنانے اور بہم پہنچانے کا بھی کاروبار اچھا ہے۔ لکڑی اور کاغذ کے مقووں سے اس کی کئی چیزیں بن سکتی ہیں۔

(۱۷) اچار چٹنیاں مربے وغیرہ یورپ سے لاکھوں روپے کی چٹنی اور اچار مربے ہندوستان میں آتے ہیں، ہندوستانی چٹنی کے نام سے کئی چٹنیاں انگلستان اور دیگر ممالک میں بنتی ہیں۔ بعض چٹنی اور اچار مربہ کے کارخانوں نے میلوں میں اپنے میوہ جات کے باغات لگا رکھے ہیں۔ ہندوستان میں بھی دہلی کشمیر مدراس وغیرہ مقامات میں بعض لوگ اچار اور چٹنیاں بناتے ہیں، اور ہندوستانیوں اور انگریزوں میں بکثرت فروخت ہوتے ہیں لیکن ابھی اس کام میں ترقی دینے کی بہت گنجائش ہے۔ البتہ ہندوستانی اور انگریز گاہکوں کے مذاق کا الگ الگ خیال رکھنا چاہیئے، اور سلیقہ کے ساتھ صاف ستھری بوتلوں میں خوشنما لیبل لگاکر فروخت کرنا چاہیئے۔

(۱۸) میوے پریزرو کرنا میں نے نمائش پیرس کے بیان میں میوے پریزرو کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ہندوستان سے لاکھوں روپے سالانہ کے مختلف قسم کے میوے جات یورپ جا سکتے ہیں جہاں ان سے بہت نفع حاصل ہو سکتا ہے جہاں دو آنے کا شفتالو اور چھ آنے کا سنگترہ بکتا ہے آم اگر بکثرت جا سکے تو بڑے نفع کی چیز ثابت ہو سکتا ہے

بکثرت جاسکیں۔ تو بڑے نفع کی چیز ہے مشکل یہ ہے کہ ہندوستان سے یورپ تک پندرہ سولہ روز کے سمندر کے سفر میں میووں کے سڑنے کا اندیشہ ہے۔ جس جہاز پر میں گیا تھا۔ اس پر ایک آدمی پانچ چار آموں کے صندوق یورپین دوستوں کو تحفۃً دینے کے لیئے جارہا تھا۔ ہر چند کہ صندوقوں میں چاروں طرف ہوا کے لیئے سوراخ تھے۔ تاہم ٹریسٹ میں پہنچ کر تھوڑے ہی بچ سکے۔ فرانس کی بعض نوآبادیوں سے خاص قسم کے میوے دوسرے جہازوں کے برفانی کمروں میں پیرس تک میوے سلامت پہنچتے ہیں۔ آسٹریلیا سے برف میں دبا ہوا گوشت یورپ میں تروتازہ پہنچ جاتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ کچھ اور تدبیریں بھی بعض جلد خراب ہونے والے میووں کو صحیح سلامت پہنچانے کی ہوسکتی ہیں کہتے ہیں کہ شہد یا شیرہ میں اگر آم ڈالا جائے اس طرح کہ بالکل اس میں چھپ جائے۔ تو مدت تک تازہ رہ سکتا ہے۔ نمائش پیرس میں مجھے کلکتہ کے انڈسٹریل ایسوسی ایشن کے قایم مقام بابو سریندرو ناتھ دت نے یہ دو طریقے میوے تازہ رکھنے کے کہے تھے۔ جو انہیں یہ مشکل اور صرف اتفاق سے ایک امریکن میوہ فروش نے تبلائے تھے (۱) اہل امریکن میووں کو اس پھلوں کا چھلکا اتار کر اس کو رس اور پانی اور شکر مساوی الوزن کے شیرہ (قوام) میں ڈبو کر چھوٹے سے ٹین میں بند کر دیتے ہیں۔ اور اوپر سے منہ جھال دیتے ہیں۔ پھر ایک پلیٹ پر پھلوں کو رکھ کر ایک کھولتے ہوئے پانی کے دیگ میں اس پلیٹ کو دو تین منٹ کیلیئے رکھ کر پھر نکال کر ہر ڈبہ کے سرے پر سوئی سے ایک چھوٹا سا چھید کرتے ہیں جس سے گرم ہوا نکل جاتی ہے۔ اس کے بعد چھید کو قلعی سے بند کردیتے ہیں۔ تو اس ترکیب سے میوے دو دو سال تک نہیں بگڑتے (۲) البتہ اگر صرف نمائش کے لیئے میوے تازہ رکھنے منظور ہوں۔ تو رفیق سلیفورک ایسڈ پانی اور گلیسرین مساوی الوزن میں ڈال دینے سے مدت تک درست حالت میں رہ سکتے ہیں۔ مگر کھانے کے قابل نہ ہوں گے۔ سپرٹ میں بھی نمائش کے لیئے میوے تازہ رہ سکتے ہیں بعض جگہ میں نے چھلے ہوئے اور گٹھلیاں نکلے ہوئے یا ریزہ کٹے ہوئے میوے دیکھے ان طریقوں سے نہ صرف غیر ممالک میں بھیجنے کے لئے میوے تازہ رہ سکتے ہیں بلکہ

ہندوستان میں بھی غیر موسم میں بہت فائدہ سے بک سکتے ہیں۔ فروری گزشتہ میں ایک مریض کے لئے طبیب نے انگور نہایت ضروری بتلائے تھے۔ مگر باوجود تلاش کے بھی ہندوستان کے کسی شہر میں کہیں نہ ملے۔ بے موسم چیزیں اچھی اور معقول قیمت پر فروخت ہو سکتی ہیں۔ اسی ضمن میں مجھے ایک اور بات یاد آگئی جو لاہور کے کسی اخبار میں کسی دانشمند شخص نے غریب لوگوں کو ایک پر نفع تجارت سرسوں کے ساگ کی بتلائی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ کئی کم مایہ لوگ صرف اسی ذرا سی بات سے آسودہ ہو سکتے ہیں سرسوں کے موسم میں اس کی گندلیں بہت ارزاں بکتی ہیں۔ جو شخص دس بیس روپے کا ساگ خشک کر کے رکھے گا موسم گذر جانے کے بعد یقیناً خشک کیا ہوا ساگ کم از کم پانچ چھ گنی قیمت پر بکیگا۔ اسی طرح خشک کیے ہوئے شلجم اور گاجریں بے موسم بہت غنیمت سمجھی جائنگی۔ اتنا لکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ بمبئی سے کسی اولوالعزم پارسی نے یورپ کو آم وغیرہ میوہ جات خاص قسم کے جہازوں میں بھیجنے شروع کر دیئے ہیں۔

(۱۹) شیشے پر قلعی کرنا پرانے دیسی طریقے پر نہیں۔ بلکہ نئے انگریزی گلاس سلورنگ کی ترکیب سے بڑے بڑے شیشے باسانی قلعی کئے جا سکتے ہیں

(۲۰) دانت بنانا گو کسی فن میں چابک دستی اور مہارت حاصل کرنے کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے۔ کہ ایک شخص نے چند روز میں ہی یہ فن ایک دوسرے شخص کو سکھلا دیا تھا۔ جواب بڑا برا دانت لگاتا ہے۔ اور اس پیشہ سے معقول آمدنی رکھتا ہے۔ امریکہ میں دانت بنانے کے کام میں بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ اور کئی رسالے اس فن کے نکلتے ہیں۔ اور باضابطہ مدرسے بھی جاری ہیں۔

(۲۱) عمدہ تخم محفوظ رکھنا کون تجربہ کار زمیندار اور باغبان ہے۔ جو اس چھوٹے سے جملہ کی قدر نہیں جانتا۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی اس پر بہت تھوڑوں کا عمل ہے صاف ظاہر ہے۔ کہ عمدہ تخم سے عمدہ فصل پیدا ہو گی جیسے کہ اچھے سانڈ کے بچے اچھے ہونگے سرکار نے مہربانی کر کے اچھے سانڈ تو محکمہ افزائش نسل چوپایاں کے متعلق بہت سا روپیہ خرچ کر کے جا بجا ملک میں رکھوا دیئے ہیں۔ کیونکہ سرکاری فوجوں کے لیے ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت

رہتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی اسی فی صدی زراعت پیشہ آبادی کی بہتری کے لئے
ابھی تک ملک میں اچھے تخموں کے ڈپو بنانے کا خیال نہیں آیا۔ یورپ میں دستور ہے
کہ بعض لوگ ہر قسم کی تخم ریزی کے غلوں اور ترکاریوں اور میوؤں کے عمدہ تخم بہم پہنچانے
کا پیشہ کرتے ہیں۔ انگلستان میں ایک سٹن اینڈ سنز کا کارخانہ نہایت مشہور ہے۔ یہ لوگ نہ
صرف دوسرے مقامات سے اچھے اچھے بیج منگوا کر بیچتے ہیں کہ جن سے فصل بہت
عمدہ پیدا ہو۔ بلکہ خود سینکڑوں ایکڑ اراضی پر مختلف غلوں ترکاریوں اور پھولوں کے عمدہ
سے عمدہ تخم پیدا کرتے ہیں۔ اور بڑے سے بڑے تخم بہم پہنچانے کی کوشش میں رہتے ہیں
لوگ ان سے گران قیمت پر تخم لیکر کھیت میں بوتے ہیں۔ تو اس سے فائدہ بھی بہت حاصل
ہوتا ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کے آلو ایک چھوٹے موتے کے برابر ہوں۔ اس لئے
وہ تخم فروش کارخانہ سے آلو کا ایسا بیج خریدتا ہے جس سے اتنے بڑے آلو پیدا ہو سکیں
مجھے بارہا خیال ہوا ہے کہ ہندوستان میں بیسیوں ایسے کارخانوں کی ضرورت ہے
جو غلوں ترکاریوں پھولوں اور میوؤں کے عمدہ تخم بہم پہنچائیں ہینگن گھاٹ کی کپاس
پنجاب سے دگنی ڈیوڑھی پیدا ہوتی ہے۔ مصر کی کپاس ہندوستان کی کپاس سے
بلحاظ ریشہ کی طوالت اور کیا بلحاظ پیداوار کی توقیر کے عمدہ ثابت ہوئی ہے۔ بمبئی کے
محب الوطن مرحوم مسٹر ٹاٹا نے اس کپاس کے تجربات کر کے مفید نتائج شایع کئے ہیں[1]
امریکہ کی مکئی ہندوستان سے بہت اچھی ہوتی ہے۔ بلحاظ مقدار پیداوار کے ایک ایک
پودے میں پانچ چھ بھٹے پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ ٹرنسوال کی مکئی کے دانے کا
حجم اسی کتاب میں مَیں نے نمایش پیرس کی کیفیت میں بتلایا ہے۔ پاگسن صاحب
کی کتاب زراعت ہند میں فلسطین کے گیہوں کے تخم کی پیداوار کی بیحد تعریف کی گئی ہے
علاوہ ازیں اور کئی عجائبات ہر شخص جو ذرا بھی شعور رکھتا ہو اس خاص صیغہ میں دکھلا سکتا ہے۔
بعض چارہ پیدا کرنے والے گھاسوں مثل گنی گھاس اور چریوں مثل سورگم کے تخم بھی
رکھنے چاہئیں۔

[1] بلکہ آجکل سرکار کی توجہ سے سندھ میں مصری روئی کی کاشت میں بہت کامیابی ہو رہی ہے۔

(۲۲) کھاد بنانا یہ بھی زراعت کے متعلق ایک ضروری بات ہے اس میں شک نہیں کہ ابھی ہمارے ملک کے کسان کھاد کی بہت قدر نہیں جانتے ورنہ وہ اُپلے نہ جلایا کریں۔ اور کروڑوں من مویشی کی ہڈیاں جو کھاد کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں بمفت یورپ کو نہ جانے دیں۔ تاہم کئی معدنی اور نباتاتی ستھری کھادیں۔ اگر کوئی شخص تیار کرنے کا التزام کرے تو سرکاری فارموں اور انگریزوں کے باغات اور کھیتوں میں اور سمجھدار ہندوستانیوں کے کھیتوں اور باغوں میں ان کی بڑی کھپت ہو سکتی ہے۔ گو آج میرے اس اشارے کی قدر نہ ہو مگر ممکن نہیں کہ کچھ مدت کے بعد اسی غرض سے بہت سی دکانیں ہندوستان میں قائم ہو جائیں۔

(۲۳) بطخوں اور مرغیوں کے پروں کے تکئے گو بگلوں وغیرہ کے قیمتی پر تو اب بھی بہت قیمت سے یورپ کو بھیجے جانے کے لیے بکتے ہیں۔ لیکن اُن لاکھوں کروڑوں مرغیوں اور بطخوں کے پروں کی بہت قدر نہیں کی جاتی جو ہندوستان میں کھائی جاتی ہیں۔ کیوں نہ لوگ اُن پروں کو جمع کر کے تکیے بھرا کریں۔ اگر ہندوستانی ان کی قدر نہ کریں گے۔ تو انگریز جو آرام کے قدرشناس ہیں۔ اچھی قیمت پر انہیں خرید لیں گے۔

(۲۴) مرغیوں کے انڈے اور بچے مرغیاں پالنا بھی ایسا سہل کام ہے کہ جس میں نہ بڑا سرمایہ اور نہ کچھ لیاقت اور محنت درکار ہے۔ مگر اس میں بھی نفع بہت ہے۔ ہندوستان میں انگریز رہتے ہیں۔ جو مرغی اور انڈے کی اچھی قدر سے قیمت دیتے ہیں گو ہندوستانی بھی بہت سے اس نعمت کے قدردان ہیں۔ اگر کوئی شخص زیادہ مرغیاں بطور تجارت کے پالے تو اسے بہت منافع کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ مال بہت جلد بڑھتا ہے۔ عمدہ یورپین قسم کی مرغیوں کے انڈے انگریز بہت شوق سے بچے لینے کے لیے خریدتے ہیں۔ ایک ایک ٹرکی مرغ بڑے دنوں (کرسمس) میں دس بارہ روپے کو بآسانی بک جاتا ہے۔ اس کام کے کرنے والوں کو انڈوں سے بچے نکالنے والی مشین (انکیوبیٹر) کو نہیں بھولنا چاہیے۔

(۲۵) رسّے بٹنے کی مشین یہ بہت سادہ مشینیں بان اور رسے بٹنے کے لیے بہت مفید ثابت

ہوں گی۔ تمام ملک میں بان اور رسے ہر قسم کے استعمال ہوتے ہیں۔ پکیٹ باندھنے کے ڈوریوں سے لیکر بڑے بڑے رسوں تک بنائے جائیں۔

(۲۶) پردے چھاپنا اضلاع مغربی و شمالی میں بہت اچھے پردے چھپتے ہیں۔ لکھنؤ کے لحافوں اور توشکوں کے ابرے بہت نفیس ہوتے ہیں۔ فرخ آبادی پردوں کی نمایش پیرس میں خاصی بکری ہوئی تھی۔ مگر نوچندی میرٹھ کے میلے پر جیسے چھپے ہوئے دستر خوان میں نے دیکھے تھے۔ کہ جن پر مختلف قسم کے موزون شعر چھپے ہوئے تھے۔ ہر ایک شریف اور خواندہ ہندوستانی ایسے دستر خوان کو پسند کریگا۔ اور اگر ابروں اور چھینٹوں پر اچھے اچھے موزون اشعار چھاپے جائیں۔ تو یقیناً با مذاق لوگ مانچسٹر کی چھینٹوں پر انہیں ترجیح دینے لگیں گے۔

(۲۷) کپڑے کے پھول بنانا
(۲۸) گیہوں کے ڈنٹھلوں کی فینسی ٹوکریاں میں ان کی مفصل کیفیت نمایش پیرس کے حالات میں کافی لکھ چکا ہوں۔ اس مصالح سے جو معمولی بھدی سی ڈکریاں بنتی ہیں۔ ان کی انگریزوں میں خاص قدر ہے۔ بعض میمیں انہیں ورک باسکٹ کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں کئی قسم کے گھاسوں سے ایسی ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں سٹرا ہیٹ (ٹوپی) انگلستان اور دیگر بلاد یورپ میں جس ڈنٹھل کی بنتی ہے۔ وہ میں نے سنا ہے۔ کہ ہندوستان کے گیہوں کے ڈنٹھل سے نرم اور نازک ہوتا ہے۔ لیکن مجھے امید ہے۔ کہ اچھی دستکاری سے اس سے بھی ویسا ہی کام بن سکتا ہے۔ جیسے ہر ایک دیہاتی غریب عورت اور لڑکی بھی کرتی ہے۔ اسی طرح کاغذ کی کترنوں سے فینسی ٹوکریاں بن سکتی ہیں۔ جسے یورپین اور ہندوستانی دونوں پسند کریں گے۔

(۲۹) اسٹیشنری میں سیاہی کی کیفیت پہلے بیان کر چکا ہوں۔ سٹیشنری کے باقی اجزا کے متعلق بڑا میدان خالی ہے۔ بلاٹنگ پیڈ۔ کاغذ فایل کرنے کے تار۔ کوند دانیاں سکیل بن فایل۔ سوار قلموں کے ہولڈر۔ پیپر ویٹ ڈیگ وغیرہ وغیرہ چیزیں کسی قدر ذہانت سے تیار کر کے بہم پہنچانی چاہئیں۔ جو لوگ ادہر توجہ کریں گے۔ بشرطیکہ ان کی طبیعت اس میں ترقی ہو کئی چیزیں ایسی وضع کر سکیں گے۔ کہ جنہیں لوگ پسند کریں:

(۳۰) لفافے بنانا لفافے بنانا بھی سٹیشنری کا ایک جزو ہے۔ لفافے بنانے کی مشین جو میں نے دیانا میں دیکھی ہے، وہ دو حصوں پر مشتمل تھی جن پر چھ سات سو روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر اسی اصول پر ہندوستان میں کوشش کیجائے تو دو سو روپیہ سے لوہار ویسی مشین بنا سکیں گے۔ اب جبکہ کاغذ پر دل کھینچنے، کاغذ پر فوریٹ کرنے اور لیمونیڈ وغیرہ کی مشینیں لاہور اور امرتسر میں بننے لگی ہیں۔ تو یہ سادہ سی مشین بھی ضرور بن سکے گی جس میں ایک داب پریس مختلف نمونوں کے لفافوں کے لیئے کاغذ کاٹنے کا۔ اور ایک لفافے کو گوند لگنے کے بعد جوڑنے میں مدد دینے کا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اسی قدر کاٹنے والی چھریاں ہوتی ہیں جتنے نمونوں کے لفافے بنانے مطلوب ہوں۔ کام بہت سہل ہے۔

(۳۱) کاپی لینے کے ربڑ پریس یورپ اور امریکہ میں تو کئی نمونوں کے بنتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک قسم کی جو جیلاٹین یا آئرننگ گلاس کے بنتے ہیں۔ اور اس کی روشنائی گلیسرین ملاکر بنائی جاتی ہے۔ بنانے بہت سہل ہیں۔ اور ابھی سستی قیمت پر بہت بک سکتے ہیں

(۳۲) اشتہار اور پوسٹر چپکانا یورپ اور خصوصاً امریکہ میں تو دیواروں پر پوسٹر چپکانا ایک بہت بڑا پیشہ بن گیا ہے۔ کہ جس میں ہزاروں لوگ مصروف ہیں۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک مقررہ اجرت پر خاص خاص حلقوں میں اشتہار دینے والوں کے بڑے پوسٹر چپکاتے اور اشتہار تقسیم کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کام میں بڑا میدان خالی ہے۔ کوئی معمولی سمجھ کا شخص اس کام کو چلا سکتا ہے بشرطیکہ اشتہار دینے والوں کو اطمینان دلائے کہ ان کے اشتہار اور پمفلٹ ضایع نہیں ہونگے بلکہ مناسب مقامات پر دیانت داری سے پہنچ جائیں گے۔ اور پوسٹر واقعی چپکا دیئے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ایڈورٹائزنگ ایجنٹوں کا ذکر کردیتا ہوں ان لوگوں کے بڑے بڑے کارخانے ہوتے ہیں جن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اچھے اچھے پیرایہ میں اور خوبصورت سے خوبصورت اور دلکش ڈیزائن میں اُن بڑے بڑے اشتہار دینے والوں کے اشتہار اپنی پسند کے اچھے اخبارات اور رسالوں میں چھپوائیں۔ یا دیگر

وسایل سے مشتہر کریں کہ جن سے زیادہ سے زیادہ کامیابی کی امید ہو۔ اشتہار دینے والے ان کے اعتبار پر بڑی بڑی رقمیں جیسی کہ کسی کی حیثیت یا کام کی حالت ہو۔ ان کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اور یہ اپنی نیکنامی اور شہرت کو قایم رکھنے کے لیئے اس رقم سے بہتر سے بہتر کام لیتے ہیں۔ ایسے کارخانے ابھی ہمارے ملک میں مدت کے بعد پیدا ہوں گے۔

(۳۳) اخبارات کے خریدار پیدا کرنا

ممالک یورپ و امریکہ میں کہ جہاں اخبارات عروج پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اخبارات بیچنے کا بڑا ذریعہ نیوز ایجنٹ اور نیوز بایز ہیں۔ لاکھوں کاپیاں اخبارات کی چھپ کر نیوز ایجنٹوں کے پاس بھیجی جاتی ہیں۔ ان کے سینکڑوں بڑے اور چھوٹے دفتر اور دکانیں ہر شہر میں ہوتی ہیں۔ ٹھیک وقت پر دکانوں پر اخبار اور رسالے پہنچائے جاتے ہیں۔ اور یہیں سے یا اخبار کے دفتروں سے نیوز بایز یعنی اخبار بیچنے والے لڑکے اخباروں کے پشتارے لے کر گلیوں اور بازاروں میں اخبار کا نام یا اس کے کسی بڑے مضمون کا عنوان چلاتے ہوئے گشت لگاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کام کی اخباروں کو سخت ضرورت ہے۔ اور اس کام میں بھی ہر شہر میں کئی دکاندار اور سینکڑوں لڑکے مصروف ہو سکتے ہیں کیونکہ اخباروں اور رسالوں کی قیمتوں پر انہیں معقول کمیشن ملتا ہے۔ لیکن جب تک یہ طریق ہمارے ملک میں جاری ہو خواندہ اور ہوشیار شخص مختلف اخباروں کے خریدار پیدا کرنے کے لیئے مختلف مقامات میں سفر کر کے لوگوں کو اخبار اور رسالوں کی خریداری پر آمادہ کر سکتے ہیں سامنے جا کر کسی شخص کو چرب زبانی یا لسانی یا ادب اور معقولیت سے کسی کام پر آمادہ کر لینا بھی ایک لیاقت ہے۔ اور جن لوگوں میں یہ لیاقت موجود ہے۔ یورپ اور امریکہ میں وہ بڑے کامیاب کنویسنگ ایجنٹ بن جاتے ہیں۔ اس کام کے لیئے ایک یا چند اخبارات کے معاوضہ میں ایک ہوشیار سرگرم نوجوان کافی روپیہ کما سکتا ہے۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں اس طرح بڑی بڑی کتابیں فروخت کرنے کا بڑا رواج ہے۔ مثلاً ایک دو چار یا دس جلد کی کتاب کی قیمت دس یا بیس یا تیس روپے ہے۔ کنویسنگ ایجنٹ کا کام

ہے۔ کہ وہ خوشحال لوگوں کے پاس جاکر کتاب کے خوبصورت نمونے دکھلائے اور اس کے مطالب کی عمدگی اور تصاویر اور جلد کی خوبی کی تعریف کا طور مار باندھ دے۔ گو میں کسی نوجوان کو یہ صلاح نہیں دونگا کہ کسی چیز کی نفس الامر تعریف سے زیادہ مبالغہ کرے۔ مگر دنیا کے کارخانہ اسی سٹیج پر چل رہا ہے۔ ایسی کتابوں کی فروخت پر ایجنٹ کو معقول کمیشن ملتی ہے۔ اور اس طریقہ کو کتابوں کا سبسکرپشن پر فروخت کرنا کہتے ہیں۔

(۴۳) عینکیں بیچنا یہ بھی ایک ایسا کام ہے۔ کہ تھوڑی سی کوشش سے ایک تعلیم یافتہ نوجوان سیکھ سکتا ہے آنکھ کی ساخت اور اس کی ضروری امراض کا علم حاصل کر کے آنکھیں ٹسٹ کرے اور ان کو مناسب اور موزون عینکیں لگانے کا طریقہ سیکھ لے۔ آجکل تو ٹسٹ کرنے کے بہت سہل طریق ایجاد ہو گئے ہیں۔

لنڈن

نشاید صاحب نام نکو شد رنج نادیدہ
نگیں ہرگز نگردید است سنگ ناتراشیدہ

پیرس سے لنڈن کو روانگی ۷۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کی صبح کو میرا قصد پیرس سے لنڈن کو روانہ ہو جانے کا تھا صبح اٹھکر ناشتہ کیا۔ میری مہربان میزبان بیگم نے تاکید کی کہ اسوقت اچھی طرح پیٹ بھر کر کھاؤ۔ کیونکہ پھر تین بجے تک جب تک ریل سے اترکر انگلش چینل کے جہاز میں سوار نہ ہو گے۔ کھانا نہیں ملے گا۔ اور پھر جہاز میں کھانا کھانے کو جی بھی نہیں چاہتا۔ اتنے میں آج کا نیویارک ہیرلڈ پیرس ایڈیشن آگیا۔ میں نے اس میں دیکھا کہ رودبار انگلستان میں آجکل سخت طوفان ہے۔ یہاں

تک کہ فرانس اور انگلستان کے مابین ڈاک تک رکی رہی۔ اور رود بار کے دونوں طرف کے ہوٹل مسافروں سے بھر گئے۔ اس لیے میرے میزبانوں نے صلاح دی کہ آج کے دن یہیں ٹھیر جاؤ۔ شام کو نمائش میں اتفاقاً ایک ایرانی اہلکار سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے کہا کہ شاہ کجکلاہ سے اگر چاہو تو مل سکتے ہو۔ کل صدر اعظم سے آکر ملو۔ تو ملاقات ہو جائیگی چنانچہ ۸۔ اگست کو علی الصباح یعنے ساڑھے سات بجے جبکہ پیرس میں بمشکل دس فیصدی آدمی بیدار ہوتے ہونگے۔ میں گاڑی کرایہ کر کے حضرت شاہ مظفر الدین کے فرودگاہ پر پہنچا۔ اس مکان کا نام پیلے ڈا سووران (Palais de Souvereigns) یعنی بادشاہوں کا محل ہے۔ اور اس میں فرانس کے شاہی مہمان ٹھہرا کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ابھی بہت سویرا تھا۔ گارڈ کے فرانسیسی سپاہیوں اور مکان کے کونسی آرژ (دربان) نے کہا کہ شاہ کے ملازم تو نو بجے اٹھتے ہیں۔ اور اسی وقت مکان کا دروازہ بھی کھولا جاتا ہے۔ میں ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد واپس چلا آیا۔ کیونکہ مجھے اس بات کا بھی چنداں یقین نہیں تھا کہ ملاقات ضرور ہو جاتی۔ کیونکہ جب سے ایک فرانسیسی نے ان پر پیرس میں وار کیا ہے۔ وہ ملاقات سے زیادہ حذر کرنے لگے ہیں۔ غرض میں مکان پر پہنچکر مسٹر مین کے ہمراہ "گارسان لازار" ریلوے سٹیشن کو روانہ ہؤا۔ میم صاحبہ نے مجھے ٹکٹ کے لیے دینے اور سامان ٹِکٹ کرا دینے میں بڑی مدد دی۔ پیرس سے لنڈن تک نیو ہیول ڈیپ کے راہ سے دوم درجہ کا ریل اور جہاز کا کرایہ تیس تینتیس فرانک کے درمیان تھا۔ اسباب کا کرایہ علیحدہ تھا۔ قلیوں کو بوجہ واقف ہونے کے مسٹر مین نے ایک فرانک ہی دیا جو مجھ سے دو فرانک لیکر بھی بمشکل خوش ہوتے۔ ابھی ریل کے چلنے میں کچھ وقت باقی تھا میں نے میم صاحب کو بہترا کہا کہ آپ چلی جائیں۔ لیکن انہوں نے کہا۔ کہ جب تک تم سوار نہیں ہو جاؤ گے میں نہیں جاؤنگی۔ کیسی معقول کیسی سیانی اور کیسی معاملہ فہم عورتیں ان ملکوں میں ہوتی ہیں۔ جو شوہروں کی پوری مددگار اور رفیق ہوتی ہیں۔ اور ان کے کام میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ راستہ میں کئی گاؤں پڑے یورپ کے گاؤں اور ہندوستان کے مواضع کی کوئی نسبت نہیں۔ یہ پختہ اور خوبصورت مکانات صاف ستھری سنہرہ

زار میں بڑے ستھرے مذاق کے ساتھ الگ الگ بنائے ہوئے ہوتے ہیں بیچ بیچ میں سے عمدہ سڑکیں گزرتی ہیں۔ مکانوں کی کھڑکیوں کے شیشوں کے اندر سے سفید پردے اور صحنوں میں پھلواریاں نظر آتی ہیں۔ دونوں طرف علاقہ بڑا سرسبز اور شاداب تھا۔ گویا کہ نیچر کا جوبن ابھار پر تھا۔ راستے میں کئی جگہ ٹنل آئے۔ اس لئے گاڑی میں لمپ پہلے روشن کردیئے گئے تھے۔ سڑک بہت دور تک دریا کے برابر برابر چلی گئی۔ ڈیپ کے سٹیشن پر پہنچتے ہی لوگ فوراً جہاز کو بھاگے جو تیار کھڑے تھے۔ چونکہ جہاز کا چار گھنٹہ کا سفر تھا سب لوگ جہاز کے برآمدے میں بنچوں پر بیٹھ گئے۔ صبح دس بجے سے چلکر گاڑی تین بجے یہاں پہنچی تھی۔ اس لیئے اس وقت خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔

جہاز میں ناگوار کھانا میں نے دیکھا کہ جہاز میں بعض آدمی کھانے کی طرف لپکے۔ میں بھی وہاں جا بیٹھا۔ اور ویٹر سے کھانا منگا۔ اور اُسے تاکید کردی کہ "پورک" مت لانا۔ وہ دو رکابیوں میں دو چیزیں لے آیا۔ ایک مٹن تھا۔ اور دوسرا کچھ اور۔ جب میں بکری کا گوشت کھاچکا تو میں نے غور سے دوسرے گوشت کو دیکھا اور چھری سے کاٹا تو معلوم ہوا کہ وہ قدرتی گوشت نہیں ہے۔ بلکہ ایک مصنوعی چیز ہے مجھے کچھ شک ہوا تو میں نے ویٹر کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے کہا کچھ نہیں، یہ صرف گیلنٹائن ہے میرے پاس ایک آئرش لیڈی اور جنٹلمین بیٹھے کھانا کھارہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ کہ گیلنٹائن کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس سے واقف نہ تھے۔ پھر ویٹر سے پوچھا کہ یہ کس چیز کا گوشت ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہ ویل ہے (ویل بھیڑی کے گوشت کو کہتے ہیں) جس میں انڈے اور "ہیم" ملا ہوا ہے۔ اور بڑی نعمت شمار ہوتا ہے مجھے ہیم کا نام سنکر بڑی کراہت آئی میں نے ویٹر کو ملامت کی۔ اور کھانا واپس کردیا۔ مگر دام تو دینے ہی پڑے مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ اگر میں زیادہ محتاط نہ ہوتا تو گیلنٹائن کے کھا لینے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی میں گھر میں بھی بہت کم گوشت کھاتا ہوں۔ اس لیئے اگر گوشت نہ بھی ملے تو مجھے چنداں پرواہ نہ تھی۔ کہ میں نے یورپ کے اکثر شہروں میں ہفتہ ہفتہ بھر گوشت نہیں کھایا اور عموماً یہودیوں کے کھانے کے دکانوں کو تلاش کرکے وہاں سے دلجمعی کے ساتھ

کھانا کھایا۔ کیونکہ یہودی مسلمانوں کی طرح خنزیر کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور ذبیحہ بھی بہت بہت احتیاط سے کرتے ہیں۔ کہ جسے "کوشر" کہتے ہیں

سرزمین انگلستان

انگلش چینل میں جہاز دور نہیں گیا تھا۔ کہ موجوں کے تھپیڑوں سے ڈگمگانے لگا۔ اور کئی مردوں اور خصوصاً عورتوں کی حالت بگڑنے لگی۔ انگلش چینل ہمیشہ کم و بیش متلاطم رہتی ہے۔ چنانچہ مزاج بھی متلانے لگا۔ میں ایک بچھونے پر لیٹ گیا۔ اور بہت جلد سو گیا جب جہاز انگلستان کے ساحل پر آن لگا تو میں جاگا۔ لیٹ جانے سے متلی کم ہوتی ہے۔ بہرحال میں نے خدا کا نام لیکر انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ یعنی اُس عجیب سرزمین پر کہ جس کے سپوت ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ اور بوجہ اپنی عقل اور دانش کے آج فرزانۂ روزگار شمار کیے جاتے ہیں۔ میں اس مردم خیز زمین کو دیکھنے کا مدت سے مشتاق تھا۔ اور اس کے بچوں کو ان کے گھروں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ انکی طرز معاشرت انکی انسٹی ٹیوشنوں اور ان کے تجارتی کارخانوں کو بچشم خود دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا۔ کہ جن کے حالات میں نے ان لوگوں کے دیکھے ہوئے اکثر شوق سے سنے تھے۔ نیو ہیون کے سٹیشن پر کسٹم کے افسروں نے ان لوگوں کے اسباب کا معائنہ کیا جو لنڈن سے ادھر اترنے والے تھے۔ لیکن جو لنڈن کے وکٹوریہ اسٹیشن تک جانے والے تھے۔ ان کے اسباب وہیں پہنچکر دیکھا جاتا تھا۔ سب لوگوں نے یہاں سے اخبار لیے اور میں نے لنڈن کے ایک گائیڈ بک خریدی۔ اور اس میں سے کوئی مناسب ہوٹل تلاش کرنے لگا۔ پیرس سے جب میں سوار ہوا تھا تو گاڑی کے جس کمرہ میں میں بیٹھا تھا اس میں سب مسافر الگ الگ اخبار پڑھ رہے تھے۔ بعض فرانسیسی بعض جرمنی اور بعض انگریزی زبانوں کے۔ میں نے بھی جرنل لی پیٹی اور نیو یارک ہیرلڈ خرید لیے۔ یہاں دستور ہے کہ جب لوگ اخبار پڑھ چکتے ہیں۔ تو اسی گاڑی میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم گاڑی سے لنڈن اُترے تو لوگوں نے اپنے اپنے اخبار وہیں ڈال دیے۔

انگلستان کا شائستہ تمیزی

میں نے ایک قلی کو بلایا۔ اور اس نے میرے ٹرنک نکال کر پلیٹ فارم پر رکھدیے کہ جہاں چنگی کے افسر آکر دیکھنے والے تھے

چنگی کے افسر نے آتے ہی مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس تمباکو شراب یا کوئی اور قابل محصول چیز تو نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ تو اس نے بلا ٹرنک کھلوائے مجھے رخصت کر دیا۔ میں اٹلی، آسٹریا، جرمنی، بلجیم اور فرانس کے علاقوں سے گذر کر انگلستان میں پہنچا تھا۔ اور سب ملکوں کی سرحدوں پر ریل کو روک روک کر سب لوگوں کے ساتھ میرے ٹرنک کھلوا کر دیکھے گئے تھے لیکن انگلستان میں میری صرف بات پر اعتبار کیا گیا۔ انگلستان کی غیر معمولی آزادخیالی اور شائستگی کا یہی کافی ثبوت ہے۔ جو مجھے یہاں ریل سے اترتے ہی مل گیا۔

لنڈن میں پہلی رات قلی جو میرے ساتھ تھا۔ اس نے میرا اسباب ایک دستی گاڑی پر رکھ لیا۔ اور میری ہدایت کے مطابق وہ مجھے ایک بہت قریب کے ہوٹل میں لے گیا۔ یہاں صرف ایک چھوٹا سا کمرہ خالی تھا۔ جو ساڑھے تین شلنگ (۲ ۱/۲) میں مجھے رات بھر ٹھہرنے کے لیے دیا گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی میز، حمام اور ایک الماری دیوار میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس عجیب الماری کے تختے کھول لینے سے ایک چارپائی اس میں سے نکل آتی تھی۔ جس کے دوسرے سرے پر دو پائے تھے۔ جو زمین پر بچھ جاتے تھے۔ صبح اس چارپائی کو اٹھا کر الماری کے سرے سے اٹکا دیا جاتا تھا۔ اور اس کے پٹ بند کر دیئے جاتے تھے تو چارپائی کا کہیں نشان باقی نہ رہتا تھا۔ غالباً یہ چھوٹا سا کمرہ غسل خانہ کے لئے بنایا گیا تھا لیکن پیچھے اس سے چارپائی کا کام لیا جانا تجویز ہوا ہوگا سو، نہ چارپائی پر بیٹھنے کے ڈائری لکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ اس لیے میں نے ہوٹل کے ریڈنگ روم میں جا کر ڈائری لکھی مجھے اس بات میں دلچسپی نظر آئی کہ دنیا کے اس سب سے بڑے شہر میں مجھے پہلی رات کو شاید شہر کے سب سے تنگ مکان میں گزارہ کرنا پڑا ہے۔ کھانے کے لئے میں نے قریب ہی ایک ریسٹوران تلاش کر لیا۔

لنڈن میں پہلا دن ۹۔ اگست کو صبح ضروریات سے فارغ ہو کر میں بے صبری کے ساتھ لنڈن کو دیکھنے کے لیے پیدل نکل پڑا۔ میری عادت یہ ہے۔ کہ جب تک میں کسی شہر میں پیدل پھر کر نہ دیکھوں۔ مجھے اس کی سمتیں اور گلی کوچے کچھ سمجھ میں نہیں آتے۔ یا کسی گائیڈ کی مدد سے کہ جس میں لنڈن کے تمام بازاروں اور گلیوں کے نقشے بنے

ہوئے تھے۔ بازاروں کو دیکھتا ہوا وکٹوریا سٹریٹ سے گزر کر ویسٹ منسٹر ایبی اور ہاؤس آف پارلیمنٹ کے پاس سے ہوتا ہوا وائٹ ہال سے ہو کر چیرنگ کراس میں جا پہنچا وہاں سے سٹرینڈ اور فلٹ سٹریٹ سے گزرتا ہوا لڈگیٹ سرکس کے ٹامس کگ کے دفتر کے پاس سے ہوبرن ویاڈکٹ سے گزر کر برٹش میوزیم کے پاس پہنچ گیا۔ بخلاف یورپ کے دوسرے شہروں کے لنڈن میں مجھے یہ بڑی دلچسپی تھی۔ کہ یہاں کے مشہور بازاروں اور عمارتوں کے ناموں سے انگریزی اخبارات میں بار بار دیکھنے کی وجہ سے میں ایسا مانوس تھا۔ کہ گویا یہ مقامات میرے دیکھے ہوئے تھے۔ لنڈن کے اکثر بڑے بڑے اخباروں اور رسالوں کے کے دفتر اور کتب فروشوں کی دکانیں فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ میں ہی ہیں۔ بلکہ مفصلات کے بہت سے اخباروں کے لنڈن کے دفتر بھی یہیں ہیں مستعمل کتابیں بیچنے والوں کے بھی دکانیں یہاں تھیں۔ اور جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا یہاں ایک پوری گلی مستعمل کتابیں بیچنے والوں کی دوکانوں کے لیے فلیٹ سٹریٹ میں مخصوص ہے۔ جسے بک سیلرز رو کہتے ہیں اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ ان دکانوں میں میں گھنٹوں کھڑا ہوا الماری سے کتابیں نکال نکال کر دیکھا کرتا تھا۔ مجھے برس میں ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ برٹش میوزیم کے پاس مانیگو ہوٹل میں رہنا اچھا ہوگا۔ اور اس ہوٹل میں جگہ نہ ملے تو اس کے گرد و پیش کئی لاجنگ ہوس ہیں۔ کہ جن میں عموماً امریکن مسافر فروکش ہوتے ہیں۔ میں ان میں سے تین لاجنگ ہوسوں میں گیا۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ امریکن مسافر اس قدر آئے ہوئے ہیں۔ کہ کوئی جگہ خالی نہیں۔ اتنے میں برٹش میوزیم سامنے آ گیا۔ اب کوئی ترغیب ایسی نہ تھی جو مجھے برٹش میوزیم کے دیکھنے سے روک سکے۔ میں جھٹ دنیا کے سب سے بڑے عجائب خانہ میں داخل ہو گیا۔ برٹش میوزیم کے عجائبات اور خصوصاً یہاں کے عربی فارسی کے قلمی کتابوں کے کتب خانہ کی شہرت مدت سے سنی ہوئی تھی۔ دروازہ پر کئی قسم کے گائیڈ اس عجائب خانہ کے بک رہے تھے۔ میں ایک گائیڈ بک خرید کر اندر گیا۔ اور لگاتار چار پانچ گھنٹے اس عظیم الشان عمارت کے بیشمار کمروں میں پھرتا رہا۔ مجھے اس وقت یہ بات بالکل بھول گئی تھی۔ کہ مجھے ابھی رات کے

بسیرے کی فکر کرنی ہے۔ اور اگر کوئی ہوٹل تلاش نہ کیا۔ تو شب گزشتہ والی کوٹھی میں ہی رات کاٹنی پڑیگی۔ غرض جب عجائب خانہ بند ہوا تو میں بھی باہر نکلا۔

انگلستان کا ایک اور نشان تمیزی

جیساکہ یورپ کے سب عجائب خانوں میں دستور ہے۔ کہ یہاں بھی لوگوں کی لکڑیاں اور چھتریاں دروازے پر ایک شخص لیکر رکھتا جاتا ہے۔ اور ٹین کے پتروں پر چھپے ہوئے نمبر کہ جن میں ایک ڈورا پرویا ہوا ہوتا ہے۔ ایک تو چھتری یا لکڑی سے لٹکا دیتا ہے۔ اور دوسرا اس کے ساتھ کا نمبر مالک کے حوالہ کر دیتا ہے جب میں نے اپنی چھتری کا نمبر واپس دیکر چھتری لی تو میںنے یورپ کے دوسرے شہروں کے تجربہ کی بنا پر جیب سے ایک پینی نکال کر محافظ کو دینی چاہی بجائے اس کے کہ وہ بھوکے گِدھ کی طرح جھپٹ کر پینی لے لیتا۔ اس نے میرے چہرہ کی طرف دیکھا۔ اتنے میں میری نظر سامنے ایک پیتل کے پترہ پر جا پڑی۔ جسپر موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ کہ تماشائی ملازمان عجائب خانہ کو کچھ ٹپ وغیرہ نہ دیں۔ یہ بات میں نے یورپ میں پہلی دفعہ دیکھی۔ اور اس سے مجھے لنڈن میں آنے کے دوسرے ہی دن ایک دفعہ پھر یہ بات سوجھی کہ انگلستان بلحاظ شائستگی و آزادئی خیالات یورپ سے کئی قدم آگے بڑھا ہوا ہے۔ گو برلن کی بڑی دکان کے بل پر بھی باریک حروف میں یہی بات چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ لیکن ان دونوں چیزوں کی حیثیتوں اور حالتوں میں بڑا بھاری فرق تھا۔ عجائب گاہ سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا کہ ٹھیک برٹش میوزیم کے دروازہ کے مقابل سڑک کی دوسری طرف مانٹیگو ہوٹل کا دروازہ ہے۔ کہ جس کی میں تلاش کر رہا تھا۔ میںنے بہت غنیمت سمجھا کہ برٹش میوزیم کے روبرو ہوٹل ملے۔ اسی ہوٹل میں میںنے ایک کمرہ تیسری منزل پر لے لیا۔ گو یہ بہت بڑا نہ تھا۔ مگر اس میں برقی روشنی اور لفٹ وغیرہ کی آسائش سب موجود تھی۔ اور غسلخانہ کا بھی بڑا آرام تھا۔ یہاں بکثرت گرم پانی ملتا تھا۔ مجھے یہاں کے ٹھیرنے کے بعد بعض صاحبوں نے کہا کہ یہاں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ کسی لاجنگ میں چلے جاؤ۔ لیکن چونکہ یہ مقام لنڈن کا نہایت پررونق حصہ تھا (میں یہیں ٹھیرا رہا) اسی وقت ایک کیب گاڑی کرایہ کر کے میں وکٹوریا سٹیشن کے قریب کے ہوٹل سے اپنا اسباب اٹھا لایا۔

دنیا کا سب سے بڑا شہر واقعی یہ کیسی دلچسپ بات ہے۔ کہ دنیا کا سب سے بڑا شہر نہ صرف براعظم ایشیا میں واقع ہے۔ کہ جو دنیا کی تمام گذشتہ تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ اور جہاں کہ دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے پیغمبر پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ براعظم یورپ سے بھی پرے سمندر کے ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ خدا کی شان ہے کہ دنیا کے ایک دُور کے کونے میں سمندر کے ایک جزیرہ میں ایک چھوٹی سی قوم کو آباد کیا۔ کیونکہ انگریز بلحاظ تعداد اور وسعت ملک دنیا کی دوسری قوموں سے بہت چھوٹی قوم ہیں۔ اور پھر اس قوم کو یہاں تک ترقی اور عظمت بخشی کہ اس کا شہر دنیا بھر میں سب سے بڑا شہر بنا دیا۔ جو دنیا بھر کی تجارت کی منڈی علم و ہنر کا مرکز اور دولت کی کان ہے۔ اس کے انسٹی ٹیوشن دنیا کے دوسرے شہروں کے انسٹیٹیوشنوں سے بہت بڑے ہیں۔ اگر چین امریکہ یا ہندوستان کا کوئی شہر دنیا میں بڑا ہوتا تو عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ یہ ملک بھی بہت بڑے بڑے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا شہر انگلستان میں البتہ ہونا عجیب ہے۔ ہرچند کہ انگریزی قوم کئی باتوں پر ناز کرسکتی ہے۔ لیکن کیا یہ ان سب میں نمایاں اور ممتاز نہیں ہے۔ کہ جتنا بڑا شہر اس کا مرکز حکومت ہے۔ اتنا بڑا دوسری کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔ لنڈن کے بعد بلحاظ آبادی دوسرا درجہ نیویارک کا ہے۔ اس لیے اگر لنڈن کا کوئی حریف ہے۔ تو وہ وہی شہر ہے۔ کہ جسے لینڈن کے بیٹوں نے آباد کیا تھا۔ اور جس میں اب تک لنڈن کی بولی بولی جاتی ہے۔ یورپ کے بعض دارالخلافے ہرچند کہ بجائے خود بڑے بڑے شہر ہیں۔ لیکن وہ کسی طرح لنڈن سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔

چار بڑے دارالخلافے یورپ کے چار بڑے دارالخلافوں نے گزشتہ صدی میں آبادی کے لحاظ سے جو ترقی کی ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے سے کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ کہ لنڈن نہایت سرعت سے آبادی میں ترقی کر رہا ہے۔ انیسویں صدی کے شروع میں اس کی آبادی دس لاکھ کے قریب تھی مگر صدی کے خاتمہ پر پچاس لاکھ کو پہنچ گئی۔ مندرجہ ذیل اعداد سے ظاہر ہے۔ کہ پیرس برلن اور ویانا میں سے اور کسی شہر نے اس نسبت سے ترقی نہیں کی۔

سنہ ۱۸۰۱ء میں لنڈن کی آبادی (۹۵۸۸۶۳) تھی۔ پیریس کی (۵۴۷۷۵۵) ویانا کی (۲۳۱۰۵۰) اور برلن کی (۱۸۲۱۵۷)
سنہ ۱۸۴۱ء میں لنڈن کی آبادی (۱۹۴۸۴۱۷) تھی۔ پیریس کی (۹۳۵۲۵۱) ویانا کی (۳۵۷۸۰۱) اور برلن کی (۳۲۲۶۲۰)
اور سنہ ۱۹۰۱ء میں لنڈن کی آبادی (۴۸۱۱۲۷۱) پیریس کی (۲۵۱۱۰۵۵)۔ برلن کی (۴۰۳۷۷۶۱) اور ویانا کی (۱۵۰۳۹۷۲) ہوگئی

لنڈن کی آبادی اور رقبہ

ہرچند کہ ہندسوں کی قطاریں بڑا خشک مضمون سمجھا جاتا ہے، مگر چونکہ واقعات کے بیان کرنے کا اور کوئی ذریعہ اس سے بہتر نہیں مجبوراً مجھے لنڈن کی عظمت بیان کرنے کے لئے بہت سے ہندسے درج کرنے پڑے ہیں۔ شہر لنڈن شرقاً غرباً تخمیناً چودہ میل لمبا اور شمالاً جنوباً دس میل چوڑا ہے جس کا کل رقبہ (۱۱۸) مربع میل ہے اس میں (۴۵۳۶۰۶۳) آدمی (۶۰۸۰۰۰) مکانات میں سکونت پذیر ہیں۔ مگر معہ مضافات کے شہر کی آبادی ۱۸۹۶ء کے تخمینہ کے مطابق (۶۲۹۱۶۷۷) نفوس کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیرس برلن اور ویانا کی آبادی ملا کر شہر لنڈن میں سما سکتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کے تین بڑے شہروں نیویارک، شکاگو اور فلاڈلفیا کی آبادی ملا کر لنڈن میں لا بسائیں تب بھی اور پانچ لاکھ آدمیوں کی گنجائش باقی رہے گی۔ شہر دل کو چھوڑ کر ملکوں کی طرف دیکھئے۔ شہر لنڈن جو انگلستان کی کل آبادی کے ساتویں حصہ کا ذمہ وار ہے۔ اس میں سکاٹلینڈ یا ہالینڈ یا پرتگال یا سویڈن کے برابر اور ڈنمارک اور یونان دونوں کو ملا کر اُن کے برابر آبادی ہے۔ میٹروپولیٹن اور سٹی پولیس کے لحاظ سے لنڈن کا رقبہ (۲۴۴۵۷) ایکڑ ہے۔ مگر چیرنگ کراس کو مرکز قرار دیکر پندرہ میل کے فاصلہ پر جو دائرہ کھینچا جائے اس کے اندر اندر سب مضافات شہر لنڈن میں شامل ہیں۔ اور اسی کو گریٹر لنڈن یعنی لنڈن کلاں کہتے ہیں۔ یہ ۲۱،۳۴۴ ایکڑ یا ۶۹۳ مربع میل ہے۔ کیلیز لنڈن پوسٹ آفس ڈائرکٹری نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۸۹۱ء میں خاص شہر لنڈن میں گھروں کی دن کی آبادی (۳۰۱۳۸۱) تھی۔ سنہ ۱۸۸۱ء کو لنڈن کے کوچوں میں جو

چوبیس گھنٹوں میں مردم شماری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہر میں اس کے مختلف راستوں سے پیدل یا گاڑیوں میں (۱۱۲۱۷۴۸) آدمی اور (۹۲۴۸۸) گاڑیاں داخل ہوئیں۔ علاوہ اس کے بہت سے لوگ ریلوے سٹیشنوں سے بھی شہر میں داخل ہوئے۔

تجارت اور دولت لنڈن کا بندرگاہ تمام دنیا کے بندرگاہوں سے بڑا ہے۔ صرف لورپول بلحاظ مال تجارت کی برآمد کی مالیت کے اس سے بڑا ہے۔ باقی ہر طرح لنڈن بڑا بندرگاہ ہے ۱۸۹۵ء میں لنڈن سے (۱۰۸۰۷۰۷۵) پونڈ کا مال برآمد ہوا۔ اور (۱۴۵۰۴۷۴۴۵۰۱) پونڈ کا درآمد ہوا۔ اسی سال میں (۵۳۹۱۲) جہاز بندرگاہ لنڈن میں داخل ہوئے۔ نوے لاکھ پونڈ سالانہ صرف لنڈن کی چنگی کا محاصل ہے۔ غرض انگلستان کے سب بندرگاہوں میں جس قدر مال داخل ہوتا ہے۔ اس کا پانچواں حصہ دریائے ٹیمز کے کنارہ پر لنڈن میں اُترتا ہے۔ لنڈن میں تجارت ہی بہت نہیں۔ بلکہ شراب شکر معدنیات گھڑی سازی کپڑے بُننے اور جوتے بنانے کے کئی بڑے بڑے کارخانے بھی قائم ہیں۔ انجینیری اور کیمیکل اجزا کے کارخانے بھی یہاں کے مشہور ہیں۔ مگر چھاپا خانہ اور اخبارات کا مرکز ہونے کے لحاظ سے لنڈن دنیا بھر میں ممتاز ہے۔ دریائے ٹیمز نے شہر کو جن دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سے جنوبی نصف میں زیادہ تر صنعت و حرفت کے کارخانے گودام اور پرائیویٹ مکانات ہیں شمالی نصف میں ہاؤس آف پارلیمنٹ سرکاری محلات دفاتر بینک اور جہاز سازی کے کارخانے ہیں۔ لنڈن کی بیمہ کی ہوئی جائداد کی قیمت ۹۲۲۵۹۸۶۶۷ پونڈ ہے۔ اور بہت سی جائداد ہوگی کہ جس کا بیمہ نہیں ہوا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ کے ہوس آف کامنز میں کل قریبا سات سو ممبران پارلیمنٹ نشست کرتے ہیں جن میں سے اکسٹھ اکیلا شہر لنڈن منتخب کرتا ہے۔ سنٹ پال کا گرجا نامی شہر میں بڑا مکان ہے۔ ہائڈ پارک اور ریجنٹ پارک بڑے لمبے چوڑے نزہت گاہ ہیں۔ ٹیمز کے کنارہ کے سنگین بند جن پر سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں چلنے کے لئے نہایت خوبصورت روشیں ہیں۔ اور جب یہ مکمل ہو جائینگے تو یورپ بھر میں بے نظیر سڑکیں مانی جائینگی۔

لنڈن کی ریلیں اتنے لمبے چوڑے اور اسقدر آباد شہر میں ہر چند کہ آمد و رفت

کی سہولیت ہمارے خیال کے مطابق پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔لیکن ہمیشہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔لنڈن شہر کے اندر چودہ ریلوے لائنیں مختلف اطراف سے گزرتی ہیں۔اور شہر کے اندر ۱۹۰۰ء میں کہ جبکہ میں وہاں تھا۔دوسو سترہ ریلوے سٹیشن تھے ان ریلوں میں سے بعض برقی طاقت سے بھی چلتی ہیں۔مگر زیادہ تر دخانی انجنوں سے زمین کے اوپر چلتی ہیں۔لیکن کئی ایک زمین کے اندر ٹنلوں کے بیچ سے بھی گزرتی ہیں۔اور بعض جگہ زمین کے اوپر پلوں کے ذریعہ سے سڑکیں بھی اونچی بنائی گئی ہیں۔غرض جس طرح راستہ ملا ہے۔سڑکیں نکالی گئی ہیں۔جب سٹیشنوں پر پہنچتے ہیں۔تو ان میں ریل کی پٹڑیوں کا جنگل نظر آتا ہے۔اور تعجب ہوتا ہے کہ لنڈن کے بڑے بڑے سٹیشنوں پر ریلیں ہر روز کیوں نہیں ٹکراتیں۔کوئی شخص جب تک مدت تک لنڈن میں نہ رہے ہرگز اُسے اس بات سے واقفیت حاصل نہیں ہوسکتی کہ فلاں طرف جانے کے لئے کس ریلوے لائن کے کس سٹیشن سے جانا چاہیئے۔خلاصہ مطلب یہ ہے۔کہ شہر لنڈن میں ریل کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔

برقی لائنیں گو لنڈن میں ابھی برقی طاقت کا زیادہ استعمال نہیں ہونے لگا کیونکہ یہاں ٹریمیں گاڑیاں گھوڑوں سے چلتی ہیں۔حالانکہ پیرس برلن اور ویانا کو چھوڑ کر بوڈا پیسٹ اور قاہرہ میں بھی سب ٹریمیں برقی طاقت سے چلتی ہیں۔تاہم امید ہے کہ ایک زمانہ میں لنڈن کی اکثر ریلیں برقی طاقت سے چلنے لگینگے۔حال میں چند زیر زمین برقی ریلوے لائنیں برقی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔اور ان میں بڑی کامیابی ہوئی ہے۔چنانچہ ۱۹۰۰ء میں لنڈن میں چالیس میل زیر زمین برقی ریلوے لائنیں زیادہ تر زیر تعمیر اور کسی قدر مکمل ہو چکی تھیں۔سٹی اور ساؤتھ لنڈن ½۶ میل۔واٹرلو اور سٹی ½۱ میل جاری تھیں۔سنٹرل لنڈن ریلوے ۶ میل قریباً مکمل۔چیرنگ کراس یوسٹن اور ہیمپسٹڈ پانچ میل (اجازت مل چکی تھی) گریٹ نارودن اور سٹی ½۳ میل (زیر تعمیر) بیکر سٹریٹ اور واٹرلو ۳ میل (اجازت مل چکی تھی)۔برامپٹن اور پکاڈلی سرکس ۲ میل (اجازت مل چکی تھی) ڈسٹرکٹ ریلوے ڈیپ لیول ¾۲ میل (اجازت مل چکی تھی) وائٹ چیپل اور بو ۲ میل (زیر تعمیر)

باروانیڈ اسلنگٹن ۳ میل (زیر تعمیر)

ٹپینی ٹیوب یعنے دو پنس کو لوگ بجائے ٹوپینی کے ٹپنی کہتے ہیں اور ٹیوب انگریزی میں نلکے کو کہتے ہیں۔اس سے مراد ایک خاص زیر زمین ریلوے لائین ہے۔جو اُسی زمانہ میں جاری ہوئی تھی جبکہ میں لنڈن میں پہنچا تھا۔چونکہ اس تمام قریباً چھ میل لمبی برقی ریلوے لائن کا کرایہ صرف دو پنی مقرر کیا گیا تھا۔اس لیئے اسے عام طور پر لوگ اس نام سے پکارتے تھے۔لنڈن بنک سے لیکر جو لنڈن کا نہایت پر رونق حصہ ہے شیپرڈ بش تک تیرہ سٹیشن ہیں۔خواہ کوئی شخص دو سٹیشن جائے یا تیرہ سٹیشن سفر کرے اُسے وہی دو پینی کرایہ دینا پڑتا ہے۔اس سے پہلے سوا گھنٹہ میں آمنی بس گاڑیاں اس راستہ کو طے کرتی تھیں۔اور اب چلیس منٹ میں اِدھر اُدھر لنڈن ایسے شہر میں جہاں وقت بہت کفایت شعاری سے خرچ کیا جاتا ہے۔ان باتوں کو نہایت غنیمت سمجھا جاتا ہے۔یہ لائن سطح بازار سے سو فٹ گہری زمین کے نیچے کھودی گئی ہے ۱۱½ فٹ کی دو متوازی لائینیں آمد و رفت کے لیئے الگ الگ بنائی گئی ہیں۔تاکہ ٹرینوں کے ٹکرانے کا اندیشہ ہی نہ رہے۔کمپنی نے پارلیمنٹ سے ان ٹنلوں کے کھودنے کی اجازت لی تھی۔اور زمین کی کچھ قیمت نہیں دینی پڑی۔کیونکہ یہ لوگوں کے گھروں سے سو فٹ گہری جگہ ہے۔البتہ سٹیشنوں کے لیئے کمپنی نے بازار میں جگہ خریدی۔ایسی دوہری سڑک پر فی میل کھودنے اور لوہے سے تعمیر کرنے کا خرچ تین لاکھ اور پانچ لاکھ پونڈ کے درمیان ہوا ہے۔دونوں لائینیں سٹیشنوں کے سوائے علیحدہ علیحدہ متوازی جاتی ہیں۔کہیں ان کے سٹیشن بھی نیچے اوپر ہیں۔دونوں راستوں کو ڈھلوان رکھا ہے تاکہ طاقت کم خرچ ہو ہر تین منٹ میں ٹرین آتی جاتی ہے۔اور ہر وقت مسافروں سے بٹی رہتی ہے۔تخمیناً لاکھ مسافر اس سے ہر روز گزرتے ہیں۔میلوں وغیرہ کے تقریبوں پر دو لاکھ سے بھی زیادہ گزر جاتے ہیں۔اس کی رفتار فی گھنٹہ چودہ میل ہے۔جس میں سٹیشنوں کا وقفہ بھی شامل ہے۔بیس سکنڈ ہر سٹیشن پر ٹھیرتی ہے۔اس لیئے جو جب ہے ۲۴ میل کی رفتار قایم رکھتے ہیں۔چونکہ انجن برقی ہیں۔کہ جن سے دھواں نہیں نکلتا۔اس لیئے بخلاف دخانی ریلوں

کے سیاہ ٹنلوں کے اس ریل کا راستہ بڑا خوشنما اور صاف ہے۔ سفید چینی کی روغنی اینٹوں سے سٹیشن بنائے گئے ہیں۔ جو بڑے وسیع اور پرفضا معلوم ہوتے ہیں۔ برقی روشنی سے ہر وقت دن معلوم دیتا ہے۔ اس لائن پر مسافر ٹکٹ نہیں لیتے۔ داخلہ پر دو پینی حوالہ کرنے سے ہر مسافر کو ایک کمرہ میں داخل کر دیتے ہیں جو دراصل لفٹ پر ہوتا ہے۔ اور وہ ایک دم زدن میں سو فٹ زمین کے نیچے اتر جاتا ہے۔ اور اسی طرح نیچے سے اوپر آجاتا ہے ہر سٹیشن پر تین تین لفٹ ہیں۔ زمین کے نیچے خاصی سردی تھی۔ سٹیشنوں کی چھت بڑے بڑے آہنی گرڈروں پر محرابی صورت کی بنی ہوئی تھی۔ ریل نہایت صاف اور ستھری گاڑیوں کی ہوتی ہے۔ ذرا سی دیر میں اترنے والے مسافر جو پہلے سے تیار ہوتے ہیں۔ اتر جاتے ہیں۔ اور چڑھنے والے چڑھ جاتے ہیں۔ پھر گاڑی زمین کے نیچے ایک اور سوراخ میں گھس جاتی ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ کہ تمام لنڈن اوپر آباد ہے۔ دریا ٹیمز اوپر بہتا ہے۔ اور یہ ریل اندر ہی اندر جاری ہے۔

زیر زمین لنڈن مگر لنڈن کی زمین کو تو پہلے ہی ریلوے لائینوں بہنے کے پانی گیس اور گندے پانی کے نلوں سے اس قدر کھوکھلا کیا ہے۔ کہ اس میں اور زیادہ سوراخ کرنے کی گنجائش نہیں نظر آتی۔ چونکہ زمین ہر جگہ نہیں ملتی۔ اس لیئے زمین میں گہرے سے گہرے سرنگیں کھودی جاتی ہیں۔ اور بے انداز روپے کے خرچ سے حیرت ناک عجائبات تیار کیجاتی ہیں۔ پچھلے دنوں بعض انجینیروں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ کہ شہر لنڈن کا سب سے بڑا اور عظیم الشان گرجا سینٹ پال معرض خطر میں ہے۔ کیونکہ اس کے نیچے سے ریلوں اور پانی کی نالیوں کے لیئے کئی سوراخ زمین میں کھودے جا چکے ہیں جس سے گرجا کی بنیادوں کو نقصان پہنچا ہے۔ جس پر تمام لنڈن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کیونکہ سینٹ پال کوئی ایسی عمارت نہیں ہے۔ جو پھر سہولیت سے بن سکے۔ اسی بارہ میں لنڈن کے اخبار ڈیلی میل۔ نے سینٹ پال کے قریب لڈگیٹ ہل کے نیچے سوا سو فیٹ گہرا زمین کے ایک سکشن کا نقشہ دکھلایا گیا تھا۔ جس میں تین زیر زمین ریلیں اوپر نیچے سے گذرتی ہیں۔ پٹنی ٹیوب کہ جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ اور جس کا نام سنٹرل لنڈن

ریلوے ہے۔ وہ بازار کی سطح سے سو فیٹ گہری تھی۔ ایک اور برقی لاین اس سے اٹھارہ فیٹ اوپر سے گزرتی تھی۔ اور اس سے ۵۲ فٹ اوپر ایک دخانی ریلوے لاین جاتی تھی۔ ان کے درمیان کے خالی جگہ گیس کی نالیاں، تار برقی کی بڑی بڑی شاخیں اور ان سب کے اوپر دکانداروں کے گودام اور غریب لوگوں کے رہنے کے تہ خانے تھے۔ کہ جن میں کبھی آفتاب کی روشنی نہیں پہنچتی۔ ان کے اوپر بازار میں شب و روز بھیوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے تلاطم بحر کی کیفیت رہتی ہے۔ یہ تو ایک جگہ کی کیفیت ہے۔ باقی کئی جگہ اس سے بھی بدتر حال ہے۔ شہر لنڈن میں جہاں دریائے ٹیمز کے اوپر پندرہ سولہ پل بنے ہوئے ہیں۔ دریائے ٹیمز کے نیچے بھی کئی ٹنل کھدے ہوئے ہیں۔ جن میں سے آدمی اور ریلیں گزرتی ہیں۔

بلیک وال ٹنل لنڈن کونٹی کونسل نے بلیک وال ٹنل حال ہی میں پوپلار اور گرینچ کے درمیان دریائے ٹیمز کے نیچے کھدوا ہے۔ جو پانچ سال میں ختم ہوا اور ۲۲ مئی ۱۸۹۷ء کو بادشاہ سلامت نے اُس وقت بحیثیت پرنس آف ویلز کے اس کو کھولا تھا۔ یہ ٹنل سوا میل لمبا ہے۔ جس کے بیچ میں سے ۱۶ فٹ گاڑی کا راستہ اور کناروں پر تین تین فٹ پیدلوں کے لیئے پٹری چھوڑی گئی ہے۔ اس کے اندر بھی سفید روغن کی اینٹیں لگائی گئی ہیں۔ اور تین قطاریں برقی لیمپوں کی ہیں جن کا ہر لیمپ دس دس فیٹ کے فاصلہ پر ہے کونٹی کونسل جو لنڈن کی میونسپل کمیٹی ہے۔ اس نے محض شہر کے اس طرف کے گزرنے والے لوگوں کے اور گاڑیوں اور چھکڑوں کے سہولیت کے لیئے تیرہ لاکھ ساڑھے تراسی ہزار پونڈ کے خرچ سے اس ٹنل کو تیار کیا ہے۔ اس سے پہلے گرینچ سے پاپلر تک پہنچنے میں بہت فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ مگر اب یہ چند منٹ کی راہ رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی انہیں اطراف میں دریا کے نیچے دو اور راستے کونٹی کونسل تیار کر رہی ہے جن سے لوگوں کو بڑی آسانی ہو جائے گی۔ اور وقت بھی کم صرف ہوگا۔ سب سے پہلا ٹنل جو دریائے ٹیمز کے نیچے لنڈن میں کھدوا گیا تھا۔ وہ ۱۸۴۳ء میں اٹھارہ سال کی محنت کے بعد (۶۱۲۰۰۰) پونڈ کی لاگت سے تیار ہوا تھا۔ مگر اس میں سے صرف چند آدمی گزر سکتے تھے

گاڑیاں وغیرہ نہیں جاسکتی تھیں، ہر گو یہ ٹنل اس وقت کچھ بہت مفید ثابت نہیں ہوا۔ تاہم اس زمانہ کے لحاظ سے ایک عجیب چیز سمجھا جاتا تھا۔ مگر کچھ مدت بعد ایک ریلوے کمپنی نے ریلوے لاین اس میں سے نکال لی۔ اور یہ خوب کام آنے لگا۔ اس طرح شہر لنڈن میں نہ صرف ریلوے لائنیں گھروں اور تہ خانوں کے نیچے سے ہی گزرتی ہیں۔ بلکہ دریائے ٹیمز کے نیچے سے بھی کئی سڑکیں جاتی ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی میونسپلٹی اور شہر کی صفائی

جب کہ لنڈن کونٹی کونسل کا ذکر آگیا ہے۔ تو اس کے قابل ذکر کارناموں کی بھی تھوڑی سی تفصیل کر دینی چاہیے۔ ۱۸۸۸ء میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ کے رو سے لنڈن کونٹی کونسل قائم ہوئی اس کے (۱۳۷) ممبروں کو پبلک تین سال کے لیے منتخب کرتی ہے۔ پھر یہ ممبر اپنے میں سے ۱۹ ممبروں کو چھ سال کے واسطے منتخب کرتے ہیں۔ اس میں وزیر اعظم تک ممبر اور عہدہ دار رہ چکے ہیں۔ اور کئی ممبران پارلیمنٹ ہمیشہ رہتے ہیں۔ کونسل کا سب سے اہم کام لنڈن ایسے بڑے شہر کے گندے پانی کی نالیوں کی صفائی ہے۔ سال مختتمہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۰ء میں (۱۰۸۳۰۳۸۲۵۷۰۴۱۷) گیلن گندہ پانی شہر کے باہر نکالا گیا۔ مگر اتنا گندہ پانی کہ جس سے ہر سال ایک بڑی جھیل بن سکتی ہے۔ کہاں پھینکا جائے۔ اس مسئلہ کو لنڈن کونٹی کونسل نے اس طرح حل کیا۔ کہ سب پانی کو ایک جگہ جمع کر کے چونے اور لوہے کے پروٹوسلیفٹ کی لاگ سے صاف کیا جاتا ہے۔ اس کی تمام میل تہ نشین ہو جاتی ہے جسے جمع کر کے سمندر میں پھینکا جاتا ہے۔ اور صاف پانی شہر سے گیارہ میل کے فاصلہ پر دریائے ٹیمز میں ڈالا جاتا ہے۔ اچھے اچھے سائنس والوں نے بخوبی آزمالیا ہے۔ کہ یہ صاف شدہ پانی بالکل بے ضرر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ سے دریا میں گزشتہ چند سال سے مچھلی بہت زیادہ پیدا ہونے لگی ہے۔ میل جو اس سال میں بائیس لاکھ اٹھاسی ہزار ٹن نکلی تھی۔ اسے چھ خاص جہاز سال بھر سمندر میں لے جا کر برابر پھینکتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس سال میں ہزار ہزار ٹن وزن کے ۲۲۸۸ سفر ان جہازوں کو کرنے پڑے۔ پہلی نالیاں کافی نہ ہونے کی وجہ سے تیس لاکھ پونڈ کے صرف سے کچھ اور نالیاں تیار ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے

کمیٹی ایک ٹنل دریا کے نیچے چودہ لاکھ پونڈ کے خرچ سے بنا چکی ہے۔ اور دوسرے اکیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے بنا رہی ہے۔ اس کے علاوہ دریائے ٹیمز پر واکسل برج نامی ایک عظیم الشان پل بنایا ہے۔ اور لیمبتھ برج عنقریب تعمیر کرنے والی ہے۔ مگر اس سے بھی بڑا کام وہ ہے۔ جو تخمیناً پنتالیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے سٹرینڈ اور ہوبرن کے مابین ایک نیا اور خوبصورت بازار بنانے والی ہے۔ کہ جس سے اس نواح میں شہر کی خوبصورتی بہت بڑھ جائیگی۔ ٹیمز کے کنارہ پر خوبصورت بند بنایا گیا ہے۔ وہ بھی کونٹی کونسل کا قابل قدر کام ہے۔ سال گذشتہ میں اس کمیٹی نے شہر کے باسٹھ مقامات پر تئیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے درستی کی ہے

پارک اور تفریح کے سامان

گذشتہ بارہ سال میں شہر کی پارکوں اور تفریح گاہوں کی تعداد چالیس سے سو تک بڑھا دی ہے۔ اور ابھی چند پارک ایسے ہیں۔ کہ جن کا انتظام اس کمیٹی کے ہاتھ میں نہیں۔ ان نزہت گاہوں سے شہر کی خوبصورتی اور اہل شہر کی صحت اور دلچسپی پر اتنا بڑا اثر پڑتا ہے۔ علاوہ بڑے بڑے پارکوں کے جو گھروں سے کسی قدر دور ہیں۔ اور جہاں لوگ زیادہ تر شام کے وقت کام سے فارغ ہو کر جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سبزہ زاروں میں دن بھر عورتیں اور بچے زندگی کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں۔ کونٹی کونسل نے بعض نزہت گاہوں میں ہرن اور جنگلی پرند بھی جمع کر دیئے ہیں۔ اور لوگوں کی دلچسپی اور تعلیم کے لیئے پرندوں کے چڑیا خانے بنوا دیئے ہیں۔ اہل شہر کے مزید دلچسپی کے لیئے اس سال میں (۷۴۷۳) پونڈ کے خرچ سے (۹۸۵) بینڈ کے تماشے کرائے اور کرکٹ کے پندرہ ہزار گیم کھیلنے کا اپنی زمینوں پر کرکٹ کھیلنے والوں کو انتظام کر دیا۔ دو پارکوں کے بڑے بڑے حصوں میں ریت بچھوا دی گئی ہے۔ تاکہ غریب لوگوں کے بچے کہ جنہیں کبھی سمندر کے کنارہ پر جا کر ریت میں کھیلنے کا موقع حاصل نہیں ہوتا یہاں لطف حاصل کریں۔ موسم گرما میں کونسل کے تالابوں اور جھیلوں پر لوگوں کے نہانے کے لیئے سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اور مختلف پارکوں میں چالیس ورزش کے اکھاڑے لوگوں کی ورزش کرنے کیلیئے

بنائے گئے ہیں۔ کونسل کے کل پارکوں اور نزہت گاہوں کا رقبہ اب چالیس ہزار ایکڑ کے قریب ہو چلا ہے۔ اصل شہر لنڈن کا رقبہ ساڑھے چھ سو ایکڑ ہے۔ اس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ یورپ کے شہروں میں باوجود زمین کے نہایت گران ہونے کے پارکوں کے لیے جگہ خالی رکھنی کتنی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اور انہیں واقعی شہروں کی صحت کے لحاظ سے شہر کے جسم کا پھیپھڑا مانا جاتا ہے۔ اور ہمارے شہروں میں چپہ چپہ نزول کی زمین بذریعہ نیلام فروخت کرکے روپیہ سرکار کے خزانے میں داخل کردیئے جاتے ہیں۔ کاش ہمارے شہروں کے اندر بھی خالی زمین سبزہ زار کے لیے چھوڑی جائے۔

غریب لوگوں کے مکان

لنڈن جیسے دولت مند اور بڑے شہر میں بھی چند غریب لوگوں کے مکان ایسے تنگ و تاریک اور مضر صحت تھے کہ جنہیں دیکھکر شہر کی میونسپلٹی نے اپنا فرض سمجھا۔ کہ ان غریب لوگوں کو عمدہ عمدہ مکان بہم پہنچائے جائیں کہ جن میں ان کی صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ لنڈن میں ایک جگہ آٹھ لاکھ آدمی نہایت گنجان مکان میں رہتے تھے اور وہاں پر ہر مکان میں آٹھ آدمیوں سے کم کا اوسط نہ تھا۔ کے لیے اب کمیٹی نے زمین خرید کر چھیالیس بڑی بڑی لمبی عمارتیں اور سات کوٹھی نما مکانات تعمیر کیے گئے ہیں۔ جو ہمارے ملک کے امیروں کے مکانوں سے بھی بلحاظ صفائی اور حفظان صحت کے اچھے ہیں۔ ان پر کونسل کا (۹۵۳۰۸۰) پونڈ روپیہ خرچ آیا ہے اور ان کا (۳۸۲۶۰) پونڈ سالانہ کرایہ ہے جو اس رقم کا کافی منافعہ ہے۔ اور بھی اسی طرح کئی مکان بنائے گئے ہیں جن میں اب تک (۳۱۲۰۵) آدمی رہ چکے ہیں یہ ہے شائستہ قوموں کے ارکان ہونے کا ایک ادنی فائدہ چالیس ہزار آدمیوں کی رہائش کے لیے ایک نیا گاؤں پندرہ لاکھ پونڈ کی لاگت سے تعمیر ہوگا جس کے گھروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے باغات اور چاروں طرف پُر فضا سایہ دار سڑکیں ہونگی۔ لنڈن کاونٹی کونسل نے کچھ عرصہ سے شہر لنڈن کی ٹریموے کمپنی کے کل ٹریموے لائینیں خرید لی ہیں۔ اور تب سے ٹریموے کا کرایہ کم اور آسائش پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔

فائر بریگیڈ

لنڈن جیسے عذار شہر میں آتش زدگیوں کا ہر سال تیس سو کمینہ

کیا گیا ہے جن میں سے دو سو بہت شدید ہوتی ہیں۔ کہ جن میں لاکھوں روپیہ کا نقصان
ہو جاتا ہے۔ اس لیئے اطفائے آتش کا محکمہ اس شہر میں خصوصیت سے مستعد اور
کیل کانٹے سے درست رہتا ہے۔ جس پر کونٹی کونسل کو تین لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرنا پڑتا
ہے جو اس کے ہر پونڈ میں سوا پنس کا خرچ ہے۔ اس صیغہ میں ۶۳ خشکی پر فائر انجنوں
کے سٹیشن (۱۰۴) چھوٹے سٹیشن (۷۰) سٹیم فائر انجن خشکی اور تری پر ۱۳۱ دستی طاقت
سے چلانے والے انجن۔ اکتالیس میل لمبے ہوز کے نلکے (۶۲۴) فائر الارم جس سے آگ
لگنے کی خبر ملتی ہے (۲۵۳۰۶) پانی لینے کی جگہیں۔ ۲۳۵۰ گھوڑے۔ اور ۱۱۳۹ افسر ملا
کر کل آدمی ایک روز پکاڈلی سرکس کے قریب ایک یہودی رسٹوراں میں میں دوپہر کو کھانا
کھا رہا تھا کہ یکا یک سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی گئی اور سب
لوگ مکان کے اندر سے بھاگ کر سڑک پر گئے میں نے بھی جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قریب
کے ایک مکان میں آگ لگ گئی تھی جس کی خبر پہنچنے پر دم زدن میں فائر بریگیڈ کا ایک
دستہ دو گاڑیوں پر سوار معہ فائر انجنوں کے پہنچ گیا تھا۔ ان گاڑیوں کے گھوڑے اعلیٰ
درجے کے ہوتے ہیں۔ ہر گاڑی پر پانچ سوار ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ڈرائیور ہوتا ہے
سواروں کی نشستیں گاڑیوں کی پہلوؤں کی طرف ہوتی ہیں۔ تاکہ انہیں چڑھنے اترنے
میں دیر نہ لگے اور وہ لٹکتے ہوئے دستے پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی وردی نہایت
چست ہوتی ہے۔ اور ایسے کپڑے سے بنائی جاتی ہے کہ آگ کی برداشت کر سکے ٹوپی
خود کی قسم کی پیتل کی ہوتی ہے۔ جو بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ بعض سٹیشنوں
پر یہ گاڑیاں اور ان کے سوار ہر وقت تیار اور مسلح رہتے ہیں خبر آنے کی دیر ہوتی ہے
کہ ان کی گاڑی دوڑتی ہوئی آتش زدگی کے مکان پر آناً فاناً میں پہنچ جاتی ہے۔ اس گاڑی کے
بگل کی آواز سے لوگ ہٹ جاتے ہیں اور سڑک صاف ہوتی چلی جاتی ہے۔ کوئی چیز اسے
راستہ میں روک نہیں سکتی۔ برلن میں تو حکم ہے۔ کہ شاہی سواری بھی آگ کی گاڑی کے
لیئے راستہ چھوڑ دے۔ ساتھ ہی مکانوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں۔ آتش زدہ مکانوں سے آدمی
اور اسباب نیچے پھینکنے کے لیئے ربر کی جالیاں اور زمین پر پھیلانے کے موٹے گدیلے

وغیرہ سامان رہتا ہے۔ یہ لوگ بے تکلف اپنا فرض ادا کرنے کے لیئے جان جوکھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اپنی جان سے ہاتھ دھو کر بے بس عورتوں مردوں اور بچوں کی جانیں شعلوں سے بچاتے ہیں۔ ان کی مستعدی اور بہادری دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ بیشک انہیں صفات سے قوموں کی عظمت کی عمارت چنی جاتی ہے۔ شہر لنڈن میں جابجا لوہے کے چھوٹے چھوٹے ستون کھڑے ہیں۔ جنکے منہ پر شیشہ لگا ہوا ہے۔ جب کہیں آگ لگتی ہے۔ تو قریب کے ستون کا شیشہ توڑکر اس کے اندر کی گھنٹی بجادی جاتی ہے۔ جو قریب کی پولیس یا فایر سٹیشن میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔

لنڈن کا کانسٹیبل لنڈن کی پولیس کا انتظام گورنمنٹ کے ہوم سکریٹری کے ہاتھ میں ہے شہر لنڈن کی حفاظت اور انتظام کے لیئے (۱۵۰۴۴) کانسٹیبل ہیں۔ جو فی سو ایکڑ کے لحاظ سے ۲۴½ کانسٹیبلوں کی آبادی کے ہر ہزار آدمی کے پیچھے تین اور ہر سو آباد گھروں کے پیچھے دو کانسٹیبلوں کی اوسط پڑتا ہے۔ اہل لنڈن اپنی حفاظت پر پولیس کے لیئے ۱۳ لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ گو لنڈن کی آبادی بہت ہے۔ لیکن پولیس کے عمدہ انتظام سے جرایم زیادہ نہیں ہوتے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں (۱۰۸۲۶۷) آدمی مجرم قرار پائے اور ۸۳ ہزار سزا یاب ہوئے (۲۱۲۳۴۴) پونڈ کا مال چوری کیا گیا تھا جس میں سے پولیس کی کوشش سے ۹۳ ہزار پونڈ کا مال سراغرسانی کے بدولت مالکوں کو مل گیا۔ ایک سال میں سنتیس ہزار رپورٹیں اس قسم کی پولیس میں لکھوائی گئیں کہ فلاں شخص گم ہو گیا ہے۔ ان میں سے اٹھارہ ہزار پولیس نے تلاش کر دیئے۔ گاڑیوں سے اکتالیس ہزار چیزیں جمع کرکے گمشدہ مال میں داخل ہوئیں۔ جن میں سے (۴۰۵۵۰) اصلی مالکوں کا پتہ لگا کر انہیں واپس دی گئیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے (۱۸۰) جیب گھڑیاں۔ ۳۴۹ بٹوے۔ اور (۱۹۰۷۷) چھتریاں غرض لنڈن کا پولیس ایک نہایت مفید چیز ہے۔ خصوصاً ان مسافروں کو جو لنڈن میں نووارد ہوتے ہیں۔ اور راستہ نہیں جانتے۔ کانسٹیبل بہت اچھی طرح راستہ سمجھا کر بتلاتا ہے۔ بلکہ مجھے تو ایک دو مرتبہ چند قدم کی ساتھ چلکر موڑ سے دوسری طرف کا راستہ دکھلا دیا۔ لنڈن کے لیئے خصوصیت سے تمام ملک کے تناور اور طویل القامت کانسٹیبل

چنا جاتا ہے۔ اور تمام پولیس کی فوج میں ایک بھی چھوٹے قد کا آدمی نہیں۔ جب یہ از سرتاپا سیاہ وردی پہنے ہوئے بھیڑ کے درمیان کھڑا ہوا ہوتا ہے۔ تو تمام راہ گزروں سے ایک آدھ بالشت سب سے اونچا ہی نظر آتا ہے۔ یہ لنڈن کی گلیوں کا ایک خاصا زیور ہے۔ ہزاروں لوگ اس سے راستہ پوچھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں اکتاتا یہ بالکل اکھڑ اور بد مزاج نہیں ہوتا۔ بلکہ تعلیم یافتہ اور معقول شخص ہوتا ہے۔ بدمعاش اس سے بھاگتے ہیں کیونکہ ہندوستان کے اکثر جاہل اور نادان کانسٹبلوں کی طرح یہ کبھی بدمعاشوں سے ساز باز نہیں کر سکتا۔ اس کی تنخواہ پینتیس شلنگ یا دو پونڈ ہفتہ وار ہے۔ جو ہندوستان کے چار کنسٹبلوں کی ماہانہ تنخواہ کے برابر ہے۔ زیادہ بارونق بازاروں میں گاڑیوں کے ہجوم کا بھی کانسٹبل ہی انتظام کرتے ہیں۔ کہ جس کا ذکر آگے آئیگا۔

لنڈن کونٹی کونسل کے تعلیم کا کام

لنڈن کونٹی کونسل کے ٹیکنیکل تعلیم کے بورڈ نے دراصل لنڈن یونیورسٹی کی طرز تعلیم کی اصلاح کر دی ہے۔ اور ایسا اچھا اثر پایہ تخت انگلستان کی تعلیم پر ڈالا ہے۔ کہ ایک غریب سے غریب بورڈ سکول کا لڑکا سکالرشپوں اور مددمعاش کے ذریعہ سے یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین اعزاز تک حاصل کر سکتا ہے۔ اور اپنے ملک کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ کونسل کی زیر نگرانی کئی قسم کے انڈسٹریل سکول جاری ہیں۔ جن کی غرض یہ ہے۔ کہ لوگ ان کے ذریعہ سے ہر پیشہ میں جا کر روٹی کمانا سیکھ جائیں۔ لنڈن کے سکولوں میں ساڑھے سات لاکھ طلبا درج رجسٹر ہیں۔ اوسط روزانہ حاضری چھ لاکھ سے زیادہ ہے۔ بورڈ سکولوں کے طلبا کی تعلیم پر پینتیس لاکھ پونڈ سالانہ صرف ہوتا ہے۔ سال گذشتہ میں (۲۹۵) مدرسوں میں رات کو بھی تعلیم ہوتی رہی جن میں اسی ہزار طلبا حاضر ہوتے تھے۔ ساڑھے پندرہ لاکھ سالانہ تعلیم حرفت پر صرف ہوتا ہے۔ لنڈن میں ۹۰ کتب خانے ایسے ہیں۔ جن میں کتابیں پڑھنے کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ اور ان میں چھ لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں جن میں سے ساڑھے چالیس لاکھ ایک سال کے اندر پڑھنے کے لئے طلب کی گئیں۔ ان کتب خانوں پر اکسٹھ ہزار پونڈ سالانہ صرف ہوتے ہیں جس نواح میں میں رہتا تھا وہاں آکسفورڈ سٹریٹ کے ڈاک خانہ کے پاس

ایک ایسا کتب خانہ تھا جہاں ہر قسم کے اخبار لنڈن ٹائمز سے لیکر چھوٹے چھوٹے ہفتہ وار پرچوں اور مختلف پیشوں کے رسالوں تک تھے۔ اور ڈکشنریاں اور ہر قسم کی ڈائریاں اور کچھ منتخب کتابیں بھی موجود تھیں۔ دن بھر یہ بند رہتا تھا۔ لیکن شام کو مزدور وغیرہ لوگ جب اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آتے تو کھل جاتا تھا۔ اور سینکڑوں لوگ آکر اخبار پڑھتے تھے۔ اخباروں کو بلند ڈسکوں پر ایسے طور سے چسپاں کیا جاتا تھا۔ کہ لوگ کھڑے کھڑے پڑھتے تھے۔ اسی طرح عین رونق والے موقعوں پر بھی اخبار لگائے جاتے ہیں۔ عام لوگوں میں علم اور شائستگی پھیلانے کے لئے ایسے ایسے مفید انتظام کیئے گئے ہیں۔

لنڈن میونسپلٹی سے سبق

ان فرائض کے علاوہ کونٹی کونسل کے اور کئی کام ہیں۔ مثلاً ناپ تول کی نگرانی۔ روٹی اور کوئلہ کی فروخت اور گیس اور آب رسانی کی اجرا کی نگرانی۔ معصوم بچوں کی حفاظت۔ دھوئیں کا انسداد وغیرہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائیش نہیں۔ مینے جو کسیقدر تفصیل سے اس دنیا کی سب سے بڑی میونسپلٹی کے حالات لکھے ہیں۔ (ہر چند کہ وہ بجائے خود نہایت مختصر ہیں) اس سے غرض یہ ہے۔ کہ ہندوستان کی میونسلٹیوں کو معلوم ہو کہ وہ رفاہ عام کے کاموں میں کہاں تک مدد کر سکتی ہیں۔ بدنصیبی سے ہمارے یہاں اکثر ممبران میونسپلٹی اپنی تمام گرمجوشی اور محنت اپنے انتخاب کے وقت ہی صرف کر چکتے ہیں۔ اس لیئے انکا ذخیرہ کام کرنے کا ختم ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمنے لوکل سلف گورنمنٹ ایسی نعمت کی ہندوستان میں قدر نہیں کی۔ اور اس تجربہ میں بہت کچھ مایوسی ہوئی جس سے ہندوستانیوں نے عملاً ثابت کر دیاہے۔ کہ ابھی بہت مدت تک وہ اپنے گھروں کا انتظام کرنے کے قابل بھی نہیں۔

لنڈن کی دوسری انتظامی جماعتیں

گو کونٹی کونسل ہی شہر لنڈن کی میونسپلٹی کہلا سکتی ہے۔ تاہم شہر کے بعض انتظام بعض دوسری مجالس کے بھی سپرد ہیں۔ مثلاً محتاجوں اور مفلسوں اور بوڑھوں معذوروں وغیرہ کی دستگیری کے لیئے کہ جو اپنا انتظام خود نہیں کر سکتے۔ غریب خانے بنانے کا انتظام پور لا گارڈینس کے سپرد ہے۔ کہ جن کی لنڈن میں تیس یونینیں یعنی مجلسیں ہیں۔ ہر علاقہ شہر میں پور ریٹس وصول

کرکے محتاجوں کا انتظام کرتی ہیں۔ شہر کے مختلف حصوں کی مقامی سڑکوں کی درستی اور چھڑکاؤ ان حصوں کی حفظانِ صحت کا انتظام اور پبلک کے لیے جابجا غسل خانے اور حسب ضرورت کتب خانے قایم کرنے کا بندوبست ۱۸۹۹ء سے بورڈ کونسلوں کے سپرد ہے۔ جو لنڈن میں اٹھائیس ہیں۔ کیونکہ شہر اٹھائیس علاقوں پر منقسم ہے۔ اہل شہر کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ایک دوسری جماعت کے سپرد ہے۔ کہ جس کا نام لنڈن سکول بورڈ ہے۔ اور جو ۱۸۷۰ء میں قایم ہوئی تھی۔ اس میں پچپن ممبر ہیں۔ اور انہیں بھی بورڈ کونسلوں اور کونٹی کونسل کی طرح ریٹ پیرس یعنے ٹکس دینے والے تین تین سال کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ واقعی تعلیم کا کام اتنا بڑا ہے۔ کہ یہ کسی دوسری مجلس کے سپرد رہنے کی حالت میں ایسی عمدگی سے نہ ہو سکتا۔ جیسا کہ اب لنڈن سکول بورڈ کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔

لنڈن کی رونق اور گاڑیاں

ہر چند کہ لنڈن کے نواح میں دو سو سے زیادہ ریلوے سٹیشن ہیں تاہم یہاں کی آبادی کے لیے بہت سے گھوڑے گاڑیاں مطلوب ہوتی ہیں۔ ایک قسم کی ایک گھوڑے والی دو پہیہ گاڑی کا کہ جسے کیبریالٹ یا کیب کہتے ہیں بہت رواج ہے۔ اسے ہنسم کیب بھی کہتے ہیں چیرنگ کراس سے چار میل کے حلقے کے اندر اندر اس کا کرایہ چھ پنس فی میل ہے۔ اور اس سے باہر ایک شلنگ فی میل ہے۔ لیکن مختلف مقامات کے لئے کرایہ کی شرح ایسی پیچیدہ ہے۔ کہ اجنبی عموماً کوچبین کے رحم کا منتظر رہتا ہے۔ تعجب ہے۔ کہ انگلستان کی گاڑیوں کو ویانا اور برلن کی گاڑیوں کی طرح ٹکسا میٹر نہیں لگائے گئے۔ نومبر ۱۸۹۹ء کے ایک شمار کے مطابق لنڈن میں سولہ ہزار سے زیادہ لائیسنس دار گھوڑا گاڑیاں ہیں۔ جو چیرنگ کراس کے ہر طرف پندرہ پندرہ میل کے فاصلہ میں گشت کرتی ہیں۔ ان میں (۷۵۵۵) ہنسم کیب (۳۵۸۳) چوپہیہ (۳۱۹۰) آمنی بسین اور (۱۱۳۷) ٹریموے گاڑیاں ہیں اس کے علاوہ چھ ہزار ریل کی گاڑیاں اور چھکڑے ہیں۔ جو شہر میں استعمال ہوتے ہیں لیکن اس کے سوائے لاکھوں لوگ شہر میں پیدل چلتے پھرتے ہیں۔ بازاروں کے

بیچ میں گاڑیوں کے لیے سڑکیں چھٹی ہوئی ہیں۔ اور دونوں طرف ذرا اونچی پٹریاں بنائی گئی ہیں کہ جنپر پیدل چلتے ہیں۔ یہ پیدل بھی اتنے ہوتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے بازاروں میں ان پر بھی کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ لوگ چھتریاں یا لکڑیاں ہاتھ میں لیے اتنی جلدی جلدی چلتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے۔ شاید کہیں کو بھاگے جا رہے ہیں ہر صورت میں ان لوگوں کو وقت کی کفایت کرنا مدنظر ہے۔ کوئی ایک شخص بھی آرام سے ٹہلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ بعض بڑے بڑے کوچوں میں دونوں طرف سے آنے جانے والی گاڑیوں کے بعض اوقات اتنی بھیڑ ہوتی ہے۔ کہ اگر ان کے گزارے کا انتظام نہ کیا جائے۔ تو پیدل مسافروں کی سلامتی کا اندیشہ ہے۔ اور گاڑیاں بھی آپس میں ٹکرا کر ٹوٹتی رہیں اس لیے ایک کانسٹیبل جو ہر چوک میں کھڑا رہتا ہے۔ ہاتھ سر سے اونچا کر کے اشارے سے ایک طرف کی گاڑیوں کو روک دیتا ہے۔ تو دوسری طرف کی گاڑیاں اور آدمی گزرنے لگتے ہیں۔ اور جب اُدھر کی بھیڑ کم ہو جاتی ہے۔ تو اتنے میں دوسری طرف بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اور پھر اشارہ سے پولیس مین ان کو گزرنے کی اجازت دیتا ہے۔ بعض بڑے بڑے کوچوں مثل چیرنگ کراس لڈگیٹ سرکس، بینک سرکس میں تو یہ نظارہ صبح سے لیکر شام تک ہر دم رہتا ہے۔ اگر پولیس مین یہ کام نہ کریں تو ایک طرف کی گاڑیوں اور پیدلوں کے گزرنے کی تو نوبت ہی نہ آئے۔ اب مینشن ہوس کے قریب ہی بنک کے سرکس میں بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے ایک زیر زمین راستہ بنا دیا گیا ہے جس کا منہ چار پانچ بازاروں کی طرف کھلا ہے۔ چونکہ اس چوک میں ہر طرف سے بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔ اس لئے لوگ عموماً سیڑھیوں سے نیچے اتر کر دوسری طرف بازار میں جا نکلتے ہیں۔ یہ دراصل نئی زیر زمین برقی ریلوے کا ایک سٹیشن ہے صرف لنڈن کی جنرل آمنی بس کمپنی سال میں پانچ کروڑ مسافر لے جاتی ہے۔ ٹریموے کی سڑکیں شہر کے باہر کی طرف ہیں۔ وہ تنگ بازاروں میں سے نہیں گزرتیں۔ دریائے ٹیمز میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جہاز چلتے ہیں۔ جو جا بجا ٹھیرتے ہیں جیسا کہ میں پیرس کے حالات میں بیان کر چکا ہوں۔ کہ پیرس کے آمنی بس کی چھت پر بیٹھنے

والے گاڑی کے اندر بیٹھنے والوں سے نصف کرایہ دیتے ہیں۔ اور گاڑی کے اندر بیٹھنا باہر کی نسبت معزز سمجھا جاتا ہے۔ لنڈن کی بسوں میں گاڑی کے اندر بیٹھنے یا چھت پر بیٹھنے کا ایک ہی کرایہ ہے۔ بلکہ اندر کی نسبت لنڈن کے لوگ چھت کو اس قدر پسند کرتے ہیں۔ کہ اگر کسی گاڑی کی چھت پر جگہ رُک گئی ہو مگر اندر جگہ کافی ہو تو بعض لوگ اس گاڑی پر بیٹھتے ہی نہیں۔ لنڈن اور پیرس جیسے دو نہایت قریب شہروں میں ایسا اختلاف رائے واقعی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کو عجیب بنانے والے زیادہ تر اہل لنڈن ہیں۔ جو بعض باتوں میں تمام یورپ سے نئی چال چلتے ہیں مثلاً تمام یورپ میں گاڑی چلانے کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ گاڑیبان ہر دوسری گاڑی سے جو اُسے سامنے ملے اپنی گاڑی دائیں ہاتھ کو رکھے۔ پیرس۔ برلن۔ ویانا اور قسطنطنیہ غرض سارے یورپ میں یہی قاعدہ ہے۔ مگر انگلستان میں ہر کوچبین اپنی گاڑی کو بائیں ہاتھ رکھے گا جیسا کہ ہندوستان میں بھی گاڑی کا قاعدہ ہے اور یہ انگریزوں ہی کی ایجاد ہے

لنڈن کے بازار

لنڈن کے اکثر بڑے بڑے بازار بہت کشادہ اور خوشنما ہیں۔ گو بعض تنگ اور ٹیڑھی میڑھی گلیاں بھی جا بجا ہیں۔ مگر وہ دن بدن مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ اور ان کے بجائے خوبصورت بازار بنتے جاتے ہیں پہلے پہل جب کوئی اجنبی اس شہر میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کے مکانات کی رفعت دکانوں میں مال کی کثرت بازاروں کی صفائی اور آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھکر دنگ ہو جاتا ہے۔ بے ارڈ ٹیلر نے لکھا ہے۔ کہ "جب کوئی شخص خاموش کھڑا ہوا دیکھتا ہے۔ کہ یہ بے انتہا مخلوق جو اس کے چاروں طرف گزر رہی ہے۔ اس میں ایک فرد واحد بھی اُسے نہیں جانتا اور نہ اس کی پروا کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو کیسا تنہا پاتا ہے لیکن وہ ہزارہا لوگ جو اس کے پاس سے گزرتے ہیں اُنکی نسبت وہ بھی کیا جانتا ہے بدیں طرف بعض ایسے کوچے بھی ہیں کہ جہاں ایک آدمی گزرتا ہوا بھی نظر نہیں آتا۔ شہر لنڈن کو اینٹوں کا جنگل کہا گیا ہے" مکانات اینٹ پتھر ہی کے بنے ہوئے ہیں لنڈن کے گھروں کے ساتھ ایسے برآمدے نہیں ہوتے جیسے کہ ہندوستان میں

انگریزوں کی کوٹھیوں میں بنائے جاتے ہیں۔ البتہ وہ دلکش سب پر ہوتے ہیں۔ جس نے
پیرس اور ویانا وغیرہ جیسے شہر دیکھے ہوئے ہوں۔ وہ لنڈن کے مکانات کی بیرونی
حالت کو کچھ بہت اچھی نہیں پاتا۔ کیونکہ مکانات دھوئیں سے سیاہ ہوجاتے ہیں البتہ
اندر سے نہایت صاف اور آراستہ ہوتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے عالیشان مکانات
پانچ پانچ سات سات منزلوں کے میلوں تک چلے گئے ہیں۔ دنیا میں صرف نیو یارک ایک
ایسا شہر ہے جس کے مکانات اس سے بھی اونچے ہیں۔ لنڈن میں موسم بھی اکثر دھندلا
رہتا ہے۔ موسم گرما میں بھی سورج دیوتا کے درشن مغتنمات سے سمجھے جاتے ہیں۔ موسم سرما
کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کبھی کبھی یکایک ایسا کالا بادل شہر کو گھیر لیتا ہے۔ کہ گھروں
میں چراغ جلانے پڑتے ہیں۔ اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ مگر جلدی ہی گزر بھی جاتا ہے
ہندوستان میں جب انگریز ملاقاتیوں سے پہلے پہل پوچھتے ہیں کہ موسم کیسا ہے۔ تو
لوگ سمجھتے ہیں کہ وضع الوقتی کرتے ہیں۔ نہیں یہ اُن کی عادت میں داخل ہے۔ لنڈن میں
جب کبھی اچھا دن ہوتا تھا تو کئی لوگ مجھ سے بھی کہتے تھے کہ آج کا دن تو خوب ہے
یورپ کے باقی شہروں کی طرح یہاں کی دکانوں میں بھی ہر قسم کی اسباب تجارت بڑے
بڑے شیشوں والے دروازوں کے پیچھے قرینے سے ایسے طور پر سجائے جاتے
ہیں کہ راستہ چلتے ہوئے لوگ دیکھ سکیں۔ ہر دکان اپنی جگہ ایک چھوٹی سی نمائش گاہ
ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ شام کو ان میں برق اور گاس کی روشنی ہوتی ہے۔ لنڈن کے
بہت سے بازاروں میں پتھر کے فرش ہیں۔ یا پتھر گڑے ہوئے ہیں۔ لیکن بعض بڑے
بڑے بازاروں میں لکڑی یا اسفالٹ کا فرش بھی ہے۔ کہ جس پر گاڑی کے پہیوں کی
آواز نہیں ہوتی۔ جیسا کہ میں پیرس یا برلن کے بیان میں ذکر کرچکا ہوں۔ بازاروں میں
گیس اور کہیں کہیں برقی روشنی بھی کیجاتی ہے۔ شہر لنڈن کو بلحاظ مختلف قسم کے
ساکنین کے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) ویسٹ انڈ میں شاہی محلات
امراء کے مکانات اور بڑے بڑے پارک ہیں (۲) کاروباری حصہ میں لاکورٹس
سوداگروں کے دفاتر اور دکانیں ہیں (۳) ایسٹ انڈ میں ملاحوں، مزدوری پیشہ

لوگوں اور بہت سے غریب لوگوں کے مکانات ہیں (۴) نواح میں بیشمار مکانات کی قطاریں اور بازار اور مکانات متوسط الحال لوگوں کے ہیں۔

لنڈن کیا کھاتا ہے جس شہر میں نصف کروڑ سے زیادہ آدمی رہتے ہوں ان کے کھانے کو کسقدر سامان درکار ہوگا۔ میں گارڈن صاحب کی کتاب "ہاؤ لنڈن لوز" سے چند اعداد کا اقتباس کرتا ہوں۔ یہ اعداد ۱۸۸۶ء کے ہیں۔ اور اس وقت سے اب تک لنڈن کی آبادی میں بحساب ۳۶ ہزار سالانہ ترقی ہوئی ہے (بقول لنڈن اٹلس اینڈ گائیڈ) تاہم اگر وہی چودہ سال پہلے کے کھانے پینے کا خرچ صحیح صحیح مان لیا جاوے تو اس کی مقدار بھی حیرت انگیز ہے۔ تین لاکھ اسی ہزار ٹن (ایک کروڑ ساڑھے چھ لاکھ من) سالانہ ہر قسم کے حیوانات کا تازہ گوشت لنڈن میں بکتا ہے۔ جو (۱۰۳۸) ٹن روزانہ یا نصف پونڈ سے کم کچا گوشت اور ہڈیاں ہر شخص کے حصے میں آتا ہے۔ اس کے سوا اور بہت سا خشک اور نمکین گوشت آسٹریلیا اور اصلاع متحدہ امریکہ سے ہر سال لنڈن میں آتا ہے۔ صرف امریکہ سے ایک سال میں ایک لاکھ بارہ ہزار ٹن ہر قسم کا گوشت آیا۔ ۱۸۸۸ء میں بلجیم سے ساٹھ ہزار خرگوش جن کا وزن (۷۵۰) ٹن تھا آئے۔ اور (۲۵۵۰) ٹن مرغیاں اور شکار وغیرہ۔ غرض علاوہ تازہ گوشت کے ہر قسم کا دوسرا گوشت اور شکار ۳۶ ہزار ٹن کو پہنچ جاتا ہے۔ اور ابھی انڈے اسمیں شامل نہیں جو ۱۸۹۸ء کے ہاؤس آف کامنز کی ایک نقشہ کے مطابق غیر ممالک سے انگلستان میں (۱۰۸۸۲۸۰۴۰) داخل ہوئے تھے جن میں لنڈن کا ساتواں حصہ یعنی پونے چودہ کروڑ ایک خاص مقدار ہے۔ اس میں سے جرمنی نے تیسرے حصہ سے زیادہ۔ فرانس نے تیسرا حصہ اور بلجیم نے چھٹا حصہ بہم پہنچایا تھا۔ اصلاع متحدہ امریکہ تک سے انڈے لنڈن کے استعمال کے لئے جہازوں میں لاد کر آتے ہیں۔ یہاں صرف اتنی بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں مرغیاں اور انڈے اتنے سستے اور اس قدر زیادہ پیدا کئے جا سکتے ہیں کہ ان سے اہل ہند کو بہت سا روپیہ ہر سال وصول ہو سکتا ہے۔ مگر ادھر ابھی تک کچھ توجہ نہیں کی گئی۔ لنڈن کے شکار کی بڑی منڈی لنڈن ہال کی ایک سال کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ اٹھارہ مختلف قسم کی مرغابیاں۔ بطخیں۔ مرغیاں۔ تیتر۔ بٹیر۔ تلغلیں اور خرگوش وغیرہ تعداد میں ایک کروڑ تراسی لاکھ انسٹھ ہزار فروخت ہوئے۔ دس ہزار ٹن مکھن انگلستان کا اور اسی قدر

غیر ممالک سے آیا ہوا ایک سال میں شہر میں کھپا۔ اور ابھی مارگرین اور جانوروں کی چربی جس کا زیادہ استعمال ہوتا ہے اس کے علاوہ ہے۔ لندن میں ایک لاکھ پچیس ہزار گیلن دودھ کا روزانہ خرچ جو عموماً ریلوں میں لدا ہوا ہر روز مفصلات سے ایک خاص قسم کے آہنی مٹکوں میں بھرا ہوا آتا ہے۔ اور ہر شخص جو لندن کے کسی سٹیشن سے ریل پر سوار ہوتا ہے دن بھر ان خالی مٹکوں کو واپس جانے کے منتظر پڑے ضرور دیکھتا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ ڈبے خشک دودھ کے اور (۱۱۴۶۰) ٹن پنیر لندن ہر سال استعمال کرتا ہے مچھلی کے مختلف اقسام کی بابت کچھ نہ پوچھو کہ کس قدر اس شہر میں صرف ہوتی ہے مچھلی کی مشہور منڈی بلنگس گیٹ میں جا کر دیکھو کہ سینکڑوں قسم کی مچھلیوں کے ہر روز کتنے بڑے ڈھیر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ایک مصنف نے بڑی محنت سے حساب پھیلا کر ایک ارب اسی کروڑ مچھلیوں کا سالانہ خرچ لندن کے ذمہ لگایا ہے۔ میوؤں کو جو علاوہ انگلستان کے دنیا کے ہر حصہ سے اس ملک میں آتے ہیں۔ اور ترکاریوں اور چائے اور شکر وغیرہ چیزوں کو چھوڑ کر غلہ کی طرف دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ (۸۲۷۵۲۰۰۰) سیر سیر بھر کی روٹیاں سال تمام میں لنڈن میں بڑی کفایت شعاری سے خرچ ہوتی ہیں۔ اس تمام آٹے میں سے تہائی سے بھی کم انگلستان میں پیدا ہوئی گیہوں کا ہوتا ہے اور دو تہائی سے زیادہ دنیا کے دور دست ممالک مثل اصلاع امریکہ۔ کینیڈا۔ ہندوستان۔ روس۔ چلی۔ جرمنی۔ اٹرلیشیا۔ رومانیا اور مصر وغیرہ ممالک سے لایا جاتا ہے۔ لنڈن کی طرح باقی تمام ملک بھی غیر ممالک سے آئے ہوئے غلہ پر گذارہ کرتا ہے۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے کہ جس پر انگلستان کے مدبر بھی کبھی حیران ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر خدانخواستہ کوئی دوسری قوم بحری طاقت میں انگلستان کو زک دے سکے اور انگلستان کا محاصرہ کر کے باہر سے غلہ نہ آنے دے تو چند روز میں اہل انگلستان بھوکے مرنے لگیں۔

لندن کا اتوار اجنبی کے لئے لندن کا اتوار بھی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ پہلے اتوار کو میں مکان سے دس بجے صبح کے باہر نکلا تو بازاروں کو سنسان پایا سوائے کسی کسی اومنی بس گاڑی کے جو کبھی گذر جاتی تھی اور کوئی شخص نہیں ملتا تھا۔ دکانیں سب بند کر دی جاتی

ہیں - یہاں تک کہ کھانے کے سٹور اور میوہ کی دکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں - جو ایک بجے دوپہر کو (یعنی عبادت کا وقت ہو جانے کے بعد) کھلتی ہیں - عبادت کا وقت اتوار کے روز صبح سے ساڑھے بارہ بجے تک اور شام کے چھ بجے سے ۹ بجے تک مقرر ہے - اس کے بعد کھانے کے بعض بعض مکانات کھلتے ہیں - مگر کھانے کے سوائے باقی سب دکانیں اتوار کو قانوناً بند رہتی ہیں - بلکہ ڈاک کی تقسیم بھی اتوار کو بند رہتی ہے - اور ریلیں بھی ایک بجے تک نہیں چلتیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ لنڈن کے لوگ اس قدر پکے عیسائی اور دیندار ہیں کہ سب گرجوں میں عبادت کے لئے چلے جاتے ہیں - کیونکہ گرجوں میں بہت کم لوگ جاتے ہیں ہر چند کہ پادری صاحبان عمدہ سے عمدہ باجے بجانے اور گانے والے گرجوں میں مہیا کرتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ خصوصاً عورتیں بجائے شوق عبادت کے زیادہ تر اچھے کپڑے دکھلانے دوستوں اور ہمسایوں سے ملاقات کرنے اور کسی اچھی تقریر سننے کے لئے جاتے ہیں ورنہ زیادہ تر لوگ شہر سے باہر مضافات میں بغرض تفریح چلے جاتے ہیں - چنانچہ ایک اتوار کی شام کو میں کیو گارڈن کی طرف گیا تھا - جو کئی میل لمبا چوڑا باغ ہے - اور علم نباتات کے نمونوں کے لحاظ سے دنیا بھر میں اول درجہ کا باغ شمار ہوتا ہے - وہاں ہزارہا زن و مرد تھے - اور یہی حال دیگر مضافات خصوصاً ہائڈ پارک اور ریجنٹ پارک وغیرہ کا اتوار کو اور ہر شام کو ہوتا ہے - ویانا میں صرف سال کے چند ماہ میں اتوار کو دکانیں بند کرتے ہیں لیکن کھانے پینے اور تمباکو وغیرہ کی دکانیں کھلی رہتی ہیں - مگر لنڈن کے لوگ ڈاک تک کی تقسیم بند کر دینے میں ساری دنیا میں بے نظیر ہیں - ۱۸۹۹ء میں بعض چلتے پرزے اخبارات کے مالکوں نے امریکہ کی طرح لنڈن میں بھی اتوار کو اخبار نکالنا چاہا - لیکن پادریوں کی مخالفت سے انہیں کامیابی نہ ہوئی - انگریز لوگ خیالات میں زیادہ کنزرویٹو (قدیم باتوں کو پسند کرنے والے) ہیں اس لئے پادریوں کے کہنے سے ایسی رسمیں چلی چلتی ہیں -

لنڈن کے اخبارات لنڈن کے اخبارات کا مجھ سے کچھ حال نہ پوچھو - ایک شاعر اپنے معشوق کی نسبت لکھتا ہے - ؎

گر کسے وصف او زمن پرسد   بیدل از بے نشاں چہ گوید باز

گو میرا معشوق تو بے نشاں نہیں۔ لیکن اس کے متعلق میں ضرور بے دل ہوں۔
لنڈن میں سب سے زیادہ دلچسپ چیزیں میرے لئے اخبارات تھے یہاں اخبار فروش کی دکانوں پر ہر قسم کے اخبارات بکتے ہیں۔ دکان کے ہر طرف دیواروں پر اخباروں اور خوبصورت رسالوں کے سرورق سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ایک اخبار خریدنے کا ارادہ ہو تو ایسا دلچسپ مجموعہ دیکھکر دو چار خریدنے کو دل للچا آتا ہے۔ ان لوگوں کو نیوز ایجنٹ کہتے ہیں یہ خود بڑے بڑے نیوز ایجنٹوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں کہ جنکے پاس براہ راست اخباروں اور رسالوں کے دفتروں سے صدہا بلکہ ہزارہا اور کئی لاکھ پرچے ایک ایک اخبار کے آتے ہیں۔ اور وہ اپنے یہاں سے چھوٹے ایجنٹوں کے پاس تقسیم کرتے ہیں یا ڈاک میں مختلف ممالک کو روانہ کرتے ہیں کیا انگلستان اور کیا یورپ کے دیگر ممالک میں اخبارات براہ راست بذریعہ ڈاک خریداروں کے نام بہت کم جاتے ہیں زیادہ تر پرچے اسی طرح ایجنٹوں اور نیوز بائز دھر کر اخبار بیچنے والے لونڈوں) کے ذریعہ سے انہیں اپنے شہروں یا دوسرے شہروں میں نقد قیمت پر بکتے ہیں۔ اخبار چھپنے کے وقت اخباروں کے دفتروں سے گاڑیاں لاد کر لوکل یا مضافات کے نیوز ایجنٹوں کے پاس اخبار رہے جاتے ہیں۔ شہروں سے باہر دیگر مقامات اخبار بھیجنے کے لئے لنڈن سے صبح اور شام کو خاص ریلوے ٹرینیں چلتی ہیں۔ جن کا نام اخباروں کی ٹرین ہوتا ہے۔ ہر سٹیشن پر ایجنٹ یا ان کے ملازم حاضر ہوتے ہیں۔ ہر اخبار یا رسالہ کے جتنے جتنے پرچوں کا انھوں نے آرڈر بھیجا ہوا تھا۔ اتنے پرچوں کا بنڈل وہ ٹرین پھینکتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اور یہ ایجنٹ اپنے شہر اور نواح کے دیہات میں پرچے فروخت کر دیتے ہیں۔ جب تک ہندوستان میں بھی اخبارات کے بیچنے کا یہی سلسلہ قائم نہ ہوگا اخبارات کی اشاعتیں بہت زیادہ نہ ہو سکیں گی۔ اس میں علاوہ اس بات کے کہ اخبار لوگوں کے دروازہ تک پہنچ جاتا ہے اور ہر شخص کو اس کے خریدنے کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ اخبار کے کارخانہ کے لئے ایک یہ بڑی سہولت ہے کہ اس کے پاس ہر روز کی بکری پہنچ جاتی ہے۔ اور ہندوستان کے خراب طریقہ کی طرح کئی کئی سال کی قیمتیں گاہکوں کے پاس نہیں رہ جاتیں۔ لنڈن میں اخبار

بیچنے کے لئے نیوز بائز بھی ایک بڑا انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اخبار شائع ہونے کے وقت یہ چند سے اخبارات لے کر ہر طرف بھاگتے پھرتے ہیں جتنی کسی اخبار کے دن میں تازہ ایڈیشن نکلتے ہیں اتنی ہی دفعہ اسے لونڈے بیچتے پھرتے ہیں۔ اور منہ سے اخبار کا نام یا اس روز کا کوئی بڑا واقعہ جس کی نسبت اس اخبار میں تازہ خبر درج ہوئی ہوتی ہے چلاتے پھرتے ہیں۔ تمام روزآنہ اخبارات ہر پرچے کے تازہ خبروں اور ضروری مضامین کا خلاصہ بھی جلی حروف میں ایک بڑے پوسٹر پر چھاپتے ہیں۔ بعض نیوز بائز کسی چوک کے کونے یا دکان کے سامنے ایسے بہت سے پرچوں کو بچھا کر مختلف اخبارات رکھکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر نیوز بائز نہ ہوں تو لنڈن کے اخبارات آدھے بھی نہ بک سکیں۔ کچھ عرصہ سے لنڈن میں نصف پینی کے اخبارات نکلے ہیں۔ جن میں ڈیلی میل اور ڈیلی اکپرس قابل ذکر ہیں۔ گو ہیرلڈ اور مارننگ بھی کم دلکش نہیں۔ سن اور سٹار اور ایوننگ نیوز اور ایکو بھی نصف پینی کے روزآنہ ہیں۔ لیکن پہلے چار پرچوں سے حجم میں بہت کم ہیں۔ پہلے دو پرچوں یعنی ڈیلی اکپرس اور ڈیلی میل نے تو نصف پینی کے اخبار نویسی میں کمال کر دیا ہے۔ ان میں پڑھنے مصالحہ اور تار برقیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً ڈیلی میل میں اور قیمت صرف نصف پینی۔ شاید نصف سن کر میرے ہم وطن ہنس گے۔ کیونکہ نصف پینی بھی تو نصف آنہ ہے۔ بحالیکہ ہندوستان میں پیسہ اخبار بھی چلتا ہے جس کی ارزانی پر لنڈن اور برلن کے بعض اڈیٹروں نے بھی تعجب کیا ہے۔ لیکن یورپ اور خصوصاً لنڈن میں نصف پینی بہت بے حقیقت چیز ہے۔ یہاں دولت اتنی زیادہ ہے کہ پینی جو ہندوستان کا ایک آنہ ہے۔ یہاں تھوک کے برابر بھی عزت نہیں رکھتی ہم ہندوستان میں ایک پیسہ ایسا بے محابا خرچ نہیں کر سکتے۔ جس طرح لنڈن میں ۶ پینی یا ۱۲ پینی کا سکہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بہر حال لنڈن کے اخبارات کے عجائبات نے مجھے وہاں بہت خوش وقت رکھا۔ میں دن میں دس دس بارہ بارہ اخبارات خریدتا تھا۔ جن کو پڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔

لیکن ان کی شکل و صورت دیکھنے کے لئے لے لیتا تھا۔ یہاں کا ہر شخص اخبار
پڑھتا ہے۔ قلی اور سائیس اور کوچوان اور خدمت گار ہر زن و مرد لفعف
پینی کا اخبار لے کر پڑھ لیتا ہے۔ ایک روز میں لنڈن کے ایک نواح کو جا
رہا تھا۔ ٹریموے کے کنڈکٹر نے ایک جگہ گاڑی کھڑی کی۔ اور دوڑ کر اخبار
فروش کی دکان میں جا کر لائڈس ویکلی کا ایک پرچہ پینی کو خرید لایا۔ اور
پھر گاڑی چلنے لگی۔ جیسے کھانے کی بھوک محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ہی ان
لوگوں کو اخبار کی اشتہا معلوم ہوتی ہے۔ ان کے ہوٹلوں اور رسٹارنٹوں
میں بھی ہر قسم کے اخبار موجود ہوتے ہیں۔ جو لوگ یہاں کھانا کھانے یا چار
پینے آتے ہیں وہ ساتھ ساتھ اخبار بھی پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن اس بارہ میں پیرس
برلن اور ویانا کے رسٹارنٹ لنڈن سے آگے نکلے ہوئے پائے ہیں۔ جہاں
نہ صرف جرمنی بلکہ فرنچ و دیگر دوسری زبانوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ اخبارات
موجود ہوتے ہیں۔ اور جس قوم کا آدمی آئے اپنی زبان کا اخبار چاہے
پڑھ لے۔ لنڈن میں سستے اخبارات کی فروخت کے مقابلہ میں مہنگے اخبارات
بہت کم بکتے ہیں۔ یہانتک کہ لنڈن ٹائمز روزانہ جس کی قیمت ۳ پنیس ہے
میں نے کہیں دکان پر یا لونڈوں کے ہاتھ میں بکتا نہیں دیکھا۔ البتہ پال مال گزٹ
سینٹ جیمس گزٹ ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی نیوز۔ سٹینڈرڈ گلوب وغیرہ ایک پنی کے
پرچے بہت بکتے ہیں۔ تاہم اتنے نہیں بکتے جتنے کہ لفعف پینی کے بکتے ہیں۔ ڈیلی
ٹیلیگراف میں گو اشتہارات بہت ہوتے ہیں۔ تاہم یہ پینی کا سب سے بڑا
پرچہ لنڈن کا ہے اور اس کا دعوی ہے کہ ہر ایک دوسری صبح کے چھپنے والے
اخبارات سے دنیا بھر میں اس کی اشاعت ۵ لاکھ کاپی زیادہ ہے اور
اس مطلب کے بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہارات لنڈن میں چسپاں ہیں
لیکن ڈیلی ڈیلی نیوز کا دعوی ہے کہ وہ سب سے زیادہ چھپنے والا اخبار ہے
جہاں تک میرا خیال ہے اب لنڈن کے لفعف پینی کے اخبارات میں ڈیلی میل

سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ اور اس کے ایک ہی وقت میں تین یکساں ایڈیشن لنڈن برمنگھم اور پیرس میں شائع ہوتے ہیں کیونکہ بذریعہ تار برقی تمام مضامین اور خبریں لنڈن سے دوسرے دو مقامات کو بھیجکر یکساں اخبار تیار کیا جاتا ہے جو انٹرپرائز کی انتہا ہے اور ہفتہ وار پینی کے اخبارات میں لائڈس ویکلی سب سے آگے ہے گو "رینالڈس ویکلی" اور "ڈیلی پینی" بھی اس کے قریب قریب پہنچے جاتے ہیں۔ ڈیلی اکسپرس جو ۱۹۰۰ء کے شروع ہی میں نکلا تھا اس کے پہلے پرچہ میں قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا ایک پیغام اہل انگلستان کے نام بذریعہ تار برقی چھپا تھا۔ اس کے اولوالعزم مالک نے صرف اس ایک تدبیر کے ذریعہ سے اپنے اخبار کو اس قدر مشہور کر لیا کہ تمام دنیا کے اخبارات میں اس روز یہ کیفیت چھپ گئی کہ ڈیلی اکسپرس میں جو آج ہی جاری ہوا ہے۔ قیصر ولیم نے یہ محبت آمیز پیغام اہل انگلستان کو بھیجا ہے اور ڈیلی اکسپرس کا پہلا پرچہ دس لاکھ چھپ گیا ہے۔ کاش میں نیویارک میں جا کر وہاں کے اخبارات بھی دیکھ سکتا کیونکہ وہ لنڈن سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ لیکن قطع نظر امریکہ کے یورپ میں سب سے آگے انگلستان کے اخبارات ہیں۔ لنڈن کے علاوہ مانچسٹر وغیرہ مفصلات کے مقامات کے روزآنہ اخبارات کا مقابلہ دوسرے ممالک کے اخبارات نہیں کر سکتے۔ یہ تو روزآنہ اخبارات کی حالت ہے۔ رسالجات میں فرانس کے رسالے انگلستان سے کم نہیں۔ گو روزآنہ اخبارات میں سب سے چھپنے والا اب تک پیرس کا اخبار "جرنل لاپاٹی" سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پیرس ایک بات میں لنڈن سے بہت آگے ہے۔ یعنی یہاں قریب ڈیڑھ دو درجن کے ایسے ہفتہ وار اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں رنگین تصاویر ہوتی ہیں۔ جیسے کہ جرنل لاپاٹی کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ۔ ڈالا۔ پیرزیش کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ "لا غینٹال" اور "لاریز" وغیرہ اور پھر یہ اکثر پانچ سنٹیم یعنی نصف پینی کے پرچے ہیں۔ جو بہت ہی ارزاں ہیں۔

لنڈن کی علمی زندگی میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ سب سے پہلے روز حسن اتفاق سے میرا گذر جس بازار میں ہوا وہ فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ تھا جو لنڈن کے اخبارات کا معدن اور کتاب فروشی کا مرکز ہے جس کے ہر دریچہ پر کسی نہ کسی اخبار یا رسالہ کا نام موٹے حروف میں لکھا ہوا آویزاں ہے اور جس کے ہر دروازہ سے کسی سہ پہر کو ڈھیروں کے ڈھیر تازہ چھپے ہوئے اخبارات کے دنیا بھر میں تقسیم ہونیکیلئے بسرعت تمام نکل رہے ہیں جلی حروف کے پوسٹروں میں حیرت انگیز خبریں درج ہیں اور اخبار بیچنے والے لونڈے سرپٹ دوڑتے ہوئے اخباروں کا گٹھا کندھے پر ڈالے کوئی ضروری خبر چلاتے جاتے ہیں انگلستان کے مشہور لغات نویس ڈاکٹر جانسن نے اسی کے قریب ٹمپل بار کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھے ہوئے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں اس سے دس میل کے دائرہ کے اندر باقی تمام مملکت سے زیادہ علم و فن موجود ہے اور واقعی ڈاکٹر جانسن نے درست کہا تھا۔ لنڈن کے تمام اخبارات اور رسالجات ہر وقت کوشاں رہتے ہیں کہ عمدہ سے عمدہ مضمون اور تازہ سے تازہ خبر حاصل کریں اور وہ اس کام کیلئے علمی خدمات کرنیوالوں کو معقول اجرتیں بھی دیتے ہیں۔ لنڈن کے ایک نصف پنی کے روزانہ اخبار نے ایک دفعہ پبلک کو اطلاع دی تھی کہ اس کے ہر روز کے پرچہ پر مالک کے اڑہائی سو پونڈ خرچ ہوتے ہیں اور اسمیں ذرا بھی تعجب نہیں ہے کہ علاوہ چھپائی اور کاغذ کے خرچ کے ایک بہت بڑی رقم مضمون نگاروں اور خبریں بھیجنے والوں کو دی جاتی ہیں جو لوگ ہندوستان کے روزانہ انگریزی اخبارات میں ایک دو کالم کی خبریں دیکھنے کے عادی ہیں انہیں کیا معلوم ہے کہ لنڈن کے روزانہ اخبارات میں انسے دس دس گنا زیادہ تار کی خبریں درج ہوتی ہیں جن کا بڑا حصہ انہیں اخبارات کے خاص نامہ نگار دنیا کے ہر حصہ سے بھیجتے ہیں۔

مضمون نگاروں کا معاوضہ جو اجرتیں مضمون نگاری کی لنڈن کے اخبارات اور رسالے دیتے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہوتیں ڈیلی میل ڈیلی ایکسپرس اور دوسرے نصف پنس کی قیمت کے صبح کو چھپنے والے اخبارات ڈیڑھ گنی (قریباً چوبیس روپے) فی کالم کے لئے مضمون کا معاوضہ دیتے ہیں ڈیلی نیوز اور دوسرے ایک پنی قیمت کے اخبارات دو گنی فی کالم۔ مگر لنڈن ٹائمز جس کی قیمت فی پرچہ تین پنس ہے ایک آرٹیکل کے عوض میں دس گنی کا چک بھیجتا ہے ایوننگ سٹینڈرڈ دو گنی۔ ویسٹ منسٹر گزٹ ڈیڑھ گنی فی کالم اور پال مال گزٹ دو گنی بالاوسط چھوٹے چھوٹے پیرگرافوں کی اجرت بحساب ایک پنس۔ سوا پنس یا ڈیڑھ پنس فی سطر دیجاتی ہے۔ ہفتہ وار اخبار ورلڈ البتہ چھ پنس

فی سطر دیتا ہے۔ اور اسی قدر ٹروتھ بھی دیتا ہے۔ مگر ماہوار رسالوں میں مثل سٹرینڈ پیرسنز جنٹلمین اور پالمال میگزین کے بڑی معقول اجرتیں ملتی ہیں۔ جس کا اندازہ کسی آرٹیکل کی خوبی اور مقدار سے کیا جاتا ہے۔ سٹرینڈ ایک چھوٹی کہانی کے لیئے دس گنی تک دیدیتا ہے۔ نائینٹینتھ سنچری اور فورٹ نائٹلی ریویو بھی اسی نرخ سے دیتے ہیں۔ ٹمپل بار ایک چھوٹے سے مضمون کے لیئے پانچ پونڈ نذر کرتا ہے۔ رائل میگزین جو چار پنس فی پرچہ ہے۔ اور ہارمسس ورتھ بھی اسی قیمت کا ہے۔ دو گنی فی صفحہ کے حساب سے اجرت دیتے ہیں۔ ٹٹ بٹس اور اینسرز۔ جو دو بہت بڑی اشاعت والے ہفتہ وار پرچے ہیں۔ ہر ہزار لفظوں کے کالم کا معاوضہ ایک گنی دیتے ہیں۔ گرافک السٹریٹیڈ لنڈن نیوز اور دوسرے اسی قسم کے اعلےٰ درجے کے باتصویر اخبار اس سے زیادہ اجرت دیتے ہیں۔ کوئین ایک گنی فی کالم اور لیڈیز پکٹوریل نصف گنی۔ سپکٹیٹر یا سیٹرڈے ریویو میں جو مضمون قبول کیا جائے اس کا معاوضہ پانچ پونڈ ملتا ہے۔ اور جو خوش نصیب لوگ ان اخباروں اور رسالوں کے منظور شدہ نامہ نگار ہیں۔ انہیں روپے پیسہ کی پرواہ نہیں رہتی۔ بڑے بڑے مشہور لوگوں سے یہ اخبار اور رسالے التجائیں کر کے مضمون لکھواتے ہیں۔ مثلاً مسٹر رڈیارڈ کپلنگ یا کینن ڈائل وغیرہ ہم سے مسٹر کپلنگ کو بعض اوقات اجرت دیجاتی ہے۔ کہ اسے ایک ایک لفظ کا ایک ایک شلنگ پھیل جاتا ہے۔ گو اسی انگلستان میں ایک زمانہ تھا کہ ملٹن جیسے مصنف کو اس کی کتاب پیرڈائیز لاسٹ (رضوان باختہ) کی قیمت پانچ پونڈ پیشگی گئی تھی۔ کہ جس پر اس نے اپنی کتاب جلادی تھی۔ تاہم غیر مشہور یا غیر متبدی اہل قلم کو اپنے مضامین مشہور پرچوں میں درج کرانے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور وہ انہیں بار بار مختلف ایڈیٹروں کے پاس بغرض منظوری بھیجتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک نوجوان مضمون نگار نے اپنی مضمون نگاری کی زندگی کے پہلے سال کے تجربات کو اخبار "ویکلی سن" میں اس طرح بیان کیا ہے اپنی فہرست کے حوالہ سے میں تبلا سکتا ہوں کہ میں نے کل (۱۳۱۲) آرٹیکل لکھے تھے۔ کہ جن میں سے (۳۰۸) منظور ہوئے (اور ۵۱) مسترد کر دیئے گئے منظور شدہ ۵ میں سے (۲۴۴) تو پہلی دفعہ جہاں بھیجے تھے، وہاں رکھ لیئے گئے (۱۸) دوسری دفعہ اور (۱) ساتویں دفعہ

بھیجنے پر منظور ہوا۔ اس سے یہ تو ظاہر ہے۔ کہ میری ہٹ دھرمی کو اس جنٹلمین سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ کہ جس نے حال ہی میں اخبار آتھر (مصنف) میں اپنے تجربات میں بیان کیا ہے کہ اس کا ایک مضمون پچاسویں دفعہ بھیجنے پر منظور کیا گیا۔ بعض غریب عورتوں اور مردوں کو جنہیں سوائے علمی پیشہ قبول کرنے کے اور کوئی راستہ روٹی کمانے کا نظر نہیں آتا۔ خدا جانے اپنے مضامین کو ایڈیٹروں کی نظروں میں قبول کرانے کے لیئے کیا کیا تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں۔

کتابوں کے مصنف

مگر یہ لوگ صرف اخباروں ہی کے لیئے مضمون لکھنے میں ہی مصروف نہیں رہتے۔ بلکہ کتابیں لکھنے میں بھی جابجا ایک بڑی جماعت مشغول رہتی ہے۔ ایک بڑی ڈکشنری انسائیکلو پیڈیا کے مرتب کرنے کے لیئے جو سٹاف ایڈیٹروں کا مامور کیا جاتا ہے۔ اس میں ہزار ہزار اور اس سے بھی زیادہ اہل قلم جمع کیئے جاتے ہیں۔ اور چھوٹی موٹی کتابوں پر اور بے شمار لوگ مصروف رہتے ہیں۔ ہر پبلشر کے پاس ایک یا زیادہ مبصر صرف اس کام کے لیئے ملازم ہوتے ہیں۔ کہ وہ دیکھیں اور پرکھیں۔ کہ فلان کتاب کا مسودہ جو ان کے پاس بھیجا گیا ہے۔ وہ اس قابلیت کا ہے اس کے غور کرنے کے بعد یہ مبصر ہر مسودہ کے متعلق ایک رپورٹ لکھتے ہیں۔ اور مالک اس سے اندازہ لگاتا ہے۔ کہ وہ اس مسودہ کے متعلق کس قدر رقم دے سکتا ہے۔ انگلستان میں کتابیں چھاپنا یا صحافی ایک بہت بڑا دولتمندی کا کام ہے۔ بعض بڑے پبلشر مثل مری کیملنز۔ رٹلیج۔ چیٹو اینڈ ونڈس۔ لونگمین اینڈ گریں۔ سمتھ اینڈ ایلڈر۔ چیمبرز برادرن و نائیٹ دولت اور ناموری کما چکے ہیں۔ لیکن یہ سب گران قیمت پر کتابیں۔ اخبار اور رسالے فروخت کرتے ہیں۔ مگر اب سستے لٹریچر کا دور دورہ ہے۔

سستا اور دلچسپ لٹریچر

گو مسٹر نائیٹ اور مسٹر کیسل انگلستان کے دو مشہور پبلشر اپنے اپنے وقتوں میں کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لٹریچر کو ارزاں کرنے میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن زمانہ حال میں ایک شخص مسٹر (حال سر) جارج نیولنس کی قسمت میں یہ لکھا تھا۔ کہ انگلستان بلکہ انگریزی زبان کے لٹریچر پر ارزانی

کے ڈھیر لگائے۔ جارج نیونس نے مانچسٹر میں ایک چھوٹا سا ہفتہ وار رسالہ بنام ٹٹ بٹس نکالا اور تھوڑے ہی دنوں میں اس میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ اسے لنڈن کی سرزمین میں لاکر بونا پڑا۔ اور جیسا کہ اس کے بعد ساری دنیا نے دیکھا ہے۔ اس نرالے پودے کو یہ زمین نہائت موافق آئی گو اس سے پہلے انگریزی زبان میں ہر قسم کے اخبار و رسالے نکلتے تھے۔ بلکہ میسلینیز (متفرقات) "کلیننگس" (انتخاب) ہاف آورس ود دی بسٹ آتھرس بہترین مصنفین کے ساتھ آدھ گھنٹے) وغیرہ متفرق مضامین کے انتخاب بھی چھپتے رہے۔ لیکن ایسے دلچسپ پیرایہ میں معلومات و دلچسپی کے مضامین کسی نے جمع نہ کئے تھے جیسے کہ جارج نیونس نے اپنے نئے رسالے میں کئے۔ اس رسالہ کو اس قدر ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ اس کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور غالباً آجکل چودہ پندرہ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اور اس سے اس کے بانی کا حوصلہ اس قدر بڑھا اور اس کے بعد اس قدر دولت بھی ہو گئی کہ اس نے سٹرینڈ میگزین ماہوار سنڈے سٹرینڈ ماہوار۔ ویسٹ منسٹر گزٹ روزانہ کنٹری لائف ہفتہ وار۔ لیڈیز فیلڈ ہفتہ وار۔ گرینڈ میگزین ماہوار۔ اور اور کئی اخبار اور رسالے جاری کر دئے۔ اور کتابیں بھی چھاپیں۔ اور اب نہائت عزت اور حرمت سے جو دولت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ زندگی بسر کرتا ہے۔ گورنمنٹ نے اسے بصلہ خدمات لٹریچر بیرونٹسی کا درجہ عطا کیا ہے۔ اور ممبر پارلیمنٹ بھی ہے۔ سر جارج نیونس کے ٹٹ بٹس کے تقلید میں ہارمسورتھ برادران نے آنسرز کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ جاری کیا یہ دونوں بھائی جوان عمر تھے۔ اور ان میں سے بڑا السٹریٹڈ لنڈن نیوز کے دفتر میں کچھ کام پریس کا سیکھ چکا تھا۔ اسے بھی اپنے رسالہ میں قابل حیرت کامیابی ہوئی اس رسالہ کی اشاعت بھی اب ٹٹ بٹس کے قریب قریب ہے۔ اس کامیابی نے انہیں ترغیب دی کہ اپنے پیر و مرشد کی تقلید پر یہ بھی کئی اخبار نکالیں۔ چنانچہ انہوں نے ایوننگ نیوز روزانہ خرید لیا۔ ڈیلی میل جاری کیا۔ ہارمسورتھس میگزین ماہوار۔ پینی پکٹوریل میگزین ہفتہ وار۔ اور کئی رسالے جاری کر دیئے۔

اسی زمانہ میں ایک اور نوجوان پادری کے بیٹے مسٹر پیرسن نے ٹٹ بٹس کی نائب ایڈیٹری شروع کی اور بتدریج ترقی کر کے اس پرچہ کا مینیجر ہو گیا۔ اور پھر اپنا اخبار پیرسنس ویکلی بالکل انہیں اصولوں پر جاری کر لیا۔ کہ جس پر ٹٹ بٹس اور انیسرز پہلے چل رہے تھے۔ اور انگلستان کے پبلک کو کچھ ایسا شوق پڑھنے کا ہے۔ اور انگریزی زبان انگلستان کے سوائے امریکہ کینیڈا آسٹریلیا اور دیگر کئی مقامات میں اسقدر آدمی بولتے اور جانتے ہیں۔ کہ ہر اچھے انگریزی اخبار کی خریداری جھٹ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ مسٹر پیرسن کے رسالہ کی خریداری بھی کئی لاکھ تک پہنچ گئی اور اس نے بھی اپنے ہم سبق لوگوں کی طرح ڈیلی ایکسپرس (روزانہ) پیرسن میگزین (ماہوار) ہوم نوٹس (ہفتہ وار) ایم۔اے۔پی (ہفتہ وار) اور رائل ماہوار اور بھی کئی اخبار اور رسالے جاری کئے۔ اور ان دونوں شخصوں کو بھی گورنمنٹ نے بہت بڑے بڑے خطاب عطا کئے۔ ان تینوں اولوالعزم پبلشروں کے اخباروں اور رسالوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف ان کے پرچے ارزاں ہیں بلکہ ان میں ایک زندہ روح نظر آتی ہے۔ اور مجھے ہمیشہ انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ کہ اب اس سے زیادہ عمدہ اور اس سے نئی بات کوئی کیا نکالے گا مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی بات ان لوگوں کو سوجھتی ہی رہتی ہے۔ میں نے آٹھ نو سال گزرے ٹٹ بٹس انیسرز اور پیرسن ویکلی کے اصول پر خالص دلچسپ اور پُر مذاق لٹریچر کا ایک ہفتہ وار رسالہ "انتخاب لاجواب" اردو میں جاری کیا ہے مگر اس کی اشاعت بمقابلہ یورپ کے رسالوں کے ہرگز اس قابل نہیں ہے۔ کہ ذکر بھی کیا جائے۔ گو بمقابلہ اردو زبان کے اخباروں کے فی الجملہ اچھی ہے۔ میں نے ہندوستان کے دیسی زبانوں خصوصاً اردو زبان کے اخباروں کی توسیع اشاعت کے متعلق اکثر غور کیا ہے۔ تو ہمیشہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ تعلیم کی وقت اور دولت کی قلت دو بڑے اسباب ہیں۔ جن کی وجہ سے نہ اچھے اخبار ابھی ہمارے ملک میں تیار ہوتے ہیں۔ اور نہ پبلک ان کی زیادہ قدر کر سکتی ہے۔ میں نے پیسہ اخبار

کو اسی لحاظ سے بہت کم قیمت رکھا اور ہمیشہ اسے اچھا بنانے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی اشاعت اس حد تک پہنچ گئی کہ کبھی کسی اردو اخبار کی اس سے پہلے نہیں پہونچی تھی۔ اور نہ آج تک پہونچی ہے۔

اشتہارات

اخباروں اور اشتہاروں کا مضمون چولی دامن کا ساتھ ہے کہ اب اس کے متعلق بھی کچھ لکھنا ضروری ہے۔ جب کوئی اجنبی کسی شہر لنڈن کے کسی سٹیشن پر جا کر اترتا ہے۔ تو سب سے پہلے جو چیز اُسے اسٹیشن کے تمام در و دیوار پر نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ مختلف کارخانوں کے اشتہاروں کے تختے ہوتے ہیں۔ جس اخبار یا گائیڈ بک کو خریدو اس میں اشتہار ہیں۔ سٹیشن سے باہر نکل کر جس آمنی بس یا ٹریم گاڑی کو دیکھو وہ اشتہاروں سے منڈھی ہوئی ہے۔ سڑکوں کے دونوں طرف کس بے شمار پوسٹر اور اشتہار لگے ہوئے ہیں۔ مکانوں کی دیواروں اور پلوں پر ہر قسم کے بڑے سے بڑے حروف میں اشتہار لگے ہوئے ہیں۔ ایک خاص صابن کے اشتہار کے حروف میںنے قد آدم سے بھی بڑے دیکھے۔ لنڈن کے اخبار ییل ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی میل وغیرہ کے اشتہار بھی شہر میں مختلف مقامات پر دیکھے۔ ایک جگہ ریلوے لائن کے کنارہ پر اخبار ٹِٹ بٹس کے نام قد آدم کے برابر حروف پیتل کے رنگ کے الگ رہے تھے۔ جو شخص ایسے نرالے اشتہاروں کو ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے۔ پھر کبھی بھول نہیں سکتا۔ آکسفورڈ سٹریٹ میں ایک لکڑی کا بنا ہوا ہاتھ جو پانچ گز کے قریب لمبا ہوگا دیکھا۔ یوں تو ہر دوکان کا سائن بورڈ نئی سے نئی اور نرالے طرز کا ہوتا ہے۔ غرض جدت پسند طبائع اپنی ایجاد و اختراع سے ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح متوجہ کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لنڈن میں تو سب سے زیادہ اشتہار "میرس سوپ" (پیر صاحب کے صابن) کا نظر آتا ہے۔ بیچم پلز اور کوکو وغیرہ کے اشتہار سب اس کے بعد ہیں۔ ایک کارخانہ کیو کمبر (کھیرے) اور گلیسرین کا صابن بیچتا تھا اس کے اشتہار کے لئے ایک گاڑی مشہور بازاروں میں گشت لگاتی پھرتی ہے۔ جس پر

قد آدم سے ایک بڑی مصنوعی کھیرے کی شکل رکھی ہوئی تھی بہت سے سینڈوچ والے آدمی بھی اشتہاروں کے تختے اپنی پیٹھ کے آگے پیچھے لٹکائے پھرتے نظر آتے تھے۔ علاوہ صابن اور کوکو اور گولیوں کے اشتہاروں کے سگرٹوں کے اشتہارات بھی بہت چھپتے ہیں۔

اشتہار کے متعلق ایک عجیب غریب تجربہ

جن دنوں میں لنڈن میں تھا۔ اسی زمانہ میں ہندوستان سے کچھ فوج چین کو بھی بھیجی گئی تھی۔ مؤثر اشتہار دینے کے ضمن میں یہ بھی ایک قابل لحاظ امر ہے۔ کہ زمانہ کی رُخ کو دیکھ کر اور ہر موقع کے مناسب اشتہار دیا جائے۔ ایک روز ایک سگرٹ والے کارخانہ کا ایک نیا باتصویر اشتہار کئی اخباروں میں میری نظر سے گزرا جس میں ایک گورکھے اور ایک سکھ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اور دونوں کے منہ میں سگرٹ تھے۔ جو ایک دوسرے کے سگرٹ سے سلگا رہے تھے۔ جیسا کہ یورپ کے اکثر شہروں میں دستور ہے۔ یوں تو دو شخص جب تک انہیں کوئی انٹروڈیوس نہ کرائے ایک دوسرے سے بات کرنا خلاف تہذیب سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ایک شخص کے منہ میں سلگا ہوا سگرٹ ہو اور دوسرا اپنا سگرٹ سلگانا چاہے اور اگر اس کے پاس دیا سلائی نہ ہو۔ تو وہ بے تکلف دوسرے شخص کو جو اس سے بالکل اجنبی ہو کہے گا۔ کہ مجھے سگرٹ سلگا لینے دو۔ اور پھر دونوں منہ ایک دوسرے کے قریب کر کے اس سگرٹ کو سلگا لینگے۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس طرح اس تصویر میں ایک سکھ اور ایک گورکھا سگرٹ سلگا رہے تھے۔ اور ان کے نیچے انگریزی زبان میں ایک شعر لکھا ہوا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ سکھ اور گورکھا دونوں لڑنے والے سوائے اس قسم کے تمباکو کے گزارہ نہیں کر سکتے۔ میں نے اس سگرٹ والے کارخانہ کو خط لکھا۔ کہ تمہارے اشتہار کی تصویر اور مطلب ہی سرے سے غلط ہیں۔ سکھ کبھی تمباکو کو چھوتے تک نہیں۔ میں ہندوستانی ہوں۔ اور میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسپر انہوں نے مجھے جواب دیا کہ بیشک تم ہندوستانی ہو۔ لیکن تمہاری بات کس طرح مانیں یہاں ایک انگریز ہے۔ جو ہندوستان میں کئی سال رہ آیا ہے۔ اور وہ ہمیں یقین دلاتا ہے۔

کہ سکھ برابر تنہا کو پیتے ہیں۔ مجھے اس پر وہ قصہ یاد آگیا۔ کہ جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎

تم تو سچ کہتے ہو میرے بھائی گھر سے آیا ہے معتبر نائی

لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا۔ کہ آئیندہ یہ اشتہار نہیں چھپے گا۔ اس لئے میں اس کارخانہ کا نام ظاہر کرنا بے سود دیکھتا ہوں۔

اشتہار تیار کرنا ایک بڑا بھاری پیشہ ہو گیا ہے

غرض اشتہارات کو دلکش اور دلچسپ کرنے کے لیے سجید دانش اور فرزانگی خرچ کیجاتی ہے۔ اشتہار لکھنا اور ان کو دلکش بنانا ایک پیشہ ہو گیا ہے۔ اور جو لوگ عمدہ اشتہار لکھتے ہیں معقول تنخواہیں پاتے ہیں۔ لنڈن میں کئی ایسے کارخانے ہیں جنکا یہی کام ہے کہ بڑے بڑے اشتہار دینے والے انہیں اپنے سال بھر کے اشتہاروں کے کام سپرد کر دیتے ہیں۔ کہ ہم اتنا روپیہ امسال اشتہار پر صرف کرینگے۔ اب ان کارخانوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس روپیہ سے عمدہ سے عمدہ نتیجہ پیدا کریں۔ دلکش سے دلکش اشتہار بنا کر اچھے سے اچھے اخباروں میں چھپوائیں یا اشتہار دیگر وسایل سے تقسیم کریں۔ اس کام کی انہیں معقول اجرت ملتی ہے۔ اور جو کارخانے سب سے اچھا کام کرتے ہیں سب گاہک انہیں کی طرف امنڈ آتے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے۔ کہ جو لوگ کسی کام کے اسپیشلسٹ ہوتے ہیں۔ وہ اس کام کو دوسروں سے اچھا کر سکتے ہیں انگلستان میں نصف پینی کے اخباروں کا تو قریب قریب حصر ہی اشتہاروں پر ہوتا ہے ان میں اس قدر کم منافع رہ گیا ہے۔ کہ شاید بمشکل اخبار کے فروخت سے سب خرچ نکل سکتا ہو۔ اگرچہ کارخانہ کو کچھ نفع ہوتا ہوگا۔ تو صرف اشتہاروں کی مدد سے۔ بعض دفعہ بعض ماہوار رسالوں نے خاص خاص نمبروں میں صرف نمود اور ناموری کے خیال سے اسقدر زیادہ اشتہار لیکر چھاپے ہیں۔ کہ انہیں محصول بہت زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ کہ جس پر اشتہارات کا تمام منافع خرچ کرنے کے علاوہ کچھ گرہ سے بھی دینا پڑا۔ جس طرح برلن میں دیکھا تھا۔ لنڈن میں بھی بازاروں میں کئی جگہ برقی لیمپوں سے طرح طرح کے رنگدار حروف کے اشتہارات بنائے جاتے تھے۔ یعنی سادہ یا رنگین برقی لیمپوں کے جلنے سے

ایک اشتہار یا دکان کے نام کے حروف پڑھے جاتے ہیں۔ جو کرمک شب تاب کی طرح کبھی جلتے اور کبھی بجھتے ہیں۔ لنڈن اور پیرس میں برلن کی نسبت اس ترکیب کی بڑی کثرت تھی۔

مطالعہ کا شوق اہل انگلستان کے مطالعہ کا شوق اسی سے ظاہر ہے۔ کہ ایک کتاب کا لاکھ یا دو لاکھ نسخوں کا ایڈیشن ادھر چھپتا اُدھر ختم۔ لارڈ رابرٹ کی مشہور کتاب بابت تجربات ہندوستان شاید ایک سال کے عرصے میں پندرہ یا بیس مرتبہ چھپکر فروخت ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس کی قیمت بھی بیس پچیس روپیہ تھی۔ لنڈن میں سیٹرڈے ریویو لٹریچر۔ اور اکیڈیمی وغیرہ کئی اخبار اس مطلب کے نکلتے ہیں۔ جو ہر ہفتہ صرف نئی کتابوں پر ریویو اور نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ یا ریویو آف ریویوز کی طرح تمام ایسی کتابوں کی فہرست چھاپتے رہتے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے۔ کہ اہل انگلستان بلا کے پڑھنے والے ہیں۔ جو بیشمار کتابوں کو خریدتے ہیں۔ مگر چونکہ ہر شخص جتنی کتابیں پڑھنا چاہتا ہے۔ خرید نہیں سکتا۔ اس لیے سرکولیٹنگ (گشتی) لائبریریوں کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس قسم کی سب سے مشہور سرکولیٹنگ لائبریری سب سے بڑا کارخانہ ہے[1] یہاں سے دن بھر میں ہزارہا مرد اور عورتیں پڑھنے کو کتابیں لے جاتے ہیں۔ اور پڑھ کر واپس دے جاتے ہیں۔ اور مقررہ شرائط کے مطابق لائبریری کا چندہ ادا کرتے رہتے ہیں شہر لنڈن میں ہزار سے بارہ سو پارسل جن میں پانچ چھ ہزار کتابیں ہوتی ہیں۔ ہر روز موڈیز لائبریری تقسیم کرتی ہے۔ یہ لائبریری صرف لنڈن کے خواہشمندوں کو ہی کتابیں نہیں بہم پہنچاتی۔ بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں اس کے گاہک ہیں۔ یہانتک کہ روس ہندوستان مصر اسا۔ چین تک اس کی کتابوں کے پارسل جاتے ہیں۔ انگلستان کے مفصلات میں ہر ہفتہ نو سو پارسل بذریعہ ریل اور سوا سو پارسل بذریعہ ہرکاروں کے تقسیم کیے جاتے ہیں۔ جو بھی کوئی نئی کتاب پریس سے نکلتی ہے۔ اور ریویو کرنے والے اس کی کچھ بھی تعریف کر دیتے ہیں۔ تو موڈی صاحب کی لائبریری میں اس کی

[1] میرے آنے کے بعد اخبار لنڈن ٹائمز نے بھی ایک قسم کی لائبریری قایم کی ہے۔ م

سینکڑوں جلدیں خرید لی جاتی ہیں۔ خواہ تھوڑی دیر کے بعد وہ کیسی ہی نکمی نکل آئے۔ ایک دفعہ موڈی کی لائبریری میں ایک کتاب کی ۵۰۰ سو جلدیں ۲۲ شلنگ فی جلد کے حساب سے خرید لی گئیں۔ اور بعد میں وہ کتاب ایسی نکمی نکلی کہ ۶ پنس فی جلد بھی نہ بک سکتی تھی جب سب لوگ کتابیں پڑھ کر اس لائبریری میں واپس بھیجدیتے ہیں۔ اور وہ مستعمل ہو چکتی ہیں۔ تو موڈی والے انہیں بہت کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ یہ کارخانہ میرے ہوٹل سے بہت قریب میرے راستے میں تھا۔ اور میں اکثر دیکھتا تھا کہ کتنے لوگوں کو مطالعہ ادھر کھینچ لاتا تھا۔

دنیا کا سب سے بڑا کتب خانہ

اسی کے قریب ایک دوسری جگہ ہے۔ کہ جہاں مطالعہ کرنے والوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ اس سے میری مراد برٹش میوزیم کی لائبریری سے ہے اسمیں کچھ شک نہیں کہ دنیا بھر میں سب سے بڑا کتب خانہ ہے جب تم کبھی اس میں داخل ہونے کی کوشش کروگے تو کم وبیش چار سو مرد اور عورتیں اس کے ریڈنگ روم میں کتابوں میں مصروف پاؤگے۔ اس میں سے کوئی تو پرانی کتابیں اس لیئے پڑھتا ہے۔ کہ کوئی نئی کتاب لکھے۔ اور اخباروں اور رسالوں میں لکھنے کے لیئے مضمون تلاش کرتا ہے۔ اور کوئی اپنے شوق کی آگ کو علم کے پانی سے بجھا رہا ہے ان پڑھنے والوں میں دنیا کی ہر قوم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کہیں تو ایک نوجوان پولیٹشن کسی بھولی بسری تقریر سے فقرے نقل کر رہا ہے۔ کہیں نوجوان مصنف پرانے خیالات کو نیا لباس پہنانے کے لیئے تلاش کر رہا ہے۔ کہیں جفاکش مؤرخ مختلف بیانات کو میزان عقل میں تول رہا ہے۔ کہیں اخباری مضمون نگار بڑی عرقت سے کسی آرٹیکل کا مصالح جمع کر رہا ہے۔ کہیں بوڑھا پروفیسر اپنے فلسفی شکوک کو رفع کر رہا ہے۔ سائنس دان۔ ریاضی دان۔ شاعر۔ جرمن۔ امریکن اور ہندوستانی سب برابر برابر بیٹھے ہوئے اپنے علمی شوق کو پورا کر رہے ہیں۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ برٹش میوزیم کا کتب خانہ دنیا بھر میں بڑا کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ اور میں نے یہ بات بلا سوچے سمجھے نہیں کہی۔ اس وقت اس عظیم الشان کتب خانے میں بیس لاکھ کتابیں

جمع ہیں۔ اور ایک لاکھ نئی کتابیں بالاوسط ہر سال اور جمع ہو جاتی ہیں۔ جس سے برٹش میوزیم کے ٹرسٹیوں کو فکر لاحق ہو رہی ہے۔ کہ ان کے رکھنے کے لئے کہاں سے جگہ نکالیں اس وقت بھی اتنی الماریاں کتابوں کی موجود ہیں کہ انہیں برابر برابر رکھا جائے تو اتالیس میل لمبی قطار ان سے بنتی ہے۔ ایک ناخن کے برابر چھوٹی سی کتاب سے لیکر ایک لمبے سے لمبے آدمی کے قد کے برابر کتابیں یہاں موجود ہیں۔ دوسری طرف ایک آنہ قیمت کی کتاب سے لیکر چھ ہزار پونڈ یعنے نوّے ہزار روپیہ کی ایک مزارن بائبل ہے۔ اور کل کی چھپی ہوئی کتابوں سے لیکر حضرت مسیح سے کئی ہزار سال پہلے کی بنی ہوئی کتابیں بھی رکھی ہیں۔ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں عربی فارسی اور سنسکرت کے ہزارہا عدیم المثال قلمی کتابیں بھی جمع ہیں۔ ان کے مطالعہ کے لیے لنڈن کے کسی معزز شخص کی سفارشی چٹھی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ میں نے ایک " لوری مین " سے چٹھی حاصل کی تھی۔ منجملہ بہت سی دلچسپ کتابوں کے جو یہاں مینے دیکھیں بعض یہ تھیں۔ ایک نہائت عمدہ قلمی قرآن مجید۔ جو ابن الواحد نے بحکم رکن الدین العبدہ ملک المظفر بیکرے از ملوک سلاطین مصر ۱۳۰۴ء عیسوی میں لکھا تھا۔ جو اب چھ سو سال کا پرانا ہے۔ لیکن نہائت اچھی حالت میں ہے۔ بہت خوشخط اور مطلاو مذہب لکھا ہوا ہے۔ ہر بڑی تقطیع کے صفحے میں چھ سطریں ہیں۔ حروف کی حدود نہائت صاف باریک سیاہ خطوط سے بنا کر اندر زمین سنہری کر دی گئی ہے۔ جو بڑی صنعت کا کام ہے۔ ترکی کی ایک بڑی کتاب پاشا نامہ حالات اُن جنگ ہائے کنعان پاشا پر مشتمل ہے۔ جو سنہ ۱۶۲۷-۲۹ء میں اس نے عیسائیوں سے کی تھیں۔ اس میں ترکی جنگی بیڑے کی اس وقت کی تصویر بھی تھی۔ جبکہ اس نے بحیرہ خضر میں کا سکون پر بحری فتح حاصل کی تھی۔ مگر اب ترکوں کی یہ بحری فتوحات زمانہ گذشتہ کے فسانے ہو گئے ہیں۔ ایک حکایات حکیم بید پا (انوار سہیلی) کا ترکی ترجمہ سنہ ۱۵۳۰ء کا ہے۔ اور ہزاروں دوسری کتابیں تھیں کہ جن کی فہرست دو بڑی بڑی جلدوں میں ہے۔ جو باوجود خواہش کے بھی میں نہ خرید سکا۔ کیونکہ اس کی قیمت سو روپیہ کے قریب تھی۔

کتابونکی تجارت ہم نے دو چار طریقے کتابوں کے تجارت کے شہر لنڈن میں دیکھے۔ ان کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا پہلے تو کتاب کے چھپنے کے بعد اسے ریویو کرنے کیلئے مختلف اخباروں میں بھیجا جاتا ہے۔ وہاں پیشہ ور کرٹک (نکتہ چین) ان کتابوں کا ریویو کرتے ہیں۔ اگر ریویو اچھے ہو گئے۔ تو کتاب اتنی جلدی نکلتی ہے۔ کہ جتنی جلدی کسی نیستان میں آگ پھیلتی ہے۔ سرکولیٹنگ لائبریریاں بھی بہت سی کاپیاں خرید لیتی ہیں۔ لیکن جب کتاب کئی روز تک نہیں بکتی۔ تو پبلشر ایسی سب کتابوں کو ریمینڈر (بقیہ) کی مد میں برائے نام قیمت کو بیچ دیتا ہے۔ اور بعض کتب فروش انہیں خرید کر بیس شلنگ کی کتاب دو دو چار چار شلنگ کو بیچتے ہیں۔ مستعمل کتابوں کی فروخت اور نیلام الگ ہوتے ہیں۔ مستعمل کتابوں کی بہت سی دکانیں نیو آکسفورڈ سٹریٹ میں بھی ہیں۔ لیکن فلیٹ سٹریٹ میں تو مکب سیلرز روں ایک پوری گلی ہی ایسی دکانوں سے بھری ہوئی ہے۔ مگر ان دکانوں میں بھی کئی کئی ہزار روپیہ کی کتابیں ہونگی۔ میںنے لنڈن سے بہت سی کتابیں بھی خریدیں۔ لیکن ان دکانوں سے بھی پینی سائیکلو پیڈیا۔ پاپولر سائیکلو پیڈیا۔ ہیڈلنس ڈکشنری آف ڈیٹس اور ڈینٹل میسلینی۔ ٹکنیکل ایجوکیٹر۔ ڈکشنری آف مکینکس لائیڈس ڈکشنری وغیرہ خریدیں سوائے ڈکشنری آف ڈیٹس کی یہ کتابیں دس دس پندرہ پندرہ جلدوں کی تھیں۔ اور دو بڑے صندوقوں میں بند کر کے میرے ایجنٹ نے کہ جس کے سپرد میں یہ کام کر آیا تھا۔ لنڈن سے میری روانگی کے بعد ہندوستان کو روانہ کیں۔ ایک دن میں نے ایک اور طریقہ کتابیں بیچنے کا لنڈن کی ایک دکان میں دیکھا۔ ایک کتب فروش کی دکان میں بہت سے آدمی جمع تھے۔ اور وہ سامنے بلند چبوترہ پر کھڑا ہو کر ہاتھ میں کتابیں لیکر نیلام کر رہا تھا۔ اور لوگ سستی سمجھ کر دست بدست خرید رہے تھے۔ میںنے بھی ایک دو کتابیں لیں۔ لیکن میں نے سمجھا کہ یہ شخص انہیں کتابوں کو سستی قیمت پر دیتا تھا۔ کہ جن میں وہ سمجھتا تھا اسے خسارہ نہیں۔ اور اس ڈھنگ سے بہت سی کتابیں تھوڑے وقت میں بک جاتی تھیں۔ یہاں ایک انگریز نے ترکی ٹوپی سے مجھے ترک قیاس کر

کے مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی۔ آخر اپنی غلطی معلوم کر کے عربی بولنے لگا اور پھر فارسی میں بلا تکلف گفتگو کرنے لگا۔ میں اُسے دیکھ کر دنگ ہو گیا جب میں نے کہا میں ہندوستانی ہوں۔ تو وہ کہنے لگا میں سنسکرت میں بات کروں۔ میں نے اس سے پناہ مانگی معلوم ہوا کہ آپ قسطنطنیہ میں ڈپلومیٹک سروس کے متعلق کئی سال تک رہ چکے ہیں سنسکرت کالج میں پڑھی تھی۔ بیرسٹری کی سند بھی رکھتے ہیں۔ مگر اب لنڈن میں اخبار نویسی کا کام کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ لنڈن میں صدہا بلکہ ہزارہا ایسے لوگ ہیں۔ کہ جنہوں نے بیرسٹری کی سند لے رکھی ہے۔ لیکن تجارت یا اخبار نویسی یا مدرسی کرتے ہیں۔ اور قانونی پریکٹیس نہیں کرتے اور اخباروں کے دفتروں میں مختلف زبانوں کے جاننے والے ضرور رکھے جاتے ہیں۔ کوئی زبان نہ ہوگی۔ جس کے جاننے والے بڑے بڑے اخباروں کے دفتر میں نہ ہوں۔

لنڈن کا ایک ڈاکخانہ لنڈن کا ڈاک خانہ جو سینٹ مارٹن لاگران میں ہے۔ اور اسی کے ساتھ تار گھر بھی ہے۔ دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ جس شہر میں اس کثرت سے تجارت ہو۔ تعلیم کا یہ چرچا ہو اخباروں کی یہ ترقی ہو۔ وہاں کے تار گھر اور ڈاکخانہ کی عظمت اور مصروفیت کا کیا پوچھنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام انگلینڈ میں اگر کوئی لوگ اپنے کام میں نہائیت سرگرمی اور مستعدی سے مصروف ہیں۔ تو وہ تار اور ڈاک کے ملازم ہیں۔ انگلستان کے ڈاک خانے میں کم از کم دو ارب چھٹیاں اور پوسٹ کارڈ سال تمام میں آتے ہیں۔ کہ جن میں سے بڑا حصہ لنڈن کا ہوتا ہے۔ اور جس پھرتی اور تیزی سے انہیں جنرل پوسٹ آفس کے سارٹنگ کلرک تقسیم کرتے ہیں۔ وہ قابل دید ہوتی ہے۔ بعض ہشیار کلرک پچاس چھٹیاں ایک منٹ میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ مگر تیس پینتیس تو سب پھینکتے ہیں علاوہ چھٹیوں کے اخبارات اور پارسلوں کی سالانہ تعداد اکتیس کروڑ نوے لاکھ ہوتی ہے پونے دو لاکھ کے منی آرڈر سال تمام میں تقسیم ہوتے ہیں اور سیونگ بینک میں جسے پہلے پہل انگلستان میں ایک پادری صاحب نے ایجاد کیا تھا۔ اور اس کے بعد دنیا

کے دیگر ممالک نے اسے اختیار کیا۔ اس وقت کے انگلستان کے غریب لوگوں کے تین کروڑ پونڈ جمع ہیں۔ انگلستان کے صیغہ ڈاک کی آمدنی نو ملین اور خالص سالانہ منافع تین ملین پونڈ ہے۔ جو انگلستان جیسے چھوٹے ملک کے لئے بہت بڑا ہے۔

کنگال اور غریب لوگ

یہ بھی ایک خدا کی شان ہے کہ اس دنیا کے سب سے بڑے دولت مند شہر میں حد درجہ کے کنگلے اور محتاج لوگ بھی بکثرت رہتے ہیں۔ ایسے محتاج کہ جن کے جسم پر ثابت کپڑا تک بھی نہیں ہوتا۔ اور جو سردی اور بارش میں بھوکے آسمان کے شامیانے کے نیچے زمین کے بستر پر سونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور ان میں بعض ایسے سوتے ہیں کہ پھر کبھی نہیں جاگتے۔ ان میں سے بعض کے کپڑے ایسے میلے کچیلے اور دریدہ ہوتے ہیں۔ کہ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے گھن معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ گلیوں کے ناکوں پر بھیک کے منتظر کھڑے رہتے ہیں۔ یہ منہ سے کچھ نہیں بولتے۔ کیونکہ انگلستان کے قانون کے مطابق بھیک مانگنا جرم ہے۔ لیکن ان کی صورت ہی سوال معلوم دیتی ہے۔ ان میں سے سینکڑوں ناکارہ عورتیں اور مرد سر راہ دیاسلائیاں۔ بٹن یا بوٹوں کے تسمے وغیرہ ایسی سستی چیزیں لئے کھڑے رہتے ہیں۔ یا اگر اندھے ہوں تو یہ چیزیں ایک ٹوکری میں ڈال کر گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں۔ بظاہر وہ ان چیزوں کو بیچنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن مخیر لوگ ان کا مطلب سمجھتے ہیں۔ اور ایک دیاسلائی کی ڈبیہ لیکر چار یا اس سے زیادہ دیاسلائی کی ڈبیوں کی قیمت دے جاتے ہیں۔ پیرس میں یہ دستور لنڈن سے زیادہ تھا۔ جنگ میں جن لوگوں کے ہاتھ، پیر کٹ جاتے ہیں۔ ایسے بھیک مانگنے والوں کو فرانسیسی ضرور خیرات دیتے ہیں۔ لنڈن میں میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے۔ کہ نصف پینی کا اخبار کسی پھٹے پورانے کپڑوں والے نیوز بوائے سے خریدا اور اسے پینی دیکر باقی نصف پینی واپس نہیں لی۔ میرے خیال میں اس شہر میں پچاس ہزار اور لاکھ کے درمیان لڑکے اخبار بیچنے سے روٹی کماتے ہونگے۔

اور یہ اُن دو تین لاکھ دوسرے کنگلوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ کہ جن کا ایک بڑا مجمع اکثر اوقات چیرنگ کراس کے پاس دیکھا جاتا ہے۔ یا شہر کے مختلف حصوں میں منتشر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کی صورتیں کیسی مسخ ہو گئی ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر مزدور اور دستکار ہوتے ہیں۔ مگر شراب خوری کی بدولت جب ان کے کام کاج چھوٹ جاتے ہیں۔ تو رفتہ رفتہ ذلت اور مصیبت کی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ شراب خوری کا شکار بعض عورتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ معصوم بچے بھی اسی مصیبت کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ قانون انگلستان نے جہاں ان لوگوں کے لیے گداگری کی ممانعت کر دی ہے۔ اور ان کے پناہ لینے کے لیے ورک ہاؤس قائم کیئے ہیں۔ کہ جہاں انہیں کھانا اور بچھونا دیا جاتا ہے۔ مگر تھوڑا بہت کام بھی لیا جاتا ہے۔ ان کے بچوں کے لیئے کئی "ہوم" اور پناہ کی جگہیں مخیر لوگوں نے بنا دی ہیں۔ لیکن اسپر بھی بہت لوگ عمداً ان میں نہیں جاتے۔ بعض جگہ ریگڈ سکول (چیتھڑے پوشوں کے مدرسے) ایسے ہیں۔ جہاں ان بچوں کو نیک ہدایت اور تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ان کی روٹی کپڑے کی بھی کفالت کی جاتی ہے۔ لنڈن کے نیک لوگ ایسے لاوارث اور مفلس بچوں کو نہ صرف کھانا کپڑا دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی یہاں تک خبر گیری کرتے ہیں۔ کہ سال میں ایک آدھ دن انہیں گاڑیوں پر سوار کرا کے شہر کے باہر سبزہ زاروں میں بغرض تفریح لے جاتے ہیں۔ اور جب چھکڑوں کے چھکڑے ایسے بچوں کے نزہت گاہوں سے واپس آتے ہیں۔ تو انہیں خوش دیکھ کر طبیعت کس قدر خوش ہوتی ہے۔ تیواروں اور خوشی کے موقعوں پر لارڈ میئر یا دیگر مخیر لوگ ان مفلس اور محتاج لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ جیسا کہ حال میں ملک معظم انگلستان کی تاج پوشی کی تقریب پر کثیر التعداد کنگلوں کو کھانا دیا گیا تھا۔

غُنڈے ان کنگلوں میں ایک جماعت سرکش اور بدمعاش لوگوں کی بھی ہوتی ہے۔ جو اندھیرے منہ لنڈن جیسے شہر کی گلیوں میں بھلے مانسوں سے چیزیں چھین جھپٹ لیتے ہیں۔ انہیں لنڈن

کی اصطلاح میں "ہولی گن" (HOOLIGAN.) کہتے ہیں۔ اور آجکل لنڈن
کے افسران پولیس اور بعض دیگر منتظمین اس فکر میں ہیں۔ کہ کس طرح لنڈن کو ان
کمبختوں سے نجات دلائی جائے۔ لڈگیٹ سرکس کے پیچھے ایک کوچے میں جہاں
لوگوں کی آمد ورفت کم ہے۔ ایک روز ایک کنگلے نے ایک پینی مانگی۔ میرے پاس
اتفاقاً ایک نصف پینی تھی۔ جو مینے اسے دی۔ بہ ظاہر ایسا شریر
معلوم ہوتا تھا۔ کہ مجھے اس کی شکل سے ڈر لگا۔ کہ کہیں حملہ نہ کر بیٹھے ایک روز
ویسٹ منسٹر برج (پل) سے میں گذر رہا تھا۔ وہاں پانچ چھ نوجوان کنگلے نہائت
میلے کچیلے بیٹھے کچھ پھل کھا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ہنسنے اور گھورنے لگے ایک
شام کو میں ہائیڈ پارک سے واپس آ رہا تھا۔ ابھی بارش تھمی تھی کہ میں نے دیکھا
کہ ایک کنگلا ایک بنچ پر سو رہا ہے۔ اور ایک دوسرا ایک بنچ کے نیچے پڑا ہوا
تھا۔ ایک روز سینٹ پال کے گرجا کے سامنے ایک ایسا ہی کنگلا ہاتھ میں شہر
لنڈن کا نقشہ لیے کھڑا تھا۔ وہ میرے قریب آ کر کہنے لگا۔ کہ اسے خرید لو۔ میں نے
کہا مجھے ضرورت نہیں۔ تو اس نے کچھ منت اور کچھ اصرار کیا۔ مینے قیمت پوچھی
تو اس نے چھ پنس بتلائی۔ ہر چند کہ وہ اتنے کی چیز نہ تھی۔ مگر میں اُسے چار پنس
دینے چاہے۔ اس نے کہا اتنے میں تو مجھے ملا ہے۔ آخر اس نے چار پنس کو دے
دیا۔ اور میں نے اُسے بادل ناخواستہ لے لیا۔ جیب میں نے یہ نقشہ لیکر سینٹ پال
کی پچھلی طرف ایک بنچ پر بیٹھکر دیکھنے لگا تو معلوم ہوا۔ کہ ایک کتاب لنڈن گائیڈ
تین پنس کو ملتی ہے اور اسی کے ساتھ یہ نقشہ بھی ملتا ہے۔ اور پھر یہ نقشہ
ملا دلا اور میلا ہو گیا تھا۔ ایک اور قسم کے کنگلے شہر کے بازاروں میں آرگن یا کوئی
اور باجہ یا سارنگی وغیرہ کی قسم کے باجے لیکر پھرتے ہیں۔ یہ عورت مرد یا دو مرد
ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ اندھے بھی ہوتے ہیں۔ جو بازار کی کسی کھلی جگہ میں کھڑے
ہو کر بجانے لگتے ہیں۔ آنے جانے والے لوگ انہیں کچھ دے جاتے ہونگے
میں تو انہیں بھی کنگلے ہی کہوں گا۔ خواہ وہ اپنے آپ کو آرٹسٹ دپر دفیسر

موسیقی سمجھتے ہوں۔ ٹاور برج کے پاس ایک روز ایک اندھا دیکھا جس کے گلے میں ایک برتن لٹک رہا تھا جس میں لوگ پینی ڈال جاتے تھے۔ اور یہ ایک کاغذ کو نہایت سیدھی قطاروں سے چھید رہا تھا۔ یہ سب مانگ کھانے کے نئے نئے ڈھنگ ہیں۔

زمین کے نقاش

البتہ جس قسم کے کنگلوں کا میں اب ذکر کرنے لگا ہوں۔ وہ خاصے آرٹسٹ ہوتے ہیں۔ اور انہیں کہتے بھی پیومنٹ آرٹسٹ (فرش کا نقاش) ہیں۔ مگر یہ بھی صرف کنگلے اور بھیک مانگنے والے ہوتے ہیں۔ جیساکہ ان کی شکل اور لباس سے ظاہر ہے۔ میں نے کئی دفعہ ایسے شخصوں کو راستوں کے ایک طرف بلند یا نشیب سطح پر پتھر وغیرہ کے فرش پر اپنے سامنے چاک وغیرہ رنگوں سے تصویریں بناکر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایک نے اپنی تصویروں کے نیچے یہ لکھ رکھا تھا کہ ان کو ہمت دلائیں ہر پینی جو بھیگی رنگ پر خرچ کی جائے گی" وغیرہ تصویریں متوسط درجہ کی خاصی بنی ہوئی تھیں۔ ایک سابق شاہ ایران کی ایک ملکہ قیصرہ مرحوم کی ایک لارڈ رابرٹس کی ایک دوسری جگہ آرٹسٹ کی اپنی تصویر بھی تھی۔ جس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ "آپکا عاجز خادم غریب آرٹسٹ" ایک چوہے کی تصویر بناکر اس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ "زمانہ بہت سخت آگیا ہے" ایک گھوڑے کی تصویر کے نیچے لکھا تھا "دانہ مانگتا ہے" غرض ہر تصویر صورت سوال ہے۔ اور بعض کوئی کوئی راہ گیر آرٹسٹ کو پیسہ بھی دے جاتے ہیں۔ اکثر لونڈے ان تصویروں کے گرد کھڑے رہتے ہیں۔ جس روز جھڑی یا بارش ہو۔ ان بیچاروں کا کام نہیں چلتا۔ کیونکہ زمین نمناک ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کے انسداد کا ان کی ذہانت نے یہ بندوبست کیا ہے۔ کہ بعض پیومنٹ آرٹسٹ بجائے زمین کے لکڑی کے سیاہ تختوں پر اپنی تصویریں بناتے ہیں۔ میں نے ایک روز ایک ایسے آرٹسٹ سے پوچھا کہ فلاں شخص کی تصویریں بہت اچھی تھیں۔ جو تختوں پر کھینچی ہوئی تھیں۔ اس نے ناک بھوں چڑھاکر جھٹ بول اٹھا کہ وہ اس کا اپنا کام تھوڑا ہی تھا وہ ایک دوسرا شخص تختوں پر بنا دیتا ہے۔ اور اس کے کئی ایجنٹ ہیں۔ جو ان تختوں کو زمین پر جاکر بچھاتے ہیں۔ اور جو آمدنی ہوتی ہے۔ بانٹ لیتے ہیں۔ اور یہ تو میرا

تمام اپنے ہاتھ کا کام ہے۔ میں یہ سنکر حیران ہو گیا۔ کہ دنیا کے ہر پیشے میں کچھ نہ کچھ راز ہوتا ہے۔

ڈاکٹر برناڈو کے ہوم

لیکن جہاں لنڈن میں اس قدر ناقابل بیان مصیبت اور افلاس کا عذاب ہے جیسا کہ ہمیں نے اوپر بیان کیا ہے۔ کئی مخیر لوگ اس کے کم کرنے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ وہ لاوارث لڑکوں اور لڑکیوں کو گداگری اور مصیبت کی زندگی سے چھین کر انہیں یتیم خانوں میں جمع کرتے ہیں۔ وہاں انھیں صرف روٹی کپڑا ہی متوسط الحال لوگوں کے بچوں کی طرح نہیں دیتے بلکہ انھیں لکھنا پڑھنا بھی سکھلاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی دستکاری اور ہنر بھی سکھلاتے ہیں۔ کہ جس کے ذریعہ سے وہ شریفانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ انگلستان میں اس قسم کے خیرات خانوں اور یتیم خانوں میں ڈاکٹر برنارڈ کے ہوم سب سے بڑے ہیں۔ کہ جن کی لنڈن اور انگلستان کے بعض دوسرے شہروں میں کئی شاخیں ہیں۔ ان میں ہر وقت پانچ چھ ہزار لڑکوں لڑکیوں کا کنبہ جمع رہتا ہے اس نیک مرد نے پینتس۔ چالیس سال گذرے ہیں ایک روز راستہ میں ایک لاوارث بچے کو قابل رحم حالت میں پا کر اس کی پرورش کا ارادہ کیا۔ اور اس خیال کو ترقی ہوتے ہوتے کئی بچے جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کا محتاج خانہ سلطنت میں اور شاید دنیا میں سب سے بڑا ہو گیا۔ اس محتاج خانے نے آج تک چوالیس ہزار بچے لنڈن وغیرہ شہروں کی گلیوں کی ذلت اور گناہ کی زندگی سے بچا کر پرورش کر کے اور انھیں کام کے آدمی اور عورتیں بنا دیا ہے جو اس وقت یا تو شریف لوگوں کے گھروں میں خدمت گار اور ملازم ہیں اور یا اپنے اپنے کاروبار تجارت ملازمت اور زراعت میں مصروف ہیں۔ ہر سال ایک بڑی کھیپ جو ان لڑکوں اور لڑکیوں کے لنڈن سے کینیڈا میں سکونت پذیر

ہونے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ جہاں ابتک ساڑھے بارہ ہزار سے زیادہ زن و مرد پہنچ چکے ہیں۔ ڈاکٹر برنارڈو کا دعویٰ ہے کہ ۱۸۶۶ء میں جو انگلستان کے جیل خانوں میں ہر ایک لاکھ آبادی کے پیچھے چالیس قیدی ہوتے تھے۔ اور اب صرف ۲۷ قیدی رہ گئے ہیں۔ اس کمی میں ہمارے ہوم نے بھی مدد دی ہے۔ اس لمبے چوڑے کنبہ کا خرچ کہاں سے آتا ہے اس راز کو ڈاکٹر برنارڈو اس طرح افشا کرتا ہے۔ یہ نیک شخص کہتا ہے کہ مجھے روپیہ کی قلت سے بارہا فکر لاحق ہوئی ہے۔ لیکن جب میں نے خدا سے دعا مانگی کہ تیرا یہ لمبا چوڑا کنبا بھوکا نہ رہے۔ تو کوئی نہ کوئی مدد وقت پر پہنچ گیا۔ اور اس نے مدد دیدی۔ میں نے ہمیشہ اخبارات میں اپنی ضرورتیں بیان کیں اور خدا کے دست غیب نے لوگوں کے ہاتھ سے مجھے کافی روپیہ دلوا دیا۔ "نائٹ اینڈ ڈے" (شب و روز) کے نام سے ایک ماہوار رسالہ اس ہوم کے حالات اور ضروریات کے متعلق چھپتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان سطور کے لکھے جانے کے بعد ڈاکٹر برنارڈو کا انتقال ہو چکا ہے۔ مگر اسکا ہوم برابر جاری ہے۔

انگلستان میں شراب خواری

جتنی شراب پینے کی دکانیں اور بار لنڈن میں نظر آتی ہیں۔ اتنی کسی شہر میں نہ ہونگی۔ اہل انگلستان بڑی شرب خور قوم ہے۔ ۱۸۹۹ء میں اہل انگلستان نے (۱۶۰۹۱۷۱۸) پونڈ میخواری میں صرف کئے۔ یہ رقم اس وقت تک کے جنگ ٹرنسوال کے اخراجات سے زائد تھی۔ تمام ملک کے کپڑوں کے سالانہ خرچ یا کھیتوں اور مکانات کے کل کرایہ اور محصول کی آمدنی سے زیادہ تھی۔ ہر شخص اگر مذہبی امور میں ایک شلنگ خرچ کرتا ہے۔ تو شراب پر سات شلنگ خرچ کرتا ہے ہر چند کہ دنیا جانتی ہے کہ اہل انگلستان اپنی مذہبی مشنوں اور گرجوں کی امداد میں کس قدر روپیہ دیتے ہیں۔ بجائیکہ وہ ان کی شراب خوری کے

بل کا صرف آٹھواں حصہ ہوتا ہے۔ انگلستان کا افلاس۔ عدالتوں کے مقدمات۔ طلاقیں۔ ریلوں کے حادثات اور اکثر دیگر جرائم زیادہ تر اسی کثرت شراب خوری کی وجہ بتلائی جاتی ہیں۔

لنڈن کی صبح چونکہ یہاں لوگ رات کو دو دو تین تین بجے تک یا شاید اس سے بھی زیادہ جاگتے رہتے ہیں۔ اور تماشا گاہوں یا سیر و تفریح میں مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے وہ صبح سویرے نہیں جاگتے۔ کہتے ہیں کہ لنڈن میں پانسو کے قریب ہر قسم کی تماشہ گاہیں ہیں۔ جن میں پچاس تھیٹر اور باقی میوزک ہال وغیرہ ہیں۔ مگر میں نے وہاں ایک مرتبہ بھی تھیٹر نہیں دیکھا۔ ہرچند کہ رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر نے تاکید کی تھی کہ لنڈن کا تھیٹر ضرور دیکھنا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ کیوں یہ لوگ اتنی اتنی راتوں تک ایک ہی تماشہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے ایک روز صبح کو بہت سویرے اٹھکر لنڈن کے بازاروں کی کیفیت دیکھی ۲۷ اگست کو ۶ بجے صبح مکان سے نکلا۔ سوائے غریب آدمیوں۔ مزدوروں اخباروں کی گاڑیوں۔ دودھ کی دستی گاڑیوں اور اخبار بیچنے والے لونڈوں اور ذخائر خورد و نوش اور ایندھن کی گاڑیوں کے بازاروں میں اور کچھ نہ تھا۔ اس اجلے راہروؤں کی بھیڑ یا دکانوں کے خوبصورت مال و اسباب کا اس وقت کچھ پتہ نشان نہیں ملتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری کام گلیوں کی صفائی۔ اور سامان خورد و نوش اور اخبارات پہنچانے کے صبح ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ تب شہر کی چہل پہل اور بازاروں کی رونق شروع ہوتی ہے۔ اخبارات بھی ناشتہ کے ساتھ صبح ان لوگوں کی میز پر ہونے ضروری ہیں۔ گویا یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے جبھی تو اخبارات کی اشاعت کی یہ کیفیت ہے۔

برٹش میوزیم لنڈن کے قابل دید مقامات میں برٹش میوزیم بلحاظ

اپنے بیش قیمت خزانوں کے اول درجہ رکھتا ہے۔ اس میں زمانہ قدیم کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ دنیا کے کسی عجائب گاہ میں نہ ہوں گے۔ اور یہ سب مجموعہ ایک دن یا ایک سال میں جمع نہیں ہو گیا۔ بلکہ ڈیڑھ صدی کی ساری قوم کی لگاتار کوشش اور بے اندازہ روپیہ کے خرچ سے جو کچھ جمع ہو سکا وہ یہاں موجود ہے۔ ۱۷۵۹ء میں پہلے پہل یہ میوزیم کھولا گیا۔ پہلے صرف مطبوعہ کتابیں قلمی کتابوں اور نیچرل ہسٹری (علم الحیوان) کے تین صیغے اس میں کھولے گئے تھے۔ مگر ترقی کرتے کرتے اب اس میں نو صیغے موجود ہیں۔ اور باوجودیکہ پہلے مکان میں اور بہت سے مکانات ادھر ادھر اضافہ ہو گئے ہیں۔ مگر پھر بھی نیچرل ہسٹری کا مجموعہ بوجہ عدم گنجائش سوتھ کنسنگٹن کو منتقل کر دیا۔ اور اسی عجائب گاہ میں اب انڈین میوزیم بھی شامل ہے۔ پہلے پہل سر ہنس سلوں کا عتیقہ اشیاء کا مجموعہ ۱۷۵۳ء میں بیس ہزار پونڈ کو گورنمنٹ نے خریدا۔ اور ہالین کے قلمی نسخوں اور کوٹنین کتب خانہ کو اس میں شامل کر کے میوزیم کی بنیاد رکھی گئی ۱۷۷۲ء میں پارلیمنٹ نے سر ولیم ہیملٹن کا رومن برتنوں وغیرہ کا مجموعہ خریدا۔ ۱۸۰۱ء میں مصری عتیق اشیاء حاصل کی گئیں۔ ڈیلی سنگ مرمر۔ اور کرنل گریول کے معدنیات ۱۸۱۲ء میں خریدی گئیں۔ ۱۸۱۵ء کے امن کے بعد چین کی عمارات سے بیش قیمت سنگ مرمر لارڈ الجن لے آیا۔ ساڑھے تین ہزار پونڈ کو ۱۸۱۸ء میں ڈاکٹر برنی کا کتب خانہ خریدا گیا۔ سر جوزف بینکس کا کتب خانہ اور نباتات کے نمونے ۱۸۲۰ء میں وصیت کے ذریعہ سے ملے۔ ۱۸۲۳ء میں شاہ جارج چہارم نے اپنے باپ جارج سوم کی منتخب لائبریری وقف کر دی۔ جس میں ستر ہزار کتابیں تھیں۔ انگلستان کے کاپی رائٹ کے قانون کے مطابق ہر کتاب کی ایک جلد برٹش میوزیم میں رکھنے کے لئے لی جاتی ہے اور نیز بہت سا روپیہ کمیاب کتابوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ جس سے اب

بیس لاکھ کتابیں جمع ہیں۔ ریڈنگ روم کا عالیشان کمرہ معہ اپنے خوبصورت گنبد اور
پڑھنے والوں کے دائرہ نما نشستوں کے بہت دلچسپ ہے اس وقت یہ نو صیغے اس
بے سروپا عمارت کے مختلف کمروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۱) ڈائرکٹر اور بڑے
لائبریرین کا دفتر۔ (۲) یورپین مطبوعہ کتابیں۔ (۳) یورپین قلمی نسخے۔ (۴) مشرقی
مطبوعہ کتابیں۔ اور قلمی نسخے۔ (۵) تصاویر اور نقشے چھپے ہوئے (۶) مصری
اور اسوری عتیق چیزیں (۷) یونانی اور رومی عتیق چیزیں (۸) انگریزی
اور قرون وسطی کی عتیق چیزیں اور علم اقوام انسان کے نمونے (۹) سکے اور
تمغے۔ علاوہ کتب خانہ کے عام ریڈنگ روم کے بعض صیغوں مثل مشرقی قلمی
نسخوں وغیرہ کے متعلق خاص طالب علموں کے ریڈنگ روم ہیں جو خاص خاص
شاخوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اخباروں کے ریڈنگ روم میں انگلستان کے
تمام اور یورپ کے بڑے بڑے اخبار گذشتہ صدی کے موجود ہیں۔ یورپ
کی عتیق چیزوں میں بہت پرانے زمانہ کے پتھر اور دھاتوں کے اوزار اور کلہاڑے
اور تیروں کے پھل سٹون ایج (STONEAGE) یعنی (زمانہ سنگ) کے دلچسپ
تھے۔ سکوں کے کمرہ میں ایک عجیب وغریب مجموعہ ابتدائی زمانہ کی جیب گھڑیوں
اسطرلابوں اور ڈائلوں کا تھا۔ ایک کمرہ میں سونے کے زیورات اور جواہرات
نہایت قدیم اقوام کے جمع کئے گئے تھے۔ دو کمروں میں چینی اور جاپانی برتنوں اور
چیزوں کے نمونے تھے۔ ایک جگہ قدیم رومن عہد کے شیشہ کے برتن اور کھلونے
تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ قدیم رومن لوگ شیشہ گری سے بخوبی واقف تھے
گو ان کے شیشے کا رنگ میلا ہوتا تھا۔ پھر وینس فرانس اور انگلستان کے
قدیم شیشہ کے نمونے اور مختلف ملکوں کے چینی کے برتن دیکھے۔ یونانی اور
مصری عتیقہ چیزوں سے ان ممالک کے رسوم ورواج کو کیسی عمدگی سے اخذ
کیا ہے۔ بابل اور نینوا کی چیزوں کے لئے علیحدہ کمرے ہیں۔ مصری ممیوں (حنوط
شدہ لاشوں) کے لئے الگ کمرے ہیں۔ انہیں دیکھکر تعجب پیدا ہوتا ہے۔ کہ

آج سے پانچ ہزار سال پہلے مصر میں یہ کیسا عجیب و غریب ہنر معلوم ہوتا تھا جو اب دنیا سے مفقود ہو گیا ہے۔ بلحاظ قدامت سائرس شاہ ایران اور بخت نصر بادشاہ یہود کی زمانوں کی یادگاریں تک اس عجیب و غریب مجموعہ میں موجود ہیں ایک کمرہ نمرود کے نام پر نامزد ہے۔ مشرقی مذاہب خصوصاً بودھ اور برہمنی مذاہب اور کسی قدر مسلمانوں یہودیوں اور سکھوں اور چینی جاپانی مذاہب کی عبادت کے طریقے اور سامان علیحدہ جمع تھے۔ یونانی اور رومن برتنوں کو دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ پچھلے زمانوں میں مٹی اور رنگ روغن کے کام میں کس قدر نادر مہارت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ یہ مختلف برتن مختلف ضرورتوں یعنی شراب پانی یا ان کے مرکبات وغیرہ کے لیے مخصوص تھے چھپی ہوئی کتابوں میں یورپ کے بہت ابتدائی چھاپوں کے نمونے جمع کئے گئے تھے کہ جن کی اس وقت یورپ میں ہزاروں پونڈ بوجہ انکی کمیابی کے قیمت پڑتی ہے ۱۵۶۱ء کا ایک نمونہ ہندوستان میں سب سے پہلا چھپا ہوا رکھا تھا جو کہا جاتا ہے کہ اہل پرتگال نے اسے اس سنہ میں چھاپا تھا قلمی کتابوں میں یونانی لاطینی اور انگریزی کے مسیحی زمانہ سے پہلے کے لکھے ہوئے نسخے اور بہت پرانی بائبلوں کے نمونے تھے۔ مسیحی زمانہ کی یورپین قلمی کتابوں کے جدول ویسے ہی مطلا اور پر تکلف بیل بوٹوں سے آراستہ تھے جیسے کہ قدیم عربی فارسی کتابوں کے ہوتے ہیں۔ ان کتابوں کے بڑے بڑے حاشئے چھوڑے گئے تھے اور ان کے کاغذ سیالکوٹی کاغذ کے زیادہ مشابہ تھے۔ مشرقی قلمی کتابوں میں عربی فارسی عبرانی۔ یونانی چینی جاپانی سنسکرت اور پالی سب زبانوں کی کتابیں تھیں۔ ایک تبت سے آئی ہوئی کتاب ہاتھی دانت کی باریک تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے تمام نامی شعرا اور مصنفین کی دستخطی تحریریں اور انکی بعض تصنیفوں کے اصل مسودے اور ایسی کتابیں کہ جنپر مصنفوں کے دستخط تھے۔ اور ہر قسم کے تاریخی وقعت کی تحریریں جمع کی گئی تھیں۔ ملٹن کی کتاب پیرڈائز لاسٹ کا اصلی مسودہ جو ایک کتب فروش سے لیا گیا تھا۔ ڈیفو کا دستخطی مسودہ جو بہت کٹا پھٹا تھا۔ مگنا کارٹا اہل انگلستان کی آزادی کے دستاویز۔ اور دیگر شاہان

انگلستان کی فرمانوں کی صحیح نقلیں اور فوٹوگراف بھی تھے انگلستان کے تمام اور بعض ممالک غیر کے سلاطین کے دستخط اور تحریریں الگ محفوظ تھیں۔ درشاہان انگلستان کی گریٹ سیل اور دوسری مہریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ برٹش میوزیم کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے کئی سال درکار ہیں اور اس کے اکثر مطالب سمجھنے کے لئے عمر بھی کافی نہیں۔ بار بار تعجب اس امر کا ہوتا ہے کہ دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ ہزار سال کے سکے کتبے اور برتن اتنے کس طرح ایک جگہ جمع ہو گئے جب ان ذخیروں کا بعض قدیم زمانوں کی کتابوں سے اور بائیبل کے حالات سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو تاریخ عالم کو بہت مدد ملتی ہے۔

کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنا میوزیم کے نقشوں کے کمرہ میں کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنے کا عمل دکھلایا گیا تھا۔ اور اس کی کیفیت معہ نمونوں کے رکھی ہوئی تھی۔ جہاں سے میں نے یہ نوٹ لیا۔ پہلے کاپر پلیٹ (تانبے کی تختی) پر چربی پگھلا کر ایک کوٹ کیا جاتا ہے۔ پھر ایک سوزن سے اس پر وہ تصویر بنائی جاتی ہے۔ جس کا پنسل سے بنا ہوا خاکہ اس پر جمایا گیا ہے۔ پھر پلیٹ کی پشت کی طرف سیاہ وارنش کا کوٹ کیا جاتا ہے گویا سوائے تصویر کی کھودی ہوئی جگہوں کی کوئی جگہ پلیٹ پر ننگی نہیں ہوتی اب مندرجہ ذیل نسخہ کو تیار کر کے اس میں تھوڑی دیر کے لئے پلیٹ دھر دیتے ہیں تو تانبا وہاں سے کٹ جاتا ہے۔ نسخہ یہ ہے۔ جس کا نام دیچ مورڈنٹ ہے

کلوریٹ آف پوٹاش ۲ ½ اونس

ہائڈرو کلورک ایسڈ ۱۹ اونس

ایک دوسرا نسخہ یہ ہے۔

نٹرک ایسڈ (تیزاب گندھک) پچاس حصے

پانی پچاس حصے

انگلستان کا سب سے بڑا گرجا سینٹ پال کا گرجا لنڈن میں ایسی عمارت ہے کہ جس کی ظاہری

شکل وصورت جیسی شاندار ہے ویسی ہی اندر سے بھی ہے میں بارہا اس کے پاس سے گذرتا رہا کیونکہ یہ شہر کے نہایت بارونق موقعہ پر واقع ہے لیکن اندر جاکر دیکھا تو اسے نہایت عالیشان عمارت پایا چھت اور گنبد نہایت تکلف سے آراستہ کئے گئے ہیں ایسے عالیشان گرجے دیکھنے سے پہلے مجھے کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ گرجوں پر عیسائیوں نے بھی اتنے روپے اور کوشش خرچ کی ہوگی جتنی کہ مسلمانوں نے مسجدوں پر کی ہے لیکن عمارت کی عمدگی اور روپیہ کی لاگت سے قطع نظر جو بات اس عمارت میں زیادہ دلچسپ نظر آئی وہ اس کے دونوں پہلوؤں میں انگلستان کے جنگی اور قومی ناموروں کی یادگاریں تھیں کہ جنہوں نے ہر میدان یا دیوان میں ملک کی خاطر جان دیدی تھی یا ملک کی خدمت میں عزت حاصل کی تھی لیکن زیادہ کتبے اور سنگ مرمر کے بت میدان جنگ کے بہادروں کے تھے کہ جنمیں لارڈ نلسن اور ڈیوک آف ولنگٹن بھی شامل تھے چند پادریوں کے بت بھی تھے کہ جن میں ہندوستان کا مشہور بشپ ہیبر بھی تھا۔ جنرل گارڈن کا بت رونق تھا۔ سر مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن کا بت کھڑا تھا ان مشاہیر کے بتوں کا اثر تمام قوم پر کسقدر اچھا پڑتا ہوگا قوم کے نوجوان اور بچے جب ان بتوں کی عزت و تعظیم دیکھتے ہونگے۔ تو کون نہیں چاہتا ہوگا کہ اپنے ملک کی ایسی ہی خدمت کرکے خود ایسی عزت اور بقائے دوام حاصل کرے۔ ایسے بعض بت اور کتبے پبلک کے چندہ سے بنائے گئے ہیں بعض گورنمنٹ اور دیگر پبلک جماعتوں کے چندہ سے واقعی یہ نہایت ہمت والی قوم ہے سینٹ پال کا گرجا لنڈن کے نہایت قدیم عمارت ہے جو چوتھی صدی مسیحی سے اسی جگہ پر بنتا چلا آیا ہے۔ موجودہ گرجہ چوتھی مرتبہ ۱۶۷۴ء میں بننا شروع ہوا تھا۔ اور ۱۷۱۰ء میں ختم ہوا سر کرسٹوفر رن مشہور مہندس نے تعمیر کیا (۵۱۰) فٹ لمبا (۲۸۲) فٹ چوڑا ہے گنبد کی چوٹی پر کی صلیب سطح زمین سے (۴۰۴) فٹ بلند ہے۔ اس کے جنوبی مینار پر ۱۷ ٹن (قریباً پانچسو من) وزنی ایک گھنٹہ ہے جو انگلستان میں سب سے بڑا ہے۔

ویسٹ منسٹر ایبی۔ لنڈن کی عمارات میں ویسٹ منسٹر ایبی کو ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ اور شاید سینٹ پال ہوس آف پارلیمنٹ اور لنڈن ٹاور میں سے جو لنڈن کی چوٹی کی تاریخی نامور عمارات ہیں یہ کسی سے دوم درجہ پر نہ ہوگی سینٹ پال میں اگر ناموروں کے بت اور یادگاری کتبے ہیں تو ویسٹ منسٹر ایبی میں سینکڑوں نامور مدفون ہیں۔ دراصل یہ ایبی سینٹ پیٹر کا گرجا تھا جو نہایت قدیم زمانہ سے لنڈن میں چلا آتا ہے۔ اسے نہ صرف عبادت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس میں ابتدا

سے لیکر آج تک کے سلاطین انگلستان کی رسم تاج پوشی ادا ہوتی رہی ہے - اور اُن کی وفات پر یہیں آسودہ بھی ہوتے چلے آئے ہیں - جو ایسے کے لمبے لمبے محرابوں کے نیچے مدت سے آرام کر رہے ہیں - علاوہ بادشاہوں کے انگلستان کے مشہور مدبر نامور شاعر مصنف فصیح البیان مقرر عالم و فاضل عابد و زاہد اور سائینس دان سبھی ایبی کے عالیشان مقبرہ کے اندر میٹھی نیند سو رہے ہیں - ذرا ایک طرف سے دوسری طرف تک ان ناموروں کے کتبے تو پڑھتے چلے جاؤ - ولیم فاتح سے لیکر ملکہ الیزبیتھ دونوں شاہان ولیم ملکہ میری اور ملکہ این تک سلاطین برطانیہ کے نام موجود ہیں - اہل سیف و قلم اور اہل علم و اہل تقویٰ میں سے بھی چند نام سُن لیجئے لارڈ چیتھم ولیم پٹ اور اس کا حریف فاکس - پامرسٹن - بیکنسفیلڈ - اور گلیڈسٹون سر آیزک نیوٹن مشہور مہندس - ہرشل مشہور ہیئت دان - ڈارون نیچر لسٹ لونگسٹون سیاح افریقہ - اور جان ویزلی بانی فرقہ ویزلین - میتھوڈسٹ جیفری چاسر جسے انگریزی نظم کا باپ کہتے ہیں - خداوند سخن سیکسپیر - سپنسر بن جانسن ملٹن - ڈرائیڈن - گے - ایڈیسن - ٹامسن - گولڈسمتھ - ڈاکٹر جانسن - شیریڈن ساوڈی - کیمبل - تھیکرے - میکالے - ڈکنس - براوننگ اور ٹینی سن وغیرہ وغیرہ جو اپنے اپنے زمانے میں اقلیم سخن کے بادشاہ گذرے ہیں - سب یہیں خواب ناز میں سرشار پڑے ہیں ؎

کچھ ایسے سوئے ہیں - سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے -

ایبی کے سنگین اور حیرت خیز دیواروں کے اندر جا کر دیکھنے والے پر ایک عجیب حالت وجد طاری ہوتی ہے - جو لفظوں میں بیان ہونی ناممکن ہے - اور عمارت کی رفعت اور عظمت اس حالت کو اور بڑھا دیتی ہے - یہیں شاہ ایڈورڈ دی کانفیسر کے چیپل میں تاجپوشی کے مشہور کرسی رکھی ہے - کہ جس پر تاجداران برطانیہ بوقت تاجپوشی بیٹھتے ہیں اس کرسی کے نیچے ایک "قسمت کا پتھر" لگا ہوا ہے - جس کی تاریخ بڑی عجیب ہے - جب قدیم سلاطین سکاٹلینڈ کی تاجپوشی

ہوا کرتی تھی۔ تو اس وقت وہ اس پتھر پر بیٹھتے تھے۔ جب ایڈورڈ اول نے سکاٹلینڈ کو فتح کیا۔ تو وہ اس پتھر کو ساتھ لیتا آیا۔ جس پر اہل سکاٹلینڈ کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ ان کے یہاں ایک مثل رائج ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اگر قسمت یاوری کرے۔ تو جہاں یہ پتھر جائیگا۔ شاہان سکاٹلینڈ اسی ملک کے بادشاہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح لنڈن میں ایک مشہور پتھر ہے۔ جسے لنڈن سٹون " کہتے ہیں۔ جو سینٹ سوتھن کے گرجا کے قریب ایک آہنی جنگلے میں محفوظ ہے۔ کسی زمانے میں یہ پتھر بہت مشہور تھا۔ ۱۱۸۹ء میں اہل لنڈن نے جب اپنا پہلا میئر مقرر کیا تو اُسے لنڈن سٹون کے میئر کے نام سے پکارتے تھے کہتے ہیں۔ کہ اہل روما نے اپنے عہدِ حکومت میں لنڈن میں اس پتھر کو اس لیئے نصب کیا تھا۔ کہ اس مرکز سے وہ دوسرے مقامات تک مسافت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔

کرسٹل پیلیس

کرسٹل پیلیس یا شیش محل لنڈن کو ہر روز کا میلہ کہنا چاہیئے۔ یہ خوبصورت اور نرالی قسم کی عمارت صرف لوہے کے فریموں میں شیشہ لگا کر بنائی گئی ہے۔ اور اس کے عظیم الشان چھت کے نیچے تمام گرم ممالک کے درخت جو انگلستان کی سرد آب وہوا میں سرسبز نہیں ہو سکتے لگائے گئے ہیں۔ علاوہ درختوں کے بہت سے بُت بھی چھت کے نیچے سجائے گئے ہیں۔ یہاں بہت بڑے بڑے فوارے ہیں۔ یہ مکان لنڈن کے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مگر چونکہ یہاں ہر روز نئے نئے کھیل اور طرح طرح کے تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے بہت سے شائقین سیزن ٹکٹ لے رکھتے ہیں۔ اور وہ ہر روز اس قدر دلچسپی کا سامان مکان کے اندر اور باہر کی گراونڈ پارک اور جھیل و باغات وغیرہ میں پاتے ہیں۔ کہ کبھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ ہر جمعرات کو کرسٹل پیلیس کی آتشبازی بھی قابل دید ہوتی ہے یہیں کے آتشبازان مسرز پاک کو لارڈ کرزن بہادر نے ۱۹۰۳ء کے دربار دہلی کے آتشبازی

کا ٹھیکہ دیا تھا۔ ہندوستان میں بھی لوگوں نے آتشبازی کو نہایت پسند کیا تھا اکویریم میں ہندوستان کی مچھلیاں بھی ہیں۔ اور ایک بندروں کا گھر بھی ہے کہتے ہیں۔ کہ کرسٹل پیلس کی تعمیر پر ڈیڑھ ملین پونڈ صرف ہوا ہے۔ سوائے دلچسپی اور بہلاوے کے اور اس پون میل کی سلسلہ عمارت اور وسیع باغات سے اور کچھ مقصود نہیں۔

کیو گارڈنس

موضع کیو کے پاس جو لنڈن کے مضافات سے ہے۔ اور در اصل اس کی آبادی شہر سے ملی ہوئی ہے۔ یہ نہایت عظیم الشان باغ میلوں تک پھیلا ہے۔ یہ لنڈن کا بوٹنیکل گارڈن ہے۔ جس میں دنیا کے ہر ملک اور ہر قسم کے درختوں کے نمونے موجود ہیں۔ پام ہوس میں جو (۳۶۰) فٹ لمبا اور نوے فٹ چوڑا ہے۔ ہندوستان اور دیگر گرم ممالک کے پام نہایت شادابی کی حالت میں ہیں کہتے ہیں۔ کہ اس سے بڑا ہاٹ ہاؤس دنیا میں کہیں موجود نہیں پھولوں کی کیاریاں اور باغ کی صفائی صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ اگرچہ لنڈن میں بکثرت تفریح اور سیر کے مقامات ہیں۔ لیکن یہاں بھی میں نے اتنا بڑا مجمع لنڈن کے لوگوں کا دیکھا۔ کہ خیال ہوتا تھا۔ کہ آج بوجہ اتوار کے شاید سارا لنڈن یہیں امنڈ آیا ہے۔ یہاں سے رچمنڈ کو گئے۔ جو نہایت دلکش مقام نواح لنڈن میں ہے۔ نیچے ٹیمز بہ رہا ہے۔ جس میں سینکڑوں تفریحی کشتیاں کسی کمپنی کی پڑی ہیں۔

ہائیڈ پارک

جس طرح خواجہ حافظ کے زمانے میں شیراز میں "کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا" پر وجد ہوتے تھے۔ اسی طرح لنڈن میں ہائیڈ پارک کے نام پر لنڈن کے لوگ سرور میں آجاتے ہیں۔ میں دو چار مرتبہ آکسفورڈ سٹریٹ کی طرف سے جہاں میں ٹھیرا ہوا تھا۔ اس پارک کو دیکھنے گیا۔ اور ماربل آرچ (محراب مرمری) کے پاس سے اس میں داخل ہوا۔ یہ سنگ مرمر کا دروازہ شاہ جارج چہارم نے نوے ہزار پونڈ کے صرف سے قصر بکنگھم

کے سامنے بنوایا تھا۔ جو بعدہ قصر کی توسیع کے وقت اٹھا کر یہاں لا کر لگا دیا ہے۔ جس کا اب لنڈن کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔

ہائیڈ پارک جو قریب چار سو ایکڑ کے وسیع ہے شہر لنڈن کا بہت بڑا تفرج گاہ ہے۔ اس کی تمام زمین پر گھاس اور درخت اُگے ہوئے ہیں۔ بیچ میں سے کئی سڑکیں اِدھر اُدھر گزرتی ہیں۔ اور ایک پانی کا بیچ لمبا نالا ہے۔ کہ جسے اس کی شکل کے لحاظ سے سرپنٹائن (مثال مار) کہتے ہیں۔ یہ پانی ساکن اور صاف ہے موسم گرما میں یہاں بہت لوگ نہاتے ہیں۔ اور سرما میں سیکیٹین پہنکر اس کی یخ بستہ سطح پر پھسلتے ہیں۔ اگر اتفاقاً برف ٹوٹ کر کوئی شخص پانی میں جا پڑے تو اس کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے رائیل ہیومن سوسائٹی نے پاس ہی ایک مکان بنا رکھا ہے۔ جس میں آرام اور علاج کا تمام ضروری سامان ہے۔ یہ رحمدل اور ہمدرد سوسائٹی اہل انگلستان کی جانیں بچانے کے لیے کئی طرح سے ابرِ رحمت کا کام کرتی ہے شاید لوگ صبح کو بھی پارک میں جا کر لطف اٹھاتے ہوں۔ لیکن دوپہر اور شام کو تو میں نے وہاں بڑے فیشن ایبل مجمع زن و مرد کے دیکھے ہیں۔ خواجہ حافظ کی طرح پوپ اور بعض دیگر انگریز مصنفوں نے اپنی کتابوں میں ہائیڈ پارک کو بھی ہمیشہ کی زندگی بخشدی ہے۔ لنڈن کی سال ۱۸۵۱ء کی سب سے بڑی نمایش اسی میدان میں ہوئی تھی۔ جو گویا کہ یورپ کے انٹرنیشنل نمایش گاہوں کے پیش رو تھی۔ پکاڈلی کی طرف کے پارک کے داخلی دروازے کے سامنے ایک بہت بڑا بت جیلیز کا ہے۔ جسپر کھدا ہوا ہے۔ انگلستان کی عورتوں کی طرف سے نذر بحضور آرتھر ڈیوک آف ولنگٹن۔ اور اس کے بہادر ہمراہیوں کے" جنگ پیتیشولر کی یادگار میں جو توپیں اس جنگ میں پکڑی گئی تھیں انہیں ڈھال کر صرف انگلستان کی عورتوں کے چندے سے جو دس ہزار پونڈ تھا۔ یہ بت قایم کیا گیا ہے شاباش انگلستان کی مردانہ عورتو! یہ یادگار دراصل جنگ پیتیشولر کی نسبت زیادہ تر انگلستان کی عورتوں کی عالی حوصلگی اور حب الوطنی کے قایم رہیگی۔ پارک میں سڑکوں کے دونوں

طرف جنگلا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنچیں پڑی ہیں۔ اور برقی روشنی کی لالٹینیں ہیں۔ جا بجا سڑکوں پر درخت ہیں۔ جنگل کے قریب شام کے وقت ایک شخص جوش خروش سے یسوع مسیح کا وعظ کہہ رہا تھا۔ تین چار اور عورتیں مرد اس کے ساتھ تھے۔ خوب فصاحت سے بولتا تھا۔ اور یہ لوگ اس کے گرد کھڑے سنتے تھے پاس ہی ایک شخص پولیٹیکل مضامین پر بحث کر رہا تھا۔ اور آگے ایک اور سپیکر بول رہا تھا۔ اور سب لوگ سن رہے تھے۔ یہاں اتوار کو بڑی رونق کے مجمع ہوتے ہیں۔ رستہ چلتے چلاتے پھر ایک لڑکے نے مجھ سے پیسہ مانگا (اب میں سمجھا ہوں کہ یہ میری ترکی ٹوپی کا قصور تھا۔ جو مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ مانگ لیتے تھے۔ اور کئی لوگ مجھ سے زیادہ ستانے سے نہیں جھجکتے تھے) ایک دوسری جگہ ایک پادری نے دو بڑے بڑے سرخ کپڑوں پر سفید حروف میں چند مذہبی کلمات اور قیامت کی یاد کے کتبے لکھ رکھے تھے۔ اور گیت گا رہا تھا۔ یہاں بھی ہزار پانسو عورتیں مرد جمع تھے۔ غرض ہائیڈ پارک ایک مستقل جلسہ گاہ ہے۔

لنڈن میں مشرقی نو آبادی

لنڈن کے حصہ ایسٹ اینڈ میں دراصل بہت سے کم درجہ کے مشرقی ملکوں کے لوگ بسر اوقات کرتے ہیں۔ چینی تو یہاں بہت سے رہتے اور باقاعدہ دکانیں کرتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک نے شادیاں بھی انگریز عورتوں سے کر لی ہیں۔ اور ان کے بال بچے بھی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ جاپانی سیامی، مصری، یہودی، برہمی اور ہندوستانی سبھی قوموں کے تھوڑے بہت لوگ رہتے ہیں۔ ہندوستانی زیادہ تر وہی لوگ ہیں۔ جو بمبئی سے جہازوں پر

خلاصی بنکر آتے ہیں۔ اور جب ان کے جہاز چند روز اس بندرگاہ میں ٹھیرتے ہیں۔ تو وہ یہاں کے ادنے درجہ کے لاجنگ ہوسوں میں گزارہ کر لیتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں اور چرس خانے بھی ہیں۔ چینی مزے سے ان میں چرس کے دم لگاتے ہیں۔ اور بعض دوسری قومیں بھی قوام افیون کا دم لگاتی ہیں لیکن مسلمان خلاصی جو عموماً نیک چلن اور نمازی ہوتے ہیں۔ اور ان کی عادات بھی بہت

سادہ ہوتی ہیں۔ انہیں لاجنگ ہوس والے ایک اور دام میں لاتے ہیں۔ انہیں برکت دینے والے تعویذ دینے کے بہانے لوٹتے ہیں۔ اہل مشرق کو ان لوگوں کی دغابازیوں سے محفوظ رکھنے کے لیئے اسی نواح میں ایک مکان "سٹرینجرز ہوم" (مسافران نوارد کا گھر) بعض فیاض لوگوں کے چندے سے کھلا ہوا ہے۔ اس میں ہندوستانی برہمی عرب جاپانی چینی ملائی۔ سنگھائی، زنگباری۔ سماٹری اور حبشی سب داخل ہوکر خوش رہتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کے لیئے جُدا جدا سونے اور کھانے پکانے کے کمرے ہیں۔ اگر کوئی ہندو یا مسلمان دوسروں سے علیحدہ کھانا پکانا چاہے۔ تو پکا سکتا ہے۔ اور ایک کمرہ بطور ڈرائینگ روم کے سب کے بیٹھنے۔ اٹھنے اور تاش شطرنج وغیرہ کھیلنے کا ہے۔ تعلیم یافتہ اور آسودہ ہندوستانی جو لنڈن میں جاتے ہیں۔ وہ عموماً ویسٹ انڈ کے اچھی اچھی ہوٹلوں اور لاجنگز میں رہتے ہیں ہندوستانی طالب علم جو یہاں کے شریف کنبوں میں رہتے ہیں انہیں یورپین آداب اور قواعد بہت اچھی طرح آجاتے ہیں۔

ہندوستانی نوجوان

ایک روز مجھے ایک ہندوستانی نوجوان امیدوار بیرسٹری بیرسٹروں کے کامن روم میں لے گیا۔ لیکن یہاں پہنچکر مجھے بالکل مایوسی ہوئی۔ اکثر نوجوانوں کی حالت بہت ٹوٹی پھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ بعض اپنے والدین سے بہت سا روپیہ منگوا کر خرچ کرچکے تھے اور اب انہیں اور روپیہ نہیں ملتا تھا۔ یہ ایسی بیفکری سے گپیں ہانکتے تھے۔ کہ گویا دنیا میں ان کے لیے کوئی کام ہی باقی نہ رہا۔ ممکن ہے کسی وقت یہ لوگ پڑھنے میں محنت بھی کرتے ہوں۔ مگر چونکہ ان کے امتحان عموماً سہل ہوتے ہیں (گو اب پہلے سے مشکل ہیں) یہ اسی طرح تضیع اوقات کرتے رہتے ہیں۔ یہاں خوش نصیبی سے مجھے ان نوجوانوں کے بعض خیالات سے استفادہ کرنے کا بھی موقع ملا۔

لنڈن کی ناپاک زندگی

اس مجلس میں جہاں سات آٹھ پنجابی نوجوان تھے۔ ان سے باتوں ہی باتوں میں لنڈن کی ناپاک زندگی کا بھی ذکر آ

گیا۔ اس پر ان میں سے دو تین کی رائے تھی۔ کہ لنڈن میں اس بارے میں ہندوستان سے بری حالت نہیں، وہاں بھی فاحشہ عورتیں ہیں۔ یہ صرف بڑا شہر ہے۔ اس لیئے یہاں زیادہ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ وہاں سربازار کوٹھوں پر رنڈیاں بیٹھتی ہیں، یہاں بازاروں میں پھرتی رہتی ہیں۔ کیا ہندوستان میں برقعوں کے اندر گرہستی عورتیں بدنام نہیں؟ کیا لاہور امرتسر میں ان کے کوٹھی خانے نہیں؟ تاہم اس جماعت میں دو ایسے شخص تھے۔ جنہوں نے اعتراف کیا کہ اس ملک میں فحش کی کثرت ہے۔ یہاں بوجہ بے پردگی اور کھلم کھلا نوجوانوں سے ملاقات کرنے کی آزادی کی خرابی کی بہت راستے کھلے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ ایک عورت سے شادی کرنے اور زیادہ عورتوں سے بلا شادی تعلق رکھنے میں فرق ہی کیا ہے۔ ایک دوسرے نے کہا مردوں اور عورتوں میں چونکہ مساوات حقوق کی ضرورت ہے۔ اس لئے جب مردوں کو آزادی ہے۔ تو عورتوں کو اپنی پسند کے لیئے آشنا تلاش کرنے میں کیوں آزادی نہ ہونی چاہیئے۔ اسی کے ایک بے تکلف دوست نے جواب دیا کہ اگر کسی کی بہن کوئی آشنا تلاش کرے تو کیا بھائی کو برا نہ معلوم ہوگا؟ پہلے صاحب نے بالکل فلسفیانہ انداز سے کہا۔ کہ اس میں برا معلوم ہونے کی کیا بات ہے۔ ہر فرد و بشر کو اپنے جسم پر کامل اختیار ہونا چاہیئے۔ ایک صاحب نے کہا کہ یہاں عورتیں بھی چونکہ نوکری اور محنت مزدوری کر کے روٹی کما لیتی ہیں۔ اس لئے مردوں کی امداد سے مستغنی ہیں۔ ہندوستان میں ہماری عورتوں کی حالت بہت قابل رحم ہے۔ مردان پر ناگفتہ بہ ظلم ڈھاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ درست ہے۔ کہ ہمارے ملک میں بعض بعض عورتوں پر سختی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو عورتیں گھروں کا انتظام کرتی اور اپنے بال بچوں میں اپنے مردوں کی کمائی کھا کر بے فکری اور چین سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ خود کما کر کھانے والی عورتوں کو ان کے آرام کا عشر عشیر بھی میسر نہیں ہوتا۔ اس پر ایک صاحب بولے کہ اس میں آرام اور تکلیف کی کوئی بات نہیں یہ اصول کا معاملہ ہے عورتیں غلامی اور گھر

کی خدمت گاری کے لیئے نہیں بنائی گئیں ۔ میں نے کہا کیا آپ کا یہ مطلب ہے
کہ وہ آئیندہ بچّے نہ جنا کریں۔ اس نے کہا کیا ضرور ہے۔ تو مینے کہا ایسے ایسے
عورتوں کے حقوق کے حامی پھر کہاں سے پیدا ہوں گے پھر میں نے کہا فرض
کرو کچھ عورتوں کی ایک فوج ہے ۔ جسے کل غنیم پر حملہ کرنا ہے۔ اور اس فوج
میں دس فیصدی ممکن ہے کہ بوجہ ماہواری ایام کی مجبوری کے کام کرنے کے لائق نہ
ہوں۔ اس پر نوجوان سوشل ریفامر نے غضب کی حاضر جوابی کا ثبوت دیا۔ اور کہا
کہ ساری فوج تو دشمن کے مقابلہ میں نہیں بھیجی جاتی۔ یہ دس فیصدی ریزرو میں
رہینگی۔ مجھے یہ اور اس قسم کی بعض باتیں سنکر خیال پیدا ہوا کہ ہمارے بعض
نوجوان کہ جن سے ملک کی امیدیں وابستہ ہیں۔ یہاں آکر کس قدر خیرہ چشم اور
منہ پھٹ ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں کے رسوم اور حالات کے مقابلے میں اپنے
ملک کے تمام انسٹی ٹیوشنوں کو ردی سمجھنے لگے ہیں۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ یہاں
کی خوبیوں سے بھی کافی بہرہ حاصل نہیں کرتے۔ حاشا و کلا میرا مطلب یہ نہیں
ہے کہ سارے ہندوستانی نوجوان یکساں ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض بہت کچھ
سیکھ کر آتے ہیں۔ گو بہت سے ایسے ہی خیال لے کر وطن کو واپس آتے ہیں
کہ ہندوستان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ورنہ اب تک جتنے بیرسٹر اور
دیگر صاحبان یورپ سے تعلیم پاکر ہندوستان میں آئے ہیں۔ ہندوستان کی
حالت کی اصلاح میں اس سے زیادہ کامیابی اور ناموری حاصل کرتے۔

حاجی محمد ڈولی صاحب

مینے لنڈن میں پہنچکر انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی
اور دوسرے ہی دن یہ مجھ سے ملنے ہوٹل میں آئے۔ حاجی
صاحب کا اصلی نام محمد دولہ یعنے دولت ہے۔ اور اصل وطن ان کا کیپ کالونی
(جنوبی افریقہ ہے) وہ آباؤ اجداد سے مسلمان ہیں۔ صرف انگلستان میں رہنے کی
وجہ سے لوگ دولہ کا ڈولی پڑھنے لگے اور بولنے لگے۔ ان کے نانا پہلے پہل ہندوستان
سے کیپ کالونی کو گئے۔ اور دادا عرب تھے۔ جو بصرے سے گئے تھے۔ ان کی ماں اُردو

بولتی تھیں - اور اب تک ان کی ایک ہمشیرہ بمبئی کے ایک شریف مسلمان کے گھر میں ہیں
یہ اردو تھوڑی سی سمجھتے ہیں - کیونکہ کیمپ کالونی میں سب مسلمانوں کی بولی ہالینڈ ڈچ
ہے - جو بوئروں کی زبان ہے - چونکہ اس ملک میں بوئروں کی آبادی زیادہ تھی - اس
لئے اجنبیوں کو وہی زبان سیکھنا پڑتی ہے - ان کے بال بچے اور عزیز سب یہی بولی گھروں
میں بولتے ہیں - گو اب یہ پانچ چھ سال سے انگلستان میں ہیں - اور بال بچوں کو
یہاں تعلیم دلا رہے ہیں - اس لئے اِن کے کنبہ میں انگریزی بھی بے تکلفی سے بولی جاتی ہے
حاجی صاحب کا اپنا اور بال بچوں کا رنگ بالکل گورا ہے - اور یہ خود سوائے ترکی ٹوپی
کے سب یورپین لباس پہنتے ہیں - انھوں نے اپنے انگلستان کی سکونت کی وجہ یہ
بتلائی کہ میں کیپ میں شپنگ کا کام کرتا تھا - اور پہلے پہل اپنے ایک بھانجے کو سکاٹلینڈ
کے میڈیکل کالج میں داخل کرانے کیپ ٹاؤن سے آیا تھا - جہاں میرا کاروبار تھا -
اس کے بعد میں اپنے بیٹے کو مسٹر کویلیم کے مدرسہ لورپول میں داخل کرنے کو لایا - اور سال ایک
سال کی تعلیم کے بعد اسے لنڈن لے آیا - ساتھ ہی اپنی ایک بیوی دو بیٹیاں اور دو
بیٹے بھی لے آیا - اور دوسری بیوی مع بچوں کے کیپ ٹاؤن میں چھوڑ آیا - اصل
غرض یہاں آنے کی بچوں کو تعلیم دلانا تھی - چنانچہ بڑا لڑکا اٹھارہ ماہ میں ڈاکٹری کا
آخری امتحان پاس کرلے گا - لاطینی اور جرمنی زبانوں میں اُس نے امتحان انٹرنز
پاس کیا تھا - دوسرا ابھی مدرسہ میں داخل ہے - لڑکیوں نے مدرسہ میں موسیقی کی
خاصی تعلیم حاصل کی ہے - اب بڑی ہوگئی ہیں - اس لئے مدرسہ میں نہیں جاتیں -

لنڈن میں مسجد

لنڈن میں رہنے کے دوران میں حاجی صاحب کو ضرورت
محسوس ہوئی - کہ لنڈن ایسے مقام میں سب مسلمانوں کے لئے
ایک قبرستان اور ایک مسجد ضرور ہونی چاہئیں - چنانچہ چالیس پونڈ دے کر ایک
عیسائی قبرستان میں تھوڑی سی جگہ قبروں کے لئے خریدی گئی - مسجد کا کمرہ عارضی طور پر
آج تک حاجی صاحب نے اپنے مکان میں رکھا ہے - اور عیدین اور دیگر تقریبوں پر
جمع ہونے والے مسلمانوں کے ریفرشمنٹ وغیرہ سے ہمیشہ اپنی گرہ سے تواضع کی ہے -

جسپر ان کا بہت سا روپیہ خرچ ہو چکا ہے - مگر سوائے ہندوستان کے ایک مسلمان
کے تین شلنگ کے انھیں اور کچھ نہیں ملا - اگر مسلمانان ہندوستان وغیرہ انھیں
بجائے دس ہزار پونڈ کے جو پہلے انھوں نے طلب کئے تھے - اوّل درجہ ایک دو ہزار
پونڈ بھی چندہ جمع کر دیتے - تو یہ برٹش میوزیم کے پاس نہ سہی کہ جہاں ان کا پہلے قصد
مسجد تعمیر کرنے کا تھا - بلکہ شہر کے کسی ایسے نواح میں کہ جہاں تھوڑے روپیہ میں کام
چل جائے - مسجد تعمیر کر لیتے اور خود اس کی آبادی کے لئے بطور متولی رہتے - انھوں نے
سترہ ہزار پونڈ چندہ جمع کر کے کیپ ٹاؤن میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی - شہر میں جس مکان
میں انھوں نے عارضی مسجد رکھی ہوئی تھی - اب بخیال کفایت خرچ و تبدیل ہوا اسے
چھوڑ کر شیفرڈبش کے قریب ایک خوبصورت اور پر فضا نواح میں آ رہے ہیں - ان کا
خیال ہے کہ مسٹر کوئلیم نے مسلمانان ہندوستان سے بہت سا چندہ جمع کر کے اور نیز امیر صاحب
کابل کے عطیہ سے جو مکان خریدا اور مسجد بنائی ہے تو یہ تمام جائداد اپنے ذاتی نام پر درج
کرائی ہوئی ہے - اگر وہ آج مر جائے تو اس کے بیٹے اس کی جائداد پر قابض ہو جائیں گے
اسی طرح ڈاکٹر لائمنز نے لنڈن سے پچیس تیس میل کے فاصلہ پر ووکنگ میں جو بیگم صاحبہ
بھوپال کے روپیہ سے مسجد تعمیر کی تھی - وہ بالکل نکمی ہے - کیونکہ لنڈن میں رہنے والے
مسلمان کبھی وہاں نہیں جاتے - وہ گویا اُن کے کُنبہ کے پرائیویٹ استعمال کا مکان ہے
لیکن میں لنڈن میں مسجد تعمیر کرا کر اس کا متولی بننا چاہتا ہوں - نہ مالک - مجھے حاجی
صاحب کے اس خیال سے پوری ہمدردی ہے - اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انگلستان
ایسی سلطنت کے پایۂ تخت میں جو دنیا کے سب سے زیادہ مسلمانوں پر حکومت کر رہی
ہے - ایک بہت عمدہ مسجد ہونی ضروری ہے - پیرس میں ایک عالیشان مسجد گورنمنٹ
فرانس کی امداد سے تعمیر کی گئی ہے - بجائے کہ فرانس کی زیر حکومت اُس سے آدھی
تہائی بھی مسلمان آباد نہیں جتنے کہ انگلستان کے ہیں - لنڈن میں صدہا نوجوان
مسلمان بغرض تعلیم و تجارت و سیاحت جاتے ہیں - اور امید ہے کہ آیندہ ان کی
تعداد ہمیشہ بڑھتی رہے گی - اس لئے بالکل موزوں بالکل ضروری ہے کہ لنڈن میں

ایک مسلمانوں کی عبادت گاہ رہے ۔

حاجی صاحب کا گھر

اس کے بعد پھر دو دفعہ حاجی محمد ڈوولی صاحب نے مجھے اپنے گھر کھانے اور چائے پر طلب کیا ۔ اور یہاں مینے ان کا کنبہ بھی دیکھا ۔ حاجی صاحب نے پہلے روز کہا کہ کیپ کالونی میں ہم لوگوں میں پردہ کا دستور نہیں ہے ۔ ہماری بہو بیٹیاں بازاروں میں بھی کھلے منہ پھرتی ہیں ۔ اور یہ کہہ کر اپنی بیٹیوں اور بی بی کو بھی جس کمرہ میں ہم لوگ تھے طلب کر لیا ۔ یہ بیبیاں بالکل شائستہ اور تعلیم یافتہ ہیں ۔ حاجی صاحب نے کہا مینے اپنی دونوں بیٹیوں کو مدرسہ میں بھیجکر خوب باقاعدہ پیانو باجا بجانا سکھلایا ہے ۔ اور وہ اب تمھیں کچھ سنائیں گی ۔ یہ دونوں نوجوان خوبصورت لڑکیاں بالکل یورپین لباس میں ملبوس تھیں ۔ بڑی کا نام عائشہ ۔ عمر اٹھارہ سال اور چھوٹی کا نام فاطمہ عمر سولہ سال ۔ باپ سے حکم پا کر دونوں نے باری باری سے اور ملکر بھی خوب باجا بجایا ترکوں کا حمیدیہ مارچ اور کئی یورپین مارچ اور گیت خوب گائے ۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں سے بھی فرمائش کی کہ وہ گا کر سنائیں ۔ پھر تینوں لیڈیوں نے ڈچ زبان کا ایک گیت گا کر سنایا ۔ جس کا لہجہ بہت موثر معلوم ہوتا تھا ۔ کھانا اور طریق معاشرت ان کے یہاں بالکل یورپین تھا ۔ اور واقعی یہ ایک اچھے یورپین کنبے کی طرح تعلیم یافتہ اور شائستہ تھے ۔ حاجی صاحب نے کہا ۔ چونکہ مینے مسلمانوں کے واسطے مسجد وغیرہ کے لئے ایجیٹیشن اور امامت کا کام شروع کیا تھا ۔ جتنا کام مینے کیا ہے اگر میرا کنبہ نہ ہوتا تو میں اتنا کام نہ کر سکتا ۔ یہ سب لوگ مجھے کام میں مدد دیتے رہے لڑکیاں باجہ بجاتی تھیں ۔ اور لڑکے گاتے تھے ۔ اور لکھنے پڑھنے کا کام بھی کرتے تھے ہمارا تمام کنبہ اس قابل ہے کہ کسی یورپین کنبہ میں ملکر بھسنڈی نہیں رہے گا ۔ کیا معلوم نہیں ہندوستان کے مسلمان کیوں باجا بجانے کو بُرا کام سمجھتے ہیں ۔ برا تو وہ گانا بجانا ہے جو اُجرت پر کیا جائے ۔ نہ کہ اپنے دل کی خوشی اور عبادت کے لئے گانا بُرا ہے ۔ پھر انھوں نے مجھے کیپ کالونی کے مسلمان خاتونوں کے سروں پر باندھنے کا رومال دکھلایا جو ایک گز مربع کا ریشمی ہوتا ہے ۔ اس کے سوائے اُن کا سب لباس یورپین ہوتا ہے ۔ پھر کنبے کے

فوٹوگرافوں کا البم دکھلایا۔ بوئروں کے ذکر کے متعلق حاجی صاحب نے کہا ڈچ لوگوں کی حکومت تو اچھی نہ تھی۔ اور وہ مسلمانوں سے اچھا سلوک بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ابھی انھیں اس ملک کی حکومت کرتے بیس سال سے زیادہ مدت نہیں گذری تھی جس میں وہ خاصی ترقی کر رہے تھے۔ اور وہاں کے قانون بھی ابھی بہت پختہ نہیں تھے۔ اس لئے اُن میں کچھ رعایت ہوسکتی تھی۔ علاوہ اس کے بوئر لوگ دل کے بُرے نہ تھے۔ جنوبی افریقہ کی مشکلات اور کالوں گوروں کے مابین تعلقات کی نسبت کہا۔ کہ بیشک انگریزی علاقہ نٹال میں ہندوستانی انگریزوں والی ریل گاڑی پر سوار نہیں ہوسکتے۔ ایک وہاں کے کافر (حبشی باشندے) نے جو خوب انگریزی لکھا پڑھا ہے۔ اور ایک دیسی اخبار کا ایڈیٹر بھی ہے۔ حاجی صاحب سے شکایت کی تھی۔ کہ جب میں ایک ریلوے سٹیشن پر کھانا مانگنے لگا۔ تو ہوٹل والوں نے کہا۔ کہ سامنے کے دروازہ سے نہیں بلکہ تم باورچی خانہ کے دروازہ کی طرف سے آکر کھانا لو۔ جو ایک نہایت حقارت کی علامت تھی۔ حاجی صاحب کے ایک بیٹے کو نٹال کے ایک مدرسہ میں صرف اس لئے داخل نہیں کیا گیا۔ وہ کالا ہے۔ حالانکہ کئی بوئروں سے اس کا رنگ گورا تھا۔ اور اس کی فیس ایک پونڈ دوسرے روز لوٹا دی گئی۔ حاجی صاحب قسطنطنیہ بھی دیکھ آئے ہیں۔ اور ترکوں کی ترقی کی نسبت ان کی رائے عمدہ نہیں۔ انکا خیال ہے۔ کہ سلطان المعظم کے گرد و پیش جو مشیر رہتے ہیں وہ انھیں حقیقت حالات سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔ کہا کہ جو عیسائی صوبے ٹرکی سے بیس سال پہلے الگ ہوگئے ہیں۔ اب اُن کے چھوٹے چھوٹے قصبوں کی صفائی قسطنطنیہ سے اچھی ہوگئی ہے اور میری اپنی رائے بھی اس بارہ میں حاجی صاحب سے بہت مختلف نہیں۔ گو ترکوں کی اس کمزوری کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ دوسرے اس سے زیادہ ضروری کاموں میں ایڑی سے لے کر چوٹی تک پھنسے ہوئے ہیں۔ میری ترکی ٹوپی کی نسبت حاجی صاحب نے کہا کہ تم نے اچھا کیا ہے۔ سر کے مشرقی لباس کو قائم رکھا ہے۔ سکھ۔ چینی۔ شامی۔ مصری وغیرہ جو قومیں یہاں آتی ہیں اپنے سر کی پوشش قائم رکھتی ہیں۔ صرف مسلمانانِ ہندوستان

یہاں آکر جھٹ انگریز بن جانا چاہتے ہیں۔ لیکن اپنے رنگ کی وجہ سے انگریزوں میں تو شریک نہیں ہو سکتے۔ اور اجنبیوں کی عزت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ (ان سطور کے چھپنے سے پہلے مجھے یہ افسوسناک خبر معلوم ہوئی کہ حاجی محمد ڈولی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے) اور لنڈن میں۔ اسلامک ایسوسی ایشن کے سرگرم سکرٹری مسٹر عبداللہ المامون سہروردی ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سرمایہ بہم پہونچانے میں بہت کوشش کر رہے ہیں ؛

ویجی ٹیرین کھانا

لنڈن میں اکثر اوقات ویجی ٹیرین رسٹارنٹوں میں کھانا کھاتا رہا۔ جو میرے مکان کے گرد وپیش بہت سے تھے۔ اور یہاں اور بھی ہزارہا لوگ کھانا کھاتے تھے۔ ان میں سوائے گوشت کے اور ہر ایک چیز ملتی ہے انڈا اور دودھ بھی ملتا ہے۔ اور غلے ترکاریاں اور میوہ جات طرح طرح سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ان رسٹارنٹوں کے نرخ بھی دوسرے رسٹارنٹوں سے نسبتاً ارزاں معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی یہودی رسٹوران میں میں سید الطعام بھی کھا آتا تھا۔ دلچسپی ناظرین کے لئے میں لنڈن کے ہائی ہوبرن کے ویجی ٹیرین رسٹوران کے ایک روز کے کھانوں کی فہرست ذیل میں درج کر دیتا ہوں ؛

کھانے کا نام	قیمت	مطلب
پورج۔		
اوٹ میل اینڈ ملک	۳ پنس	جئی کی سوجی
وہیٹ میل "	۳ "	گیہوں کی سوجی
سوپ۔ ملی گاٹوانی سوپ	۳ "	بلا گوشت صرف بقولات کا شوربہ
سیلوریز۔ ہیریکاٹ اک ٹیٹو	۴ "	مونگ کی قسم کی پھلی اور انڈے
ماکرونی اٹالین اینڈ	۴ "	ایک قسم کی موٹی سیویاں مع
سکارلٹ رنرس	۴ "	ایک قسم کی پھلیوں کے۔
بیکڈ چیز اینڈ ٹومیٹوز	۴ "	پنیر اور ولایتی بینگن۔

کھانے کا نام	قیمت	مطلب
ویجی ٹیبل ... اینڈ پوٹیٹوز	۴ پنس	بقولات اور آلو
فرائیڈ اگ اینڈ میشڈ پوٹیٹو	۶ ؍	بُھنے ہوئے انڈے اور آلو
سیوری فرٹر اینڈ رنرس	۴ ؍	ایک قسم کی پھلیاں اور کیک کی قسم
بقولات - ٹماٹو	۲ ؍	ٹماٹر
کوکرموتا	۲ ؍	
رنز	۲ ؍	پھلیاں
چقندر	۲ ؍	
پنیر پڈنگ	۲ ؍	پوڈین
پٹیٹو میش	۲ ؍	آلو
کیبی نٹ پڈنگ	۳ ؍	پوڈین
ٹاپی اوکا کسٹرڈ	۳ ؍	
ایپل جام	۳ ؍	مربہ
کولڈ کسٹرڈ اینڈ سٹوڈ فروٹ	۵ ؍	میوہ جات مع کسٹرڈ
کولڈ سوئیٹش - جام یا فروٹ	۴ ؍	مربہ یا میوہ جات
فروٹ جیلی اینڈ ایپری کاٹس	۴ ؍	مربہ و میوہ
سٹوایپلس	۳ ؍	پختہ سیب
گرین گاجز	۳ ؍	ترکاری
چائے یا قہوہ	۲ ؍	
بالائی	۲ ؍	
پنیر	۲ ؍	
کیلے	۲ ؍	
بسکٹیں	۲ ؍	
منرل واٹر	۲ ؍	معدنی پانی

کچھ اور ملاقاتیں

مسٹر میسن نے مجھے پیرس سے اپنے بھائی اور بہنوئی کی طرف انٹروڈکشن کے خط لکھدیئے تھے - اس لئے جب میں لنڈن میں پہنچا تو مینے بذریعہ ڈاک یہ خطوط ان صاحبان کے پاس بھیجدیئے کہ جن کے نام کے تھے - ان میں سے بعض صاحبان مجھ سے ملنے کو خود آگئے - اور بعض نے مجھے اپنے مکانوں پر طلب کیا - جو عموماً میرے ہوٹل سے پانچ سے پندرہ میل تک بعید تھے - میں ان میں سے دو تین ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہوں - ایک روز میں لڈگیٹ سرکس کے سٹیشن سے ٹلسی ہل کو گیا جو چھ سات میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا - تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا - پانچ پینی کرایہ تھا - تھرڈ کلاس میں بھی گدیلے تھے - مگر زیادہ اُجلے لوگ فرسٹ اور سیکنڈ کلاس میں تھے - تھرڈ کلاس میں زیادہ غریب لوگ تھے - فرق آرام کا نہیں بلکہ نام کا معلوم ہوتا ہے - یہ مقام لنڈن کا سوربَ (نواح) کہلاتا ہے - تمام راستہ آبادی چلی گئی - یہ مسٹر میسن کیمسٹ کی دوکان کرتے ہیں - اُنھوں نے میری بہت تواضع کی اور مجھے از خود دو تین خطوط سفارشی لنڈن کے بعض مشہور اشتہار دینے والوں کے نام لکھدیئے - اور کہا کہ اگر ان میں سے کسی میں کامیابی نہ ہو - تو مایوس نہ ہونا - چونکہ آج کل لنڈن میں عام تعطیل کا زمانہ ہے - اور اکثر تفریح کے لئے لوگ لنڈن سے باہر گئے ہوئے ہیں اس لئے بہت لوگ ملیں گے بھی نہیں - مینے کہا - اگر کامیابی ہوگئی تو میں اسے غنیمت سمجھونگا ورنہ میں سیر و تفریح کے لئے ہر روز اور ہر وقت پھرتا رہتا ہوں - اتنے میں نوکرانی نے میز پر سفید چادر بچھادی - اور سہ پہر کا کھانا لایا گیا - میاں بیوی مع اپنے ایک بچے اور دوکان کے ایک اسسٹنٹ کے کھانے پر بیٹھ گئے - نوکروں کو عموماً یہ لوگ ساتھ کھانا کھلاتے ہیں - نوکرانیاں پیچھے الگ کھاتی ہیں - کھانے کے وقت وہ کھانے کی چیز میز پر لاکر رکھدیتی ہیں - اور پھر چلی جاتی ہیں - نوکرانیوں کی علامت یہ ہے کہ سر پر ذراسی سفید ٹوپی ہوتی ہے - جو سفید دھجیوں سے بندھی ہوتی ہے - اور سامنے سفید ایپرن لٹکتا رہتا ہے - مسٹر میسن نے کہا - ہمارا دادا بھی کیمسٹ تھا - باپ بھی کیمسٹ اور ہم دونوں بھائی بھی سند یافتہ کیمسٹ ہیں - ایک بہنوئی کیمسٹ ہے - میرا ایک سالا بھی کیمسٹ

ہے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بعض پیشوں میں کیسے مطمئن ہیں؛

مینے اپنے ہوٹل کے قریب ایک مطبع میں کچھ اپنے کارڈ چھپنے کو دیئے تھے۔ ایڈروز صاحب سابق پرنسپل میو سکول آف آرٹ لاہور کی وہاں آمد و رفت تھی انھوں نے میرا حال معلوم کر کے مجھے ملاقات کے لئے چٹھی لکھی۔ اور ایک روز وہ آئے۔ دیر تک ان سے ہر قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہندوستان کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے انھوں نے لاہور کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ اب لنڈن میں متفرق کام ڈرائنگ وغیرہ کا کرتے ہیں۔ اسی روز بازار میں گذرتے ہوئے مجھے ایک کالے رنگ کے صاحب کوٹ پتلون اور سٹرا ہیٹ پہنے ہوئے سامنے سے ملے اور مینے انھیں جھٹ پہچان لیا۔ یہ تو ہمارے ملتان کے دوست میر صفدر حسین صاحب تھے۔ جو اپنے آقا کے ایک بھاری مقدمہ کے اپیل پریوی کونسل میں دائر کرنے کو آئے ہوئے تھے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ یہ کامیابی سے واپس گئے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ گھاس کی ٹوپی آپ نے بایں ریش وفش کیوں پہنی۔ کہنے لگے جب تک مینے یہ ٹوپی نہیں پہنی تھی گلیوں میں لڑکے مجھے "بلیکی بلیکی" کہتے تھے۔ لاہور کے ہر دلعزیز بیرسٹر لالہ گنپت رائے صاحب کے بھائی ڈاکٹر دھنپت رائے صاحب نے مہربانی کر کے مجھے دو تین دفعہ لنڈن کے مختلف قابل دید مقامات دکھلائے۔ جن کے لئے میں انکا مشکور رہوں۔ ڈاکٹر صاحب اب تعلیم ختم کر کے بالفعل وہیں پریکٹس کرتے ہیں۔ (ان اوراق کے چھپنے کے وقت لاہور میں پریکٹس کر رہے ہیں) ہندوستان کے چند طالب علموں کے سوائے جو مجھے وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔ لاہور کے دور و سار سے بھی یہاں ملاقات ہوئی۔ رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر اور دیوان نریندر ناتھ صاحب ڈپٹی کمشنر بھی انھیں دنوں لنڈن میں وارد تھے۔ رائے بہادر مدن گوپال صاحب نے جب میرے آنے کی کیفیت سُنی تو خود میرے ہوٹل میں مجھ سے ملنے گئے۔ لیکن میں اس وقت موجود نہ تھا۔ اور جب میں ڈاکٹر دھنپت رائے صاحب کے ساتھ ان کے ہوٹل پر ان سے جاکر ملا۔ تو بڑے تپاک سے ملے۔ واپسی پر

مجھے الاچیاں دیں اور مکان کے نیچے تک چھوڑنے آئے - لیکن دیوان نریندر ناتھ صاحب مجھے راستہ میں ایک روز لڈگیٹ سرکس کے سامنے مل گئے - مینے دیکھا ایک شخص سر پر پگڑی باندھے انڈیا آفس کا راستہ پوچھ رہا ہے - میری ان سے پہلے ملاقات نہ تھی مگر مینے انھیں پہچان لیا - اور اپنا نام بتلایا - انھوں نے کہا مینے تمھارے آنے کی خبر سُنی تھی - اور پھر انڈیا آفس کو چلے گئے -

مسٹر رفیع الدین احمد بیرسٹرایٹ لا بھی ایک دو دفعہ میرے ہوٹل میں ملنے آئے اور پھر مجھے سیر کو بھی ساتھ لے گئے - انھوں نے کہا کہ مینے اپنی زندگی کا مقصد یہ قرار دیا ہے - کہ لنڈن میں رہ کر مسلمانان ہندوستان کے حقوق کی حفاظت کروں - اور پارلیمنٹ میں داخل ہو جاؤں - پچھلے انتخاب کے موقع پر بوجہ آرینا کے قضیہ کے کسی مسلمان ممبر کے کامیاب ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی تھی - یہ بھی کہا کہ بعض مسلمان امرا جو یہاں آئے ہیں - مینے انھیں صلاح دی ہے - کہ لنڈن میں ایک مسلمانوں کا ہفتہ وار اخبار نکالنے کے لئے سرمایہ لگائیں - مگر ابتک کسی نے توجہ نہیں کی - پھر کہا کہ لنڈن کے تمام بڑے بڑے اخبارات لنڈن ٹائمز پالمال گزٹ اور سینٹ جیمز گزٹ کے ایڈیٹروں کو جب ضرورت ہوتی ہے - کہ کسی اسلامی معاملہ پر مضمون لکھیں - تو وہ مجھ سے لکھوا لیتے ہیں - (اس کے بعد مولوی صاحب ہندوستان میں آگئے ہیں - اور بمبئی میں پریکٹیس کرتے ہیں - اور قومی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں)

اپاتھے کیریز ہال

لنڈن میں اپاتھیکریز ہال جو اخبار لنڈن ٹائمز کے دفتر سے قریب ہی ہے - ایک نہایت معتبر اور معزز سوسائٹی اپاتھے کریوں یعنی دوا سازوں کی ہے - جو ١٦١٧ء سے قائم ہے - اس کے بعد بعض پارلیمنٹ کے ایکٹوں کے ذریعے اس سوسائٹی کو اس قدر اعتبار اور اختیار حاصل ہوئے - کہ اب انگلینڈ اور ویلز میں جو لوگ اپاتھے کیری بننا چاہتے ہیں - وہ صرف اس سوسائٹی کے امتحان دے کر یونیورسٹی کی سند حاصل کر سکتے ہیں - مسٹر چٹاوے اس معزز سوسائٹی

کے سکرٹری اور سب سے بڑے افسر اس کارخانہ کے ہیں۔ انھوں نے مجھے ایک شام کو اپنے مکان پر کھانے پر بلایا۔ پہلے انھوں نے مجھے ایا تھیکر یز ہال کے تین سو سال کے بنے ہوئے تمام مکانات اور وہ کمرے دکھلائے۔ جن میں یونیورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں۔ اور ڈگریاں ملتی ہیں۔ پھر رائی پینے کی بڑی بڑی چکیاں دکھلائیں۔ جو انجن سے چلتی ہیں۔ انگلستان میں دواسازی کا یہ سب سے بڑا کارخانہ ہے۔ جب میں نے ان چکیوں کو دیکھا تو ان میں کری پوڈر پس رہا تھا جو معلوم ہوا کہ ہندوستان کو بھیجا جاتا ہے۔ اور اسی سے وہ کڑھی بنائی جاتی ہے۔ جسے انگریز لوگ ہندوستان کا کھانا سمجھکر کھاتے ہیں۔ پھر برقی روشنی کی باٹریاں اور آن سے مختلف کمروں کو روشن کرکے دکھلایا۔ مسٹر جٹاوے باوجودیکہ کیمسٹ اور دواؤں کے ایلائزر (حل وعقد) کرنے والے ہیں تاہم انھیں الکٹریسٹی (علم برق) کے سیکھنے کا شوق ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گھر میں برقی روشنی کا انتظام خود کر رکھا ہے۔ ان کا گھر میرے ہوٹل سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ اور وہاں تک لنڈن کی برقی روشنی کا سلسلہ نہیں جاتا۔ اس لئے انھوں نے ایک چھوٹا سا گیس انجن (اڑھائی ہارس پاور کا) اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے ذریعہ سے برقی ڈائنمو کو چارج کر لیتے ہیں۔ اور ان کی بیوی بھی انجن اور ڈائنمو کو سمجھتی ہیں۔ اس لئے اتنا کام وہ بھی کر سکتی ہے۔ جب یہ ایک روز مجھے اپنے چھوٹے سے ورکشاپ میں لے جا کر انجن چلا کر دکھلا رہے تھے۔ تو مینے کہا کہ میں اصول برق سے واقف نہیں ہوں۔ اسپر میرے میزبان نے کہا کہ میں خود اس سے ایسا ہی ناواقف تھا۔ لیکن مینے کتابوں کے ذریعہ سے اور ورکشاپ میں انگلیاں جلا کر ضرورت کے لائق یہ علم سیکھ لیا ہے۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ اور چلتے ہوئے مجھے دو کتابیں اس علم پر دیں۔ یہ مجھے کچھ برقی کارخانوں میں لیجا کر بہت سے برقی سامان دکھلانا چاہتے تھے۔ اور ایک برقی کارخانہ میں چند روز کام سمجھنے کے لئے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ مگر بدنصیبی سے میں زیادہ دیر لنڈن میں نہ ٹھہر سکا۔ اور ان کے ساتھ دریا پر شکار کے لئے جانے کے جو قرارداد

تھی - وہ بھی فسخ کرنا پڑی - جس شام کو میں اِن کے مکان پر گیا - مینے واٹرلو اسٹیشن سے ٹوکنہام تک دوم درجہ کا واپسی ٹکٹ دو شلنگ کو لیا - واٹرلو سٹیشن بہت بڑا ہے چند منٹ میں گاڑی لبالب ہو گئی - یہاں گاڑیوں کے چلنے کا زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتا - جب میں ٹوکنہام اسٹیشن پر پہنچا - راستہ میں ایک انگریز مسافر سے بات چیت ہوتی رہی تھی - اس نے مجھسے کہا کہ یہاں مجھے ایک دوسری ٹرین کا پانچ منٹ انتظار کرنا ہے - چونکہ تم راستہ نہیں جانتے - میں تمھیں اس سڑک پر ڈال آتا ہوں - وہ بے چارہ بھاگ کر مجھے اس مکان کے قریب چھوڑ گیا - کہ جسپر مجھے جانا تھا - اس طرح کے چھوٹے چھوٹے مہربانی اور مسافر نوازی کے بہت سی مثالیں مینے یہاں نوٹس کیا ہے - گو انگریز بڑی خاموش رہنے والی قوم ہے - تاہم اجنبیوں سے یہ بہت انسانیت سے پیش آتے ہیں - جب میں اس گھر میں پہنچا تو صاحب خانہ بیگم نے جو پھولوں کے گلدستہ بنا رہی تھیں - مجھے بہت تواضع سے بٹھایا - میاں کے آنے سے پہلے گلدستوں کو جابجا سجا دیا - اور مجھ سے پوچھنے لگیں کہ تمھارے ملک میں تو پھول بہت ہوتے ہوں گے - مینے دل میں خیال کیا کہ پھول تو بہت ہوتے ہیں - لیکن ہم کب انھیں اس شوق سے رکھتے اور اُن سے کام لیتے ہیں - ایک روز اس سے پہلے بھی ایک لیڈی نے مجھے کہا تھا - کہ ہم لوگ ایک ایک پھول کو احتیاط سے پالتے اور اپنی میزوں پر سجاتے ہیں - غرض ہم کھانے پر بیٹھے - مینے ابلی ہوئی مچھلی اور اُبلا ہوا گوشت اور بقولات تو کھائیں - لیکن جب تلے ہوئے آلو آئے تو مینے اپنا شبہ بیان کیا - انھوں نے کہا ہم لوگ گرم موسم میں بالکل سور کے گوشت یا چربی کا استعمال نہیں کرتے - کھانے کے دوران میں مسز چیٹاوے زیادہ تر ہندوستان کی عورتوں کے پردہ اور ستی اور طلاق کے متعلق نہایت تعجب سے سوالات پوچھتی رہیں - مسٹر چیٹاوے نے مجھ سے کہا - تم بہت صاف اور صحیح انگریزی بولتے ہو - اسی طرح تین چار مرتبہ پیشتر بھی مجھے انگلستان کے کنبوں میں لوگوں نے ایسا ہی کہا ہے - یہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہندوستان میں باضابطہ یہ زبان سکھلائی جاتی ہے - اور صرف اپنی زبان کو

کسی اجنبی سے ذرا اردو اتی سنکر متعجب ہو جاتے ہیں ؛

انگریزوں کی خودپرستی

مسٹر چٹاوے آزاد خیال آدمی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اکثر انگریز وسیع خیالات اور روشن طبائع رکھتے ہیں۔ مگر ان میں اپنی قوم کی عزت اور دوسری تمام قوموں کو اپنے برابر نہ سمجھنے کا خیال ایسا گہرے طور پر متمکن ہو چکا ہے کہ وہ نکلنا ہی نہیں۔ سلسلہ گفتگو کے مابین کہ انگریزوں کو لائق ہندوستانیوں کی عزت کرنی چاہیئے۔ میرے میزبان نے کہا کہ پہلے میں بھی اسی بات کا قائل تھا۔ کہ انگریزوں ہی کی عزت کرنی چاہیئے۔ اجنبیوں کی عزت کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر تھوڑا عرصہ گذرا ہے۔ ہماری ایک کمیٹی میں کہ جس کا نام ناشش ہے۔ اور جو کہ لنڈن کا ایک معزز مجمع ہے۔ پریسیڈنٹ کے انتخاب کا معاملہ پیش ہوا جو شخص عہدہ پریسیڈنٹ کے لئے منتخب کیا جانے کے لائق تھا۔ وہ انگریز نہیں تھا۔ بلکہ یورپ کے کسی دوسرے ملک کا رہنے والا تھا۔ مگر انگلستان کا نیچرلائیزڈ رعایا بن چکا تھا۔ تاہم اجنبی ہونے کی وجہ سے اُسے بعض انگریز پسند نہ کرتے تھے۔ اسپر اُس نے کھڑے ہو کر ایک تقریر میں یہ فقرہ بیان کیا۔ "صاحبان تم اتفاقاً انگریز پیدا ہوئے۔ اور میں نے انگریز بننا پسند کیا ہے"۔ چنانچہ مسٹر چٹاوے نے کہا کہ مجھ پر اس فقرہ کا بڑا اثر ہوا۔ اور میں نے اس وقت سے مان لیا۔ کہ لیاقت کہیں بھی ہو۔ اس کی عزت کرنی چاہیئے۔ افسوس ہے کہ میں بوجہ لنڈن سے جلدی چلے آنے اور وہاں ایسے زمانہ میں پہنچنے کے کہ جبکہ بہت لوگ بوجہ تعطیل شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ایسے بہت سے لوگوں سے نہ مل سکا۔ کہ جن کے نام کے میرے پاس خطوط تھے۔ یا جن سے کہ مجھے وہاں کے ملاقاتی ملاقات کرانا چاہتے تھے ؛

انگلستان کی بہادر مائیں

لاہور گورنمنٹ کالج کے پروفیسر آرنولڈ صاحب جیسے خود فرشتہ سیرت ہیں۔ ویسے ہی ان کے ماں باپ بھی خوش اخلاق اور نیک ہیں۔ میں ایک روز چیرنگ کراس سٹیشن سے سوار ہو کر ان کے مکان واقع لوئی شام ہگٹن کو ملاقات کے لئے گیا۔ یہ چھ میل کا سفر تھا۔ مگر چھ میل نہیں پندرہ میل تک لنڈن کے

ہر طرف آبادی ہی آبادی ہے۔ کہیں سلسلہ مکانات کا ختم ہونے میں نہیں آتا۔ بہر حال میں اُن کے گھر پر پہنچا۔ پروفیسر صاحب کی والدہ صاحبہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ تم میرے ٹام کے دوست ہو۔ اس لئے میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ مجھ سے کہا تم اسے پروفیسر آرنولڈ نہ کہو۔ بلکہ ٹام کہو۔ مجھے پچھلے دنوں اس کی سخت بیماری کی خبر آئی تھی۔ جس سے مجھے اس کی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ اور میں اسی فکر سے بیمار ہو گئی۔ اور تبدیل آب و ہوا کے لئے شہر سے باہر چلی گئی۔ ہر چند کہ میرے اور بھی لڑکے لڑکیاں ہیں۔ کہ جن پر میں ناز کرتی ہوں۔ لیکن ٹام سے مجھے بہت محبت ہے۔ پھر مجھے پروفیسر صاحب کی دو تصنیف کردہ کتابیں نکال کر دکھلائیں۔ کہا کہ میرے اس بیٹے کے سوائے جو لاہور میں ہے۔ میری ایک لڑکی انگلستان ہی میں مدارس زنانہ کی انسپکٹرس ہے۔ دوسری دو لڑکیاں جزائر ٹرینی ڈاڈ میں سررشتہ تعلیم میں ملازم ہیں۔ ایک لڑکی پاس ہے۔ جس کی گذشتہ جون میں شادی کی ہے۔ اور داماد مسٹر رچرڈس بھی اسی گھر میں رہتا ہے۔ اور ایک لڑکا فوج میں افسر ہے جو جبرالٹر میں مقیم ہے۔ یہ سُنکر پھر ایک مرتبہ انگلستان کی جوانمرد عورتوں اور بہادر ماؤں کو آفریں کہنے کو میرا دل چاہا۔ اُن کے لڑکے اور لڑکیاں اپنے وطن سے نکل کر دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جاتے ہیں۔ جبھی تو انگلستان کی حکومت دنیا کے ہر حصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ ایک ہمارے ہندوستان کی مائیں ہیں۔ کہ کبھی گوارا نہیں کرتیں۔ کہ ان کے بیٹے بیٹیاں آنکھ اوجھل ہوں اس کے بعد اس محترم سال خوردہ لیڈی نے مجھے ایک الماری سے کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں کھلونے اور چینی کے برتن دکھلائے جو یا تو اُس کے بیٹے بیٹیوں نے بھیجے تھے۔ یا بچپن کے زمانہ سے اس نے انھیں رکھا ہوا تھا۔ اور ہر چیز کے ساتھ ایک شان نزول تھا۔ یورپ کے سب ملکوں میں یہ دستور عام پایا جاتا ہے۔ ہندوستانی عورتوں کو سوائے زیورات یا اثاث البیت کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ آرائش کی چیزوں یا چھوٹے موٹے تحفوں کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا ابھی اس

ملک میں خیال پیدا نہیں ہوا؛

گرینیچ رصدگاہ اور بحری عجائب خانہ

کھانا کھانے کے بعد مسٹر اور مسز آرنولڈ مجھے گرینیچ کا مشہور پارک اور ہسپتال دکھلانے کو ساتھ لے گئے۔ گرینیچ ہسپتال پہلے شاہی محل تھا۔ مگر پھر بحری سپاہیوں کا ہسپتال اور اب بحری تعلیم کا کالج ہے اس میں ایک ہال انگلستان کے امیر البحروں کی قد آدم تصاویر کا ہے۔ اور کئی بحری معرکوں کے مرقعے بھی ہیں۔ چند افسروں کے روئیں اور سنگ مرمر کے بت بھی ہیں۔ امیر البحر لارڈ نلسن کا وہ لباس بھی جو اس نے ایک گولی لگنے کے وقت پہنا ہوا تھا۔ یہاں رکھا ہوا ہے۔ یہ ایک سیاہ کوٹ ایک واسکٹ۔ ایک برجز اور جرابوں کا جوڑہ ہے۔ آجکل کے کپڑوں کے مقابلہ میں یہ کیسے بھدے اور معمولی کپڑے ہیں۔ اِن سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس زمانہ سے آج تک کپڑے بُننے میں دُنیا نے کتنی ترقی کی ہے۔ امیر البحر کے سر کے کچھ بال (چینیوں کی طرح انگریز بھی اس زمانہ میں بالوں کی چوٹیاں بناتے تھے) اس کی تحریر کے چند نمونے اس کے کھانے پینے کے دو ایک برتن۔ اس کی شمشیر مع طلائی نیام۔ اور ایک ہاتھی دانت کے کام والی توڑہ دار بندوق اور باروددان کے جو سلطان ٹرکی نے جنگ نیل کی یادگار میں اسے دی تھی۔ سب محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ نلسن اور اس کے جہاز "وکٹری" (فتح) کی چند تصویریں بھی یہاں تھیں۔ جنھیں لوگ نہایت عقیدت سے دیکھتے تھے۔ اس مکان کی سقف پر ایک نہایت عمدہ تصویر بطور "الیگری" کے ایک اُستاد نے بنائی ہے جو مدت تک پشت کے بل لیٹ کر اس تصویر کو بناتا رہا۔ مشہور ہے کہ ایک دفعہ یہ استاد مصور اس تصویر کے بنانے اور اپنی دستکاری کو دیکھ کر پسند کرنے میں اسقدر محو تھا کہ اس کا ایک قدم پیچھے پڑنے والا تھا۔ اور اس قدم کے پیچھے پڑتے ہی وہ اس نشست سے جو اس کام کے لئے بنائی ہوئی تھی گر کر مرجاتا فی الفور اُس کے ایک شاگرد نے یہ خطرہ کی حالت دیکھ کر تصویر کے منہ پر رنگ کا برش پھیر دیا۔ اور اُستاد بجائے پیچھے قدم رکھنے کے اپنی تصویر بچانے کو آگے کو بڑھا اور اس کی جان بچ گئی۔ اس کے

سامنے دوسرے مکان میں ایک بحری عجائب خانہ ہے اس میں بہت سے لکڑی کے جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے اور جہاز سازی کے سمجھانے کے لئے جہاز کے پرزوں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ جنگ ٹریفالگر کی حالت۔ فرانس اور انگلستان کے جہازوں کے بیسیوں نمونے بناکر انھیں اسی پوزیشن میں رکھا گیا تھا۔ کہ جس میں معرکہ جنگ کے وقت وہ تھے۔ غرض جہازرانی کے آلات اور تمام سامان متعلقہ یہاں دکھلایا جاتا ہے۔ یہاں دریائے ٹیمز شہر کے اندر کی نسبت بہت چوڑا تھا۔ لنڈن کے دائمی دھوئیں کی وجہ سے یہ شاہی محلات ایسے سیاہ ہو رہے تھے۔ کہ سنا ہے ایک دفعہ انھیں دھونے کی بھی کوشش کی گئی۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں سے ہم رصدگاہ گرینج کو دیکھنے گئے۔ جو گرینج پارک میں ایک دوسرے شاہی محل کے پس پشت ہے کہ جس میں ملکہ الیزبیتھ رہتی تھی۔ گرینج پارک بڑا وسیع اور بہت خوبصورت ہے۔ ہزاروں عورتیں بچے اور مرد یہاں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے اور بعض کھانے پینے پھرنے کھیلنے اور تفریح میں مصروف تھے۔ اس قسم کی تفریح کا ہمارے ملک میں کوئی رواج نہیں۔ جس زمانہ میں کشمیری شالوں کی یورپ میں قدر تھی۔ اس وقت امرتسر کے شال باف کشمیری کبھی کبھی اس قسم کی سیر و تفریح کے لئے کام سے تعطیل کرکے امرتسر کے باغات میں جاتے تھے۔ اور وہیں کھانے پکاکر دن بھر رہتے تھے۔ لاہور میں بھی بعض بعض حرفوں کے لوگ اکٹھے ہوکر سال میں ایک آدھ دفعہ شالامار باغ یا شاہدرہ کے باغ میں سیر کو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے بہت کچھ بہتر طور پر انگلستان کے اکثر لوگ ہر اتوار کو بلکہ بہت سے لوگ ہفتہ کے ساتوں دن سیر و تفریح کے لئے فرصت نکال لیتے ہیں۔ کیونکہ آج ہفتہ کے روز سہپر کو میں نے ہزارہا تماشائی گرینج پارک میں دیکھے تھے۔ افسوس ہے کہ رصدگاہ کو ہم لوگ اندر سے نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ اس کام کے لئے پہلے سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اور عورتوں کو قطعاً رصدگاہ کے اندر جانے کی ممانعت ہے۔ شائد اس لئے کہ ان کے لباس میں معدنیات کے اجزا زیادہ ہوتے ہیں کہ جن سے رصدگاہ کے مقناطیس

وغیرہ موثر ہوتے ہیں - رصدگاہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے - اس کے باہر وقت کے نہایت چھوٹے حصے بتلانے والا ایک کلاک لگا ہوا ہے - پارک کی سڑک کے دونوں طرف خوبصورت چیس نٹ کے سایہ دار درخت ہیں - اور بے شمار کرسیاں اور بنچیں لوگوں کے آرام کے لئے پڑی ہیں - سامنے بلیک ہیتھ کا خوبصورت قصبہ ہے - غرض شام کو پھر پھرا کر ہم مکان پر پہونچے - یہاں شام کے کھانے کا انتظار ہو رہا تھا - یورپ میں دوپہر کا کھانا ہی زیادہ کھاتے ہیں - شام کا بہت کم ہوتا ہے - کھانے پر ایک اور مہمان بھی تھا - اسے یہ معلوم ہو کر بڑا تعجب ہوا کہ ہندوستان مفلس ملک ہے اور وہاں اکثر قحط رہتا ہے - اُس کا اس وقت تک یہ خیال تھا کہ اہل ہند کے پاس بہت سے چاندی سونے کے ہورڈس یعنی انبارہ ہوتے ہیں ⁂

انگلستان میں مزدور کیا کماتا ہے میں نے کہا ہندوستان میں ایک مزدور تین چار آنہ یومیہ کماتا ہے اور قحط کے موقعوں پر صرف آنہ ڈیڑھ آنہ یومیہ - مسٹر رچرڈسن نے کہا - تو وہ اس حالت پر شاکی نہیں؟ میں نے کہا بے حد مطمئن ہیں - اس نے کہا انگلستان میں ایک مزدور کی شرح اجرت فی گھنٹہ ایک شلنگ دو پنس مقرر ہے - یا ہفتہ وار ایک مزدور تیس شلنگ یا دو پونڈ کماتا ہے - لیکن اسپر وہ خوش نہیں - وہ کہتا ہے میرے بچوں کی خوراک ٹیکس دینے والے (یعنی جو لوگ اس سے آسودہ ہیں) دیں - میرے کپڑے بھی ٹکس دینے والے دیں - اسقدر روپیہ جو مزدور کماتے ہیں زیادہ تر شراب خوری میں صرف کر دیتے ہیں - واضح رہے کہ شہر لنڈن میں بورڈ کونسلیں ۸ پنس فی پونڈ کا ایک ٹکس لے کر غریبوں میں بانٹ دیتی ہیں - غرض اس سے یہ ہے کہ امیر جو زیادہ خرچ کر سکتے ہیں - شہر کے گلی کوچوں کی درستی کا بوجھ انھیں پر پڑا رہے ⁂

کنبے کے تعلقات کی صفائی جس طرح ہندوستان میں ایک کنبہ میں بیٹے پوتے سب ملکر رہتے ہیں - ایسے مشترک کنبہ کے خیال سے اہل انگلستان

کانپ اُٹھتے ہیں - اُن کے خیال میں اس طریقے میں نقص یہ ہے کہ کئی نوجوانوں کو بڑوں کے سر پر بیکار پڑے رہنے کی ترغیب ہوتی ہے - اور یہ خیال انکا بالکل غلط نہیں ہے - انگلستان میں غریب مزدوری پیشہ لوگوں کے بچے تو سات آٹھ سال کی عمر میں کسی نہ کسی طرح کمانے لگتے ہیں - بلکہ بعض اوقات والدین بارہ چودہ سال کے بچوں کو کہدیتے ہیں - کہ جاؤ کماؤ اور کھاؤ - اس لئے کئی لوگ شادی سے پہلے ہی علیحدہ کماتے کھاتے ہیں - اور اگر والدین کے گھروں میں کھانا کھاتے اور سوتے ہیں - تو انھیں کھانے اور سونے کے دام دیتے ہیں - مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں مسٹر گلیڈسٹون مشہور وزیر اعظم انگلستان کا داماد اور اُن کی لڑکی انہیں کے گھر میں رہتے تھے - اور انھیں مکان کا کرایہ اور کھانے کے دام برابر دیتے تھے یہ بات ذرا بھی خلاف قیاس نہیں - خواہ صحیح نہ ہو - یوروپ میں رشتہ کا تعلق ہندوستان کی طرح زیادہ تر سنٹی منٹ (خیال اور وہم) پر مبنی نہیں ہوتا - بلکہ وہاں ہر بات کو عملی صورت دی جاتی ہے - یہ میرے سامنے کا ذکر ہے کہ ایک روز ایک میاں بیوی کھانے کی میز پر بیٹھے تھے - بیوی کا باپ بھی مہمان تھا - ابھی ان کی شادی کو چھ مہینے ہی گذرے تھے - اس لڑکی نے میز پر سب مہمانوں کے پیالیوں میں چائے ڈالدی - اور اپنے شوہر کی پیالی میں غلطی سے چائے نہ ڈالی - باپ نے بیٹی سے کہا کہ آج سے چھ مہینے پہلے تم کبھی ایسا نہ کرتیں - مطلب یہ تھا کہ شادی سے پہلے تمھیں اپنے شوہر کا بہت زیادہ خیال تھا - بیٹی تو ہنس دی - لیکن داماد نے کہا کہ مجھے اپنی پیاری بی بی پر کوئی بدظنی نہیں - اور یہ ایک عام بات اہل یوروپ کے خیال کے مطابق ہے - لیکن ہندوستان میں ایک نہایت عجیب اور اخلاق سے گری ہوئی بات سمجھی جاتی ہے - میرے ایک دوست نے اتفاق سے تیسری شادی کی - ماشاء اللہ دولھا میاں کی عمر پینتالیس سال سے کم نہ تھی - لیکن اُن کے خسر مارے حیا اور تہذیب کے اپنے داماد کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے - اور داماد صاحب خسر صاحب کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے - اور اس طرح سوائے ہاں یا نہ کے

اور باتوں کا سلسلہ بھی بہت کوتاہ تھا ٭

لیڈیوں کا اعلیٰ نمونہ

ایک روز میں مسز بیک صاحبہ کے ملنے کو گیا - جو علی گڈھ کالج کے مرحوم پرنسپل مسٹر تھیوڈور بیک کی والدہ ماجدہ ہیں - ان کا مکان البٹن سٹریٹ میں بہت عمدہ ہے - اس وقت یہ اپنے باغیچہ میں بیٹھی پڑھ رہی تھیں - جب میں گیا تو ان کی دو بیٹیاں بھی پاس آبیٹھیں - اُن میں سے بڑی بیٹی حال ہی میں نمائش پیرس دیکھ کر واپس آئی تھیں - اور خود نمائش کے بہت سے فوٹو گراف اُتار کر لائی تھیں - اور ان تینوں بیگمات کو ہندوستان اور خصوصًا مسلمانوں کی باتوں سے بڑی دلچسپی ہے - بڑی بیٹی علیگڈھ میں دو سال تک رہ آئی ہیں - علیگڈھ کے بہت لوگوں کو جانتی ہیں - اور اب تک کالج میگزین کو شوق سے پڑھتی ہیں - مسز بیک صاحبہ نے کہا میرے بیٹے نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے واسطے وقف کر دیا تھا - اور بھی کئی باتیں مسٹر بیک اور مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ہوتی رہیں - بیک صاحب کی والدہ کے چہرہ سے نہایت ذہانت اور اطمینان نمایاں تھا - ممکن نہ تھا - کہ کوئی ہندوستانی عورت اپنے متوفی بیٹے کا ذکر کر کے زار و قطار نہ روتی - لیکن مینے ایک دوست سے سنا ہے کہ جب مسز بیک کو اپنے لایق اور جوان بیٹے کے مرنے کی خبر پہنچی تو اُس نے اتنی ہی بات منہ سے نکالی کہ افسوس میرا بیٹا مر گیا! اور اس کے بعد رضا بقضا ہو کر ذرا غم ظاہر نہ کیا - میں ایک روز پھر بھی چائے پینے کو یہاں آیا تھا - مسز بیک کے حالات کو دیکھ کر اور باتوں کو سُنکر میں انھیں شائستہ لیڈیوں کا آئیڈیل (نمونہ) سمجھتا ہوں - آج یہیں مسٹر احسان الحق خلف صوبہ دار میجر پنشنر خان بہادر غلام حسین صاحب رئیس جالندھر بھی آگئے جو بیرسٹری کے لئے تعلیم پاتے ہیں - یہ یہاں والنٹریوں میں آرٹلری میں بھرتی ہو گئے ہیں - (غالبًا اس سے پہلے کبھی کوئی ہندوستانی انگلستان میں والنٹیر نہیں ہوا) اور دو ہفتے کیمپ میں رہ کر ابھی آئے تھے - یہ کیمپ میں توپوں کے تیچے سونے کے قصے سناتے رہے - آج اتوار کا دن تھا - جب ہم

حال اسٹیشن جج نیمبل پور

دونوں یہاں سے رخصت ہو کر بازار میں پہنچے تو مینے دیکھا میرے پاس گاڑی کے لئے بھی پیسے نہیں تھے - اور میرا خیال تھا کہ بوجہ اتوار کے آج پونڈ کا بدل کہیں نہیں ملے گا - مسٹر احسان نے کہا کہ تمباکو کی دوکانیں کھلی رہتی ہیں - چنانچہ ہم ایک تمباکو کی دوکان میں گھسے اور دوکاندار عورت سے دریافت کیا کہ وہ ایک پونڈ کا بدل دے سکیگی - اُس نے بڑی خوشی سے بدل دینا منظور کیا - مسٹر احسان نے کہا یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں - ہندوستان میں جاکر انگریز بالکل دوسری چیز بن جاتے ہیں - یہاں مجھے کرکٹ میں کچھ کامیابی ہوئی ہے - اسپر لوگ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہیں - اور خوش ہوتے ہیں - بالکل حسد نہیں کرتے *

گلڈ ہال

ہر چند کہ اب ۱۸۸۸ئ سے لنڈن میں کونٹی کونسل بمنزلہ لنڈن کی میونسپل کمیٹی کے کام کرتی ہے - لیکن لنڈن کی اصل میونسپل کمیٹی یہاں کا گلڈ ہال ہے - گلڈ ہال دراصل لنڈن کے لئے میونسپل ٹاؤن ہال سے بہت زیادہ ہے - اور قدیم الایام سے لنڈن کے انتظام کا مرکز رہا ہے - بلکہ علاوہ لنڈن کے تمام انگلستان کی ترقی اور تنزل کی تاریخ اسی سے وابستہ ہے - ایک مصنف نے لکھا ہے - جن تمام معرکوں میں شہر لنڈن نے امور سلطنت میں براہ راست دخل دیا ہے ان پر عبور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں - اور اس کی مثال تاریخ انگلستان کو گلڈ ہال کی کھڑکیوں سے دیکھنی ہوگی" حقیقت میں انگلستان کی تمام آزادی حقوق اور کامیابی شہر لنڈن کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے - اور اس تمام کوشش اور کشمکش کے لئے اہل لنڈن کا ماوا و ملجا گلڈ ہال تھا - مسٹر والٹر بیسنٹ مشہور ناولسٹ اور مورخ نے لنڈن اور اُس کے مرکز گلڈ ہال کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے" اصل اصول یعنے آزادی کی ضرورت باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملتی رہی - اہل شہر نے اسے اپنا مذہب بنالیا - انھوں نے اس کا اعلان کیا - اور وہ اس کے لئے لڑے - انھوں نے اسے جیت لیا - اور پھر ہار دیا - اور پھر ایک حصہ جیتا اور پھر ہار گئے - آخر کار انھوں نے اسے سالم وکامل جیت لیا - اور اس کے جیتنے میں انھیں اس قدر نفع ہوا

کہ جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ انھوں نے اپنے ورثا کے لئے اور نیز ان سب کے لئے کہ جہاں انگریزی بولی۔ بولی جاتی ہے۔ "آزاد شہروں میں آزاد آدمیوں کے حقوق اور افراد اور جائداد کے حقوق غرض سب کو جیت کر چھوڑا"۔ اس جیتنے کے بڑے کام کے لئے تمام مشورے اور انتظام گلڈ ہال میں ہوتے تھے۔ گلڈ ہال کی حقیقت یہ ہے کہ تمام شہر لنڈن کے لوگ کہ جو قدیم الایام سے مختلف پیشوں میں مصروف تھے

لوری کمپنیاں

انھوں نے اپنے اپنے پیشوں کی جماعتیں (یعنی گلڈ) قائم کر لیں۔ مثلاً ٹالو شانڈلرس کمپنی (موم بتی بنانے والے) کلاک میکرس کمپنی (گھڑیاں بنانے والے) مٹور یپرس کمپنی (بزاز) وہیل رائیٹس (گاڑیوں کے پہئے بنانے والے) وغیرہ انھیں پیشہ وروں کی جماعتوں کو لوری کمپنیاں کہتے ہیں۔ لنڈن میں کل ایسی چھہتر کمپنیاں یا گلڈ (جماعتیں) ہیں۔ اور ان سب کے ملا کر آٹھ ہزار آٹھ سو ممبر ہیں کہ جنھیں "لوری مین" یا "فری مین" کہا جاتا ہے۔ ان سب کمپنیوں کے عالیشان مکانات اور کوٹ آف آرمس قدیم زمانہ سے علیحدہ علیحدہ چلے آتے ہیں۔ ان کے پریسیڈنٹوں کو ماسٹر اور سکرٹریوں کو وارڈن کہتے ہیں۔ جو مالی اور انتظامی کام کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے ممبر یا تو پیدائش اور یا میعاد ملازمت کے لحاظ سے مقرر ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ کسی کمپنی کا ممبر اب بھی وہی پیشہ رکھتا ہو۔ جو کمپنی کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ممبر کچھ سالانہ چندہ دیتے ہیں۔ اور اگر ممبر کبھی ناکارہ اور مفلس ہو جائے تو سوسائٹی اس کی بیوی بچوں کی پرورش کے لئے کچھ مدد دیتی ہے سال میں دو مرتبہ سب ممبروں کا جلسہ اور کھانا کمپنیوں کے مکانوں میں ہوتا ہے۔ پھر سب لوری کمپنیوں کے ممبر گلڈ ہال کے بڑے ہال میں جمع ہوتے ہیں۔ جبکہ ہر کمپنی کا محرر ہر ممبر کا نام پکارتا جاتا ہے۔ یہاں یہ شیرف کا انتخاب کرتے ہیں ؛

لارڈ میئر کا انتخاب

انتظامی کونسل کے ممبروں یا شرفوں یا پاسٹ ماسٹروں میں سے کسی شخص کو کثرت رائے سے ہر سال لوری میں ۹ ار ستمبر کو لنڈن کا لارڈ میئر منتخب کرتے ہیں۔ اس طرح شہر کی سول گورنمنٹ

لارڈ میئر - بائیس الڈرمینوں دو شیرفوں اور ۲۲۶ کامن کونسل مینوں کے سپرد رہتی ہے - یہ گلڈ ہال لارڈ میئر کا سرکاری مکان یا شہر کا ٹاؤن ہال ہے لارڈ میئر گلڈ ہال میں سب لوری کمپنیوں کی مجالس کونسل ہمیت جلسہ کرتا ہے - اس جلسہ کا کمرہ ایک دوسرا ہاؤس آف کامنز شہر لنڈن کا ہے - جس میں لارڈ میئر بحیثیت میر مجلس ایک بہت بلند کرسی پر بیٹھتا ہے - ممبر اس کے گرد گیلریوں میں بیٹھتے ہیں - اس کمرہ میں شاہی خاندان کے موجودہ ممبروں کے سنگ مرمر کے بُت رکھے ہوئے تھے پہلو کے ایک چھوٹے کمرے میں لارڈ میئر اہل شہر کے چھوٹے چھوٹے ڈیپوٹیشن قبول کرتا ہے - یہ مکان تین سو سال سے بنا ہوا ہے - اور اس کی چھت کی نقاشی آرائش تصویریں - اور اس کا چوبی فرش جو نہایت خوبصورت ہیں - سب اتنے ہی پُرانے ہیں - لارڈ میئر لنڈن کا چیف مجسٹریٹ بھی ہوتا ہے اور پولیس کا اعلےٰ افسر بھی کیونکہ پولیس کا چہارم خرچ گلڈ ہال کی جائداد سے ادا کیا جاتا ہے - لارڈ میئر کے اپنے مکان منشن ہاؤس کی نچلی منزل سے حوالات کا کام لیا جاتا ہے - جہاں زیر تجویز ملزم رکھے جاتے ہیں - جب کبھی اہل شہر کسی مصیبت کی رفع داد یا کسی خوشی کے اظہار کا جلسہ کرنا چاہیں - تو لارڈ میئر اس کا سرپرست ہوتا ہے - ہندوستان کے قحط زدگان کے لئے چند سال پہلے جو چندہ لنڈن میں جمع کیا گیا تھا - وہ لارڈ میئر ہی کی سرپرستی سے جمع ہوا تھا - اور اسی طرح جنگ ٹرینسوال کی امداد میں لارڈ میئر نے فنڈ کھولا تھا - لارڈ میئر سال میں ایکدفعہ زمانہ کرسمس میں شہر کے بارہ سو سے زیادہ غریب بچوں کو مفت دعوت کھلاتے ہیں - جو ریگڈ سکول یونین منتخب کر کے بھیجتی ہے - اور پچھلے سال پانچ ہزار اپاہج بچوں کو جو حاضر نہ ہو سکے تھے - کھانا مکانوں پر بھیجا گیا تھا - انتخاب لارڈ میئر کے بعد ایک روز لارڈ میئرس ڈے پر شہر میں بڑے طمطراق سے اور طرح طرح کی فینسی سواریوں پر لارڈ میئر کا جلوس نکلتا ہے - اس کے بعد لارڈ میئر کا مشہور ڈنر ہوتا ہے - جس میں لنڈن کے تمام اُمرا اور ارکان سلطنت وزیر اعظم تک شریک ہوتے ہیں - اور دعوت کے بعد

وزیر اعظم کے لئے مناسب ہوتا ہے۔ کہ اپنی گورنمنٹ کی پالیسی کے متعلق تھوڑی سی تقریر کرے۔ گویا کہ وہ باشندوں کے منتخب اشخاص کو اپنی حکومت کی طرف سے اطمینان دلاتا ہے۔ ابتک یہ دستور قدیم زمانہ کا چلا آتا ہے کہ جب ملکہ یا بادشاہ انگلستان شہر لنڈن میں آئیں۔ (کیونکہ شاہی محلات ہمیشہ شہر سے باہر رہے ہیں) تو لارڈ میئر شہر کی چابیاں اُن کے پیش کرتا ہے۔ تب وہ شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ شہر کی حفظان صحت اور کئی ایک اوقاف کا انتظام بھی گلڈ ہال کی کمیٹیوں کے ہاتھ میں زیر نگرانی لارڈ میئر رہتا ہے۔

گلڈ ہال کی تعمیر اور کتب خانہ وغیرہ

گلڈ ہال کی عمارت واقعی عالیشان ہے۔ اس کے بڑے کمرے کا مقابلہ یورپ کی بڑی بڑی نامور عمارتوں کے ہالوں سے ہو سکتا ہے۔ جن کے عرض طول اور ارتفاع ذیل میں درج ہیں:

نام عمارت	لمبا فیٹ	چوڑا فیٹ	بلند فیٹ
روم کے گرجا سینٹ پیٹر کا ہال	۳۰۸	۷۴	۸۴
سلچسٹر میں رومن شہر کے باسلیکا کے کھنڈرات	۲۶۸	۶۰	-
وسٹ منسٹر ہال لندن	۲۳۸	۶۷½	۹۰
گرانسٹ ہاسپٹل لنڈن	۱۸۷	۵۱	۴۷
فلارنس میں پلازو وچیئو	۱۸۴	۷۳	۷۰
ہٹیفیلڈ ہال ڈرہم	۱۸۰	۵۰	۰
سینٹ جارجز ہال لورپول	۱۷۰	۷۴	۸۳
لولونا میں پلازل ڈل پوڈسٹا	۱۷۰	۴۶	۰
ولینزا میں پلازو ڈل ایجیوں	۱۶۹	۶۹	۰
گلڈ ہال لنڈن	۱۵۲	۴۹½	۸۹
ٹاؤن ہال برمنگھم	۱۴۰	۶۵	۶۵

اس ہال میں بہت سی رنگین شیشہ کے دریچے لگے ہوئے ہیں۔ ہر دریچہ میں شہر

لنڈن کی تاریخ یا انگلستان کی کسی تاریخی واقعہ کی تصویریں رنگین شیشہ میں ایک ایک لوری کمپنی یا کسی اور جماعت نے بڑی لاگت سے تیار کرائی ہیں ایک سیڑھی کے دونوں طرف دو بت گاگ میگاگ (
یعنی یاجوج ماجوج کے بنا رکھے ہیں - جنھوں نے اہل لنڈن کی کسی روایت کے مطابق شہر کی طرف سے کسی غنیم کو پچھاڑا تھا - ہال میں انگلستان کے بعض ناموروں کے بُت رکھے ہوئے ہیں - ہال کے علاوہ اینٹی بولی - کامن ہال - کونسل چیمبر - الڈرمینس کورٹ روم وغیرہ سب کمرے بڑے تکلف سے بنے ہوئے ہیں - ان کی فرنیچر - چھتوں - اور دیواروں کی آرائش پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہوں گے - کونسل چیمبر میں انگلستان کے بڑے بڑے مصنفوں جنرلوں اور مدبروں کے لبٹ (مجسمہ) رکھے ہوئے ہیں - گلڈ ہال کی لائبریری میں ایک لاکھ ۱۲ ہزار کتابیں اور بتیس ہزار پمفلٹ (رسالے) ہیں - ایک ہزار پونڈ کی ہر سال نئی کتابیں خریدی جاتی ہیں - اور چار ہزار پونڈ اس کی نگہداشت کا خرچ سالانہ ہے - اس لائبریری کے ساتھ اخبارات کا ریڈنگ روم ہے - جس میں ہر قسم کے اخبارات خصوصًا تجارتی رسالے اور اخبار جمع کئے جاتے ہیں اور ڈائرکٹریاں بھی ہر قسم کی یہاں مہیا تھیں - یہیں میں نے سب سے زیادہ مقدار مختلف ڈائرکٹریوں کی دیکھی ہے - گو بعض ہوٹلوں میں بھی یورپ کے مختلف ملکوں کی نرالی نرالی ڈائرکٹریاں دیکھی ہیں - میرے رفیق مسٹر جارج رچرڈس جو خود لوری میں ہیں - مجھے گلڈہال دکھلا رہے تھے - اور تمام کیفیت بتلاتے جاتے ہیں لیکن وہاں کا ملازم بھی ایک شخص ہمارے ساتھ تھا - مسٹر رچرڈسن نے شکریہ کے بعد چھ پنس اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے - تو وہ چلا گیا - پھر ایک دوسرے شخص نے مکان کے نیچے کا تہ خانہ دکھلایا - جو بجائے خود بڑا عظیم اور خوشنما ہال تھا یہ بھی کئی سو سال کا ہے - اس میں فرنچ ہیوج ناٹ عبادت کیا کرتے تھے - اس شخص کو بھی چند قدم نیچے آکر دو باتیں کرنے کے لئے مسٹر رچرڈسن ۶ پنس دینے لگے - لیکن

مینے اصرار کر کے خود دیدیئے۔ اُس نے کہا یہ یہاں بُری رسم ہے۔ جب کوئی شخص اپنے فرض منصبی کے علاوہ ذرا بھی کام کرتا ہے۔ تو وہ ٹپ کی امید رکھتا ہے۔ خصوصاً بر اعظم یورپ پر مشہور ہے کہ انگریز اپنا کرایہ نہیں گنتا۔ اس لئے اُسے وہ لوگ چند پیسے کم دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی نمائش پیرس میں انگریزوں کے بکثرت شریک نہ ہونے کو محسوس کر رہے ہیں۔ گلڈ ہال کا عجائب خانہ بھی دیکھا۔ گلڈ ہال کے بڑے دروازہ کے سامنے پانی پینے کا چشمہ ہے۔ اس کے قریب صدہا دست آموز کبوتر گلڈ ہال کے ہیں۔ جنھیں قدیم الایام کے دستور کے مطابق یہاں کے افسر ہر روز دانہ ڈالتے ہیں۔ یہاں سے چل کر مسٹر رچرڈسن نے مجھے اپنی لوری کمپنی یعنی ٹیلو چانڈرز کا مکان دکھلایا۔ جو عالیشان سہ منزلہ مکان تھا۔ جس میں کونسل اور جلسہ دعوت اور انتظامی افسروں کے کمرے الگ الگ تھے؛

مچھلی کی منڈی اور کوئلہ کی منڈی

یہاں سے ہم لنڈن کی مچھلی بیچنے کی منڈی بلنگس گیٹ نامی میں گئے۔ یہ منڈی ایک ہزار سال سے مچھلی کے لئے مخصوص ہے۔ اور چونکہ کسی زمانہ میں مچھلی بیچنے والی عورتیں یہاں جمع ہو کر بد زبانی میں مصروف ہوتی ہونگی۔ اس لئے انگریزی زبان اصلاح میں "بلنگس گیٹ" کے معنی گالی دینا ہو گیا ہے۔ اس مکان کا گھاٹ دریا سے ملحق ہے۔ صبح مچھلی کی کشتیاں سمندر کی طرف سے دریا میں آتی ہیں۔ یہ کشتیاں اور جہاز صرف انگلستان کے سمندروں سے ہی نہیں آتے بلکہ سویڈن ناروے تک سے مچھلیاں بار کر کے آتے ہیں۔ منڈی میں جہانتک نظر جاتی ہے زندہ اور مردہ انواع واقسام کی مچھلیوں کے ڈھیر پائے جاتے ہیں۔ لوگ بولی دے کر ان مچھلیوں کو آپس میں نیلام کر لیتے ہیں۔ اور پھر اور لوگوں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ گو فرش پتھر کا تھا۔ اور بیچ میں آہنی راستے پانی چھڑکنے کے تھے۔ تاہم مکان گندہ ہو رہا تھا۔ سامنے بیسیوں گاڑیاں کھڑی تھیں جنپر مچھلیوں۔ اور جھینگروں وغیرہ کی ٹوکریاں لدی تھیں جو جابجا شہر میں تقسیم کرنے کو لے جانیوالی تھے۔ یہاں کے تمام مزدور نہیت غلیظ کپڑوں والے تھے۔

اس کے قریب ہی کوئلہ کا ایکسچینج تھا - ایک عالیشان مکان کے درمیان ایک گول حلقہ کے گرد نچلے فرش کی میزوں پر کوئلہ کی قیمت کی بولیاں دینے والے لوگ کھڑے ہوتے ہیں - اس کے اوپر تین منزلوں میں گیلریاں ہیں - جہاں سب کوئلہ کے سوداگروں کے دفتر ہیں - اور وہ خریداری کی بولیاں دیتے ہیں - پتھر کا کوئلہ یہاں بڑا اہتم بالشان معاملہ ہے - اور اسی پر ان ملکوں کا تمام دار ومدار ہے -

ٹاور آف لنڈن

یہاں سے ہم ٹاور دیکھنے گئے - شنبہ اور یکشنبہ کو یہ جگہ مفت دیکھنے کی اجازت ہے - دوسرے دنوں میں چھ پنس ہر شخص سے داخلہ کے لئے لیا جاتا ہے - آج بوجہ ہفتہ کے کچھ دینا نہیں پڑا - لنڈن کا یہ نہایت مشہور اور تاریخی مقام قریب ایک ہزار سال پہلے قلعہ تھا - کبھی شاہی محل رہا - کبھی جیل خانہ اور کبھی دیوانی عدالت - ایک بیان یہ ہے کہ اس کا وائٹ ہوس (سفید مکان) رومن قیصر جولیس سیزر نے بنایا تھا - لیکن صحیح یہ ہے - کہ ولیم فاتح انگلستان کے پہلے بادشاہ نے اسے بطور قلعہ کے تعمیر کیا تھا - زیادہ تر یہ مقام بادشاہوں اور امیروں کے قید خانہ کے لئے مشہور ہے - ڈیل ٹاور میں ملکہ الیزبیتھ قید رہی - وائٹ ٹاور میں سر والٹر ریلی - بلڈی ٹاور میں شاہ ایڈورڈ چہارم کے دو بچے مارے گئے -
اسلحہ خانہ میں قدیم زمانہ کے انگلستان - یورپ اور ہندوستان کے اسلحہ تلواریں بندوقیں - پستول اور زرہیں دیواروں پر آویزاں ہیں - کئی پورے قد کے زرہ پوش سوار گھوڑوں پر چڑھا کر دکھلائے ہیں - بعض زرہیں اکیاسی پونڈ (ایک من) تک وزن کے ہیں - تعجب ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے سوار اور گھوڑے انھیں کیسے اٹھاتے ہوں گے - یہاں تلواروں اور کرچوں سے کئی جگہ دیواروں پر گل صد برگ بنائے گئے ہیں - جن میں سیکڑوں ناکارہ کرچیں توڑ کر ثابت لگادی ہیں - ایک جگہ تلواروں اور پستولوں کا جنگلا بنا دیا ہے - شاہ اودھ کے جلاد کی بہت بڑی اور بھاری تلوار بھی رکھی ہوئی ہے - اس کے سوائے بھی اسلحہ خانہ کے کمرے ہیں - مگر وہ دکھلائے نہیں جاتے - اس مکان کے نیچے بہت

سی پرانی توپیں اور گولے پڑے ہیں۔ ان میں ایک توپ اٹھارہ فٹ لمبی ہے جسے کہا جاتا ہے۔ کہ سلطان سلیمان عالیشان نے ہندوستان کے فتح کرنے کے لئے ڈھالی تھی مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ توپ انگریزوں کے ہاتھ کہاں سے لگی۔ اسلحہ خانہ میں داخل ہونے کے لئے ایک گرجا میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہاں ایک شخص صرف اسی لئے بیٹھا ہے۔ کہ لوگوں کو کہے کہ گرجا کی تعظیم کے لئے ٹوپیاں اُتار دو۔ چنانچہ اس نے مجھے بھی کہا۔ اور مینے بھی ٹوپی اُتار دی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے شاہی زیورات ہیں۔ ان میں کئی تاج اور کئی طلائی نمکدان مع دیگر زیورات شاہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ خصوصًا جو تاج ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۳۸ء میں بوقت تاجپوشی پہنا تھا۔ وہاں نمایاں تھا۔ کوہ نور ہیرے کی اس زمانہ کی نقل بھی ہے۔ جبکہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بازوبند میں تھا۔ انگلستان کے تمام آرڈر اور تمغے مع اصل فیتوں۔ اور ہاروں اور ستاروں کے موجود تھے۔ ہندوستان کے خطابات کے تمغے بھی تھے یہاں وکٹوریا کراس کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ایک چھوٹا سا لوہے کا ٹکڑہ ہے مگر اتنا موجب عزت سمجھا جاتا ہے۔ کہ سپاہی اور افسر اس کی خاطر میدان میں جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ شاہی زیورات جن میں سے اپنے موقعہ تاجپوشی پر شاہ ایڈورڈ ہفتم نے بھی بعض استعمال کئے ہوں گے۔ تیس لاکھ پونڈ کی مالیت کے بتلائے جاتے ہیں۔ اور ۱۸۶۲ء کی آتشزدگی سے یہ اتفاق سے ہی سلامت نکلے ٹاور کے برقنداز جنھیں بیف ایٹرز ( ) کہتے ہیں عجیب قسم کا بھنگم لباس پہنتے ہیں۔ کہ جسے دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ قدیم زمانہ سے یہاں کے برقنداز یہی لباس پہنتے آئے ہیں۔ مجھے بیف ایٹرز کا نام سنکر تعجب ہوا۔ کیونکہ اس لفظ کے معنی ہیں گائے کا گوشت کھانے والا۔ مینے کہا اس نام کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔ آخر ٹاور کے گائڈ بک سے معلوم ہوا صحیح لفظ (بیف ریٹرز) تھا۔ جس کے معنی ... ... شراب وغیرہ کی دوکان کا خدمتگار ہے۔

ٹاور برج یہ عظیم الشان پل لنڈن ٹاور سے قریب ہی ہے۔ اور چونکہ شہر لنڈن کی

گاڑیوں اور پیدلوں کی بڑی تعداد یہاں سے گذرتی ہے۔ اس لئے ۱۸۸۶ء میں اسے بڑا مضبوط تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں بڑے موٹے لوہے کے گرڈر استعمال کئے گئے ہیں۔ دونوں طرف لوہے اور پتھر کے بہت مضبوط پایوں پر لوہے کے بہت بھاری گرڈروں کا چھت ہے۔ لیکن بیچ کے بڑے در کے دونوں طرف پتھر کی بہت بلند عمارات ہیں۔ اور ان کے درمیان جو پل کا حصہ ہے۔ وہ جبکہ سٹیمر یہاں سے گذرنا چاہیں۔ تو نیچے کی مشینوں کے ذریعہ سے بیچ سے دو ٹکڑے ہو کر دونوں طرف کی بلند عمارتوں سے بذریعہ زنجیروں کے جا لگتا ہے۔ اور جہاں سے کہ ابھی ہزاروں پیدل اور سیکڑوں گاڑیاں گذر رہی تھیں۔ وہ دریا بنجاتا ہے۔ گاڑیاں تو کچھ دیر کے لئے رک جاتی ہیں۔ لیکن پیدل اگر گذرنا چاہیں۔ تو وہ ان پتھر کی بلند عمارات پر لفٹوں یا سیڑھیوں کے راستہ سے چڑھ کر بذریعہ ایک بلند پل کے دوسری طرف کو دوسری عمارت کی سیڑھیوں سے اتر سکتے ہیں اس پل پر سے چار لاکھ سے زیادہ آدمی اور (۹۹۰۱) گاڑیاں ایک روز میں ۱۸۹۷ء میں گذریں۔ اور اب اس سے بھی آمدورفت زیادہ ہوگی۔ اس پل کی تعمیر پر گلڈ ہال کے برج ہاؤس اسٹیٹ کمیٹی کے بیس لاکھ پونڈ خرچ ہوئے۔ کیونکہ یہ اور تین اور ٹیمز پلوں کا خرچ ایک ایسی جائداد سے دیا جاتا ہے۔ جو گلڈ ہال کے سپرد ہے۔ اور پل کی سالانہ نگہداشت پر پندرہ ہزار پونڈ علاوہ خرچ ہوتے ہیں۔ لنڈن کی عظیم الشان عمارات پر جو جو خطیر رقمیں خرچ ہوئی ہیں ان کے مقابلہ میں ٹاور برج کی رقم زیادہ نہیں۔ سینٹ پال کے گرجا پر ڈیڑھ ملین پونڈ یعنی ساڑھے بائیس کروڑ ہندوستانی روپیہ۔ ہاؤس آف پارلیمنٹ پر جس میں گیارہ سو کمرے ہیں۔ اور ۸ ½ ایکڑ اراضی پر واقع ہے۔ تیس لاکھ پونڈ۔ انگلستان کے خلیج فورتھ کے ایک میل لمبے پل پر ساڑھے پچیس لاکھ پونڈ۔ اور بروکلن نیویارک کے (۵۳۳۰) فیٹ لمبے پل پر اکتیس لاکھ پونڈ۔ اتنے لمبے پلوں کے مقابلہ میں صرف نوسو فیٹ لمبے ٹاور برج پر بہت لاگت آئی ہے۔ اسی لئے یہ تعمیر عجائبات زمانہ میں شمار ہوتی

ہے۔ اتفاق سے جب ہم اس پل پر پہنچے تو اُسی وقت دو سٹیمروں کے گذرنے کے لئے اسے اٹھایا گیا۔ یہ تماشا واقعی حیرت انگیز تھا۔ کہ پل کے دو اتنے لمبے چوڑے آہنی پٹ مشینری کے زور سے دو منٹ میں خود بخود آسمان کو اُٹھے جاتے ہیں۔ اور جب جہاز نکل جاتا ہے۔ تو دو منٹ میں پھر مضبوط پُل بن جاتا ہے۔ اور اُسپر سے سیکڑوں گاڑیاں گذرنے لگتی ہیں ؛

بینک آف انگلینڈ

مسٹر رچرڈسن نے مہربانی کرکے ایک دوست سے بینک آف انگلینڈ کے دیکھنے کے لئے بھی سفارشی چٹھی حاصل کی اور ہمیں بینک کے اسرار دکھلانے کے لئے ایک آدمی مل گیا۔ اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں۔ کہ تین چار گھنٹے اس پیچ در پیچ عمارت کی منزلوں میں کئی کمروں میں پھر کر نوٹوں اور سونے چاندی کی صورت میں اتنی دولت دیکھی ہے۔ کہ بیچارے قارون کے چالیس خزانوں میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوگا۔ پہلے ہم ایک کمرہ میں داخل ہوئے۔ جہاں پونڈ (اشرفیاں) کلوں کے ذریعہ سے وزن ہو رہی تھیں۔ جو پونڈ وزن میں پورے ہوتے انھیں یہ مشینیں دائیں جانب ڈالتی جاتیں اور جو ہلکے ہوتے انھیں بائیں طرف پھینک دیتیں۔ ۳۵ ہزار پونڈ یہ مشین دن بھر میں پرکھ لیتی ہے۔ جو افسر اس کام پر متعین تھا۔ اُس نے ہمیں تولنے کا سب کام اچھی طرح دکھلایا۔ اور پھر لوہے کی بالٹی پونڈوں سے بھروا کر مجھے کہا ذرا اٹھاؤ تو سہی۔ مینے بڑی مشکل سے اسے اٹھایا۔ لیکن میرا رفیق نہ اٹھا سکا۔ اسی کمرہ میں پونڈوں کے تولنے کی ایک مشین تھی۔ جو دن میں لاکھوں پونڈ تول سکتی تھی۔ ایک کمرہ میں کئی الماریاں نوٹوں سے پُر تھیں۔ جن میں سے ایک میں سے قریب آدھ سیر کے ہزار ہزار پونڈ کے نوٹوں کا گٹھا نکال کر ایک شخص نے میرے ہاتھ پر رکھکر کہا۔ کہ یہ ایک ملین پونڈ (ڈیڑھ کروڑ ڈبل روپیہ) کے نوٹ ہیں۔ اور پھر جھٹ الماری میں رکھکر تالا لگا دیا۔ اب میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ کہ "ایک وقت میرے ہاتھ میں کبھی ڈیڑھ کروڑ روپے کے نوٹ تھے"۔ ایک دوسرے کمرہ میں چھوٹی چھوٹی

دستی گاڑیوں میں دس دس سیر کی سونے کی اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کمرہ کے اندر تو ہمیں نہ لے گئے۔ لیکن ایک آدمی ایک گاڑی باہر کھینچ لایا۔ اور اُس میں پہلے ایک اینٹ میرے ہاتھ میں رکھ کر کہا یہ خالص سونا ہے۔ اس میں سے سوورن (اشرفیاں) مضروب ہوں گی۔ ایک اور کمرہ دکھلایا جس میں چند چھوٹے چھوٹے ڈبے تھے۔ کہ جن میں آج ہی صبح امریکہ سے اسی طرح کی سونے کی اینٹیں بند ہو کر بینک میں آئی تھیں۔ پھر بینک کے ڈائرکٹروں کی کونسل کا کمرہ دیکھا۔ اور ایک کمرہ جس میں ڈائرکٹروں کی سب کمیٹیاں نشست کرتی ہیں۔ یہ دونوں بڑے مکلف اور عالیشان کمرے تھے۔ ایک اور کمرہ میں کہ جس میں پبلک، داخل ہو سکتی ہے۔ تیس چالیس کلرک نوٹ کیش کردینے کے لئے بیٹھے تھے۔ جن میں سے بعض کے پاس صرف چاندی اور بعض کے پاس سونے کے سکے تھے۔ ایک اور کمرے میں دو تین سو کلرک بینکنگ کے کام میں مصروف تھے۔ ایک عالیشان کمرہ میں صرف سٹاک (کمپنیوں کے حصے) فروخت ہوتے تھے۔ اور "لون" یعنی جنگی اور ملکی قرضوں کے لوگ حصے خریدتے تھے۔ ایک کمرہ بینک کی شاخوں کے انتظام کا تھا ایک میں ہمیں وہ تاریخی نوٹ دکھلائے جو آگ میں جل گئے یا پانی میں گل گئے تھے۔ مگر ان کے تھوڑے بہت نشان مل گئے۔ اور ان کی قیمت ادا کی گئی۔ لیکن یہاں بہت سے ایسے نوٹ بھی موجود تھے۔ جو جعلی تھے۔ اور لوگوں نے ان کے بنانے میں بڑی بڑی لیاقتوں کو خرچ کیا تھا۔ بعض میں تو انتہا کی کاریگری صرف کی گئی تھی۔ لیکن بینک کے ملازموں نے انھیں تاڑ لیا۔ بینک آف انگلینڈ سنہ ۱۶۹۴ء میں قائم ہوا تھا۔ اور ایک نوٹ سنہ ۱۶۹۹ء کا ابتک موجود ہے۔ کہ جس سے پرانا کوئی موجود نہیں۔

بیس پونڈ کا سود در سود قریب نو ہزار پونڈ

ایک اور نوٹ دکھلایا گیا۔ جو بیس پونڈ کا تھا سنہ ۱۷۵۲ء میں بینک نے اِسے جاری کیا تھا۔ اور سنہ ۱۸۷۸ء تک بینک میں کیش ہونے کے لئے واپس نہ آیا۔ اس ایک سو چھبیس سال کے عرصہ

میں اگر یہ پانچ فیصدی سُود پر سود در سود کے حساب سے لگایا جاتا تو (۸۹۰۵) پونڈ ۳ شلنگ ۷ پنس کی رقم بینک کو ادا کرنی پڑتی - جو شخص نوٹوں کے عجائبات دکھلا رہا تھا - اُس نے بہت اخلاق اور توجہ سے ہمیں میگنی فائینگ گلاس سے جعلی نوٹوں کے میلے اور خراب حروف دکھلائے - ایک کمرہ میں لوہے کی الماریوں میں ہزار ہزار پونڈ کی سیکڑوں تھیلیاں تھیں - ہر تھیلی ۱۷½ سیر بھاری تھی - اور الماری کے ہر خانہ میں ۸۶ ہزار پونڈ کی ملکیت تھی - ایک کمرہ میں وہ تمام پُرانے نوٹ جمع تھے - کہ جن کا روپیہ بینک ادا کر چکا ہے یہ معمولی لکڑی کے صندوقوں میں کمرے کی چھت تک بھرے ہوئے تھے - انھیں ہر پانچ سال کے بعد جلا دیا جاتا ہے - اس کمرہ کے محافظ نے کہا کہ کل ادا شدہ نوٹ پانچ سال کے عرصہ میں تعداد میں اٹھتر ملین کے قریب ہو جاتے ہیں - اور ان سے (۱۳۴۰۰) صندوق بھرے جاتے ہیں - جو اگر پہلو بہ پہلو رکھے جائیں تو اڑھائی میل تک چلے جائیں - اگر ان نوٹوں کا ڈھیر لگایا جائے - تو ۵½ میل اونچا ہو - اگر ان کو سرے جوڑ کر پھیلایا جائے - تو (۱۵۴۴۵) میل لمبے چلے جائیں گے - ان کی اصلی قیمت (۱۷۵۰۶۲۶۶۰۰) پونڈ اور ان کا وزن ۹۱ ٹن (۲۵۴۸ من) ہو گا - بینک کے کلرکوں نے ہمیں ایسے دلچسپ حساب بتلائے - اور ایسی توجہ سے سب چیزیں دکھلائیں کہ مجھے معاً خیال پیدا ہوا کہ لنڈن کے اخباروں اور رسالوں میں جو ہر چیز کے متعلق مفصل واقفیت اور دلچسپ اعداد چھپتے رہتے ہیں - یقیناً اس میں ان کی واقفیت بہم پہنچانے والوں کا بھی کچھ حصہ ہے - تیسری منزل کے کمروں میں پوسٹل آرڈر اور نوٹ چھاپنے والی مشینیں تھیں - جس طرح انگلستان میں چلنے والے کل کرنسی نوٹ یہاں چھپتے ہیں - (بلکہ بینک آف انگلینڈ کی طرف سے چھپتے ہیں) ویسی ہی گورنمنٹ انگلستان کے کل پوسٹل آرڈر یہاں چھپتے ہیں ایک تختہ کاغذ پر آٹھ پوسٹل آرڈر چھپ رہے تھے - اور سب کے نمبر مشین پر

ساتھ ہی ساتھ بدلے جاتے تھے - یہ طریقہ کسی کاغذ کے چھپنے کے ساتھ ہی نمبر بدلے جانے کا مینے نمائش پیرس میں بھی دیکھا تھا - اس سے آگے بعض مشینوں پر پانچ پانچ اور دس دس پونڈ کے بینک آف انگلینڈ کے نوٹ چھپ رہے تھے یہ نوٹ صرف ایک رنگ میں چھپتے تھے - وہ بھی ایک ہی داب میں نکلتے تھے - اس کے بعد بینک کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں اور افسروں کے کمرہ سے گذرے جہاں چارپائیوں کی بجائے میزیں بچھی تھیں - لوہارخانہ - مستری خانہ - معمار خانہ - انجن روم - برقی روشنی کے گیس انجن - برقی باٹریوں کا کمرہ (جس میں کیمیائی برق کی بڑی بڑی نمناک باٹریاں تھیں) یہ سب بینک کی عمارت کے اندر تھے - تاکہ بینک کو ان کاموں کے لئے باہر سے مدد نہ لینی پڑے اور ایک ہزار آدمی کل شاخوں میں ملازم تھے - دو لاکھ بیس ہزار پونڈ کل تنخواہوں کا خرچ ہے - انگلستان کے قومی قرضہ اسی کروڑ پونڈ کا حساب اور اس کے متعلق انکم ٹیکس جمع کرنا بینک کے سپرد ہے - جس کے عوض اسے دو لاکھ پونڈ سالانہ ملتا ہے - بینک کے دروازوں پر بیٹھنے والے برقندازوں کی وردیاں بھی تاور کے بیف ایٹروں کی طرح دو تین سو سال پہلے کی چلی آتی ہیں - جنھیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے - جس شخص نے ساتھ پھر کر سب مکانات دکھلائے تھے - اُسے ایک شلنگ اور جن دوسرے لوگوں نے اپنے انجن یا مشین وغیرہ چیزیں دکھلائی تھیں انھیں بھی دو دو تین تین پنس دیئے - لیکن برقی باٹریوں کے انجنیر نے پیسے لینے سے انکار کیا تھا - مسٹر رچرڈسن نے مجھے باہر آکر بتلایا کہ وہ جنٹلمین تھا - اسے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی ہوگی - بینک کا سرمایہ ایک کروڑ ساڑھے پینتالیس لاکھ پونڈ ہے - کہ جتنا دنیا میں اور کسی بینک کا نہیں - اور نوٹوں کا اعتبار قائم رکھنے کو بینک ہمیشہ دو کروڑ پونڈ کا سونا ذخیرہ میں جمع رکھتا ہے ؛

لائڈس اور رائل اکسچنج

رائل اکسچنج بینک آف انگلینڈ سے دور نہیں - یہ ایک بڑا عالیشان ہال ہے - جس کی چھت شیشے کی ہے - اور فرش پتھر کا - عین وسط

میں ملکہ معظمہ وکٹوریہ کا عالم جوانی کا سنگ مرمر کا بُت کھڑا ہے۔ صحن میں ایک خولصبورت چشمہ پانی پینے کا ہے۔ اور ایک عمارت کی پشت کی طرف چشمہ ہے۔ جس میں ایک عورت کا بُت ہے۔ جو دو بچے اُٹھائے کھڑی ہے۔ سامنے میدان میں ڈیوک آف ولنگٹن کا برنجی سوار بُت کھڑا ہے۔ کچھ اور بھی نامور لوگوں کے بُت قریب ہی ہیں۔ لنڈن میں نامور لوگوں کی یادگاری بتوں کی وہ کثرت ہے کہ ان کا حساب رکھنا مشکل ہے۔ رائل اکسچینج میں سٹاک کے نرخ مقرر کئے جاتے ہیں۔ اسی عمارت کے دو کمرے لائڈ کے مشہور جہازی بیمہ کے کام کے سپرد ہیں۔ اس کے دروازوں پر بھی جو صاحب بیٹھے تھے اُن کی وردیاں عجیب قسم کی اور پُرانے زمانہ کی تھیں۔ اندر ایک مکان میں بنچوں پر صدہا انڈر رائٹر بیٹھے تھے جو جہازوں میں بار ہونے والے مال تجارت یا مسافروں کی زندگیوں یا خود جہازوں کی سلامتی کے لئے بیمہ کر دیتے تھے۔ ایک دوسرے کمرے میں ہر جہاز کی زندگی اور حالات کا رجسٹر تھا۔ جس میں اُس کے ہر سفر کے مال کا بھی حال درج ہوتا تھا۔ ایک پہلو کے کمرہ میں زرد کاغذ پر کئی تار لٹک رہے تھے۔ جنمیں جہازوں کے متعلق آج ہی تازہ خبریں وصول ہوئی تھیں کہ کوئی جہاز کہاں ہے۔ گویا کسی جہاز کے روانہ ہونے سے لے کر اُس کے کہیں جاتے یا مقام کرنے یا واپس آنے یا ڈوب یا جلکر ضائع ہو جانے کی خبر لائڈ کے دفتر میں ہر گھڑی آتی رہتی ہے۔ اور وہ ایک چھوٹے سے اخبار لائیڈس لسٹ میں چھپکر ہر روز مشتہر ہوتی رہتی ہے۔ جب ہم وہاں تھے تو جو لوگ لائیڈ کے انڈر رائٹروں کو ملنا چاہتے تھے۔ اُن کے نام ایک حاجب بلند آواز سے پکارتا تھا۔ کیونکہ اتنی بھیڑ میں سے کسی آدمی کا مل جانا سہل کام نہیں تھا۔

اخبار لنڈن ٹائمز کی قدردانی

لائیڈس میں کپتان کے کمرہ کی اوپر کی دیوار میں ایک سنگ مرمر کا ایک دلچسپ کتبہ کندہ ہے۔ جو اخبار لنڈن ٹائمز کی ایک بیش قدر خدمت کی یادگار ہے۔ ایک دھوکا بازوں کی جماعت جعلی ہنڈیاں لے کر براعظم یورپ پر گھوم رہی تھی۔ جس میں ایک شخص بوگل نامی صراف بھی تھا

اس بوگل نے ٹائمز کے مالکوں پر لائیبل کی نالش دائر کردی - اور ٹائمز نے اسے صحیح قرار دے کر خوب ڈیفنس کیا - اور گو اس ٹائمز کے برمحل بھانڈا پھوڑ دینے سے دھوکا بازوں کی جماعت کا تو خاتمہ ہو گیا - لیکن بوگل کی دعوے میں عدالت سے فیصلہ ٹائمز کے خلاف صادر ہوا - اسپر لنڈن کے سوداگروں اور صرافوں نے ٹائمز کی اس خدمت کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا - اور اس مقدمہ کے اخراجات ادا کر دینے کے لئے فوراً تجارت پیشہ لوگوں نے چندہ جمع کر دیا - مگر ٹائمز کے مالکوں نے اولوالعزمی کے ساتھ یہ رقم لینے سے انکار کیا - اور کہا کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے - صرف اپنا فرض ادا کیا ہے - اسپر چندہ جمع کرنے والوں نے اس رقم سے "ٹائمز سکالرشپ" کے نام سے سٹی آف لنڈن سکول کو ایک معقول وظیفہ دے دیا - اور ایک کتبہ اس تمام کیفیت پر مشتمل لائڈ کے دفتر میں اور ایک ٹائمز کے دفتر کے دروازے پر نصب کرا دیا - آفریں ہے اخبار ٹائمز کی فرض شناسی اور بے نفسی پر - اور صد آفریں ہے لنڈن کے سوداگروں کی قدردانی اور دور اندیشی پر :-

اخبار لنڈن ٹائمز ہر چند کہ لنڈن میں اب کئی سستے اخبار ٹائمز سے تعداد میں بہت زیادہ چھپتے ہیں - لیکن جو عزت ٹائمز کو بوجہ قدامت اور بوجہ زیادہ مالدار ہونے کے حاصل ہے - وہ دوسرے کسی اخبار کو حاصل نہیں - گو مسٹر سٹیڈ کی رائے ہے - کہ اب نئے اخبار ٹائمز کی ضرورت ہے - پرانا اخبار بہت زیادہ پرانے ڈھرے پر چلتا ہے - تاہم جو عزت اور اعتبار ایک اہل الرائے انگریز کی نظر میں اخبار لنڈن ٹائمز کا ہے وہ کسی دوسرے اخبار کا نہیں - اس کے نام کے گرد مرور مدت - خدمات اور رسوخ نے ایک ایسا شاندار خیالی ہالہ پیدا کر دیا ہے جو کسی دوسرے اخبار کو حاصل نہیں ہو سکتا - اور اسی لئے لنڈن ٹائمز کو "انگلشمین کا براڈشیٹ" کہتے ہیں - اور بوجہ اس کے بعض موقعوں پر زور شور اور وثوق سے اظہار رائے کر دینے کے اسے تھنڈرر آف دی پرنٹنگ سکوئر "(پرنٹنگ سکوئر کوچے کا گرجنے والا) بھی کہتے ہیں :-

لنڈن میں ایک روز کی سرگذشت

لنڈن کے لوگ اسقدر مستعد ہیں۔ کہ جو لوگ باہر سے کبھی وہاں جاتے ہیں۔ بقول "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" اُن پر بھی اس ملک کی آب وہوا یا اُس نواح کا ایسا برقی اثر پڑتا ہے کہ وہ بھی غیر معمولی طور پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ یا شاید مسافروں کے پاس وقت تھوڑا اور شغل بہت ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بہت تنگ و دو میں مصروف رہتے ہیں۔ میں یہاں اپنی ڈائری سے بطور نمونہ ایک روز کی کیفیت کسیقدر اختصار کے ساتھ درج کرتا ہوں۔ جس سے میرے مندرجہ بالا بیان کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے:-

"صبح میں ڈیڑھ پینی دے کر تیسرے سٹیشن فرنگڈن سٹریٹ میں جا اُترا۔ یہاں مکانات کا پتہ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ جب بڑی کوشش سے اس کوچہ میں اور اسی مکان پر پہنچ گیا کہ جہاں پہنچنا تھا تو تب بھی مکان کا پتہ نہ ملا۔ لنڈن عجب شہر ہے۔ یہاں تجارتی دوکانیں اور مکان اسقدر زیادہ ہیں۔ کہ پاس رہنے والوں کو ہمسایہ کے مکان تک کا پتہ نہیں ہوتا۔ جب اندر جا کر مالک مطبع کو اپنا کارڈ دیا تو اُس نے مطبع کے مختلف صیغے دکھلانے شروع کئے اس مطبع میں بلا کاپی رائٹ کتابیں بچوں کے پڑھنے کی کتابیں اور مشنریوں کی لکھی ہوئی کتابیں۔ اور چند ارزان رسالے چھپتے ہیں جو نہایت سستے بکتے ہیں کئی بڑی بڑی مشینیں چھاپنے کے کام میں مصروف ہیں۔ ایک بڑی روٹری مشین بھی کام کر رہی تھی۔ جس کی قیمت تین چار ہزار پونڈ یعنی پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کے درمیان تھی۔ یہ کاغذ کے ویب یعنے گول لپٹے ہوئے ڈھیر کو چھاپ کر اور ساتھ ہی ساتھ کاٹ کر اور کتاب کی تقطیع کی تہ موڑ کر رکھتی جاتی تھی۔ دفتری کا کام عورتیں اور لڑکیاں کرتی ہیں۔ جو ہڈی کی چھریوں سے کاغذ کے فرمے موڑتی جاتی تھیں۔ اور دو مشینیں کاغذ موڑنے کے بھی ساتھ ساتھ ہی کام کر رہی تھیں۔ جن میں سے ایک کاغذ بھی خود ہی اٹھا لیتی تھی۔ مگر ہاتھوں سے بھی پاس ہی کاغذ موڑا جا رہا تھا۔ مکان کی چوتھی منزل میں جلد بندی کی مشینیں کام کر رہی تھیں۔ چونکہ مینے جلد بندی بذریعہ مشین پہلے نہیں دیکھی تھی مینے مسٹر ہکس کو کہا کہ یہ

کام مجھے اچھی طرح سمجھا دو۔ تصویروں کے بلاک یہ کارخانہ بنے بنائے لیتا ہے۔ بعض کتابوں کے رنگین سرورق ہالینڈ سے چھپواتا ہے۔ اور بعض کے اوراق سنہری بھی باہر سے کراتا ہے۔ مسٹر ہکس نے میری درخواست پر وعدہ کیا کہ ہالینڈ کے رنگین چھاپنے والے کارخانہ کا نام مجھے بتا دے گا۔ لیکن جب اُس نے اپنے شریک سے پوچھا تو معلوم نہیں اُس نے کیا کہا۔ کہ اُس نے یہ بہانہ کر کے مجھے ٹال دیا کہ ہماری معرفت ہی تم نے رنگین کام چھپوا لینا۔ کیونکہ ہمیں وہ بہت سستا چھاپ دیتے ہیں۔ یہاں مینے انگریزی کی بڑی بڑی کتابیں دیکھیں جو تین تین چار چار پینی کو ملتی تھیں۔ اور نئی اور مجلد تھیں پاس ہی مکتی فوج کی شش منزلہ عمارت تھی۔ جس میں ان کا مطبع۔ دفتر۔ اور صنعت و حرفت کے کارخانے تھے۔ پھر اسی سٹیشن پر سوار ہو کر واپس گاورسٹریٹ سٹیشن میں پہنچ گیا۔ اسی گاڑی میں کچھ اٹالین مزدور بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتے تھے۔ میرے سر پر ترکی ٹوپی دیکھ کر ایک نے کہا۔ تم ترک ہو۔ مینے ہاں کہدیا۔ اُس نے کہا میں چھ سال قسطنطنیہ وغیرہ میں رہا ہوں۔ ترک بہت اچھے لوگ ہیں۔ کیونکہ ان کے ملک میں روٹی سستی ہے۔ انگریز بالکل اچھے نہیں۔ دیکھو تو یہاں روٹی کتنی گراں ہے سٹیشن سے اُتر کر مشہور میبل کمپنی کی فرنیچر کی دوکان شاید دنیا میں نہ ہو گی۔ اس میں ایشیا کے سب ملکوں کے قالین موجود تھے۔ ایرانی۔ جاپانی۔ اور ہندوستانی۔ بلکہ ہندوستان کے تو ضلعوں کے نام تھے۔ مثلاً میرزاپوری قالین۔ مچھلی پٹام کا قالین وغیرہ۔ امرتسری قالین کا نام نہیں دیکھا۔ ممکن ہے۔ کہ اس ڈھیر میں چند وہاں کے بھی ہوں۔ بہت ستھرا اور ساتھ ہی بہت سستا مال تھا۔ یہ مال کے بڑے بڑے ذخیرے جمع کرنے کا فائدہ ہے۔ کہ لوگوں کو سستا مال مل سکتا ہے۔ یہاں سے بس پر سوار ہو کر پکاڈلی گیا۔ ایک پینی میں بس کا خاصا لمبا سفر ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک یہودی رسٹوران سے کھانا کھایا۔ ایک مرغ کے ٹکڑہ کی قیمت ڈیڑھ شلنگ (۱۲/) لگا دی گئی۔ مرغ سے ایسے کئی ٹکڑے نکل سکتے ہیں۔ یہاں سے بس پر سوار ہو کر چیرنگ کراس کو گیا۔ رستہ پوچھکر انڈیا آفس میں پہنچا۔ ایک دربان نے مجھے دوسری منزل میں لیجا کر

ایک شخص کو کہا جو لفٹ میں بٹھا کر مجھے چوتھی منزل پر لے گیا۔ مسٹر اینڈ روز نے جس مسٹر روز کے نام کارڈ دیا تھا۔ اس کے دفتر سے معلوم ہوا کہ وہ پیرس میں ہے۔ اور اس کی جگہ سر جارج برڈ وڈ کام کرتے ہیں۔ انکا اردلی میرا کام پوچھ کر مجھے انڈیا آفس کی لائبریری میں لے گیا۔ یہ آفس جو اہل ہندوستان کی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ بہت لمبا چوڑا ہے۔ گورنمنٹ انگلستان کے تمام دوسرے آفس اور فارن آفس اسی سے ملے جلے ہیں۔ یہ بلاک عالیشان عمارات کا دور تک چلا جاتا ہے۔ اس کی پشت پر ایک بہت بڑا مربع صحن ہے۔ جس کی دوسری جانب فارن آفس تھا۔ اس کی دوسری یا تیسری منزل کی بلندی پر مختلف ممالک مقبوضہ انگلستان اور خصوصًا ہندوستان کے باشندوں کے بُت قد آدم یا اُس سے بھی بڑے بنے ہوئے دیواروں کے ساتھ کھڑے ہیں۔ جو چاروں طرف پچاس ساٹھ سے کم نہ ہوں گے۔ ابتو یہ بھی عمارت کی طرح سیاہ ہو گئے ہیں لیکن جب بنے ہوں گے بہت دلچسپ ہوں گے۔ ان دفاتر کے ہوس آف کامنز کے پہلو کی پیشانی پر بھی دیواریں رلیف کی قسم کے بہت سے الیگوریکل بت بنے ہوئے ہیں۔ غرض جب میں انڈیا آفس کی لائبریری میں پہنچا تو لائبریرین نے مجھے مطلوبہ رپورٹ نکال دی۔ اس وقت اتفاقًا لائبریرین ہندوستان کے دیسی اخبارات مدراس و بنگال کے ہفتہ وار مضامین کے کانفیڈنشل رپورٹیں لکھ رہا تھا۔ جب میں فارغ ہو کر واپس آیا تو اُسی اردلی نے مجھے راستہ نیچے تک دکھلا دیا۔ مینے اُس کے ہاتھ میں چھ پنس کا سکہ رکھا تو وہ "تھینک یو" کہکر لوٹ گیا۔ یہاں سے میں فارن آفس میں پہنچا۔ تاکہ ٹرکی جانے کے لئے پاسپورٹ لوں تو ایک اردلی نے ساتھ لے جا کر مجھے پاسپورٹ ملنے کمرہ دکھلایا۔ ان بڑی عمارتوں۔ یا دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری آفسوں کے اردلی بہت خلیق ہوتے اور باہر جانیوالے کو بخندہ پیشانی راستہ بتلاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کے راستے اور کمرے عمومًا پیچیدہ ہیں۔ غالبًا اس امید پر یہ اسی قدر آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ انھیں ٹپ ملے گا۔ جہاں ٹپ دینا مناسب ہو۔ اگر نہ دیا جائے تو یہ مانگتے تو نہیں۔ مگر بہت بُرا مانتے ہیں اور

ایسے شخص کو جنٹلمین نہیں جانتے - کیونکہ ان مہذب ملکوں میں یہ ان کا حق سمجھا گیا ہے - فارن آفس کے پاسپورٹ والے افسر نے کہا - کہ میرا لاہور سے لیا ہوا پاسپورٹ صرف اس کام آسکتا ہے کہ کلکتہ یا بمبئی میں اُس کی مدد سے مجھے پاسپورٹ مل جاتا - جب مینے اُس کی پشت پر یہ لکھا ہوا دکھلا دیا - کہ انڈیا آفس مجھے یورپ کے کسی ملک میں جانے کے لئے پاسپورٹ دے سکتا ہے - تو اُس نے کہا کہ تم انڈیا آفس میں جاؤ - سرولیم کو یہ دکھلا دو تاکہ وہ دو چار لفظ لکھدیں کہ یہ دستخط کسی افسر کے اسس کاغذ پر درست ہیں - تو میں فوراً تمھیں ایک پاسپورٹ بنا دونگا - مینے تامل کیا کہ اتنی دور جانا مشکل ہے - اُس نے کہا اسی احاطہ میں سامنے چلے جاؤ - انڈیا آفس یہیں پاس ہے - (میں پہلی دفعہ ایک چکر کے راستہ سے گیا تھا) غرض مجھے پھر جانا پڑا - معلوم ہوا کہ سرولیم اسوقت کمیٹی میں مصروف ہیں - اُن کے اردلی نے کوشش کرکے وہیں پہنچکر مجھے ایک دو حرفی رقعہ لا دیا - کہ میں واقعی برٹش انڈین رعایا ہوں - افسوس ہے کہ میرے پاس اس وقت دوسرا چھ پینی کا سکہ نہ تھا - اس لئے مجھے مجبوراً اس شخص کو ایک شلنگ دینا پڑا - جو اس نے تھینک یو کہکر لے لیا - اسے چھوٹے سکے نہ رکھنے کا جرمانہ سمجھئے - اس شخص نے مجھے اور بھی قریب کے راستہ سے صرف ایک صحن طے کرنے کے بعد فارن آفس میں پہونچا دیا - اور فارن آفس کے افسر نے دو شلنگ فیس لے کر دو منٹ ہی میں پاسپورٹ لکھدیا - اور مجھے نہایت اہلیت اور ہمدردی سے پتہ بتلایا کہ کس پتہ سے میں ترکی کانسل کے پاس جاکر کس طرح اس پاسپورٹ پر ویزا یعنی تصدیق کرالوں - یا اگر روس یا رومانیا میں جانا ہو تو وہاں کی کانسلوں مقیم لنڈن سے تصدیق کرالوں - اگر ہندوستان کے انگریز افسر بھی ہم لوگوں سے ایسی اہلیت اور شرافت کا برتاؤ کریں - تو کیسی اچھی بات ہو - انھوں نے مجھے بیٹھنے کو کرسی دی آتے جاتے ہاتھ ملایا - اور اٹھ کر اٹلس سے میرا پیرس سے قسطنطنیہ تک کا راستہ دیکھا کہ کن کن ممالک سے ہوکر گذرتا ہے - یہاں سے لوٹ کر سٹرنیڈ کے سرے پر پہنچا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوں - اور میرے ہاں کہنے پر السلام علیکم

کہکر مصافحہ کیا - اُس نے بتلایا کہ میرا نام آل محمدؐ ہے - میں صوبجات متوسط (ہند) کے مقام منڈلا میں ڈپٹی کمشنر تھا - آگرہ کا باشندہ ہوں - شروع میں کیمبرج میں تعلیم پائی تھی - اس لئے ہر پانچویں سال انگلستان کو آجاتا ہوں - اب انتظام قحط کے کام میں محنت بہت کی تھی - اس سبب سے بیمار ہو گیا تھا - اور اب نوکری چھوڑ کر یہاں آیا ہوں - مسٹر آل محمدؐ نے کہا اگر تمھیں عذر نہ ہو - تو پاس ہی میرا کلب ہے - وہاں چلکر بیٹھیں - میں ساتھ ہولیا - اتنے میں ایک اور نوجوان ملا جسے مسٹر آل محمدؐ نے کہا - یہ میرا چچیرا بھائی ہے جو بار میں تعلیم پاتا ہے - ہم سب نیشنل لبرل کلب میں پہنچے - کلب کی کتاب میں نام لکھ کر لفٹ کے ذریعہ دوسری منزل میں گئے - بڑے بڑے گدّوں کی آرام کرسیاں اور بہت سے کوچ پڑے تھے جنپر کئی آدمی بیٹھے ہوئے چائے پینے یا اخبار پڑھنے یا اونگنے میں مصروف تھے - مجھے تعجب ہوا کہ یہاں بھی بعض لوگوں کو دن میں اونگھنے کی فرصت مل جاتی ہے - یہاں ہم نے بھی چائے پی - دوران گفتگو میں میرے میزبان نے کہا کہ پیسہ اخبار تو بہت مشہور اخبار ہے - ایک دفعہ میرے برخلاف بھی اس میں چھپا تھا - جبکہ میں ڈپٹی کمشنر تھا اور اُس کے چچیرے بھائی نے کہا - کہ میں خود اسے خریدا کرتا تھا - میں نے رخصت مانگی تو وہ خود نیچے تک ساتھ آکر پہونچا گیا - یہاں سے میں پیدل فلیٹ سٹریٹ میں مسٹر جان گلپن کے دفتر میں پہنچا - اور اس کے منیجر مسٹر لیور سے کاغذ کی قیمتیں دریافت کیں - اُس نے حساب کر کے بتلایا کہ انگلستان میں ½۱۵ پونڈ کے ریم سے باریک کاغذ تو بنتا ہی نہیں - اور جو بنتا ہے تو گراں بنتا ہے - کیونکہ اسپر زیادہ محنت خرچ ہوتی ہے - اور اس کاغذ کی قیمت پونے دو پنس فی پونڈ نٹ بتلائی - اس کے علاوہ ۲۵ شلنگ فی ٹن پیکنگ اور لنڈن میں جہاز پر بار کرنے کا خرچ بتلایا - اور خود ہی کہدیا کہ میں جانتا ہوں کہ وہی پرانی کہانی انگلستان میں مال کی گرانی کی دُہرانی پڑے گی مگر مال عمدہ ہوگا - صبح والے مسٹر ہکس نے اسے ٹیلیفون سے پہلے ہی میری خبر کر دی تھی - ٹیلیفون کیسا آرام کی چیز ہے - خصوصاً تجارت کے لئے تو ایک برکت ہے یہاں

مسٹر ڈی جے کیمر اینڈ کمپنی کے پاس بلیک فرائرس میں گیا۔ اور اُن سے لیتھو گراف چھاپنے کی مشینوں وغیرہ کے متعلق بات چیت کی یہاں سے مسز رٹامس کک اینڈ سنز ٹورسٹ ایجنٹس کے دفتر سے اپنے خطوط لے کر بعض کا وہیں جواب بھی لکھا۔ اور اپنے ہوٹل کو لوٹتے ہوئے راستے میں ویجیٹیرین رسٹوران سے کھانا کھایا۔ قریب سوا گھنٹہ کے ہوٹل کے ریڈنگ روم میں بیٹھ کر لنڈن کے پوسٹ آفس ڈائرکٹری سے کچھ پتے تلاش کئے۔ تین لیڈیاں بھی اسی کمرے میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ جو پالیٹیکس کی ذرا ذرا بات سمجھتی تھیں۔ اور انٹرنیشنل لا پر خوب گفتگو کرتی تھیں۔ معلوم نہیں ہندوستان کے لوگ کب اخبار اس دلچسپی سے پڑھنے لگیں گے۔ باہر سے واپس آنے پر اسی..... (ایک ہندوستانی طالب علم) کا مجھے ایک رقعہ ملا۔ کہ جس نے پہلی ملاقات پر مجھ سے کچھ شلنگ قرض لئے تھے۔ وہ مجھے صبح سے چار مرتبہ یہاں دیکھ گیا تھا۔ اتنے میں وہ پھر آگیا۔ اور کہا کہ ابھی میرا خرچ گھر سے نہیں آیا۔ مجھے دو شلنگ اور دو۔ کچھ بحث کے بعد مجھے ماننا پڑا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ابھی شام سے کیوں مکان پر پڑے رہے ہو۔ چلو لنڈن کی لائف دیکھو۔ مگر میں نہ جاسکا۔ جب دوپہر کو میں انڈیا آفس سے واپس آرہا تھا تو اسی قطار دفاتر میں ایک سرکاری دفتر کے سامنے ایک دروازے پر ایک اعلان حضور ملکہ معظمہ کی طرف سے چسپاں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ ان کی رعایائے انگلستان کسی ایسے ملک کو اسلحہ جنگ نہ بھیجا کرے جہاں وہی اسلحہ اُن کی رعایا یا فوج کے خلاف استعمال کئے جانیکا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ ورنہ جہاں گورنمنٹ ایسے اسلحہ کا بھیجا جانا مناسب نہ سمجھے گی۔ وہ روک دے گی۔ اس اعلان کے پاس دروازے کی محراب میں ایک سپاہی پوری وردی پہنکر اور ہاتھ میں نیزہ تھامے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے دروازے پر اعلان چسپاں تھا۔ اور مسلح سوار اس کے پاس بت کی طرح کھڑا تھا۔ معلوم نہیں یہ سوار اس شاہی اعلان کی عزت کے لئے کھڑے تھے یا اس دفتر کی خدمت کے لئے ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ راستے میں ایک مکان

تعمیر ہوتا دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے مکانات کی طرح یہاں مزدوروں کو چار پانچ منزلوں تک پاڑ پر مصالحہ لے کر نہیں چڑھنا پڑتا۔ مستقل قسم کی پاڑ تو یہاں بھی باندھی جاتی ہے۔ جو غالبًا تعمیر شروع ہونے سے پہلے ہی بنائی جاتی ہے۔ لیکن کرین کے ذریعہ سے ہر قسم کا مصالحہ اور اینٹیں اوپر پہونچائی جاتی ہیں۔ جو بڑے آرام کی بات ہے۔ معمار بازار میں پہلے لکڑی کا پردہ بازار کی طرف سے اوٹ کے طور پر کھڑا کر لیتے ہیں۔ پھر اُس کے پیچھے بیٹھ کر کام شروع کرتے ہیں۔ تاکہ راہ رو اُنھیں نہ دیکھ سکیں۔ کُک صاحب کے دفتر سے نکل کر مجھے پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ سامنے زیرِ زمین لیوٹیوری ہے۔ (یہاں کئی بازاروں کے چوکوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ زیرِ زمین پاخانے اور پیشاب خانے بنے ہوئے ہیں) یہاں پیشاب کے لئے ایک ہی قطار ٹٹیوں کی تھی۔ صرف بیچ میں چھوٹے چھوٹے تھے یعنی سترگاہ تک کے۔ کمر کے اوپر سے سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ پہلے تو مجھے شرم سی آئی .... لیکن جب ہر شخص ایک ہی بات کرتا ہو تو پھر کاہے کی شرم۔ البتہ پاخانہ کی ٹٹیاں بند دروازہ کے اندر ہیں۔ اِن پیشاب کی ٹٹیوں میں ہر وقت پانی گرتا رہتا ہے۔ جس سے عفونت بالکل پیدا نہیں ہوتی۔ پیرس میں پیشاب کے لئے سرِ بازار چھوٹے چھوٹے خوبصورت آہنی پنجرے بنے ہوئے ہیں جنھیں وہاں "کوشک" کہتے ہیں۔ وہاں پردے کا بہتر انتظام ہے۔ ایک ستون کے گرد پانچ چھ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کر سکتے ہیں۔ ایسے طور پر کہ دو شخصوں کے بیچ میں ایک آہنی پردہ حائل ہوتا ہے۔ جس سے ایک کو دوسرا نظر نہیں آتا۔ اور نہ کپڑوں پر پیشاب کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔ ان میں بھی ہر وقت پانی گرتا رہتا ہے۔ اور نیز ان کے اندر خفیہ امراض اور قوت وغیرہ کے اشتہار چسپاں رہتے ہیں۔ لندن کے پیشاب خانوں میں ایسے اشتہار نہیں تھے۔

انگلستان میں تعلیم نمائش پیرس کے لئے انگلستان نے جو رائل کمیشن مقرر کی تھی۔ اور جس کے صیغۂ تعلیم کی سب کمیٹی نے تعلیم انگلستان پر ایک

جامع رپورٹ لکھی تھی۔ اُس میں سے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں انگلستان کے ادنٰے اعلےٰ اور ٹکنیکل وغیرہ اقسام تعلیم کی کیفیت درج کرتا ہوں۔ گو یہاں یہ حالاتِ طویل معلوم ہوں گے لیکن فائدے سے خالی نہیں۔ واضح رہے کہ انگلستان بھی یورپ کے اُن ممالک میں شامل ہے۔ کہ جہاں بچوں کی جبری یا لازمی تعلیم کا قانون جاری ہے اور واقعی آج جو ملک تہذیب اور شائستگی میں ترقی کرنا چاہے۔ اُسے جبری تعلیم کے سوائے چارہ نہیں۔ چنانچہ لنڈن میں تعلیم کا انتظام جس سکول بورڈ کے ہاتھ میں ہے اُسے اتنے بڑے شہر کے لاکھوں بچوں کی تعلیم کے لئے بہت بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سے بارہ سال تک یا بعض حالتوں میں چودہ سال کی عمر سے چھوٹا کوئی لڑکا ہو یا لڑکی تعلیم سے محروم نہیں رہ سکتا۔ قانوناً ان سے ابتدائی تعلیم کے لئے کوئی فیس بھی نہیں لی جاتی۔ کیونکہ ابتدائی تعلیم ہر فرد رعایا کو مفت بہم پہنچانا گورنمنٹ کا فرض سمجھا گیا ہے۔ بلکہ انگلستان میں تو یہ مسئلہ بھی آج کل درپیش ہے کہ غریب لوگوں کے بچوں کو کہ جنھیں پیٹ بھر کر کھانا والدین نہیں دے سکتے۔ سکول کے وقت میں کھانا بھی سرکار کی طرف سے ملنا چاہئے۔ حقیقت میں وہاں اس اصول پر حکومت کی جاتی ہے کہ رعایا ہی خود بادشاہ ہے۔ اور ٹیکس دینے والے گویا اپنے آپ پر خود حکومت کرتے ہیں۔ یعنی حکومت کے مختلف کاموں کے انتظام کے لئے خود رعایا ہی مختلف قابلیتوں کے ممبر منتخب کرتی ہے۔ اور وہ ممبر اپنے منتخب کرنے والوں اور دوسرے اہل ملک کی سہولت اور رفاہ کو مدنظر رکھ کر حکومت کا انتظام کرتے ہیں۔ ورنہ مفلس بچوں کو سکول میں کھانا دینے یا ملک کے محتاجوں یا ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے جو اپنا انتظام خود نہیں کر سکتے۔ ورک ہوس بنانے یا اُنھیں سرکاری خزانوں سے پنشنیں دینے کی تجویز کرنے کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں ؎

ایلیمنٹری یا ابتدائی تعلیم

بہرحال لنڈن سکول بورڈ کی زیر نگرانی سکولوں میں ۱۸۹۹ء میں ساڑھے چار لاکھ کے قریب بچے پڑھتے تھے۔ اور قریب تین لاکھ کے بچے لنڈن کے دوسرے سکولوں میں تعلیم پاتے تھے۔ کیونکہ

ابتک بھی والنٹری یعنی پرائیویٹ سکولوں کے کچھ مدرسے چلے آتے ہیں۔ جو سکول بورڈ قائم ہونے سے پہلے سے جاری ہیں۔ اور ابتک سکول بورڈوں کے مدارس کی طرح ان کے خرچ کا کچھ حصہ بھی شاہی خزانہ سے ملتا ہے۔ سکول بورڈ کو اہل شہر کی تعلیم کے لئے ایک قسم کا ریٹ یا ٹیکس وصول کرنے کا اختیار ہے۔ جو ۱۸۹۹ء میں شہر لنڈن سے ساڑھے بیس لاکھ پونڈ یا پونے چار کروڑ ہندوستانی روپئے کے قریب وصول ہوا تھا۔ سکول بورڈ نے اپنے زمانہ قیام سنہ ۱۸۷۰ء سے لے کر سنہ ۱۹۰۱ء تک قریب پانسو کے نئے مدرسے لنڈن میں قائم کئے اور ان مدرسوں میں صرف ساتویں سٹینڈرڈ (جماعت) تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اور چودہ سال سے کم عمر کا کوئی لڑکا جب تک کہ وہ ساتواں سٹینڈرڈ پاس نہ کرلے لنڈن میں فارغ نہیں رہ سکتا۔ ننھے بچوں کی کلاسوں میں تین سے سات سال تک کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ جنھیں کنڈرگارٹن کے اصول پر تعلیم دیجاتی ہے۔ اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ اسباق الاشیا کے ساتھ گانا اور جسمانی ورزش بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اور لڑکیوں کے سوائے چھوٹے لڑکوں کو بھی سوزن کاری کا کام سکھلایا جاتا ہے۔ اور ورزش لازمی ہے۔ ان سے بڑے لڑکوں کو انگریزی زبان کا لکھنا پڑھنا حساب نقشہ کشی (لڑکوں کو) اور سلائی (لڑکیوں کو) جغرافیہ (مع اسباق الاشیا) تاریخ۔ گانا۔ جسمانی ورزش اور کوئی زائد مضمون مثل الجبرا (لڑکوں کو) اور امور خانہ داری (لڑکیوں کو) یا فرنچ جرمن اقلیدس شارٹ ہینڈ وغیرہ بھی۔ بشرطیکہ مدرسے میں سکھلانے کا انتظام ہو۔ انگلستان کے ان ابتدائی مدارس میں سنہ ۱۹۰۰ء میں (۳۲۳۷۲) مرد (۳۶۱۳۹) عورتیں نائب مدرس تھیں کہ جنھوں نے ادنےٰ درجے کا امتحان پاس کیا تھا۔ ان کے علاوہ (۱۵۴۷۶) زائد اُستانیاں تھیں کہ جنھوں نے کوئی امتحان تو پاس نہیں کیا تھا۔ مگر انسپکٹر نے انھیں منظور کرلیا تھا۔ (۴۹۰۲۳) لڑکے اور (۲۲۵۷۸) لڑکیاں پیوپل ٹیچر اور (۴۹۸) لڑکے اور (۱۸۷۹) لڑکیاں پروبیشنر تھیں۔ ان اعداد سے ظاہر ہے کہ انگلستان کی ابتدائی تعلیم میں بجائے اُستادوں کے اُستانیوں سے کسقدر کام لیا جاتا ہے۔ اور واضح رہے کہ دن بدن

استانیوں کی تعداد اُستادوں کی نسبت بڑھ رہی ہے ؛

سیکنڈری تعلیم

سکول بورڈ نے اپنی ایلیمنٹری سکولوں کے ساتھ ہائر گریڈز سکول بھی قائم کئے ہیں۔ کہ جہاں لڑکے تھوڑی سی فیس دے کر وسطی درجہ کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ جو ہندوستان کے ہائی سکولوں کے برابر مگر ان سے اچھی ہوتی ہے۔ بورڈ سکولوں سے فارغ ہو کر ہزاروں لڑکے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ انھیں اور ان کے والدین کو روٹی کمانے کی فکر دامنگیر ہوتی ہے۔ مگر چونکہ ان لوگوں کی تعلیم بہت ناقص ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے لنڈن میں جابجا کن ٹن یو ایشن کلاسنز "دن کے مختلف اوقات میں یا شام کو کھلتی ہیں۔ لنڈن سکول بورڈ کی ایوننگ کن ٹن یوایشن کلاسنز" کے علاوہ ٹکنیکل ایجوکیشن کمیٹی کی جماعتیں بھی کھلی ہوئی ہیں۔ جو کونٹی کونسل کی مدد سے چلتی ہیں۔ ان کے علاوہ کئی ایک پالی ٹکنکس ہیں۔ کہ جن میں نقشہ کشی کمسٹری دھاتوں کے کام کئی ایک آرٹ اور سائنس اور غیر زبانیں سکھلائی جاتی ہیں۔ ان میں سے چند بڑے بڑے یہ ہیں۔ ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنکس بارورڈ پالی ٹکنک۔ ساؤتھ ویسٹرن پالی ٹکنک اور برک بک انسٹی ٹیوشن ہیں۔ ان مدارس سے زیادہ تر غرض یہ ہے کہ جو لڑکے دن بھر باقاعدہ تعلیم نہیں پا سکتے وہ یہاں کے تجربہ کار اُستادوں اور قیمتی آلات کی مدد سے آئندہ زندگی کے لئے بہت سے طریق پر اپنی علمی اور دستکاری کی استعداد بڑھا سکتے ہیں۔ سیکنڈری تعلیم کے متعلق اہل انگلستان کی بڑی خواہش خواہ مذہبی تعلیم کے خیال سے یا ذاتی آزادی کے لحاظ سے ہمیشہ یہ رہی ہے۔ کہ پبلک تعلیم کا انتظام سرکار کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ سکنڈری سکول زیادہ تر اوقات اور عطیات پر قائم ہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت قدیم اور بڑے بڑے دولتمند ہیں۔ اور بعض کا گذارہ مشکل ہوتا ہے۔ خاصکر جن کے اخراجات کا اراضیوں کی آمدنی پر گزارہ ہے۔ انھیں خشک سالی کے زمانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے بعض شرائط کے ساتھ ان مدارس کو سرکاری امداد بھی ملتی ہے۔ مثلاً اگر یہ سائنس کی تعلیم کا سامان بہم پہنچائیں۔ اور لیبارٹریاں قائم کرلیں۔ تو گورنمنٹ کا سائنس و

آرٹس ڈپارٹمنٹ انھیں مدد دیتا ہے۔ یا اگر کچھ ٹکنیکل تعلیم کا انتظام کریں تو کن ٹن کونسلیں مدد کرتی ہیں۔ انگلستان میں بڑے بڑے نامور پبلک سکول کہ جن میں سکنڈری تعلیم دی جاتی ہے۔ ہیرو۔ ونچسٹر۔ ویسٹ منسٹر۔ چارٹرہوس۔ رگبی سٹی آف لنڈن سکول۔ گرایسٹ ہاسپٹل وغیرہ ہیں۔ جن میں ونچسٹر ۱۳۸۲ء سے جاری ہے۔ اور سینٹ پال ۱۵۰۹ء سے ہے۔ اور کون دوسرا ملک ہے جو اتنی قدیم مگر اعلےٰ پایہ کی تعلیم گاہیں دکھلا سکے۔ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیاں تیرھویں صدی سے قائم ہیں۔

اعلےٰ تعلیم انگلستان میں اعلےٰ ترین تعلیم کے مرکز آکسفورڈ اور کیمبرج ہیں۔ پہلے کے ساتھ ۲۲ کالج اور ہال علاوہ چار پرائیویٹ ہالوں کے اور دوسرے کے ساتھ ۱۷ کالج اور ایک ہوسٹل ہے۔ یونیورسٹی آف ڈرہم ۱۸۳۱ء سے قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک کالج آف سائنس متعلق ہے۔ لنڈن یونیورسٹی گو ۱۸۳۶ء سے قائم ہے لیکن ۱۹۰۰ء سے اس نے علاوہ امتحان لینے کے تعلیم دینے کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ اس میں ۲۵ کالج یا سکول شامل ہیں۔ جو آٹھ فیکلٹیوں میں تعلیم دیتی ہے۔ وکٹوریہ یونیورسٹی ۱۸۸۰ء میں قائم ہوئی۔ برمنگھم یونیورسٹی ۱۹۰۰ء میں لورپول یونیورسٹی ۱۹۰۳ء میں اور لیڈز یونیورسٹی ۱۹۰۴ء میں شفیلڈ میں بھی ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی تیاری ہے۔ یونیورسٹی آف ویلز جو ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی اس کے ساتھ تین کالج ہیں۔ سکاٹلینڈ میں چار یونیورسٹیاں ہیں۔ گلاسگو میں سنیٹ اینڈ روز ۱۴۱۱ء میں قائم ہوئی۔ ایبرڈین میں ۱۴۹۴ء میں ایڈنبرگ میں ۱۵۸۲ء میں کارنیگی ٹرسٹ ۱۹۰۱ء میں بیس لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے قائم ہوا۔ جس کی غرض سکاٹلینڈ میں یونیورسٹی کی تعلیم کو ترقی دینا ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ پونڈ ہے۔ اور ۱۹۰۳ء کے موسم سرما میں اس نے (۳۰۲۷) طلبا کی فیس (۳۰۵۱۱) پونڈ ادا کی۔ آئرلینڈ میں ڈبلن یونیورسٹی ۱۵۹۱ء میں قائم ہوئی۔ اور رائل یونیورسٹی آف آئرلینڈ ۱۸۸۰ء میں جس ملک کی کل آبادی چار کروڑ ہے۔ اس میں اعلےٰ تعلیم کا

اس قدر انتظام ہے - تو کیا تیس کروڑ ہندوستانیوں کے لئے یہی پانچ یونیورسٹیاں کافی ہیں - اور اگر ایک دو نامی نیشنل یونیورسٹیاں اور قائم ہو جائیں - تو کونسی بات ہے؟

زنانہ تعلیم ۱۸۶۹ء سے پہلے انگلستان میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بہت ناکافی تھا - اس وقت سے لے کر ۱۹۰۰ء تک اسی سکول چیریٹی کمشنروں نے تمام ملک میں قائم کئے - گرلس پبلک ڈے سکول کمیٹی نے جو ۱۸۷۲ء قائم ہوئی تھی - ویمنز ایجوکیشن یونین کی امداد سے ۱۹۰۰ء تک ۳۳ سکول قائم کئے گئے - اور جب سے کہ آکسفورڈ میں ۱۸۸۴ء سے اور کیمبرج میں ۱۸۸۱ء سے اور نیز لنڈن اور وکٹوریہ یونیورسٹیوں میں لڑکیوں کو ڈگری کے امتحانات میں شامل کرنا منظور کیا گیا ہے - اعلےٰ درجہ کی تعلیم نسواں کو انگلستان میں بہت ترقی ہوئی ہے ؛

ٹکنیکل تعلیم ۱۸۸۹ء سے پہلے انگلستان میں ٹکنیکل تعلیم کی حالت نہایت پست تھی - اس وقت ملک کے دور اندیش لوگوں نے محسوس کیا - کہ دستکاری اور صنعت و حرفت میں غیر قوموں کا مقابلہ بہت سخت ہو گیا ہے - اور ٹکنیکل تعلیم کا ایکٹ پاس ہوا - اس میں ٹکنیکل تعلیم کی تعریف اس طرح کی گئی تھی "سائنس اور آرٹ کے اصولوں کی تعلیم جو دستکاریوں کے حق میں مفید ہو - اور سائنس اور آرٹ کی خاص شاخیں جو خاص دستکاریوں اور حرفتوں کے لئے مفید ہوں" چنانچہ گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس و آرٹ نے اس میں سوائے علمی زبانوں کے اور تمام حرفتوں اور پیشوں کی تعلیم شامل کر لی ہے - غرض اس ایکٹ کے مطابق تمام انگلستان کی کن ٹن اور بورڈ کونسلوں نے گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس و آرٹ کے ماتحت ٹکنیکل تعلیم کی کمیٹیاں قائم کر لیں - ۱۸۹۶ء تک ۶۱ کن ٹن بورڈوں میں سے ۴۶ نے اپنے یہاں ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کر لئے - ان میں سے تیس کونٹیوں نے (۱۵۰) سکول جاری کئے - صرف اس سال تک لنکا شائر میں (۱۹) اور یارک شائر میں (۱۷)

سکول قائم ہو گئے - یا ہو رہے تھے - اِس ایکٹ کی رو سے (۲۱۵) سکنڈیری سکولوں نے سائنس کی تعلیم کا انتظام کرلیا - اور اسی قدر فزیکل اور کیمیکل لیبارٹریاں قائم کیں - اور ۷۷ ورکشاپ دستکاری کی تعلیم کے لئے تیار ہو گئے - ان کے علاوہ (۸۱) نئے سکنڈری ہائے گریڈ سکول سائنس کی ضروری شاخوں کی تعلیم کے لئے قائم ہو گئے - جن پر (۹۴۴۴۰۷) پونڈ خرچ ہوا - جس میں سے اڑھائی لاکھ پونڈ صرف لنڈن نے خرچ کیا - لنڈن میں ٹکنیکل تعلیم صرف پالی ٹکنکس سکولوں کے ذریعہ دی جاتی ہے - کہ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے - یہ حسب ذیل آٹھ سکول ہیں - بٹریسی بارو روڈ - سٹی (برک بیک انسٹی ٹیوشن اینڈ سٹی آف لنڈن کالج) نارورن ریجنٹ سٹریٹ - ساؤتھ ویسٹرن - دولچ اور نارتھیمپٹن انسٹی ٹیوٹ - اِن میں سے اکثروں میں ڈے سکول بھی جاری ہیں - لیکن عموماً شام کی کلاسیں زیادہ تر مختلف پیشے اور حرفے سکھلانے کا کام کرتی ہیں - بارو روڈ پالی ٹکنک میں ۱۸۹۶ء نیشنل سکول آف بیکری (طباخی) اور ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنک میں گاڑیاں بنانے کا ڈے سکول قایم ہوا کسی میں فزیکل ڈپارٹمنٹ کسی میں مکینکل انجنیرنگ الکٹرو کمسٹری - ٹیلرنگ - ڈومسٹک اکانومی وغیرہ کے کورس سکھلائے جاتے ہیں - اِن کے علاوہ کئی چھوٹے آرٹ سکول اور ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ ہیں - تعمیرات کے پیشے کی مختلف شاخوں میں اسقدر ترقی ہو رہی ہے کہ صرف ۹۷-۱۸۹۶ء میں گولڈسمتھن انسٹی ٹیوٹ اور ایسٹ لنڈن ٹکنیکل کالج (پیپلز پیلیس) کے علاوہ صرف پالی ٹکنک سکولوں میں بائیس سو طلبا نے بحساب دو گھنٹے روزانہ کام سیکھے - اور مندرجہ بالا دونوں مدارس میں اور پانچسو طلبا نے بھی پیشے سیکھے - واضح رہے کہ "تعمیرات" میں نجاری - معماری - سنگ تراشی - آہنی نلکے لگانا - پلاسٹر کرنا - نقاشی - رنگ سازی سب کام شامل ہیں - صرف ۱۸۹۶ء میں چالیس ہزار پونڈ وظائف صنعت و حرفت کی تعلیم کے لئے شوق دلانے کے واسطے بتفصیل ذیل خرچ کئے گئے:-

۶۰۰ - ابتدائی اضلاع کے وظائف؛

۷۰ - وسطی اضلاع کے وظائف ؛

۵ - سینئر اضلاع کے وظائف ؛

۴۰ - سکول آف آرٹس کے وظائف ؛

۱۰۰ - جونیر دستکاروں کے شام کی جماعتوں کے وظیفے ؛

۱۲۰ - شام کے وظائف سائنس اور ٹکنالوجی میں ؛

۲ - باغبانی کے وظیفے ؛

۳ - ابتدائی عملی باغبانی کے وظائف ؛

۹ - ڈومسٹک ایکانومی کی تربیت کے وظیفے ؛

۵۵۴ - جونیر ڈومسٹک ایکانومی کی تربیت کے وظیفے ؛

کئی ایک کالجوں میں اعلےٰ ٹکنیکل تعلیم کے شعبے قائم ہیں۔ زراعت کی تعلیم کے لئے کالج اور جماعتیں مخصوص ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں اور بہت سے ٹکنیکل مدارس ہیں۔ لنڈن میں سب سے بڑا ٹکنیکل کالج سٹی اینڈ گلڈس لنڈن انسٹی ٹیوٹ ہے۔ اس سنٹرل ٹکنیکل کالج کے علاوہ ایک ٹکنیکل کالج میں ۲۵ پروفیسر اور (۳۵۷) طلبا کے اور (۵۲۵) طلبا شام کے ہیں۔ اور سکول آف ٹکنیکل آرٹس میں ۵ مدرس اور (۱۲۵) طلبا۔ لیدر (چمڑے کے) ٹریڈز سکول میں ۱۲ مدرس اور (۱۲۰۰) طلبا۔ ۱۸۹۸-۹۹ء میں ٹکنیکل امتحانات کے نتائج پر اس کالج نے (۲۶۳) انعام تقسیم کئے تھے۔ (۱۰۶) چاندی کے اور (۱۵۷) برنجی تمغے (۴۸۲) پونڈ کے نقد انعام۔ اس سے ظاہر ہے کہ کس کوشش اور جد وجہد سے انگلستان اپنی ٹکنیکل تعلیم کی کمی پوری کر رہا ہے۔ اور ابھی لارڈ روزبری چاہتے ہیں۔ کہ برلن کے عظیم الشان پالی ٹیکنی کے نمونہ پر انگلستان میں ایک کالج بنانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ؛

لنڈن سے واپسی اور پیرس سے قسطنطنیہ تک

در قبضۂ سعی ست کلید در روزی
شیر از کشش طفل ز پستاں بدر آید
جہد کن تا نور تو رخشاں شود
تا سلوک و خدمتت آساں شود
ہمچو آہن آہن بد رنگ شو
در ریاضت آئینہ بے رنگ شو
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید
ہر کہ جدّے کرد در جدّے رسید
(مولانا روم)

سچ ہے۔ اَلعبدُ یدبّرُ واللہ یقدِرُ۔ ابھی لنڈن میں بعض مقامات مثل پارلیمنٹ وغیرہ کا دیکھنا اور بعض اشخاص سے ملاقات کرنا باقی تھا۔ بلکہ بعض کی دعوتیں اور ملاقاتیں بھی مقرر ہو چکی تھیں۔ کہ یکایک کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ مینے لنڈن سے واپس چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ دونوں سے مینے بہت سی کتابوں کے کوئی دو تین بکس خریدے تھے۔ یہ کام مینے اپنے ایجنٹ کو سپرد کر دیا۔ کہ وہ کتابیں جمع کر کے لاہور بھیجدے۔ اور میں ۲۷۔ اگست ۱۹۰۰ء کی شام کو ہوٹل کا بل ادا کر کے اور ہوٹل کے بعض ملازموں کو کچھ انعام دے کر وکٹوریہ سٹیشن سے ریل پر سوار ہو گیا۔ پیرس کی نمائش کی وجہ سے ہجوم بہت تھا۔ یہ لوگ کسقدر سفر کرتے ہیں۔ عورتیں مردوں سے کم تفریحی سفر نہیں کرتیں۔ اس لئے سٹیشنوں اور بازاروں کے ہجوم میں مرد اور عورتیں بخلاف بلاد مشرق بالکل مخلوط ہوتی ہیں۔ میں ابھی گاڑی سے باہر کھڑا تھا۔ کہ نوجوانوں نے مجھ سے پوچھا تم عربی بول سکتے ہو۔ مینے کہا۔ کسیقدر۔ انھوں نے کہا یہ بڑھیا لیڈی جو ہمارے ساتھ ہے سوائے عربی کے کوئی زبان بول نہیں سکتی۔ اور اب پیرس کو جا رہی ہے۔ ذرا اسے جہاز پر سوار کرا دینا اور اتار بھی لینا۔ مینے کہا بہت اچھا۔ جب انگلش چینل پر پہنچے تو میں اُسے ساتھ لے کر کشتی پر سوار ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیچھے رہ جانے سے مجھے جہاز پر سونے کو جگہ نہ ملی *

قے کرنے والوں کا عجیب نظارہ

سمندر میں آج بہت تموج تھا۔ اور ایسی حالت میں جو جہاز میں لیٹ جاتے ہیں۔ وہ قے کم کرتے ہیں۔ مگر اس وقت کم و بیش سب لوگ قے کر رہے تھے۔ مینے بھی دو تین مرتبہ قے کی۔ یہ عجیب وقت تھا گرد و پیش ہر طرف سے قے کی آوازیں چلی آتی تھیں۔ جہاز کا سٹیورڈ ہر شخص کو قے کرنے کے برتن لا لا کر دیتا جاتا تھا۔ مینے جہاز کے تختے پر قے کر دی۔ سٹیورڈ قے پر تولیا ڈال دیا۔ اور بڑبڑاتا ہوا میرے لئے بھی ایک برتن اٹھا لایا۔ ۲۸ کی صبح کو تین بجے جہاز نے لنگر کیا۔ اور ہم فرانس کی سرزمین پر اتر پڑے۔ ساڑھے سات بجے ریل پیرس پہنچی۔ کسٹم والوں نے اسباب کی دیکھ بھال کی۔ میرے ایک ٹرنک کا کہ جسے میں نے لنڈن سے بک کرا دیا تھا۔ قفل ٹوٹ گیا تھا اور ریل والوں نے رسیوں سے باندھ دیا تھا لیکن شکر ہے کہ اس میں سے کوئی چیز نہیں گئی۔ سٹیشن سے گاڑی لے کر سیدھا مصطفےٰ خلیل افندی کے مکان واقع "کے سینٹ محل" پر پہنچا۔ کیونکہ اس نے پچھلی دفعہ کہا تھا۔ کہ اگر تم میرے قریب کے کسی ہوٹل میں ٹھیرتے تو تمھیں سہولت ہوتی۔ پھر مسٹر میسن سے ملاقات کی اور اس کے بعد دن بھر مینے نمائش پیرس کے بعض حصوں کی سیر میں صرف کیا۔

نمائش پیرس پر ایک آخری نظر

میرے لنڈن میں ایک مہینے کے قیام میں ہندوستان کی تماشے والی کمپنی پیرس سے کام بند کر کے چلی گئی تھی۔ سب پہلوان اور تماشہ گر واپس گئے تھے۔ میں لوہے معدنیات کان کنی کی کلوں جوتے بنانے۔ کپڑے سینے۔ کپڑے سے مصنوعی پھول بنانے والی اور انواع اقسام کی مشینوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ ایسی ایسی عجیب محنت بچانے والی کلیں تھیں کہ ایک جگہ صرف مشینوں کی مدد سے چند منٹ میں مکمل بوٹ تیار کر لیا جاتا تھا۔ آٹھ دس کلیں ایک حلقہ میں لگی تھی۔ تماشائی وہیں اپنا نام بتلاتے۔ اور کاریگر چند منٹ میں باری باری سے ان کلوں پر بوٹ مکمل کر کے ان کے حوالہ کر دیتے۔ اور قیمت لے لیتے درزیوں کے ایک کارخانے نے لیڈیوں کے مومی بتوں کو نہایت خوشنما پوشاکیں پہنا کر برقی روشنی میں انکا ایک بازار بنا دیا تھا۔ کہ ہزاروں لوگ اسپر گرے پڑتے

تھے اور مومی بت اس خوبصورتی سے بنائے تھے۔ کہ ان پر جاندار ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔ ایک جگہ ایک چاکولیٹ بنانے کے کارخانے نے اپنے کام کرنے کا نمونہ دکھلایا جس کے تمام عمل میں کہیں چاکولیٹ کو ہاتھ نہیں لگانا پڑتا۔ سب کام مشین سے خود بخود ہوتا جاتا تھا۔ شام کو مصطفےٰ خلیل افندی کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کا وعدہ تھا سٹیمر پر بیٹھ کر وقت مقررہ پر جا پہنچا۔ سٹیمر پیرس میں سب سے ارزاں سواری ہے۔ دس سنٹیم یعنی دو پیسے دے کر جتنی دور چاہو دریا میں چلے جاؤ۔ کھانا کھا کر گاڑی منگائی۔ اور اپنا اسباب قریب کے ایک ہوٹل میں لے گیا۔ دو فرانک گاڑی والے کو دئیے۔ شہر کے اندر خواہ پانچ میل گاڑی لے جاؤ۔ خواہ دس قدم اتنا ہی کرایہ دینا پڑتا ہے ؛

۲۹۔ اگست آج پہلے مصطفےٰ خلیل آفندی کے ہمراہ ایک نوجوان ترک سے قسطنطنیہ کے لئے معرفت کے خطوط لینے گیا۔ راستے میں ایک نیوز ایجنٹ کی دوکان کے قریب ایک درجن فرانسیسی زبان کے مختلف رنگین چھپنے والے مذاقی اخبار خریدے یہاں کارٹونوں والے رنگین اخباروں کی بڑی کثرت ہے۔ جس سے زندہ دل فرانسیسیوں کے مذاق کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر ٹامس کُک کے دفتر سے ٹکٹ خریدنے چلا گیا ؛

راستے کا فیصلہ پہلے تو ارادہ تھا کہ پیرس سے براہ ریل مارسیلز تک جا کر براہ جہاز نیپلز اور وہاں سے یونان اور قسطنطنیہ کو جاؤں۔ لیکن دفتر سے معلوم ہوا کہ پیرس سے براہ ریل روم و نیپلز اور وہاں سے برنڈسی تک جا سکتے ہیں۔ مگر آگے ایسا جہاز ملے گا جو ہفتہ میں صرف دو مرتبہ ایتھنز تک جاتا ہے۔ وہاں سے پھر جہاز ملے گا۔ جو ہفتہ میں دو بار قسطنطنیہ کو جاتا ہے اس راستے کا کرایہ (۳۵۳) فرانک اور تخمیناً دس گیارہ روز راستے میں لگیں گے۔ دوسرا راستہ براہ ریل پیرس سے میونک وسٹراس برگ و ویانا و بیوڈاپسٹ و بلگریڈ و صوفیا و ایڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک ہے۔ اس میں صرف چار روز لگتے ہیں اور کرایہ

بھی کم (۱۹۷) فرانک درجہ دوم کا ہے - اس کے ساتھ ہی مجھے ابھی پرسوں شب کا انگلش چینل میں بار بار جہاز میں قے کرنا بھی یاد تھا - قطع نظر اس کے یونان اور اٹلی کی زبانوں کی قطعی ناواقفیت نے بھی مجھے ادھر جانے سے روکا - جسقدر تجربہ آجتک غیر ممالک میں جانے کا مجھے ہوا ہے - اُس سے اتنا تو مجھے یقین ہو گیا ہے - کہ جن ممالک کی زبانوں سے ہم ناواقف ہوں - وہاں کی سیاحت میں کچھ لطف نہیں اور ہم دوسروں کے رحم اور مہربانی کے محتاج ہوتے ہیں - اور ذرا سی بات پوچھنی پڑتی ہے - اسی سفر میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ باوجود منہ میں زبان رکھنے کے ہماری زبان کچھ مدد نہیں دے سکتی - اور ہم اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے کوئی ضروری سے ضروری بات بھی دریافت نہیں کر سکتے - ہر چند کہ وہ بھی بول سکتا ہے - مگر دونوں ایک دوسرے کی زبان سے آشنا نہیں - حال میں پیرس سے لے کر ویانا تک ایک ہی کمرے میں میرے ساتھ چار روسی مرد اور عورتیں ہم سفر تھے - جو نمائش پیرس سے واپس جا رہے تھے - ان میں سے صرف ایک تھوڑی تھوڑی فرانسیسی بول سکتا تھا جس سے کبھی کوئی بات ہو جاتی - رہے اور - اُن سے ۳۲ گھنٹے کے سفر میں ایک بات بھی نہ ہوئی - غرض مینے قسطنطنیہ دیکھنے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا تھا - اگر ہندوستان سے آتے ہوئے قسطنطنیہ کی مصیبت نہ ہوتی - اور میں مصر اور قسطنطنیہ دیکھ یورپ کو آتا - تو یقیناً براہ امریکہ و جاپان و چین - ہندوستان کو واپس جاتا - اور وہی خرچ پڑتا - جو اب اس راستے میں پڑے گا +

غرض مینے قسطنطنیہ تک سیدھے ریل کے راستے کا اورینٹ ایکسپریس کا ٹکٹ لیا - اور پھر لائبریری فلے ماریاں اے ویلانٹ سے مرے کی قسطنطنیہ کی ہینڈ بک ساڑھے سات شلنگ کو اور ایک فرانسیسی ڈکشنری خریدی - فلے ماریاں کی کتابوں کی دوکان بھی عجیب و غریب ہے - ایک چھوٹے سے مثلث بلاک کے تینوں طرف یہی کتابوں کی دُکان ہے - اور بوجہ ارزاں فروشی کے اسپر گاہکوں کا ایسا ہجوم ہوتا ہے - جیسے کہ ریل کے ٹکٹ گھر پر - یہاں سے پلاس ڈا لا اٹیوال کے

قریب ترکی سفارت خانہ میں پاسپورٹ پر تصدیق کرانے گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ اس کام کے لئے ترکی کانسلیٹ میں جانا چاہئے۔ جو پلاس ڈالا آلما میں ہے۔ برقی ٹرام سے میں وہاں گیا۔ اور پانچ فرانک (روپے) دے کر دستخط کرا لئے۔ اور سٹیمر پر سینٹ مچل میں پہنچا۔ یہ جگہ پیرس میں سکنڈ ہینڈ کتابیں بیچنے کے لئے مشہور ہے جیسے کہ لندن

پیرس کی کتابوں کی کباڑی

میں بک سیلرز رو ہے۔ یہاں مستعمل کتابیں بیچنے والے دریا کے پشتے پر جو کمر تک بلند ہے۔ اپنی کتابوں اور رسالوں کے گلاس کیس رکھ کر بیٹھتے ہیں۔ میں نے یہاں سے پانچ روپے کی کتابیں لیں۔ اور خلیل مصطفیٰ صاحب کے حوالے کر دیں کہ وہ میرے ایک ٹرنک میں بند کر کے ہندوستان کو روانہ کر دیں۔ مگر وہ مجھے نہیں بھیجی گئیں۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ (۲۰۔ اگست پیرس) مسٹر مین سے ملاقات کی اور ان سے ہندوستان کے خطوط لئے میاں عبدالعزیز نے سیالکوٹ کے کوٹلی ورکس کے کچھ نمونے بھیجے تھے۔ انھیں میں نے پیرس کے بعض احباب کی لیڈیوں کی نذر کیا۔ جنھوں نے اس کام کو بہت پسند کیا۔ (۶۵۰) فرانک جو پیرس کے ایک بینک میں ایک دوست کی معرفت امانت رکھے تھے۔ وہ واپس لئے۔ اور ایک دو اور ملاقاتیں کرنے کے بعد پھر ٹری زیر زمین ریلوے پر جا کر بازار ڈا ہوٹل ڈالا ویل اور آلے برادرز کی بہت بڑی فرنیچر کی دکان دیکھی۔ پہلی دکان پیرس میں اس قسم کی دکان ہے۔ جیسے کہ لوور مگاسین یا بون مارشے ہے یا لندن میں ولیم وائیٹلی یونیورسل سپلائر کی دکان ہے کہ جن سے ضرورت کی ہر چیز مل سکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں نسبتاً ارزاں چیزیں جمع کی گئی ہیں۔ جو امرا کی ضرورت کی نہیں۔ بلکہ عوام الناس کی ضرورت کی ہیں۔ یہاں سے میں نے قریباً دو پونڈ کے کچھ تحفے تحائف اور یادگاریں خریدیں۔ اور پھر اپنے مکان "گران ہوٹل سینٹ لوئس" میں پہنچ کر ہندوستان کے لئے خطوط لکھے۔ کیونکہ کل پیرس سے روانہ ہو جانے کا قصد ہے۔

پیرس سے روانگی

(۲۱۔ اگست پیرس)۔ آج بھی صبح کچھ خطوط ہندوستان۔ انگلستان

اور قسطنطنیہ کو لکھے - اور اسباب باندھ بوندھ کر تیار ہوگیا - اور مصطفےٰ خلیل آفندی کے ساتھ گاڑی کرایہ کرکے سٹیشن کو روانہ ہوا - چونکہ سب ملکوں میں خاص خاص اشیاء پر خاص خاص محصول ہیں - مثلاً فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے آسٹریا - جرمنی اور ٹرکی میں تمباکو کا اس لئے چنگی کے افسر مسافروں کا اسباب دیکھتے ہیں - سرحدی سٹیشنوں پر اپنا اسباب اُتار کر چنگی کے کمرے میں لانا پڑتا ہے - وہاں ایک میں پچیس گز کے یا اس سے بھی لمبے کونٹر پر سب لوگ اپنے پورٹ مینو - بیگ اور ٹرنک وغیرہ کھول کھول کر رکھدیتے ہیں - چنگی کے افسر آکر جس بیگ یا صندوق کو چاہیں - اس کا سامان نیچے اوپر کرکے دیکھ لیتے ہیں - کہ کوئی محصولی چیز تو نہیں - بعض اوقات دریافت بھی کرلیتے ہیں - کہ تمباکو یا شراب یا کوئی ایسی چیز تو نہیں اور ہمارے جواب پر اعتبار کرلیتے ہیں - یورپ میں مینے دیکھا ہے کہ عموماً لوگوں کے بیان پر اعتبار کیا جاتا ہے - اور اگر جنٹلمین کے بیان کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے - تو نہ صرف بیان کرنے والے کی خفت متصور ہے - بلکہ بیان سننے والے کی عزت بھی اس امر کی مقتضی ہے - کہ وہ مان لے - عموماً یہاں کے لوگ چھوٹے یا بڑے بلحاظ درجے کے برابر سمجھے جاتے ہیں - کیونکہ سب ملکوں میں قومی حکومت ہے اور حکومتوں کا حصہ کم و بیش پارلیمنٹوں اور پبلک کے ووٹ پر ہے - اور فوج بھی رعایا کا ہی ایک جزو ہوتی ہے - اس لئے پولیس یا ریل یا فوج یا سول کے افسر لوگوں پر اس قسم کا رعب اور دباؤ نہیں رکھتے - جیسا کہ ہندوستان میں ہے - بہر حال چونکہ چنگی کے افسر مختلف ممالک کی سرحدوں پر اسباب کا معائنہ کرتے ہیں - اور صندوق بار بار قلیوں سے نیچے اُتروا کر پھر ریل میں رکھوانے کی مزدوری دینی پڑتی ہے - اس لئے مینے اس مرتبہ اپنے دونوں ٹرنک پیرس سے براست قسطنطنیہ بک کرا دینے مناسب سمجھے اور اپنے ساتھ صرف ہینڈ بیگ ایک کمبل اور پشمینہ کی چادر بجائے بچھونے کے اور ایک چھتری - چھڑی رکھی - ٹرنک وزن کرائے - تو پانچ کیلو گرام (قریباً ۲۶-۲۷ سیر) نکلے فرانس کی ریلوے پر

دوم درجہ کے مسافر کو پانچ کیلوگرام وزن مفت لے جانے کی اجازت ہے یہ وضع کرنے کے بعد مجھ سے ۳۳½ فرانک کرایہ جرمن آسٹرین اور ٹرکش سب ریلوں کا لیا گیا۔ جو اتنے سے وزن کے لئے مجھے بہت ناگوار ہوا۔ مسٹر مصطفےٰ خلیل سے مل ملا کر ریل پر سوار ہوا۔ اتنے میں ان کا ایک پست قد شامی دوست بھی سٹیشن پر ان کے گھر سے پتہ دریافت کر کے پہنچ گیا۔ یہ شخص جاہل ہے۔ مگر فرانسیسی صاف بولتا ہے۔ کیونکہ مدت سے یہاں رہتا ہے۔ عربی اس کی مادری زبان ہے۔ اس نے ایک فرنچ عورت سے شادی کر لی ہے۔ یہاں سٹیشن پر دیکھا کہ بجائے انجن کے گھوڑا جوتکر ریلوے گاڑیاں شنٹ کر رہی ہیں۔ اور مینٹ اکسپرس پیرس سے ۱۲۔۴۰ دوپہر کو روانہ ہوئی۔ جس کمپارٹمنٹ میں میں بیٹھا تھا*

ریل کا سفر

میری گاڑی میں ایک روسی جوان لڑکی اور اس کا پندرہ سولہ سالہ بھائی ایک میاں بیوی جرمن اور ایک فرانسیسی ہم سفر تھے بس چھ ہی آدمیوں کی جگہ ہر کمپارٹمنٹ میں ہوتی ہے۔ شام تک جرمن مسافر اُتر گئے۔ روسی لڑکی کا ایک بوڑھا ساتھی ہمارے کمرے میں آگیا۔ اور وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی کہ جہاں سب عورتیں تھیں۔ کیونکہ رات بھر اسی طرح بیٹھے بیٹھے جانا تھا۔ اور لیٹنے کو کوئی جگہ نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ ذرا سامنے کی سیٹ پر پاؤں رکھ لئے۔ اور کچھ آرام نہ تھا*

ایسی صورت میں لمبا سفر نہایت تکان دہ ہوتا ہے۔ (یکم ستمبر میٹونک جرمنی)

یورپ کے سفر اور ہندوستان کے سفر ریل میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہندوستان میں دوم درجے کے مسافر اگر کسی نیچے یا اوپر کی نشست پر بچھونا بچھالیں۔ اور لیٹ جائیں۔ تو ان کا حق سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ اس پر سو جائیں۔ مگر یہاں یہ طریقہ نہیں یورپ کی ریلوں میں اوپر کی آویزاں نشست تو ہوتی ہی نہیں۔ نیچے کی نشستوں کی چار چار مسافروں کے بیٹھنے کے لئے الگ الگ جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ جن کے مخمل کے گدے اتنے موٹے ہوتے ہیں۔ کہ انسان ان میں آرام کرسی کی طرح بیٹھ جاتا ہے

لیکن سونے کے لئے جگہ نہیں ہوتی - اگر سفر میں سونا چاہیں تو کچھ اور کرایہ اضافہ کر دینا چاہئے اور سونے کی گاڑی میں جو علیحدہ ہے جا کر سو سکتے ہیں - اور اگر تکیہ چاہئے تو وہ بھی ایک شلنگ خرچنے پر رات بھر کے لئے مل جاتا ہے - غرض یہاں کی ریل ہو یا کوئی اور جگہ وہاں سوائے روپے کھینچنے کی مختلف صورتوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا - سیکڑوں بہانے جیب خالی کرنے کے موجود ہیں - جب تک جیب میں کافی دام ہیں - تم خان صاحب بنے ہوئے ہو - ہر جگہ کسی خاندانی لارڈ یا امیر کی برابری کر سکتے ہو - لیکن جب دام ختم ہو گئے تو ایک ادنے - ایک رذیل اور ایک ناکارہ شخص ہو گئے - بلکہ یوں کہنا نادرست نہیں کہ ممالک یورپ میں مفلس ہونا جرم ہے - علاوہ سو نہ سکنے کے ریل میں کھانے پینے کی بھی اجنبی اور ناواقف کو بڑی تکلیف ہوتی ہے - بڑے بڑے سٹیشنوں پر ریفرشمنٹ روم تو ہیں - جہاں روٹی - چاء - اور میوہ جات ملتے ہیں - لیکن تیز رفتار ریلیں ان پر بہت تھوڑی دیر ٹھہرتی ہیں - مثلاً زیادہ سے زیادہ تین منٹ - واقف لوگ تو بھاگ دوڑ کر کچھ کھا پی لیتے ہیں - لیکن میری مشکل ایک اور قسم کی تھی - اکثر سٹیشنوں پر پینے کو صرف بیر شراب اور کھانے کو ڈبل روٹی کے سنیڈوچ ملتے تھے - روٹی کے دو ٹکڑے کر کے اس کے بیچ میں ایک گوشت کا پارچہ رکھ کر دوسری تہ اوپر جما دی جاتی ہے - تمام یورپ کے لوگ سفر میں یہی کھانا کھاتے ہیں - لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے - کہ یہ گوشت کس قسم کا ہے - انگلستان میں تو عموماً خنزیر کے گوشت کے سنیڈوچ لوگ کھاتے ہیں - جو شخص بیئر نہ پئے یا ایسے سنیڈوچ کھانے سے محترز ہو - اُسے ضرور تکلیف ہوتی ہے - چنانچہ بائیس گھنٹے کے سفر میں مینے آوری کوٹ (سرحد فرانس و جرمنی) اور میونک اور سنماک (سرحد جرمنی و آسٹریا) پر صرف تین مرتبہ چاء پی اور روٹی کے چند ٹکڑے اور تھوڑے سے انگور کھائے - جو ہرگز کافی خوراک نہ تھی - یہاں دستور ہے کہ لمبے سفر والے سب مسافر اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ کھانے کی چیز رکھتے ہیں - مثلاً اکثروں کے پاس میوہ جات سیب - انگور -

بھی اور شیریں آلوچے تھے - اور ڈبل روٹی کے سنیڈوچ بھی بہت لوگ ساتھ رکھتے ہیں - اگر میں بھی دو تین روٹیاں اور کچھ میوہ ساتھ لاتا تو آرام میں رہتا ایک سٹیشن پر چائے کی پیالی اور ٹوسٹ کی قیمت ایک مارک (۱۲؍) اور ایک پر ڈیڑھ مارک (۱۸؍) دیئے - جس ملک کی حدود میں سونے کا سکہ توڑ واکر چاندی کے سکے لئے جائیں وہی دوسرے ملک کی حدود میں بیکار ہوجاتے ہیں یا بہت کم قیمت پر چلتے ہیں*

آج دوپہر کو آسٹرین علاقہ سنباک سے شروع ہوا - آسٹرین کسٹم کے افسروں نے خود گاڑیوں میں آکر اسباب دیکھ لیا - اور سبز ٹکٹ اسباب پر یہ ظاہر کرنے کو لگا دیئے کہ محصول سے بری ہے - یہاں کسی کسی چھوٹے سٹیشن پر دیہات کی عورتیں پانی پلاتیں اور مسافر انھیں ایک آدھ پیسہ دیدیتے - لیکن آج مجھے پیاس ہی نہ تھی - کیونکہ کچھ کھایا نہ تھا - اور بھوک ایسی سخت تھی کہ ایک نوع کی بے چینی اور چندیا میں سنسناہٹ معلوم ہوتی تھی - کہ کبھی آٹھ پہر کا روزہ رکھنے سے بھی معلوم نہیں ہوتی - یورپ کی آب و ہوا میں ہی بھوک زیادہ لگتی ہے - ایک سٹیشن سے دو چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں انگوروں کی اسی کروزر یعنی ایکر روپیہ کو خریدیں - انگور ڈیڑھ پاؤ سے زیادہ نہ ہوں گے - یہ لوگ فروٹ یا تو کاغذ کے لفافوں یا ٹوکریوں میں دیتے ہیں - یہ خوشنما ٹوکریاں مشین میں موٹا کاغذ دباکر بنائی جاتی ہیں - اور ایسے کام خوب دیتی ہیں - ویانا پہنچکر معلوم ہوا کہ ٹرین میں ہی کھانے کی گاڑی بھی تھی - مگر مجھے پہلے سے معلوم نہ تھا - پیرس سے جو روسی لڑکا میرے ساتھ بیٹھا تھا - اُس نے جو موٹا سا ناول دوپہر کو پڑھنا شروع کیا - تو آدھی رات کو ختم کر دیا - اور میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ اس نے اس عرصہ میں شاید ایک آدھ منٹ کو بھی کتاب سے سر اٹھایا ہوگا - اس گاڑی میں بہت سے ایسے لوگ سوار تھے - جو نمائش پیرس سے یورپ کے ہر ملک کو واپس جارہے تھے - اور بعض وہ لوگ تھے - جو "اوبرا ومیگو" کا پیشن پلے دیکھنے جارہے تھے - جو ہر دس سال کے بعد

ایکٹ کیا جاتا ہے۔ اور ایسی قابلیت سے یہ پلے ہوتا ہے کہ امریکہ تک سے لوگ اس کے دیکھنے کو آتے ہیں۔ اس کے ٹکٹ پندرہ میں روز یا مہینہ پہلے بکنے بند ہو چکے تھے۔ کیونکہ جگہ باقی نہ رہی تھی۔ شام کے پونے آٹھ بجے گاڑی ویانا پہنچی۔ ۳۱ گھنٹے

ویانا میں توقف

لگاتار سفر کرنے کے بعد کہ جس میں سونے کا موقع بھی نہیں ملا تھا میں تھک کر چور ہو گیا۔ اس لئے ویانا میں اتر پڑا۔ اسٹیشن پر پھر میرا اسباب دیکھا گیا۔ اور میں اُسی میٹروپول ہوٹل کو گیا۔ کہ جہاں پہلے بھی ٹھیرا تھا۔ کیونکہ ہوٹل کی گاڑی مسافروں کے لئے سٹیشن کے باہر کھڑی تھی۔ پیرس سے ویانا تک جسقدر علاقہ میں سے ریل گزری وہ نہایت سر سبز اور آباد تھا۔ ان ملکوں میں چپہ بھر زمین ویران یا کلر یا بنجر نظر نہیں آتی۔ گھاس سے میدان زمردیں بنے ہوئے ہیں۔ درختوں کے جھنڈ اور گھنے جنگلوں سے جا بجا نظر آتے ہیں۔ ملک نہایت شاداب اور پر لطف نظر آتا ہے۔ زمین یورپ بھر میں ناہموار نظر آتی ہے۔ میدان بہت کم ہیں۔ عموماً بلندی اور پستی پر بستیاں کھیت۔ جنگل۔ سڑکیں اور مکانات واقع ہیں۔ سڑک کی ہر دو جانب چند مکان پاس پاس اور کہیں کہیں چھدرے ہیں۔ یہ ایک گاؤں کہلاتا ہے۔ ایک مکان کی نوکدار چوٹی بہت بلند اونچی چلی گئی ہے۔ یہ یہاں کا گرجا ہے۔ کوئی گاؤں گرجا سے خالی نہیں۔ مکان عموماً کھپریل یا سلیٹ کی چھت کے ہوتے ہیں۔ کھیت کہیں بڑے نظر نہیں آئے۔ چھوٹے چھوٹے قطعات پر ہی یہ لوگ ایسا اچھا تردد کر لیتے ہیں۔ کہ ایک کنبہ اسی کی آمدنی پر گزران کرتا ہے۔ یہاں عموماً گھوڑے ہلوں میں جوتے جاتے ہیں۔ مگر اب آسٹریا میں کہیں کہیں بیل بھی جوتنے لگے ہیں۔ گھاس جسے اس موسم میں سڑک کے ہر دو جانب جا بجا عورت مرد کاٹ کر خشک کر رہے تھے۔ یہ گھاس شاید بیج سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ خودرو ہوتی ہے۔ عورتیں گھاس کاٹنے یا اپنی ترینگلوں سے خشک کرنے میں مردوں سے کم کام نہیں کرتیں۔ پھر خشک کرکے کبھی۔ تو بارن میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ اور کہیں بر اعظم یورپ میں پنجاب کی توڑی (بھوسہ) کے دھڑوں کی طرح پرال وغیرہ سے باندھ کر ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ جب یہاں کی

عورتوں کو کھیت کیار کے کام میں محنت کرتے دیکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کی عورتیں سوائے پسنہاریوں کے ہرگز ان کے برابر مشقت کا کام نہیں کرتیں۔ اور یہی حال ان عورتوں کا ہے جو یورپ کی فیکٹریوں میں کام کرتی ہیں۔ اور اپنے پسینہ سے روٹی کماتی ہیں۔ البتہ خوشحال لوگوں کی عورتیں عیش و آرام سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ میں نے ہوٹل والوں سے کہا کہ مجھے کوئی سستا کمرہ دیں۔ انھوں نے کہا کہ پانچ کراؤں روزانہ سے کم کا کوئی کمرہ نہیں ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب میں کمرے میں گیا اور کمرے کی آسائش اور سامان کو دیکھا تو پھر مجھے خود جرأت نہ ہوئی کہ کرایہ کی تخفیف کا ذکر کروں؛

۲ ستمبر۔ ویانا آج اتوار تھا۔ سوائے تمبا کو اور کھانے کی دوکانوں کے سارے شہر میں دکانیں بند تھیں۔ ایک قہوہ خانہ میں جاکر قہوہ پیا۔ یہاں کا دودھ والا قہوہ

ویانا میں اتوار کی وجہ سے کاروبار بند

یہیں سے مخصوص ہے۔ دودھ کے جھاگ اٹھا کر گرم قہوہ کو شیشے کے گلاس میں رکھدیتے ہیں۔ جو بہت خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ یہاں کثرت سے اخبار موجود تھے۔ لنڈن کے دو تین بڑے بڑے اخبار بھی اُن میں مل گئے۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ کل سلطان المعظم کی جوبلی کی رسم قسطنطنیہ میں ادا ہوگی۔ اگر دو تین دن پہلے یہ بات معلوم ہوتی تو میں اس عظیم الشان جلوس کے دیکھنے کے لئے وقت پر قسطنطنیہ پہنچ جاتا۔ میں یہاں دو تین شناساؤں سے ملنا چاہتا تھا۔ مگر بوجہ سفر میرا کالر میلا تھا۔ اور اسباب ساتھ نہ تھا۔ شہر میں کوئی دکان کھلی نہ تھی۔ اس لئے ملنا کل پر ملتوی رکھا۔ ویانا میں صرف جولائی سے اکتوبر تک اتوار کو دکانیں بند رہتی ہیں؛

قہوہ خانے

ویانا اور برلن میں قہوہ خانے جس کثرت سے ہیں اور جیسے پُر رونق ہیں۔ پیرس میں بھی نہیں اور لنڈن میں سرے سے ہیں ہی نہیں۔ یہاں قہوہ خانوں کے مکان بڑے عالیشان بیش قیمت اسباب سے سجے ہوئے اور بہت پر تکلف ہیں۔ ان میں سیکڑوں اخبار خریدے جاتے ہیں۔ کہ جتنے اچھے اچھے ہوٹلوں اور ریڈنگ روموں میں بھی نہیں ہوتے۔ ایک دفعہ چائے کی پیالی پی کر دن بھر اخبار پڑھتے رہئے۔ لنڈن میں رسٹوران البتہ کثرت سے ہیں۔ مگر وہ کبھی ایسے اعلےٰ درجہ کے مکانوں میں نہیں ہوتے

پولس مین

ویانا کا سولجر بڑا لمبا ہوتا ہے۔ اُس کی وردی نہایت خوش نما ہوتی ہے فرانس کا سولجر اُس کے سامنے کھیل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ علاوہ پست قد ہونے کے اس کی ڈھیلی وردی اور سُرخ پتلون نے اُسے بہت بھدا بنا رکھا ہے۔ ویانا اور برلن کی پولیس کانسٹبل بوجہ اپنی عمدہ وردیوں کے بڑے شاندار سپاہی معلوم ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی وردی بھی ان سے اچھی نہیں ہوتی۔ ہاتھوں میں دستانے کمر میں تلوار آویزاں۔ سر پر ہلمٹ مع پیتل کی کلغی کے لنڈن کا پولیس مین بلحاظ قد و قامت بہت ممتاز ہے۔ لیکن وردی کے لحاظ سے ان کے روبرو وہ سویلین معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان میں فوجی جھلک نمودار ہے۔ ویانا اور برلن میں یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ بازاروں میں ایک

قاصد کا رواج

خاص قسم کی وردی اور بلا پہنکر لائسنسدار قاصد کھڑے رہتے ہیں جنھیں کوئی پیغام یا چیز دیکر کہیں بھیجدو۔ خیانت نہیں کرتے۔ لنڈن اور پیرس میں ایسا نہیں ہے۔ البتہ لنڈن میں پارسل جا بجا لے جانے کی گاڑیوں اور مزدوروں کی سروس مختلف کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ انھیں اطلاع دیدو تو شہر کے اندر جہاں چاہو پارسل پہنچا دیں گے۔ آسٹریا میں تمباکو امانی یعنی گورنمنٹ فروخت کراتی ہے۔ تمام تمباکو کی

تمباکو کا سرکاری اجارہ

دکانوں پر سرکاری آرمز لگے ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سرکاری دکانیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اکثر تمباکو کی دکانوں پر ایک ترک کی تصویر بھی لگی ہوتی ہے۔ جو لمبا قلیان پی رہا ہے۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ اس دکان میں ترکی تمباکو بکتا ہے۔ فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر امیر صاحب کابل اپنے ملک کے بادام۔ پستہ۔ اور مغزیات کا اجارہ اپنے ہاتھ میں رکھیں تو کیا ہرج ہے؟

اتوار کی قمار بازی و شراب خوری

آج بڑی گھوڑ دوڑ ہونے والی تھی۔ وہاں پہنچا۔ تو لاکھوں آدمیوں لوگوں کا مجمع تھا۔ جہاں ہزاروں روپئے گھوڑ دوڑ کی شرطوں اور قمار بازی میں لٹ رہے تھے۔ یہ سب کچھ جائز مگر اتوار کو دکانیں نہ کھلیں کہ اس مقدس روز کی توہین ہوتی ہے۔ شہر سے باہر قہوہ خانوں میں ہزارہا عورت مرد شراب پی پی کر

ناچ رہے تھے۔ خصوصاً بوہیمین لوگ ان کم بختوں کا عجیب مذاق ہے۔ باجا بج رہا ہے اور ایک ایک قہوہ خانہ میں دو دو ہزار کا مجمع ہے۔ سب کے سامنے بیر شراب کے ٹمبلر (گلاس) لبریز رکھے ہوئے ہیں۔ اِن میں سے بہت سی عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالکر ناچتے ہیں۔ مگر یہ سب وہ عورتیں ہیں۔ جو سروں پر بجائے ٹوپی کے رومال باندھتی ہیں اور خدمتگار یا مزدوری پیشہ ہیں۔ یہاں مرد بھی دفتروں یا کارخانوں میں ایسی سیاہ ٹوپی (سکل کیپ) پہنتے ہیں۔ کہ جیسی ہندوستان میں بنگالی یا پارسی پہنتے ہیں۔ یہاں سے میں چڑیا گھر گیا۔ کہ جسے برلن کی طرح "ٹیر گارٹن" یعنی حیوانات کا باغ کہتے ہیں۔

(۳۔ ستمبر ویانا) پیسہ اخبار کے لئے کچھ مضمون لکھا۔ ایک دکان سے کالر خریدا۔ پھر دو اکسپورٹ ایجنٹوں سے ملا۔ ان میں سے ایک صاحب کو سال بھر کے لئے پیسہ اخبار کے کاغذ کی بہم رسانی کا ٹھیکہ دیا۔ کوئلہ گراں ہونے کی وجہ سے کاغذ گراں ہو رہا ہے۔ مسٹر سٹیسلر کے ساتھ آسٹریا کے بعض تجارتی اشیاء کی دکانیں دیکھیں۔ سوڈا یا سپارکلٹس جس سے فوراً لیمونیڈ وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ پہلے پہل یہیں دیکھے۔ کھانا مسٹر اور مسز سٹیسلر کے ساتھ کھایا۔ صاحب خانہ نے کہا تم صرف ترکاری کیوں کھاتے ہو۔ گوشت میں صرف یہودیوں کے یہاں سے کھاتا ہوں۔ تو انھوں نے کہا کہ ہم تو یہودی ہی ہیں۔ یہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں میں لباس رنگ اور بول چال میں تو کوئی فرق معلوم نہیں دیتا۔ شاید ناموں سے پتہ لگتا ہوگا مسٹر سٹیسلر نے کہا کل ہماری شادی ہوئے پورے سات مہینے ہوں گے۔ بیوی کی عمر ۱۹ سال اور شوہر کی ۲۶ سال تھی۔ انھوں نے کہا اتنی کم عمر میں یہاں بہت کم لوگ شادی کرتے ہیں شادی ہوتے ہی میاں بیوی الگ گھر میں رہنے لگے۔ میرے سامنے دو تین دفعہ میاں نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ غرض کھانے سے فارغ ہو کر مجھے مسٹر سٹیسلر نے کئی قسم کی مشینیں دکھلائیں

لفافے بنانے کی مشینیں

لفافے بنانے کے لئے دو مشینیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک فرمے کاٹتی ہے۔ دوسری لفافے موڑ کر گوند لگا کر مکمل کرتی جاتی ہے۔ پہلی کی قیمت پانسو فلورن اور دوسری کی (۲۲۰) فلورن ہے۔ چھوٹے بڑے لفافوں کے لئے چند فرمے لینے پڑتے ہیں۔ جن کی ہر ایک کی قیمت بالاوسط چالیس فلورن ہوگی۔ ایک گھنٹے میں ہزار سوا ہزار

لفافے بنجاتے ہیں - اور ایک مرد - دو عورتیں کام کر رہی تھیں - فرمے کاٹنے کی مشین میں ایک شخص نے ایک ریم کاغذ کا رکھدیا اور سارے ریم کے فرمہ ایک دم میں کٹ گئے - ایک دوسرے کارخانے میں آٹومیٹک مشین دیکھی جسے انگلستان میں "پینی ان دی سلاٹ" کہتے ہیں جس میں پینی یا کوئی سکہ ڈالنے سے مٹھائی وغیرہ کوئی چیز جو اس میں پہلے سے ڈالدیتے ہیں - خودبخود نکل آتی ہے - ایک جگہ مرغی کی شکل کی مشین میں ایک سکہ ڈالا - تو مرغی نے انڈا نکال دیا - جس میں مٹھائی بند تھی - ایک حبشی کے منہ میں پیسہ ڈالا - تو سگار نکل آیا - یورپ میں ایسی مشینوں کی بڑی کثرت ہے - معلوم ہوا کہ آسٹریا سے بوٹ بینٹ وڈ - کرسیاں - سیپ کے بٹن - دیا سلائیاں - چھوٹا تالا وغیرہ بہت سستی چیزیں ہیں جو ہندوستان میں زیادہ آتی ہیں ؛

مومی بتوں کی نمائش

شاہوں شام مومی بتوں کی نمائش دیکھنے گئے - کہ جسے یہاں "پوپٹیکم" کہتے ہیں - اور جو بوجہ مکانوں کی قلت کے ایک زیرزمین تہ خانہ میں تھی - اور شب و روز مصنوعی روشنی سے کام لیا جاتا تھا - اس نمائش میں بہت بہت عمدہ گروپ بتوں کے تھے - ایک جگہ جیسے مصری عرب مع ایک گھوڑے اور ایک اونٹ کے کھڑے تھے - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یکایک مصر کے کسی بازار میں آگئے - اس کے علاوہ بہت سے بادشاہوں - شاعروں - ناموروں - مجرموں وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ بت تھے - اور ر سنومیٹوگراف اور اور کئی تماشے تھے - یہاں سے جا کر مسٹر سیڈسلر کے ساتھ ایک ریسٹوران میں کھانا کھایا - اور شام کو ویانا سے روانہ ہوجانے کے لئے اُن سے رخصت ہوا - مگر ہوٹل میں پہنچکر معلوم ہوا کہ جس گاڑی میں مجھے جانا تھا - اس کا وقت نکل گیا ؛

۴ ستمبر - صبح ویانا - دوپہر بوڈاپسٹ (ہنگری) صبح ضروریات سے فارغ ہوکر اور نپولین یعنی فرانسیسی پونڈ تڑا کر ہوٹل کا بل ادا کیا - ۲۰ فرانک کے نپولین کے ۱۹ - کرونا ملے - حالانکہ فرانک اور کرونا قیمت میں برابر ہوتے ہیں - لیکن شام کو بوڈاپسٹ میں پہنچکر جو فرانسیسی پونڈ تڑوایا تو ۱۸ ہی کرونا ملے - ہوٹل سے روانہ ہونے کے وقت پورٹر کو ایک کرونا اور ہوٹل کے مزدور کو ۳۵ کراؤزر دیئے - مگر اس سے پہلے اسی ہوٹل میں زیادہ

ٹپ دیا تھا۔ سٹیشن پر سیکنڈ اور فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم فرنیچر نہایت مکلف تھا۔ کوچ کے گدّے میں آدمی دھس جاتا تھا۔ ہندوستان کے ویٹنگ روموں کو اس سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ آج راستے میں زیادہ ہموار اور مسطح زمین ملی۔ ہنگری کا علاقہ زیادہ دیہقانی ہے۔ کھیت بہت اچھے نہیں۔ لوگ غریب اور شکستہ حال معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں ہلوں اور گاڑیوں میں بیل نظر پڑے۔ جنگل میں بعض کھیتوں میں صرف بطخیں پالی جاتی ہیں۔ جہاں ان کے جھنڈ کے جھنڈ چرتے چگتے نظر آتے تھے۔ بمقابلہ ہندوستان میں مویشی کے لئے چارہ کی قلت کے یہاں چراگاہیں کثرت وافر اور مویشی بہت تروتازہ ہیں ویانا سے پونے نو بجے چلکر پونے دو بجے بیوڈاپسٹ پہنچے۔ میں گھوڑا گاڑی لے کر رائل ہوٹل کو گیا۔ ایک گلڈن (ہم) گاڑی کا کرایہ دیا۔ یہ بڑا عالیشان ہوٹل ہے۔ پہلے مجھے تیسری چھت پر پانچ کراؤن روزانہ کرایہ کا کمرہ دینے لگے۔ میں نے کہا مجھے اس سے سستا کمرہ چاہئے۔ تب مجھے پانچویں چھت پر ساڑھے تین کراؤن کا کمرہ دیا۔ جس کا نمبر (۵۱۶) تھا۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ یہ کتنا بڑا ہوٹل ہے۔ یہاں کا سامان بھی بہت اعلےٰ درجے کا تھا۔ ایک برقی لیمپ کمرہ کی روشنی کے لئے اور ایک اور لیمپ میز پر روشنی کے لئے تھا۔ مجھے جرمنی۔ فرانس۔ انگلستان سب جگہوں کی زبان سے تھوڑی بہت آشنائی تھی۔ لیکن ہنگری کی زبان کا جسے مگیار یا مجار کہتے ہیں۔ میں ایک لفظ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مثلاً ہوٹل کو سزالوڈا کہتے ہیں۔ رائل ہوٹل کے سوا اس شہر میں اور بھی بہت سے بڑے بڑے ہوٹل

شہر بوڈاپسٹ کی رونق

ہیں۔ بہ باعث یہاں کے خوشنما منظر اور دریائے ڈنیوب کے خوبصورت ساحل کے جو اس شہر میں سے گزرتا ہے۔ اور اس نواح کے قدرتی چشموں کے کہ جن میں نہانے کے لئے مریض دور دور سے آتے اور اچھے ہو جاتے ہیں۔ یہاں یورپ بھر سے سیاح آتے رہتے ہیں۔ مکانات نہایت عالیشان ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں (۷۳۲۲۲) کی آبادی تھی۔ تمام ٹریموے برقی طاقت سے چلتی ہیں۔ دریا میں سٹیمر چلتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ایشیا اور یورپ دونوں اقوام کے ہیں۔ یہاں ایشیائی باتوں کی جھلک کسی قدر لباس اور شکل میں بھی نظر آتی ہے۔ اکثر عورتیں عیسائی یا یہودی (یہودی بہت ہیں)

سروں پر بجائے ٹوپی کے رومال باندھتی ہیں۔ یہ مقام ہنگری کا دارالخلافہ اور یورپ کے اس حصے میں بڑا مرکز تجارت۔ تعلیم اور ترقی کا ہے۔ دکانیں بڑی عالیشان اور مال و اسباب سے پٹی پڑی ہیں۔ میں نے شہر میں دو تین چکر لگائے۔ بلحاظ عمارات کی عظمت اور بازاروں کی صفائی کے یہ مقام ذرا بھی ویانا سے کم نہیں ہے۔ یہودیوں کے ایک قہوہ خانے میں سو ڈیڑھ سو یہودی عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ اور دو تین نوجوان لڑکے انھیں سارنگی اور طنبور بجا کر خوش کر رہے تھے۔ یہاں کئی عورتیں اور بچے ننگے پاؤں بھی پھرتے دیکھے۔ برقی ٹرامویے کے سوائے یہاں گھوڑوں کی ٹریم نہیں ہے۔ حالانکہ لندن پیرس اور برلن سب جگہوں میں ابتک بھی گھوڑوں کی ٹرامویے موجود ہے۔ شہر میں جابجا بہت سے ناموروں کی روئیں یادگاری بُت نصب ہیں۔ اور ایک عالیشان یونیورسٹی کی عمارت بھی ہے ۔

۵ ستمبر۔ بیوڈاپسٹ۔ صبح اُٹھکر پیسہ اخبار کے لئے ہفتہ وار چٹھی لکھی اور کچھ پرائیویٹ خط بھی لکھے۔ اور ہوٹل والوں کو دیئے کہ رجسٹری کرا کر رسیدیں لادیں ۔

ایک نرالی بات یہاں یہ بات نرالی دیکھی کہ ہر دکان کی پیشانی پر بجائے بورڈ پر مالک دکان کا نام یا نوعیت مال لکھنے کے اس مال کی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ مثلاً دھوبی کی دکان پر سفید قمیصوں اور کپڑوں کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کہیں انگوروں کے خوشہ کی۔ کہیں بیر کے اُبلتے ہوئے گلاس کی۔ شہر میں پکے ہوئے سرخ ہندوانے بہت بکتے تھے۔ اور ہندوانوں کی پھانکیں بھی بکتی تھیں تاکہ پیسہ دو پیسے والا بھی خرید سکے۔ ہندوانے بیچنے والی دکانوں پر کٹے ہوئے ہندوانوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پہلے تو میں نے خیال کیا تھا کہ یہاں تعلیم کم ہے۔ اور لوگ لکھے پڑھے نہیں۔ اس لئے دکانوں کے بورڈ نہ پڑھ سکتے ہوں گے۔ لیکن پھر معلوم ہوا کہ ہنگری میں بھی تعلیم لازمی ہے۔ اور ہر گاؤں جہاں مدرسہ جانے کے قابل بیس بچے بھی ہوں وہ ایک ابتدائی مدرسہ بنانے پر مجبور رہے۔ بہرحال بیوڈاپسٹ کی دکانوں کے تصویردار بورڈ مجھے بہت پسند آئے۔ مجھے ایک دانت میں دنداں ساز سے سٹفنگ کرانے کی ضرورت تھی۔ کھلا

گونگے کس طرح باتیں کرتے ہیں

دنداں ساز کا پتہ میں کہاں تلاش کرتا۔ بازار میں جاتے ہوئے ایک دکان کے تختہ پر دانتوں کی بتیسیوں کی تصویریں دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ دنداں ساز کی دکان ہے۔ اوپر جا کر مینے اشارہ کر کے دنداں ساز کو دانت دکھلایا پہلے اُس نے سمجھا کہ دانت نکالنا ہے۔ اور زنبور سنبھالا۔ مجھے بڑی ہنسی آئی اور مینے اسے اندر سے خالی دانت دکھلایا۔ اُس نے میرا مطلب سمجھ کر تھوڑی دیر میں دانت بھر دیا اور چار کرونا اُجرت لی۔ یہاں گوشت کے قیمہ کو بکری کے دودھ میں بھر کر کباب بنانے کی عام رسم ہے۔ اور ایسے کبابوں کے ہار اکثر دکانوں پر لٹکتے رہتے ہیں۔ خربوزے اور ہندوانے خاصے سستے تھے۔ اور ہندوانے بہت خوش ذائقہ تھے۔ یہاں بعض لوگوں کے رنگ تو بالکل گندمی ہیں۔ اور بعض کے بالکل گورے چٹے۔ یہودیوں نے شراب کی دکانوں پر بھی عبرانی خط میں "کوشر" یعنی حلال کی دُکان لکھ رکھا ہے۔ شاید یہ مطلب ہو گا کہ یہودیوں کی بنائی ہوئی شراب ہے۔

بیوڈاپسٹ میں گل بابا کا مقبرہ

یہاں "گل بابا" کے مزار کے نام سے ایک مسلمان ولی کا مقبرہ "گلاب کی پہاڑی" پر واقع ہے۔ جسے اب تک ٹرکی اور دیگر اسلامی ممالک سے سیاح اور زائر دیکھنے آتے ہیں۔ گورنمنٹ آسٹریا ہنگری کے ذمہ اس کی نگہداشت اور نگرانی فرض ہے۔ کیونکہ ۱۶۹۰ء میں جبکہ بیوڈاپسٹ کی حکومت ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھ میں چلی آئی۔ تو عہد نامہ میں ایک شرط یہ بھی لکھی گئی۔ کہ عیسائی گورنمنٹ "گل بابا" کی خانقاہ کی نگرانی اور مرمت کراتی رہے۔ گل بابا ایک ترک بزرگ گزرے ہیں۔ جن کا یہ قلعہ نما مقبرہ سُرخ اینٹ کا ۱۵۴۵ء میں محمد پاشا اس زمانے کے شہر بیوڈا حاکم نے تعمیر کرایا تھا۔ ایک مسلمان سے مینے سُنا کہ یہاں اب تک اُس ولی کے ایک کتیا کی نسل اُس کی قبر کی محافظ چلی آتی ہے۔ جو اُس کی کرامت شمار ہوتی ہے۔ میں ایک گائڈ بک کی مدد سے اکیلا دریائے ڈینیوب کے پل پر سے پیدل گزر کر اس مقبرہ کو دیکھنے گیا۔ گورنمنٹ ہنگری نے اس مقبرہ کے گرد ایک بہت بڑی عمارت بنا دی ہے۔ جس میں آج بھی مرمت ہو رہی تھی۔ عمارت کو سجانے کے لئے کئی ایک مٹی کے بُت اُس مقبرہ میں

جا بجا رکھے ہوئے تھے - شاید دنیا بھر میں مسلمانوں کا صرف یہی ایک مقبرہ ہو گا جو بتوں سے سجایا گیا ہو - بیچ کے احاطہ کے ایک حجرہ میں گل بابا کی قبر ہے - قبر کچی زمین کے برابر ہے - دیواروں پر دو تین عربی قطعے اور ایک مکہ مدینہ کا چھپا ہوا اور معمولی نقشہ آویزاں ہے - تین چار بھیڑ کی کھالیں پشم سمیت ایک دیوار سے لگی ہوئی ان پر جو جائے نماز کا کام دیتی - ایک جوڑا لکڑی کی کھڑاؤں کا بھی ہے جن پر ایک نوٹ بک رکھی ہوئی ہے - جو شخص یہاں آتا ہے - وہ اس پر بطور یادگار اپنا نام لکھ جاتا ہے - مینے بھی پنسل سے دستخط کر دیئے اس سے پہلے اور کئی ترکی کے دستخط تھے - اور ان سے کم عربی خط میں لاطینی خط میں بہت تھے جن میں بعض عیسائیوں کے بھی تھے - ہندوستان کے ایک شخص عبدالرحمٰن کے دستخط بھی تھے اور بعض افغانوں کے بھی - دریائے ڈنیوب پر کہ جو شہر کے بیچ میں سے گذرتا ہے - تین چار پل بنے ہوئے ہیں - سٹیمر بھی لوگوں کو ادھر اُدھر لے جاتے ہیں - لنڈن - پیرس - برلن - سب شہروں کے دریاؤں سے ڈنیوب بہت بڑا ہے - سٹیمر کے راستہ واپس آ کر امریکن کافی ہاؤس" میں قہوہ پیا - اور لنڈن ٹائمز پڑھتا رہا)

عجیب واقعہ

ایک رسٹوران سے کھانا کھا کر دس بجے ہوٹل میں جا سویا - راستہ میں ایک بازار میں ایک عورت نے میرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مٹی کا بُت ہنس کر دیدیا - گو بولی سے نہیں مگر بشرہ سے میں اُس کا مطلب تاڑ گیا - ہوٹل میں آ کر دریافت کیا - تو معلوم ہوا کہ آوارہ عورتوں نے یہی تقریب کا ذریعہ بنا لیا ہے - یہ وینس کا بُت تھا - جو عشق کی دیوی تھی - یورپ کے کسی اور شہر میں مجھے ایسا واقعہ پیش نہیں آیا*

پروفیسر ومبیری

۶ ستمبر - بیوڈاپسٹ - صبح کھانا کھا کر اس خیال سے واپس آیا - کہ کہ پروفیسر ومبیری مشہور مشرقی سیاح اور زباندان سے ملوں - سچ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے اپنے وطن میں کچھ قدر نہیں ہوتی - بڑی مشکل سے ہوٹل والوں نے اس کا پتہ ڈائرکٹری سے نکالا - اور ایک چٹھی دے کر اُس کے پاس کسی آدمی کو بھیجا - یہ سُرخ ٹوپی والے مزدور جو بیوڈاپسٹ میں ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں - اس قسم کے

کام کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں ٹیلیفون نہیں ہے۔ ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد اس شخص نے آکر کہا کہ پروفیسر صاحب کے گھر پر بہت انتظار کیا۔ لیکن وہ ابھی باہر سے نہیں آئے نامہ بر کو ساڑھ کراؤن بے فائدہ دینے پڑے۔ اور چونکہ مجھے آج ہی یہاں سے رخصت ہونا تھا۔ اس لئے پھر پروفیسر صاحب کی خبر نہ لے سکا۔ لاہور کے میرزا ضیاءالدین اکمل کی بھی یہیں مقیم ہونے کی خبر تھی مگر اُن کا بھی پتہ نہ ملا۔ پھر میں یہاں کے کمرشل میوزیم کو دیکھنے کے لئے ٹریموے پر سوار ہو کر گیا۔ لیکن گائڈ بک کے پتہ کے مطابق جب اس مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اب میوزیم وہاں سے اُٹھ کر کسی دوسری جگہ چلا گیا ہے۔ کیونکہ میری گائڈ بک ۱۸۹۱ء کی چھپی ہوئی تھی۔ پھر مینے سرسری طور پر یہاں کے ٹکنیکل ہائی سکول

ٹکنیکل ہائی سکول

(یاتی ٹکنیکم) کو دیکھا کہ جس میں (۱۲۱) پروفیسر اور (۱۴۶۷) طالب علم ہیں۔ اور ان چار شعبوں میں تعلیم ہوتی ہے۔ یونیورسل ٹکنکس اور کمسٹری۔ آرکی ٹکچر۔ مشین سازی و انجنیری۔ ملک ہنگری میں ۲۰۳ زراعتی ٹرننگ سکول ہیں۔ ۵۲۵ ہر قسم کی دستکاریوں کے۔ ۱۵۵ تجارت کے۔ ۲۴ آرٹ موسیقی۔ ۶ کان کنی۔ اور ۱۶ فوجی وغیرہ ان سب میں ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم اور ساڑھے پانچہزار مدرس ہیں۔ گو میں ہوٹل کی پانچویں منزل پر اُترا تھا۔ لیکن ایک مرتبہ بھی مجھے سیڑھیوں کے راستہ سے نہیں چڑھنا پڑا۔ بلکہ لفٹ کے ذریعہ سے اوپر جاتا آتا رہا۔ پورٹر اور ہوٹل کے مزدور کو ایک ایک کراون دیا۔ اور گاڑی منگا کر سٹیشن کو روانہ ہوا گاڑی والے کو دو کرون یعنی ایک گلڈن دینا پڑا۔ اگرچہ سٹیشن پر مجھے قلی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اسباب بہت کم تھا۔ مگر بوجہ متعدد کمروں اور پلیٹ فارموں کے کثرت اور زبان کی ناآشنائی کے ایک قلی کو ساتھ لیا۔ یہاں ریل کے قلیوں میں یہ دستور ہے کہ سب سے پہلے سب مسافروں کا اسباب ایک کمرہ میں قطار باندھ کر جما دیتے ہیں۔ اور اس پر چاک سے نمبر لگا کر مسافر کو اُس کا نمبر بتا دیتے ہیں۔ جب مسافر پلیٹ فارم پر پہنچ کر گاڑی میں سوار ہونے لگتا ہے تو سامنے پلیٹ فارم پر لگیج کی ایک قطار دیکھتا ہے۔ جس میں اس کا بھی اسباب ہوتا ہے۔ جب وہ اپنا نمبر پکارتا ہے تو قلی اس کا اسباب اُس کی گاڑی میں

لے آتا ہے۔ اور قلی علاوہ بوجھ اُٹھانے کے گاڑیوں میں مسافروں کو جگہ بھی تلاش کردیتے ہیں۔ میرے کمرے میں جتنے مسافر تھے بلگراڈ تک جانے والے تھے۔ بلگراڈ سے ادھر مقام سمبلان میں سرویا کی سرحد پر کسٹم کے افسروں نے پہلے ریل میں ہی گھسکر اسباب کا

اسباب اور پاسپورٹوں کا معائنہ

معائنہ کیا۔ پھر پاسپورٹ دیکھے لیکن بلگراڈ میں پہنچکر پھر سٹیشن کے ایک کمرے میں سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب لے جاکر کسٹم والوں کو دکھلایا۔ جہاں اسپر معائنہ کے ٹکٹ لگائے گئے۔ اور ایک فوجی افسر نے سب مسافروں کے پاسپورٹ جمع کرلئے۔ جو گاڑی چلنے سے پہلے گاڑی میں آکر سب کو واپس دے دیئے یہاں گاڑی بھی بدلی گئی۔ یہاں سے شام کے قریب گاڑی روانہ ہوئی۔ سڑک کے دونوں

بلگیریا اور اہلِ بلگیریا

طرف سلسلہ کوہستان بلقان کی پہاڑیاں چلی گئی ہیں۔ بلگراڈ کے سٹیشن پر اس پادری کا نمونہ بھی دیکھ لیا۔ جو اس ملک میں ترکوں کے خلاف فساد مچانے میں مشہور ہیں۔ اور جن کی لمبی داڑھی لمبے سر کے بال اور لمبا سیاہ لبادہ تصویروں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب لے کر مفسدہ پردازوں کے آگے چلتے ہیں

رات بھر ریل میں بیٹھا رہا اور اس شعر کو دوہراتا رہا ؎

درازیٔ شب از مژگانِ من پرس
کہ یک دم خواب در چشمم نہ گشت است

۷ ستمبر (سرویا و بلگیریا کے مابین) صبح گاڑی بلگیریا کے علاقہ میں پہنچ گئی۔ بلگیریا کے فوجی افسروں نے ریل ہی میں آکر پاسپورٹ مانگے۔ اور دوسروں نے وہیں گاڑی میں اسباب دیکھ لیا۔ جنھوں نے پاسپورٹ لئے تھے۔ انھوں نے اگلے سٹیشن پر سب مسافروں کو واپس دیدیئے۔ میرا ارادہ صوفیہ میں تھوڑی دیر اُترنے کا تھا۔ لیکن جب مینے سٹیشن سے ہی دیکھا کہ شہر محض دامن کوہ میں سفال پوش یک منزلہ مکانوں کا ایک بے حیثیت سا مجموعہ ہے۔ اور نیز پیرس میں مجھے ایک ترک نے جتلا دیا تھا۔ کہ آجکل وہاں مسلمان محفوظ نہیں۔ تو مینے وہاں اُترنا مناسب نہ سمجھا۔ سرویا اور بلگیریا کے سپاہیوں کی ٹوپیاں روسی سپاہیوں کی سی ہیں۔ جو بہت اچھی معلوم دیتی ہیں۔ یورپ میں آکر جب

ہم اِن ملٹری سلطنتوں میں سے کچھ عرصہ تک گزرتے ہیں۔ تو ہماری آنکھیں ایک نئی قسم کی سپاہیانہ زندگی۔ دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ جو ہم نے پہلے نہیں دیکھی تھی جا بجا خوبصورت جوان خوشنما اور چست وردی پہنے شمشیر پاؤں تک لٹکائے چلتے پھرتے جا بجا نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ مشرقی یورپ میں اور بھی کثرت سے ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ہزارہا شخص بازاروں میں طرح طرح کی سپاہیانہ وردیاں پہنے نظر آتے ہیں۔ جن میں سے بعض بہت خوشنما ہیں۔ البتہ عام بلغاروں کی پوشش دہلی یا لکھنؤ والوں سے بہت ملتی جلتی ہے۔ یہ لوگ سب سے اوپر ایک سدری پہنتے ہیں۔ جس کی آستینیں لمبی ہوتی ہیں۔ اور پتلون تنگ پاجامہ کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک ریل بلگیریا کے علاقہ میں سے گذرتی رہی۔ دونوں طرف پہاڑیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور بیچ میں سے وادی میں ایک ندی تھی کہ جس کے کنارے کنارے ریل چلی جاتی تھی۔ پانچ بجے شام کو ایک سٹیشن تتری بازار میں پہنچے۔ یہاں سے ریل گاڑیوں پر ہلال اور ستارہ نظر آنے لگا۔ اور سٹیشنوں کے نام بھی ترکی خط میں لکھے ہوئے دیکھے۔ بلگیریا کی ابجد یورپ کی دوسری زبانوں کے خلاف روس سے مشابہ ہے۔ اور اس ملک کے باشندوں کا لباس بھی الگ ہے۔ اس ملک میں کوئی حرفت سوائے کشتکاری اور مویشی چرانے کے نہیں معلوم ہوتی۔ ریل کے دونوں طرف مکئی اور دھان کے کھیت تھے۔ مکئی کاٹنے سے پہلے یورپ میں اوپر کا ڈنٹھل توڑ لیتے ہیں۔ اور خوشہ تنے کے ساتھ رہنے دیتے ہیں دہقانوں کے مکانات بہت ادنٰے درجہ کے سفال پوش جھونپڑے تھے۔ یہاں بیلوں اور جاموشوں سے کھیتی کا کام لیا جاتا ہے۔ البتہ چھوٹے چھوٹے ٹٹو گاڑیوں میں جُتے ہوئے دیکھے۔ اراضی بھی ویسی سرسبز نہیں۔ جیسی کہ بیوڈاپسٹ تک تھی۔ آفتاب کی تمازت بھی زیادہ ہے۔ لوگوں کے رنگ ویسے سُرخ و سپید نہیں۔ جیسے کہ یورپ کے بالائی حصہ میں تھے۔ اکثروں کے رنگ ہندوستانیوں کے صاف رنگ کے سے ہیں۔ در بعض کے معمولی گندمی ہیں۔ کہیں کہیں زیادہ گورے مرد اور عورتیں بھی نظر آتے ہیں۔ مگر غریبی ہر بات سے ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ عام لوگوں کی تہذیب پوشش اور

بود و باش ہندوستان کے متوسط درجے کے لوگوں سے بھی گری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ خاص خاص کا ذکر نہیں۔ شام کو ٹرکی کا علاقہ مصطفیٰ پاشا سے شروع ہوا۔ جہاں ترکی عسکری ریل میں آئے۔ بعض نے پاسپورٹ دیکھے۔ اور بعض نے اسباب میرے پاس دو کتابیں تھیں۔ ایک تحفہ عباسیہ جو مصر کی چھپی ہوئی ترکی زبان سیکھنے کے لئے لی تھی۔ اور دوسری مریز ہینڈ بک آف کانسٹنٹی نوپل جو قسطنطنیہ کی گائڈ بک تھی۔ یہ دونوں کتابیں کسٹم کے افسروں نے ٹرکی کے متعلق سمجھ کر لے لیں۔ اور میرے نام کا کارڈ بھی لے لیا۔ تاکہ قسطنطنیہ پہنچکر مجھے اس پتہ سے واپس دی جائیں۔ اور اسی طرح اور کئی مسافروں سے بھی معمولی کتابیں لے لیں۔ تمام علاقہ بلقان میں ناواقف مسافر کو زبان کی بڑی دقت ہوتی ہے۔ سوائے فرانسیسی کے کہ جس میں کسی کسی مسافر سے تھوڑی بہت بات چیت ہو جاتی تھی۔ اور کوئی زبان کام نہیں دیتی تھی۔ جرمنی بھی لوگ جانتے تھے۔ مگر انگریزی تو ایک دمڑی کو کہیں نہیں پوچھی جاتی۔ بعض لوگوں نے میری ترکی ٹوپی دیکھ کر مجھ سے ترکی بولنا چاہی یہاں کے عام لوگ صرف سرویا بلگیریا اور بوہیمیا کی زبان یعنی "چک" جانتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے آپ کو چک ہی کہتے ہیں۔ علاوہ زبان کے سکوں کے بڑی دقت ناواقف مسافر کو پیش آتی ہے۔ شام کو ایک شخص مسٹر وپ اور اس کی ۱۲ سالہ لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخص انگریز مشنری ہے جو کوہ لبنان کے درزی لوگوں میں کام کرتا ہے۔ اور لنڈن سے لبنان کو واپس جا رہا تھا۔ یہ بے چارے برابر چار روز سے انگلستان سے سوار ہو کر سیدھے چلے جا رہے تھے۔ اور راستے میں کہیں نہیں ٹھیرے تھے۔ اس لئے بدخوابی سے نہایت پریشان تھے۔ مگر چونکہ میرے ٹکٹ میں جو پیرس سے لیا تھا۔ قسطنطنیہ تک پہنچنے میں دس روز کی گنجائش تھی۔ اس لئے میں راستہ میں ٹھیر سکتا تھا۔ چنانچہ شام کو پونے نو بجے ریل ایڈریانوپل میں پہنچے۔ کہ جسے ترک ایدرنہ کہتے ہیں۔ اور ۳۱ گھنٹے کے سفر کے بعد میں یہاں ٹھیر گیا۔ ایک پولیس افسر جو یہاں اترنے والے لوگوں کے پاسپورٹ دیکھ کر ان کے نام لکھ رہا تھا۔ اس نے میرا نام پتہ بھی لکھ لیا۔ اور

عثمانی علاقہ شروع ہوتا ہے

ایڈریا نوپل میں قیام

ایک حمال مجھے سٹیشن کے پاس ہی ایک دو منزلہ مکان میں لے گیا۔ کہ جسے جینک ہوٹل کہتے تھے۔ اگر اسے ہوٹل تسلیم بھی کر لیا جائے تو بہت ادنےٰ درجہ کا ہوٹل تھا۔ تاہم اس کا مالک کہتا کہ یہ پریمیر (یعنی اول درجہ کا) ہوٹل ہے اور پیرس ہوٹل ہے۔ حمال نے اپنی مزدوری بڑی مشکل سے ڈیڑھ غروش لی۔ ہوٹل سے کھانا بھی بہت معمولی ملا۔ لیکن خربوزہ جو کھانے کے بعد ملا۔ بہت عمدہ تھا۔ میرے کمرے کے اندر سے ٹچخنی بھی درست نہ تھی۔ میں میز کو دروازہ کے سامنے سرکا کر سو گیا۔ بستر بہت سخت تھا۔ مگر نیند اُس سے بھی سخت تھی۔ کیونکہ کل رات بھر جاگا تھا۔ پڑتے ہی کچھ خبر نہ رہی۔ سو گیا۔

۸ ستمبر (ایڈریا نوپل) صبح حوائج ضروری سے فارغ ہو کر ہوٹل سے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ شہر ایڈریا نوپل یہاں سے پانچ کیلومیٹر (قریبًا تین میل) ہے۔ کل شام والا حمال موجود تھا۔ اسے ساتھ لے کر شہر کو پیدل روانہ ہوا۔ سڑک بہت خراب تھی۔ کبھی پتھر کی سڑک بنی ہوگی۔ لیکن اب بہت شکستہ تھی۔ آفتاب کی تمازت بھی تیز محسوس ہونے لگی۔ معمولی گرم کپڑے جو اب تک پہنکر یورپ میں پھرا تھا۔ دشوار معلوم ہونے لگے۔ شہر کے سامنے ایک دریا بہتا ہے۔ جو دو پہاڑی نالوں کے ملنے سے بنا ہوا ہے۔ اور بہت بڑے پاٹ کا ہے۔ اس پر تھوڑی مدت پہلے ایک پل سلطان حال کی توجہ سے بنا ہے۔ لوگ بہت غریب معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے بازار ان گھڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں گڑھے بھی پڑ گئے ہیں۔ جن میں پانی اور کیچڑ جمع ہے۔ مکان سب یک منزلہ لکڑی اور پتھر کے بہت معمولی اور چھوٹے چھوٹے ہیں۔ دکانوں میں سامان تجارت بھی کم ہے۔ حالانکہ ایدرنہ ٹرکی کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ دیسی دستکاری کی چیزیں بھدی سی ہیں۔ البتہ جا بجا نوجوان اور عمر رسیدہ ترک فوجی وردی اور سول ڈریس میں بہت چاق چوبند اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جن کے کالر نکٹائی بھی درست اور صاف ہیں۔ پولیس سٹیشن میں آگ بجھانے کا انجن اور پانی کی بالٹیاں دیسی بنی ہوئی تھیں۔ جو خاصی تھیں۔ شہر میں پہنچ کر مسلمان

نان بائی کی دکان کچھ کچھ ہندوستان کی شکل صورت کی دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔
تین قسم کے سالن اور دو روٹیاں لیں۔ ڈبل روٹی کا بھی عام رواج ہے۔ میرے ساتھ
کے حمال نے بھی خود بخود روٹی لے کر کھانی شروع کی۔ اور اس کے دام بھی مجھے ہی
دینے پڑے۔ گویا یہ خود ہی میرا مہمان بن بیٹھا۔ چار غرش ایک پارہ یعنی آٹھ آنے
قیمت دی۔ جو یورپ کے مقابلہ میں نہایت ارزاں تھی۔ ترک لوگ سرخ مرچ
بالکل نہیں کھاتے۔ اس لئے ہم لوگوں کو ان کے سالن کسی قدر بے مزہ معلوم ہوتے

مساجد ایدانہ

ہیں۔ مگر جلدی ہی انسان ان کا عادی ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا
کہ شہر میں تین مساجد قابل دید ہیں۔ اول جامع سلطان سلیم
جو بہت بڑی مسجد ہے۔ اس کے چار مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ صحن اور مسقف حصہ
برابر برابر ہیں۔ صحن میں سنگِ مرمر کا فرش ہے۔ یہاں مساجد کے صحن میں لوگ جوتے
سمیت چلے جاتے ہیں۔ وسط صحن میں وضو کے لئے حوض اور فوارہ ہے۔ جو سطح مسجد
سے بلند اور مسقف ہے۔ گرد وضو کے لئے ٹونٹیاں لگی ہیں۔ اور وضو کرنے والوں کیلئے
سنگ مرمر کی ایک بارہ دری ہے۔ منبر بہت بلند ہے۔ کہ جس پر کئی سیڑھیاں چڑھ کر
پہنچتے ہیں۔ کاشی ورک کے بہت سے خوشنما آیات کلام مجید کے کتبے بھی لگے ہوئے ہیں
مسجد کے خادم نے بتلایا کہ یہ کلمہ طیب سلطان محمود کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ گیلری
کے دائیں طرف دوسری منزل پر ایک کتب خانہ ہے۔ جس میں بارہ ہزار دینی کتب کا
ذخیرہ ہے۔ بائیں طرف مستورات کے ادائے فریضہ نماز کے لئے خاص جگہ بنی ہوئی ہے
چھت سے لوہے کے تار لٹکا کر ان سے صدہا گلاس روشنی کے لئے آویزاں ہیں۔ اور
ایک اتنا بڑا جھاڑ شیشہ کا آویزاں ہے۔ کہ جس سے بڑا میں نے کمتر دیکھا ہے۔ چند بڑے
بڑے شمعدان پیتل کے بھی ہیں۔ جن میں تین فٹ موٹی موم بتیاں جلائی جانے کی جگہ
بنی ہوئی ہے۔ پھر مسجد عسکریہ دیکھی۔ ۳۵ × ۳۵ گز مربع پر نو گنبدوں کی چھت تھی
جو بیچ کے چار پیل پایوں اور اطراف کی دیواروں پر بنے ہوئے تھے۔ اور کئی ایک
موٹے اور خوشنما قطعے معمولی سفیدی کے اوپر لکھے گئے تھے۔ تیسری مسجد کا نام عتیق

جامع تھا۔ جس کا طول ۵۴ کرم تھا۔ کسی زمانہ میں بہت شاندار ہوگی۔ سب مسجدوں میں قرآن بھی موجود تھے۔ لیکن اس آخری مسجد میں ایک بہت بڑا قرآن ایک گز لمبا پون گز چوڑا۔ اور ڈیڑھ بالشت موٹا تھا۔ یہ سب مساجد فرش فروش کے لحاظ سے اچھی حالت میں ہیں۔ ان مساجد کے علاوہ ایک مسقف بازار بھی دیکھا۔ جسے یہاں کی مارکیٹ کہنا چاہئے۔ اس کے ایک حصے میں صرف بندوقوں۔ طمنچوں اور رائفلوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ایک دکان کتب سے ترکی سیکھنے کی دو کتابیں پانچ قرش کو لیں۔ ایک فرانسیسی پونڈ یہاں ایک صراف سے بھنایا۔ جس نے ۵۔ ۵ قرش کے ۱۷ سکّے اور ۲½ قرش یعنی ۸۷½ قرش دیئے۔ قسطنطنیہ پہنچکر معلوم ہوا کہ اُسے پچانوے قرش دینے چاہئے تھے۔ اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے جب ایک دس قرش کا سکہ آج ہی ایک دوسری جگہ بھنایا۔ تو اس شخص نے نصف قرش کاٹ لیا۔ بڑی دقت یہ ہے کہ سوائے صراف کے یہاں کوئی اور دکاندار سکّہ کا خوردہ نہیں دیتا۔ دکاندار اپنے سب چھوٹے سکے صرافوں کو دے آتے ہیں۔ جو انھیں معقول معاوضہ دیتے ہیں۔ اور پھر خود اور لوٹتے ہیں۔ شہر میں قہوہ خانے بہت ہیں۔ ایک یونانی کی دکان سے انگور اور خربوزہ لیا۔ جس نے صرف دس پارہ یعنی آدھ آنہ لیا۔ جو لاہور کے لحاظ سے بھی چار پانچ آنہ کی چیز تھی۔ یہاں سے سٹیشن کو واپس جانے کے لئے ۳½ قرش کرایہ کر کے گاڑی لی۔ راستے میں مزدور نے مجھ سے کہا کہ تمھاری ٹوپی ٹھیک نہیں۔ اسے قالب کرالو۔ ایک قالب والے کی دکان کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے میری اور مزدور نے اپنی ٹوپی بھی قالب چڑھانے کو دیدی۔ جس نے چار پانچ منٹ میں پانچ پارہ یعنی ایک پیسہ میں دونوں ٹوپیوں کو قالب چڑھا دیا۔ بلکہ دکاندار نے ساتھ ہی پھندنے کو بھی ایک طرف ٹانک دیا۔ تاکہ پھندنا ٹوپی کے ایک ہی طرف رہے۔ اور چاروں طرف نہ لٹکتا پھرے (یہ قالب پیتل کے کئی کئی گرم انگیٹھیوں پر رکھے رہتے ہیں)۔ دکاندار پہلے ٹوپی کو برش کر کے صاف کر لیتا ہے۔ پھر اسے پانی چھڑک کر نرم کرتا ہے۔ اور پھر گرم کالبد میں رکھ کر پریس کر دیتا ہے۔ جس سے اس کی صورت اچھی نکل آتی ہے۔ اور غریب غربا

سب راہ چلتے ہوئے ٹوپیوں کو قالب کرا لیتے ہیں۔

یورپ کے دو شہروں میں فرق

قسطنطنیہ میں البتہ ٹوپی کو قالب کرانے کی اُجرت اون پارہ یعنے آدھ آنہ ہے۔ حمال صاحب کے مشورہ سے راستہ میں ایک ہندوانہ خریدا۔ گاڑیبان جو بلگیرین تھا گاڑی سے اُتر کر دوکان سے ہندوانہ لے آیا۔ اور پھر دوسری دفعہ جا کر قیمت دے آیا۔ مجھے برلن کے گاڑیبانوں کا یہ قانون یاد آگیا کہ اگر بارش ہونے لگے اور کوئی مسافر گاڑیبان کو کہے کہ گاڑی ٹھیرا کر اسکا ٹپ کھڑا کر دو تو اُسے کچھ زائد کرایہ اتنی سی خدمت کے لیئے دینا پڑتا ہے۔ اور یہاں گاڑیبان گاڑی کھڑی کر کے سودے بھی لا دیتا ہے۔ میرا حمال مزے کا آدمی ہے۔ حمال بھی ہے گائیڈ بھی ہے اور مشیر بھی ہے۔ اور ڈھیٹھ ایسا ہے کہ جب میں کچھ کھانے لگوں تو خود بخود شریک ہو جاتا ہے۔ یہ یونانی ہے۔ اور کہتا ہے کہ اطالی جرمنی اور ترکی بول سکتا ہوں۔ ہوٹل کے چوبیس گھنٹہ کا کرایہ معہ دو وقت کے کھانے کے چار فرانک دیئے۔ اور شام کے نو بجے قسطنطنیہ کو جانیوالی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ گاڑی میں جگہ بہت تنگ تھی۔ اور رات بھر میں بمشکل آدھ گھنٹہ بیٹھے بیٹھے آنکھ لگی ہوگی۔ یورپ کی گاڑیوں میں صرف بیٹھنے کو جگہ ملتی ہے۔

قسطنطنیہ! قسطنطنیہ!!

۹ ستمبر استانبول۔ سورج نکلنے کے ساتھ ہی ایک شخص نے چلتی ریل میں مجھے قسطنطنیہ کے بلند مکانات اور رفیع مینار دکھلائے جبکہ ابھی شہر ۲۵ میل دور تھا۔ اتنے میں بحیرہ مارمورا کی خلیجیں نظر آگئیں اور قسطنطنیہ تک ریل برابر سمندر کے کنارہ کنارہ چلی گئی۔ ریل سے کچھ ترکی گانوں بھی نظر آنے لگے۔ ان لوگوں کی بود و باش کا طریقہ بالکل مشرقی معلوم ہوتا تھا۔ گانوں کے باہر لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک شخص کھیت سے قضائے حاجت کر کے نکلا ہے۔ اور لوٹے سے ہاتھ دھو رہا ہے۔ ایک اندھا حافظ لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا ہے۔ دیہات میں وُہی لمبا چوغہ یا چھوٹی جاکٹ اور تنگ یا ڈھیلا پاجامہ پہنا جاتا ہے۔ گو شہروں میں کوٹ پتلون کا عام رواج ہے۔ پایۂ تخت عثمانی قریب آگیا لیکن کسی دُخانی کارخانہ کی چمنی نظر نہیں آئی۔ کوئی عالیشان فیکٹری یا وئیر ہوس دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ بہت چوڑی بنی ہوئی فصیل سمندر کے کنارہ پر دور سے

ساتھ چلی آتی ہے جو جا بجا منہدم ہو رہی ہے - اب ریل سمندر کے کنارہ کنارہ شہر کے اُس حصہ میں داخل ہو گئی ہے کہ جسے استانبول کہتے ہیں - اور الحمدللہ کہ ہم قسطنطنیہ کے سٹیشن پر پہنچ گئے - یہاں ایک پولیس کی جماعت لوگوں کے پاسپورٹ معائنہ کر رہی تھی - اور بعض افسر پاسپورٹوں سے کچھ یادداشتیں نوٹ کرتے جاتے تھے اور ساتھ ہی مسافروں سے دریافت کرتے تھے کہ تم کس ہوٹل میں اُترو گے - مَیں اس سوال کا جواب دینے کو تیار نہیں تھا - کیونکہ مینے ابھی کسی ہوٹل کا فیصلہ نہیں کیا تھا - اتنے میں مینے ایک ہوٹل کے ایجنٹ کو دیکھا جو انگریزی بول رہا تھا - میں نے اُسکے ہوٹل کا نام دریافت کر کے پولیس والوں کو بتلادیا کہ میں لنڈن ہوٹل میں ٹھیروں گا - پھر چونگی والوں کو اپنا ہینڈ بیگ دکھلایا - اور انگریز ہوٹل ایجنٹ کے ہمراہ پیدل غلاطہ کے پُل سے گذرتے ہوئے لنڈن ہوٹل کو چلا گیا - جو بیک اوغلو (پیرا) میں واقع ہے - یہ حصہ یورپین لوگوں کی آبادی کا ہے - یہیں اُن کے متعدد ہوٹل اور تمام یورپین سفارت خانے ہیں - ہوٹل کی کتاب میں اپنا نام پتہ درج کر کے ایک چار فرانک روزانہ کا کمرہ لیا - اور اسباب وہاں رکھ کر خود تنہا اس خوبصورت اور دلکش شہر کی سیر کرنے کو پل غلاطہ سے گذرتا ہوا نکل گیا کہ جسکے دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی - ہر چند کہ مَیں یہاں بھی ایسا ہی اجنبی تھا جیسا کہ برلن یا بوڈاپسٹ میں تھا - لیکن معلوم نہیں کیا بات مجھے یقین دلاتی تھی کہ مَیں یہاں بالکل اجنبی نہیں تھا - شاید یہ سُرخ سُرخ ترکی ٹوپیاں تھیں یا مساجد کے عالیشان مینار یا ہلال و ستارہ کے نشان تھے - جو مجھے مانوس معلوم ہوتے تھے - اور ایک "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کا پاس ورڈ مجھے یاد تھا جس سے یقین تھا کہ یہاں بہت سے بیگانے یگانے بن سکتے ہیں - | مَیں اجنبی نہیں رہا تھا |

اتنے دنوں یورپ میں رہنے کے بعد مسلمانوں کا پکا ہوا کھانا کھانے کو جی ترس رہا تھا اور کھانے کا وقت بھی تھا - ایں بازار میں جب کھانے کی دوکان کو دیکھتا وہاں سے دریافت کرتا کہ "بو اسلام لوقنطه وری" (کیا یہ مسلمانوں کا رستوران ہے) "خیر رومی" یعنے نہیں عیسائی کا ہے - کیونکہ قسطنطنیہ میں عیسائی اور خصوصاً روم یا رومی کہتے ہیں - یہ لفظ بضم روم نہیں - بلکہ بفتح روم ہے جیسے کہ شہر روم کبیر (Rome) کا تلفظ ہے - اور

مسلمان کو ترک کہتے ہیں۔ ترکی زبان میں جہاں نرم سے نفی کا اظہار منظور ہو وہاں بجائے "یوق" یا "دگل" کے "خیر" کہتے ہیں۔ مینے سیاحت ٹرکی کے شوق سے ہندوستان میں ہی تھوڑی سی ترکی زبان سیکھی تھی۔ اور دوران قیام استانبول میں بھی ترکی سیکھتا رہا۔ اس لئے تھوڑی بہت سمجھ اور بول سکتا تھا۔ غرض جب کئی لوقنطوں یعنے رسٹارنٹوں سے بھی جواب ملا تو میں مایوس ہو گیا۔ اتنے میں مَیں پھرتا ہوا ینی والدہ جامع کے پیچھے جو کھلی جگہ ہے وہاں آ گیا۔ یہاں حمال اور مزدور نان وکباب کھا رہے تھے۔ مینے بھی ڈیڑھ غروش کے نان وکباب اور دس پارہ کے انگور خریدے جو آدھ سیر سے کم نہ تھے۔ اور انہیں حمالوں کیطرح کھانا ہاتھ پر رکھکر بلا پانی پینے کے داخل دفتر کیا مگر اسکے بعد خدا کا شکر ہے کہ مَیں قسطنطنیہ میں بہت اچھی طرح آرام سے رہا۔ اور اکثر مجھے اول درجہ کے لوقنطوں یا ہوٹلوں کے یہاں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ پہلے تو میں پیرا کی طرف سے ہوٹل چھوڑکر استنبول کی طرف آ گیا۔ کیونکہ شیخ ولی محمد صاحب افغانی شیخ تکیہ افغانی بکلر بیکی نے کہ جنسے میں پہلے پہل قسطنطنیہ میں ملا تھا اور جنھوں نے مجھے شروع میں بڑی مہربانی فرماکر قابل دید مقامات دکھلانے میں بڑی مدد دی تھی۔ اور بڑی تگ ودو اور کوشش سے میرا اسباب گمرک سے جلدی ولوا دیا تھا۔ مجھے سخت تاکید کی کہ اگر میں ترکوں کے معاشرت اچھی طرح معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اور معزز ترکوں سے ملنا چاہتا ہوں تو مجھے پیرا کا ہوٹل فوراً چھوڑ دینا چاہیئے کہ جہاں فرنگی رہتے ہیں اور استنبول میں کسی اچھے لوقنطہ میں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ خود ساتھ جاکر میرا اسباب لنڈن ہوٹل سے لے آئے اور ازمیر ہوٹل میں جو پل غلاطہ سے قریب ہے لا رکھا اور صرف ایک فرانک یعنے دس آنہ روزانہ کمرہ کا کرایہ مقرر کیا۔ مگر ۲ ستمبر سے سید عبدالغفار صاحب کشمیری بڑے اصرار اور بڑے تقاضا سے مجھے اپنے مکان پر ٹھیرانے کو لے گئے۔ اور نہ صرف ۹ اکتوبر تک کہ جب تک مَیں قسطنطنیہ سے روانہ نہیں ہوا انہی کا مہمان رہا۔ بلکہ قریب قریب ہر روز وہ اپنا کام حرج کر کے مجھے قسطنطنیہ کے قابل دید مقامات، مساجد، بازار، کارخانے مثل توپ خانہ، فس خانہ اور ترسانہ کے اور سیر گاہیں مثل بیوک آدہ دبے قرہ وغیرہ کے دکھاتے رہے اور بعض نامور علما سے ملاقاتیں کرائے

رہے کہ جسکے لئے میں اُنکا تہ دل سے مشکور ہوں۔

اب میں ایام اقامت قسطنطنیہ کی کیفیت بجائے روزانہ ڈائری کی صورت میں لکھنے کے کسیقدر اختصار سے لکھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ پہلے ہی میںنے بہت اطناب کر دیا ہے۔

قسطنطنیہ

"بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ"

رَامَ اَمْرَ الْفَتْحِ قَوْمٌ اَوَّلُوْنَ حَازَہٗ بِالْفَتْحِ قَوْمٌ آخَرُوْنَ

بازگو از نجد و از یاران نجد

تا در و دیوار را آری بوجد

بائی زنطین قدیم سلطان محمد فاتح نے کئی ماہ کے محاصرہ اور عظیم الشان جنگ کے بعد قسطنطنیہ کو بروز سہ شنبہ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء مطابق ۱۰ جمادی الآخر ۸۵۷ھ ہجری ۱۱۲۳ برس کی عیسائی حکومت سے نکالکر مسلمانوں کے قبضہ میں داخل کیا۔ گو اس سے بہت مدت پہلے یعنے ۶۵۶ قبل مسیح میں پہلے پہل یہاں ایک یونانی آبادی ایک شخص بائی زاس کی سرپرستی سے قائم ہوئی تھی اور اسی لئے اسکا نام بائی زنٹیم (بائی زنطین) رکھا گیا تھا لیکن اس کی عظمت اور شہرت کی بنیاد اسی وقت سے شروع ہوئی کہ جبکہ رومن قیصر قسطنطین نے روم کبیر کو ترک کر کے ۳۲۶ء میں اسے سلطنت روما کا پایہ تخت قرار دیا اور اسکی آبادی اور ترقی پر بے انتہا کوشش کر کے ۱۱ مئی ۳۳۰ء کو

رومی قسطنطنیہ اور انقلاب سلطنت چالیس روز کے جشن کے ساتھ روم جدید کا افتتاح کیا گیا۔ اس وقت سے لیکر اسپر رومی لاطینی اور یونانی قیصر یکے بعد دیگرے حکمران رہے مگر یہ شہر کچھ ایسے دلکش اور ضروری موقع پر واقعہ ہے

کہ ہمیشہ ایشیا اور یورپ کے فاتحوں کی نظریں ادھر اُٹھتی رہیں۔ اور اسپر اسقدر فوج کشیاں ہوئیں اور اتنی مرتبہ تاخت وتاراج ہوا کہ اس کی قدیم تاریخ محاصروں اور سلطنت گردیوں سے لبریز نظر آتی ہے۔ وان ہیمر مشہور جرمن مورخ نہایت اعتدال کی نظر سے اندازہ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ کم از کم چوبیس مرتبہ اس شہر کا محاصرہ ہوا۔ اور چھ مرتبہ اسے بزور شمشیر فتح کیا گیا اور کون جان سکتا ہے کہ کتنے لاکھوں بلکہ کروڑوں بندگان خدا ان سلطنت گردیوں کے موقعوں پر تلف ہوئے ہوں۔ صرف سلطان محمد کی فتح کے موقع پر فریقین کے تین چار لاکھ آدمی کام آئے اور ساٹھ ہزار سے زیادہ عیسائی زن ومرد مسلمانوں نے قید کئے۔

قسطنطنیہ پر ابتدائی اسلامی حملے

قرن اول کے فاتحان اسلام کی اولوالعزمی در قسطنطنیہ کی شہرت وشوکت ایسی چیزیں نہ تھیں جو دیر تک ایک دوسرے سے پوشیدہ رہتیں۔ چنانچہ پہلے پہل امیر معاویہ کے عہد میں مسلمانوں نے سنہ ۶۶۸ء (سنہ ۴۸ھ) میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور پھر عبداللہ بن المطلب سپہ سالار خلیفہ ولید بن عبدالملک نے یورش کی۔ یہانتک کہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر سات حملے کئے۔ لیکن یونانی اپنی مضبوط فصیلوں پر سے نفط کی ہانڈیاں پھینک (آتش یونان) پھینک کر مسلمان محاصرین کو پسپا کرتے رہے۔ پھر خلیفہ ہارون الرشید نے سنہ ۷۸۲ء میں اس شہر پر حملہ کیا۔ مگر لشکر اسلام نے قسطنطین سے صلح کا عہد کر لیا۔ لیکن جبکہ سلطان[1] مراد ثانی کے عہد میں ترکوں کو ہنگری۔ سرویا۔ بوسینیا۔ ولیشیا اور البانیا میں کئی فتوحات حاصل ہو چکیں تو پھر انہیں قسطنطنیہ کی طرف توجہ ہوئی اور نوجوان سلطان محمد نے تخت پر بیٹھتے ہی فتح قسطنطنیہ کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اور اسی غرض سے سلطان نے دو لاکھ فوج جرار ایڈریانوپل میں

سلطان فاتح کا محاصرہ قسطنطنیہ

اور تین سو جنگی کشتیاں گیلی پولی میں تیار کیں۔ اور علاوہ چودہ باڑیاں توپخانہ کے ایک اتنی بڑی توپ بنوائی کہ جسے چلانے اور تیار کرنے کو سات سو آدمی درکار ہوتے تھے جس میں بارہ من کا پتھر کا

[1] خلیفہ ہارون الرشید کے بعد سلطان اورخان نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ اور قیصر روم کی لڑکی سے شادی کر کے صلح کر لی (مجلۃ المجلات العربیہ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء)

گولہ چلکر ایک میل تک مار کرتا تھا۔ اور جس کو پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر اڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک لائی تھیں۔

اس وقت کے رومی قیصر کا نام قسطنطین ڈریگاس تھا۔ ہرچند کہ اب اسکی سلطنت انتزاع کی حالت میں تھی۔ اور اسکے پاس فوج بہت نہ تھی۔ تاہم قسطنطنیہ کی فصیلیں جو خشکی کی طرف سے یکے بعد دیگرے تین تین بنی ہوئی تھیں۔ اور سمندر کی طرف سے بھی کم مضبوط نہ تھیں۔ ان پر ترکوں کی متواتر گولہ باری جلدی کچھ نتیجہ نہ پیدا کرسکی۔ سمندر کی طرف جو حصہ شہر کا کم محفوظ تھا اور یہ وہی تھا کہ جو گولڈن ہارن (شاخ طلا) کے استنبولی کی طرف واقعہ ہے اور رومی انجنیروں نے اس وجہ سے اس حصہ کو زیادہ مضبوط کرنے کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ کیونکہ انہوں نے مینار غلاطہ اور استنبول کے ایک مینار کے درمیان جواب کیک خانہ کے پس پشت ہے ایک بہت بھاری آہنی زنجیر باندہ کر یہ راستہ سمندر کا بند کیا ہوا تھا۔ مگر سلطان محمد نے راتوں رات باسفورس کے مقام

خشکی پر سے دو سو کشتیاں گذارنا

دولمہ باغچہ سے تین میل تک خشکی پر صنوبر کے موٹے تختے بچھاکر اور ان پر تیل اور چربی لگاکر ڈیڑھ سو یا دو سو جنگی کشتیاں گولڈن ہارن میں قاسم پاشا کے نیچے لا ڈالیں۔ پیرا میں ایک سڑک کمبرا جی کیسو ابتک مشہور ہے جو ان کشتیوں کے لانے سے بن گئی تھی۔ ہرچند کہ سلطان نے اس طرف خشکی کی راہ سے بحری بیڑہ سمندر میں لا ڈالنے کا ایک عجیب دانشمندی اور ہوشیاری کا کام کیا تھا تاہم خدا تعالےٰ کو منظور تھا کہ ترکوں کی بھادری کا سکہ یورپ میں بیٹھ جائے۔ اسلئے ان کی دانشمندی کی تدبیر کے مقابلہ میں اُن کی بسالت اور شجاعت زیادہ کام آئی چنانچہ شہر کی خشکی کی طرف جہاں تہرہی شہرپناہیں تھیں اور قیصر قسطنطین کا قیصر بلاچرمی واقع تھا وہیں ترکی منجنیقوں اور توپوں نے اور تہ قپو (دروازہ) کے پاس فصیل میں رخنہ کیا اور ہرچند کہ یونانی محاصرین کے تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ سے مطلع تاریک ہورہا تھا مگر پچاس مسلمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے نعروں سے آسمان کو پھاڑتے ہوئے فصیل پر چڑھ گئے اور وہاں ترکی عَلم گاڑکر پکار دیا کہ

لشکر اسلام نے قسطنطنیہ فتح کر لیا

ہم نے شہر لے لیا۔ سلطان فاتح خود گھوڑے پر سوار اور ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے اپنی فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ اس نے معاً دس ہزار ینی چری فوج کو شہر میں داخل کر دیا۔ قسطنطین بھی آخری دم تک "خدا اور کنواری کے واسطے" کے نعرے مار کر اپنی فوج کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کے جان نثار اسکے سامنے ایک ایک کر کے مر گئے ہیں تو اس نے اس ڈر سے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہو جائے پکار کر کہا کہ کیا اس وقت کوئی عیسائی نہیں ہے جو میرا سر تن سے جدا کر دے۔ مگر آخر ایک مسلمان کے نیزہ سے اسکا کام تمام ہو گیا۔

مورخ متفق ہیں کہ قیصر قسطنطین نے بھی دادِ شجاعت دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جسطرح قسطنطنیہ کی سلطنت قسطنطین سے شروع ہوئی تھی ایسے ہی اسکا خاتمہ بھی قسطنطین پر ہوا۔ ہر چند کہ بیچ میں کئی قومیں اور کئی خاندان حکمران رہے۔ اسطرح سلطان محمد ثانی نے اس عظیم الشان شہر کو فتح کر لیا کہ جسپر اس سے پہلے ۲۹ حملے ہو چکے تھے مگر بوجہ اپنی فصیلوں کی مضبوطی کے ہمیشہ سلامت رہا تھا۔ اور جسکے اندر تین لاکھ باشندے آباد تھے۔

مریم مقدس کا پیراہن اور فرشتہ کی تلوار

عیسائی پادریوں نے اہل شہر کو اسقدر احمق بنا رکھا تھا کہ انکے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کبھی ترک قسطنطنیہ پر قبضہ کر سکتے ہیں جو مقدس مریم کا شہر ہے۔ کیونکہ قدیم الایام سے قسطنطنیہ میں (نعوذ باللہ) خدا کی ماں کا ایک کُرتہ رکھا ہوا تھا جس کی بڑی رسم و رسوم کے بعد سال میں تین مرتبہ رومی قیصر زیارت کیا کرتے تھے اور پادریوں نے داستانیں بنا رکھی تھیں کہ ایک مرتبہ جب روسی فوج نے شہر کا محاصرہ کیا تھا تو حضرت مریم خود نمودار ہو گئی تھیں اور روسی اپنے جہازوں پر بیٹھ کر لوٹ گئے تھے۔ اسی خیال پر قسطنطین نے محاصرہ کے آخری دنوں میں مقدس پیراہن کا جلوس بھی شہر میں نکلوایا تھا جبکہ فتحمند لشکر شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت تک یونانیوں کو یقین تھا کہ جب مسلمان اَیا صوفیہ کے گرجا کے حاطہ میں داخل ہوں گے تو ایک فرشتہ آتشی تلوار لئے ہوئے آسمان سے اُتریگا اور ان سب کا قلع قمع کر دے گا۔

راہب کی مچھلیاں

چنانچہ ایسے واہی خیالات ان لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکے تھے۔ دروازہ سلوری قپوسی کے قریب ایک کنواں ابتک موجود ہے جسے عیسائی "بالک لی" کا مقدس کنواں کہتے ہیں۔ اسکے ساتھ یہ مشہور روایت وابستہ ہے جو ہر ایک سیاح کو بتلائی جاتی ہے کہ جب ترک شہر میں داخل ہو گئے تو یہاں ایک راہب بیٹھا مچھلیاں بھون رہا تھا۔ کسی نے اُسے آکر اس واقعہ کی خبر دی۔ اس نے غصہ سے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے بس تب یہ بات مانوں جب یہ مچھلیاں اس کڑاہی سے اُچھلکر پانی میں جا گریں۔ چنانچہ جھٹ مچھلیاں پانی میں جا گریں۔ اور اُسوقت سے ابتک ان کی نسل اس کنوئیں میں چلی آتی ہے۔ اس سے کم از کم یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قسطنطنیہ ایک ایسا طلسم بنا ہوا تھا کہ ترکوں کا اسپر قابض ہونا عجائبات سے سمجھا جاتا تھا۔ مگر سلطان محمد فاتح نے اس طلسم کو توڑ دیا اور سارے یورپ کی آنکھیں ترکی جلال جبروت کے سامنے چوندھیا گئیں۔

خون آلود پنجہ کا نشان جو اب تک باقی ہے

جس وقت فتحمند لشکر شہر میں داخل ہوا تو غازیوں کی تلواریں خون کے دریاؤں میں مچھلیاں بنکر تیر رہی تھیں۔ راستہ میں ات میدان سے گذرتے ہوئے سلطان نے تین سانپوں والی روئین لاٹ کو دیکھ کر اپنی جنگی تبر سے اس کا سر اُڑا دیا۔ عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے اس خیال سے اسکا سر اوڑا دیا تھا کہ اس میں کوئی طلسم نہ ہو۔ مگر اصل یہ ہے کہ سلطان اس شہر کو جو طرح طرح کے بتوں سے لبریز تھا بتوں سے پاک و صاف کرنا چاہتا تھا کہ جس کی اور بھی بہت نظیریں موجود ہیں۔ ات میدان سے گذر کر سلطان گھوڑے پر چڑھا چڑھا یا سب سے بڑے گرجا سینٹ صوفیا میں داخل ہو گیا۔ جہاں اب تک ایک ستون پر سلطان فاتح کا خون آلود پنجہ لگا ہوا نظر آتا ہے جو فتح کا ایک نشان سمجھا جاتا ہے۔ گو اب مرور زمنہ کے بعد اس کا رنگ بہت مدہم پڑ گیا ہے۔ اُسے دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ خواہ سلطان نے گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہی وہاں پنجہ لگایا تھا تب بھی وہ بہت بڑا قد آور جوان ہوگا۔ ایک مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ چونکہ اس وقت تک ترکی سلطان بجائے دستخط کے رنگ میں ڈبو کر اپنا پنجہ ہی توقیعات سلطانی پر لگایا کرتے تھے کیونکہ عثمان اول نے بوجہ اَن پڑھ ہونیکے

پہلے پہل رنگ کا پنجہ لگا یا تھا۔ اس لئے سلطان فاتح نے بھی گویا ایا صوفیہ کی دیوار پر اپنا دستخط کیا تھا۔

فاتحین کے شہر میں داخل ہو جانے پر عیسائی زن و مرد سینٹ صوفیہ کے گرجے میں جوق جوق پناہ لینے کو جمع ہو گئے تھے۔ پہلے تو فاتحین نے اُن میں سے بعض کو مارا اور بعض کو لونڈی غلام بنالیا۔ لیکن ان میں سے جسقدر سلطان کے پہنچنے تک بچ رہے تھے اُنہیں امان دیگئی۔ مگر جو چاندی سونے کے بُت رکھے ہوئے تھے وہ توڑ ڈالے گئے

گرجا کو مسجد بنا دیا گیا

صلیبیں فوراً گرادی گئیں اور چھت اور دیواروں پر جو اعلیٰ درجہ کی موزائک کی بنی ہوئی تصویریں تھیں انہیں پلستر وغیرہ سے ڈھانپ دیا گیا چنانچہ یکم جون ۱۴۵۳ء کو بروز جمعہ سلطان نے معہ اپنے درباروں لشکر کے پہلی نماز اسی عظیم الشان معبد میں ادا کی اور اُس وقت سے اب تک اور انشاء اللہ ابدالآباد تک یہ مسجد ایک خدا کی عبادت کے لئے قائم رہے گی۔

قسطنطنیہ کے یونانی عیسائیوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ ایا صوفیہ میں ایک پادری اپنی صبح کی (ماس) عبادت میں مصروف تھا۔ جب مسلمان سپاہی مسجد میں داخل ہو گئے تو وہ اُنہیں دیکھکر مقدس برتن سمیت ایک سنگ خارا کی دیوار میں گھُس گیا۔ جو اسوقت تک باہر نہیں نکلیگا کہ جب تک ترک قسطنطنیہ سے نہیں نکل جائینگے۔ اور اسکے نکلنے کے بعض لوگ برابر منتظر ہیں۔ لیکن امید نہیں کہ وہ کبھی بھی نکلے اور

ترک قسطنطنیہ کبھی نہیں چھوڑینگے

کبھی بھی خدا اپنی عبادت کے گھر کو پھر بتوں کی عبادت کے لئے دیدے۔ اسکی ظاہر دلیل تو یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر پونے سات سو سال قبل مسیح سے لیکر ساڑھے چودہ سو سال بعد مسیح تک یعنے سوا اکیس سو سال میں کبھی کسی خاندان نے مسلسل دو سو سال تک حکومت نہیں کی ہوگی کہ اسکی حکا کسی دوسرے خاندان یا دوسری قوم کو حکومت نہ مل گئی ہو۔ مگر سلاطین خاندان آل عثمان بلافصل ساڑھے چار سو سال سے قسطنطنیہ پر برابر حکومت کر رہے ہیں ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اس تھوڑے سے تاریخی دیباچہ کے بعد اب میں شہر کی کچھ کیفیت بیان کرتا ہوں۔

قسطنطنیہ کے مختلف نام

میں ایک روز چند اہل علم احباب کے ساتھ قسطنطنیہ کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ذکر آگیا کہ قسطنطنیہ کس کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت اتنے نام بتلائے گئے تھے۔ کانسٹنٹی نوپل قسطنطنیہ استانبول۔ اسلام بول۔ دار السعادت۔ درسعادت۔ آستانہ۔ آستانہ علیہ۔ درعالیہ۔ باب عالی سبلائم پورٹ۔ پورٹ۔ پایہ تخت سینہ۔ دار الخلافہ۔ باب المراد اور بلدہ طیبہ۔ اس کے علاوہ مثل بازنیٹم کے دو تین قدیم نام بھی بتلائے گئے۔ یقیناً دنیا میں کسی دوسرے شہر کو یہ امتیاز حاصل نہیں جو اس دو بر اعظموں کے شہر کو حاصل ہے۔ یہاں تمام لوگ بول چال میں استانبول کہتے ہیں اور لکھنے میں درسعادت لکھتے ہیں۔

استانبول۔ غلاطہ پیرا اور توپخانہ

بحیرہ مارمورا کے شمال میں آبنائے باسفورس کے دونوں کناروں پر شہر قسطنطنیہ سولہ میل تک پھیلا ہوا ہے لیکن اصل شہر استانبول و غلاطہ پیرا یوربین ساحل پر اور اسکدار یا سقوطری ایشیائی ساحل پر واقع ہیں اور ان کے مضافات دور تک لب آب پر پھیلتے چلے گئے ہیں۔ استانبول اور غلاطہ و پیرا کے مابین ایک سمندر کی چار میل سے زیادہ لمبی شاخ چلی گئی ہے کہ جسے یوربین گولڈن ہارن اور ترک استانبول لیمانی خلیج استانبول کہتے ہیں۔ دو پلوں کے ذریعہ سے شہر کے یہ دونوں ضروری حصے ملحق ہیں۔ استانبول یا اسلامبول اصل قسطنطنیہ ہے۔ کیونکہ رومیوں کے زمانہ میں غلاطہ پر بہت تھوڑی آبادی تھی۔ اور اسکدار یعنے سقوطری ایک علیحدہ آبادی ساحل ایشیا پر سمجھی جاتی تھی۔ استانبول میں ہی شہر کی تمام عظیم الشان و قابل دید عمارات مثل مساجد و مقابر کے قائم ہیں اور مسلمانوں کی بھی یہیں زیادہ آبادی ہے۔ اسکی شکل مثلث اور رقبہ تیرہ میل کا ہے اور صرف اسکی خشکی کی طرف سے فصیلیں پانچ میل لمبی ہیں۔ استانبول کی اصل اسلام بول[1] یعنے شہر اسلام

[1] ایک ترک مصنف کی رائے میں اسلامبول اسلام بولانی کا مخفف ہے "بولمک" ترکی مصدر کے معنے پانا ہے۔ یعنے اسلام نے اس شہر کو پالیا۔ مگر ایک یوربین مورخ لکھتا ہے کہ یہ لفظ یونانی الفاظ Elsten Polin کا مجموعہ ہے جسکے معنے داخل شہر کے ہیں۔

معلوم ہوتی ہے کیونکہ ترکی زبان میں شہر کو بول یا بولس کہتے ہیں جیسے کہ کانسٹینٹی نوپل یا ایڈریانوپل کے اخیر میں موجود ہے۔ بخلاف استانبول کے غلاطہ اور پیرا کی آبادی میں عیسائی زیادہ ہیں غلاطہ میں تجارتی کوٹھیاں۔ بینک۔ جہازوں کی ایجنسیاں۔ صراف۔ اور یورپین کارخانوں کے ایجنٹ رہتے ہیں۔ اور پیرا جو زیادہ بلندی پر واقعہ ہے صرف یورپین آبادی ہے جہاں اہل یورپ یہاں کے دوغلے یورپین یا لیونٹائن یونانی اور ارمنی رہتے ہیں۔ اور تمام یورپین ہوٹل اور ممالک غیر کے سفارت خانے بھی یہیں ہیں۔ اور یورپ کی ہر ایک زبان اسکے کوچوں میں بولی جاتی ہے۔ غلاطہ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہاں گال (اہل فرانس) آکر مقیم ہوئے تھے۔ پیرا چونکہ غلاطہ کی پرلی طرف واقعہ ہے۔ اس لئے اسے یہ نام ملا۔ توپخانہ بھی غلاطہ کا ایک تتمہ ہے جو ساحل سمندر کے متوازی قصبہ دولمہ باغچہ تک چلا گیا ہے۔ جہاں توپ سازی کے کارخانے اور سرکاری عدالتیں ہیں۔

پل غلاطہ کی رونق مسافر خواہ بذریعہ جہاز بحیرہ مارمورا کے راستہ آئے یا یورپ سے ریل کے راستہ پہنچے پہلے استانبول اور غلاطہ کے پل کے پاس اترتا ہے اور قسطنطنیہ میں سب سے زیادہ بارونق حصہ یہی پل غلاطہ ہے۔ صبح سے شام تک جس وقت بھی یہاں سے گذرو پل پر آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہوتا ہے۔ پیدل۔ سوار۔ عورت۔ مرد۔ بوڑھا۔ جوان۔ ترک۔ عرب۔ انگریز۔ یہودی۔ گورے۔ کالے۔ سپاہی۔ خواص۔ گداگر۔ سقے۔ غرض سبھی یہاں سے گذرتے ہیں۔ نہ صرف ایشیا اور یورپ بلکہ دنیا کی ہر قوم کے آدمی ہر وقت اس پل پر موجود ہوتے ہیں۔ دیکھو وہ سامنے ایک عرب جبہ پہنے عمامہ باندھے آرہا ہے پاس سے ایک انگریز یا امریکن چھاتا لئے ہوئے گذر جاتا ہے۔ ایک اندھے فقیر کے سر پر میلا کچیلا عمامہ اور ہاتھ میں کچکول ہے جو تم سے سوال کررہا ہے۔ ایک ارمنی پھٹے پورانے چیتھڑوں سمیت ایک بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے جارہا ہے۔ ایک نہایت سیاہ چہرہ حبشی عمدہ ترکی لباس پہنے گھڑی کی طلائی زنجیر بھڑکاتے ہوئے گذر رہا ہے۔ قریب سے دیکھنے سے اسکے چہرہ کی سیاہی

چمکتی ہے۔ یہ ضرور بڑا دولتمند شخص ہوگا۔ شاید حرم سلطانی یا کسی بڑے پاشا کے حرم میں بڑا معتبر خواجہ سرا ہے۔ ایک عورت سیاہ رنگ کے ریشمی فراجہ ہیں سر سے پانو تک بقچہ بنی ہوئی گذر رہی ہے۔ مگر آنکھیں اور ناک اس سفید باریک یشماق سے برابر نظر آتے ہیں جو اس نے منہ پر ڈالا ہوا ہے۔ پانوں میں اونچی ایڑی کا نازک بوٹ بھی ہے۔ اگر یہ خاتون کسی اونچے گھرانہ کی ہوتی تو اُسکے ساتھ کوئی خواجہ سرا یا نوکر ضرور ہوتا۔ ایک یونانی ایک نرالی وضع کی کلیوں والی سفید پیٹی کوٹ ہیں جو ایک چھوٹی سی پیشواز سے مشابہ ہے۔ اور اسکے اوپر طلائی کام کی واسکٹ ہے۔ مگن جاتا ہے۔ ایک فرنگی میم ایک انداز سے قمشیہ لگائے جاتی ہے۔ ایک فربہ اندام مخضب ریش پاشا کے سر پر ایک نوکر نے چھاتا لگایا ہوا ہے۔ ذرا بچ کے چلنا پیچھے سے گاڑی آرہی ہے۔ دائیں کو جھکے تو ایک گدھے سے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچے۔ اِدھر سے ایک ایرانی خشخشی ڈاڑھی اور پاؤں تک لمبا چوغہ پہنے جارہا ہے۔ ایک خونخوار ہیئت کا بخارائی ترکمان بھیڑی کے چمڑے کی پوستین اور ٹوپی اور لمبے موزہ نما بوٹ پہنے آہستہ آہستہ گذرتا ہے۔ ہرچند کہ موسم خاصا گرم ہے۔ ایک البانی تل شہد اور مٹھائی بیچتا پھرتا ہے۔ سامنے سے ایک بلغار اور ایک یونانی میوہ کے خوانچے لئے آتے ہیں۔ آہا کیسے مزہ دار انگور ہیں۔ بچے اخبار بیچتے پھرتے ہیں۔ تین چار لڑکے پل کے ایک سرے پر کچھ کسے کسائے گھوڑے زین سواری کے واسطے لئے کھڑے ہیں۔ وہ دیکھو ایک بوڑھا شیخ کہ جسکی سُرخ ٹوپی پر ایک سفید دھجی لپٹی ہوئی ہے۔ ایک گھوڑے پر سوار ہوگیا ہے اور لڑکا گھوڑے کو پیچھے سے ہنکا کر خود بھی بھاگنے لگا ہے۔ ایک بوڑھے ترک کے سر پر ایک مٹھائی کا خوانچہ اور ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مونڈھا ہے کہ جہاں رکھدیگا وہیں دوکان بنا لیگا۔ اسکے کپڑوں کی وضع ویسی نہیں جیسی کہ باقی سب تعلیم یافتہ اور مہذب ترکوں کی ہے جو سوائے سُرخ ٹوپی کے باقی بالکل انگریزوں کے سے سیاہ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تمہارے دائیں بائیں گذر رہے ہیں۔ ایک سقا کٹورے چھنکاتا ہوا پانی پلانے کو تیار ہے یہ سامنے سے لمبے

لبادوں والے دو شخص سروں پر سفید نمدے کی اونچی اونچی ٹوپیاں پہنے ہوئے مولوی درویش گذر رہے ہیں۔ یہ ایشیائی یہودی ہیں۔ کہ جسکی زلفیں بے ہنگم لمبی لٹک رہی ہیں۔ اور بہت بڑی سی ناک ہے۔ کیونکہ یورپ میں یہودیوں کے لباس و شکل میں اہل یورپ سے کچھ فرق نہیں۔ اور خدا جانے اور کس کس وضع اور قطع کے لوگ اس پل پر سے ہر وقت گذرتے رہتے ہیں۔ جب گاڑیاں اور چھکڑے اور آدمی گذرتے ہیں یا گھوڑے اور گدھے چلتے ہیں تو نیچے سے پل کے بوسیدہ تختے چیختے ہیں۔ فقیر بھیک مانگتے ہیں۔ سودا بیچنے والے اپنی اپنی صدائیں لگاتے ہیں تو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اسپر مستزاد یہ ہے کہ چاروں طرف سے سٹیمروں کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں جو باسفورس کے دونوں کناروں کی آبادیوں کو دن میں ہر وقت روانہ ہوتے اور واپس آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ جو درمیان میں پل کے دونوں طرف بڑھے ہوئے لکڑی کے مکانات ہیں۔ یہی دونوں طرف جانے والے جہازوں کے سٹیشن ہیں۔ اور یہیں شہر کے بہترین قہوہ خانے اور ریسٹارنٹ بھی ہیں کہ جہاں بہت عمدہ کھانا اور قہوہ وغیرہ سے لوگ شاد کام ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت میلہ سا لگا رہتا ہے۔

دلکش منظر آبنائے باسفورس کی دونوں طرف ڈھلوان پہاڑیوں پر گیلری کی طرح جو شہر کے مکانات شاہی محلات مساجد کے سفید گنبد و مینار اور آبادیاں جو میلوں تک چلی گئی ہیں۔ اُنہوں نے منظر کو اسقدر دلکش اور دلربا بنا دیا ہے کہ کوئی قلم یا پنسل کماحقہٗ اسکی کیفیت بیان نہیں کر سکتی۔ اور نہ اسکے دیکھنے سے طبیعت سیر ہو سکتی ہے۔ کناروں کے نشیب سے لیکر بلندی تک مکانوں کا نیچے اوپر چلا جانا کیا دن کو اور کیا رات کو عجیب نظارہ پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً رات کو جبکہ تمام شہر میں چراغ روشن ہوتے ہیں اور انکی روشنی پانی میں منعکس ہوتی ہے۔ نقاش قدرت نے ایسا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے کہ ایک عالم اُسے دیکھکر دنگ ہو رہا ہے۔ پل غلاطہ پر استنبول۔ اسکے تمام مینار۔ گولڈن ہارن اور اس سے پرے حضرت ایوب انصاری

کی خانقاہ۔ غلاطہ۔ پیرا۔ بیرونی لنگرگاہ۔ اُسکے بے شمار جہاز اور کشتیاں اور ایشیائی ساحل کا نہایت خوشنما منظر دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ شاعر مصنف اور مصور نے جداجدا اور بارہا کوشش کی ہے کہ گیت یا نثر یا رنگ آمیزی کے ذریعہ سے اس شہر کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچے مگر کسیکو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ قسطنطنیہ کو کماحقہ بیان کرسکنا مشکل ہے۔ اور کوئی ترانہ یا قلم یا موقلم پورے طور پر اس کیفیت کو ظاہر نہیں کرسکے جو ایک اجنبی کی آنکھ جو بحیرہ مارمورا کی طرف سے عمدہ موسم میں آتا ہو پہلے پہل اس شہر کو دیکھکر محسوس کرتی ہے۔ یہ بجائے کسی واقعی شہر کے جو اینٹ پتھر یا چونہ سے تعمیر ہوا زیادہ تر الف لیلہ کے کسی جادو کے شہر سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ جب اسکی پہلی نگاہ صبح کی سہاؤنی روشنی میں ان سات چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر پڑتی ہے جو ہر طرح کی عمارات سے تا کنار آب ڈھنپی ہوئی ہیں اور اُن میں قوس قزح کے سارے رنگ پائے جاتے ہیں۔ ایک سفید مرمر کی کوشک چند سرو کے درخت ایک مسجد کا سر بفلک کشیدہ نازک مینار یا کئی مسجدوں کے طلائی کلسوں والے گنبد خوش رنگ مکانوں کے اوپر سے نظر آتے ہیں کہ جنپر آفتاب کی روشن کرنیں پڑکر نیلگوں آسمان کے سامنے اور آبنائے باسفورس کے شفاف پانی کے اوپر کہ جس میں انکا عکس آئینہ کی طرح پڑ رہا ہے۔ عجیب دلکش منظر دکھلاتی ہیں تو اُسے ایک ناقابل بیان منظر نظر آتا ہے۔ اور اسی کا نام قسطنطنیہ ہے۔

پروفیسر میکسمولر کا خیال ہے کہ مارمورا کی طرف سے دیکھنے والوں کو قسطنطنیہ کا منظر ایسا خوبصورت نظر آتا ہے کہ سٹاک ہولم نیپلز اور وینس تینوں کی خوبصورتی ملاکر اسکے برابر ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ تینوں شہر برلب بحر واقع ہیں۔ بلکہ وینس تو بحر کے اندر آباد ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اور نیپلز کی خوبصورتی کی بابت انگریزی زبان میں مثل مشہور ہے "مرنے سے پہلے نیپلز کو دیکھ لو"۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تعریف قسطنطنیہ کے خوبصورت طبعی اور مصنوعی مناظر کی ہوسکتی ہے۔

پل غلاطہ کا محصول گذر

استنبول اور غلاطہ کے درمیان آمدورفت کے لئے ایک یہی راستہ نہیں بلکہ سلطان ایوب کی طرف ایک اور بھی پل ہے کہ جسے اندرونی یا عذاب قپو پل کہتے ہیں ان دونوں نقاط بر برج ہیں کہ جنکے نیچے سے جہاز گذر سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہزاروں لوگ شہر کی ایک طرف سے دوسری طرف چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بھی ہر وقت گذرتے رہتے ہیں کہ جنہیں کیک یا کائک کہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس پل کی رونق کا کچھ اندازہ نہیں۔ پل غلاطہ یا بیرونی پل جسے ترک والدہ سلطان کو پری سی یا قرا کوئی کوپری سی بھی کہتے ہیں (ترکی میں پُل کو کوپری کہتے ہیں) اسے سلطان عبدالمجید خان کی والدہ نے قدیم کشتیوں کے پُل کی جگہ تعمیر کرایا تھا۔ پل کے دونوں سروں کے قریب یہ آدھی آدھی درجن سفید لمبے کرتے پہنکر کون کھڑے ہیں۔ یہ لوگ محصول گذر وصول کرتے ہیں جو ہر شخص سے ایک متالک یا اون پارہ لیا جاتا ہے جو قسطنطنیہ کا ایک پیسہ ہے مگر قیمت میں ہندوستان کے دو پیسہ کے برابر ہے۔ گھوڑوں یا سواروں سے ایک غروش اور گاڑیوں کا محصول ۲ ½ غرش مقرر ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ قریب چار ہزار پونڈ ہر روز اس محصول گذر سے وصول ہوتے ہیں جو سلطان المعظم کسی یتیم خانہ اور غریب خانہ پر خرچ کر دیتے ہیں۔

گولڈن ہارن

یہ دونوں پُل اُسی سمندر کی شاخ یا خلیج پر بنے ہوئے ہیں کہ جسے یورپین گولڈن ہارن کہتے ہیں۔ اور یہ نام آج سے نہیں بلکہ قدیم زمانوں سے چلا آتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ تجارتی جہازوں کے لئے یہ نہایت عجیب بندرگاہ ہے کہ جس میں بارہ سو جہاز ایک وقت میں سما سکتے ہیں۔ اور بوجہ بہت گہرا ہونے کے بڑے سے بڑے جہاز بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں اس لئے یہ دُنیا بھر میں بڑا بندرگاہ ہے اور ایسے موقع پر واقع ہے کہ یورپ اور ایشیا کی تجارت کی منڈی ہے۔ اسے قدیم یونانیوں نے یہ نام دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ بحیرہ مارمورا اور بحیرہ اسود دونوں طرف سے یہاں مچھلیاں

بکثرت جمع ہو جاتی تھیں۔ اسلئے قدیم ماہی گیروں نے اِسے یہ نام دیا۔ خواہ کوئی اور وجہ نہ ہو مگر اپنے خوبصورت منظر کی وجہ سے ہر طرح سمندر کا یہ حصہ زرین شاخ کہلانیکا مستحق ہے کہ جسکی شکل بارہ سنگے کے سینگ سے بہت مشابہ ہے۔ اسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی دہانہ کے قریب ایک ہزار گز سے زیادہ نہیں۔

مخلوط آبادی۔ چونگی۔ ڈاکخانہ وغیرہ

آبادی مرزیہینڈ بک ٹو کانسٹنٹی نوپل ۱۹۰۱ء اور بلیکز گائیڈ ٹو کانسٹنٹی نوپل سنگے ۱۸۹۹ء میں قسطنطنیہ کی آبادی آٹھ لاکھ اسی ہزار درج ہے۔ مگر ساتھ ہی دونوں نے تسلیم کیا ہے کہ صحیح آبادی معلوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن سٹیٹسمین میئر بک جو بہت معتبر کتاب ہے۔ اور ہیز لس اینوال کے ۱۹۰۵ء کے ایڈیشنوں میں اس شہر کی آبادی گیارہ لاکھ پچیس ہزار اور ولایت قسطنطنیہ کی آبادی بارہ لاکھ تیس ہزار درج ہے[1]۔

مختلف اقوام کی آبادی مگر اس آبادی میں دنیا کی ہر قوم کے لوگ کم وبیش شامل ہیں جیسا کہ میں پل غلاطہ کی سیر میں دکھلا چکا ہوں۔ ایک یورپین مصنف برالش نے اس خیال کو بہت عمدگی سے ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "قسطنطنیہ خاص کسی ایک قوم کا شہر نہیں۔ بلکہ اس میں مختلف قومیں آباد ہیں جن میں سے اِسے نہ اِس قوم کا شہر کہہ سکتے ہیں اور نہ اُسکا۔ اہل لنڈن اور اہل پیرس سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ اہل قسطنطنیہ کے الفاظ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس شہر میں کوئی ایسی قوم آباد نہیں جو تعداد اور دوسروں سے بہت ہی زیادہ اور زبان۔ عادات اور معاشرت میں یکساں ہو"۔ اس میں شک نہیں کہ ترک یہاں کے بادشاہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی آبادی فرداً فرداً سب عیسائی اقوام سے زیادہ ہے لیکن انکی مجموعی تعداد سے کم ہے۔ اور علاوہ اسکے مسلمانوں میں بھی ترک ہی نہیں بلکہ ایرانی۔ عرب۔ شامی حبشی وغیرہ سب مسلمان اقوام شامل ہیں۔

---

[1] کتاب حقائق الاخبار عن دول البحار عربی مطبوعہ مطبع سرکاری مصر میں جو قریب زمانہ میں ہی چھپی ہے قسطنطنیہ کی آبادی تیرہ لاکھ سے زیادہ بتاتی ہے۔ اور یہی اعداد صحت سے زیادہ قرین معلوم ہوتے ہیں۔

ساڑھے نو لاکھ کی آبادی کی تقسیم بلحاظ مذاہب و اقوام حسب ذیل کی گئی ہے۔ اسی نسبت سے بارہ یا تیرہ لاکھ کی آبادی کا تخمینہ لگا سکتے ہیں۔

مسلمان	۴۹۱۰۳۸۰
یونانی (عیسائی)	۱۵۲۷۴۱
یونانی لاطینی (〃)	۱۰۸۲
ارمنی (〃)	۲۲۰۰۰۰
رومن کیتھالک دیسی (عیسائی) ..	۶۴۴۲
پروٹسٹنٹ (〃) ..	۸۱۹
بلغار (اہل بلگیریا 〃) ..	۴۳۷۷
یہودی	۴۴۳۶۱
غیر ممالک کے باشندے ..	۱۲۹۲۴۳
میزان	۹۴۳۵۷۵

زبانوں اور رسم و رواج کا اختلاف یہی وجہ ہے کہ شہر میں کئی بولیاں بولی جاتی ہیں کئی بولیوں میں اخبار چھپتے ہیں مختلف دوکانوں کے نوٹس بورڈوں پر پانچ پانچ سات سات زبانوں میں اور سڑکوں کے نام اتنے ہی خطوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اسی لحاظ سے مختلف تہذیب۔ خیالات۔ مذاہب اور رسم و رواج کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ ترک جمعہ کو تعطیل کرتے ہیں۔ یہودی ہفتہ کو اور عیسائی اتوار کو اور یہی اختلاف بدنصیبی سے حکومت عثمانیہ کی بہت بڑی مشکلات میں سے ایک ہے۔

تمدن اور عظمت کرنیل اسمٰعیل بک سرہنگ انسپکٹر مدارس جنگی مصر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قسطنطنیہ میں (۴۸۵) سرائیں (۱۸۰) حمام (۵۰) یا اس کے قریب شاہی محلات و مکانات (۱۹۸) سپاہیوں کی بارکیں اور پولیس کی چوکیاں ہیں۔ مسجدوں کی تعداد (۶۷۵) ہے (۵۲۰) اسلامی مدرسے (۱۴۸)

عالیہ (۶۵) کتب خانے (۲۳۱) دیر (۱۴) شفاخانے اور (۱۷۰) گرجے ہیں جن میں سے (۶۰) رومیوں (۴۰) ارمنوں کے (۱۰) لاطینیوں اور باقی دوسرے عیسائی فرقوں کے۔

معلوم نہیں یہ اعداد کہاں تک قابل اعتبار ہیں۔ سالنامہ معارف میں جو ۱۹۰۰ء میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے۔ اور سرکاری پبلیکیشن ہے قسطنطنیہ کے اڑتالیس قلمی کتب خانوں (۶۳) اخبارات ورسائل (۹۰) مطابع اور (۵۳۶) ہر قسم کے مکاتب کی فہرست دی گئی ہے۔ اور مریز گائیڈ بک میں لکھا ہے کہ استنبول خاص میں حمام (۱۳۰) ہیں۔ اور قطع نظر دیگر مضافات وملحقات کے (۵۰۰) معمولی مسجدیں اور (۲۳۰) جامع مسجدیں ہیں۔ بہرحال یہ قول جو ایک یورپین مصنف کا یورپین لوگوں میں نقل کیا جاتا ہے درست نہیں کہ قسطنطنیہ میں اتنی مسجدیں ہیں کہ سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دو سال تک برابر ہر روز ایک مسلمان ایک نئی مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور پھر بھی بعض مساجد ایسی ہونگی کہ جن میں وہ نہ جاسکا ہوگا۔ کیونکہ قمری سال کے (۳۵۴) روز ہوتے ہیں۔ اور دو سالوں کے صرف (۷۰۸) دن ہوئے۔ بحالیکہ آخری بیان کے مطابق جامع اور معمولی مساجد ملاکر کل (۷۳۰)[1] مساجد استانبول میں موجود ہیں۔ ترکوں کے قدیم پایۂ تخت بروصہ کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ وہاں کے مسلمان سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی وہاں اتنی مساجد ہیں تاہم مندرجہ بالا اعداد سے کم وبیش اندازہ لگ سکتا ہے کہ قسطنطنیہ کتنا بڑا شہر ہے اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات کے لئے کیا کیا سامان موجود ہیں۔ بقول مریز پیشہ وروں کی رجسٹری شدہ مجالس اس شہر میں (۲۷۵) ہیں۔ جیسے قصابوں۔ نان بائیوں حجاموں وغیرہ کی۔

مصر کے رسالہ الہلال میں چھپا تھا کہ ایک معتبر شخص نے	قسطنطنیہ زمانہ عروج میں

---

[1] قاموس الاعلام ترکی مطبوعہ ۱۳۰۹ھ میں اسکے ترک مصنف نے لکھا ہے کہ خاص شہر میں (۵۰۰) مسجدیں اور نواح میں (۳۲۴) کل ۸۲۴ مساجد ہیں۔

۹۹۲ھ میں جبکہ سلطنت عثمانیہ اپنے پورے اوج ترقی و کمال پر تھی۔ شہر قسطنطنیہ کی آبادی کی بابت حسب ذیل فہرست مرتب کی تھی۔ یہ فہرست سلطان سلیمان قانونی متوفی ۹۷۶ھ کے زمانہ سے بعد کی ہے۔

مسلمانوں کے محلّے (۲۲۵) بڑی مسجدیں (۴۰۰) محلّوں کی معمولی مسجدیں (۴۴۹) اعلیٰ درجہ کی عمارتیں (۵۰) مکتب خانے (۹۵۲) خانقاہیں (۱۵۰) فقیروں اور درویشوں کے تکئے (۳۸۵) دولابی چشمے (کنوئیں) (۴۸۴۵) خراسیں (۵۸۵) بڑے میدان (۱۲) حمام (۴۸۷) عیسائیوں کے محلّے (۵۸۴) یہودیوں کے محلّے (۲۸۵) گرجے اور کلیسے (۷۴۲)۔

گمرک سے اسباب چھوڑانا قسطنطنیہ پہنچنے کے دوسرے روز میں شیخ ولی محمد صاحب افغانی کے ہمراہ چونگی خانہ سے اپنا اسباب چھوڑانے گیا جو پیرس سے قسطنطنیہ کو بک کرا دیا تھا۔ یہاں چار گھنٹہ کی متواتر تگ و دو کے بعد اسباب ملا۔ البتہ اس میں جو دو تین معمولی گائیڈ بکیں اور اخبارات تھے وہ نکال لئے گئے کہ محکمہ تفتیش کے اطمینان کے بعد بھیجے جائینگے۔ یہ بھی شیخ صاحب کی بیحد تگ و دو کا نتیجہ تھا کہ کوئی سات آٹھ محرروں کے ہاتھ سے کاغذ نکلے۔ تین چار جگہ اُن پر ٹکٹ لگائے گئے اور دستخط لئے گئے۔ میں اس تگ و دو اور انتظار میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ لیکن شیخ صاحب نے کہا کہ تمہارا کام تو اتنی جلدی ہوا ہے کہ کبھی میں نے کسی کا یہاں ہوتا دیکھا نہیں۔ لیکن جب ہندوستان پہنچکر بمبئی سے مجھے اپنا اسباب بحری کسٹم سے چھوڑوانا پڑا تو مجھے قسطنطنیہ کی گمرک کی کوئی شکایت باقی نہ رہی کیونکہ ایک گورے اہلکار نے مجھے بہت دق کیا۔ اور پانچ روپے پر فیصلہ ہوتا تھا۔ مگر میں نے گوارا نہ کیا۔ اور کسٹم سے گذرنے کی پوری تکلیف گوارا کی۔

رشوت خوری کا الزام انگریزی سفرناموں اور اخباروں میں مینے اکثر شکایت پڑھی ہے کہ ترک افسر بڑے رشوت خوار ہوتے ہیں خصوصاً چونگی وغیرہ پر اگر وہ تمہیں دق کریں تو ایک دو فرانک اُنکے ہاتھ میں رکھدو تب وہ اسباب

کھو لینگے ہی نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ کیونکہ آخر ترک اہلکار بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ زر دنیا میں سب جگہ اپنا کام کرتی ہے جیسا کہ یورپ اور ہندوستان میں بھی دیکھا جاتا ہے لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ترک افسر نے رشوت لی ہو۔ یا بوجہ کچھ انعام نہ ملنے کے مسافر کو دق کیا ہو۔ بخلاف اسکے میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ترک بہت خلیق اور مسافر نواز ہیں البتہ رحمدل اور شرقی لحاظ۔ یا مروت یا حیا ان میں زیادہ ہے۔ اور جو کام اور ملکوں میں رشوت لیکر اہلکار کرتے ہیں یہ صرف لحاظ و مروّت سے کر دیتے ہیں۔ اس کی ایک دو مثالوں کا ان اوراق میں بھی ذکر کرونگا۔

مروّت یا لحاظ کا اثر مجھسے جو کتابیں مصطفےٰ پاشا کے سٹیشن ریلوے پر اور پھر میرے اسباب میں سے قسطنطنیہ میں لی گئی تھیں۔ وہ آٹھ دس روز تک اس دفتر میں جا کر لینے کا موقع نہ ملا۔ اس عرصہ میں مجھ سے ایک بارسوخ شخص کی ملاقات ہو چکی تھی چنانچہ اُن کے ہمراہ میں اُس دفتر میں گیا۔ وہاں سے سوائے مرّیز ہینڈ بک آف کانسٹنٹی نوپل کے باقی سب کتابیں فوراً مل گئیں۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ کتاب اسی دفتر کے کسی دوسرے افسر کے پاس ہے۔ میرے رفیق سے اور اس افسر سے ملاقات تھی۔ اس افسر نے پہلے ہمارے لئے قہوہ منگوایا۔ پھر کہا کہ یہ کتاب تو ممنوع ہو چکی ہے۔ تاہم میرے رفیق نے باوجود اس افسر کے انکار کے بے تکلفی کی وجہ سے وہ کتاب اس سے جبراً لے لی۔ اور اسپر دونوں ہنستے رہے۔ اسی طرح قسطنطنیہ سے بیروت کو جاتے ہوئے ایک سید صاحب ہمارے ہمراہ جہاز پر سوار ہوئے۔ یہ نواح بصرہ و بغداد کے کسی با اثر عرب قبیلہ کے سردار کے بھائی تھے جو مصلحتاً کئی سال استنبول میں نظربند رکھے گئے تھے۔ مگر اب انکو وطن جانے کی اجازت ملی تھی۔ کیا جہاز پر اور کیا مختلف بندرگاہوں میں کہ جہاں جہاز ٹھہرتا اور مسافر اُترتے یہ سید صاحب ہر شخص سے نہایت بے تکلفی سے پیش آتے۔ اور لوگوں کو "اوغلم" یعنے بیٹا بیٹا کہکر پکارتے اور سب لوگ بھی انکے سبز عمامہ اور لمبے جبّہ کے جو نشانِ شرافت سمجھا جاتا ہے بہت عزت کرتے۔ ایک شخص کی جہاز پر ان سے بہت ملاقات ہو گئی تھی۔ مگر اُس کے

پاس بہت سا اسباب تجارت بھی تھا کہ جس کا جہاز سے اُترنے پر خاص محصول چونگی لیا جاتا۔ ایک بندر پر جب یہ اُترا تو عرب سید صاحب نے چونگی کے افسر کو بڑے تحکمانہ لہجہ سے کہا کہ بیٹا اسکے اسباب کا محصول معاف کر دو۔ چنانچہ چونگی کے افسر نے اس سے ایک پائی نہ لی اور صرف لحاظ و مروّت سے اس سرکاری رقم کا نقصان کر دیا۔ بحالیکہ کسی دوسرے ملک میں سوا ے رشوت لینے کے اور کسی طرح یہ اسباب نہ چھوڑا جاتا۔

صیغہ تفتیش کتب

پہلے تو مجھے ترکوں کی یہ نرالی رسم بہت ناگوار گذری کہ اس طرح بے ضرر کتابیں بھی مسافروں سے چھین لیتے ہیں کہ جنہیں واپس لینے میں انہیں غیر ضروری خرچ اور تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن بعد میں محمود بے صاحب محتسب درآمد کتب اور بعض دیگر فہمیدہ احباب سے اسبارہ میں گفتگو کرنے پر مجھے ترکوں کی مشکل اور معذوری کا کچھ صحیح طور پر اندازہ ہونے لگا کیونکہ یہاں کے ارمنی کتابیں چھاپ کر حدود عثمانیہ کے اندر لانے کی ہر طرح کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے بچوں کو ایسی مفسدانہ کتابیں پڑھانی چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے ساٹھ فیصدی باشندے ضرور کوئی نہ کوئی یورپین زبان جانتے ہیں۔ اسلئے سلطنت کو مجبوراً ایسی کتابوں کے روکنے کا انتظام کرنا پڑا جسکے لئے صیغہ تعلیم کے ساتھ ہی صیغہ تفتیش کتب و اخبارات کا ملحق کر دیا گیا ہے۔ اس لئے جو کتابیں یا اخبارات کہیں سے بھی حدود ٹرکی کے اندر داخل ہوں وہ پہلے اس صیغہ کے ارکان کو رپورٹ کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ جنہیں یہ ملک میں داخل ہونے کے قابل سمجھتے ہیں وہ تقسیم کر دیتے ہیں۔ باقی ضبط کر کے تلف کر دیتے ہیں۔ بیشک سلطنت کو ہر ایک حق اپنی قلمرو میں ایسا قانون نافذ کرنیکا ہے۔ لیکن اگر اسی قانون میں ذراسی اصلاح کر دی جائے تو بلا مطلب فوت ہونے کے لوگوں کی تکلیف کم ہو سکتی ہے۔ اول جن لوگوں سے ملک میں داخل ہونے کے وقت کتابیں لی جاتی ہیں انکا پتہ لے لیا جائے۔ اور بہت جلد یعنے دو چار روز میں اگر انکی کتاب غیر مضر ثابت ہو تو سرکار کی طرف سے کتاب اُنکے مکان پر بھیجی جائے اور بصورت انکے ملک سے باہر چلے جانے کے انکی سفارت کے سپرد کر دی جائے

کیونکہ اجنبی کو بہت سے محکموں میں پھر کر کتاب تلاش کرنے کی نسبت اسکا چھوڑ دینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کتاب خفیف سی مضر معلوم ہو تو اس اجنبی کی مرضی کے مطابق وہ جس غیر ملک میں چاہے اُسے لوٹا دیا جائے۔ بصورت کتاب کے قابل اتلاف ثابت ہونے کے اُسکے مالک کو اس مطلب کی اطلاع دے دی جائے کہ اُسے انتظار نہ رہے۔

ممنوع کتابیں واضح رہے کہ اتنی قسم کی کتابوں کی درآمد ممنوع ہے۔ اوّل جن میں سلطنت کی توہین یا اسکی نسبت غلط اور بدگمانی کے خیالات درج ہوں۔ دوم جس میں دین اسلام کی توہین متصور ہو۔ سوم کسی غیر ملک کا چھپا ہوا قرآن یا قلمدے عثمانی کے کسی مطبع کا چھپا ہوا قرآن۔ کیونکہ سوائے مطبع عثمانی کے اور کسی مطبع کو قرآن مجید چھاپنے کی اجازت نہیں ہے۔ چہارم کوئی کتاب جس میں حضرت سلطان کی تصویر ہو۔ چنانچہ میرے پاس ویانا کے ایک عجائب خانہ کی باتصویر فہرست تھی جس میں سلطان المعظم کی تصویر تھی وہ فہرست ضبط کی گئی۔

نہ صرف ملک کے اندر جانے والی کتابوں کی نگرانی کی جاتی ہے۔ بلکہ ملک سے باہر جانیوالی کتابوں کی بھی سختی سے نگرانی کی جاتی ہے۔ اور اس منطق کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ بالفرض اگر کوئی شخص مضر کتابیں ملک سے باہر لیجانا چاہتا ہے تو اُسے ایسی کتابیں لے جانے دی جائیں۔ ”خس کم جہاں پاک“۔ لیکن یہاں کتابوں کے سنسرشپ محکمہ نے ایک معائن کتب جنگی کے محکمہ میں مقرر کیا ہوا ہے جو ہر ایک کتاب کا سرورق دیکھتا ہے کہ اسپر مجلس معارف کیطرف سے ”رخصت“ یعنے اجازت درج ہے۔

واضح رہے کہ معارف یعنی سررشتہ تعلیم کے متعلق ایک شاخ اس مطلب کی شامل ہے کہ وہ ملک کی تمام تصنیفات کا چھپنے سے پہلے معائنہ کرے۔ اور جن کتابوں یا جن کاغذوں کے چھپنے کی رخصت دے وہی چھپ کر شائع ہو سکتے ہیں یہ محکمہ دیکھتا ہے کہ کوئی کتاب بلا رخصت تو نہیں چھپی۔ یا کوئی ایسی کتاب جو اس

محکمہ کے اجراسے پہلے چھپی تھی ان میں نہیں یا کوئی ایسی کتاب بھی کہ جسکی رخصت تو اس محکمہ نے دے دی تھی۔ لیکن دینی مناسب نہ تھی۔ ایسی کتابیں ضبط کرلی جاتی ہیں۔ بجالیکہ بجائے مسافر سے ایسی کتاب لے لینے کے اُن کتب فروشوں سے بازپرس کرنی چاہئے جو ایسی کتابوں کو فروخت کرتے ہیں۔ ہاں۔ کوئی ایسا قرآن بھی قلمرو سے باہر نہیں جانے دیا جاتا جو مطبع عثمانیہ کا چھپا ہوا نہ ہو۔ بجالیکہ صرف ۸۔ ۱۰ سال سے اس مطبع کو قرآن شریف چھاپنے کی اجازت ملی ہے۔ جن کی صحت میں کامل توجہ کی جاتی ہے یعنی جب سے مشہور ہوا ہے کہ روس نے کلام مجید سے جہاد کی آیات نکال کر

مطبع عثمانیہ کے صحیح قرآن

کوئی جلد چھاپی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کے لاکھوں قرآنوں کی فروخت ممنوع ہے۔ یہ بھی بیان کردینا قرین انصاف ہوگا کہ گویہ قرآن گراں ملتے ہیں لیکن اس مطبع کے قرآن مجید بہت خوشخط اور صحیح ہیں۔ بعض قدیم خطاطوں کے قرآنوں کی عکسی نقلیں لے کر ان کو پتھروں پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور گویا کہ انکی صحت کا ایک سرکاری محکمہ ذمہ دار ہے۔

صیغہ تفتیش کتب

ہر چند کہ دولت عثمانیہ نے ان سب قسم کی قابل اعتراض کتابوں کی مداخلت روکنے کا بہت مہتم بالشان انتظام کیا ہوا ہے۔ تاہم ایک رخنہ اس میں باقی ہے اور وہ بڑا اسا رخنہ ہے۔ اور حکام ٹرکی کی یہ شکایت بالکل بجا ہے کہ جو لوگ اپنی قابل اعتراض کتابیں یا اخبار سفیران ممالک غیر کی ڈاک کے ساتھ قسطنطنیہ میں منگوا لیتے ہیں یا غیر ممالک کے ڈاک خانوں کے ذریعہ سے پارسل و اخبارات وصول کر لیتے ہیں اُن تک ٹرکی محتسب کی کچھ دسترس نہیں۔ اس لئے وہ ان وسائل سے ڈھیروں ایسی کتابیں اور اخبار روزمرہ حدود سلطانی میں داخل کرتے رہتے ہیں۔ مگر ٹرکی حکام اُن کے تدارک سے بے بس ہیں۔

دول غیر کے ڈاک خانے

تمام مہذب دنیا کے خلاف قسطنطنیہ اور بعض دیگر قصبات و بندرگاہاں دولت عثمانیہ میں یہ نئی بات دیکھی جاتی ہے کہ سوائے ٹرکی ڈاک خانوں کے پانچ دول یورپ کے اپنے اپنے ڈاک خانے علیحدہ

قائم ہیں۔ مثلاً غلاطہ میں انگریزی فرانسیسی آسٹرین جرمنی اور روسی ڈاک خانے علیحدہ علیحدہ موجود ہیں۔ جہاں جن لوگوں کے نام کے خط یا پارسل کہیں سے بھی آتے ہیں وہاں سے وہ خود آ کر لیجاتے ہیں۔ کیونکہ ڈاک خانے خود خطوط تقسیم نہیں کرتے مقصد ان علیحدہ ڈاکخانوں کے قیام کا یہی ہے کہ ان دولتوں کو ترکی ڈاک خانہ پر بسلامتی ڈاک پہنچا دینے کا اعتبار نہیں ہے اس لیئے یہ اپنے اہتمام سے ڈاک پہنچاتے ہیں۔ اور اس طرح جو قابل اعتراض کتاب یا اخبار کوئی شخص چاہے کسی دولت کے ڈاک خانہ کی معرفت منگوا سکتا ہے۔ اور قسطنطنیہ سے باہر بھی بھیج سکتا ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ سے باہر سے جانے کے بھی بعض کتب تاریخ وغیرہ کی ممانعت ہے۔

ممالک غیر کے ڈاکخانوں کی گتھی نہیں سلجھتی۔

مندرجہ ذیل اقتباس انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کا اس بارہ میں پڑھ کر سلطنت عثمانیہ کی مشکلات کا اندازہ کیجئے:۔ "اپریل سنہ ۱۹۰۱ء میں سلطان المعظم کو ترکی سفیر متعینہ پیرس نے اطلاع دی کہ ینگ ٹرکش پارٹی کی کمیٹیاں قسطنطنیہ میں اپنی طاقت کے اظہار کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ اور غالباً جون میں کسی نہ کسی قسم کی شورش ہوگی۔ اس کا تدارک اس طرح ہو سکتا ہے کہ غیر طاقتوں کے ڈاک خانوں میں جو ڈاک کے تھیلے سربمہر ترکی ڈاکخانہ سے گذرتے ہیں انہیں کھول کر دیکھ لیا جائے۔ مگر مابین الاقوام عہدناموں کے رُو سے یہ تھیلے کھولنے کی اجازت نہیں۔ یہ بجنسہ سربمہر غیر طاقتوں کے پوسٹماسٹروں کو ملنے چاہییں۔ اس قاعدہ کے خلاف ۱۰ مئی کو ترکی حکام ڈاک خانہ نے غیر طاقتوں کے ڈاک کے تھیلوں کو پھاڑ کر مشکوک خطوط ضبط کر لیئے اور باقی ماندہ ڈاک اُنکے حوالہ کر دی۔ آسٹریا۔ فرانس۔ برطانیہ اور جرمنی کی سفارتوں نے کہ جنکے ڈاک کے تھیلے پھاڑے گئے تھے باب عالی کی اس کارروائی پر ایک مضمون کا اعتراضی نوٹ بھیجا اور اپنی اپنی گورنمنٹوں کو رپورٹ کر کے مشورہ طلب کیا۔ دوسرے روز سفارتوں نے پولیس بحری سپاہیوں اور ملاحوں کی ایک جماعت کشتیوں پر ڈاک کے جہاز کی طرف روانہ کی تاکہ اپنے پوسٹ آفسوں کے خطوط کے تھیلوں پر

قبضہ کرلیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا کیا۔ ترکی حکام ڈاک خانہ نے کچھ مزاحمت نہ کی۔ البتہ یہ کہا کہ ترکی ڈاک خانہ بیرونی ڈاک کا انتظام نہ کرے گا۔ چنانچہ سفیروں نے اپنی ڈاک خاص قاصد کے ذریعہ روانہ کردی۔ بابعالی نے سفیروں کے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ ڈاک کی تھیلیاں کھولنے میں ہم حق بجانب تھے۔ لیکن سفیروں نے بابعالی کے رقعہ کو تسلیم نہ کیا بلکہ واپس کردیا۔ ایک ہفتہ بعد سلطان المعظم نے بحری نمائش کے خوف سے مجبور ہوکر اپنے وزیر خارجیہ کو دول یورپ کی سفارتوں میں بھیجکر اطلاع دی کہ جلالتمآب نے ڈاک کی تھیلیوں کے متعلق جو حکم دیا تھا اُسے منسوخ کردیا ہے اور باقاعدہ وعدہ کیا گیا کہ ممالک غیر کے ڈاک خانوں میں پھر کبھی مداخلت نہ کی جائیگی۔ سفیروں نے ان شرائط کو ایک متفقہ رقعے میں تسلیم کیا۔ اور ۱۴ مئی کو اپنی گورنمنٹوں سے تصدیق کرالی۔

ترکی ڈاک خانہ سنہ ۱۹۰۲ع میں تمام قلمرو میں (۱۲۹۷) ڈاک خانے تھے کہ جنہوں نے اندرون ملک میں پونے دو کروڑ کے قریب خطوط اور پوسٹ کارڈ اور ساڑھے انتیس لاکھ سے زیادہ اخبارات تقسیم کئے۔ اور بین الاقوام ڈاک خانوں کی مدد سے سوا اسّی لاکھ خطوط اور سوا پچیس لاکھ اخبارات تقسیم کیے۔ جن مقامات میں ڈاک خانے نہیں وہاں بھی محصول زائد دینے پر ڈاک خانہ خطوط پہنچا دیتا ہے۔ ابھی یہاں ڈاک خانہ اسقدر مکمل نہیں ہوا ہے جیساکہ ہندوستان کا صیغہ ڈاک خانجات ہے۔ اول یہ کہ قسطنطنیہ میں کوئی لوکل ڈلیوری کا انتظام نہیں۔ اور شہر کے ایک حصہ کا خط دوسرے حصہ میں نہیں جا سکتا۔ ایک دفعہ یہ انتظام کیا گیا تھا مگر جلدی ہی بند کردیا گیا۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کو غیر ملک کے خطوط ڈاکخانوں سے جاکر لانے پڑتے ہیں کہ جنہیں اہل شہر ترکی ڈاک خانہ سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں ایک دفعہ مجھے ایک ترک نے کہا تھا کہ ہرچند کہ ہم نہیں چاہتے کہ محصول خط کا ایک پیسہ بھی جو ہماری گورنمنٹ کو مل سکتا ہے کسی دوسرے کو دیں لیکن پھر بھی کئی مرتبہ غیر ممالک کے ڈاک خانوں میں خط پوسٹ کرتے ہیں اور جو غیر ممالک کے اخبار یہاں آتے ہیں اُن کی بُری گت بنتی ہے۔ ایک پیسہ اخبار کے خریدار نے مجھے تبلایا تھا

کہ دو دو تین تین ماہ کے بعد اُسے پیسہ اخبار کے پرچے محکمہ تفتیش سے فارغ ہونے کے بعد ملتے ہیں۔ اس لئے اگر انگریزی ڈاک خانہ کی معرفت اخبار بھیجے جایا کریں تو جلدی مل جایا کرینگے۔

شرح محصول ممالک غیر کے لئے نصف اونس کی چِٹھی کا ایک قرش ہے مگر اندرون مُلک کے لئے جہاں ریل اور سٹیمر کے ذریعہ چِٹھی جلدی پہنچ جاتی ہے ایک قرش اور اندرون ملک کے دور دراز مقامات کے لئے دو قرش فی خط مقرر ہے۔

ٹیلیگراف انگریزی ڈاک خانوں کی نسبت ترکی تار کا انتظام بہت عمدہ ہے جو یورپ اور ہندوستان سے بھی سستا ہے۔ شہر و مضافات کے بعض حدود کے اندر ہر بیس لفظ کی تار کے لئے اڑھائی قرش یعنے پانچ آنے دینے پڑتے ہیں اور ان سے زائد ہر دس لفظ کے لئے نصف محصول ہے۔ اسلئے شہر کے اندر خطوط کا کام بھی ترک زیادہ تر تار برقی پیغامات سے لیا کرتے ہیں۔ اب جبکہ ہندوستان میں چار آنہ کا تار بھی جاری ہو گیا ہے۔ اب بھی ترکی تار کی ارزانی سے دوچند کے قریب گراں ہے۔ اور اس ارزاں نرخ کو ترکی زبان کی ساخت نے اَور ارزاں کر دیا ہے۔ مثلاً "میں جاؤں گا" کو ترکی زبان میں کہتے ہیں "گلجغم" اور انگریزی میں I shall go۔ یعنے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں یہ تین تین لفظ کا فقرہ ہے۔ مگر ترکی میں صرف ایک لفظ کی شکل میں یہ فقرہ سما گیا ہے۔ ٹرکی میں تار برقی لائن پچیس ہزار ایک سو میل پر بچھی ہوئی ہے اور کُل تاروں کا طول (۳۹۸۰۰) میل ہے (۹۰۷) تار گھر ہیں اور سنہ ۲-۱-۱۹۰۱ء میں کل (۴۹۷۶۰۷۰) تار برقی پیغام بھیجے گئے تھے۔

لباس خوراک۔ مکانات۔ معاشرت اور اخلاق و آداب

لباس ترکوں نے یورپ کے ڈریس کو ایسا پورے طور پر اختیار کر لیا ہے کہ اگر اُنکی سرخ ٹوپی کو یورپین ٹوپی سے بدل دیں تو ان میں اور یورپین اقوام میں ذرا تفاوت نظر نہ آئے۔ یونانی، ارمنی اور بلگیرین عیسائی جو یہیں صدیوں سے آباد ہیں انکے رنگ بمقابلہ ترکوں کے میلے نظر آتے ہیں۔ ترک جنٹلمین سیاہ فراک کوٹ زیادہ پہنتے ہیں جیسے کہ تمام یورپ اور خصوصاً انگلستان میں دستور ہے۔ جو گریبان سے ایسائی نکٹائی کے لئے

کھلا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ انگریزوں کا ہوتا ہے یا بند ہوتا ہے۔ ان کا پتلون کسی قدر اہل یورپ سے ڈھیلا ہوتا ہے کہ جس سے نماز پڑھنے میں بھی دقت نہیں ہوتی سوائے سرخ ٹوپی کے متوسط اور اعلے درجہ کے ترکوں کا لباس بالکل اہل یورپ کا سا ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہودی اور عیسائی بھی ایسے ہی لباس کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں اور رنگ سب کے یکساں گورے ہوتے ہیں۔ اس لیے لباس سے مسلمان یا عیسائی کی شناخت نہیں ہوسکتی۔ عیسائیوں نے نہ صرف ترکوں کی ٹوپی ہی اختیار کرلی ہے جو سرکاری ملازمت میں تو انہیں پہننی لازم بھی ہے۔ بلکہ ترکوں کی طرح بعض عیسائی تسبیح پھیرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ سربازار چلتے ہوئے۔ اور جب بعض

عیسائی بھی تسبیح پھیرتے ہیں

ایسے یورپین کہ جنکے سر پر ہیٹ ہوتی ہے۔ اور روز روشن میں سربازار تسبیح پھیرتے جاتے ہیں تو دیکھکر عجب لطف آتا ہے۔ بعض دوکاندار۔ مزدور۔ دستکار اور علماء ابھی پورانی قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ علماء تو واسکٹ کے اوپر ایک لمبی عبا پہنتے ہیں جسکے تکمے

علماء کا لباس

نہیں لگاتے۔ اور سر پر ترکی ٹوپی کے اوپر ایک سفید کپڑے کی دھجی باندھتے ہیں کہ جسے لفہ کہتے ہیں۔ تمام قدیم مدارس کے طلبا بھی جو مذہبی تعلیم پاتے ہیں ایسے ہی سرخ ٹوپی پر لفہ باندھتے ہیں۔ اور یہی طلبا ہیں کہ جنہیں یورپین اخبارات کے نامہ نگار سوفطہ اور گرمجوش متعصب مفسدہ پرداز مسلمان لکھا کرتے ہیں۔ علماء کے پاجامے بھی کسیقدر کھلے ہوتے ہیں۔ اور انہیں بھی پتلون کی طرح بٹن لگائے جاتے ہیں۔ عام لوگ خصوصاً دیہات کے اکثر قدیم ترکی لباس پہنتے ہیں جو سلطان محمود ثانی مصلح کے یورپین لباس اور سرخ ٹوپی کو ترکوں میں رواج دینے سے پہلے مروج تھا انکے پاجامے کسیقدر شلوار نما ہوتے ہیں اور کوٹ جنکی آستینیں تنگ ہوتی ہیں اور سینہ بند سے زیادہ لمبے نہیں ہوتے پہنتے ہیں اور سروں پر ٹوپی کے اوپر چھوٹا سا منڈاسا باندھتے ہیں یا صرف ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ حمال وغیرہ لوگوں کا یہی لباس ہے۔

ترکی بوٹ یا قوندرہ

ترکی بوٹ ترکوں کی خاص ایجاد ہے جو ظاہرا تو بالکل یورپین بوٹ

کی طرح معلوم ہوتا ہے۔لیکن در اصل یہ دوہرا بوٹ ہے۔ایک ہلکا مگر مکمل فل بوٹ لاسٹک والا ایک نیم بوٹ یا گورگابی کے اندر ہوتا ہے۔اور ایڑی کے پیچھے ایک لوہے کا چھوٹا سا کھٹکا ایسے طور پر لگا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے پاؤں کے بوٹ سے دبانے سے وہ کھل جاتا ہے اور باہر کا حصہ اُتر جاتا ہے اور باقی ہلکا سا فل بوٹ جو اندر ہوتا ہے وہ پہنے ترک برابر فرش پر بلکہ مسجدوں میں بھی چلے جاتے ہیں۔کیونکہ وہ پاک صاف ہوتا ہے اور اس سے نماز بھی پڑھتے ہیں۔اندرونی بوٹ کو بھی برابر ایڑی ہوتی ہے جو بیرونی پردہ کی ایڑی کے اندر کھب جاتی ہے۔مجھے چند روز قسطنطنیہ میں رہنے کے بعد جبکہ ترکوں کی ملاقات کا کسی مرتبہ اتفاق ہوا تو ایک قوندرہ خریدنے کی ضرورت پڑی۔جو میں نے چار مجیدی کو خریدا اور باقی عرصہ قسطنطنیہ میں وہی پہنے رہا۔

گھروں کے اندر فرش ترکوں کے گھروں کے اندر ہر حصہ میں ہر غریب امیر کے یہاں حسب مقدور فرش ضرور ہوتا ہے۔یہانتک کہ مجھے ایک دوست نے بتلایا کہ حمالوں کے گھروں کے اندر بھی ایک آدھ قالین ضرور بچھا ہوا ہوگا خواہ وہ کتنا ہی پورانا یا کم قیمت ہو۔اور متوسط الحال اور امیروں کے یہاں تو کئی کئی ترکی قالین ہوتے ہیں۔میرے میزبان سید عبدالغفار آفندی کے گھر کے اندر کہ جہاں میں قریب دو ہفتہ کے مقیم رہا۔کئی قالین بچھے تھے جن میں سے کوئی آٹھ دس پونڈ سے کم کا نہ تھا بجائیکہ وہ ایک معمولی دوکاندار ہیں۔اور چونکہ آب و ہوا اس ملک کی سرد ہے وہ لوگ بوٹ اُتار نہیں سکتے اور نہ اہل یورپ کی طرح بوٹ فرش پر لا سکتے ہیں کیونکہ انہیں اسلامی طہارت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔اس لئے جتنی دیر وہ گھر کے اندر رہتے ہیں اگر وہ کپڑے نہ اُتاریں تو ترکی بوٹ کا اندرونی حصہ پہنے رہتے ہیں اور باہر جاتے ہوئے داخلہ کے دروازہ میں سے بیرونی حصہ یا گورگابی اوپر چڑھا لیتے ہیں جو ایک پورا بوٹ بن جاتا ہے اور ظاہرًا بالکل دو بوٹ نظر نہیں آتے۔

ڈاڑھی سوائے جماعت علما یا مشائخ یا بعض حمالوں کے شاذ ہزار میں سے ایک دو

کی ڈاڑھی منڈی ہوئی نہ ہوگی۔ یا شاید جتنے لوگ لنڈن یا پیرس میں ڈاڑھی رکھتے ہوں اتنے ہی ترک ڈاڑھی والے نظر آئینگے۔ کہتے ہیں کہ بوجہ یورپ میں واقعہ ہونے اور یورپین افواج کا مقابلہ کرنے کے شیخ الاسلام کے فتوے کے مطابق ترکی لشکر میں مدت سے ڈاڑھی منڈوانے کا رواج ہے۔ مساجد میں جو لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر پتلون پوش اور ڈاڑھی منڈے ہوئے لوگ ہوتے ہیں اس لئے اس ملک میں ڈاڑھی منڈوانا شعار اسلامی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا ہے تو اگر وہ حالت شہزادگی میں ڈاڑھی منڈواتا تھا تو اب اسکے لئے ڈاڑھی رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

ترکی ٹوپی ترک اپنی ٹوپی کو طربوش نہیں بلکہ فس ([illegible]) کہتے ہیں۔ اور سلطانی کارخانہ ٹوپی سازی کو فس خانہ ہمایونی کہتے ہیں۔ چونکہ انگریزی میں فس فیض (FEZ) لکھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ پہلے مراکش کے شہر فیض سے اس قسم کی ٹوپی کا رواج ہوا تھا۔ اس لئے ہندوستان میں بھی لوگ اسے فیض یا فیز کہتے ہیں۔ ترکی میں پہلے پہل سلطان محمود مصلح نے اس ٹوپی کو رواج دیا اور خود بہت بڑا سلطانی عمامہ جیسا کہ تمام سلاطین آل عثمان صدیوں سے پہنتے آئے تھے۔ اور جو کہ بجنسہ انکے مرقدوں کے اوپر اس وقت تک جابجا قسطنطنیہ میں رکھے ہوئے ہیں اُتار کر یہ سرخ ٹوپی پہنی۔ چنانچہ سلطان محمود ثانی پہلا سلطان ہے کہ جسکی قبر پر بجائے عمامہ کے ایک سادہ ترکی ٹوپی رکھی ہوئی ہے۔ سلطان عبدالعزیز نے اس ٹوپی میں اصلاح کی اور اسے نیچے سے چوڑا اور بلندی میں کم کر دیا چنانچہ ابتک یہ فیشن انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ قسطنطنیہ میں فوجی سپاہی بہت بلند ٹوپی پہنتے ہیں۔ باقی لوگ چھوٹی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہاں ٹوپیاں صاف کرنے کی دکانیں چپہ چپہ پر ہیں۔ اور دو پیسے دیکر جھٹ ٹوپی صاف اور سخت بن سکتی ہے۔ اسلئے ٹوپیاں بہت خوبصورت اور ستھری معلوم ہوتی ہیں۔

ترکی ٹوپیوں کا سلطانی کارخانہ | حضرت ایوب کو جاتے ہوئے سٹیمر کے گھاٹ سے

فس خانہ ہمایوں بہت قریب ہے۔ٹوپیاں بنانے کا صرف یہی ایک کارخانہ قسطنطنیہ[1] میں ہے۔اور یہ سرکاری ہے۔ اس میں علاوہ ٹوپیوں کے اسقدر بانات اور کشمیرہ تیار ہوتا ہے جو تمام عثمانی افواج کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا ہے اور قالین بھی بنائے جاتے ہیں۔فس خانہ عامرہ مدیر معاونی بیکباشی عاصم افندی نے ہمیں کارخانہ کے مختلف حصے دکھلائے۔یہ کارخانہ صرف اون کے سامان کا ہے۔سوت کے کپڑے کا ایک دوسرا سرکاری کارخانہ قزی کوئی کے پاس واقع ہے۔یہاں پہلے پشم سے سوت کاتا جاتا ہے۔پھر بنا جاتا ہے۔پھر کپڑے کو بانات و کشمیرہ ٹوپیوں کے لئے مشینوں سے گف بنایا جاتا ہے۔ایک مشین میں ایک خاردار پودے کے ڈھینڈی لگا دیتے ہیں جو اونی کپڑے کی گانٹھیں وغیرہ اڑا کر صاف کر دیتے ہیں۔پشم دھونے نچوڑنے اور خشک کرنے کی مشینیں بھی دیکھیں۔ان میں سے ایک پشم دھونے کی مشین یہیں بنائی گئی ہے۔کیونکہ اسی کارخانہ کے اندر ایک بڑا ورکشاپ بھی ہے کہ جہاں اس کی مشینوں کی شکست وریخت کی مرمت بھی ہوتی رہتی ہے۔گف بنانے کے بعد ان کپڑوں کو رنگا جاتا ہے۔ٹوپیاں اسی قسم کی گول مشینوں پر بنی جاتی ہیں کہ جن پر جورابیں بنی جاتی ہیں۔البتہ وہ ان سے بڑی ہوتی ہیں کیونکہ ٹوپی کا گھیر جراب سے بڑا ہوتا ہے۔بعض جراب کی طرح گول بنتی ہیں اور ان پر چند یا پیچھے لگائی جاتی ہے۔اور بعض نئی مشینوں سے ایسی بنتی ہیں کہ صرف ایک طرف سے انہیں سلائی کرنی پڑتی ہے۔یہ پہلے سر سے بہت بڑی ہوتی ہیں۔مگر گف کرنیکے عمل میں سکڑ کر موٹی ہو جاتی ہیں۔پھر انہیں سرخ رنگا جاتا ہے۔سلطان المعظم کے لئے بھی اس کارخانہ میں ٹوپیاں بنتی ہیں مگر وہ ایک خاص طرز کی اور زیادہ دبیز ہوتی ہیں جو یہاں کسی اور کو نہیں ملتیں۔مگر سلطانی توشہ خانہ کا افسر یہاں سے ہر ہفتہ لیجاتا ہے۔یہاں جورابیں اور بنیان بھی بنتی ہیں۔آجکل کارخانہ میں مشینیں اضافہ کی گئی ہیں

---

[1] کارخانہ ہمایونی جس میں قالین ابریشم کے کپڑے اور ترکی ٹوپیاں بنتے ہیں شہر سے بہت فاصلہ پر ہے۔مکہ معظمہ کو جو غلاف ابریشم ہر سال بھیجا جاتا ہے یہیں بنا جاتا ہے۔

اور تعمیر بھی بڑھ رہی ہے۔ اس صورت میں کام بہت بڑھ جائیگا۔ اب بھی یہاں کی ٹوپیاں اور کپڑا جو فوج کے کام سے بچتا ہے اُس کی بازار میں فروخت کے لئے دوکانیں موجود ہیں۔ یہاں کی ایک عام ٹرکی ٹوپی بازار میں ۱۳ غروش کو ملتی ہے۔

ستر ہزار ٹوپیاں روزانہ خرچ ہیں

اسی اثنا میں ایک انگریز اے سائکس نامی باشندہ مانچسٹر بھی کارخانہ میں آگیا جو ترکی بولتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ پہلے اسی کارخانہ میں دس سال تک مکینک رہا ہے۔ مگر اب بشکایت ناقدردانی کام چھوڑ بیٹھا ہے۔ اُس نے بتلایا کہ یہاں ہزار سے دو ہزار تک ٹوپیاں روزانہ تیار ہوتی ہیں۔ بحالیکہ سلطنت عثمانیہ کے کل خرچ کے لئے ستر ہزار روزانہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اس کارخانہ میں ڈیڑھ بلین کیلو دیسی اون سال تمام میں خرچ ہوتی ہے اور کارخانہ کا کل خرچ سالانہ دو لاکھ پونڈ ہے۔ ماہوار تنخواہ صرف چارسو پونڈ ہے۔ بیکباشی عاصم نے بتلایا کہ سب سے باریک ریشہ والی آسٹریلیا کی اون ہے۔ اس میں سے دھونے کے بعد سو میں سے ۷۵ حصے باقی رہجاتے ہیں۔ روس کی اون سے ۵۰ فیصدی اور روبریجہ (عثمانی) اون سے بھی اسیقدر عسکری ٹوپیوں میں آسٹریا کی اون میں چوتھا حصہ روبریجہ اون ڈال لی جاتی ہے۔

کارخانہ کے مزدور اور دستکار

سوائے اس کارخانہ کے ایک حصہ کے کہ جہاں پچاس راچھ بانات بنتے ہیں۔ اور وہاں مزدور کام کرتے ہیں باقی ایک سو بیس راچھوں پر عسکری (سپاہی) کام کرتے ہیں۔ کل پندرہ سو آدمی ہیں جو عسکری یہاں مامور ہیں۔ انہیں جنگ پر نہیں بھیجا جاتا۔ اور علاوہ کھانے کپڑے کے ایک مجیدی (اڑھائی روپے) ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس ملک میں تمام سپاہیوں اور فوجی افسروں کو کھانا سرکار سے ملتا ہے۔ مثلاً ایک یوز باشی سو آدمیوں کے افسر کو بارہ اوقہ روٹی۔ اسیقدر چاول۔ اتنا ہی گوشت اور نمک مرچ مصالح و ایندھن اور گھوڑا ہے تو گھاس بھی۔ صابن۔ روغن زیتون وغیرہ سب ضروریات بصورت جنس سرکار سے ملتی ہیں۔

یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں

اس کارخانہ میں علاوہ مزدوروں اور عسکریوں کے یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں۔ پاس ہی انکا مدرسہ ہے۔ یہ ایک روز پڑھتے اور ایک روز یہاں آکر کام کرتے ہیں۔ چونکہ بدنصیبی سے ترکوں کے یورپین ہمسائے اکثر انہیں جنگ میں مصروف رکھتے ہیں اور یہ بیچارے شہید ہوتے رہتے ہیں اسلئے یتیم بچوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ سلطنت کا یہ کام قابل تعریف ہے کہ اپنے اکثر کارخانوں کے ساتھ ایک ایک مدرسہ یتیم بچوں کا بنا دیا ہے کہ جہاں یہ یتیم بچے نوشت و خواند کے ساتھ دستکاریاں بھی سیکھتے رہتے ہیں۔

ترکوں کو ایک صدی میں کتنے جنگ کرنے پڑے

اپنے مندرجہ بالا بیان کی تصدیق میں مَیں ابو الضیا افندی ایک نامور ترک پبلشر کی جنتری سے یہ جدول درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ انیسویں صدی مسیحی میں کتنے سال ترکوں کو اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہنا پڑا۔ اور کتنے سال امن نصیب ہوا۔

ایک صدی میں ترکی جنگوں کی جدول :-

سنہ ۱۸۰۰ء	×	×	سنہ ۱۸۳۰ء	سنہ ۱۸۴۰ء	سنہ ۱۸۵۰ء	سنہ ۱۸۶۰ء	سنہ ۱۸۷۰ء	سنہ ۱۸۸۰ء	سنہ ۱۸۹۰ء
۱	×	×	۳۱	۴۱	۵۱	۶۱	۷۱	۸۱	۹۱
۲	×	×	۳۲	۴۲	×	×	۷۲	۸۲	۹۲
۳	×	×	۳۳	۴۳	×	×	۷۳	۸۳	۹۳
×	×	×	×	۴۴	×	۶۴	۷۴	۸۴	۹۴
×	×	×	×	۴۵	×	۶۵	×	۸۵	۹۵
×	۱۷	×	×	۴۶	×	×	×	۸۶	۹۶
×	۱۸	×	×	۴۷	۵۷	×	×	۸۷	×
×	۱۹	×	×	۴۸	۵۸	×	×	۸۸	۹۸
×	×	×	×	۴۹	۵۹	×	۷۹	۸۹	۹۹

(اس نشان (×) سے مطلب ہے کہ اس سال میں جنگ رہے۔ اور جس خانہ میں سنہ کا عدد لکھا گیا ہے صدی کے اُس سال میں امن رہا۔

ترکوں کی تعریف میں

اسی انگریز مسٹر سائکس نے مجھے بتلایا کہ ترک بہت اچھی قوم ہے اور اپنے دس سال ان کے درمیان رہنے کے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ ترک دل کے بہت نیک اور بڑی اہلیت اور انسانیت والی قوم ہے مہمان نوازی ان کی بہت بڑھی ہوئی ہے خصوصاً دیہات کے لوگوں کی بابت کہا کہ میں ایک مرتبہ شہر سے دو روز کی مسافت پر دیہات میں گیا تھا۔ ایک خاندان نے میری دعوت کی۔ یہ ہر روز ایک دُنبہ میرے لئے ذبح کرتے یا ترکی مرغ پکاتے یہ بھی کہا کہ سلطان المعظم بڑے روشن ضمیر اور دانشمند ہیں مگر انکے مشیر اور اہلکار اچھے نہیں۔ رعایت اور سفارش بہت چلتی ہے۔ برٹش فارن آفس کی ڈپلومیٹک

انگریزی کونسل کی رائے

و کانسلر رپورٹ بابت قسطنطنیہ (۱۸۹۸ء) میں مندرجہ ذیل سطور میں اس کارخانہ سلطانی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

برٹش کانسل لکھتا ہے:۔

"پہلے جو اونی کپڑا انگلستان سے گورنمنٹ ٹرکی فوجی استعمال کے لئے خریدتی تھی اب وہ قریب قریب خرید نابند کردیا ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ نے اپنا کارخانہ کپڑے کا بنالیا ہے جو اُن کی تمام فوجی ضروریات چلادیتا ہے۔ اس مل میں پندرہ سو آدمی ملازم ہیں اور (۱۲۵) راچھ ہر قسم کے موٹے اور باریک فوجی کپڑوں کے لئے ہیں۔ اس سال (۱۸۹۸ء میں) پچیس لاکھ کیلو دیسی اُون اور ایک لاکھ کیلو آسٹریلیا کی اُون خرچ ہوئی۔ اس مل سے (۲۰۰۰) میٹر موٹا (۶۵۰) میٹر باریک فوجی کپڑا روزانہ اور ایک ہزار ٹوپیاں۔ پانچ سو جوڑے موزے اور اڑھائی سو فوجی کمبل تیار ہوتے ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں دس لاکھ میٹر فوجی کپڑا تیار ہوا تھا۔ ٹوپیوں کی تیاری خاص دلچسپی کا کام ہے اور انگریزی دستکاری کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ٹوپی یا تو سیلنڈر والی نٹنگ مشین پر یا پنکھے کی شکل والی پر بنی جاتی ہے۔ اور پھر اسے سی کر گف کیا جاتا ہے اور رنگ کر پریس میں دبایا جاتا ہے اور پھندنا لگایا جاتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اسی ہزار پونڈ سے ایک لاکھ پونڈ سالانہ کی

ٹوپیاں قلمرو سے ٹرکی میں داخل ہوتی ہیں کہ جنکا زیادہ حصہ آسٹریا سے آتا ہے"۔

آسٹریا کی ٹوپیاں جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے ظاہر ہے زیادہ تر ٹوپی قلمرو عثمانی میں آسٹریا سے آتی ہے۔ اور وہاں کے ٹوپی کے کارخانے بھی میں نے دیکھے ہیں۔ بلکہ ایک روز جبکہ میں ویانا کے سب سے بڑے ترکی ٹوپیاں بنانے کے کارخانہ کے دفتر میں تھا تو ایک قسطنطنیہ کا سوداگر بھی اسوقت وہاں تھا جس نے پچاس ہزار درجن ٹوپیاں خریدی تھیں۔ آسٹرین لوگ ان ٹوپیوں اور انکے بکسوں پر جو ٹکٹ لگاتے ہیں اُنپر ترکی اور مصری تصویریں بناتے اور عبارتیں لکھتے ہیں۔ تاکہ پہننے والوں کو اجنبی نہ معلوم ہوں۔ ہندوستان میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ٹوپیاں ٹرکی سے بن کر آتی ہیں بجالیکہ ٹرکی کی بنی ہوئی ٹوپیاں قسطنطنیہ کے لوگوں کے لئے بھی کافی نہیں۔

گھر کے اندر کا لباس اور مندر ترک جب باہر کا کام کاج کر کے گھر میں آتے ہیں تو فورا کوٹ پتلون اُتار کر کرتے کے اوپر ایک کھلا اور ٹخنوں تک لمبا اور ڈھیلا اچکن پہنتے ہیں کہ جسے وہ انتری کہتے ہیں۔ یہ عموماً سوزنی کام کے ریشمی یا سوتی اور کئی مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ڈھیلا پاجامہ سر پر معمولی سکل کیپ اور پاؤں میں سلیپر پہنتے ہیں۔ گویا جب یورپین لباس سے رہائی پاکر آرام کرتے ہیں تو اپنے گدگدے اور نرم مندروں اور تکیوں پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں۔

سلاملق ہر گھر کے ساتھ حسب حیثیت ایک ایسا کمرہ یا دیوان خانہ ہوتا ہے جو فرش فروش اور پردوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور اس کی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف موٹے موٹے گدوں والے کوچ لگے ہوئے ہوتے ہیں کہ جنہیں یہ مندر کہتے ہیں گویا دیواروں کے ساتھ ایک بیچ سی لگا کر اُسے اور نیز اسکے پشت کی دیوار کو موٹے موٹے اور مکلف سپرنگ دار گدوں سے آراستہ کیا جاتا ہے کہ جس پر آرام سے بیٹھنے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے۔ ترکوں کے یہی مندر مصر اور شام اور عرب میں بھی پھیل گئے ہیں۔ ترک گدیلے والی اور آرام کرسیوں کو اسقدر پسند کرتے ہیں کہ سرکاری دفتروں کے نہ صرف

افسروں بلکہ محرروں کے پاس بھی بیٹھنے کو ایسے موٹے موٹے اور نرم گدوں کی آرام کرسیاں ہیں کہ دیکھکر اُن پر بیٹھنے کو جی للچا آتا ہے۔ لیکن بعض نئی روشنی کے دلدادوں نے اب اپنے دیوان خانوں کو یورپین طریقہ سے بھی سجانا شروع کر دیا ہے۔

زنانہ لباس اور پردہ ترک عورتوں کے لباس پر یورپین لباس نے اسقدر اثر کیا ہے کہ ان کا لباس بالکل یورپین ہوگیا ہے۔ خصوصًا اونچے گھرانوں میں تو عورتیں اور لڑکیاں بالکل پیرس کے فیشنوں کی دلدادہ ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے روزانہ اخبارات میں "ینی پاریس مودہ لری" (پارس کے نئے فیشنوں) کے اشتہارات ہوتے ہیں۔ مگر گھر سے باہر نکلنے کے وقت وہ اس لباس کے اوپر ایک لمبا سیاہ گاؤن پہن لیتی ہیں۔ جسے فراجہ کہتے ہیں اور سامنے سے پانوں تک اسکے بٹن بند کر لئے جاتے ہیں۔

فراجہ و یشماک سر کے اوپر ایک چھوٹی سی چادر اوڑھی جاتی ہے کہ جسے چارشف کہتے ہیں۔ یہ پچھلی طرف گاؤن یا فراجہ سے ٹانک دی جاتی ہے اور سامنے کو اس سے آدھی پیشانی ڈھکی رہتی ہے۔ نصف پیشانی دونوں آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ برہنہ چھوڑ کر باقی چہرے کو گاز کے ایک نہایت باریک رومال سے ڈھکا جاتا ہے۔ جو پچھلی طرف سے ٹانکا جاتا ہے۔ جو یشماک کہلاتا ہے۔ یہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ قریب سے دیکھنے سے اس میں سے چہرہ کا رنگ اور شباہت معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر ایسی بیہودہ حرکت وہاں کوئی نہیں کرتا۔ دیہات کی بعض عورتیں یشماک کی بجائے ململ کا ایک سفید رومال سر سے نیچے چہرہ پر لٹکا لیتی ہیں کہ جس میں صرف دو آنکھوں کے لئے سوراخ ہوتے ہیں۔ کئی عیسائی اور یہودی عورتیں بھی مستور لباس پہنکر باہر نکلتی ہیں۔ اسلئے فراجہ اور یشماک پہننے والی ہر ایک عورت ترکن یا مسلمان نہیں ہوتی بارہ تیرہ سال تک کی لڑکیاں کھلے سر مکتب کو پیدل جاتی ہیں۔ انکا لباس سوائے اوڑھنی کے بالکل یورپین ہوتا ہے۔ اس سے بڑی عمر کی جوان عورتیں بھی منہ ڈھانپ کر باہر نکلنے پر مجبور نہیں جبتک کہ انکی شادی نہ ہو جائے۔ مگر وہ عمومًا پردہ کرتی ہیں لیکن شادی ہو جانیکے بعد پردہ کی سخت پابندی کیجاتی ہے۔

پردہ کے ساتھ گھروں سے نکلنا

گو قسطنطنیہ کے گھروں میں وہی قدیم دستور چرچفے دار گھر کو بند رکھنا ہے لیکن یہ یورپ کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تمام چہرہ ڈھانپ لینے والے برقعہ کو نازک یشماک سے بدل دیا گیا ہے ویسے ہی یشماک پہنکر ہر درجہ اور رتبہ کی ترک عورتیں گھروں سے باہر جا سکتی ہیں۔ بلکہ بازاروں میں جاکر سودا سلف خریدتی ہیں۔ مشہور ہے کہ صدر اعظم کی بیوی تک اس طرح جاکر سودا خریدتی ہیں اور دوکانوں کے اندر داخل ہو کر منہ کھول لیتی ہیں۔ گویا دوکاندار سے کوئی پردہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن دستور یہ ہے کہ عالی خاندان یا دولتمند ترک خاتونیں جبتک گاڑی یا کشتی میں سوار نہ ہوں اور گاڑی کی کھڑکیاں بند نہ ہوں باہر نہیں نکلتیں۔ پھر اگر انکے ہمراہ شوہر یا کوئی اور عزیز نہ ہو تو خواجہ سرا یا خدمتگاریں ضرور ہونی چاہئیں۔ لیکن عام خاتونیں جو یشماک پہنکر بھی نکلتی ہیں کسی کو انکی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی ڈاکٹر اکبر بیگ مرحوم نے کہ جنکی تمام عمر قسطنطنیہ میں گذر گئی تھی۔ ایک دفعہ کا واقعہ بیان کیا کہ ایک شریف عورت تنہا بازار سے جا رہی تھی۔ کسی مرد کا اس سے عمداً یا سہواً کندھا لگ گیا۔ عورت کے ہاتھ میں چھاتا تھا۔ اس نے جھٹ دو چار پانچ چھاتے جڑ دیئے۔ اور بازار کے سب دوکاندار اٹھکر اسکی حمایت کرنے لگے۔ اُس مرد کو اسوقت مارے شرم کے چوہے کا بل نہیں ملتا تھا کہ اس میں گھس جاتا۔ جب اہل ملک میں اسقدر تہذیب اور شرافت کا خیال ہو تو اس طرح ہندوستان میں بھی پردہ دار کپڑے پہنکر سب عورتیں ضروری کام کاج یا سیر و تفریح اور ہوا خوری کے لئے باہر نکل سکتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں عام لوگوں میں ابھی اتنی شائستگی نہیں آئی کہ ایسی عورتوں کے ننگ و ناموس کی جو گھروں سے ضرورت کے لئے باہر نکلیں حمایت کر سکیں۔ یہاں حبشی عورتیں بھی ایسے ستر والی پوشاک پہنتی ہیں کہ سوائے چہرہ کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اور مردوں سے پورا ستر کرتی ہیں۔ ٹرموے گاڑیوں کے علاوہ جہازوں میں بھی عورتوں کے لئے ایک پردہ دار مقام مخصوص ہوتا ہے۔ البتہ جب تفریح کے لئے تفرج گاہوں میں جاتی ہیں تو اپنے مردوں کے ساتھ علیحدہ جگہوں میں یا زنانہ پارٹیوں میں سب کھلے منہ

ہنستی اور منتی کھیلتی ہیں ۔ یا قبرستانوں کے خوبصورت سرو و شمشاد کے درختوں کے سایہ کے نیچے اسی طرح بے تکلفی سے قہوہ پینے میں وقت تیر کرتی ہیں ۔

عیسائی عورتوں کا پردہ

گو سب عورتیں جو بازاروں یا کوچوں میں پھرتی نظر آتی ہیں مسلمان نہیں ہوتیں بلکہ ان میں زیادہ عیسائی یا یہودی ہوتی ہیں ۔ مگر انکا بدن بھی ایسی اچھی طرح ڈھنپا ہوا ہوتا ہے کہ سوا سے منہ کے کوئی جگہ برہنہ نہیں ہوتی اور منہ پر بھی ایک باریک جالی پڑی ہوتی ہے ۔ جس سے صحیح صحیح صورت نظر نہیں آتی ہے علاوہ منہ کے باقی جسم پر ایک چادر ایسی طرح لپیٹی جاتی ہے کہ جس سے بہتر پردہ برقعہ سے بھی نہیں ہو سکتا ۔ مسلمانوں کے پردہ کا عیسائیوں پر بھی اتنا اثر پڑا ہے کہ معدودے چند عیسائی عورتیں جو منہ ننگا کر کے بھی چلتی ہیں وہ بھی سر کا کپڑا ٹھوڑی کے نیچے ایسی اچھی طرح آلپین سے ٹانک لیتی ہیں کہ سوائے ابروؤں سے لے کر لب زیریں تک کے اور جسم نظر نہیں آتا ۔ یہاں عورتوں میں پوشش کا معیار بہت اعلیٰ ہے عموماً بیرونی لباس ریشم کا ہوتا ہے ۔ علاوہ عیسائی عورتوں کے ترک عورتیں بھی آجکل عام طور پر لکھنے پڑھنے سے قاصر نہیں ۔ سلطنت کی طرف سے تعلیم نسواں ہائی سکول کے درجے تک دی جاتی ہے ۔ اور لڑکیوں کو خصوصاً سینے پرونے اور کشیدہ کاڑھنے کی بہت اچھی تعلیم دی جاتی ہے ۔ مینے ایک دوست کی لڑکی کے ہاتھ کا کام دیکھا ہے جو کسی عالیجاہ شائستہ لیڈی کے لئے زیور شمار ہو سکتا ہے ۔ جبتک مینے قسطنطنیہ نہیں دیکھا تھا میرا خیال تھا کہ اکثر ترکوں نے یورپین عورتوں سے شادی کی ہوئی ہوگی ۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ بہت ہی کم ترکوں کی یورپین بیویاں ہیں ۔ اور جن معدودے چند کی ہیں انہوں نے انہیں پردہ میں ڈال لیا ہے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بازار میں نہیں چلتے ۔

پردہ کی تائید

اس سے پہلے عورتیں ایسا با پردہ لباس پہنکر بازاروں میں پھرتی تھیں اور لوگوں سے بات چیت بھی کیا کرتی تھیں ۔ اس سے کئی طرح کی قباحتیں پیدا ہو سکتی تھیں ۔ اب کچھ عرصہ سے سلطان المعظم نے عورتوں کے متعلق ایک نیا حکم یہ دیا ہے کہ کوئی ایسے لباس والی عورت گھر سے باہر کسی مرد سے خواہ وہ اسکا شوہر یا باپ یا

بھائی ہی کیوں نہ ہو بات نہ کرے۔ ورنہ جو شخص یا پولیسمین اُسے باتیں کرتے دیکھ لے وہ اُسے کوتوالی میں پہنچادے۔

شرعی پردہ اور آزادی

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں میں کبھی ایسا سخت پردہ نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ ہندوستان کے شریف مسلمانوں میں رواج ہے یہاں تک کہ عورت کے کپڑے دھوبیوں کو نہیں دیئے جاتے اور عورتوں کو جن ڈولیوں میں بٹھلایا جاتا ہے ان میں بوجھ رکھدیا جاتا ہے تاکہ کہاروں کو زنانہ سواریوں کا وزن تک نہ معلوم ہو جائے۔ اور نہایت حزم واحتیاط سے انہیں گھروں سے کبھی باہر نہیں نکلنے دیا جاتا مگر ترک ایسے پردہ کے قائل نہیں۔ ان کی بیبیاں نہ صرف شرعی پردہ کے ساتھ بازار سے سودا سلف خرید لاتی ہیں اور اسطرح اپنے گردوپیش کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے زیادہ سمجھدار ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ سیروتفریح کے لئے بھی شہر سے باہر تفریح گاہوں میں اپنے مردوں کے ساتھ جاتی ہیں اور وہاں جنگل میں سینکڑوں ایسی بیگمات کی پارٹیاں الگ الگ بیٹھتی کھاتی پیتی اور تازہ ہوا۔ اور سبزہ زار کا لطف اُٹھاتی رہتی ہیں کہ جسکا ذکر کسی دوسری جگہ کیا جائیگا۔ ایسے ہی ترکی بیگمات ملکر قبرستان میں جاکر بیٹھتی ہیں قسطنطنیہ کے قبرستان سروشمشاد کے سایہ تلے نہایت خوش منظر جگہیں ہوتی ہیں۔ اور یہاں یہ اسی حال میں قہوہ پیتی ہوئی دیر تک بیٹھی رہتی ہیں۔ اور مرد اُن کے قریب نہیں جاتے۔

یورپین بیبیاں

چونکہ ترک یورپ میں رہتے ہیں اور بہت سی یورپین اقوام قسطنطنیہ میں آباد ہیں اسلیئے ترکوں کا یورپین عورتوں سے شادیاں کرنا کوئی اچنبا بات نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت کم ترک ہیں جو یورپین بیویوں سے شادی کرتے ہیں۔ اور جو کرتے بھی ہیں وہ انہیں پردہ میں رکھ لیتے ہیں۔ مجھ سے ایک واقفکار ترک نے بیان کیا تھا۔ کہ یہاں مسلمانوں کو خوبصورت لکھی پڑھی عیسائی بیویاں ملسکتی ہیں مگر وہ انہیں پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ عموماً ترک عورتیں یورپین عورتوں سے زیادہ حسین اور خوشرنگ ہوتی ہیں۔

ع
سعدیا روز ازل حسن بہ ترکاں دادند

مسز میکس مولر نے اپنے سفر قسطنطنیہ کے خطوط میں کئی حرم سراؤں میں جانیکا ذکر کیا ہے۔ ایک پاشا کی یورپین بیوی سے بھی ملاقات کی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ وہ بھی پردہ کی ایسی ہی پابند ہے جیسی کہ اسکی ہمسائیشی مسلمان بہنیں ہیں۔ مسز میکس مولر نے اسی ضمن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مینے کئی ایک ترک امرا کی خانمیں دیکھی ہیں کہ جنہوں نے یورپ کی زبانوں میں تعلیم پائی ہے۔ مگر وہ سوائے اپنے جسم کے بناؤ سنگار یا فرانسیسی و ترکی ناول پڑھنے کے اور کچھ نہیں کرتیں۔ اور چونکہ انہیں گھروں سے بلا پردہ اور تنہا باہر جانے کی آزادی نہیں اسلیئے وہ مطمئن نہیں۔ گو ساتھ ہی مسز صاحبہ نے بعض خانموں اور قادینوں کو اپنے گھر کے کام دھندے میں نہایت مصروف اور نہایت مطمئن بھی پایا ہے۔ جیسا کہ منیر پاشا کی خاتون کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ معمولی بات ہے۔ کیا یورپ کی آسودہ عورتیں ابتک زیادہ تر بناؤ سنگار اور ناول پڑھنے میں مصروف نہیں رہتیں؟ اور وہ کب اپنی حالت پر قانع ہیں۔ لنڈن میں حقوق ووٹ حاصل کرنے پر ہر روز عورتوں کی پولیس سے مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے۔

قومی آمیزش بعض یورپین مصنفوں کا ترکوں کی نسبت یہ بھی خیال ہے کہ سینکڑوں سالوں کے دوران میں خوبصورت سرکاشین جارجین یا بلگرین اور یونانی وغیرہ یورپین اقوام اور نیز حبشی عورتوں کو بطور غلام خرید کر ترک انہیں بیویاں بناتے رہے ہیں اسلیئے انکی نسل میں ترکی خون بہت کم رہگیا ہے۔ ساتھ ہی وہی مصنف کہتے ہیں کہ ترکوں میں ابھی تک خانہ بدوشی سستی اور اکھڑپن کی عادات موجود ہیں اور یورپ کی تہذیب نے انکی جلد کے اندر زیادہ گہرا اثر نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں الزام غلط ہیں۔ ترکی خون میں بہت کم آمیزش ہوئی ہے اور وہ بھی بڑے بڑے شہروں میں اور ان لوگوں میں تہذیب بھی کافی موجود ہے۔

کھانے کا طریقہ ترک عموماً یورپین طریق پر میز پر بیٹھ کر چھری کانٹے کی مدد سے کھانا کھاتے ہیں۔ اور بجائے یورپ کی طرح کھانے کے مختلف کورس بار بار آنے کے

کبھی کبھی سب کھانے بڑے بڑے قابوں میں اسی میز پر چن دیئے جاتے ہیں اور کھانیوالے جسمیں سے چاہتے ہیں تھوڑا تھوڑا کھانا اپنی پلیٹوں میں نکال کر کھاتے ہیں پورانی طرز کے لوگ کبھی کبھی کانٹے کی بجائے ہاتھ سے بھی کھانا کھاتے ہیں۔ مگر چمچہ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ البتہ علما اور بعض عوام بجائے میز کے ایک پست سے تخت پوش یا چوکی پر کھانا رکھ لیتے ہیں اور اسکے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ زمین پر دسترخوان بچھانے سے یہ بھی بہت آرام کا طریق ہے۔ یہ لوگ صرف چمچہ اور وہ بھی چوبی استعمال کرتے ہیں۔ البتہ لو قنطوں میں علما بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ میزوں پر بیٹھکر کھاتے ہیں قسطنطنیہ میں کئی قسم کی عمدہ روٹیاں اور شیرمال بکتے ہیں۔ مگر ڈبل روٹی کا بھی عام رواج ہے اور نان بھی استعمال ہوتے ہیں۔

شادی کا کھانا میرے اثنائے قیام میں نصرت علی آفندی کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ میں بھی وہاں مدعو تھا۔ مہمانوں کے لئے صبح سے سہ پہر تک کھانے کا وقت مقرر تھا۔ جو دو چار آدمی آتے اُنہیں کھانا دیا جاتا۔ پہلے میز پر ایک قاب شادی کے چوربا (شوربا) کا لایا جاتا سب لوگ اپنے اپنے چمچوں سے اس قاب سے شوربا لیتے اور ڈبل روٹی کے ٹکڑہ کے ساتھ کھاتے۔ پھر پلاؤ آیا۔ پھر قورمہ اور زردہ۔ جسمیں آدھا پانی اور آدھے چاول تھے (ترکوں کے کھانوں میں پانی بہت ہوتا ہے) زردہ کے اوپر چند دانہ انار تازہ اور چند مغز پستہ رکھے تھے۔ دو ارمنی عورتیں میز پر خدمتگار کا کام کرتی تھیں اور کھانے لاتی جاتی تھیں۔ دونوں گندمی رنگ کی قبول صورت تھیں۔ نصرت علی صاحب نے میرے دریافت کرنے پر انہیں کہا کہ ارمنی آدھی عثمانی ہیں۔ اور اُنہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ کھانے سے پہلے اور اخیر پر بھی لوگوں کو ایک پر تکلف مندروں اور آرام کرسیوں سے سجے ہوئے ڈرائینگ روم میں لیجاکر بٹھلایا جاتا اور کھانے کے اخیر پر مقررہ قہوہ لایا جاتا۔ مگر اول ہر شخص کو ایک ایک ڈلی شیرینی کی کھانے کو دیجاتی۔ دُلہن کی عمر اٹھارہ سال کے قریب ہوگی۔ اس لئے لڑکیوں کے مدرسہ میں تعلیم پائی تھی اور بہت عمدہ سینی پروتی اور کشیدے کاڑھتی تھی۔

دولہا بائیس برس کا ہوگا نکاح کچھ عرصہ پہلے کر دیا گیا تھا۔ رسم شادی آج ادا کی گئی۔ اور رخصتانہ پرسوں ہونے والا تھا۔ آج مردوں کی ضیافت کا دن تھا۔ کل اور پرسوں عورتوں کی ضیافت ہونے والی تھی۔ واپسی پر راستہ میں سید عبدالغفار آفندی نے بیوک چارشو (بڑے بازار) سے دو فنجان قہوہ معہ چاندی کی تشتوں کے دو مجیدی کو خریدیں جو انکی اہلیہ صاحبہ کل دولہن کو بطور ہدیہ دینے جائیں گی۔ کیونکہ یورپ کی طرح دولہن کو حسب حیثیت احباب کے تحائف دینے کا یہاں بھی عام رواج ہے۔

رسم بسم اللہ | نصرت علی صاحب نے چھوٹی لڑکی کی رسم بسم اللہ بھی اسی تقریب کے ساتھ ادا کی تھی۔ لڑکی کو جو پانچ یا چھ سال کی ہوگی نئے کپڑے اور سر پر خوبصورت تاج پہنا کر گاڑی میں بٹھایا گیا تھا۔ اسکے گلے میں ایک سنہری کام والا جزدان ڈالا گیا تھا جیسے کہ قسطنطنیہ کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں پیچھے مکتب کے لڑکے یہ ترکی وعربی گیت گاتے جاتے تھے جیسے کہ ہمارے یہاں آمین کی ایک رسم کے وقت مکتب کے لڑکے سُبحان مَن یَرانِی گاتے ہیں جس سے نہایت دلچسپ سماں پیدا ہو گیا تھا۔

ربنا انا اعطینا ماترید وما تشا — قد وھبت رحمۃ منك الینا ماتشا
العباد یشکرون بالغداۃ والعشا — روز وشب اکرم دعا مز بادشاھم چوق یشا
حق ون اولدی التجامز صبح و اختشام — کشور شاہانہ یہ سلطان حمید ویردی نظام
حکم شرعی لی بجائیت الیمکدہ اہتمام — دائم اولسون شوکت ایلہ تا الی یوم القیام
روز وشب اکرم دعا مز بادشاہم چوق یشا

سلہ
آفتاب آسمان معدلت سلطان حمید — طوغدیغی گولذری ورجہانہ روز عید
پرتو ندن اولدی الحق جملہ عالم مستفید — عمر واقبال ہمایونک شہا اولسون مزید
روز وشب اکرم دعا مز بادشاہم چوق یشا

اچھا پانی | قسطنطنیہ میں پانی شہر سے باہر بہت دور دور سے بذریعہ بندوں اور نالیوں کے لایا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ قدیم رومی سلاطین نے شہر سے دور دور سے اچھا پانی لانیکے

سلہ اس میں فقط سلطان المعظم کی تعریف اور اُنکے حق میں دعا ہے۔

لیئے عالیشان تعمیرات بنائی تھیں ویسے ہی سلاطین عثمانی نے بھی وادیوں میں پانی جمع کرکے بذریعہ نلکوں کے شہر میں لانے کے لیئے بنائی ہیں۔ لیکن اعلیٰ درجہ کے لوگ اس عام پانی کی نسبت بعض ہاضم چشموں کا پانی پینا پسند کرتے ہیں جو شہر سے کچھ فاصلہ پر کئی جگہ پائے جاتے ہیں۔ یہ پانی بوتلوں میں بھر کر شہر میں لایا جاتا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں دس پارہ یا دو پیسہ کو ایک بوتل لیکر لوگ پیتے ہیں۔ اور اسے "اچھا پانی" کہکر پکارتے ہیں۔ احمد مدحت آفندی مشہور مصنف نے بھی ایسے پانی کی تجارت کر رکھی ہے۔ جب میں اُنکے یہاں گیا تھا تو انکے مکان کے پاس انکے دو سٹیمر ایسا پانی لانے والے کھڑے تھے۔ اور شہر میں ان کی اس پانی کے بیچنے کی دو کانیں ہیں۔

میوہ جات میوہ جات کی یہاں افراط ہے۔ خصوصاً انگور اور خربزہ جو عموماً لوقنطوں میں بھی کھانے کے ساتھ ملتے ہیں نہایت لذیذ ہوتے ہیں قسطنطنیہ اور نواح میں انواع و اقسام کے انگور پیدا ہوتے ہیں۔ ترکوں میں روٹی کے ساتھ بھی انگور (اوزم) کھانے کا رواج ہے اور حقیقت میں یہ بہت مزہ دار کھانا ہوتا ہے۔ ترکوں میں یہ فارسی شعر اسکے متعلق مشہور ہے۔

خداوندے کہ ہست از خواب و خور دور   اگر خوردے بخوردے نان و انگور

قہوہ خانے اور قہوہ یہاں کے قہوہ خانے گو ویانا اور پیرس کے سے شاندار تو نہیں۔ تاہم ان کی نقل ضرور ہیں اور یہاں بڑے غنیمت ہیں۔ میزیں یہاں بھی سفید سنگ مرمر کی رکھی ہوئی ہیں۔ بعض قہوہ خانوں میں لوگ صرف درختوں کے نیچے یا آسمان کے سائبان کے نیچے بھی بیٹھتے ہیں اور کھلے بازاروں میں بیٹھتے ہیں۔ لیکن سب سے اچھے قہوہ خانے باسفورس کے کنارہ پر ہیں۔ غریب لوگوں کے قہوہ خانے ہیں جنمیں خرچ بھی تھوڑا ہوتا ہے۔ قہوہ پینا تو ترکوں کی گھٹی میں داخل ہے۔ لیکن یہ پیرس کے "کافی او لے" یا ویانا یا برلن کی "بلیچ کافی" یا لنڈن کی "ملک کافی" یعنی شیر دار قہوہ نہیں بلکہ وہ سیاہ رنگ غلیظ اور تلخ سیال مادہ ہے جو ایک مرغی کے انڈے کے برابر پیالی میں ڈالکر یہ لوگ پیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اور ضروری سمجھتے ہیں کہ ہر مہمان یا ملاقاتی بھی اسے ضرور پیئے۔ میں بھی یہاں اسے بار بار پیتا رہا۔ کیونکہ خواہ تم دن میں دس شخصوں کے یہاں

جاؤ ان میں سے ہر ایک تمہیں قہوہ پلانا اپنا اخلاقی اور انسانی فرض سمجھے گا اور پاس جتنے اور لوگ بیٹھے ہوں اُنہیں بھی دیا جائیگا۔ یہانتک کہ سرکاری دفتروں تک میں دفتروں کے اہلکار اپنے ملاقاتیوں اور مہمانوں کی قہوہ سے تواضع کرتے ہیں اور دفتروں میں قہوہ تیار کرنے والے ملازم مقرر ہیں جو ہر دم حکم پر قہوہ پلاتے رہتے ہیں۔ امرا کے گھروں میں قہوہ تیار کرنیوالے ملازم خاص ہوتے ہیں۔ ان کا کام سوائے بڑی احتیاط اور عمدگی سے قہوہ تیار کر کے اپنے مالکوں کو پلانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ کہیں کہیں جو کسی صاحب کے پاس ذرا زیادہ دیر بیٹھنے کا موقعہ ہوا تو قہوہ نے دوسری دفعہ بلکہ تیسری دفعہ بھی اپنی سیاہ شکل آ دکھلائی۔ مگر ننھی سی پیالی میں جسکو فنجاں کہتے ہیں یہ سیال یا مرکب چند قطرات سے زیادہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ زیادہ حصہ تلچھٹ سے بھرا ہوا ہوتا ہے جو چھوڑ دیا جاتا ہے مزہ یہ ہے کہ باوجودیکہ شیرینی ڈالنے سے بھی یہ بہت خوش مزہ شربت نہیں بنتا۔ مگر کھانے کے بعد ترک تلخ قہوہ پیتے ہیں جو میری رائے میں کریلا اور نیم چڑھا سے کم نہیں ہوتا۔ مگر یہاں یہ چیز شاہ پسند ہے۔ قدیم الایام سے ترک سلاطین کے وظیفہ کے ساتھ کئی لاکھ سالانہ کی رقم بطور خرچ قہوہ کے مقرر چلی آتی ہے۔ غرض ترکوں میں قہوہ سب سے بڑی تواضع ہے جیسا کہ کسی ایرانی کے اس ترکی شعر سے ظاہر ہے ؎

اہل ترکان آرہ سندہ بر تواضع بس بتون
ایکی فنجان قہوہ سندہ بر لولہ کسکیں تتون

(یعنے ترکوں کے درمیان یہی تواضع کافی ہے کہ قہوہ کی دو پیالیوں کے ساتھ ایک گولا تیز تمباکو کا پیتے ہیں) اسکے جواب میں ترک ایرانیوں کو یہ شعر سناتے ہیں ؎

عطائے بزرگان ایران زمین
دو فنجان چاد است و صد آفرین

قہوہ خانوں میں بیٹھنے کی جگہ اچھی ہوتی ہے۔ اور جو شخص ایک پیالی قہوہ کی لے وہ جتنی دیر چاہے بیٹھا رہے۔ مینے ایک شخص کو کہا کہ اس قہوہ میں تمہیں کیا لطف آتا ہے۔ اس نے مجھے ایک عرب کا شعر اس کی مذمت میں سنایا جو میری طرح یہاں نووارد تھا

اور اس قہوہ سے بیزار تھا۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس قہوہ میں تین صفات ہیں جو تینوں دوزخ کی ہیں۔ یعنی جلا ہوا۔ کڑوا اور سیاہ۔ ہر ملکے وہر رسمے بہت درست ہے اجنبی کے لئے اہل استنبول کے اوضاع واطوار اور زبان سے واقف ہونے یا ملاقات پیدا کرنیکا یہ قہوہ خانے بہت عمدہ ذریعہ ہیں۔ ہر قسم کے لوگ فرصت کے وقت یہاں تھوڑی سی دیر بیٹھتے اور دل بہلاتے ہیں۔ یہاں روزانہ اخبار پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اور لمبے لمبے پیچوان والے شیشہ کے حقے پینے کو۔ شطرنج اور بلئرڈ کھیلنے کو۔ لیکن قسطنطنیہ میں دستور ہے کہ شام کے بعد جبتک عشا کی نماز نہ ہوجائے کوئی شطرنج وغیرہ کھیل نہیں کھیلا جاتا جس سے اسلام کا اعزاز مدنظر ہے۔ کھانیکے بعد یہاں عموماً تلخ قہوہ پیتے ہیں۔ لیکن میں شکر لی (شیریں) مانگ لیتا تھا۔

لوقنطے۔ یہاں کے رسٹوران یا لوقنطے بہت اچھے ہیں۔ گو غریب لوگ صرف روٹی اور انگور لیکر پیٹ بھر لیتے ہیں یا صرف روٹی اور کباب پر بھی گذارہ کرتے ہیں جس سے دو آنہ سے ایک جوان شکم سیر ہو سکتا ہے۔ لیکن عام لوگ جن رسٹارنٹوں میں کھانا کھاتے ہیں (اور معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کیطرح یہاں بھی ہزاروں مرو گھروں میں کھانا نہیں کھاتے اور رسٹارنٹوں سے گذارہ کرتے ہیں) ان میں بہت عمدہ کھانے ملتے ہیں رسٹوران کے کھانوں کی ایک فہرست سے جو آگے چلکر درج کی جاتی ہے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسطرح ان لوگوں نے یورپ اور ایشیا کے کھانوں کو مخلوط کر لیا ہے گو اچھے سے اچھے کباب اور پلاؤ اور سالن مشرقی طریق کے یہاں ملتے ہیں مگر چھ آنے سے بارہ چودہ آنے تک ایک شخص کا ایک وقت کا خرچ ہوتا ہے جو یورپ کے شہروں سے آدھا بھی نہیں۔ لیکن پل غلاطہ کے سامنے کے بہت عمدہ لوقنطہ میں کہ جسے عثمانی لوقنطہ کہتے ہیں جو دراصل عیسائیوں کا رسٹوران ہے اس سے دوگنا تگنا خرچ ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں کھانا بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے معزز لوگ اور افسر یہاں کھانے کو آتے تھے۔ یہاں ایک نوجوان ترک عبداللہ جو یورپین سیاحوں کا ترجمان ہے۔ اور انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی۔ روسی۔ یونانی بلغاری اور ترکی سات آٹھ زبانیں

جانتا ہے مجھے ملا۔ اور قہوہ سے میری تواضع کی۔ اور کہنے لگا کہ مینے آجتک یہاں کبھی معزز ہندوستانی مسلمان نہیں دیکھا۔ ان لوقنطوں میں یورپین طریقوں نے یہانتک نفوذ کیا ہے کہ مہمان جب میز پر بیٹھتا ہے تو یورپ کے رسٹارنٹوں کی طرح کھانوں کا کاغذ بھی اُسکے سامنے رکھدیا جاتا ہے کہ جسے جرمن "سپائیز کارٹ" کہتے ہیں۔ اسپر سب کھانوں اور میوہ جات وغیرہ کے نام چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور کچھ جگہ خالی چھوڑی جاتی ہے۔ لیکن جو اس روز موجود نہیں ہوتے وہ نام کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور خالی جگہ نئے کھانوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ عربی بولنے والوں اور ترکی بولنے والوں کے لوقنطے علیحدہ علیحدہ ہیں جہاں ویسے ہی گاہک بھی جاتے ہیں۔ بہت سے لوقنطے عیسائیوں کے ہیں۔ لیکن وہاں مسلمان بلکہ علما بھی کھانا کھاتے ہیں۔

بعض ترکی کھانے یہ بے انصافی کی بات ہوگی کہ میں ترکی کھانوں کے لطف میں ناظرین کو شریک نہ کروں۔ اس بہت طول طول دلچسپ فہرست کے سرے پر ایک صاحب "چوربا" نامی ممتاز ہیں۔ چوربا ہمارے شوربا کی دوسری شکل ہے لیکن اسکے نام میں اتنا تغیر نہیں ہوا جتنا کہ ترکوں نے اسکی شکل میں کردیا ہے۔ خصوصاً شادی کا چوربا ایک عجیب چیز ہے۔ یہ بڑے تکلف کا کھانا ہوتا ہے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ کم ہندوستانی اسے پسند کرینگے۔ نمک اور مرچ سے ترک بھی زیادہ آشنا نہیں۔ ہلدی سے بھی زیادہ واقف نہیں تاہم بعض کھانے بہت عمدہ ہیں۔ ایک کھانے کا نام دولمہ ہے جو ٹماٹر (ولایتی بینگن) سے بنتا ہے۔ جسکو عرب اور مصری (بیبی ڈورا) کہتے ہیں۔ غرض بینگن یا کدو یا کھیرا اندر سے خالی کرکے انکے جوف میں قیمہ اور چاول پکا کر بھر دیئے جاتے ہیں اور پھر انہیں پکایا جاتا ہے جو لذیذ بن جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کتاب میں تمام ترکی کھانوں کی ترکیبیں سننے کی مجھ سے امید نہیں رکھیں گے۔ صرف خشلمات کے ذکر پر اسکو ختم کرتا ہوں۔ ہندوستان میں اسے یخنی کہتے ہیں۔ میں ایک روز ایک ترکی لوقنطہ (رسٹورانٹ)

میں کھانا کھانے گیا۔ اور کھانوں کی فہرست کو دیکھکر مینے لوقنطہ کے ملازموں پر اپنی کھانوں کے ناموں کی ناواقفیت ظاہر کرنی مناسب نہ سمجھی مینے خشلما کا نام معتبر سمجھکر اُسے طلب کیا تو میرے سامنے یخنی رکھی گئی۔ مینے سمجھا خدمتگار کو میری بات کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے مینے دوبارہ بطور تاکید اُسے خشلما کا نام دکھلایا تو ثابت ہوا کہ مینے اسی کی فرمائش کی تھی اور بے رنگ اور بے بو یخنی کا پیالہ بلا رغبت پینا پڑا کیونکہ اسپر پیسے خرچ ہوچکے تھے۔

ایک اول درجہ کے لوقنطہ کے کھانوں کی فہرست

ذیل میں میں ایک ترکی لوقنطہ کے روزانہ کھانوں کی فہرست بعینہٖ معہ بعض کھانوں کے ناموں کے ترجمہ کے درج کردیتا ہوں تاکہ ناظرین اندازہ کرسکیں کہ ترک کیا کیا کھاتے ہیں بعض کھانوں کے نام اس فہرست پر چھپے ہوئے تھے اور بعض قلمی۔ اور سب کی قیمت قلمی لکھی جاتی ہے۔

لوقنطہ عثمانیہ عمومی حاجی ابراهیم

(استنبولدہ حمیدیہ جادہ سندہ نومرو ۵۴) ۱۵ دسمبر ۱۳۰۷ سنہ

پارہ	غرش		پارہ	غرش	
	۱	ائت صوئی (سوپ)	۲۰	۲	ات خشلماسی (اَت بمعنے گوشت)
	۱	چوربا (شوربا)		۲	دانہ (بچھڑا)
	۱	شعریّہ (سویّاں)		۳	بلبیچ (مرغ بریاں)
۲۰	۱	مقارنہ صالچہ لی (مکرونی)		۳	” صغوق (سرد)
۲۰	۱	قیون پاچہ سی (بکری کا پاچہ)		۳	” بکندیلی
۲۰	۱	پیلاوٗ (پلاؤ)		۳	” اکشیلی (لیمون وبیضہ)
	۳	” پلچلی (چوزہ پلاؤ)	۲۰	۲	نان کباب
	۲	صوبورکی (گوشت)		۲	ازمیر کوفتہ سی (سمرنا کے کوفتے)
۲۰	۲	ات قرازتمہ ی (ات۔ گوشت)		۴	فیلہ صوتہ

[illegible]	غروش		[illegible]	غروش	
۲۰	۲	بوط قرازتمہ (ران)		۴	فیلہ بیورطہ لی
۲۰	۲	بوط فرونی (فرون۔تنور)	۲۰	۴	،، بزیالی ومنطارلی
۲۰	۳	بوط صغوق	۲۰	۲	قوتلمت پانہ (کٹلٹ)
	۳	سبزہ لی کباب (کباب و سبزی)	۲۰	۲	اوملت (اومیلیٹ)
	۳	یوغورت لی کباب (جغرات والے)	۲۰	۲	صحاندہ بیورطہ (انڈہ)
	۲	طاس کباب		۳	،، پنیرلی وقیمہ لی (معہ پنیر و قیمہ)
	۲	اورنان کباب (اورماں جنگل)	۲۰	۲	بیں صابچلی وطواسی (مغز)
	۲	آوجی (شکار)			سبزوات (ترکاریاں)
۲۰	۲	بغچہ بان کباب		۲	بامیہ ات لی (گوشت بھنڈی)
	۲	کوفتہ کیمیہ ولی اسقرہ (قسم کباب)		۲	ورلوگودہ جی (ایک قسم کی حلیم)
	۳	جگرتوا وصوتالی	۲۰	۲	طومالس طولمہ سی (ٹماٹر)
	۳	لبکرک (گردہ)		۳	اسپناق کباب لی (پالک معہ کباب)
	۲	شیش کباب (سیخ کباب)		۳	،، بوطہ لی (معہ بیضہ)
۲۰	۲	لوط اسقرہ (اندرون ران)		۳	باونجان معہ سقہ (بینگن گوشت)
۲۰	۲	قیون کلباستی (بکری کے گوشت کا پارچہ)		۳	باونجان سلکہ (بینگن بلا بصل و مصالح)
	۳	لحانہ (بچھڑا)		۳	،، بورہ کی۔
	۳	بوقتک اسقرہ (بلا ہڈی گوشت کا ٹکڑہ)	۲۰	۲	قباق طولمہ سی (کدو کا دولمہ)
۲۰	۳	بوقتک بیورطہ لی (ایضاً معہ بیضہ مرغ)			زیتون یاغلی (روغن زیتون والے کھانے)
	۴	،، بزلیالی و منطارلی (ایضاً معہ مٹر و کھمب)		۲	باونجان طولمہ سی (بینگن معہ روغن زیتون)
				۲	بامیہ (بھنڈی معہ زیتون)
۲۰	۳	فیلہ طو اسقرہ		۲	چاقی فصولیہ سی (باقلہ معہ ایضاً)
		سلاتہ لر (سلاد کے اقسام	۲۰	۱	محلبی (فرنی)

پارہ	غروش	
	۱	سیاہ خاویار
	۱	پیشل " (سبز)
		بالقلر (مچھلی کے اقسام)
	۲	قلیج شیش (کباب ماہی)
		کمپوستو (حلویات۔ مربہ جات)
	۲	الما (سیب)
	۲	بقلوہ (قسم مٹھائی) پراٹھے کیطرح سہ شکر یا بلا شکر)
	۲	صاقصی بورم (قسم از حلوہ)
۲۰	۱	صوت لاج (کھیر)
۲۰	۱	اربیک حلوہ سی (سوجی کا حلوہ)

پارہ	غروش	
		میوہ لر (میوے)
	۲	اوزوم (انگور)
	۲	قالوون (بطیخ)
	۲	قارپوز (خربزہ)
		پنیرلر (اقسام پنیر)
	۱	بیض (سفید)
	۱	قاشر (گول)
۲۰	۱	فلمنگ (ہالینڈ)
۲۰	۱	غرادیر
۲۰		قہوہ

مکانات کی وضع اور منظر

ترکی مکانات میں بخلاف ہندوستانی مکانات کے صحن نہیں ہوتے کیونکہ یہ سرد ملک ہے اور مکان جو زیادہ تر لکڑی اور شیشہ کے ہوتے ہیں تین تین چار چار منزلوں کے بنائے جاتے ہیں۔ نچلی منزل میں عموماً باورچی خانہ اور گودام رکھا جاتا ہے۔ بعض مکانات کے پہلو میں یا احاطہ کے اندر خانہ باغ بھی ہوتا ہے کیونکہ میں جہاں سید عبدالغفار صاحب کے مکان میں رہا تھا ہر چند کہ مکان چھوٹا ہی تھا لیکن اُسکے بھی ایک پہلو میں بہت چھوٹا سا گلبن تھا۔ اور نصرت علی صاحب کے مکان کے پیچھے بھی ایک باغ تھا جو محلہ بھر کا مشترکہ تھا۔ کئی محلوں میں ایسے مشترکہ باغ بھی ہیں گھروں کے اندر کی صفائی نہایت مبالغہ سے کی جاتی ہے ہاتھ منہ دھونے کا باسن جیساکہ ریل کے پہلے دوسرے درجہ میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور پاخانہ کا مقام عموماً سنگ مرمر کے بنے ہوئے ترکی گھروں میں ہوتے ہیں۔ کیا مجال ہے کہیں ایک تنکا بھی پڑا ہو اور گرد کا نام و نشان بھی پایا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں ہندوستان کی طرح آندھیاں تو آتی نہیں

نہ اتنا گردہ ہی موجود ہے۔ امرا کے مکانات کے فرش جو سنگ مرمر وغیرہ پتھروں کے ہوتے ہیں ہفتہ وار دھوئے جاتے ہیں۔ صاحب خانہ بیگم خود نوکرانیوں کو ساتھ لیکر صفائی کراتی ہیں۔ یہاں گھروں کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں اور جب کوئی باہر سے آکر دروازہ کھٹکھٹائے تو صاحب خانہ یا انکی خادمہ اندر سے دروازہ کھولتی ہے۔ اور اُسے داخل کر کے پھر دروازہ بند کر لیتے ہیں جیسا کہ تمام یورپ میں بھی دستور ہے۔ گھروں کے اندر فرش علی قدر حیثیت ضرور ہوتا ہے۔ امرا کے گھروں میں اعلیٰ درجہ کے ترکی قالین ہوتے ہیں لیکن غربا کے گھروں میں بھی بوریا کے فرش پر ایک آدھ قالین ضرور ہوتا ہے۔ اور صفائی تو ایسی ہوتی ہے کہ ایک حمال کے گھر میں بھی دو تولے گردہ نہیں مل سکیگا۔ جن لوگوں کو سلاملق اور حرملق کے لئے علیحدہ علیحدہ مکانات رکھنے کا مقدور نہیں وہ اپنے مرد دوستوں سے گھر کے اندر ہی پردہ کرا کر ایک کمرہ میں ملاقات کرتے ہیں۔ بیٹھنے اور کھانے کے کمرے عموماً علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

زمین پر سونا قسطنطنیہ میں ترک چارپائی یا کوچ پر نہیں سوتے بلکہ زمین پر بستر بچھا کر سوتے ہیں۔ زمین پر دو تین موٹے موٹے گدیلے بچھا دیتے ہیں جنکی موٹائی بالشت بھر اونچی ہو جاتی ہے۔ اور صبح کو اُٹھکر ان گدیلوں کو لپیٹ کر الماریوں میں بند کر دیا جاتا ہے جو اسی غرض کے لئے دیواروں میں لگائی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اسی کمرہ کو نشستگاہ وغیرہ کے کام میں لاتے ہیں۔ اور بارہ مہینے مکانوں کے اندر رہتے ہیں کیونکہ یہ سرد ملک ہے۔

چوبی مکانات چونکہ قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ چنانچہ آخری بڑا زلزلہ ۱۸۹۴ء میں آیا تھا جس سے بڑی بڑی عالیشان مساجد اور قدیم زمانہ کی نہایت مضبوط تعمیرات کو بھی بہت نقصان پہنچا تھا اسلئے یہاں مکانات عموماً لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ گو بعض اُمرا کے عالیشان مکانات کوشکیں[۱] اور کنار بحر پر یالیاں[۲] ہیں اور کئی سلطانی سرائیں[۳] (محلات) سنگ مرمر اور سنگ رخام کے بڑے بڑے سنگین بھی ہیں۔ مگر عام

[۱] کوشک یا کشک محلات۔ یالی یا یالی مکان برلب بحر۔ قوناق مکان خورد یا بزرگ اندرون آبادی

[۳] سرائے کا لفظ صرف سلطانی محلات سے مخصوص ہے۔

چوبی مکانات ہیں۔ بوجہ چوبی مکانات کے شہر میں آتشزدگی کی وارداتیں بہت ہوتی ہیں۔ احمد مدحت صاحب افسر محکمہ صحت عامہ نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں آتشزدگی کی وارداتیں اتنی ہوتی ہیں کہ بیمہ کمپنیوں نے اندازہ کیا ہے کہ ہر تیس سال کے اندر شہر بالکل نیا تعمیر ہو جاتا ہے۔

آگ بجھانے کے سامان

آگ بجھانے کے لئے گو اب کچھ عرصہ سے ایک فائر بریگیڈ بھی قایم ہوا ہے، لیکن ابھی اسکی ایسی اچھی حالت نہیں ہو سکتی جیسی کہ لنڈن یا برلن میں ہے۔ برلن میں انٹر ڈر لنڈن (سب سے بڑے بازار) کے ایک دروازہ میں تین راستے ہیں۔ دو راستوں سے عام لوگ گذرتے ہیں، لیکن بیچ کا راستہ صرف قیصر جرمنی کے استعمال کے لئے مخصوص ہے اور اسکے بعد آگ بجھانے کا انجن بھی اس میں سے گذر سکتا ہے۔ لیکن جس طرح برلن کے اس نہایت وسیع بازار کے مقابلہ میں قسطنطنیہ کے تنگ اور پیچیدہ کوچے کوئی نسبت نہیں رکھتے ویسے ہی یہاں کے فائر بریگیڈ کی حالت بھی سمجھنی چاہیئے۔ چونکہ قسطنطنیہ کے اکثر بازار اور کوچے بہت تنگ ہیں اسلئے یہاں آگ بجھانے کے ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے انجن صندوقوں کی شکل کے مروج ہیں کہ جو ہر محلہ میں ایک ایک رکھا ہوا ہے۔ آگ کی اطلاع ملنے پر انہیں آگ بجھانے والے فوراً کندھوں پر اٹھا کر مقام آتشزدگی کو بھاگ جاتے ہیں، اگر رات ہو تو ایک شخص "یانگن وار۔ یانگن وار" (یعنے آگ ہے آگ ہے) پکارتا ہوا کوچوں میں سے گذر جاتا ہے۔ محلہ کے چند بیکاروں اور آوارہ لوگوں کو سرکار کی طرف سے ہر روز کی روٹی اور کپڑا ملتا ہے اور اسکے عوض میں جب انہیں آگ کی خبر پہنچے تو وہ فوراً انجن کندھوں پر اٹھا کر آتشزدگی کے مقام کیطرف بھاگ جاتے ہیں۔ دس پانچ تو ان میں اہل خدمت ہوتے ہیں اور کئی اور بیفکرے ساتھ ملجاتے ہیں۔ مگر یہ بھی شکایت ہے کہ بعض دفعہ جس گھر میں آگ لگتی ہے بدمعاش لوگ آگ بجھانیکے بہانہ سے کچھ اسکا اسباب بھی لے اڑتے ہیں۔ سوائے ان پانی اچھالنے کے انجنوں کے آگ بجھانیوالی ایک جماعت کلہاڑیوں اور آہنی نوک والی بانسوں سے

مسلح ہوتی ہے۔ جو آتشزدہ چوبی مکانات کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔

آگ کی اطلاع کے مینار آتشزدگی سے تمام شہر کو اطلاع دینے کے لئے تین بلند مقامات پر مینار بنائے گئے ہیں۔ غلاطہ مینار پر غلاطہ میں مینار سر عسکر پر استنبول میں اور کاندلی کے نیچے ایک بلند پہاڑی پر سقوطری میں۔ ان دیدبانوں کو جب کبھی کہیں آگ نظر آتی ہے تو یہ فوراً دن کے وقت ان میناروں سے ایک سرخ گولا آویزاں کرتے ہیں اور رات کے وقت ایک سرخ غبارہ روشن کر کے بلند کرتے ہیں تو اس سٹیشن کے قریب سے توپ چلائی جاتی ہے۔ مینار سر عسکری سے گولے چلائے جاتے ہیں۔ اور مینار غلاطہ سے دن کو جھنڈیاں بلند کی جاتی ہیں جنکی تعداد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسے حصہ شہر میں آگ لگی ہے۔ اور رات کو لالٹینیں دکھلائی جاتی ہیں۔

حمال یہاں کے حمال واقعی ایک خاص جماعت ہے۔ یہ بہت سا بوجھ پیٹھ پر اُٹھا کر بڑے طمطراق سے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ اور واقعی اتنا بوجھ اُٹھاتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ کیوں اسکے نیچے دب کر گر نہیں پڑتے ان کا بھی ایک میر یعنے افسر ہوتا ہے جیسے کہ یہاں۔ باقی تمام پیشہ وروں کے بھی ہیں۔ اور مختلف گروہوں نے آپس کی قرار داد سے شہر کے مختلف حصّے آپسمیں بانٹے ہوئے ہیں۔ ایک روز ایک نووارد یورپین نے ایک ایسے حمال کو ایک بلند راستہ پر چڑھتے ہوئے دیکھکر عجیب پُر مذاق ریمارک کیا۔ اس نے کہا کہ یورپ کے انسداد ظلم حیوانات کی انجمنوں کو قسطنطنیہ کے حمال کیطرف بھی ضرور توجہ کرنی چاہیئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عموماً یہ بڑے بڑے مضبوط اور تناور ارمنی ایشیا کوچک سے آتے ہیں۔ اور انہیں اتنے بوجھ کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔

بوٹ صاف کرنیوالے قسطنطنیہ میں بوٹ صاف کرنیوالے بہت کثرت سے ہیں اور ان کے اڈے ان کے ہم پیشہ لوگوں پیرس اور لنڈن سے زیادہ خوبصورت بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بخلاف انکے یہ روغن کی شیشیوں کی

ایک چھوٹی سی الماری اور بیٹھنے کو ایک چوکی گویا ایک خاصی چھوٹی سی دوکان ساتھ رکھتے ہیں۔ اور بوٹ کو بھی بڑی محنت سے صاف کر کے شیشہ بنا دیتے ہیں۔

کُتّے

یوروپین سیاحوں کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ قسطنطنیہ کی گلی کوچوں میں کتے بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور یہ ویسے خوبصورت اور پلے ہوئے بھی نہیں ہوتے جیسے کہ یورپ میں پالتو کتے ہوتے ہیں۔ مگر ایسے خارشتی اور اپاہج بھی نہیں ہوتے جیسے کہ ہر ایک یوروپین سیاح اپنے سفرنامہ میں انہیں ظاہر کرتا ہے۔ ان کتوں کی کثرت کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ یورپ کے دوسرے شہروں میں چونکہ عیسائی لوگ کتوں کو گھروں میں پالتے ہیں۔ یہانتک کہ لیڈیاں دن کو بھی انہیں بغل میں دبائے پھرتی ہیں یا مرد اپنے ہمراہ لئے پھرتے ہیں اور کتے کو انسان کا سب سے بڑا دوست اور خادم سمجھتے ہیں۔ بخلاف اسکے ترک اپنے مذہب کے رو سے کتے کو نجس سمجھتے ہیں اسلئے اسے گھروں میں نہیں گھسنے دیتے اور سب کتے بازاروں اور کوچوں میں ہی جمع رہتے ہیں تو انکی جمعیت بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ اسلئے یہ ایسے طمطراق سے سڑکوں کے بیچ میں ہو کر بیٹھتے ہیں کہ انہیں گاڑیوں کے گذرنے کا بھی کچھ خوف نہیں ہوتا۔ گاڑیبان بھی جہانتک ہو سکتا ہے کتے کو گاڑی کے نیچے دب جانے سے بچاتے ہیں۔ خواہ انہیں چکر کاٹ کر گاڑی گذارنی پڑے۔ ان کتوں نے شہر کے مختلف حلقے آپسمیں تقسیم کر رکھے ہیں۔ اسلئے اگر کوئی کتا اجنبی کسی دوسرے علاقہ میں چلا جائے یا کوئی کتا اپنے مالک کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو یہ اسپر سخت حملے کرتے ہیں اور اسکی گت بناتے ہیں۔ گو گلیوں کی غلاظت پر بھی انکی گذراوقات ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ تر رحمدل ترک انہیں ارادتاً روٹی ٹکڑا گھروں سے لاکر دیتے ہیں۔ میرا میزبان بعض اوقات کھانا کھا کر ہاتھ میں دو ایک روٹیاں پکڑ لاتا تھا اور توڑ کر گلی کے کتوں کو ڈال دیتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہت لوگ ایسا ہی کرتے ہوں گے۔ کیونکہ کتے لوگوں کے گھروں کے اندر تو بوجہ گھروں کے دروازے ہمیشہ بند رہنے کے کبھی گھس ہی نہیں سکتے۔ ایک روز میں ایک قبرستان کا سنگ مزار

پڑھ رہا تھا تو وہاں دو شخصوں کی قبروں پر ان کا عہدہ سگباشی پڑھکر مجھے حیرت ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یعنی چری فوج کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں سگبان کا عہدہ بھی ہوتا تھا جو شہر کے کتّوں کو کھانا دینے کا ایک صیغہ تھا مگر ان لوگوں کے ساتھ ہی وہ سلسلہ بند ہو گیا۔ کتّوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دفعہ سلطان عبد العزیز نے کتّوں سے تنگ آ کر اور اُنہیں جہاز میں بھر کر ایک غیر آباد جزیرے میں بھجوا دیا تھا۔ اس پر کسی شخص نے کتّے کی زبانی ایک مؤثر اپیل کسی اخبار میں چھپوائی۔ اسے پڑھ کر سلطان نے پھر کتّوں کو قسطنطنیہ میں بلا لیا۔ اسی طرح ایک قدیم روایت مشہور ہے کہ ترکوں کی سلطنت کے ابتدا میں ایک مرتبہ غنیم نے شہر پناہ کے نیچے سرنگ لگائی کہ جسکا پتہ کتّوں نے بھونک بھونک کر لگایا جس پر لوگوں نے غنیم کو بھگا دیا۔ اور کتّوں کی زیادہ توجہ سے خدمت کرنے لگے۔ بہرحال کتّے قسطنطنیہ کا ایک خاص انسٹی ٹیوشن ہیں جو ترکوں کی رحمدلی کی بنیاد پر قائم ہے۔

دندان شکن جواب انگریزی میں "ڈائری آف این آئیڈل وومن ان کانسٹنٹی نوپل" ایک بہت اچھی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جو ایک انگریز عورت نے لکھی ہے جو بڑی عالمہ اور تاریخدان معلوم ہوتی ہے۔ مگر بدنصیبی سے اسے ترکوں میں کوئی بات پسند نہیں آتی۔ وہ اُنہیں جاہل اور نیم وحشی کہتی ہے اور ان کی ہر بات میں نقص بتلاتی ہے۔ قسطنطنیہ کے کتّوں سے ان میم صاحبہ نے بڑی ہمدردی ظاہر کی ہے۔ یہ کہتی ہیں۔ یہ ترکوں کی رحمدلی نہیں ظلم ہے کہ وہ ان بے زبانوں کو ایسی بُری طرح رکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں مار ڈالیں اور اس عذاب سے انہیں نجات دیں کہ جس میں فاقہ کشی کی وجہ سے یہ مبتلا ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ یورپ میں کتّوں کی آنکھ میں جو روشنی اور محبت کی گرمجوشی ہوتی ہے۔ میں نے قسطنطنیہ کے کتّوں کی آنکھ میں نہیں پائی۔ ایک اور انگریز لیڈی جو پروفیسر میکسمولر جیسے عالم کی بی بی ہیں وہ اپنے سفرنامہ قسطنطنیہ میں لکھتی ہیں کہ مجھے تو یہاں کے کتے

ذرا برے نہیں معلوم ہوتے۔ اور نہ اُن سے ایسی زیادہ بدسلوکی ہوتی ہے تاہم وہ لکھتی ہیں۔ بیشک قسطنطنیہ کی گلیوں میں کتے بھی بہت ہیں۔ حمال بھی ہیں گلیاں بھی تنگ ہیں۔ مگر یورپ کی گلیوں اور بازاروں کی طرح ان میں شرابی زن و مرد گرے پڑے نظر نہیں آتے کہ جہاں شراب اکثر جرموں کی ذمہ دار ہے۔ اور نہ

فاحشہ عورتوں کا نام و نشان نہیں

کھلے بندوں رنڈیاں پھرتی ہیں۔ واضح رہے کہ اسلامی قانون کی نظر میں تمام سلطنت عثمانیہ میں کوئی فاحشہ عورت تسلیم نہیں کیجاتی۔ گو ایک شامی نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں سترہ ہزار رنڈیاں ہیں۔ شاید ایسا ہو۔ کیونکہ اتنا بڑا اغدار شہر ہے جس میں آدھے سے زیادہ آبادی عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کی ہے۔ تاہم وہ سر بازار فحش کے لئے نہیں بیٹھ سکتیں جیسا کہ کرسچن یورپ میں دستور ہے کہ جہاں پادری صاحبان اتوار کو تعطیل کرانا مذہبًا ضروری سمجھتے ہیں بلکہ کوئی مسلمان عورت رنڈی نہیں بن سکتی۔ ورنہ اسکی زناکاری ظاہر ہونے پر مرد اور عورت دونوں کو شرعی تعذیر دی جاتی ہے۔

مسلمانوں کو شرعی سزائیں

اگر مسلمان مرد کسی عورت کے مکان میں پکڑا جائے۔ تو اسے تین روز تک محبوس کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی رمضان میں کوئی مسلمان بازار میں کھاتا ہوا پکڑا جائے تو اُسے سزا دیجاتی ہے۔ یا مسلمان بدمست بازار میں پایا جائے تو اُسے تنبیہ کیجاتی ہے۔ مگر کبھی کوئی مسلمان شاذ و نادر ہی اس حالت میں پایا جاتا ہوگا۔ تمام یورپ کے فوجی سپاہیوں کے لئے شراب کھانے پینے کا ایک ضروری جزو ہے مگر ترک سپاہی اسکے نام تک سے آشنا نہیں۔ اور یہ اسلام کی ایک بہت بڑی برکت ہے۔

ترکی حمام اور حجام

اگر کسی ترکی چیز نے یورپ بھر میں غیر معمولی عزت اور شہرت حاصل کی ہے تو وہ ترکی حمام اور ترکی تولئے ہیں ٹرکش باتھ اور ٹرکش ٹاؤل عیش تفریح اور حفظ صحت کے بہت اعلیٰ وسائل سمجھے جاتے ہیں

اور انکی نقل کرنے کی ہر جگہ کوشش کی جاتی ہے قسطنطنیہ میں پہنچکر طبعاً ہر سیاح کو ترکی حمام کے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ میں اپنا حمام اور حجام کا پہلا تجربہ یہاں نقل کرتا ہوں کیونکہ حجام بھی حمام کا ایک جزو سمجھے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو حمام کے اندر ہی حجامت کراتے ہیں۔ مگر بعض حماموں کی دوکانوں پر کراتے ہیں۔ حجام کی دوکان بڑے بڑے شیشوں اور عطر و خوشبو کی شیشیوں سے خوب سجی ہوئی ہوتی ہے، ایک یا دو الماریاں ترکی تولیوں سے پُر ہوتی ہیں۔ مجھے حجام نے ایک خاص حجامت کی کرسی پر ایک بڑے شیشہ کے سامنے بٹھلا دیا اور خوب طرح گردن کے گرد لپیٹ دیئے تاکہ ایک کٹا ہوا بال بھی کپڑوں پر نہ پڑے اور پھر قینچی کے استرہ سے حجامت کر دی۔ حجامت کے بعد بال بہت احتیاط سے صاف کئے۔ غالباً حجامت کے اس طریقہ میں یورپین رواج بہت کچھ داخل ہو گیا ہے۔ تاہم قسطنطنیہ سے لیکر شام اور مصر تک حجام کی دوکانیں سب جگہ بہت نفیس اور دلکش دیکھی گئی ہیں۔ میں نے حجامت کی اُجرت دریافت کی تو اس نے کہا جو دوگے لے لونگا۔ اور جو نہ دوگے تو بھی پرواہ نہیں۔ اور اسطرح چار غرش لئے۔

حمام کی کیفیت حمام کے دروازہ میں داخل ہوتے ہی دونوں پہلوؤں میں دو کمرے ہیں جنمیں سے ایک میں حمام کا خزانہ اور دفتر ہے اور دوسرے میں چار کاؤچ بڑے بڑے بھاری گدیلوں سے لدے ہوئے ہیں جنپر لوگ بیٹھکر کپڑے اُتارتے ہیں یا غسل سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کپڑے پہننے سے پہلے تولیوں کے غلاف میں لپیٹے ہوئے سستاتے ہیں تاکہ پسینہ خشک ہو جائے۔ یہاں ایک تولئے میں ہر شخص کے کپڑے باندھکر الگ رکھدیئے جاتے ہیں۔ کسیکی جیب میں جو نقدی یا گھڑی وغیرہ ہو اُسے ایک الماری کے خانہ میں جو دروازہ میں پڑی ہے مقفل کر کے چابی مالک کو دیجاتی ہے۔ اور فارغ ہو کر وہ خود قفل کھولکر اپنا اسباب نکال لیتا ہے۔ کپڑے اُتارنے کے بعد غسل کرنے والے کو لکڑی کی کھڑاویں پہنائی جاتی ہیں۔ اور بازو سے پکڑ کر ایک شخص اسے حمام کے بڑے ہال میں لیجاتا ہے۔ یہ بہت بڑا

مکان ہے جسکے چاروں طرف بلند گیلریاں ہیں۔ بعض لوگ اُن گیلریوں پر کپڑے اُتارتے ہیں۔ اسکے آگے ایک چھوٹا کمرہ ایک پہلو میں ہے۔ اگر کسی کو حمام میں داخل ہوتے ہی گرمی زیادہ محسوس ہو تو وہ یہاں سستانے کو بیٹھ جائے۔ ورنہ اندر داخل ہو جائے جو ایک بلند گنبد والا مکان ہے۔ اسکا تمام فرش سنگ مرمر کا ہے۔ بیچ میں ایک مرتفع چبوترہ ہے۔ جسپر دو تولئے بچھا کر اور دو تکئے لگا کر مجھے لٹا دیا گیا۔ ایک اور شخص بھی آکر وہیں لیٹ گیا جسے حمام کا ملازم دیر تک دباتا رہا۔ اس مکان کے پہلوؤں میں چار کمرے ہیں۔ جہاں مرمر کی دیوار میں چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر دو دو ٹونٹیاں لگا دی گئی ہیں۔ ایک میں سے گرم دوسری میں سے سرد پانی ان حوضوں میں پڑتا ہے۔ پاس کئی مسی طشتریاں پڑی ہیں ان سے جسقدر پانی کوئی چاہے اپنے جسم پر ڈالا کرے۔ پندرہ منٹ یہاں ٹھہرنے کے بعد مجھے ایک خدمتگار ایک پہلو کے کمرہ میں لے گیا اور مجھے کیسہ کرنے لگا۔ اسکے بعد کسی ریشہ دار چیز میں صابن رکھکر خوب ملا کہ جھاگ کی تہ چڑھ گئی جسے مینے پانی سے دھو دیا۔ آدھ گھنٹہ گذرنے کے بعد مجھے باہر کے کمرہ میں لایا گیا جہاں دو تین تولیوں سے ایک شخص نے میرا بدن پونچا۔ مینے خود اپنا بدن پونچنا چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ حمام کے خدمتگار کا ہی کام ہے تولئے بڑی کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور حمام کے داخلہ کے کمرہ میں ایک قطار دھوئے ہوئے رنگ برنگی تولیوں کی الماریوں میں پڑی ہے۔ ہال میں سے گذر کر میں داخلہ کے کمرہ میں ایک کاؤچ پر جا لیٹا جہاں بہت پسینہ آیا۔ ایک شخص نے مجھپر اور دو تین تولئے ڈال دیئے۔ لوگ یہاں دیر تک لیٹے رہتے ہیں۔ کیونکہ جو مجھ سے پہلے کے لیٹے ہوئے تھے وہ ابھی یہیں پڑے تھے کہ مینے کپڑے پہنے نقدی سنبھالی۔ اور حمام کی اُجرت دریافت کی۔ ایک شخص نے شیشہ سامنے رکھدیا مینے بعد میں سنا کہ کیسہ کی اُجرت اڑھائی یا تین غروش ہے۔ لیکن مینے ایک چرک پانچ غروش کا سکہ دیا۔ اسپر انہوں نے اور تقاضا کیا۔ تو مینے تین غروش اور دیئے یعنے ہندوستان کے ایک روپیہ کے برابر۔ لیکن بعض امرا ایک مجیدی (عیہ)

یا ایک اشرفی بھی دے جاتے ہیں۔ میرے سامنے ایک ترک ایک مجیدی دے گیا تھا۔

ترکوں کے اخلاق و آداب

کوئی اجنبی شخص جو قسطنطنیہ دیکھکر واپس جاتا ہے سب سے بڑا خیال جو وہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ یقیناً ترکوں کے حسن اخلاق ملنساری خاکساری رحمدلی اور مہمان نوازی کا ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑے ترک عہدہ دار سے ملکر بھی یہی خیال پیدا ہوتا ہے۔ بیشک ترک حسن اخلاق کے لحاظ سے دنیا بھر میں فرد ہیں۔ کیا وزرائے سلطنت اور کیا کارخانہ توپ سازی یا جہاز سازی کے افسر جو ڈیوٹی پر تھے یکساں حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ناواقف ترک بھی کیسی انسانیت اور مروت سے پیش آتے ہیں۔ کیسے حلیم متواضع اور پر تکلّف ہوتے ہیں۔ اگر انکا شکریہ ادا کیا جائے تو کسر نفسی سے "اَسْتَغْفِرُاللہ" کہتے ہیں۔ گویا کہ وہ ہرگز اس شکریہ کے لائق نہیں۔ ان میں حیا اور لحاظ بہت ہوتا ہے جو اہل مشرق کی مخصوص صفت ہے۔ اسلئے وہ سفارش بھی مانتے ہیں اور اصرار کرنے سے کوئی بات اپنی مرضی کے خلاف بھی مخاطب کو خوش اور مشکور کرنے کے لئے مان لیتے ہیں۔ بعض ایسی باتیں دیکھ کر مجھے بارہا خیال گذرا ہے کہ ترکوں کو ابھی یورپین بننے کے لئے اور بہت مدت درکار ہوگی۔ ان میں تواضع اور تملق اسقدر زیادہ ہے کہ شک ہے کہ یہ کبھی بھی یورپ کی دوسری قوموں کی طرح روکھے اور بے لحاظ نہیں ہوسکیں گے کہ کام کو کام اور سچ کو سچ سمجھیں۔ جب دو ترک آپسمیں ملتے ہیں تو ان میں اہل لکھنؤ کیطرح بہت سے مودبانہ فقرات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص پوچھتا ہے۔ "مزاج شریف کز آئی سی انشاءاللہ" یعنے خدا چاہے آپکا مزاج شریف تو اچھا ہے۔ دوسرا کہتا ہے۔ "الحمدللہ آئی"۔ یعنی شکر ہے کہ بہت اچھا ہے۔ لیکن آپ کا مزاج شریف اور لطیف تو اچھا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ "اللہ اصمرلدک" (اللہ فضل کرے) وغیرہ۔ اردو اور فارسی زبان کی طرح ترکی میں بھی ادب سے واحد مخاطب کو جمع کے صیغہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صبح کا سلام ہے "صباح شریف کز خیر اولسون"۔ یعنی آپ کی صباح شریف خدا کرے بخیریت رہے دعائیہ کلمہ ہے۔ ایک ذرہ سی خدمت کے لئے ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

اور کہتا ہے "چوق ممنون اولدم" نہایت ممنون ہوا۔ "پک چوق متشکر اولدم" نہایت ہی متشکر رہوا ہوں۔ شخص مقابل کے لیئے لازم ہے کہ ازراہِ کسر نفسی کہے۔ "استغفراللہ" ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ تم پہلے سیڑھیوں پر چڑھو۔ وہ ازراہِ ادب کہتا ہے "امان" یعنے یہ نہ ہوگا۔ مجھے اس سے امان دیجئے۔ رخصت ہونے یا ملاقات کے وقت عموماً دعائیہ کلمات بھی کہے جاتے ہیں۔ مثلاً "اللہ امانت اولسون"۔ "اللہ عافیت اولسون"۔ ایک مصدر بیورُن ہے جسکے معنے فارسی میں فرمودن ہے۔ ترکی زبان میں اس قدر تملق اور نزاکت ہے کہ مخاطب سے ہر کام کے شروع کرنے کے لئے بیورن کہا جاتا ہے۔ مثلاً آگے چلئے۔ یا کھانا کھایئے یا آیئے۔ یا جایئے۔ غرض ہر کام کیلئے ہر وقت "بیورن آفندم"۔ "بیورن آفندم" کہتے رہتے ہیں۔ آفندم آپس میں مخاطب کرنیکا عام کلمہ ہے۔ اسکے معنے ہیں۔ میرے صاحب۔ جیسے عرب کہتے ہیں۔ "یا سیّدی!"۔ لیکن ٹرکی میں دو حمال بھی آپسمیں باتیں کرتے ہوئے ایک دوسرے کو آفندم کہتے جاتے ہیں۔ لڑکی اور لڑکا باپ۔ اُستاد یا سب بڑوں کو۔ بیوی شوہر کو۔ دوست اور ملاقاتی ایک دوسرے کو آفندم کہتا ہے۔ شروع میں شہزادگان آل عثمان کا خطاب آفندی تھا۔ مگر ادب سے ہر شخص کو بطور انگریزی لفظ مسٹر یا فرانسیسی مسیو یا جرمن ہر۔ یا اطالین سینر کے آفندی کہا جاتا ہے۔ بلکہ جب ہر شخص آفندی کہلانے کا مستحق ہوا۔ تو اب اچھے آدمیوں کو بے آفندی کہا جاتا ہے اور پاشاؤں کو پاشا آفندی "حضرت لری" یعنی حضرت شما۔ اور "ذات عالی گز"۔ ذات عالی شما۔ مخاطب کے لئے گفتگو میں عام طور پر استعمال کیئے جاتے ہیں۔ غرض ترکی زبان میں بہت سے تکلفات اور القاب و آداب کے کلمات موجود ہیں۔ اور ان سے اس زبان کے بولنے والی قوم کی خوش اخلاقی اور آداب ورزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رحمدلی اور خیرات ترک رحمدل اور خدا ترس بھی بہت ہیں۔ اور مفلسوں اور فقیروں کی فیاضی سے مدد کرتے ہیں۔ بلکہ بے زبان جانوروں پر بھی مہربانی کرتے ہیں۔ قسطنطنیہ اور تمام ملک میں لاکھوں کروڑوں روپے کے وقف املاک اسکے

شاہد ہیں کہ جسکا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے۔ اگر شہر میں سینکڑوں لنگر خانے اور مہماں سرائیں اور تکئے وقف ہیں تو راستوں میں سینکڑوں چشمے اور سبیلیں ہیں جو سب ان کی رحمدلی اور فیاضی کے ثبوت ہیں۔ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ خود کھائیں اور کوئی محتاج پاس بیٹھا دیکھتا رہے۔ انکے یہاں یہ مثل مشہور ہے "برلی ادیر بڑ باقر قیامت ادنا کا پر" (ایک کھائے ایک دیکھے تو قیامت کیوں نہ آجائے) اسلئے جب کوئی شخص کھانے لگتا ہے تو پاس والے آدمی کو بھی ساتھ شامل کر لیتا ہے۔ ان کی ایسی عادات کی وجہ سے اگر خود غرض اہل یورپ انہیں دیوانے کہیں تو بجا ہے۔

ترک بطور ایک قوم کے بچے متوکل ہیں۔ اگر آج کے کھانے کے لائق اُنکے پاس ہو توکل کے لئے کہتے ہیں "بوگون پی پی یم یادین اللہ کریم" (آج تو کھا لیتا ہوں کل اللہ کریم ہے۔ یعنے خدا رزاق ہے پھر دیگا) ترکوں میں کھانے اور پہننے کے تکلفات میں بہت خرچ کیا جاتا ہے۔

ترکی سلام

ترک آداب مجلس میں مہمان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ملنے کے وقت اُسکے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ رخصت کے وقت مصافحہ کرنیکے بعد دایاں ہاتھ بہت نیچے لیجا کر اور جُھک کر فرشی سلام کرتے ہیں۔ سلام کرنے میں جھک کر ہاتھ پہلے سینہ اور پھر پیشانی پر رکھتے ہیں۔ جب سب لوگ سلاملک میں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو ایک مرتبہ نیم ایستادہ ہوکر پھر دوبارہ ہاتھ کے اشارہ سے اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسا کہ رخصت کے مصافحہ کے وقت کرتے ہیں۔ یہ دوہرا سلام اُنکے بیحد تکلف اور اخلاق کا شاہد ہے۔ رخصت کے وقت مصافحہ کرنیکا طریقہ بہت عام نہیں۔ اور نہ عموماً السلام علیکم زبان سے کہا جاتا ہے۔ بلکہ زیادہ فرشی ہاتھ کے اشارات سے ہی ادا کیا جاتا ہے۔

ترکی بچوں کا سلام

ترکی بچوں کے سلام کرنیکا طریقہ تو مجھے نہایت ہی پیارا معلوم ہوتا تھا جب کوئی چھوٹی لڑکی یا لڑکا تمہیں ملیگا تو وہ یا تو تمہارے پاؤں تک ہاتھ لیجا کر اپنا ہاتھ چوم لیگا۔ گویا کہ اس نے قدمبوسی کی۔ یا اپنا دایاں ہاتھ تمہاری طرف

بڑھا دیگا جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اپنا ہاتھ اُسکے ننھے سے ہاتھ پر رکھدو۔ اور جب تم اسکے ہاتھ پر اپنا اُلٹا ہاتھ رکھتے ہو تو وہ پہلے اسپر بوسہ دیتا ہے اور پھر اُسے پیشانی پر لگاتا ہے۔ گویا دست بوسی کرتا ہے۔ کبھی تمہارے دامن کو بھی بوسہ دیتے ہیں۔

ترک حبشیوں سے نفرت نہیں کرتے

ترک ہر چند کہ نہایت گوری قوم ہے لیکن جسطرح کہ یورپ اور امریکہ کی دوسری عیسائی گوری قومیں کالے یا گندمی رنگ کے آدمیوں کو انسان نہیں سمجھتیں یا کمتر درجہ کا انسان سمجھتی ہیں ترک ایسا نہیں سمجھتے۔ میں نے قسطنطنیہ میں بعض اوقات اس امر کو نوٹس کیا کہ ترک حبشیوں کو بالکل حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ قدیم زمانہ سے ترک سلاطین حرم سرا کا بڑا داروغہ یعنے "قزلر آغاسی" حبشی خواجہ سرا ہی رکھتے ہیں کہ جسکا عہدہ پہلے زمانہ میں صدر اعظم سے بھی بلند سمجھا جاتا تھا۔ مگر خواجہ سراؤں کو رختہ کر دیا جاتا تھا۔ جس سے انکی ڈاڑھی نہیں نکلتی۔ ابتک بہت لوگوں کے پاس حبشی مرد اور عورتیں خدمتگار ہیں اور ترک انہیں برابر کا انسان سمجھتے ہیں۔ حبشی خواجہ سرا سوا ے حرم سلطانی کے اَور بھی بہت سے اونچے گھرانوں میں ہیں۔ اور کیسی عزت اور آسایش سے رہتے ہیں۔ بعض ترکوں نے حبشی عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں اور اُن سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سوسائٹی اور قانون کی نظر میں برابر سمجھے جاتے ہیں۔ بازاروں سے جو حبشی خادمہ عورتیں گذرتی ہیں انکا بھی لباس کیسا پردہ دار ہوتا ہے اور سوا ے منہ کے جسم کا کوئی حصہ ننگا نہیں ہوتا۔ سیاہ ریشم کا لباس انہیں کیسا سجتا ہے۔

عرب مصری اور ایرانی

قسطنطنیہ میں ہزارہا عرب شامی اور مصری رہتے ہیں جن میں سے بہت سے مدرسہ سلطانیہ۔ مدرسہ حربیہ اور مدرسہ بحریہ کے شاگرد اور کئی فوجی ملازم بھی ہوتے ہیں۔ بہت سے خواجہ یعنے معلّم و ملا بھی ہیں۔ چونکہ یہ مقام اُن ممالک کا پایہ تخت ہے کہ جہاں عربی بولی جاتی ہے اسلئے بکثرت عربی بولنے والے لوگ یہاں جمع رہتے ہیں۔ اور ایک عربی دان شخص صرف ان لوگوں سے بلکر کام چلا سکتا ہے۔ بعض قہوہ خانوں اور لوقنطوں میں اسی لئے عربی دان خادم رکھے

جاتے ہیں۔ نوجوان شامی اور مصری کہ جنکے رنگ بھی گورے ہوتے ہیں یہ لوگ پتلوں میں ترکوں سے کم نہیں سجتے۔ کالر اور کف بھی خوب ستھرے رکھتے ہیں۔ اور عربی بولتے ہوئے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب یہ عرب فرفر فرانسیسی زبان بولتے ہیں تو اور بھی عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایرانی بھی بہت سے بغرض تجارت قسطنطنیہ میں تجارت رکھتے ہیں جو شہر کے ایک علیحدہ حصہ میں رہتے ہیں مگر ان کی دوکانیں جابجا پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ اپنا قومی لباس عموماً نہیں چھوڑتے۔ ایام محرم میں خان والدہ میں کہ جو ان کی آبادی کا مرکز ہے زور شور سے عزاداری کرتے ہیں کہ جسے ترک اور خصوصاً یورپین سیاح جو اس زمانہ میں استنبول میں موجود ہوتے ہیں دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

راستہ میں سگار سلگانا یہاں بھی پیرس کیطرح راستہ چلتے ناواقفوں کو اشارہ کرکے سگار سلگا لینے کی رسم جاری ہے۔ اور سلگا چکنے کے بعد اس شخص کو سلام کیا جاتا ہے کہ جسکے سگار سے سگار سلگایا گیا ہے۔ خلیق اور مہماں نواز ترک بھلا کسطرح کسیکی درخواست کو مسترد کرسکتا ہے۔

جیلخانوں میں بیکار قیدی یہاں کے جیلخانوں میں قیدیوں سے کوئی سرکاری کام نہیں لیا جاتا اور سرکار کیطرف سے قیدیوں کو اتنا ہی کھانا ملتا ہے جتنا کہ فوجی سپاہیوں کو ملتا ہے۔ لیلۃ القدر، مولود النبیؐ سالگرہ سلطانی یا جشن تخت نشینی سلطانی کی تقریب پر لمبی قید والے قیدیوں سے ایسے لوگ رہا بھی کردیئے جاتے ہیں کہ جو اپنی اسیری کی تین چوتھائی مدت گذار چکے ہیں۔

باغ اور بوستان یہاں نہ صرف شہر کے اطراف میں بلکہ شہر کے بہت سے محلوں میں بھی باغات ہیں بلکہ بہت سے گھروں کے اندر بھی حسب توفیق چھوٹے بڑے گلبن ہیں۔ مگر حوالی شہر میں رومیلی اور اناطولی کے دونوں اطراف میں بہت سے بوستان میوہ دار ہیں اسلیئے بقولات اور میوہ جات خصوصاً انگوروں کی اس شہر میں کثرت ہے۔ محلوں کے باغات میں لوگ (زن و مرد) تفریحاً چہل قدمی کرتے ہیں

اور محلہ کے سب ساکنین اسے اپنا مشترکہ باغ سمجھتے ہیں۔ علاوہ اسکے قبرستانی کے سرو بھی حوالی اور اطراف شہر میں اسقدر پھیلے ہوئے ہیں کہ شہر میں ہر طرف ہر سبزی کی کثرت نظر آتی ہے۔

مخبری مشہور ہے کہ قسطنطنیہ میں مخبری کا انتظام بہت بڑھا ہوا ہے۔ یورپین لوگوں کا تو خیال ہے کہ خدا جانے کتنے ہزار آدمی شہر میں اس کام پر متعین ہیں۔ شاید جو فقیر تم سے خیرات مانگ رہا ہے یہی مخبر ہے۔ شاید جو لڑکا تمہارا بوٹ سیاہ کر رہا ہے یہی مخبر ہے۔ شاید جس لوقنطہ میں تم کھانا کھا رہے ہو اسکا مالک مخبر ہے۔ جب مجھے شہر میں آئے تین چار روز گذر گئے تو ایک صاحب جو مجھ سے راستہ میں ملے تھے اور انہیں میرے فروکش ہونے کا مکان معلوم نہیں تھا مجھے ملنے کو آئے اور اُنہوں نے بتلایا کہ میں نے پولیس سے دریافت کیا تھا۔ کہ تم کہاں ٹھیرے ہو۔ اور مجھے فوراً معلوم ہو گیا تھا کہ پہلے تم فلاں جگہ ٹھیرے تھے۔ پھر فلاں مکان کو چلے گئے اور وہاں فلاں فلاں شخص تم سے ملنے آئے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ دنیا کی ہر ایک سلطنت میں کم وبیش جاری ہے۔

پہرے والے چوکیدار سوائے حصہ غلاطہ کے جو یورپین آبادی ہے قسطنطنیہ میں رات کے وقت بازار بہت سویرے بند ہو جاتے ہیں اور بازاروں میں روشنی بہت ہی کم ہوتی ہے خصوصاً جو شخص یورپ کیطرف سے آئے اور وہاں ۲-۳ بجے صبح تک بازاروں میں رونق دیکھ کر آئے اُسے یہ کیفیت بہت عجیب معلوم ہوتی ہے۔ عشا کے بعد پہرہ والے چوکیدار بازاروں کے فرش پر ڈنڈے مارتے ہوئے اِدھر اُدھر گذرتے سنے جاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ لوگ ڈنڈا فرش پر مار کر رات کے گھنٹے بتلاتے ہیں۔

مساجد تربے اور قبرستان

کیا ہی بات کم عجیب ہے کہ اس شہر کے معبدوں کو پہلے اصنام کی پرستش کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض میں بعدہٗ تثلیث اور اخیر میں اب توحید کا غلغلہ بلند

ہو رہا ہے ۔ یہ حال ایا صوفیہ اور کئی ایک دوسری مساجد کا ہے جو عیسائی گرجوں سے کسیقدر ترمیم کے بعد مسجدیں بنائی گئیں ۔ لیکن انکے سوا بہت سی ایسی مساجد ہیں کہ جو ویسی ہی عظیم الشان ہیں مگر سلاطین ترک نے خود تعمیر کی ہیں ۔

ترک سلاطین کا تعمیر مساجد کا شوق

قسطنطنیہ میں ترک سلاطین کا دستور ہو گیا تھا کہ جو نیا سلطان تخت نشین ہوتا تھا وہ اپنے نام سے ایک اُس سے عظیم اور عجیب تر مسجد تعمیر کر کے چھوڑنا چاہتا تھا کہ جو اس سے پہلے سلطان نے اسی خیال سے تعمیر کی تھی ۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ سلطانوں کو تعمیر مساجد کا شوق اسقدر بڑھ گیا تھا کہ یہ ضرب المثل ہو گئی A SULTAN ALWAYS LIVES WHILE HE IS BUILDING.

(یعنے ایک سلطان جبتک تعمیر کرتا رہتا ہے زندہ رہتا ہے) ایسے ہی ایک مصنف ہندوستان کے سلاطین مغلیہ کی عالیشان اور خوبصورت عمارات کی نسبت لکھتا ہے کہ ”وہ جنات کی طرح تعمیر کرتے تھے“ ۔ غرض اسطرح قسطنطنیہ میں بہت سی عالیشان مسجدیں جمع ہو گئیں کہ جنکی نظیر روئے زمین پر کسی ملک میں ملنی مشکل ہے ۔

عظیم الشان مساجد پر ایک نظر

بعض مسجدیں تو ایسی عالیشان ایسی خوبصورت اور پر شوکت ہیں کہ ان سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا ۔ جامع ینی والدہ جامع سلطان بایزید ۔ جامع سلطان احمد ۔ جامع سلطان محمد فاتح اور جامع سلطان سلیم وغیرہ ایسی عالیشان مساجد ہیں کہ جنکی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہوگا ۔ لاہور کی مسجد شاہی یا دہلی کی مسجد شاہی کی طرح صرف ایک ایک گنبد کی سقف کے برابر ان کی پہنائی نہیں ۔ اور نہ احمد آباد کی مشہور ستونوں والی مسجد کی طرح ان میں ستونوں کی بھرمار ہے ۔ گو یہ تینوں مسجدیں بھی اپنی اپنی جگہ بے نظیر ہیں ۔ لیکن یہاں کی مساجد میں دو یا چار ستون بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں ۔ مثلاً جامع سلطان احمد میں چار ستون سنگ مرمر کے ہیں ۔ ان میں سے ایک ایک کے گرد میں پھرا تھا ۔ جسکا دور ۳۳ قدم تھا ۔ جو گز گز بھر چوڑی اور چار چار گز بلند مرمر کی سلوں سے بنا ہوا تھا ۔

ان ستونوں کے بیچ میں بڑا گنبد اور گرد نصف گنبد ہوتے ہیں اور یہ بہت چوڑی جگہ پر محیط ہوجاتے ہیں کہ جن میں ہزارہا آدمی ایک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مقصورہ سلطانی اس مسقف جگہ کے گرد ایک گردش ہوتی ہے عموماً محراب کی بائیں جانب بقدر ایک منزل کے بلند مکان ہوتا ہے جسکی دیواریں جالیدار بنائی جاتی ہیں۔ اس میں سلطان وقت نماز پڑھتا ہے اور اسے مقصورہ سلطانی کہتے ہیں۔ سلطان کو اسطرح دوسرے نمازیوں کی نظروں سے مستور کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انکی توجہ منتشر نہ ہوجاوے۔ سلطان کو یہ بات یاد دلانے کے لئے کہ وہ بھی دیگر بنی نوع انسان کی طرح فانی اور کمزور ہے۔ دو مفلس آدمی نماز کے وقت سلطان کے دائیں بائیں کھڑے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ میں دستور تھا کہ جب سلطان وقت نماز جمعہ کے لئے مسجد میں داخل ہوتے تو دو بوڑھے اسکے سامنے آکر سلام کرتے اور چلاتے کہ خدا کی نظر میں سلطان اور پست قامت انسان برابر ہیں۔ محراب کی دائیں جانب منبر ایک منزل سے بھی بلند ہوتا ہے جسپر سیڑھیوں سے چڑھتے ہیں۔ ایک اور جگہ وسط کے قریب مرتفع بنائی جاتی ہے جسپر مکبر بیٹھتا ہے اور امام سے تکبیریں سنکر اُسے دُہراتا ہے جسکی آواز مسجد میں ہر جگہ پہنچتی ہے۔ محراب کے دونوں طرف موم کی بہت موٹی موٹی بتیاں عموماً ایک گز محیط کی رکھی رہتی ہیں۔ لیکن جامع ایاصوفیہ میں تو دو گز کے قریب محیط کی موم بتیاں ہوں گی جو محراب کے گرد دو عالیشان سفید ستون معلوم ہوتے ہیں۔ ہرچند کہ جامع ایاصوفیہ تمام مساجد میں زیادہ عالیشان ہے کہ جسکی عظمت اور شوکت اور لاگت دیکھکر کوئی شخص تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا تاہم جب دوسری مساجد میں جائیں تو انکو ایاصوفیہ سے کم کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں کی پانچ چھ دوسری اول درجہ کی مسجدیں ایک نہ ایک پہلو میں جامع ایاصوفیہ سے فائق ہوں گی۔ مینے یورپ میں گرجوں میں دیکھا ہے کہ بہت قیمتی پتھر اور موزائک کی گلکاری اور رنگین شیشوں کے دریچے لگانے میں کوئی خرچ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر ان کے مقابلے میں پایہ تخت عثمانیہ کی مساجد بھی کسی طرح کم نہیں۔

سلطان احمد کی مسجد کے اندر تمام چینی کا بینظیر کام ہے۔ اور گنبدوں اور محرابوں میں بہت سی خوشخط آیات کلام مجید لکھی ہیں۔ سلطان بایزید کی مسجد کے دریچوں میں رنگین شیشے لگے ہیں جن میں مختلف رنگوں سے کلمہ طیب بنایا گیا ہے۔ اور یہ رنگین شیشے بوجہ قدیم ہونے کے نہایت بیش قیمت چیز شمار ہوتے ہیں۔ جنکو مسجد سلطان احمد کے چینی کے کام سے بھی یورپین ببصر بیش قیمت سمجھتے ہیں۔ جامع سلطان مصطفےٰ جامع شہزادہ باشی اور مسجد ینی جامع میں علاوہ مسجد سلطان سلیم اور سلطان بایزید کے دیواروں پر چینی کا کام ایسا اعلیٰ نصب کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام دیوار ایک ہی چینی کے ٹکڑے سے بنی ہوئی ہے۔ اور ان سب مساجد میں بھی محراب کی جانب کھڑکیوں میں رنگین شیشوں میں کلمہ طیب اور اسمائے حسنیٰ لکھے ہوئے ہیں۔ عموماً قسطنطنیہ کی مساجد کی تعمیر قریب قریب ایک ہی اصول پر مبنی ہے۔ بیچمیں ایک بڑا وسیع گنبد اور اسکے گرد چار نصف گنبد ہوتے ہیں۔ اور یہ سقف علاوہ دیواروں کے چار پیلپایوں پر قائیم ہوتا ہے۔ میں نے جامع سلطان سلیمان قانونی کا اندر ناپا تھا۔ طول وعرض ۷۲۔۷۲ قدم تھا۔ اس جامع کے اندر بھی دو پیلپایوں کے نیچے وضو کے لئے دو جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ جیسے خوشخط جلی۔ نسخ اور ثلث خط کتبے مینے ان مساجد کی دیواروں اور چھتوں پر چینی اور دوسرے رنگوں میں اور سنہری حروف کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں ایسے پہلے نہیں دیکھے۔ بعض قطعات خوشخط ان مسجدوں میں آویزاں ہیں جو مشہور ہے کہ سلطان سلیم اور سلطان محمود ثانی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جو بڑے خطاط گذرے ہیں۔ ہر مسجد میں کئی قرآن رکھے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی سلاطین عثمانیہ کی تربتوں پر جو اس شہر میں کئی ایک ہیں۔ اچھے اچھے قلمی قرآن رکھے ہیں۔ ایا صوفیہ کے صحن میں گو کوئی ستون یا پیلپایہ نہیں (جو ایک بڑا میانی گنبد اور دو نصف پہلوؤں کے بڑے بڑے گنبدوں سے مسقف ہے) لیکن شمالی جنوبی نصف گنبدوں کو چار چار عالیشان سنگ خارا کے ستونوں نے الگ کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آج دنیا میں ان کے ساتھ کے ستون موجود نہیں۔ سنگ سماق کے بڑے بڑے

ستون یہاں کی کئی مساجد میں موجود ہیں۔ ایا صوفیہ کے بڑے گنبد سے جو روشنی کے لئے آہنی جھاڑ لٹکا ہوا ہے جس میں گلاس آویزاں ہیں اسکا قطر دس گیارہ قدم ہے۔ یعنی اس سے آدھی جگہ میں۔ دنیا میں کئی مسجدیں تعمیر ہوئی ہوں گی۔ یہاں دستور ہے کہ جس قدر زمین مسجد کے زیر سقف ہوتی ہے اتنی پر ہی صحن ہوتا ہے کہ جسکے وسط میں ایک پانی کا حوض یا چشمہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس صحن میں لوگ جوتے سمیت آتے ہیں۔ مگر شام اور ہندوستان کی مساجد میں صحن میں بھی جوتہ لانیکا رواج نہیں۔ یہ تمام جامع مسجدیں فرش فروش اور عظیم الشان آہنی جھاڑوں سے آراستہ ہیں جمعہ اور عیدین کو سب میں قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے۔ قسطنطنیہ میں صرف جامع مسجدیں[1] (۲۳۰) بتائی جاتی ہیں۔ علاوہ مساجد کے یہاں اکثر سلاطین عثمانی کے تربے بھی قابل دید ہیں جو عموماً مساجد کے متصل تعمیر کئے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض بوجہ عمارت کی خوبی کے بھی قابل لحاظ ہیں اور انکی نگرانی وحفاظت بہت احتیاط سے کیجاتی ہے۔

جامع ایا صوفیہ جامع ایا صوفیہ پہلے ایک رومی گرجا تھا جسکی بنا پر پہلے پہل قسطنطین اعظم بانی قسطنطنیہ نے سنہ ۳۲۶ء میں چوبی گرجا کی بنیاد ڈالی تھی۔ اسکے جلجانے کے بعد اسی جگہ پر ۲۳ فروری ۵۳۲ء کو قیصر جسٹنیس نے ایک عظیم الشان سنگین معبد کی بنیاد ڈالی جو قریباً دس لاکھ پونڈ یا ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے صرف سے پانچسال دس ماہ میں بنکر تیار ہوا۔ دس ہزار معمار اسپر بڑی سرگرمی سے مصروف رہے۔ قیصر نے فریجیا کا سپید سنگ مرمر۔ لکونیا کا سبز مرمر۔ لبیا کا نیلا مرمر۔ سلٹک سیاہ مرمر۔ باسفورس کا سیاہ دھاری والا سفید مرمر۔ تھسلی اور ایپیرس کا سنگ مرمر۔ مصر کا سنگ ستارا اور سنگ سماق منگواکر اسکی تعمیر میں لگایا۔ قدیم یونانی عمارات کا بہت سا مصالح اور اینٹ

---

[1] جامع کی مصداق وہ مساجد ہیں جنمیں علاوہ حرم مسجد کے اسکا باغ۔ بانی مسجد کی قبر ایک جداگانہ دیواری میں محدود۔ اور اسکے متعلق کئی مکانات مثل مکتب۔ مدرسہ۔ کتب خانہ۔ مطبخ اور طالبعلموں کے رہنے کے حجروں وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ محبوب عالم

وغیرہ مقامات سے منگوا کر اسمیں استعمال کیا۔ قدیم مذاہب کے بہت سے معبدوں نے اسکی خاطر اپنا مصالح نذر کر دیا۔ آلیسٹس اور ابیسرس کے ستون اس میں لگائے گئے۔ ہیلیپولس اور افیبس کے سورج اور چاند کے مندروں کے مینار اور اسی طرح پیلاس (واقعہ ایتھنز) فیبس (واقعہ ڈیلاس) اور سائبل (واقعہ سیزیکیس) کے ستون اسکے کام آئے۔ اور ہنوں جواہرات سے اسکے قربانگاہ وغیرہ مقامات کو آراستہ کیا گیا جب عمارت ختم ہوئی تو قیصر جسٹینین اس میں داخل ہوا اور کہا "بڑی شان ہے اس خداوند کی جس نے ایسی عظیم الشان عمارت کی تکمیل کی مجھے توفیق دی سلیمان میں تجھپر سبقت لیگیا۔ ایا صوفیہ قریباً ایک مربع شکل کی عمارت ہے۔ غلام گردش اور محراب کو چھوڑ کر جنوباً شمالاً (۲۳۵) فیٹ اور شرقاً غرباً (۲۵۰) فیٹ وسیع ہے۔ بیچ کے گنبد کا قطر ۱۰۷ فیٹ اور چھت کا ارتفاع ۱۸۵ فیٹ ہے۔ باوجود اس وسعت کے گنبد کا عمق ۴۶ فیٹ سے زیادہ نہیں۔ کل (۱۷۰) ستون سنگ سماق اور زرخام کے ہیں کہ جنکا قطر تین چار ہاتھ سے کم نہ ہوگا۔ قدیم زمانہ کا تانبے کا دروازہ ابتک موجود ہے جسپر تصویریں بنی ہیں۔ ہرچند کہ گنبد کے اندرونی بت مٹا دیئے گئے ہیں لیکن ابھی تک گنبد کے نچلے چاروں کونوں پر ملائکہ قروبین کی تصویریں بنی ہوئی ہیں کہ جنکے چھ چھ پر ہیں۔ اور اس سفیدی میں سے کہ جو ترکوں نے ان تصویروں پر پھیر دی ہے ابھی تک انکی دھندلی سی شکلیں نظر آتی ہیں۔ ساتھ ہی چاروں کونوں پر مسلمانوں نے چار بڑی بڑی ڈھالوں میں خلفائے راشدین ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ کے نام تیس تیس فیٹ بلند سنہری حروف سے خوشخط جلی قلم بچاک جی زادہ مصطفےٰ چلبی مشہور خطاط کے لکھے ہوئے آویزاں ہیں۔ اور یہ خلفائے راشدین بلکہ اللہ و محمد (صلعم) کے نام آویزاں کرنے کی رسم یہاں کی تمام مساجد میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس گرجا کو مسجد بنانے میں سوائے اسکے اور کسی بڑی اندرونی تبدیلی کی ضرورت مسلمانوں کو پیش نہیں آئی کہ اسکے سابقہ محراب کے اندر جو بیت المقدس کے

ف اسکے علاوہ اللہ اور محمدؐ بھی دو ایسی ہی ڈھالوں میں برابر آویزاں ہیں۔

سُرخ پر بنی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی محراب ذرا ترچھی کر کے کعبۃ اللہ کی جانب بنا دیگئی ہے اور اسی لحاظ سے تمام مسجد کا فرش بھی ذرا ترچھا کر کے بچھا ہوا نظر آتا ہے البتہ بیرونی طرف سے سلاطین عثمانی نے وقتاً فوقتاً کچھ تغیرات اسکے دریچوں وغیرہ میں کئے ہیں۔ اور بجائے صلیب کے اسکے اوپر سلطان مراد ثانی نے پچاس ہزار ڈوکٹ کے خرچ سے چاندی کا ہلال نصب کرایا جو اتنا بلند ہے کہ کہتے ہیں صاف موسم میں بروصہ سے بھی نظر آسکتا ہے۔

امام کا شمشیر برہنہ لیکر خطبہ پڑھنا

محراب کے قریب ایک منبر بنا دیا گیا ہے جسپر کئی سیڑھیاں چڑھ کر امام جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھتا ہے۔ صدہا سال سے یہ رواج چلا آتا تھا کہ امام کے ہاتھ میں اسوقت ایک برہنہ شمشیر ہوتی تھی جو اسبات کی علامت تھی کہ اس مسجد پر بزور شمشیر قبضہ کیا گیا۔ اور ایسے ہی یہاں کی تین چار دیگر مساجد کے امام بھی جو انہی حالات میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں شمشیر بکف ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اب کچھ عرصہ سے یہ رواج نہیں رہا۔ امام کے دائیں بائیں دو علم لٹکے ہوئے ہوتے ہیں جنسے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ سلطنت عیسائیوں اور یہودیوں دونوں قوموں سے چھینی ہوئی ہے۔ محراب کے قریب ایک مرتفع مکان بنام محفل ہمایوں بنا ہوا ہے کہ جسمیں سلاطین سابقہ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اور یہ محفل اور کئی مساجد میں بھی نظر آتی ہے کہ جسے مقصورہ سلطانی بھی کہتے ہیں امام جو لباس پہن کر امامت کراتے ہیں اس سے ان کے مدارج کا پتہ چلتا ہے۔ غرض سینٹ صوفیہ جیسی کہ عیسائیوں کو عزیز تھی ویسی ہی آیا صوفیہ ان پانچ صدیوں میں مسلمانوں کو رہی ہے۔

جامع بایزید و تربہ

سلطان بایزید ثانی نے آٹھ سال میں اس عالیشان مسجد کو تعمیر کرایا تھا۔ اسکا حرم عثمانی طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ اور بڑا وسیع ہے۔ اردگرد سنگ سماق وغیرہ کے ستونوں کے دالان ہیں۔ یہ سب ستون سرتاپا ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ہیں حرم میں سرو اور بلوط کے درخت ہیں کہ جنپر اور نیز مسجد کے گنبدوں اور دوسرے

حصوں میں ہزاروں کبوتر رہتے ہیں۔ اسی لئے اِسے کبوتروں والی مسجد بھی کہا جاتا ہے مشہور ہے کہ ایک غریب عورت نے سلطان بایزید کی خدمت میں ایک جوڑا کبوتروں کا نذر کیا تھا جو سلطان نے مسجد کی نذر کر دیا۔ اسی جوڑے کی اولاد یہ ہزار کبوتر ہیں کہ جنکی خوراک مسجد کے فنڈ سے مقرر ہے اور لوگ انہیں قابل تعظیم سمجھکر نہیں مارتے۔ مسجد کے حرم میں ایک بازار لگا رہتا ہے۔ اور خطوط نویس اور تسبیح بیچنے والے بھی بہت ہوتے ہیں۔ مسجد کے دریچوں میں رنگین شیشہ سے کلمہ طیب لکھا ہوا تھا۔ اور اندر سینکڑوں ہزاروں طالب علم استادوں سے سبق پڑھ رہے تھے۔ مسجد کی پچھلی طرف سلطان بایزید کا تربہ ہے۔ جسکے جنگلے پر صدف کا عمدہ کام ہے۔ قبر پوش پر ایک اتنا بھاری عمامہ رکھا ہوا ہے جو معمولی ململ کے تین تھان ملاکر باندھنے سے بنے۔ معلوم ہوا کہ یہ سلطان موصوف کا اصلی عمامہ اُسی طرح بندھا ہوا ہے کہ جیسا اُسکے عہد میں باندھا جاتا تھا۔ جھاڑ جو قبر پر آویزاں تھا۔ وہ خاص سونیکا بنایا گیا۔

جامع سلطان فاتح وتربہ یہ بڑی عظیم الشان مسجد ہے جو کلیسائے حواریوں کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہے کہ جہاں قیاصرہ سنگ سماق اور سنگ مرمر کے مقبروں میں مدفون تھے لیکن لاطینیوں نے ۱۲۰۴ء میں ان قبروں کو برباد کر ڈالا خصوصًا اس مسجد کا مدرسہ سب سے بڑا ہے جہاں آٹھ ہزار طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ مسجد کے بڑے دروازہ پر یہ حدیث نبوی کندہ ہے۔ لتفتحن القسطنطنیۃ فلنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا (تم قسطنطنیہ کو فتح کرلوگے۔ مبارک ہوگا اسکا امیر اور مبارک ہوگا اسکا لشکر) مسجد کے قریب طلباء کے لئے صدہا حجروں کی قطاریں بنی ہوئی ہیں۔ ایک طرف علما اور مشاہیر کا قبرستان ہے۔ چنانچہ غازی عثمان پاشا کی قبر بھی انہی میں ابھی تازہ بنی تھی۔ ان میں نئی قبروں کے کتبے بہت خوبصورت ہیں۔ یہاں خاص اجازت سلطانی سے مشاہیر قوم دفن ہوسکتے ہیں۔ مسجد کی ایک طرف بہت کھلی جگہ مسافروں کے اُترنے کے لئے پڑی ہے جیسے کہ سلطان فاتح کے

عہد میں تھی دوسری طرف سلطان فاتح کی تربت ہے جسکا جنگلا زرنگار ہے اور اوپر بہت بڑا عمامہ رکھا ہے۔ مسجد کی ایک طرف ایک منڈی ارزاں اشیا کی تھی جہاں عموماً سفید پگڑی والے طلبا نظر آتے تھے۔ یہاں دیکھکر مجھے باور آگیا کہ انگریزی اخبارات جن طلبائے مساجد قسطنطنیہ کو سوفطا کہکر ذکر کرتے ہیں کہ وہ بڑے پُرجوش اور خوفناک ہیں وہ واقعی ایک بارعب جماعت ہے۔ مسجد کے ساتھ ایک لنگر ایک شفاخانہ ایک مہمان سرائے اور ایک حمام بھی ہے سنہ ۱۷۶۶ء کے زلزلہ میں یہ مسجد بالکل برباد ہوگئی تھی۔ مگر سلطان مصطفےٰ ثالث نے اسے از سر نو تعمیر کرایا۔

جامع مسجد سلطان احمد سلطان احمد اول نے ات میدان کے جنوب مشرق میں سنہ ۱۶۰۸ء سے سنہ ۱۶۱۴ء تک تعمیر کرائی۔ سلطان کو اسکی تکمیل کا اسقدر شوق تھا کہ ہر ہفتہ میں خود آکر ایک دفعہ اس کی تعمیر میں اپنے ہاتھ سے مدد دیتا۔ حرم مسجد میں بہت سے درخت چھ مینار کئی مدرسے لنگر خانے اور مقبرے ہیں۔ جب یہ مسجد تیار ہوئی تو اُسوقت صرف بیت اللہ کی مسجد ایسی تھی کہ جسکے چھ مینار تھے سلطان نے جب اپنی مسجد میں چھ مینار بنوائے تو شریف مکہ نے بڑی شکایت کی۔ سلطان نے اُسے خاموش کرنے کے لئے کعبہ شریف میں ایک ساتواں مینار تعمیر کرا دیا۔ یہ مسجد ۲۳۵ فیٹ لمبی اور ۲۱۰ فیٹ چوڑی ہے۔ یہ مسجد انتہا سے زیادہ باقاعدہ بنائی گئی ہے۔ اور ہر جگہ دوسری جگہ کا جواب ہے۔ اسلئے ایک یورپین مبصّر فرگوسن اسے اس مسجد کا عیب بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر اس مسجد کو چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو چاروں حصے بعینہٖ ایک دوسرے پر طابق النعل بالنعل ہوں گے۔ چاروں طرف کی چیزیں یکساں ہیں۔ وہی ایک بات ہر طرف نظر آتی ہے۔ ہر دیوار کا طرز عمارت یکساں ہے۔ اتنی ہی کھڑکیاں اور اسقدر درمیانی فاصلہ۔ قبلہ کیطرف جتنی آرائش و زیبائش ہے وہی اور اطراف میں بھی ہے، تاہم دوسو فیٹ مربع کا ایک عالیشان ایوان جسکی سنگین سقف چار بڑے بڑے سنگین لیکن اندر سے خالی ستونوں پر واقع ہو دل پر ایک عجیب اثر پیدا کرتا ہے۔

شاید یورپین مبصر ایسا ہی سمجھتے ہوں۔ مگر ہماری نظروں میں تو یہ مسجد غیر معمولی طور پر خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ منبر مسجد جو سنگ مرمر کا ہے مکہ معظمہ کے منبر کی نقل ہے۔ اسپر وہ تاریخی فتوےٰ پڑھا گیا تھا جس نے خوفناک فوج ینی چری کی ہستی کا پاس کے ات میدان میں خاتمہ کرادیا۔ مسجد احمدیہ کی سالانہ آمدنی دو لاکھ قرش ہے۔ اور یہ مسجد بھی مثل جامع سلیمانیہ کے بطور قومی بینک کے استعمال ہوتی ہے کہ جہاں لوگ لاکھوں روپیہ کی اشیاء بطور امانت رکھ جاتے ہیں۔ مسجد کے باغ میں سلطان احمد اول۔ عثمان ثانی اور مراد رابع کے ترب ہیں۔ یہ مسجد ایک حد تک سرکاری مسجد کہلا سکتی ہے کیونکہ سلطان مع خدم وحشم جب چاہیں مولود شریف عیدین اور کاروان حجاج کی روانگی کے موقعوں پر یہاں تشریف لاتے ہیں۔ مسجد میں روشنی کے لئے چھت سے لوہے کے خوبصورت فریم چاروں طرف لٹکتے ہیں جسمیں گلاس آویزاں ہیں اور خوبصورت ہانڈیاں اور سیمرغ کے انڈے لٹکتے ہیں۔ قطعات بھی بہت خوشخط ہیں جنمیں سے مجھے بتلایا گیا تھا کہ ایک قطعہ سلطان محمود کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سلاطین عثمانیہ میں کئی سلطان خوشخطی کے زیور سے آراستہ گذر چکے ہیں۔

جامع سلیمانیہ یہ سلطان سلیمان اعظم کی مسجد ہے جو مشہور ترک معمار صنعان نے کلیسائے سینٹ یوفیمیا کے مصالح سے ۱۵۵۰ء سے لیکر چھ سال میں تعمیر کی تھی اور مثل دیگر سلطانی مساجد کے اسکے ساتھ بھی حرم روضہ اور کھلا میدان موجود ہیں۔ حرم مسجد کے چاروں طرف دالان ہیں جنکے اوپر چھوٹے چھوٹے چوبیس گنبد سنگ یشب اور سنگ خارا کے ہیں۔ فرش بھی تمام سنگ مرمر کا ہے۔ عین وسط میں وضو کے لئے ایک حوض ہے جسپر ایک گنبد ہے۔ حرم کے تینوں جانب دالانوں میں سنگ مرمر کی بنچیں بنائی گئی ہیں۔ چوتھی جانب مسجد ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ مسجد کی لمبائی چوڑائی باہر سے ۲۰۵۔ اور ۲۲۵ فیٹ ہے اور اندر سے مسقف حصہ ۲۰۰ قدم لمبا اور اتنا ہی چوڑا ناپا تھا۔ اندرونی عمارت چار خوشنما ستونوں پر قائم ہے ان ہر گنبد کے بڑے محرابوں کے نیچے جالیدار کھڑکیاں سنگ خارا کے نہایت خوشنما ستونوں

قومی امانتی بینک

بنائی گئی ہیں۔ جو از سرتاپا ایک پتھر کے ہیں۔ جو قاعدہ اور چوٹی سمیت ۳۵ فیٹ بلند ہیں ستونوں کے اوپر ایک بالاخانہ ہے جو مسجد کی چاروں طرف ہے۔ بالاخانہ کے شمالی حصہ میں ایک بند احاطہ ہیں بے شمار صندوق چاندی سونے اور بیش قیمت اشیاء سے بھرے ہوئے امانتاً رکھے ہیں۔ گویا یہ مقام ایک بڑا قومی امانتی بینک ہے جہاں ہر قیمتی چیز امانتاً رکھی جاسکتی ہے۔ سب اشیاء درج رجسٹر کرکے ایک رسید دیجاتی ہے اور جبتک یہ رسید نہ دکھلائی جائے امانتی چیز مالک کو واپس نہیں ملسکتی۔ گو اس مسجد کا گنبد بوجہ ایاصوفیہ سے چھوٹا ہونے کے ویسا شاندار نہیں ہوسکتا تاہم بوجہ اپنی موزونیت اور حسنِ عمارات کے مبصروں کی نظر میں بہت فائق ہے۔ اندرون مسجد کے دیواروں اور ستونوں کو رنگ برنگ کے سنگ مرمر کی سلیوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ منبر اور مقصورہ (محفل سلطانی) پر سنگ مرمر کا نہایت عمدہ کام ہے اور کھڑکیوں کے رنگین شیشوں پر اعلیٰ درجہ کی گلکاری موجود ہے۔ یہ کھڑکیاں مشہور ترک آئینہ ساز سرخوش ابراہیم نے بنائی تھیں۔ گنبد کے اوپر اور مسجد کے در و دیوار پر بہت سی آیات قرآنی نہایت خوشخط حروف میں کندہ ہیں کہ جنہیں مشہور ترک خطاط قارا حصار نے لکھا تھا۔ مسجد کے مغرب میں دو مقبرے ہیں۔ ایک سلیمان اول اور اسکی بیوی خرم کا ہے جو روس سے لڑائی میں پکڑی ہوئی آئی تھی۔ اور اُسے سلطان کے مزاج پر اسقدر قابو ہوگیا تھا کہ گویا خود مختار سلطانہ تھی۔ دوسرے میں سلطان سلیمان اول سلیمان ثانی اور احمد ثانی مدفون ہیں۔ ان مقبروں کی عمارت نہایت خوشنما ہے۔ اور سنگ مرمر اور سنگ یشب کے آٹھ ستونوں پر ایک گنبد گلکاری سے آراستہ بنا ہوا ہے۔ سلاطین کی قبروں پر تاج و عمامے رکھے ہیں اور بانی مقبرہ کی قبر کے گرد سنگ ینکر کا کٹھرا ہے۔ قبروں پر ایسے ہی حریر کے غلاف ہیں جیسے کہ غلاف مکہ کے ٹکڑے حاجی ہندوستان میں لایا کرتے ہیں۔ اور کئی کئی قرآن ایک ایک قبر پر ہیں۔ دیوار پر چینی کے حروف میں نہایت خوشخط

آیۃ الکرسی کندہ ہے۔ مسجد سلیمانیہ کی سالانہ آمدنی تین لاکھ قرش ہے جو خصوصاً علمی اور خیراتی کاموں میں صرف کیجاتی ہے۔ حرم مسجد کے گرد تمام خیراتی کاموں کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ سلطان سلیمان کے مقبرہ پر ایک دو گز مربع کا حرم بیت اللہ کا پیتل کا بہت عمدہ ماڈل رکھا ہوا تھا۔ سلیمان عالیشان نے اپنے بیٹے کے نام پر

مسجد شہزادہ باشی اس مسجد کو تعمیر کیا تھا جو اسکی چاہتی ملکہ سلطانہ خاصکی کے بطن سے تھا اور عین عالم شباب میں مرگیا تھا۔ یہ پہلی مسجد ہے جو مشہور ترکی معمار صنعان نے اپنے ہاتھ سے تعمیر کی تھی اور بوجہ نفاست و آبداری یہ عمارت شہر بھر میں سب سے زیادہ خوشنما ہے۔ چار ستونوں پر ایک بھاری گنبد قائم ہے جسکے چاروں طرف چار نصف گنبد ہیں۔ دو ہلکے خوشنما مینار ہیں۔ مسجد کے کتبے بہت دلکش ہیں۔ چینی کا کام اور رنگین شیشے دلاویز ہیں۔ پاس ہی شہزادہ کا تربہ ایک ہشت پہلو گنبد دار عمارت ہے۔ شہزادہ کے کپڑے ایک پہلو کے کمرہ میں رکھے ہیں جو لیلۃ القدر کو مقبرہ پر اوڑھائے جاتے ہیں۔ مقبرہ کے اندر اعلیٰ درجہ کا چینی کا کام ہے۔ قبر کے اوپر شہزادہ کا چوبی تخت آویزاں ہے اور کئی خوشخط قرآن رکھے ہیں جنمیں ایک کا بہت جلی خط ہے کہ تین بالشت لمبے صفحہ پر صرف پانچ سطور ہیں۔

جامع تربہ والدہ سلطان عبدالعزیز یہ مسجد نئی ہے اور بہت بڑی بھی نہیں مگر بہت ستھری سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے عصمت لو پرنیال والدہ سلطان عبدالعزیز نے بنائی تھی۔ صرف ایک گنبد سے مسقف ہے بہت سے خوشخط نسخ و ثلث کے کتبوں سے مزین ہے۔ اسکی آمدنی سے ایک محمودیہ نام مدرسہ چلتا ہے۔ مقابل میں بانیہ کی تربت بہت اچھی حالت میں ہے۔ کیونکہ اسکے ساتھ وقف بہت کچھ ہے۔ اس تربت میں بہت سے تبرکات ہیں۔ اور کم و بیش سبھی تربوں میں بیش قیمت تبرکات پائے جاتے ہیں۔ مکان کی ایک دیوار میں ایک سیاہ پتھر نصب ہے، جو حضرت فخر کائنات (صلعم) کے تربہ مبارک کا بتایا جاتا ہے،

ایک موئے مبارک حضرت فاطمہؓ کا نقاب۔ اویس قرنیؓ کا تاج۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا برقعہ۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی چابیاں بطور تبرکات موجود ہیں جو مجاور سب دیکھنے والوں کو دکھاتے ہیں۔ اور یہاں سے قریب ہی اسی بازار میں

تربے اور تبرکات

سلطان سلیم ثالث بن سلطان مصطفےٰ خان بن سلطان احمد ثالث کے مقبرے ہیں۔ قبروں پر ویسے ہی بڑے بڑے عمامے رکھے ہیں۔ آنحضرت (صلعم) کا ایک موئے مبارک بھی اس تربت میں محفوظ ہے۔ مقبرہ کی پیشانی پر نہایت خوشخط "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔" "ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔" "فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔" وغیرہ کلمات کندہ ہیں۔ قبروں کے کونوں پر بھاری بھاری شمعدان چاندی کے پڑے ہیں اور رحلوں پر قرآن مجید ہیں۔ قریب ہی جامع لالی ہے۔

جامع لالی

جسے سلطان مصطفےٰ ثالث نے ۱۷۶۳ء میں تعمیر کرایا تھا۔ ایک بلند سطح پر واقعہ ہے۔ جہاں سے بحیرہ مارمورا اور یدی کلہ کا بہت عمدہ منظر نظر آتا ہے۔ اندرون مسجد میں پانچ مینار سپید مرمر کے ہیں۔ جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ قصر بابل کے کھنڈرات اور قصر تھیوڈیٹیس (واقع ٹارس) سے لائے گئے تھے۔ مسجد کے نام کی یہ وجہ مشہور ہے کہ ایک فقیر اپنے سر میں ہمیشہ گل لالہ رکھا کرتا تھا۔ اور اس لئے لالہ لی یعنی لالہ والا مشہور تھا۔ اس نے سلطان سے درخواست کی کہ یہ مسجد میرے نام پر مشہور کی جائے۔ اس عالیشان عمارت میں رنگین شیشوں کے کئی دریچے ہیں۔ اور محراب کیطرف کلمہ طیب "اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے نہایت خوشخط کتبے کندہ ہیں۔

مساجد میں گھڑیاں

یہاں سب مساجد میں ایک یا ایک سے زیادہ گھڑیاں ہوتی ہیں۔ جن میں سے بعض صحیح وقت دینے میں شہر بھر میں مشہور رہیں۔

مسجدوں کی صفائی

خدام مسجدوں کی صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کیا مجال کہیں ایک تنکا یا گردہ ذرہ پڑا رہے۔ جاروب کش یہاں مسجدوں میں اسیطرح

کھڑے ہو کر لمبا جھاڑو دیتے ہیں جیسے یورپ میں دستور ہے۔ ہندوستان کی طرح جھک کر چھوٹا جھاڑو استعمال نہیں کرتے۔ جمعہ اور دوسرے مبارک ایام پر مساجد میں عمدہ قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے جو دیگر اوقات میں لپیٹ کر رکھے رہتے ہیں۔ اور روشنی سے مساجد کو دولہن کیطرح سجایا جاتا ہے۔

سلطان محمود و عبدالعزیز کے تربے تربوں کے سر کی طرف ان سلاطین کے زمانوں کے مختلف فیشنوں کی ترکی ٹوپیاں رکھی ہیں سلطان عزیز کی ٹوپی بہت چوڑی اور نیچی ہے۔ سلطان محمود جسطرح اپنی ٹوپی پر جواہرات کا ستارہ لگایا کرتے تھے ویسا ہی لگا ہوا ہے۔ نہایت قیمتی قبر پوشوں پر کلمہ طیبہ اور آیات قرآنی کاڑھی ہوئی ہیں۔ پاس چند بڑی بڑی رحلوں پر صدف کا کام اور چاندی کے خوشنما پترے لگے ہیں۔ اور پتروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں۔ ان میں سے ایک کلام اللہ یاقوت نامی (غلام خلیفہ مستعصم باللہ) مشہور خطاط کا لکھا ہوا ہے کہ جس نے اپنی عمر میں ایک ہزار کلام اللہ لکھ دیئے تھے۔ اور ایک خلیفہ ہارون الرشید کے ایک غلام کا لکھا ہوا نہایت مطلا و مذہب ہے۔ اس مرقد میں ایک عظیم الشان جہاز آویزاں ہے جو ملکہ معظمہ انگلستان نے سلطان عبدالعزیز کو بوقت سیاحت انگلستان تحفۃً دیا تھا۔ دو موئے مبارک دو صندوقوں میں محفوظ ہیں جنمیں سے ایک سلطان محمود اور ایک سلطان عزیز کے قبضہ میں تھا۔

زیارات اور آثار متبرکہ کی کثرت ایک قدم مبارک بھی ہے قسطنطنیہ میں جسقدر موئے مبارک اور دیگر زیارات سلاطین بیگمات و امرائے ترکی نے جمع کئے ہیں۔ ہر چند کہ انہوں نے انکے حصول پر لاکھوں روپے خرچ کئے ہوں گے اور انکی اصلیت کی نسبت بہت تحقیقات کی ہوگی تاہم بوجہ اپنی کثرت کے کسی شخص کو شک پیدا کرنیکے لئے کافی ہیں۔

یعقوب خان سفیر کاشغر نے ایک طبعزاد قطعہ سلطان عبدالعزیز کی نذر کیا تھا جو یہاں آویزاں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روس کے ترکستان پر قابض ہونیسے

پہلے ترکی سے اس ملک کے کیسے تعلقات تھے ؎

عبدالعزیز خاں کہ بچوگان عقل ورا ے — گوئے شہنشہی ز شہان جہاں ربود
شاید ہمیں بس است کہ در ملک کاشغر — خطبہ بنام سکہ بسیم و بزر نمود ؎

یرآلتی جامع سی

یعنی زیر زمین مسجد۔ غلاطہ میں کنار بحر پر یہ عجیب اور وسیع زیر زمین مسجد دیکھی۔ جو محرابوں کے ایک سلسلہ پر زمین دوز بنی ہوئی ہے۔ اور اوپر عام مکانات سکنی بنے ہوئے ہیں۔ صرف ایک کونے میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا اسلئے اندر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہ چراغ شب و روز ہمیشہ جلتا رہتا تھا۔ معلوم ہوا کہ اسکے اندر جو قبریں ہیں ان میں سے بعض صحابۂ رسول اللہ (صلعم) کی ہیں جو محاصرہ قسطنطنیہ کے وقت اسی مقام پر شہید ہوئے تھے۔ اس مسجد کے اندر بھی بہت سے لوحے اور ایک صحیح وقت دینے والا کلاک آویزاں ہیں۔

سلطان ایوب انصاری

حضرت خالد ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ یہ آپکا مزار پر انوار ہے جو خلیج قسطنطنیہ کے سرے پر واقع ہے۔ سنہ [illegible]ھ ہجری میں امیر معاویہؓ نے جو لشکر رومیوں پر جہاد کرنیکے لیے روانہ کیا تھا آپ اس میں شریک تھے اور دوران محاصرہ قسطنطنیہ میں بیمار رہ کر آپکا انتقال ہوگیا اور یہیں دفن کیے گئے۔ جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو ایک ولی کامل کی نشاندھی سے آپ کی قبر کا پتہ چلا۔ چنانچہ یہ عالیشان عمارت تعمیر کرادی جو حضرت کا مقبرہ ہے۔ اسی مقبرہ کی وجہ سے قسطنطنیہ کے اس حصہ کا نام بھی سلطان ایوب مشہور ہے۔ ہزارہا زائرین کا ہر وقت یہاں مجمع رہتا ہے۔ مقبرہ کے اندر مطلا اور خوشخط قرآن مجید خوبصورت رحلوں پر ہر طرف رکھے ہوئے ہیں۔ اور آیات قرآنی وادعیہ ماثورہ کے جلی خوشخط قطعات دیواروں پر آویزاں ہیں۔ مقبرہ کے بیرونی جانب بھی بہت سا چینی کا کام نہایت عمدہ نصب ہے اور کئی کتبے کندہ ہیں۔ سامنے دو بہت بڑے درخت ایک بلند چبوترہ پر ہیں کہ جنکا گھیر بیس بیس گز سے کم نہ ہوگا۔ مشہور ہے کہ اس مقام پر آپکو شہادت نصیب ہوئی تھی

صحن کے سامنے ایک عالیشان گنبد والی مسجد ہے۔ مسجد اور مقبرہ کے ایک پہلو میں ایک بہت بڑا صحن ہے جسمیں وضو کرنیکا گول مسقف حوض ہے۔ اس جگہ اور ان درختوں پر ہزاروں کبوتر بیٹھتے ہیں۔ غلہ فروش غلہ لئے موجود رہتا ہے اور زائرین اُس سے پیسے دیتے ہیں تو وہ انکا غلہ کبوتروں کو ڈال دیتا ہے۔ اسی مسجد میں جو مقبرہ کے پاس ہے سلطان محمد فاتح کے زمانہ سے لیکر ابتک سلاطین عثمانیہ کی کمر میں سلطان عثمان خان کی تلوار باندھی جاتی ہے۔ اور اسطرح انکی رسم تاجپوشی ادا ہوتی ہے۔ علاوہ اسکے سترہ دیگر صحابہ رسول اللہ (صلعم) استنبول کے محاصرہ میں شہید ہوئے تھے اور ان کے ترب بھی جابجا موجود ہیں۔ اور شہر ہر طرف زیارت گاہوں سے لبریز ہے۔

مزارستان یا قبرستان

یہاں کے قبرستان بھی اپنی وضع اور طرز کے لحاظ سے نرالے ہیں۔ قسطنطنیہ میں عیسائیوں سے قطع نظر مسلمانوں کے بہت سے قبرستان ہیں۔ ترکوں کے قبرستان کی بڑی علامت سرو کا درخت ہے۔ قبر کا سفید سنگ مرمر کا تعویذ اور بالین کیطرف سنگ مرمر کا عمامہ یا سرخ ٹوپی تراش کر نصب کئے جاتے ہیں۔ جو علامت اسبات کی ہے کہ قبر کے اندر کوئی مرد دفن ہے۔ جو عمامہ یا ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ لیکن عورت کی قبر پر پائوں کیطرف ایک پتھر پر کسی قسم کا زیور یا ایک درخت کی ٹہنی کھود کر نصب کر دیتے ہیں۔ اگر مرحومہ صاحب اولاد تھی تو ٹہنی کے پھولوں اور پتوں کی تعداد سے اسکا پتہ ملجاتا ہے۔ قدیم زمانہ کی قبروں کے عماموں کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے اسبات کا پتہ لگتا ہے کہ متوفی کا سوشل درجہ کیا تھا۔ اگر عمامہ ایک طرف کو جھکا ہوا ہو تو اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدفون سلطان کے حکم سے قتل کیا گیا تھا۔ اور یہ طریقے قدیم سے چلے آتے ہیں غریبوں کی قبر پر فقط ایک سرو کا درخت یا پائوں کی طرف ایک ان گھڑ پتھر نصب ہوتا ہے اوسط طبقہ کے لوگ قبر پر ایک چوڑا تعویذ بنواتے ہیں اور سر کیطرف تراشیدہ پتھر لگواتے ہیں۔ امرا کی قبریں تمام پختہ اور بعض اوقات اُنپر گنبد اور بہت سے نقش و نگار

ہوتے ہیں۔ کئی کتبوں کے اخیر میں یہ درخواست ہوتی ہے۔ کہ مدفون کی روح کو فاتحہ پڑھکر بخشتے جاؤ۔ ان سنسان قبرستانوں میں بہت سے جھنڈ فاختاؤں کے رہتے ہیں۔ جو چند اُلو چمگادڑ کی حکومت میں شریک ہیں۔ سرو صنوبر کی خوشبو سے خیال کیا جاتا ہے کہ دبائی مادوں کا اثر یہاں نہیں ہوتا۔ بالین کے پتھر پر علاوہ نام ولدیت عمر و تاریخ وفات کے کوئی آیت قرآنی بھی ہوتی ہے۔ عورت کی صورت میں اسکے شوہر کا نام بھی درج ہوتا ہے۔ اور پتھروں کے حروف بجائے گہرے کھودنیکے اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں

بیوک مزارستان چونکہ مسلمانوں کی قبروں کے نیچے ہمیشہ جگہ رُکی رہتی ہے اور یہ اپنا قبرستان کھودنا پسند نہیں کرتے اسلئے قسطنطنیہ کے گرد قبرستان میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ استنبول کا بیوک مزارستان یعنی بڑا قبرستان سلطان ایوب سے یدی کلہ تک چلا گیا ہے۔ لیکن سقوطری کا بڑا قبرستان درخت ہائے سرو کا ایک تین مربع میل کا ایک جنگل ہے۔ استنبول کے بہت سے نیک ترک اس بڑے قبرستان میں دفن ہونا پسند کرتے ہیں کہ جسمیں انکے خیال میں لاکھوں نہایت نیک بخت مسلمان مدفون ہیں۔ اور نیز یہ اُس برِّ اعظم پر واقع ہے کہ جس پر مکہ اور مدینہ ہیں۔

مقامات قابل دید و قابل سیر

تفرج گاہیں قسطنطنیہ میں دو قسم کے مقامات قابل دید ہیں ایک تو وہ قدیم عالیشان عمارات اور بوسیدہ کھنڈرات ہیں کہ جو بلحاظ تاریخی وقعت کے سیاح کے لئے بیحد دلچسپی رکھتے ہیں۔ جیسے کہ عالیشان مساجد۔ یدی قلہ۔ اَت میدان یا سرائے ہمایوں وغیرہ۔ اور دوسری وہ نزہت گاہیں ہیں جو بوجہ اپنی خوبصورتی کے باسفورس کے کناروں یا متصلہ جزیروں میں مرجع خاص و عام ہیں۔ اور جہاں کہ تعطیل کے روز قسطنطنیہ کے ہزاروں لاکھوں زن و مرد تفریح اور تفرج کے لئے جاتے اور روح افزا منظر اور جاں بخش آب وہوا کا لطف حاصل کرتے اور کھا پی کر دن گذار دیتے ہیں۔ یہاں

خوشنما چشمے جاری ہیں۔ اور خوبصورت سبزہ زار اور لالہ زار سایہ وار درختوں کے ساتھ بلکہ محویت کا عالم پیدا کر دیتا ہے۔ ان میں سے مشہور کاغذ خانہ۔ چابلیجہ۔ قنار باغچہ۔ سبی چیر بیچی۔ ولی آفندی چاٹرلری۔ گوک صو۔ کوچک صو۔ کستانہ صوئی۔ فندیق صوئی اور چر چیر صوئی ہیں۔ اور علاوہ بغاز کے ماموراہیں ہیوک آدہ (کہ جسکے سیر کی کیفیت اپنے موقعہ پر درج ہے)۔ صکبہ لی (جہاں بحری کالج ہے) اور قینہ لی وغیرہ جزائر ہیں۔

حوالی شہر یوں تو استنبول کے تمام منظر ہی نہایت دلکش ہیں لیکن بغاز کے دونوں جانب یورپ اور ایشیا کے ساحلوں پر نفس شہر سے لیکر میلوں تک کنار آب پر خوبصورت یالیوں دلربا کوشکوں اور خوشنما موضعوں کی قطاریں چلی گئی ہیں جو باسفورس کے نیلگوں پانی کے مقابلہ میں نہایت دلاویز معلوم ہوتی ہیں۔ یہ موضعات مضافات شہر میں شامل ہیں اور یہاں تک جانے آنے والوں کے لئے دونوں طرف سٹیمر صبح سے شام تک چلتے رہتے ہیں۔ روم ایلی۔ یعنی یورپین ساحل پر یہ ضروری قریے ہیں۔ اورتہ کوئی۔ ارناؤط کوئی۔ ببک۔ روم ایلی حصاری۔ امیر کاں۔ استنیہ۔ ینی کوئی۔ طرابیہ۔ بیوکدرہ۔ صاری یر۔ اور روم ایلی قواغی اور اناطولی یعنے ایشیائی ساحل پر یہ ہیں۔ قوزغونجق۔ بگلر بکی۔ چنگل کوئی۔ وانی کوئی۔ قندیلی۔ اناطولی حصاری۔ قانلیجہ چبوقلی۔ انجیر کوئی۔ بکفوز۔ اور اناطولی قواغی۔ مسافر کو ان میں سے چند ایک قریوں کا دیکھ لینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوتا۔

سرائے ہمایوں اس سے پہلے کسی قدر تفصیل سے مساجد عظیم الشان کا ذکر ہو چکا ہے جو قسطنطنیہ کی ناک ہیں۔ اور انہیں ہر مسلم یا غیر مسلم سیاح بڑے شوق اور استعجاب سے دیکھتا ہے اسکے بعد سرائے ہمایوں قابل دید ہے جسمیں قدیم رومی اور یونانی سلاطین اور اسکے بعد ترک سلاطین کے محلات شاہی رہے ہیں۔ مگر اب اسمیں قصر ہمایوں۔ خزینہ ہمایوں (کہ جسکے عجائبات الف لیلہ کی کہانیوں کے ہم پلہ ہیں) ضرب خانہ اور عجائب خانہ وغیرہ ہیں۔ اسکے بعض حصے کہ جنمیں عجائب خانہ وغیرہ ہیں سب لوگ دیکھ سکتے ہیں لیکن خزینہ سلطانی کے دیکھنے کے لئے خاص سلطانی ارادہ صادر ہوتا ہے۔ اسلئے سب لوگ

اسے نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں بہت قدیم درخت اور وسیع باغات ہیں۔ اور ایک جگہ ایک پتھر پڑا ہے جو میرے رہنما نے بتلایا کہ قیصر قسطنطین اسپر سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا۔ یہ وسیع محلات قسطنطنیہ کی حیرت انگیز تاریخ کا خلاصہ ہیں ان کے تاریک تہ خانوں میں بہت سے بدنصیب شہزادے شہزادیاں اور وزراء جانیں دے چکے ہیں۔ اور کئی سلطان زبردست اور چیرہ دست ینی چری لیڈروں کے غصہ کے شکار ہو چکے ہیں مگر بعد کے ترک سلاطین نے اپنے لئے مختلف مقامات پر عالیشان محلات تعمیر کرائے ہیں۔ جیسے دولمہ باغچہ۔ قصر چراغاں۔ قصر یلدیز اور بعض دیگر نزہت گاہوں میں بھی خوبصورت محلات ہیں۔ ان میں قصر یلدیز سلطان حال نے بنایا ہے کہ جسکے وسیع باغات رمنے۔ جانور خانے جھیلیں اور مکانات میلوں تک ایک دیوار کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔

آثار عتیقہ قدیم رومی اور یونانی قیصروں کے زمانہ کے اب بہت کم نشانات شہر میں باقی رہگئے ہیں۔ تاہم یورپ کے ہزارہا سیاح اور علماء کہ جنہوں نے رومی اور یونانی کتابوں میں اس زمانہ کے قسطنطنیہ کے بہت حالات پڑھے ہوئے ہیں گائیڈوں اور گائیڈ بکوں کی مدد سے ان آثار قدیمہ کی بڑے شوق سے زیارت کرتے ہیں۔ اور اُن کی تلاش میں شہر کی قدیم فصیلوں کو دیکھتے مارے مارے پھرتے ہیں۔ ان میں سب سے دلچسپ عمارت تو جامع ایا صوفیہ ہے جو پہلے گرجا تھی اور پھر کوچک ایا صوفیہ اور بعض دیگر مساجد جو گرجوں سے بنائی گئی تھیں۔ لیکن قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ اسلئے سینکڑوں سالوں میں یہ عمارات بار بار گریں اور اب ان میں سے اکثر میں سوائے چند ستونوں یا دیواروں کے کوئی قدامت باقی نہیں رہی۔ شہر کے اندر دو قدیم تحت الارض پانی جمع رکھنے کے مخزن یعنے یری باتان اور بن بر درک ہیں۔ ات میدان میں ایک برنجی لاٹ۔ چنبرلی طاش نامی لاٹ اور قیز طاش کے علاوہ بعض قدیم فصیلیں ہیں۔ یہ فصیلیں قسطنطین اعظم بانی شہر نے تعمیر کی تھیں۔ مگر بعدہٗ کئی مرتبہ گریں اور دوسرے قیصروں نے تعمیر کیں۔

اب خراب حالت میں باقی ہیں۔ کہ جنہیں خشکی کی طرف سات اور سمندر کیطرف چودہ دروازے ہیں جو اکثر ابتک موجود ہیں اور یدی قلہ وغیرہ بعض اور متفرق آثار بھی ہیں کہ جنکی کسی قدر کیفیت یہاں درج کرنا بے موقعہ نہوگا۔

اَت میدان یا ہپوڈروم

آت ترکی میں گھوڑے کو کہتے ہیں اور ہپوس بھی یونانی میں گھوڑے کو کہتے ہیں اور ڈراماس دوڑنے کو۔ چونکہ اس میدان میں قدیم رومی و یونانی سلاطین گھوڑوں اور رتھوں کی دوڑیں کرایا کرتے تھے اسلیئے اسکا یہ نام ہوا۔ اس میدان کی تاریخ بہت حیرت انگیز اور طویل ہے قیصر قسطنطین سے بھی پہلے اس میدان اور اسکی متعلقہ عمارات عالیشان کی بنیاد رکھی گئی تھی کہ جنمیں سے اب ایک بھی موجود نہیں۔ اور انکی بجائے مسجد سلطان احمد نے جنوب مشرق میں اور مدرسہ حرفت نے جنوب مغرب میں بہت سی جگہ دبالی ہے۔ اور جن دنوں میں قسطنطنیہ میں تھا اس میدان کے مشرقی سرے پر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا چشمہ تعمیر ہورہا تھا ہپوڈروم صرف گھوڑدوڑ کا میدان ہی نہ تھا بلکہ یہاں پبلک کی ہر قسم کی دلچسپی کے کام طے ہوتے تھے۔ یہاں نیئے بادشاہوں کی تاجپوشی کی منادی ہوتی تھی۔ فتحمند جرنل فتح کے جشن مناتے تھے۔ مجرموں کو پھانسی دیجاتی تھی اور بداعتقادوں کو زندہ جلادیا جاتا تھا۔ وحشی جانوروں کی نمائیش اور جسمانی ورزش کے تماشے ہوتے تھے کہ جنہیں خود قیصر معہ اپنے درباریوں کے اور انکی بیگمات معہ اپنی سہیلیوں کے بالاخانوں میں بیٹھکر دیکھا کرتے تھے۔ گویا ہپوڈروم کا مرکز ایک محور تھا۔ جسکے گرد بزنطائن دنیا گھومتی تھی یہیں ۵۳۲ء میں مشہور لڑائی قیصر جسٹینین اعظم اور سرکس کی باغی جماعتوں میں ہوئی تھی۔ کہ جسکی وجہ سے جسٹینین کو تخت چھوڑنا پڑا۔ اور تیس ہزار اہل شہر کے خون کی ندیاں بہ گئیں۔ گھوڑدوڑوں کی رقابت کی وجہ سے یہاں دو فرق بن گئے تھے۔ جنمیں کئی مرتبہ تلوار چل جاتی تھی۔ غرض بارہا یہاں کے تماشائیوں نے کشت وخون کے معرکے دیکھے۔ لیکن آخری خونریز معرکہ وہ تھا جبکہ سلطان محمود ثانی نے اسی اَت میدان میں ینی چری فوج کی سخت بغاوت کو ۱۸۲۶ء میں ایسی طرح فرو کیا کہ اس زبردست

فوج کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ غرض قسطنطنیہ کی قدیم تاریخ اس میدان کے حالات سے لبریز ہے۔ اس تاریخی میدان میں کئی نہایت بیش قیمت تاریخی یادگاریں تھیں۔ مگر اب اکثر ان میں سے تلف ہو گئیں۔

ستون اژدر وغیرہ

اب صرف دو قدیم ستون اس میدان میں استادہ ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام سرپنٹ کالم یعنے ستون اژدر ہے جو بیس فیٹ بلند ہے۔ یہ برنجی ستون بہت سا زمین میں گڑا ہوا ہے جو تین سانپوں کے آپس میں لپٹنے سے بنگیا ہے جو مشہور ہے کہ ڈلفی کے سمندر سے لایا گیا تھا۔ جب سلطان محمد ثانی فتح قسطنطنیہ کے بعد ایا صوفیہ سے نکلکر یہاں آیا تو اس نے سمجھا کہ یہ تین سانپ کوئی طلسم ہیں اور اس نے اپنی بھاری جنگی تبر سے ایکا سر اڑا دیا۔ دوسری ۱۱ فیٹ پتھر کی لاٹ ہے جو تھیوڈوسیس اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مصر کے سنگ خارا سے تراشی گئی ہے جہاں تھامس ثالث نے ہیلوپولیس کے مندر پر اسے چڑھایا تھا۔ اور قیصر تھیوڈوسیس نے اسے وہاں سے لاکر اس میدان میں نصب کیا۔ اس پر ہپوڈروم کے مختلف نظارے کندہ ہیں جو اسکی تاریخ پر بہت روشنی ڈالتے ہیں۔ تیسرا چنبرلی طاش یعنے حلقہ دار پتھر کا ستون قریب ہی طاوق (مرغ) بازار میں استادہ ہے جسے قسطنطین اعظم روما سے اٹھوا لایا تھا۔ اسوقت اسپر اپالو دیوتا کا جستی بت تھا۔ آتشزدگی سے یہ ستون جل گیا تھا۔ اسلیئے اسے ستون محرق بھی کہتے ہیں۔ ۱۷۰۱ء سے اسپر جستی حلقے چڑھے ہوئے ہیں۔

بن بیر درک

یعنی ایکہزار و ایک ستون کا حوض۔ یہ بھی اُت میدان کے قریب ہی ہے قسطنطین کے عہد میں یہ زیر زمیں حوض شہر کے لیئے پانی کا مخزن تھا مگر اب بالکل خشک پڑا ہے اور اسمیں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے پہلے اسمیں ایک ریشم کا کارخانہ بھی جاری رہا ہے۔ شاید پہلے اسمیں ایک ہزار ایک ستون ہوں مگر ابتو ۲۱۲ ستونوں کی تین منزلوں یعنی ۶۳۶ سنگین ستونوں سے مرکب ہے جو ۱۵ قطاروں میں استادہ ہیں۔ واقعی یہ وسیع حوض عجائبات میں شمار ہونیکے لائق ہے۔

یدی قلعہ یا ہفت بروج یہ ایک قدیم اور شکستہ قلعہ ہے جو سلطان محمد ثانی نے ایک پرانے قلعہ کی بجائے سنہ ۱۴۵۸ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور چونکہ اس میں سات برج تھے۔ (گو اب صرف چار باقی ہیں) اسلئے اس نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ قسطنطنیہ کے جنوب مغربی کناروں کے اس مقام پر واقعہ ہے جہاں شہر کی فصیلیں بحر مارمورا سے جا ملتی ہیں۔ مثل لنڈن کے ٹاور اور پیرس کے بسٹائل کے پہلے پہل یہ قلعہ شاہی جیلخانہ کے طور پر کام آتا تھا۔ جب سلاطین آل عثمان کا ستارہ اوج اقبال پر تھا اور تمام دول یورپ ان سے کانپتی تھیں۔ اسوقت جب کبھی کوئی سلطان کسی یورپین سلطنت سے ناراض ہوتا اور اُسے لڑائی کا اعلان دیتا تو اس سلطنت کے سفیر کو اس قلعہ میں قید کر دیا جاتا۔ آخری سفیر جو اسطرح قید ہوا وہ فرانسیسی سفیر تھا۔ جو سنہ ۱۷۹۸ء میں قید کیا گیا تھا۔ ایک مینار پر چند عبارات کندہ ہیں جنمیں اہل وینس وغیرہ اشخاص کی قید کا ذکر ہے جو سنہ ۱۶۰۰ء اور سنہ ۱۷۰۰ء کے مابین قید ہوئے تھے۔ غرض ترکوں پر ایک وہ زمانہ گذر چکا ہے کہ جس سلطنت کے سفیر کو چاہتے تھے یدی قلہ میں قید کر دیتے یا مار ڈالتے تھے۔ اور اب یہ ایک زمانہ گذر رہا ہے کہ کسی سلطنت کی رعایا میں سے کسی شخص کا مطالبہ اگر باب عالی ادا نہ کرے تو جھٹ اس سلطنت کا جنگی بیڑہ ترکوں کے دھمکانے کے لیئے آن موجود ہوتا ہے۔ یدی قلہ میں ایک زمانہ میں خود ترک سلاطین بھی قید اور مقتول ہوئے جبکہ ینی چری فوج کا عروج تھا تو اسکے سرغنہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر بعض بدنصیب سلاطین عثمانیہ کو تخت سے اُتار کر اسی قید خانہ میں قید کرتے یا مار ڈالتے تھے۔ علاوہ سلاطین کے کئی وزرائے عظام اور ان سے کم درجہ کے ارکان دولت کے سر تن سے جدا کر کے اس قلعہ کے مورچوں سے لٹکائے گئے۔ ایک چھوٹا سا احاطہ یہاں "سروں کا مکان" کہلاتا ہے کہ جسمیں مجرموں کو قتل کر کے انکے سروں کے انبار لگائے جاتے تھے۔ اور ایک "خون کا کنواں" تھا کہ جسمیں مقتولین کے سر ڈالے جاتے تھے۔ مگر اب وہ پاٹ دیا گیا ہے۔ آج کل یدی قلہ بالکل ویران اور منہدم ہو رہا ہے۔ میں ان برجوں میں سے ایک پر

ایک ترک فوجی افسر کے ہمراہ چڑھا تھا۔ ڈیڑھ سو سیڑھیوں سے زیادہ ہوں گی۔ چار پانچ منزل بلند مکان بڑے بڑے پتھروں کا معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب منزلوں کی چھتیں اس برج کی گر چکی تھیں اسلئے اوپر سے ایک بہت گہرا کنواں سا نظر آتا تھا چاروں طرف سارے بلند مینار شکستہ اور خراب پڑے ہیں میدان کے درمیان میں کھیتی کیجاتی ہے۔ اور ایک ویران مسجد بھی قلعہ کی حالت پر آنسو بہا رہی ہے

عجائب خانے

قسطنطنیہ میں صرف دو عجائب خانے ہیں۔ جنمیں سے ایک عجائب خانہ آثار قدیمہ ہے کہ جسے "موزہ ہمایونی" یعنے امپیریل میوزیم کہتے ہیں۔ اور دوسرا ینی چری فوج کے لباس کا عجائب خانہ اَتْ میدان میں ہے۔ موزہ ہمایونی سرائے ہمایوں کے اندر کچھ حصہ ایک مشہور قدیم خوبصورت عمارت چینیلی کوشک یعنے چینی کی بارہ دری میں ہے اور کچھ حصہ ایک نئے دو منزلہ عالیشان مکان میں جو عجائب گاہ کے لئے تعمیر کیا گیا ہے رکھا گیا ہے پانچ قرش فیس داخلہ ہے۔ اور پانچ قرش کو ایک ترکی زبان کی فہرست عجائب خانہ ملتی ہے کہ جسمیں آثار قدیمہ کی مفصل کیفیت درج ہے کہ جو ممالک عثمانیہ کے مختلف مقامات سے کھود کر یہاں جمع کیے گئے ہیں۔

آثار عتیقہ

پہلے پہل ۱۸۵۰ء میں باب عالی نے آثار عتیقہ کے عجائب خانہ کیطرف توجہ کی اور کچھ اشیا سینٹ آئیرینی کے کلیسا میں جمع کی گئیں۔ جو ۱۸۷۵ء میں موجودہ مقام کو منتقل کی گئیں لیکن سلطان عبدالحمید خان ثانی کے عہد میں ادہر غیر معمولی توجہ کی گئی اور سلطنت کے مختلف مقامات میں جہاں قدیم خرابوں کے آثار تھے وہاں کے حفریات سے بہت سی بیش قیمت چیزیں برآمد ہوئیں۔ یورپین مبصران علوم عتیقہ گورنمنٹ ہائے انگلستان جرمنی اور فرانس کی امداد سے آ آ کر قلمرو عثمانی سے عجیب و غریب اشیائے عہد قدیم کھود کر لیجاتے تھے کہ جس سے یورپ کے عجائب خانے بے حد دولتمند ہو گئے تھے۔ ترکوں کو بھی خیال آیا کہ ایسی بیش قیمت اشیاء کو جو لاکھوں کروڑوں روپیہ کو بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں ملک سے باہر نہیں نکلنے دینا

چاہیئے۔ اتفاق حسنہ سے عجائب خانہ کا انتظام سابق وزیر اعظم ادہم پاشا کے بیٹے حمدی بے صاحب کے سپرد ہوا جو طبعاً آرٹسٹ اور اینٹی کویرٹن پیدا ہوئے تھے۔ ہزایکسلنسی حمدی بے نے نہ صرف ملک کے مختلف حصوں کے حضریات سے اپنے عجائب خانہ کو پُر کیا۔ بلکہ خود صیدا میں جاکر جو ساحل بحیرہ روم سے چند سو گز کے فاصلہ پر ہے اپنی نگرانی میں آثار عتیقہ کھودوانے شروع کئے۔ اس سے ۱۸۸۷ء میں اس قدر کامیابی ہوئی اور ایسے بیش قیمت قدیم زمانہ کی لاشوں کے سنگ مرمر کے تابوت نکلے

بینظیر حضریات صیدا

کہ جس سے تمام یورپ کے علمائے آرکیالوجی وغیرہ میں شور مچگیا اور بقول پروفیسر سیکس ہولر یورپین اخبارات میں واہی تباہی بیانات چھپنے لگے کہ کیوں ترک ان بیش قیمت خزانوں کو ہمارے سپرد نہیں کر دیتے۔ جو انکے اہل ہیں۔ انکا کیا حق ہے کہ ایسی بیش قیمت چیزیں اپنے پاس رکھیں۔ غرضیکہ یورپ کے آرکیالوجسٹ حیران تھے کہ وہ بے نظیر قدیم چیزیں جو وہ پہلے بلا تعرض لاکر اپنے عجائب خانوں میں رکھا کرتے تھے اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں رکھی گئی ہیں۔ مگر بہرحال وہ اسوقت قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں کہ جسپر ہر ایک ترک ناز کرسکتا ہے۔ کیونکہ اہل الرائے متفق ہیں کہ یورپ کے کسی اشیائے عتیقہ کے عجائب خانہ میں ایسا عمدہ مجموعہ سارکوفیگی (قدیم زمانہ کی لاشوں کے تابوتوں) کا نہیں ہے۔ جیساکہ اب قسطنطنیہ کے اس عجائب خانہ میں موجود ہے خاص سکندر اعظم کا سفید سنگ مرمر کا عالیشان تابوت معہ سرپوش یہاں رکھا ہے جسے (فہرست عجائب گاہ میں) لمبر ۶۸ (۳۷۰) پر "مزار سکندر کے نام سے مشہور ہونے والی لحد کبیر" لکھا ہے۔ اور اسکے اردگرد چاروں طرف جو بت کھودے گئے ہیں انکی تاویل و تعبیر اس فہرست کے سات صفحوں میں درج ہے۔ چنانچہ ایک پہلو میں ایرانیوں اور یونانیوں کے اس عظیم محاربہ کا نقشہ کھودا گیا ہے جو ایسوس یا آربل کے محاربہ سے مشہور ہے۔ حمدی بے صاحب نے جس قابلیت سے ان تابوتوں اور تعویذوں کے بتوں اور کھدائی کی تعبیر کی ہے اسپر یورپین مبصر

عش عش کرتے ہیں اور جسکی تصدیق پروفیسر میکسمولر نے بھی کی ہے۔ تابوت سکندری کے قریب چار اور سنگ مرمر کے تابوت ہیں جو گو اتنے بڑے نہیں لیکن بہت ہی اعلیٰ قسم کے ہیں۔ ایک مصر کے بادشاہ کا سیاہ سنگ خارا کا تابوت معہ اسکی لاش کے پاس ہی ہے اور اور کتنے آثار قدیم ہیں کہ جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن مبصروں کی نظر میں قدیم زمانہ کی گم شدہ تاریخ کی یہ سب بیش قیمت الواب ہیں۔ پاس ہی ایک الماری میں ایک کھوپری معہ کچھ سیاہ بالوں کے رکھی ہے جو مجھے بتلایا گیا کہ سکندر اعظم کی ہے۔ میں دیر تک اس کھوپری اور اسکے ساتھ کے بالوں کو بنظر عبرت دیکھتا رہا۔ اور بے ساختہ میری زبان سے نکلا ؎

اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری　　کتنے دن آپ جیا جس لئے دارا مارا

اور کہ ؎

ٹھیکری کی قدر ہے اسکی نہیں　　ٹوٹے جب کاسہ سر فغفور کا

آثار عثمانی بالائی منزل میں بعض آثار سلاطین عثمانی موجود ہیں جنمیں سلطان سلیم اور سلطان محمود فاتح کے تخت ہیں۔ بعض سلاطین کے قرآنوں کی رحلیں نہایت اعلیٰ درجہ کی صدفکاری کی جمع کی گئی ہیں۔ کوتاہیہ کے ساختہ چینی کے برتنوں کے نمونے ہیں جو یورپین ساختہ چینی سے ذرا بھی کم نہیں۔ ان میں ایک چار گز بلند انگیٹھی چینی کی بنی ہوئی ہے۔ اسکے گرد تمام آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ ایک جانماز پر یہ بنا ہوا تھا "عَجِّلُوا بِالصَّلٰوۃِ قَبْلَ الْفَوْتِ وَ بِالتَّوْبَۃِ قَبْلَ الْمَوْتِ"۔ ایک صندوقچہ پر سلطان سلیم کے دستخطی عربی اشعار تھے۔ قلعہ دیار بکر کی ایک ڈیڑھ بالشت لمبی قدیم زمانہ کی چابی۔ ترک خطاطوں کے خوشخط عربی فارسی قطعات وغیرہ اشیا گلاس کیسوں میں سجائی ہوئی تھیں۔ مگر اس حصہ میں ابھی بہت اشیاء جمع نہیں ہوئیں۔

ینی چری فوج کا عجائب خانہ یہاں صرف پلاسٹر آف پیرس کے بت ینی چری فوج کے تمام عہدہ داروں اور افسروں کے معہ انکی اصلی ہیئت

پوشاک کے رکھے ہوئے ہیں جیسے کہ وہ لوگ اس زمانہ میں پہنا کرتے تھے۔ مثلاً اس فوج کے قاضیوں۔ جلادوں۔ افسروں۔ سپاہیوں اور ولیوں وغیرہ کے عجیب عجیب وضع کے لباس خصوصاً نرالے عمامے تھے۔ غالباً ایک سو کے قریب بُت ہوں گے مگر ایک کے سر کی پوشاک دوسرے سے نہیں ملتی تھی۔ اسقدر مختلف اور عجیب و غریب ہیئتوں کی ٹوپیاں اور پگڑیاں جمع کرنے سے واقعی ایک عجائب خانہ بنجاتا ہے اور ینی چری فوج کا رعب خود بخود دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں کے دربانوں اور چھاتے رکھنے والوں کو بخلاف یورپ کے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ لیکن سرکاری دفتروں اور نظارت خانوں میں چھاتے رکھنے والے ملازموں کو دس پارہ کا سکہ دینا پڑتا ہے۔

ینی چری فوج

دولت عثمانی کی تاریخ کے صفحے ینی چری فوج کے بہادرانہ اور پہلو بہ پہلو جابرانہ اور سفاکانہ کارناموں سے بھرے ہوئے ہیں۔

یہاں ان حالات کے اندراج کی گنجائش نہیں مگر اس عجیب فوج کے متعلق ایک دو تاریخی امور کا معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے پہل سلسلہ آل عثمان کے دوسرے سلطان اورخان نے سنہ ۷۲۶ھ کو تخت نشین ہوکر قاضی جندرہ لو قرہ خلیل اور دیگر اعیان دولت کے مشورہ سے اس سپاہ کی بنیاد ڈالی۔ ترکی افواج مہمات یورپ میں جن عیسائی بچوں کو گرفتار کرتی تھی انہیں اسلامی اصول پر تربیت دیکر بالغ ہونے پر اس فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ اور انہیں شادی کرنے کی اجازت نہ تھی چنانچہ سنہ ۱۸۲۶ء تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ اور ینی چری لوگوں کے بڑے بڑے نامور افراد وزارت اور سپہ سالاری کے درجوں تک پہنچے۔ مگر جب اس فوج کو بیحد طاقت حاصل ہوگئی تو اس نے بڑی بڑی بدعتیں کرنی شروع کیں جس وزیر یا مدبر کو چاہتے قتل کرا دیتے۔ اور جس سلطان کو چاہتے تخت سے اُتار دیتے۔ جب یہ ظالم ناراض ہوتے تو اپنی بارکوں میں اپنی ہانڈیاں الٹی کر دیتے تھے کہ جنہیں دیکھ کر تمام شہر استانبول کے دل بلکہ تمام سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں لرز جاتی تھیں۔ آخر کار سلطان محمود مصلح نے ان کے تشدد اور ظلم سے بیزار ہوکر سلطان احمد کی مسجد میں بیٹھکر

پہلی مرتبہ علم نبوی بلند کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ینی چری دشمنان دین ہیں اُن پر ہر مسلمان کو جہاد کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں توپ بندوق اور تلوار سے سات ہزار ینی چری اَت میدان میں مارے گئے اور ہمیشہ کے لئے انکا خاتمہ ہو گیا۔ اب سوائے تاریخ کے اوراق اور قسطنطنیہ کے ینی چری عجائب گاہ اور قبرستانوں کے اَور کہیں انکا نشان باقی نہیں۔

بازاروں کا نقشہ بعض مسجدوں اور دوسرے کھلے مقامات پر ہفتہ وار بازار یا "پازار" لگتے ہیں۔ اور جیسے ہندوستان میں جمعہ کے بازار لگتے ہیں وہاں "صالی بازار" (منگل کے بازار) لگتے ہیں۔ ترکی زبان میں سودا کرنے کو پازار لاک کہتے ہیں۔ بعض بازاروں میں سرراہ سڑکوں پر قصاب بالس کے تین پائے کھڑے کر کے سالم بکرے ٹانگ دیتے ہیں۔ اور خریداروں کو ساتھ ساتھ گوشت کاٹ کر دیتے جاتے ہیں۔ بازاروں میں سے نانبائی گدھوں پر روٹیوں کے بھار لادے ہوئے لئے جاتے ہیں۔ سقے پانی پلانے کے لئے پانی کے برتن (بڑے ڈول کی شکل کے) پیٹھ پر باندھے ہاتھ میں کٹورے چھنکاتے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر ہندوستان کے سقے یاد آجاتے ہیں۔ بعض خوانچے والے پیٹھ پر سودا لادے رہتے ہیں۔ اور ہاتھ میں ترازو رکھتے ہیں جس سے سودا تول کر دیتے جاتے ہیں۔

خاص خاص مال کے بازار استانبول میں بھی دیگر ممالک مشرق کیطرح سوائے عام بازاروں کے بہت سے بازار ایسے ہیں کہ جن میں ایک ہی قسم کے مال کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ جیسے پھول پھل اور ترکاریوں کا بازار گولڈن ہارن کے کنارہ پر۔ زین فروشوں کا بازار مسجد سلطان محمد ثانی کے پاس۔ مصر چارشوینی والدہ جامع کے پاس جو مسقف بازار ہے اور جس میں خصوصیت سے جڑی بوٹی کی دوائیں اور سامان خانہ داری اور مستورات کی آرائش کی چیزیں مثل کحل۔ حنا وغیرہ کے بکتی ہیں۔ صحافہ کتب فروشوں کا بازار۔ اَت بازار چمڑے کے کام والوں اور اسپ فروشوں کا بازار۔ اور بیوک چارشو

یعنے بڑا بازار وغیرہ۔ چارشو ترکی زبان میں بازار کو کہتے ہیں جو غالباً فارسی (چار و نظرف) سے لیا گیا ہے۔

بیوک چارشو یہ بازار قسطنطنیہ کے سوا اگر دُنیا کے کسی اور شہر میں بھی ہوتا تو وہاں کے عجائبات میں شمار ہوتا۔ یہ اتنا وسیع بازار ہے کہ اس میں چودہ ہزار کمرے دوکانوں کے ہیں۔ ناظرین سمجھ لیں کہ کئی ایک بازار ایک خاص طول کے پہلو بہ پہلو اکٹھے رکھکر اوپر سے دباؤ کی چھت ڈال دی گئی ہے۔ اور طول اور عرض سب طرف سے باقی اطراف کو راستے جاتے ہیں۔ اسلئے دوکانیں اور بازار جو اسکے اندر ہیں ناواقف کو اسقدر پیچ معلوم ہوتے ہیں کہ مَیں کوئی دس مرتبہ اسکے اندر گیا تھا لیکن مجھے اسکے راستوں کی کوئی سمجھ نہ آئی۔ چھت کے چھوٹے گنبدوں سے جو بھی روشنی آتی ہے اُسی سے یہ بازار روشن رہتا ہے۔ عین وسط میں جو احاطہ ہے اُسے ترک "بدستان" یا برستان کہتے ہیں کہ جسکی اصل بزازستان ہے۔ اور یہاں ہتھیار ظروف چینی اور عجیب و غریب اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔ اور نیلام بھی ہوتے ہیں۔ اس بڑے بازار میں بھی مختلف مال بیچنے والوں مثل جوہریوں۔ اشیائے عتیقہ بیچنے والوں بزازوں وغیرہ کی دوکانیں یکجا ہیں۔ سو کے قریب عتیقہ اشیاء اور بندوقیں تلواریں بیچنے والوں کی دوکانیں ہوں گی۔ چاندی سونے اور جواہرات کے زیورات یہاں ہر وقت تیار بکتے ہیں کشیدہ کے رومال بیچنے والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سوائے طغرائے سلطانی کے اور کوئی اشعار یا آیات و اقوال رومالوں پر کاڑھنے کی اجازت نہیں۔ بہر حال بیوک چارشو ترکوں کی سب سے بڑی منڈی ہے جس میں ہر ایک چیز بکتی ہے۔ یورپین فیشن داخل ہونے سے پہلے تمام امراء غرباء یہیں سے سب چیزیں خریدتے تھے لیکن اب امراء اور رؤسا زیادہ تر پیرا کے بڑے بازار (گراں رو پیرا) سے یورپین سامان خرید لیتے ہیں کہ جہاں کی بعض بڑی دوکانیں یورپ کی اچھی اچھی دوکانوں کے پایہ کی ہیں۔ اور یہاں گویا بالکل یورپ کا نقشہ ہے۔

بیوک چارشو کی پہلی رونق جنگ روم و روس سے قبل جبکہ ان بازاروں کی حالت

فروخت پر تھی۔ مسٹر البرٹ سمتھ نے اپنی کتاب "اے منتھ ایٹ کانسٹینٹی نوپل" میں اسے اس طرح بیان کیا ہے۔ "یہ کہنے سے کہ سقف پوش بازاروں کی قطاریں میلوں تک چلی گئی ہیں۔ حیرت زدہ سیاح کو یکے بعد دیگرے بیسیوں منظر نظر آتے ہیں۔ ایک گھنٹہ تک متواتر سیر کرنے میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اُسی قسم کی زمین اور اشیا پھر نظر آئیں۔ اور متواتر اس عرصہ میں جار و ظرف جواہرات سونا۔ ہاتھی دانت۔ کشمیری شال۔ بیش قیمت ریشم کا سامان۔ مجلا ہتھیار۔ قیمتی عطریات۔ مطلا صندلیاں۔ آئینے۔ مراغہ کا چمڑا۔ عنبر کی منہال وغیرہ اشیاء دیکھنے میں آتی ہیں چھوٹی سے چھوٹی گلی میں بھی نگاہ جا پڑتی ہے تو ہر قسم کے قوس قزح کے رنگ آنکھوں میں بھر جاتے ہیں اور عجیب و غریب حرکات اور بول چال سے عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے بہت کم اور کسیقدر اندازہ اس عظیم الشان منڈی کا ہو سکتا ہے جو ان اشخاص کی ضروریات کو پورا کرتی ہے کہ جنکا تذکرہ جا بجا الف لیلہ میں موجود ہے۔

تعلیم قدیم و جدید۔ اعلیٰ مکاتب اور تعلیم نسوان

تعلیم قدیم اس وقت مملکت عثمانی میں دو قسم کی تعلیم کا رواج ہے تعلیم قدیم و تعلیم جدید۔ تعلیم قدیم کی بنیاد تو اساس سلطنت کے ساتھ چھ سو سال اول سے پڑ چکی تھی جبکہ اس سلسلہ کے دوسرے سلطان اورخان نے ازنیق میں پہلا مدرسہ قائیم کیا تھا اسکے بعد دیگر سلاطین نے سلطنت کی ترقی کے ساتھ ہی سینکڑوں مدرسے اور دارالعلوم قائیم کئے لیکن جب یورپ کے علوم جدیدہ اور سائنس کی روشنی سے یکایک ترکوں کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں تو آج سے کم و بیش ایک سو سال پہلے ترکوں کو یورپین علوم کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ پہلے پہل سلطان سلیم خان ثالث کے عہد (۱۷۸۹ء تا ۱۸۰۷ء) میں چند مکاتب عسکری قائیم ہوئے اور ملک میں ترقی صنائع کا لحاظ کرکے جدید علوم کی ضرورت پر ۱۲۵۴ھ میں مجلس امور نافعہ

ـــــــــــ

۱؎ سالنامہ معارف ۱۳۱۶ھ مطبوعہ استانبول صفحہ ۱۶۔

کے سامنے ایک رپورٹ پیش کی گئی۔ اس رپورٹ میں ایک یہ فقرہ درج ہے:۔
"جیسے کہ علوم دینی وسیلہ نجات آخرت ہیں ویسے ہی تمام فنون بھی معاشرت نوع بنی آدم کے کمال کا ذریعہ ہیں۔ از انجملہ علم ہیئت پر تسہیل سیر کا مدار ہے۔ کہ جس پر امور تجارت کا رواج اور ترقی منحصر ہے۔ اسی طرح علوم ریاضی امور حربیہ اور انتظام عسکر کے لیئے لازمی ہیں۔ دیگر حکمائے سلف کو حیرت میں ڈالنے والی مفید ایجادیں مثل دابور (سٹیمر) کے میدان میں نکل آئی ہیں۔ علوم جدیدہ کی توسیع اور اشاعت اور نئے سرے سے فنون کثیرہ کے ظہور سے صنعت و حرفت کے پیشوں میں بہت سہولیت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ ایک سو آدمیوں کے ذریعہ سے جو کام ہو سکتا تھا اب علم کے زور سے ایسے آلات تیار ہو گئے ہیں کہ انکی مدد سے ایک آدمی اس کام کو کر سکتا ہے۔ برعکس اسکے جاہل اور نادان لوگ پہلے سے بھی تنگدستی اور عسرت میں مبتلا ہو جائینگے"۔

اس اقتباس سے صاف روشن ہے کہ جب ترکی مدبروں نے سٹیمر کو دیکھا جو پہلے پہل ۱۷۸۶ء میں امریکہ اور انگلستان میں جاری ہو گیا تھا۔ اور یوروپ کی دوسری ایجادوں کی طرف توجہ کی تو انہیں علوم جدیدہ کی ضرورت کا قائل ہونا پڑا لیکن جب سلطان محمود مصلح نے قدیم سلطانی عمامہ و قبا کو سرخ ٹوپی اور سیاہ کوٹ پتلون سے بدلکر یورپین وضع اختیار کی اور فوج کو یورپین طرز پر مرتب کیا تو ترکی میں علوم جدیدہ کی بنیاد کو اور ترقی ہوئی۔ اور پھر سلطان عبدالمجید اور بالآخر انکے بیٹے یعنے موجودہ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانہ میں اس آخری تعلیم کو اور بھی رونق حاصل ہوئی۔

مکتب اور مدرسے

اسلیئے ترکی میں قدیم اور جدید دونوں قسم کی تعلیم کے مدرسے پہلو بہ پہلو اس وقت بھی موجود ہیں۔ مگر ان کے ناموں میں اتنی تمیز ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جن مدرسوں میں قدیم طریقہ کے مطابق اعلیٰ درجہ کی دینی تعلیم کے ساتھ نوشت و خواند اور قدیم علوم پڑھائے جاتے ہیں انہیں مدرسہ کہتے ہیں۔ اور یہ اکثر مساجد کے متعلق ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کی بعض مساجد کے متعلق ایسے کئی کئی مدرسے جاری ہیں

اور جن میں علوم جدیدہ مثل ریاضی وسائنس وغیرہ کے سکھلائے جاتے ہیں انہیں مکتب کہتے ہیں۔ مکتبوں سے تعلیم پاکر لوگ سرکاری ملکی اور جنگی ملازمتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور مدرسوں سے تعلیم پاکر قاضی اور مفتی اور امام بنتے ہیں۔

تعلیم قدیم کی حالت جسطرح تعلیم جدید روزافزوں ترقی کر رہی ہے۔ تعلیم قدیم متنزل معلوم ہوتی ہے۔ پانچ چھ سوسال پہلے کے لئے جو طریقہ تعلیم مدرسوں کے مقامات۔ طالب علموں کے رہنے کے حجرے اور انکی خوراک کا انتظام مناسب اور موزون تھا۔ وہ اب بالکل بے ڈھنگا اور بے اثر معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے ان کم و بیش بیس ہزار طالب علموں کی حالت جو استانبول میں سفید پگڑی والے مشہور ہیں۔ وہاں کے علماء اور خصوصاً شیخ الاسلام کی توجہ کی سخت محتاج ہے۔ یہ بیس ہزار طالب علم علاوہ ٹرکی کے عرب۔ مصر۔ شام۔ ترکستان روس اور خراسان تک سے علوم دین کے شوق میں کھنچے چلے آتے ہیں۔ علماء کی طرح ان دینی علوم کے طلباء کا لباس بھی لازمی طور پر سرخ ٹوپی پر سفید لفہ اور ایک لمبے سیاہ جبہ پر مشتمل ہونا لازمی ہے اور اس لباس کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اس لباس والا شخص کسی رنڈی کے مکان یا شراب خانہ میں دیکھا جائے تو پولیس کو اسے فوراً گرفتار کر لینے کا حق حاصل ہے۔ خیر۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ میں نے قسطنطنیہ کی مساجد کو دیکھتے ہوئے تعلیم قدیم کا طریقہ بہت اچھی طرح دیکھا۔ اور فاضل الشہیر السید الشیخ عبداللطیف آفندی الباطومی مدرس جامع سلطان سے پوری کیفیت معلوم کی۔ یہ صاحب اصل متوطن باطوم کے ہیں کہ جہاں سے مٹی کا تیل بہت نکلتا ہے اور جہاں کچھ مدت سے روس نے قبضہ کر لیا ہے اور اسی وجہ سے یہ صاحب وہاں سے ہجرت کر آئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ سفید پگڑی والے طلباء پندرہ بیس ہزار ہوں گے۔ اور پانچسو مدرس انہیں تعلیم دیتے ہوں گے۔ کہ جنمیں سے قریب آٹھ ہزار طلباء اور آدھے مدرس صرف جامع سلطان محمد الفاتح میں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں کہ جو یہاں کا سب سے قدیم مدرسہ ہے۔ اسکے بعد بترتیب کم جامع سلطان بایزید جامع سلیمانیہ۔ جامع سلطان احمد۔ جامع ایا صوفیہ و جامع بشکطاش اور جامع حضرت

ابوایوب انصاری۔ خالدبن زیدمیں تعلیم پاتے ہیں۔ اور کل ۱۶۴۔ ایسے مدرسے اس وقت شہر میں موجود ہیں۔

صورت معاش ان تمام طالب علموں کو روزانہ دو بڑی روٹیاں اور مدرسین کو تنخواہ مد اوقاف سے ملتی ہے۔ اور ماہ رمضان میں ہر طالب علم کو پانچ مجیدی سلطان المعظم جیب خاص سے عطا کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے ماہ رمضان میں جو انکی تعطیل کا زمانہ ہوتا ہے یہ طلبا قسطنطنیہ سے باہر جاکر دیہات و قصبات سے زکوٰۃ وخیرات وصول کرلاتے ہیں۔ اور اسطرح سال بھر کا خرچ فراہم کرلیتے ہیں۔

سررشتہ وقف ٹرکی میں وقف ایک بہت بڑا صیغہ سلطنت کا ہے۔ یعنے سلاطین سابقہ اور امرائے ترکی نے اسقدر جائدادیں مسجدوں تربوں اور مدرسوں کے نام وقف کی ہیں کہ انکا انتظام بجائے خود ایک اہم کام ہوگیا ہے۔ ان وقفوں سے ہر روز ہزارہا مساکین کو کھانا دیا جاتا ہے۔ میں نے جامع لالی کے احاطہ میں ایک مکان دیکھا جو مطبخ کا کام دیتا ہے۔ اور اس میں اسقدر کھانا پکتا ہے جو ہر روز پانچ چھ سو مفلسوں اور محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا ہے کہ جنمیں اکثر طالب علم بھی ہوتے ہیں۔ انہیں مطبخوں سے بعض درگاہوں اور تکیوں کے مجاوروں کو روز کی روٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ المختصر یہ کہ استنبول کی مسجدوں اور سلاطین کے مقبروں سے اسقدر اوقاف متعلق ہیں کہ میرے ایک رفیق نے جامع لالی کے مطبخ کے پاس مجھے بتلایا تھا کہ انکی آمدنی سے سالتمام میں نولاکھ عسکریوں کا خرچ چل سکتا ہے۔ بلکہ گذشتہ جنگ روس کے بعد کسی نے سلطان عبدالحمید خاں کو صلاح دی تھی۔ بلکہ فتویٰ بھی ملگیا تھا کہ بصورت ضرورت مجاہدین کے لئے مال وقف حلال ہے۔ مگر سلطان نے فرمایا کہ اپنے آبا واجداد کی خیرات جاری کو بند کردینے کی نسبت سلطنت کو قربان کردینا بہتر ہوگا۔

تعلیم قدیم طرز تعلیم اکثر عظیم الشان مساجد کے وسیع سقفوں اور گنبدوں کے نیچے ستونوں کے ساتھ اور جابجا منتشر سو پچاس یا بیس پچیس استاد جسقدر کہ کسی مسجد کے وقف میں گنجائش ہو طالب علموں کو تفسیر وحدیث فقہ اصول معانی وغیرہ کا سبق

دیتے دیکھے جاتے ہیں۔ شاگردوں میں بہت سے ریش و بروت والے بلکہ ادھیڑ عمر ہوتے ہیں۔ استاد اس بلند آواز سے ترکی زبان میں لکچر دیتے ہوتے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اُستاد ایک بڑے تکیہ کی قسم کے بلند گدیلہ پر پالتی مار کر بیٹھے ہوتے ہیں اور انکے سامنے ایک چھوٹی سی میز ہوتی ہے۔ جامع بایزید میں ان میزوں پر ہاتھی دانت کا بھاری کام ہوا ہوا تھا۔ اور ہلال و ستاروں کے درمیان کچھ حروف عربی کندہ تھے۔ طلبا اُستادوں کی چاروں طرف گھیرا ڈالے زمین پر بیٹھے تھے اور ان میں بعض اونگھ بھی رہے تھے۔

سفید پگڑی اور فوجی خدمت سے بریت

یہ بھی معلوم ہوا کہ فوجی خدمت سے[1] محفوظ رہنے کے لئے جو قلمرو عثمانیہ میں لازمی ہے۔ بعض لوگ سفید پگڑی اور دینی تعلیم اختیار کر لیتے ہیں۔ شہر قسطنطنیہ بتمامہ فوجی خدمت سے محفوظ ہے۔ لیکن باقی تمام ممالک کے سترہ سال سے اوپر کی عمر کے جوان فوج میں بھرتی کر لئے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنہا وہی اپنی ماں یا بیوی یا بہن کے متکفّل نہ ہوں۔ مذہبی طلبا اور علما بھی فوجی خدمت سے بری ہیں۔

ابتدائی تعلیم عام

ٹرکی میں ابتدائی تعلیم مکاتب میں ۷ سے ۱۱ سال کے لڑکوں اور ۶ سے ۱۰ سال کی لڑکیوں کے لئے قریب قریب لازمی ہے۔ تمام قلمرو عثمانی میں ہر قسم کے سکول (٣٦٢٣٠) ہیں کہ جنمیں (١٣٣١٢٠٠) شاگرد تعلیم پاتے ہیں۔ جو کہ کل آبادی میں ۱۴ سے ایک کی نسبت[2] سے ہیں۔

مکاتب کے تین درجے

مکتب تین درجوں کے ہوتے ہیں (۱) ابتدائی۔ (۲) رُشدی۔ (۳) اعدادی۔ جو ہمارے یہاں (۱) پرائمری و مڈل۔ (۲) ہائی ڈیپارٹمنٹ اور (۳) کالج ایف۔ اے کے درجہ تک کے مطابق کہے جا سکتے ہیں۔ مگر

---

[1] کتاب قوانین عثمانی مطبوعہ کارخانہ پیسہ اخبار میں دولت علیہ عثمانیہ کے جمیع قوانین اساسی و انتظامی درج ہیں۔ اور سلطنت ٹرکی کے تمام سرکاری محکمہ جات فوجی و مالی ملکی قوانین اور ضابطوں کے متعلق ہر ایک بات اُس سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مثلاً کون کون لوگ کن کن اسباب سے فوجی ملازمت سے مستثنےٰ ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۷ و ۱۰۸ میں درج ہے [2] ٹرکی میں ایک حد تک تعلیم جبری ہے۔ مستثنیات و مفصل کیفیت کتاب قوانین عثمانی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

ان میں علاوہ دنیاوی تعلیم کے دینی تعلیم اور قرآن مجید ضرور پڑھایا جاتا ہے۔ ابتدائی مکاتب سے قطع نظر باقیوں میں فرانسیسی زبان، اور ریاضی اور علوم طبیعی بھی سکھلائے جاتے ہیں۔ غیر مسلم بچے مذہبی تعلیم کے لیئے مجبور نہیں ہیں۔ مگر کیا قسطنطنیہ اور کیا سلطنت کے دوسرے بلاد میں عیسائیوں اور یہودیوں نے اپنے علیحدہ مدرسے بھی بنائے ہوتے ہیں۔ کہ جنکی تفصیل سرکاری "سالنامہ معارف" میں درج ہوتی ہے۔

ملکی اور حربی مکاتب

ہر ایک رُشدی اور اعدادی مکتب یا ملکی ہوتا ہے یا حربی۔ اور جو طالب علم ابتدائی مدرسوں سے فارغ ہو کر ان میں داخل ہوتے ہیں وہ اسی وقت فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اپنی عمر ملکی خدمت میں گذاریںگے یا جنگی میں کیونکہ ان مکاتب کی تعلیم ختم کر کے پھر وہ اسی قسم کی ملکی یا حربی اعلےٰ مکتب میں داخل ہو سکتے ہیں۔

قسطنطنیہ کے ابتدائیہ مکاتب

شہر قسطنطنیہ میں بقول قاموس الاعلام کل پانسو سے زائد ہر قسم کے چھوٹے بڑے اور خاص خاص علوم و فنون کی تعلیم کے مکاتب ہیں۔ اور اسی طرح سلطنت کے تمام حصوں اور دیہات، و قصبات میں ابتدائی اور رُشدی مدرسے پھیلے ہوئے ہیں۔ ابتدائی مکاتب کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے بارہ مرکز قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ہر ایک مرکز میں حسب ذیل (۲۶۲) مکاتب ہیں۔ کہ جن میں لڑکے اور لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ان میں سے بعض صرف لڑکوں اور بعض لڑکیوں کے لیئے مختص ہیں۔ اور بعض میں ذکور و اناث دونوں جدا جدا تعلیم پاتے ہیں۔ اور یورپ کے لڑکے لڑکیوں کے مکسد (مخلوط) مدرسوں کی طرح اکٹھے بیٹھکر نہیں پڑھتے۔

۱۔ اقسرائی مرکز میں	۲۸ مکتب	۷۔ جنگل کوئی مرکز میں	۱۹ مکتب
۲۔ سلطان احمد مرکز میں	۲۱ "	۸۔ اسکدار مرکز میں	۳۴ "
۳۔ طوپخانہ مرکز میں	۱۴ "	۹۔ خصکی مرکز میں	۲۸ "
۴۔ ایوب مرکز میں	۱۳ "	۱۰۔ بشکطاش مرکز میں	۳۳ "
۵۔ سلطان سلیم مرکز میں	۱۶ "	۱۱۔ امیر بخاری مرکز میں	۲۲ "
۶۔ قاسم پاشا مرکز میں	۱۶ "	۱۲۔ فاتح مرکز میں	۱۹ "

مکاتب مخصوصہ | انکے علاوہ مندرجہ ذیل مکاتب خصوصیہ ہیں جنمیں سے بہت سے پرائیویٹ فیاضی سے چلتے ہیں اور بعض کے مدرسین محض حب قومی کے لئے اپنا وقت عزیز صرف کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نہاری یعنے دن میں کھلنے والے ہیں اور بعض لیل ونہاری۔ یعنے رات، اور دن دونوں وقت لوگوں کی سہولت کیلئے کھلتے ہیں تاکہ جو لوگ دن کو پڑھنے کی فراغت نہیں حاصل کرسکتے وہ رات کو پڑھ لیا کریں۔

مکتب حمیدی (بشنکطاش) نہاری
" " برائے اناث
شمس المعارف (اناث قسمی) نہاری
دار العلم
دار الادب
مکتب عثمانی (ذکور و اناث)
دار التعلیم
برہان ترقی (لیلی ونہاری)
شمس المکاتب (") (ذکور و اناث)
حدیقۂ معرفت
دار الفیض حمیدی
نشو لقفیہ
مشرق فیوضات
میزان ترقی
روضۂ ترقی۔

حلیلیہ محمودیہ
صالحہ خاتون یا حدیقۃ المعارف (ذکور و اناث)
مکتب تفیض (لیلی ونہاری)
صحرائے جدید
رہبر معرفت (لیلی ونہاری)
اثر ترقی
شعلہ ترقی
دار التحصیل
آلتونی زادہ مکتبی (ذکور و اناث)
ہدایت تحصیل
دار العرفان مکتبی
جلال بک اناث مکتبی
مدرسہ ادبیہ
ترقی (ذکور و اناث)

مکاتب رشدیہ | استنبول میں اس درجہ کے سترہ مدرسے لڑکوں کے لئے اور بارہ لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ان کے علاوہ سات عسکری

رشدیہ مدرسے یہی ہیں جو محکمہ جنگ کے ماتحت ہیں۔

مکاتب ذکور	مکاتب اناث	(مکاتب رشدیہ عسکریہ)
۱- عشیرت مکتبی	۱- لیل ونہاری قز صنائع مکتبی	۱- بیطار رشدی عسکریسی (بیطاری کا مکتب)
۲- بایزمرکز رشدیسی	۲- دارسعادت ونہاری قز صنائع مکتبی	۲- ایوب رشدی عسکریسی
۳- محمودیہ مرکز رشدیسی	۳- اسکدار قز صنائع مکتبی	۳- صغوق چشمہ رشدی عسکریسی
۴- لدونہ خیانی مرکز رشدیسی	۴- میرکون اناث رشدیسی	۴- بشکطاش رشدی عسکریسی
۵- فاتح مرکز رشدیسی	۵- بشکطاش اناث رشدیسی	۵- فاتح رشدی عسکری
۶- داود پاشا مرکز رشدیسی	۶- فندقلی اناث رشدیسی	۶- قوجہ مصطفی پاشا رشدی عسکریسی
۷- ایا صوفیہ مرکز رشدیسی	۷- اسکدار اناث رشدیسی	۷- طوپ طاشی رشدی عسکریسی
۸- اسکدار مرکز رشدیسی	۸- سلطان احمد اناث رشدیسی	
۹- بشکطاس رشدیسی	۹- ایوب اناث رشدیسی	
۱۰- غلطہ رشدیسی	۱۰- سلہ قرآنی اناث رشدیسی	
۱۱- فیضنہ رشدیسی	۱۱- ات بازار اناث رشدیسی	
۱۲- قاضی کوئی حمیدیہ رشدیسی	۱۲- کوچک مصطفی پاشا اناث رشدیسی	
۱۳- میرکون رشدیسی		
۱۴- بکلربگی رشدیسی		
۱۵- طوپ قپو رشدیسی		
۱۶- اکری قپو مرکز رشدیسی		

۱۷- ویل سنر مکتبی (گنگو کا مکتب)۔

مکاتب اعدادیہ یا کالج

ان کے علاوہ کئی ایک اعلیٰ درجہ کے مکاتب پایہ تخت میں موجود ہیں کہ جنہیں کالج کہہ سکتے ہیں۔ اور ان میں مختلف علوم و فنون سکھلائے جاتے ہیں۔ اور یہاں کے سند یافتہ نوجوان سلطنت کے اعلیٰ ملکی اور جنگی وغیرہ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱۔ مکتب ملکیہ شاہانہ
۲۔ مکتب حقوق شاہانہ (لا کالج)
۳۔ مکتب طبیہ ملکیہ شاہانہ (میڈیکل کالج)
۴۔ مکتب صنائع نفیسۂ شاہانہ (آرٹ سکول)
۵۔ مکتب سلطانی (آرٹس کالج)
۶۔ مکتب نواب (قاضیوں مفتیوں کا کالج)
۷۔ مکتب دارالمعلمین (ٹریننگ کالج)
۸۔ حمیدیہ تجارت مکتب عالی (کمرشل کالج)
۹۔ مکتب حربیہ شاہانہ (ملٹری میڈیکل کالج)
۱۰۔ مکتب طبیہ عسکریہ شاہانہ (ملٹری میڈیکل کالج)
۱۱۔ مہندسخانہ بری ہمایون (انجنیرنگ کالج)
۱۲۔ مکتب بحریہ شاہانہ - (نیول کالج)

۱۔ دارالمعلمات (استانیوں کا نارمل سکول)۔ (۲) دارالشفقۃ (یتیموں کا مکتب شفیقہ)
۳۔ درسعادت مکتب اعدادی۔ ۴۔ اسکدار مکتب اعدادی ملکی۔
۵۔ نمونہ ترقی مکتبی (اعدادی۔ رشدی، وابتدائی) اور اعلیٰ درجے کے مکاتب ہیں

بحری مکاتب مکتب بحریہ شاہانہ کے سوائے وزارت بحری کے متعلق مندرجہ ذیل اور بحری مدرسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی مجبور ہو رہی ہے کہ اپنی بحری حالت کو سنبھالے۔ کیونکہ اسکے بحری تعلقات ایسے ہیں کہ سوائے بحری قوت کے استواری کے اسکی زندگی معرض خطر میں رہیگی۔ علاوہ اسکے اسکی بحری ضروریات اُسے بحری مستعدی کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ ٹرکی کی کوسٹ لائن (ساحل بحر) بہت طویل ہے وہ بحری مدرسے یہ ہیں:۔

۱۔ مکتب بحریہ شاہانہ نہاری اور لیلی تجارتی جہازوں کے قبودان (کپتان) بنانے کا مکتب۔
۲۔ ترسانہ عامرہ (صیغہ تعمیر جہازات) کے اندر ماکینہ (مشینری کے) عملیات کا مکتب لیلی۔
۳۔ غوب قپو کا تجار قپودان مکتبی (نہاری)۔
۴۔ کدکلی شاگردانی مکتبی (یعنی بحری پولیس اور تار برقی کا کام سکھلانیکا مکتب لیلی۔
۵۔ رشدیہ بحریہ و منشائے کتاب عسکری مکتبی (نہاری)۔
۶۔ ترسانہ عامرہ کے اندر بحریہ صنائع اور اعمالات، کابچوں کی بریگیڈ کا مکتب لیلی۔
۷۔ مرکز بحریہ کے ہسپتال کے اندر اجزاجی و تیمارجی مکتبی (کمپونڈروں اور زخمیوں کی تیمارداری کا مکتب لیلی۔

جنگلات اور معدنیات کے مدرسے نظارت (وزارت) جنگلات اور معدنیات وغیرہ کے متعلق بھی یہ دو تین خاص مکاتب قائم ہیں:-

(۱) مکتب صنائع (۲) حلقہ ل مکتب زراعت (۳) ملکیہ مکتب بیطاری۔

واضح رہے کہ زراعت و معدنیات کی ترقی کیطرف آجکل سلطان المعظم کی بڑی توجہ ہے۔ اور ترکی مدبر سمجھتے ہیں کہ اس صیغہ میں جسقدر ہم ترقی چاہیں کر سکتے ہیں صنعت وحرفت کی ترقی کی طرح اسکے راستہ میں کوئی رکاوٹیں نہیں۔

مکاتب پایہ تخت کی اتنی لمبی فہرست سے اتنی بات تو ضرور پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ترکی میں تعلیم عامہ کا دور دورہ ہے۔ اور عثمانی رعایا میں دن بدن تعلیم اور ترقی پھیلتی جاتی ہے۔ گنجائیش مانع ہے کہ میں مندرجہ بالا مکاتب میں سے بعض کے معائنہ کا تفصیلی ذکر کروں۔ تاہم دو ایک کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا لیکن اس سے پہلے میں ابتدائی رشدی اور اعدادی مکاتب کا نصاب تعلیم بتلانا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس سے اندازہ ہو سکے کہ اس ملک میں کس درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔

ابتدائی مکاتب کا پروگرام ابتدائی مکاتب کی مدت تعلیم تین سال ہے اور مندرجہ ذیل مضامین کے اتنے سبق ہفتہ وار شاگردوں کو پڑھائے جاتے ہیں کہ جنکی تعداد ہر سال کی جدول میں علیحدہ علیحدہ درج ہے:-

مضامین	سال اول (ہفتہ وار سبق)	سال دوم (ہفتہ وار سبق)	سال سوم (ہفتہ وار سبق)
الف ب	۱۲	۰	۰
قرآن عظیم الشان	۱۲	۶	۵
تجوید	۰	۲	۲
علم حال (تعلیم دینیات)	۲	۳	۳
اخلاق	۰	۲	۲
صرف عثمانی	۰	۰	۲

املا	۳	۳	۲
قراۃ	۳	۲	۱
ملخص تاریخ عثمانی	۰	۰	۲
مختصر جغرافیائے عثمانی	۰	۰	۲
حساب	۱	۲	۲
خوشخطی	۱	۲	۱

لیکن دیہاتی مدارس ابتدائی کے نصاب میں مضامین اخلاق۔ صرف ونحو عثمانی۔ اور تاریخ وجغرافیہ عثمانی شامل نہیں۔ بلکہ اِن کی جگہ کچھ دہقانی امور سکھلائے جاتے ہیں۔

علم حال اسبات کا اندازہ بتانیکے لئے کہ ان مضامین میں طلبہ کو کہاں تک مہارت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ مَیں مضامین علم حال اور اخلاق کا مفصل پروگرام درج کردیتا ہوں۔

سال اول میں ہفتہ میں دو سبق دینیات کے دیئے جاتے ہیں۔ لڑکوں کو "علم حال کی پہلی کتاب" اور لڑکیوں کو "مختصر علم حال" نامی رسالہ کے اسقدر مضامین زبانی یاد کرائے جاتے ہیں کہ صرف فرائض حفظ ہو جائیں۔

سال دوم ہفتہ میں تین سبق۔ لڑکوں کو "علم حال کی دوسری کتاب" شروع کرائی جاتی ہے۔ پہلے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات ذاتی اور صفات ثبوتی۔ دوم حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر آخرالزمان صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کے درمیانی پیغمبران عظام کے قرآن کریم میں مذکور شدہ نام۔ سوم بنائے اسلام۔ صفات ایمان۔ افعال مکلفین۔ اعتقاد اور عمل میں ہمارا مذہب۔ چہارم نماز غسل آبدست۔ تیمم۔ روزہ۔ اور زکوٰۃ کے فرض۔ پنجم نماز پنجگانہ۔ وتر۔ نماز عید۔ تراویح اور نماز جنازہ۔ ششم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ۔ تاریخ تولد نبوی۔ نسب جلیل۔ واقعہ اصحاب الفیل۔ ہفتم پنج وقتہ نمازوں میں پڑھے جانیوالے سبحانک اللھم الخ۔ التحیات الخ۔ اور صلوٰۃ اور وتر نماز کی دعائے قنوت

ازبر کرانا۔ لڑکیوں کو بھی یہی مضمون پڑھانے خصوصاً "قزلر خواجہ سی" (لڑکیوں کا استاد) نامی رسالہ پڑھانا۔

سال سوم ہفتہ میں تین سبق۔ اور ان میں تمام ضروری دینی واقفیت شامل کردیگئی ہے۔ مگر قلت گنجایش اس لمبی تفصیل کے اندراج کی مانع ہے۔

اخلاق کی تعلیم دوسرے سال سے شروع ہوتی ہے۔ اور دوسرے اور تیسرے سال میں دو دو سبق ہفتہ میں دیئے جاتے ہیں۔ سال اول میں "اخلاق" نامی رسالہ سے یہ مضامین سکھلائے اور ذہن نشین کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اسکے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان۔ سنت کا اتباع۔ قدرت الٰہی۔ امیر المومنین ہمارے بادشاہ کی تابعداری۔ عقل۔ زبان۔ اخلاق ذمیمہ۔ جھوٹ۔ دوزبانی۔ غیب۔ انانیت۔ حسد۔ حیلہ بازی۔ بے شرمی۔ مسخراپن۔ غرض بطالت۔ بیکاری وانتظام وسلیقہ۔ عدالت ابنائے جنس پر رحم۔ خیر و حسنات۔ کاروبار۔ حفظ صحت۔ دوسرے سال میں رسالہ "رہنمائے اخلاق" کے ذیل کے مضامین بخوبی سکھلائے اور سمجھائے جاتے ہیں۔ انسان کا تمام حیوانات سے فرق۔ جوانی۔ علم۔ عبادت۔ رعایت۔ ریاکاری۔ منہ کی بدلگامی۔ تحقیر انسانیت۔ صداقت۔ نیک ساتھی۔ عظمت ووقار۔ عناد۔ پاکیزگی۔ سخاوت۔ بخل۔ مدد۔ الفت۔ ادب و حرمت۔ حقوق برادرانہ۔ عفت۔ حمیت۔

رشدیہ اور اعدادیہ مدارس کا نصاب ان مکاتب میں مندرجہ ذیل مضامین کے سبق ہر ہفتہ میں اسقدر پڑھائے جاتے ہیں جو ذیل کے جدول میں ہر سال کے لیئے علیحدہ علیحدہ درج ہیں اور ان دونوں درجوں کی مدت تعلیم سات سال ہے۔

مضامین تعلیم	تعداد دروس						
	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم	سال ہفتم
معہ تجوید قرآن کریم وعلوم دینیہ	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳
ترکی زبان	۶	۵	۳	۲	۱	۰	۰
اخلاق	۱	۱	۰	۱	۱	۱	۰

مضامین تعلیم	تعداد دروس						
	اول	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم
ادبیات اور قرأۃ رسمیہ	۰	۰	۰	۰	۰	۲	۲
عربی	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱
فارسی	۰	۲	۲	۲	۱	۰	۰
فرانسیسی	۰	۰	۳	۳	۴	۴	۵
خلاصہ قوانین	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰
حساب	۲	۲	۲	۲	۱	۰	۰
اصول دفتری (دفاتر کی کارروائی)	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۰
جبر مقابلہ و علم مثلثات	۰	۰	۰	۰	۲	۲	۰
ہندسہ (اقلیدس و مساحت)	۰	۰	۱	۱	۲	۱	۰
قوزموغرافیا (علم ہیئت)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
میکنیکس (فزکس۔ کیمسٹری)	۰	۰	۰	۰	۰	۳	۳
موالید (حیوانات۔ نباتات و جمادات)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴
جغرافیہ	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱
تاریخ	۰	۲	۲	۲	۲	۱	۱
علم ثروت (پولیٹیکل اکانومی و تجارت)	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۱
علم اشیاء	۱	۱	۱	۱	۱	۰	۰
حفظ صحت۔	۰	۰	۱	۱	۰	۰	۱
خوشخطی	۲	۱	۱	۱	۱	۱	۱
رسم (نقشہ کشی و مصوری)	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۰
یونانی ارمنی یا بلغاری زبان (بعض بعض مدارس میں	۰	۰	۰	۲	۲	۲	۱

علم ثروت	مضامین بالا میں سے علم ثروت کے نصاب کی کسیقدر تفصیل درج کیجاتی ہے

جو اعلیٰ مدارس کے صرف آخری دو سالوں میں سکھلایا جاتا ہے۔ کاش! یہ ضروری علم ہندوستان کے مدرسوں میں بھی سکھلایا جاتا تو اُن بھوکے طالب علموں کی فوجوں کو جو روٹی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اس سے بہت مدد ملتی۔

چھٹے سال میں علم ثروت کی تعریف اور غایت۔ علم ثروت کی تقسیم۔ ثروت کا حاصل کرنا۔ ثروت کا انقسام۔ اسکا تداول اور اسکا ہلاک کرنا۔ ثروت حاصل کرنیکے وسائل۔ زمین اور قوائے طبیعیہ۔ سعی اور عمل اور صنعت اعمال اور صنائع کی آزادی (یعنے اپنے سے قیدا ٹھادینا) صنائع کے اقسام۔ تجارت۔ سرمایہ۔ سرمایہ کے اقسام صنعت وحرفت کے فوائد۔ ثروت پر حق تملک۔ اور حق وراثت اراضی کی آمدنی۔ محصولات اراضی کے حاصل کرنے تقسیم کرنے اور تداول کرنیکے متعلق قواعد۔ خرچ محصولات اراضی کی قیمت۔ اصول زراعت کی قسمیں۔ سرمایہ سے آمدنی زیادتی سرمایہ۔ روزانہ مزدوری۔ مبادلہ کے اقسام۔ قیمت۔ قیمتوں کے تقرر و تبدل اور موازنہ کرنیکے متعلق قواعد۔ متداول قیمتیں۔ مصارف استحصالیہ۔ رقابت! انحصار۔ کفایت شعاری۔

ساتویں سال میں نقدی۔ نقدی کو جنس سے کس نظر سے ممتاز سمجھتے ہیں۔ چاندی اور سونے کے سکے۔ موافق سکے۔ سکوں میں خالص دہات اور کھوٹ۔ سکوں کا انتظام بائی میٹلزم اور مانومیٹلزم۔ اعتبار مالی۔ بنکوں کی قسمیں۔ بنک نوٹ۔ سرکاری بینک۔ سلطنت کی مالی ضمانت۔ سرکاری قرضوں کی بڑی بڑی قسمیں۔ کرنسی نوٹ۔ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ۔ قرضوں کی تحویل۔ ایکسچینج یا صرافہ۔ تجارت خارجی و داخلی تنزل تجارت کے اسباب اور علاج۔ مانگ اور بہم رسانی تجارت درآمد و برآمد۔ درآمد و برآمد کا مقابلہ۔ تجارت کی آزادی۔ حمایت تجارت کا اصول۔ معاہدات تجارتی۔ محصولات چونگی۔ بیمہ مال تجارت اور بیمہ کے اقسام۔ علم ثروت کے اصول مالی سے تطبیق۔ تکلیف متناسب۔ تکلیف مترقی وغیرہ۔

یونیورسٹی سلطان المعظم کے جلوس کی چھبیسویں سالگرہ کے موقعہ پر کہ جبکہ میں بھی قسطنطنیہ میں تھا ایک مکمل یونیورسٹی قایم کی گئی تھی۔ مگر اسکی تفصیل مجھے معلوم نہیں ہوسکی۔

گو یونیورسٹی کے لئے لائق پروفیسر ترکوں میں کافی موجود ہیں۔ اور جہاں ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ فوجی تعلیم یا کارخانہ جہاز سازی یا، ارس طبابت وغیرہ اسمیں یورپین اُستاد رکھنے میں بھی ترکوں کو تامل نہیں ہوتا۔ امید ہے کہ اب یہ یونیورسٹی بخوبی کام کرتی ہوگی۔

مکتب عشائر جو چند مکتب میں نے خود دیکھے ہیں اُن میں سے بعضوں کا حال یہاں درج کرتا ہوں۔ مکتب عشیرت دیکھنے کے لئے میں نے ہز اکسیلنسی احمد مدحت صاحب رئیس دوم محکمہ صحیہ سے لیٹر آف انٹروڈکشن لی تھی۔ سلطان المعظم نے جیب خاص سے (۱۷۰۵۳۳) غرش کی لاگت سے اس مدرسہ کو قبائل عرب کے سرداروں کے بچوں کی تعلیم کے لئے ۱۳۱۰ھ میں قائم کیا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا تو پچاس لڑکے یہاں سے تعلیم پاکر نکل چکے تھے۔ اور قریب تین سو کے زیر تعلیم تھے۔ جو یمن۔ حجاز۔ نجد۔ شام۔ طرابلس۔ صنعا۔ بنغازی۔ طنجہ۔ جاوا اور سماٹرا کے مسلمانوں کے بچے تھے۔ یہ طالب علم عموماً عرب اور شام کے خیمہ نشین شیوخ کے بچے ہیں جو یہاں سے تعلیم حاصل کرکے اپنے اپنے قبیلوں میں جاتے ہیں۔ اور وہاں بطور مدرسوں کے استادوں یا ملازمان سرکاری کے مدنیت اور شایستگی پھیلاتے ہیں۔ بالفعل اس مدرسہ میں شام۔ عرب یمن۔ طرابلس۔ بصرہ۔ حجاز۔ بغداد۔ بنغازی (افریقہ) ورنہ (افریقہ) کردستان ٹوٹلنن (صرف ایک لڑکا) اور سماٹرا و جاوا (۶ لڑکے) کے طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ مدت تعلیم پانچ سال ہے۔ یہاں سے طلباء فارغ ہوکر مدرسہ حربیہ کو جاتے ہیں۔ جہاں مکتب عشیرت والوں کی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ کلاس ہے۔ ان سب لڑکوں کا خرچ حضور سلطان المعظم جیب خاص سے ادا کرتے ہیں۔

اس مدرسہ کا بورڈنگ ہوس یہ سب لڑکے بورڈر ہیں جیسے کہ یہاں کے اکثر بڑے بڑے تعلیم گاہوں میں ریزیڈنشل طریقہ جاری ہے۔ میں نے انکے کھانے اور سونے کے کمرے دیکھے۔ سب کے آہنی کاوچ اور عمدہ بستر اور کونٹر ہیں یہاں کے باقی تمام مدارس سے اعلےٰ تھے۔ کیونکہ آخر یہ لوگ مہمانان سلطانی ہیں۔ باقی تمام مکاتب کی طرح یہاں کے طالب علموں کی بھی سکول کی وردیاں ہیں۔

مدرسہ کیطرف سے علاوہ وردی کے ہر طالب علم کو حسب ذیل کپڑے ملتے ہیں ۱
۷جوڑہ جُراب - ۲فس (ٹوپی) ۳قوندرہ (دوہرا بوٹ) ۲جوڑہ البسہ - ۶یمندیل
(رومال) ۴چماشیر (اندر پہننے کے کپڑے) ۴تولیا - اسکے سوائے ڈیڑھ مجیدی ماہوار
جیب خرچ - دوپہر اور شام کے کھانوں کے سوائے صبح کا ناشتہ بھی ملتا ہے - ماہ اگست
سنہ ۱۹۰۶ء کے کھانے کا خرچ مینے رجسٹر سے دیکھا تو ۱۷،۱۴۸ قرش ۱۷ پارہ تھا - عبد
المحسن حسینی ساکن بیت المقدس اسکے مینجر ہیں - میرے سوال پر بتلایا گیا کہ اگر کوئی
ہندوستانی شریف زادہ بھی یہاں پڑھنا چاہے - اور پہلے سلطان المعظم سے درخواست
کر کے اسکے لئے اجازت لیجائے تو اجازت ملنی قرین امید ہے - یہ مدرسہ براہ راست
زیر نگرانی سلطانی ہے -

مکتب سلطانی قسطنطنیہ کے کالجوں میں بطور آرٹس کالج کے یہ سب سے ممتاز مکتب ہے -
میں سید عبد الغفار صاحب کے ہمراہ اسے دیکھنے گیا - عبد الرحمن شرف
آفندی جو مدرسہ کے ڈائرکٹر یا مدیر ہیں بہت اخلاق سے پیش آئے اور انہوں نے قہوہ
سے ہماری تواضع کی - آپ قسطنطنیہ کے نامور معلمین اور تعلیمیافتہ لوگوں میں سے
ہیں - اور تاریخ و جغرافیہ پر کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں - آپنے سلاطین ہند کے
کچھ حالات ترکی میں قلمبند کئے تھے جو مجھے سناتے رہے اور ہندوستان کی کچھ اچھی
تاریخوں کے نام دریافت کئے - گو یہ فارسی جانتے تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے
اردو کی اصل کی نسبت کہا کہ قبچاق کے لشکر کا نام پہلے اردو تھا - آپنے نہ صرف اپنے
مدرسہ کا پروگرام دیا بلکہ دولت عثمانیہ کے سررشتہ تعلیم کا ایک مفصل سالنامہ بھی عنایت
کیا جو سترہ سو صفحہ (۱۷۰۰) حجم کی ایک ضخیم کتاب ہے -

سالنامہ معارف میں نے اسکے سوائے بھی ایک رپورٹ سررشتہ تعلیم کی حاصل کی تھی جسمیں
تمام مملکت کے مدارس کے نام درجے اور تعداد طلبہ وغیرہ درج تھی لیکن
اس سالنامہ کے سامنے اسکی کچھ حقیقت نہیں - یہ سالنامہ یونیورسٹی کے کیلنڈر
کی طرح ہے - جسمیں عثمانی سررشتہ تعلیم کی تاریخ - تمام وزرائے تعلیم کے حالات زندگی

تمام مکاتب علمی کے نصاب تعلیم اور دستور العمل بلکہ شروع سے لیکر سال حال تک ان میں سے کل کامیاب ہونیوالے طلباء کے نام معہ انکے موجودہ رتبوں اور ملازمتوں کے درج ہیں۔ کتب خانوں مطبعوں۔ اخبارات وغیرہ کی فہرستوں کے علاوہ تمام مملکت کے مکاتب ومدرسین کی مطول فہرستیں بھی اسمیں موجود ہیں۔ اور حقیقت میں ترکوں کی تعلیمی بیداری اور کارگذاری کا یہ ایک نہایت عمدہ ثبوت ہے۔ دولت عثمانیہ کی سرکاری رپورٹیں کہ جنمیں سے ایک یہ سالنامہ بھی ہے نہایت تکلف اور اہتمام سے عمدہ کاغذ پر مکلف چھپائی اور جلد بندی کے شائع کیجاتی ہیں۔ مدیر صاحب نے اپنے ایک نائب کو جو انگریزی جانتا تھا ہمیں مدرسہ اور بورڈنگ ہوس دکھلانیکا حکم دیا۔ یہ عمارت کئی منزلوں کی ہے۔ اور اس پڑہنے کے کمرے۔ شفاخانہ۔ باورچی خانہ۔ سائنٹیفک آلات کا کمرہ۔ عجائب خانہ۔ اور ڈارمیٹری یعنے طلباء کے سونے کے کمرے بھی ہیں۔ سونے کے تین بڑے بڑے کمروں میں آٹھ سو بستر موجود تھے۔ کیونکہ اس مدرسہ میں ان دنوں آٹھ سو طلباء تعلیم پاتے تھے۔

طالب علموں کے اقسام

گو ان میں سے بعض بورڈنگ ہوس میں نہیں رہتے۔ علاوہ مسلمانوں کے بہت سے عیسائی اور یہودی بچے بھی یہاں رہتے ہیں۔ اور علاوہ فیس دینے والوں کے کئی ایک مفت بھی تعلیم پاتے ہیں۔ کیونکہ اس مکتب کے دستور العمل کے مطابق بعض لڑکوں کو بالکل مفت بھی تعلیم دیجاتی ہے اور دن کے سوائے رات کو بھی تعلیم دیجاتی ہے چنانچہ انکی تفصیل اسطرح ہے۔

لیلی				نہاری				میزان	
مسلم		غیر مسلم		مسلم		غیر مسلم			
مفت	فیس والے	مفت	فیس والے	مفت	فیس والے	مفت	فیس والے	مسلم	غیر مسلم
۲۱۰	۲۲۳	۱۱۲	۶۹	۱۸	۵۷	۲۴	۷۱	۵۰۸	۲۷۶

مدرسہ کا سٹاف فیس اور بورڈنگ

اس قدر شاگردوں کو اکاسی اُستاد بہت سے علوم وفنون میں تعلیم دیتے ہیں۔ بارہ افسر انتظام کا کام کرتے ہیں اور ۳۰ خدمتگار ملازم ہیں۔ اُستادوں میں سے قریب ایک تہائی کے فرانسیسی اور جرمن اور باقی ترک ہیں۔ کل سالانہ خرچ پچیس ہزار پونڈ ہوتا ہے جسمیں سے سات آٹھ ہزار پونڈ لڑکوں کی فیس سے وصول ہو جاتا ہے۔ فیس کے لحاظ سے تین قسم کے طالبعلم ہوتے ہیں۔

(۱) اول وہ کہ جو داخلی کہلاتے ہیں۔ اور چالیس پونڈ سالانہ سال میں دو مرتبہ کرکے فیس ادا کرتے ہیں۔ خوراک۔ لباس۔ بچھونے۔ صفائی۔ مرمت۔ روشنی۔ کاغذ قلم دوات وغیرہ اخراجات سب اسی میں شامل ہیں۔ بلکہ ڈاکٹر کا معالجہ اور مصوری موسیقی اور جمناسٹک کی تعلیم بھی اسی میں شامل ہیں۔

(۲) دوم جو نصف داخلی ہوتے ہیں۔ انکی فیس بیس پونڈ ہے۔ سوائے طعام شب اور رات کے قیام کے باقی سب حقوق انکے داخلی طلبار کے برابر ہیں۔

(۳) خارجی جنکی فیس دس پونڈ سالانہ ہے۔ سوائے مصوری۔ خط عثمانی اور جمناسٹک کے باقی سب تعلیم انہیں بھی دیجاتی ہے۔ اور ان مضامین میں سے ہر ایک کے لئے بھی باجازت ڈیڑھ سو غش داخل کرکے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہر طالب علم کو پندرہ پونڈ بغرض پوشاک داخلہ کے وقت دینے پڑتے ہیں۔

رعایائے عثمانی سے جو کم استطاعت لوگ سالم فیس نہیں ادا کر سکتے وہ سلطنت سے استرحام کی درخواست کرتے ہیں کہ ان سے نصف یا دو تہائی فیس لیجائے اور بعض سالم فیس کی معافی کی بھی درخواست کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں کی ایسی درخواستیں قبول ہو جاتی ہیں۔ تو باقی فیس جیب سلطانی اور رؤسا وامرائے استنبول کی جیبوں سے ادا کی جاتی ہے اور اسطرح سب طلبار فیس دینے والے یا فری یکساں حیثیت اور حالت میں پڑھتے اور رہتے سہتے ہیں۔

بورڈنگ میں نگرانی بورڈنگ میں طلبار کی نگرانی بہت احتیاط اور تاکید سے

کی جاتی ہے۔ سوائے تعطیل کے وقت کے طلبار کے عزیز اور ملاقاتی بھی انسے بات چیت نہیں کرسکتے۔ اور نہ کمرہ ملاقات سے خارج ان سے ملسکتے ہیں۔ کوئی بیرونی شخص طالب علم کے کنبہ اور ڈائرکٹر کی اجازت کے سوائے اس سے ملاقات نہیں کرسکتا۔ شاگردوں کو زیادہ پیسے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں۔ طلبار جو بیمار ہو جاتے ہیں۔ ان کے گھر والوں کو انکی کیفیت سے وقتاً فوقتاً خبر دیجاتی ہے۔ تمام بیمار طلبار کے بستر ایک کمرہ میں رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ڈاکٹر انکا علاج اچھی طرح کرسکے۔

مذہبی تعلیم اور تربیت کا اسقدر لحاظ ملحوظ ہے کہ مسلمان طلبار کو امام بالالتزام مسجد میں باجماعت نماز پڑھواتا ہے۔ اور غیر مسلم طلبار کو بھی ان کے مذاہب کے معبدوں میں بالالتزام احتیاط کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے۔ کیونکہ سلطنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب کی پابندی سے زیادہ نیک اور سلطنت کا وفادار ہوسکتا ہے۔

نصاب تعلیم مدت تعلیم اس کالج میں چھ سال ہے۔ البتہ تین سال سکول کے شامل کرنے سے نو سال ہوسکتی ہے۔ تعلیم دو طرح کی دیجاتی ہے۔ ایک تو ترکی زبان کے ذریعہ سے اور دوسری اُسکے پہلو بہ پہلو فرانسیسی زبان کے ذریعہ سے۔ اور ظاہر ہے کہ چھٹے سال کے طلبا کیا ترکی اور کیا فرانسیسی کے ذریعہ سے اور بلکہ دونوں زبانوں کے ذریعہ سے تمام علوم متداولہ میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کرلیتے ہیں۔ اسی لئے دولت عثمانیہ یہاں کے سندیافتگان کو اپنے تمام دفاتر اور محکموں میں عہدے دینے کا اقرار کرتی ہے۔ تاکہ اسبات کا اندازہ ہوسکے کہ چھ سال میں یہاں کس درجہ تک تعلیم دیجاتی ہے۔ میں دونوں ترکی اور فرانسیسی نصاب آخری سال کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

چھٹے سال میں ترکی زبان کے ذریعہ ان مضامین میں تعلیم دیجاتی ہے۔

(۱) کتابت رسمیہ اور بلاغت میں تکمیل کیجاتی ہے (۲) عربی زبان کے ترجمہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ اور ترکی سے مطابقت (۳) فارسی علم ادب کی تدریس۔

(۴) دول اسلامیہ کی تاریخ ختم کیجاتی ہے (۵) ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں ترجمہ کرنے کے اصول ذہن نشین کئے جاتے ہیں (۶) حسن خط میں سنین سابقہ کیطرح مستعد طلبار کو خط و فاتر میں بھی مہارت کرائی جاتی ہے (۷) فقہ میں مجموعہ زہدیہ نامی کتاب اور فرانسیسی زبان کے ذریعہ اس سال میں یہ تعلیم ملتی ہے:۔

(۱) فرانسیسی زبان میں مضمون نگاری اور فرانسیسی لٹریچر اور اُسکی تاریخ (۲) حکمت نظری میں معرفت نفس۔ علم منطق اور علم اخلاق (۳) علوم ریاضی میں ہندسہ سمیہ مثلثات مستویہ۔ مبادی فن مکینکس۔ اور کاسموگرافی (۴) علم طبعی اور علم کیمیا میں سے طبیعیات میں۔ علم برق۔ علم صدا اور روشنی کی تکمیل تک۔ اور کیمیا میں آرگینک کیمسٹری تمام (۵) علم موالید میں علم نباتات اور علم طبقات الارض۔ (۶) تاریخ عمومی یعنی یونیورسل ہسٹری کا بقیہ (۷) جغرافیہ عالم کی تکمیل و تکرار۔ (۸) حفظ صحت (۹) ترسیمات ریاضیہ وغیرہ۔

مدرسہ کی عالیشان عمارت کے گرد جو شہر کے نہایت بارونق اور ایک بلند حصہ پر واقعہ ہے باغات اور ورزش کے لئے وسیع گراؤنڈ ہے۔ اور داخلہ کے قریب پولیس کا پہرہ ہے جو یہاں کی ہر سرکاری عمارت کا لازمی جزو ہے (بعد میں نئے اخبارات میں پڑھا کہ آتشزدگی سے اس مدرسہ کی عمارت کو سخت صدمہ پہنچا)۔

طالبعلموں کی وردی یہاں سب مکاتب کے طالب علم اپنے اپنے سکول کی وردی پہننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور وہ وردی صرف مدرسہ کے وقت ہی نہیں پہنی جاتی بلکہ شہر میں بھی صبح شام طالب علم اس وردی میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ فوجی اور دیگر سکولوں کے شاگرد گورے گورے ترک بچے اور عرب زادے ان سیاہ وردی کے کوٹوں اور سُرخ ٹوپیوں میں کیسے سجتے ہیں۔ انکے کوٹوں کے کالروں پر مدرسہ کا نام اور رجسٹر نمبر خوشخط نسخ میں کاڑھا ہوا ہوتا ہے خوبصورت خط نسخ کو جو عروج یہاں حاصل ہے اُسے دیکھکر طبیعت خوش ہوتی ہے۔ جو چیز ہمارے ہاں کس مپرسی کی حالت میں ہے یہاں اسکے قدرداں موجود ہیں۔

مکتب صنائع و علوم عامہ

یہاں کا مکتب صنائع نفیسہ ہندوستان کے مختلف آرٹس سکولوں کے درجہ کا ہے اور سلطانی عجائب گاہ کے سابق وزیر اعظم ادہم پاشا کے بیٹے حمدی بے کی کوشش سے ۱۸۸۲ء میں کھولا گیا۔ اور اب اُنہیں کی زیر نگرانی ایک خاص مجلس صنائع نفیسہ کی حمایت میں جاری ہے اس میں دوسو یتیم بچے آہنگری اور نجاری کی ہر شاخ اور چھاپہ خانہ اور بعض دیگر شعبہائے فنون کا کام سیکھتے ہیں۔ یہ لوگ رہتے اور کھاتے پیتے بھی یہیں ہیں علاوہ روٹی کپڑے کے ہر لڑکے کو کچھ نقد ماہوار ملتا ہے جو منتظم اسکے لئے جمع رکھتے ہیں۔ جب یہ لڑکا تین چار سال کی میعاد تعلیم کے بعد کام سیکھ کر نکلیگا تو اُسے یہ نقدی جو جمع کیگئی ہے دیجائیگی تاکہ وہ اسکے ذریعہ سے جو بیس سے تئیس اشرفی ہو سکتی ہے اپنی دوکان جاری کر سکے۔ یہ بہت بڑا فیض عام کا کام ہے۔ مدرسہ کے مینجر رفعتلو عبداللطیف آفندی (داخلیہ مدیر معاون) اور دوسرے اُستادوں رستم محمد معلم بُراد و محمد سعید معلم طرز سماری عرب ورسم نے مجھے کارخانہ اور مدرسہ کے سب صیغے دکھلائے۔ لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت مرصع کرنے اور لکڑی میں بیل بوٹے بنانیکا کام سیکھنے کے لئے دو معلم قسطنطنیہ سے مصر بھیجے گئے تھے جو وہاں سے یہ قدیم عربی صنعت سیکھ کر آئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لٹو خراد کرکے ان سے روزن اور جھروکے پردہ دار بناتے ہیں جو بہت خوشنما کام ہے لکڑی کے انواع و اقسام کے کام کے علاوہ لوہے کے جنگلے۔ زراعت کے آلات مثل ہلوں۔ بیج بونے کی کلوں۔ آٹا پیسنے کی چکیوں اور چھوٹی مشینوں اور کاریگروں کے اوزاروں کے بھی بنائے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا انجن بھی مجھے دکھلایا گیا جو یہاں کے طالب علموں نے پیتل کا بنایا ہے اور چلتا ہے۔ ایک گیس انجن کی طاقت سے مشینیں چلتی ہیں کئی ایک خراد کام کرتے ہیں۔ مدرسہ کی عمارت بڑی عالیشان ہے اور ابھی عمارت اضافہ ہو رہی ہے۔ اسکے علاوہ بغداد میں بھی ایک صنعت و حرفت کا مدرسہ ہے اور مملکت بعض دیگر مقامات میں

چھوٹے چھوٹے مدرسے ہیں۔ جب میں یہ مدرسہ دیکھنے گیا تو دربان نے اندر جانے سے
روکا۔ اسی حیص بیص میں ایک نوجوان مدرسہ سے باہر جا رہا تھا اس نے شیخ ولی محمد صاحب
افغانی شیخ تکیہ قادریہ بہکلر بیگی سے جو میرے ہمراہ تھے میرا اتہ پتہ معلوم کیا تو وہ بڑے

ترکی اخبارات کا اثر

شوق سے ملا۔ اور خوشی سے اندر لیگیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایک دو
روز پہلے یہاں کے چند اخبارات میں میری نسبت کچھ
تعریفی جملے چھپ چکے تھے جو اس نے پڑھے تھے۔ جب اخبارات میں کچھ میری
کیفیت چھپی تو کئی شخص مجھے پوچھنے لگے کہ تمہیں فلاں شخص ہو۔ منجملہ دوسرے
اصحاب کے اسی شام کو بیروت کے ایک اخبار روضۃ المعارف کے ایڈیٹر صاحب
جو یہاں کسی کام پر آئے ہوئے ہیں مجھے ملنے آئے۔ اور دوسرے روز سید عبد الغفار
صاحب کشمیری بھی کہ جنکا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے اور بعض دیگر صاحبان بھی تشریف لائے

نصاب تعلیم

صنائع نفیسہ یعنی مصوری کے اقسام روغنی اور آبی رنگوں کی نقاشی
معماری ہیکل۔ (بت) تراشی۔ حکاکی۔ لکڑی پر کام کھودنا۔ دھاتوں کا کام کرنا عملی طور پر
ورکشاپ میں سکھلایا جاتا ہے۔ اور علمی طور پر آثار عتیقہ کی تاریخ اور تشریح۔ اصول دفتری
حساب اور ریاضی تاریخ صنائع۔ فن تزئینیات وغیرہ اس مدرسہ میں سکھلایا جاتا ہے
پندرہ سے پچیس سال کی عمر کے لڑکے اس مدرسہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے
امتحانات سہ ماہی وار لئے جاتے ہیں۔ اور سال میں دو مرتبہ یہاں کی ساختہ اشیاء
کی نمائش کیجاتی ہے۔

تعلیم نسواں

تعلیم نسواں

لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بہت اچھا انتظام کیا گیا ہے
ملی (پرائیویٹ) اور حکومتی دونوں قسم کے کئی مدارس پایہ تخت میں اور نیز مملکت کے اکثر بلاد میں
جاری ہیں۔ میں ذیل میں ابتدائیہ یعنی پرائمری اور رشدیہ یعنی مڈل ہائی سکولوں کا نصاب تعلیم
درج کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ چھ سال کے عرصہ میں جوان دونوں درجوں کے لئے مدت تعلیم مقرر ہے
کیا کیا مضمون کتنے گھنٹے روزانہ کے حساب سے پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ جدول اگلے صفحہ پر درج کیا جاتا ہے۔

ابتدائیہ و رشدیہ مکاتب اناث

مضمون تعلیم	ہر جماعت میں ہفتہ ہر مضمون کے اتنے گھنٹے تعلیم ہوتی ہے					
	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم
الف ماد شفاہی معلومات	۱۸	۰	۰	۰	۰	۰
قرآن کریم معہ تجوید	۴	۶	۵	۳	۲	۱
علوم دینیہ	۰	۲	۲	۲	۲	۲
قرأت	۴	۴	۴	۲	۱	۱
املا	۴	۴	۳	۲	۱	۱
کتابت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
قواعد لسان عثمانی	۰	۰	۲	۲	۱	۲
عربی	۰	۰	۰	۰	۲	۲
فارسی	۰	۰	۰	۰	۱	۱
حسن خط	۰	۲	۲	۱	۱	۱
دروس اشیاء معلومات نافعہ	۲	۲	۲	۱	۱	۱
ادارہ بیتیہ (انتظام خانہ داری)	۰	۰	۰	۲	۲	۲
اخلاق	۰	۰	۰	۱	۱	۲
حفظ الصحت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
حساب	۲	۲	۲	۲	۱	۱
جغرافیہ	۰	۰	۰	۲	۲	۲
تاریخ	۰	۰	۰	۲	۲	۱
دستکاری	۲	۲	۲	۲	۲	۲
میزان	۱۸	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴
نصاب کی تفصیل	یعنی سال اول میں تین گھنٹے روزانہ اور پھر پانچسال تک چار					

گھنٹے روزانہ لڑکیوں کو تعلیم دینی کافی سمجھی جاتی ہے۔ شفاہی معلومات میں چھوٹی چھوٹی ابتدائی واقفیت کی باتیں درج ہیں۔ مثلاً آدمی کے بڑے بڑے اعضاء ملک کے مشہور حیوان۔ باغ کے درختوں کے نام۔ حفظ صحت کی موٹی موٹی ہدایات سامنے نظر آنیوالی چیزوں کے نام اور محل استعمال۔ رنگ۔ اوقات۔ گرما۔ سرما۔ حواس خمسہ اور استانیوں کیطرف سے حسن تربیت و آداب و نصیحت کی کہانیاں وغیرہ۔ علوم دینیہ کی جو کتابیں چھ سال کے لئے مقرر ہیں ان میں علاوہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کی ضروری واقفیت کے عقائد اور مسائل فقہ بکثرت بتلائے جاتے ہیں۔ اور چھٹے سال میں تو اسقدر مذہبی واقفیت بہم پہنچائی جاتی۔ ہے کہ کئی چھوٹے موٹے مولوی کہ جنکی واقفیت کنز اور قدوری سے باہر نہیں ہوتی دنگ رہ جائیں مضمون قرأۃ میں کچھ موسیقی بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اسباق الاشیاء میں اسقدر چیزیں دیہات اور گھر سے باہر کی شامل ہیں کہ ترک لڑکیاں باوجود پردہ کے سب باہر کی چیزوں کی ماہیت سے واقف کہی جاسکتی ہیں۔ مگر ادارہ بیتیہ یعنے انتظام خانہ داری کا مضمون جو لڑکیوں کے لئے سیکھنا سب سے زیادہ ضروری ہے

انتظام خانہ داری

چوتھے سال ہفتہ میں دو سبق دے کر سکھلایا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے زنانہ مدارس میں بھی یہ مضمون داخل کیا جائے۔ اسلئے اسکے موٹے موٹے عنوان درج کردیتا ہوں۔

قسم اول

مسکن۔ گھر کی عورتیں مسکن کی حفاظت اور عورتیں۔ اصول حرارت و روشنی (۱) مسکن کا انتخاب (۲) گھر کی چیزوں کا موقع سے رکھنا صحت کی ضروری شرائط۔ تقسیمات داخلی۔ ہوا کی تجدید و تصحیح رہنے کے مکانات کا درجہ حرارت (۲) گھر کی چیزیں اور آلات ضروری۔ سامان مطبخ۔ کوچ۔ کرسی اور مسہری۔ پردے۔ قالین لحاف (۳) کمروں کی عمدہ محافظت۔ گھر کی عورتوں کی اچھی حفاظت۔ فرنیچر اور مرمر کے سامان کی صفائی۔ چاندی کی اشیا اور مطبخ کے سامان کی صفائی اور ستھرا پن۔ (۴) تانبے پیتل۔ جواہرات۔ چاندی کے گلٹ اور دیگر اشیاء اور آلات

اور تصویروں کے چوکھٹوں۔ اور کتابوں کی صفائی۔ کمروں کی مکھیوں مچھروں
وغیرہ کا دور اور ضائع کرنا (۵) اصول حرارت۔ ایندھن۔ پتھر کا کوئلہ۔ کوک۔ لکڑی کا
کوئلہ۔ جلنے والی چیزوں کے خواص۔ گھر کے آتشدان کے شرائط۔ انگیٹھیاں مختلف قسم کے
چولھوں اور انگیٹھیوں کے لئے مقررہ احتیاطیں وغیرہ (۶) روشنی کے اصول مثل
تیل۔ موم بتی۔ چراغ۔ روغن زیتون۔ گاس۔ مٹی کا تیل۔ لیمپ۔ شمعدان۔ روشنی خانہ۔

قسم ثانی لباس۔ کپڑوں کی حفاظت۔ انہیں پاک وصاف کرنا۔ داغ دھبے پڑنا۔
سلائی اور سلائی کا سامان (۷) لباس۔ کپڑوں کی مرمت۔ نیچے کے کپڑے بنیان کی قسم
کے۔ جرابیں وغیرہ۔ بستر پوش۔ دستر خوان۔ میز کے دست مال۔ سوتی کپڑے وغیرہ۔
(۸) کپڑے پاک وصاف کرنا۔ کپڑے کے صندوقوں میں کیڑوں وغیرہ سے حفاظت
سجی اور سوڈے والا پانی۔ صابون کا پانی۔ کپڑوں کو دھونے کے بعد محفوظ رکھنا۔ استری
کرنا اور استعمال کرنا (۹) داغ دھبے پڑنا۔ دھبے دور کرنیکا صابن اور پانی۔ قہوہ۔
سیاہی۔ تیل اور ہر چیز کے داغ دھبے دور کرنا (۱۰) سلائی کا کام۔ سلائی اور کشیدہ کی
سوئیاں۔ نقاشی و کشیدہ۔ جرابیں بننا۔ موٹی و باریک سوئیاں۔ اسکے بعد پانچویں
سال پھر ہفتہ میں دو سبق دیئے جاتے ہیں۔

قسم ثالث ذخائر اور لوازم سامان غذا کی حفاظت۔ گوشت۔ مچھلی۔ سبزی
خمیر۔ نشاستہ۔ شکر۔ قہوہ۔ چائے اور مشروبات (۱۱) روٹی۔ پنیر یا دہی یا روٹی کے خمیر
کرنے کی مایہ۔ روٹی پکانا۔ سامان خوراک کو کیڑوں سے محفوظ رکھنے کے طریقے۔
نمکین مچھلی۔ انڈے گندے ہونے سے محفوظ رکھنا۔ تیلہن اور زیتون کے تیلوں کی حفاظت
(۱۲) تازہ اور خشک ترکاریاں۔ ٹوماٹو (بینگن) اور تازہ پھلیوں اور پتوں والی سبزیوں
کی حفاظت۔ ترشیوں کے اقسام۔ خشک میوہ جات۔ تازہ اور خشک انگور۔ اخروٹ۔ شکر
قہوہ۔ چائے (۱۳) انواع واقسام کے اچار۔ مربے اور شربت۔

قسم رابع گھر کا دوائی خانہ (۱۴) ہاتھوں اور ہونٹوں کے ملنے کے غازے۔
دانتوں کے نمک اور منجن۔ مسواک اور دانتوں کے خلال۔ ایک کنبے کے ضروری علاج

جوشاندے۔ خیساندے۔ دودھ اور یخنی کے عمدہ اور مقوی استعمال (دو سال گذشتہ میں سیکھے ہوئے سبقوں کے تکرار) چھٹے سال ہر ہفتہ میں دو سبق دیئے جاتے ہیں۔

قسم خامس | خانگی طبابت اور حفظ صحت (۱۵) غذا کا انتخاب اور بہم رسانی۔ اصول غذا۔ کھانے کے وقتوں کا تعین اور انتظام۔ بچوں اور بوڑھوں کی غذا کا اصول۔ بچوں کی پرورش۔ قواعد حفظ صحت۔ نیند۔ حمام کرنا۔ تعفن دفع کرنیوالی ادویات۔ بخور اور غسل (۱۶) طبابت بیتیہ۔ زخم خراب قسم کے۔ چیرا پھاڑا جانا۔ کٹ جانا یا چمڑا اتر جانا جلنا وغیرہ (۱۷) پانوں کو پانی میں رکھنا اور بیماری سے شفا بخشنے والے اصول۔ کنبے کے لئے ایک طبیب کا انتخاب۔

قسم سادس | بیگم خانہ کے وظائف اخلاقی (۱۸) آداب ورسم معاشرت نوکرانیوں کا انتخاب۔ نوکرانیوں کے لئے کام کاج کے قواعد اور انکی خوراک (۱۹) گھر کا حساب کتاب رکھنا۔ (۲۰) صفائی۔ غلیظ پانی انگیٹھیوں اور آتشدانوں کی صفائی کوڑا کرکٹ۔ مالک مکان اور کرایہ دار کے مابین شرائط و تعلقات (تینوں سالوں کے سبق دوہرانا)

یقیناً جن خوش نصیب لڑکیوں کو مندرجہ بالا نصاب کے مطابق امور خانہ داری میں تعلیم ملے انکی اور انکے متعلقین کی زندگی نہ صرف آرام و آسائش سے گذرے گی بلکہ انکی اولاد جاہل ماؤں کی اولاد سے ضرور زیادہ لائق اور روشن ضمیر تیار ہوگی۔

ان تفصیلی مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کی تعلیم بھی پورے طور پر دیجاتی ہے۔ جغرافیہ اور تاریخ میں ضروری ضروری اور ملکی اور اسلامی ممالک اور معلومات کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ دروشنکاری میں ہر قسم کے کشیدے جالیاں اور لیسیں بنانا شامل ہے۔

لڑکیوں کے صنائع مکتب | قرز "صنائع مکتبی"۔ وہ مدرسے ہیں کہ جنمیں بجائے چھ سال کے سات سال میں اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جتنی کہ لڑکیوں کے رشدیہ مدارس کے نصاب میں درج ہے مگر اس میں سینے پرونے کی دستکاریاں سکھلانے پر بہت وقت خرچ کیا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے عمدہ سے عمدہ کپڑے کاٹنے

اور سینے اور اسپر ریشم اور طلا کے کشیدے کاڑھنے، کپڑے کے پھول بنانے۔ جرابیں۔ لیسیں بنانے۔ گھر کے تمام انتظام کرنے اور طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرنے کے طریقے بڑے اہتمام سے سکھلائے جاتے ہیں۔ سلائی کی مشینوں کا سمجھانا بیل بوٹوں کے نقشے اور کپڑوں کے فرمے وغیرہ سب نصاب میں شامل ہیں۔ اور یہاں عملی کام بہت ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ لڑکیوں کے رات کے مدرسے الگ ہیں تاکہ جو لڑکیاں کسی وجہ سے دن کے مدرسہ میں تعلیم نہ پاسکیں وہ رات کے مدرسوں میں داخل ہوجائیں۔ واضح رہے کہ دس سال تک کی لڑکیوں کو قانوناً پردہ کی پابندی نہیں ہے اسلیئے مدرسوں کو ایسی لڑکیاں کھلے منہ جاتی ہیں۔ اسکے بعد البتہ مروج پردہ کے ساتھ جاتی ہیں۔

دار المعلمات ان کے علاوہ ایک دار المعلمات ہے کہ جہاں لڑکیوں کے مدرسوں کے لیئے استانیاں تیار کرنے کے واسطے تین سال کا نصاب تعلیم مقرر کیا گیا ہے۔ یہاں باقی تو وہی سب مضامین سکھلائے جاتے ہیں جو مدارس ابتدائی میں رشدیہ کے نصاب میں داخل ہیں۔ لیکن طریقہ تعلیم اور موسیقی دو علیحدہ مضمون ہیں۔ موسیقی کے متعلق اسقدر بتلا دینا مناسب ہے کہ اسکا تینوں سال ہفتہ میں صرف ایک سبق ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی بالفعل صرف پیانو باجا بجانا سکھلایا جاتا ہے۔ اور اسکے نوٹوں اور اصول کو یاد کرایا جاتا ہے۔ مگر یہ مضمون ابھی تک اختیاری ہے۔ ۱۸۹۹ء میں اس مدرسہ میں (۵۶۰) لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ اور ابتدائے قیام ۱۲۸۹ سے لیکر ۱۳۱۵ تک (۴۸۳) استانیاں سند حاصل کرچکی تھیں۔ مہتمم مدرسہ حاجی حافظ خلوصی آفندی ہیں جو بڑے فاضل اور نامور مدرس ہیں ان کے علاوہ حساب۔ ہندسہ۔ عربی۔ فارسی۔ قرآن۔ علوم دینی اور تعلیم خط کے چھ اور مدرس مرد ہیں اور باقی انیس سند یافتہ استانیاں ہیں۔ علوم متنوعہ اور دستکاری کے اول معلمہ صدیقہ خانم ہیں کہ جنہیں دوم درجہ کا تمغہ شفقت سلطان المعظم کیطرف سے ملا ہوا ہے اور تین اور استانیوں کو سوم درجہ کے تمغے ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے صرف تین عیسائی

عورتیں ہیں اور باقی سب مسلمان ہیں۔

شاعرہ مصنفہ واخبارنویس ترک خاتونیں

جبکہ ایسی اچھی تعلیم ترک خاتونوں کو مل رہی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بہت جلد ترک خانمیں بھی اپنی یورپین بہنوں کیطرح زیور تعلیم سے پورے طور پر محلّی نہ ہو جائیں۔ نپولین نے ایک وقت کہا تھا کہ فرانس کی ماؤں کو لائق بناؤ تاکہ فرانسیسی قوم سب کی سب لائق ہو جائے۔ سلطان عبدالحمید خان نے اسکی بہت عمدہ تعمیل کی ہے۔ اور ترکوں میں اب لائق تعلیم یافتہ مصنفہ اور اخبارنویس عورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ چنانچہ احمد مدحت صاحب نے مجھے بتلایا تھا کہ اسوقت قسطنطنیہ میں کم از کم ۵۰ عورتیں شاعرہ۔ مصنفہ۔ اخبارنویس اور مضمون نگار اور فرانسیسی زبان میں ماہر ہیں جنمیں چوٹی پر فاطمہ علیہ خانم بنت جودت پاشا مرحوم عالمہ۔ مصنفہ۔ شاعرہ فلسفی ہے۔ ایک اور بی بی نگار خانم نام شاعرہ اور مصنفہ بہت مشہور رہی ہے۔ فاطمہ فخرالنسائ ہے جو ابھی بیس اکیس سال سے بڑی نہیں ہے۔ مگر بڑی ہوشیار لکھنے والی ہے۔ مقبولہ لمعان ایک مشہور دیندار صوفیہ اور شیخہ تھی جسکا انتقال ہوگیا ہے۔ شادیہ خانم یہاں لنسوان کے اخبار "خانمرہ مخصوص غزتہ" کی ڈائرکٹرس ہے۔ یہ اخبار عورتوں اور بچوں کے لئے بڑی قابلیت سے نکالا جاتا ہے جو یورپ کے دیگر بلاد کے اسی مطلب کے اخبارات کے ہمپلہ ہے ان میں سے بعض کو حضرت سلطان کیطرف سے چاندی سونے کے تمغے ملے ہوئے ہیں

ترک خاتونوں کے مخصوص نام

ترکی بیبیوں کے بہت سے نام تو عرب۔ مصر۔ ہندوستان اور افغانستان وغیرہ بلاد اسلامی کی عورتوں کے ناموں سے مشترک ہیں۔ لیکن بعض نام صرف ٹرکی سے مخصوص بھی ہیں۔ ترکی مدارس زنانہ کی طلبتہ المعلم کے ایک دو سو ناموں کی فہرست سے ذیل کی فہرست زنانہ ناموں کی مرتب کی گئی ہے۔ اس میں شروع کے ناموں کے ساتھ جو عدد لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی نسبت سے یہ نام زیادہ ہر دلعزیز اور مستعمل ہیں اور باقی کمتر۔ مثلاً فاطمہ سب سے زیادہ مستعمل نام ہے۔ اسکے بعد امینہ اور خیریہ وغیرہ۔ فہرست یہ ہے:

فاطمہ (۱۰) امینہ (۷) خیریہ (۷) خدیجہ (۶) عائشہ (۶) زہرا (۴) عزیزہ (۳) لطیفہ (۳) منیرہ (۳) سنیّہ (۳) حسینہ (۲) نبیّہ (۲) سحر (۲) حوریہ (۲) شریفہ (۲) عادلہ (۲) فطنت (۲) علیہ (۲) نعیمہ (۲) ثروت (۲) ملک خانم (۲) فتیحہ خانم۔ رویدہ۔ فاطمہ نگار۔ منیبہ۔ فردانہ۔ جمیلہ۔ الفت۔ نازک۔ مثال۔ زعفر۔ فاطمہ زہرا۔ نزیہہ۔ مائدہ۔ شاہندہ۔ افافت۔ عدویہ۔ مزین۔ نائلہ۔ سعدیہ۔ گل زہین۔ نارینہ۔ بلیدیز۔ حنیفہ۔ حسیبہ۔ امثال۔ امثال۔ نور صبیحہ۔ حسن ملک۔ لبابہ۔ عفت۔ رفیقہ۔ عائشہ۔ نظیرہ۔ موہبہ۔ کاملہ۔ قدریہ۔ ثانیہ۔ محبہ۔ زینب۔ سلیمہ۔ یسیمہ۔ فاکہہ۔ عطیہ۔ صائمہ۔ شوکت۔ نزہت۔ مقبولہ۔ فتحیہ۔ ماجدہ۔ سحر۔ احسان۔ عنایت۔ ملک خانم۔ سامیہ۔ جمال۔ فخزیہ۔ فکریہ۔ ہرمز۔ معادل۔ کلثوم۔ جمالیہ۔ زینہ۔ ہاجرہ۔ خالدہ۔ صفیہ۔ عائشہ۔ سعیدہ۔ بزمیہ۔ مقدس۔ صابرہ۔ مہپارہ۔ کبیرہ۔ تزیتہ۔ شادیہ۔ نادرہ۔ عفیفہ۔ نسیمہ۔ فائزہ۔ فخزیہ۔ کائنہ۔ سعادت۔ پاکیزہ۔ شاذیہ۔ صدقیہ۔ مروانہ۔ فہیمہ۔

اخبارات رسالے مطبعے کتابیں ترندہ مصنف اور کتبخانے

بینے اقدام۔ صباح۔ معلومات۔ ثروت۔ ترجمان۔ حقیقت وغیرہ یہاں کے تمام بڑے بڑے روزانہ اخبارات کے دفاتر دیکھے۔ یہاں سب اخبارات کے دفاتر میں ساتھ ساتھ اشاعت و فروخت کتب کا سلسلہ بھی موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کا کام ہندوستان کی نسبت بڑے سرمایہ سے کیا جاتا ہے۔ کاغذ کے گودام چھاپنے کی مشینیں۔ ٹائپ اور ملازموں کی تعداد سب اس امر کی شاہد ہیں۔ اخبارات کی شکل و صورت بھی بہت عمدہ ہے۔ عموماً ان دفتروں میں ایڈیٹر اسطرح کام کرتے دیکھے گئے

اخبارات اور پبلشنگ

کہ پانچ چار ایڈیٹر سب ایک بڑے کمرہ میں ایک بڑی میز کے گرد کام کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور اخبار ختم کر لیتے ہیں معلوم ہوا کہ اسوقت اقدام سب سے زیادہ چھپنے والا ترکی اخبار ہے۔ اس سے پہلے صباح کی اشاعت زیادہ تھی۔ لیکن چونکہ اسکا مالک ارمنی ہے۔ ارمنیوں کے

فساد کے بعد سکی وہ بات نہیں رہی۔ ترکی کا مشہور قاموس الاعلام چھ جلدوں میں صباح ہی کے مطبع میں چھپا ہے۔ جو میں نے (۲۱۰) قرش کو خریدا۔ ترکی زبان میں غالباً یہی ایک سائیکلوپیڈیا جغرافیہ اور تذکرہ اور تاریخ کا ہے۔ دفتر اقدام سے دو بہت عمدہ کتابیں اصطلاحات العلوم عربی اور موضات العلوم (دو جلد) ترکی خریدیں۔ جب میں اول کتاب کی قیمت دے چکا تو احمد جودت صاحب مالک اقدام سے ملا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ مینے قیمتاً کتاب خریدی تھی۔ تو انہوں نے افسوس کیا اور دوسری کتاب کی قیمت نہیں ادا کرنے دی۔ ترجمان حقیقت کے دفتر سے ایک بہت عمدہ کتاب بطور ہدیہ ملی۔ جو اس اخبار نے ثروت فنون کے ساتھ بلکر بغرض امداد مصیبت زدگان کریٹ چھاپی تھی۔ اور جس میں ترکی کے تمام نامور اہل قلم نے ایک ایک مضمون مفت لکھا تھا۔ معلومات کے مالک طاہر بک صاحب کا مطبع سب سے بڑا تھا اور

طاہر بک صاحب کا مطبع

یہاں سے علاوہ ترکی معلومات روزانہ۔ ترکی ثروت روزانہ ترکی معلومات ہفتہ وار عربی معلومات ہفتہ میں دوبار اور ثروت فرانسیسی روزانہ (سب مع تصاویر) شائع ہوتے تھے۔ ثروت فرانسیسی کا ایڈیٹر جو ترک تھا بالکل یورپین معلوم ہوتا تھا۔ اور جب میں اُسے ملا تو اسکی میز کے پاس کھڑکی میں ایک کتا پڑا سوتا تھا۔ مالک مطبع طاہر بک صاحب مجھسے پہلی مرتبہ بے اعتنائی سے ملے جسکا ذکر مینے اپنے ایک میزبان سے کیا۔ اسپر وہ مجھے پھر ایک روز طاہر بک صاحب کے مطبع میں لیگیا۔ اور معلوم نہیں طاہر بک کو کیا سمجھایا کہ اس روز تو وہ بہت خاطر مدارات سے پیش آیا اور خواہش سے کہا کہ میرے ترکی۔ فرانسیسی اور عربی اخبارات کے محرر (ایڈیٹر) ساتھ کے کمرہ میں جمع ہیں وہ تمسے معاملات ہندوستان کی بابت کچھ انٹرویو کریں گے اُنہیں جو ہوسکے بتاؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے بعض سوالات لنسبت تعلیم مسلمانان ہند و تجارت و زراعت و حرفت و بواعث قحط و نسبت مصنفان زمانہ حال دریافت کئے میں فارسی میں جلال بک مترجم جرائد روسی اور انگریزی میں خالد ایوب کو بتاتا جاتا تھا۔

رخصت ہونے کے وقت طاہر بک نے اپنے یہاں کے کئی مطبوعہ ترکی ناول مجھے ہدیۃً دیئے۔ مینے سنا تھا کہ سلطان المعظم کی طاہر بک پر بڑی نظر لطف ہے اور اُسے کئی تمغے بھی ملے ہوئے ہیں۔ لیکن ہندوستان پہنچنے سے تھوڑا عرصہ بعد مصری اخبارات سے معلوم ہوا کہ کسی قصور پر اُسکا مطبع ضبط کر لیا گیا تمام اخبارات بند ہو گئے۔ اور خود بیچارہ طاہر بھی نظر بند کر دیا گیا۔ طاہر بک کے مطبع کی بالتصویر کتاب تبرکات ملی ایسی خوبصورت اور خوشنما چھپی ہوئی ہے کہ یورپ کی بہترین کتابوں کے مقابلہ میں پیش کیجا سکتی ہے۔

ترکی اخبارات کے ماخذ مینے دیکھا کہ یہاں کے اخبارات زیادہ تر فرانسیسی اور جرمنی زبانوں کے اخبارات کے ترجمے چھاپا کرتے ہیں۔ اور روسی بلگیرین اور یونانی زبانوں کے اخبارات سے بھی اقتباس کرتے ہیں۔ اور اخبارات کے ایڈیٹر اور مترجم یہ سب زبانیں جانتے ہیں مگر ان کے درمیان میں نے کوئی انگریزی جاننے والا شخص نہ دیکھا۔ آخر ترجمان حقیقت کے سٹاف میں مجھے ایک ترک ایڈیٹر ملا۔ جو انگریزی بھی خوب بولتا تھا۔ مینے پوچھا کہ تمنے انگریزی کسطرح سیکھی۔ تو اس نے بتایا کہ بچپن میں میری گورنس ایک انگریز عورت تھی۔ اور اسکے بعد بھی مینے اس زبان کو سیکھا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے مینے کسی ترکی اخبار کے دفتر میں کوئی انگریزی اخبار نہیں دیکھا۔ بحالیکہ انگریزی اخبارات مثل لنڈن ٹائمز۔ ڈیلی میل۔ اور ٹیلیگراف وغیرہ کے فرانسیسی اخبارات تان اور فگارو وغیرہ سے زیادہ صرف اور محنت سے تیار کئے جاتے ہیں اور ان سے اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ ترک ایڈیٹر نے جواب دیا کہ ہم انگریزی اخبارات کو پسند نہیں کرتے۔ ان میں بڑا "ہمبگ" (فضول) درج ہوتا ہے۔ مینے اُسے قائل کرنا چاہا مگر اس نے ایک نہ سنی۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو فرانسیسی زبان کا وہاں زیادہ دخل ہے۔ اور دوسرا چونکہ انگریزی پالیسی کچھ مدت سے ٹرکی کے مخالف ہے اسلئے انگریزی اخبارات کو وہاں ناپسند کیا جاتا ہے۔

بعض پابندیاں جہاں ترک اخبار نویسوں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اخبارات کے ایڈیٹر

سرکار کی ہر قسم کی ملازمتوں پر بھی ممتاز ہیں۔ اور بطور راوور ٹائیم کے اخبارات کے دفاتر میں بھی کام کرتے ہیں۔ وہاں ان کے لئے یہ پابندی سخت ہے کہ کوئی اخبار نویس کسی غیر سلطنت میں نہیں جا سکتا اور نہ اس سے سخت بازپرس کیجاتی ہے۔ بحالیکہ اخبار نویسوں کو ہی سب لوگوں سے زیادہ ممالک غیر کی سیاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسکے سوائے ترکی اخبارات کے سنسر کے فرائض کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ کسی دوسری سلطنت کے بادشاہ یا حکومت کی تعریف یہاں کے اخبارات میں درج کرنے کی اجازت نہیں۔ غیروں کی نکتہ چینی سے بھی یہانتک احتراز کیا جاتا ہے کہ واقعات کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ مثلاً جب قیصر جرمنی نے اپنی افواج چین کو بھیجتے ہوئے چینیوں کی بیکسی کے متعلق تقریر کی تھی تو تمام یورپ کے اخبارات نے اسپر لے دے کی مگر ترکی اخبارات نے بالکل اس قضیہ کا ذکر تک نہیں کیا کہ قیصر کی یہ تقریر کیسی ناپسند کی گئی تھی۔ ہمبرٹ شاہ اٹلی جب قاتل کے ہاتھ سے مارا گیا تو ترکی اخبارات صرف اسقدر لکھ سکے کہ شاہ اٹلی نے انتقال کیا وقس علی ہذا۔

ہفتہ وار و ماہوار پرچے علاوہ اخبارات روزانہ کے قسطنطنیہ میں کئی ایک ہفتہ وار اور چند ماہوار رسالے بھی طبع ہوتے ہیں۔ مسجد بایزید کے متصل بازار کتب فروشاں سے ایک روز میں نے ترقی۔ ارتقا۔ ثروت فنون۔ مصور فنون۔ ادب۔ خانمارہ مخصوص عزتہ اور چوجک لرہ مخصوص غزتہ کے پرچے خریدے۔ ان رسالوں میں اچھے اچھے لکھنے والے مضامین نظم و نثر لکھا کرتے ہیں جو ترکی لٹریچر کے عمدہ نمونے سمجھے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں شہر قسطنطنیہ میں کل (۶۳) اخبار اور رسالے شائع ہوتے تھے۔

سرکاری اخبارات علاوہ پایہ تخت کے اخبارات کے جنمیں جنگی گزٹ کی طرح بعض رسمی یعنے سرکاری پرچے بھی ہیں۔ مفصلات کے ہر ضلع سے ایک رسمی اخبار شائع ہوتا ہے۔ مثلاً بیروت کے اخبار کا نام بیروت ہے اور دمشق کے اخبار کا نام شام ہے اور اسکا ایڈیٹر سرکاری ملازم ہوتا ہے جنمیں علاوہ بعض سرکاری اعلانات اور نرخ اجناس وغیرہ کے سرکاری خبروں

سے عام خبریں بھی چھپتی ہیں۔ اور ان اضلاع کی رعایا انہیں بطور اخبارات خریدتی اور پڑھتی ہے۔

ترکی ٹائپ

ترکی اخبارات کا ٹائپ بہت خوبصورت خط نسخ کا ہوتا ہے جو استانبولی ٹائپ کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم ہوا کہ اس ٹائپ کے خرید کر ملک سے باہر لیجانے کی اجازت نہیں۔ صرف اس شک کی وجہ سے کہ ترکی رعایا ممالک غیر میں جاکر حکومت عثمانی کے خلاف اخبارات نہ شائع کرے۔ ترکی ٹائپ کے کیس میں حروف کے (۵۳) خانے مینے ایک مطبع میں شمار کیئے۔ اس ٹائپ کا موجد ایک طباع ترکی پبلشر ضیا بک ہے۔ جو بدنصیبی سے سلطنت کی کسی ناراضگی کی وجہ سے مطبع ضبط ہو جانیکے بعد وظیفہ دیکر قونیہ میں بٹھلا دیا گیا تھا۔ مطبع ضیا بک کی جنتریاں یورپ کی بہترین جنتریوں کے مقابلہ کی ہیں۔

غیر ملکوں کے اخبارات کا مطالعہ

چونکہ یہاں کے اخبارات آزاد نہیں ہیں اسلئے قدرتاً جو لوگ کوئی غیر زبان سوائے ترکی کے جانتے ہیں وہ غیر زبانوں کے اخبارات پڑھنے کے شائق رہتے ہیں۔ اسلئے بہت سے فرانسیسی۔ اٹالی انگریزی جرمنی اور یونانی وغیرہ زبانوں کے اخبارات غیر ممالک سے آکر شہر میں بکتے ہیں۔ اور شاید ترکی حکام ان اخبارات کی درآمد بند کر دیتے لیکن غیر ممالک کے ڈاک خانوں اور قنصل خانوں کے ذریعہ سے یہ اخبارات ہر وقت ملک کے اندر آتے رہتے ہیں۔ حدود مملکت کے اندر بھی سوائے ترکی کے فرانسیسی۔ یونانی۔ ارمنی۔ بلغاری وغیرہ کئی زبانوں کے اخبارات چھپتے ہیں۔ مگر انکی کافی نگرانی کیجاتی ہے۔

پریس یا پبلسٹی ٹکس

سلطان المعظم کے جشن حکومت بست و پنجسالہ کی تقریب پر ترکی زبان کے اخبارات تو دوبارہ کا ٹکٹ ہر پرچہ پر لگا کر چھاپنے سے معاف کیئے گئے ہیں۔ لیکن دوسری زبانوں کے اخبارات پر ابھی یہ ٹکٹ لگتا ہے۔ مگر یہ اخبارات تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر اشتہار اور ہر کاغذ کے پرزہ پر جو شائع کیا جاوے یا کہیں آویزاں یا چسپاں کیا جاوے یہ ٹکٹ لگانا ضروری ہے۔ مثلاً کسی دوکان پر

صرف اسقدر لکھ کر کاغذ چسپاں کیا جائے کہ "دوکان خالی ہے"۔ تو اسپر بھی ٹکٹ ہوگا یا ریل کا ٹائم ٹیبل ہو یا کسی حکیم کا ماءُ اللحم کا اشتہار ہو۔ غرض ہر پرچہ پر ٹکٹ لگانا لازمی ہے۔ ایک زمانہ میں انگلستان کے اخبارات پر بھی ایسا ہی ٹکس قائیم تھا۔ مگر جب وہ معاف کیا گیا تو اخباروں کو بڑی ترقی ہوئی۔ اور اگر آج اس قسم کا ٹکس انگلستان کے اخبارات پر ہوتا تو حالت موجودہ سے نصف یا چہارم لٹریچر بھی وہاں سے شائع نہ ہوتا۔ مگر میں پھر لکھنے پر مجبور ہوں کہ ٹرکی بوجہ اپنی مختلف الاقسام رعایا کے ایسی پابندیوں کے لیئے مجبور اور ایک حصہ تک حق بجانب ہے۔

شاہ ایران کی سیاحت استنبول

جب میں پیرس میں تھا تو شاہ مظفر الدین قاجار مرحوم بھی پیرس میں تھے لیکن جب میں انگلستان کو گیا۔ تو شاہ کجکلاہ ایکس لاشاپل کے چشموں پر پانی کا علاج کراتے رہے اور میرے قسطنطنیہ کے دوران قیام میں وہ بطور سلطان المعظم کے محترم مہمان کے یہاں تشریف لائے لیکن بخلاف پیرس کے یہاں ان کی خاطر ومدارات کی کوئی انتہا نہ تھی، اور قطع نظر سلطنت کیطرف سے پرتکلف میزبانی ہونے کے اہل شہر شاہ کجکلاہ کی زیارت کے بیحد مشتاق تھے۔ ۳۰ ستمبر کی صبح کو ہم لوگ سویرے ہی گاڑی لیکر سٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ شاہ مقری کوئی کے سٹیشن پر اُترینگے۔ جو حوالی شہر میں ایک موضع اور ریلوے سٹیشن ہے۔ ہزاروں تماشائی مقری کوئی سٹیشن کو جارہے تھے۔ ہم نے بھی ٹکٹ لیا اور گاڑی میں سوار ہوگئے۔ ہر چند کہ گاڑی میں جگہ کی تنگی تھی اور ہمارے کمپارٹمنٹ میں بھی لیکن دس کی مقررہ تعداد سے ایک شخص بھی زیادہ گاڑی میں نہ بیٹھا۔ بر اسوقت بھی مینے نوٹس کیا کہ جن لوگوں نے یورپین ٹوپی پہنی ہوئی تھی جب وہ گھسنے کی کوشش کرتے تو انکے روبرو تو بدتہذیبی سے نہیں۔ البتہ انکے چلے جانے کے بعد انپر ایک قہقہہ لگایا جاتا جس سے مینے سمجھا تھا کہ ترکوں میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق اسقدر ابھی موجود ہے غرض اسٹیشن پہنچے تو وہاں بہت بڑا ہجوم تماشائیوں کا تھا۔ تھوڑی دیر میں حضرت شاہ کی گاڑی بھی آئی۔ فوج اور پولیس کا انتظام حفاظت مبالغہ سے کیا گیا تھا۔ ریل کی

سڑک پر میلوں تک دونوں طرف کچھ کچھ فاصلہ پر سوار تعینات کیئے گئے تھے۔ یہاں سے علیحدہ گاڑی میں بیٹھکر سٹیمر کو روانہ ہوئے کہ جسکے ذریعہ سے وہ قصر یلدز کو جانیوالے تھے سٹیمروں کی ایک قطار بیرقوں اور جھنڈوں سے آراستہ کھڑی تھی۔ اور ان میں فوجی باجہ بج رہا تھا۔ اسوقت سینکڑوں ایرانی جو استقبال کے لئے یہاں آئے تھے بجید خوش نظر آتے تھے۔ شہر میں بھی ایرانیوں نے اپنی دوکانوں اور مکانوں کو خوب سجا رکھا تھا۔ دوسرے روز شہر کے بازاروں میں سے جس طرف سے شاہ مظفرالدین گذرے انکی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ جا بجا فوج متعین تھی میں اس وقت معلومات کے دفتر میں تھا کہ حضرت شاہ کی سواری سفارت ایران کو

شاہ اور ترکی اخبارات

جاتی ہوئی اُدھر سے گذری۔ شاہ کا رنگ صاف اور موچھیں بہت لمبی تھیں تین ترکی افسر آپ کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھے تھے۔ اور ساتھ بہت سی گاڑیوں میں ایرانی اور ترکی افسر جلوس میں تھے۔ ترکی اخبارات اس روز اور اس سے پہلے روز تمام شاہ مظفرالدین کے حالات اور تصاویر اور ملک ایران کی تاریخ و جغرافیہ اور فارسی اشعار تبریک سے لبریز تھے۔ میں نے طاہر بے صاحب مالک معلومات کو کہا کہ میری طرف سے بھی یہ دعائیہ شعر چھاپ دیجئے۔

اقلیم پارس را غم از آسیب دہر نیست
تا بر سرش بود چو تو اشش سایۂ خدا

اُنہوں نے مجھے کہا کہ اسکے ساتھ چند سطور فارسی میں لکھدو۔ جب میں یہ سطریں لکھنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اگر میں انگلستان یا ہندوستان کے کسی اخبار میں اسوقت شاہ کجکلاہ کے متعلق لکھتا تو انہیں صلاح دیتا کہ سیاحت یورپ سے کچھ عملی فائدہ اپنے ملک کو پہنچائیں نہ کہ اپنے پدر بزرگوار کیطرح اپنی ذات تک ہی اسکے فوائد محدود رکھیں لیکن جبکہ شاہ سلطان المعظم کے مہمان خاص ہیں تو ترکی اخبارات انکی نسبت کوئی ایسی بات چھاپ نہیں سکتے بلکہ دنیا کے کسی بادشاہ کی نسبت کوئی ایسی تحریر چھاپنا سوء ادب سمجھتے ہیں جو اُن کے قانون پریس کی نظر میں گستاخی پر محمل ہوتی ہے۔

کتابوں کی اشاعت گو دولت عثمانیہ میں پریس کو آزادی حاصل نہیں لیکن پریس کو خاصی ترقی حاصل ہے۔ پایہ تخت میں علاوہ اخبارات کے (۸۹) مطابع جاری ہیں جنمیں علاوہ ترکی زبان کی بہت سی یوروپین اور خصوصاً یونانی۔ عبرانی۔ ارمنی اور بلگیرین زبانوں کی کتابیں ٹائپ اور پتھر پر چھپتی رہتی ہیں۔ مگر کتابوں کے چھپنے سے پہلے صیغہ تعلیم کے محکمہ تفتیش ومعائنہ کتب سے انکے چھاپنے کی اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس محکمہ میں کتاب کے تمام مضامین کے مطالعہ کے بعد جو مضامین یا الفاظ چھاپنے کے لائق نہیں سمجھے جاتے وہ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور باقی کتاب چھاپنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ اس محکمہ کے نظام نامہ میں یہ درج ہے کہ "ممالک محروسہ شاہانہ میں طبع ہونے والی تمام کتب دینی اور رسائل واوراق متنوعہ فنیہ ادبیہ اور سیاسیہ اور رسائل موقتہ معہ تصاویر والواح ومیڈل دآرمس اور ممالک محروسہ میں داخل ہونے والی مطبوعات اجنبیہ کے خوفناک اندراجات کی نگرانی" کے لئے یہ محکمہ قائم ہے۔

علوم مفیدہ کی کتابیں ترک علوم مفیدہ اور یوروپین سائنس اور لٹریچر کے ترجمے یورپ کے مختلف زبانوں سے بکثرت کرکے چھاپ رہے ہیں۔ فرانسیسی جرمنی۔ روسی۔ یونانی اور انگریزی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے بہت ہو چکے ہیں۔ مگر انمیں سے پہلی دو زبانوں کی کتابیں زیادہ ترجمہ کی گئی ہیں۔ خصوصاً جنگی اور فوجی علوم کی کتابیں نسبتاً بہت زیادہ چھاپی گئی ہیں۔ احمد مدحت صاحب نے مجھے عزت آفندی مہتمم کتب خانہ کے نام ایک رقعہ اس مطلب کا دیا تھا کہ دار الشفقۃ عسکری اور دیگر ہر قسم کی کسقدر کتابیں عثمانی زبان میں چھپی ہیں۔ افسوس ہے کہ میں ان سے دریافت نہ کرسکا۔ مگر عام خیال یہ تھا کہ پانچہزار سے زیادہ ایسی جدید کتابیں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسوقت کوئی علم اور فن ایسا نہیں کہ جسکی کتابیں یورپ کی کسی زبان میں ہوں اور ترکوں نے انکا ترجمہ یا خلاصہ نہ چھاپ لیا ہو۔ اسکے ساتھ ہی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے اور خلاصے بھی شائع ہوتے جاتے ہیں۔ اور دن بدن لوگوں کی توجہ تصنیف وتالیف کیطرف بڑھ رہی ہے۔ ۱۳۱۵ھ ہجری کی سررشتہ تعلیم کی رپورٹ میں قریب دو ہزار کے ایک سال میں

شائع ہونیوالی کتابوں کی فہرست اسم وار درج ہے
واضح رہے کہ یہاں کی کتابیں ہندوستان کی کتابوں سے اچھے کاغذ پر چھاپی اور جلد بندی کی ہوتی ہیں۔

زمانہ حال کے ترک مصنف اور اہل قلم

عربی اور فارسی کی طرح ترکی نظم کا ذخیرہ بھی کم دلچسپ موجود نہیں۔ جیسا کہ ایک ترک پاشا کی مرتب کردہ ضخیم کتاب "خرابات" سے ظاہر ہے کہ جس میں عربی اور فارسی شعرا کے پہلو بہ پہلو سینکڑوں ترکی شعرا کے کلام کا بھی انتخاب درج کیا گیا ہے۔ ایسے ہی ترکی نثر کا بھی بہت بڑا ذخیرہ زمانہ قدیم اور اوسط کا موجود ہے لیکن یہاں میری توجہ صرف زمانہ حال کے زندہ ترک مصنفین اور اہل قلم کی طرف ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں مینے ایک فہرست زندہ ترک مصنفین کی احمد مدحت آفندی صاحب اور بعض دیگر مصنفین کی مدد سے تیار کی کہ جنمیں سے نوجوان مصنف و اخبار نویس یکی شہرلی زادہ خالد ایوب نے سب سے زیادہ مدد دی تھی۔ چنانچہ اس فہرست میں مصنفین کے نام معہ انکے مقدار تصانیف اور انکی یورپین زبانوں کی واقفیت کی کیفیت کے درج ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسوقت بھی بہت سے مستعد ترک اہل علم تصنیف و تالیف کے میدان میں تگ و دو میں مصروف ہیں۔

احمد مدحت آفندی۔ سرآمد ترک مصنفین زمانہ حال نے تاریخ۔ فلسفہ۔ دینیات اور خصوصاً عیسائیوں کے رد میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ غیر زبانوں میں فارسی اور فرانسیسی بول سکتے ہیں۔ عربی میں بھی بات چیت کر سکتے ہیں (اگر عربی کو غیر زبان نہ سمجھکر یہاں شمار نہیں کیا گیا) صیغہ حفظان صحت کے افسر اعلےٰ ہیں۔ عمر ۵۵ سال (چونکہ یہ فہرست سنہ ۱۹۰۶ء میں مرتب کی گئی تھی اسلیئے مقدار تصانیف اور عمر سب اُسی زمانہ تک اندازہ کیگئی ہے) انہوں نے اپنی تصنیفات سے یہ کتابیں مجھے ہدیہ دی تھیں۔ جولاں۔ مدافعہ ۳ جلد۔ نزاع علم و دین ۱۰ جلد بشائر ۲ جلد۔ بشیر فواد۔ استبشار۔ بن ثم۔ فاطمہ

علیہ خانم۔[۵]
محمود اسعد آفندی۔ تاریخ اسلام۔ قوانین ملکی۔ علوم طبعی۔ فقہ۔ علم کلام میں بیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی اور اٹالی زبانوں میں بات چیت کرسکتے ہیں۔ وزارت مال میں عہدہ حقوق مشاور (مشیر قانونی) اور دار الفنون اور ملکیہ اور حقوق مکتبوں میں پروفیسر ہیں۔ عمر ۵۴ سال۔ انہوں نے بھی اپنی متعدد تصنیفات مجھے دیں۔
صالح ذکی بک۔ ریاضی۔ علوم طبعیات پر کتابیں اور قاموس ریاضیات قلمبند کی ہیں۔ رصد خانہ میں مدیر اور ملکیہ مکتب اور دار الفنون میں معلم۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر تیس سال۔
شمس الدین سامی بک۔ قاموس اور لغات کی قسم کی کئی ضخیم کتابیں مرتب کی ہیں جنمیں قاموس الاعلام چھ جلد بہت عمدہ سائیکلوپیڈیا ہے۔ اسکی وسعت معلومات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابراہیم کے نام کے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر زمانہ حال کے ابراہیم پاشا تک قریباً پانچسو آدمیوں کے حالات درج کئے ہیں۔ ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں علحدہ لغات لکھی ہیں اور عربی سے ترکی میں اور سب سے آخر قاموس ترکی مکمل لکھی ہے تفتیش عسکری کمیشن میں باش کاتب۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر ۵۰ سال۔
خالد ضیا بک (ادبا سے ہیں) متعدد اخلاقی فسانے تصنیف اور ترجمہ کئے۔ ادارہ رژی میں تحریرات ترکی کے مدیر ہیں۔ فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمنی بولتے ہیں۔ عمر پچیس سال۔
موسیٰ کاظم آفندی۔ علم کلام پر مضامین لکھے ہیں۔ مدرس ہیں۔ عمر ۴۲ سال
ان کے علاوہ اکرم بک (استاذ) محمد جلال بک (شاعر) منخلی زادہ طاہر بک

---

[۵] چنانچہ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کارخانہ پیسہ اخبار میں شائع ہوگیا ہے۔ جس سے زمانہ حال کی سب سے فاضلہ ترک خاتون کے حالات درج ہیں۔ اور فاطمہ علیہ احمد مدحت آفندی کی شاگرد بھی ہیں۔

مصطفےٰ رشید بک اور خلیل ادیب بک مشہور ادبا میں شمار ہوتے ہیں۔

شعرا

توفیق فکرت بک ۔ مصوّر ثروت فنون کے ایڈیٹر۔ ہر ہفتہ اخبار میں ایک نظم لکھتے ہیں۔ ان کے "رباب شکستہ" نامی مارل اور نیچرل مضامین مشہور ہیں۔

عصمت بے ۔ بہت سی نیچرل اور غزل کے پیرایہ میں نظمیں کہیں۔ بالفعل ہفتہ وار رسالہ مصوّر ترقی کے ایڈیٹر ہیں۔ جنگ روم و یونان پر یادگار ظفر نامی کتاب تصنیف کی۔

فائق اسعد ۔ غزل اور ہر قسم کی نظم اچھی لکھتے ہیں۔

مختار بک

جناب شہاب الدین

شیخ وصفی آفندی ۔ تصوف کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ کئی تصانیف میں سے ایک جذبات کے نام سے مشہور ہے۔

نادر بے ابن کمال (اصلی نام اکرم بے ہے) ان کا باپ ترکی لٹریچر کا ریفارمر اور مشہور ترکی مصنف تھا۔ خود بھی اہل کمال ہیں۔

ایڈیٹران اخبارات

توفیق بے سلانیک لی ۔ ترجمان حقیقت کے چیف ایڈیٹر اور جنگی سرکاری گزٹ کے ایڈیٹر۔ بڑے لائق شخص ہیں اور پچیس سال سے اس خدمت پر مامور ہیں۔ عمر بیالیس سال۔ ساٹھ کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں جنمیں سے ایک سرسری یہودی مشہور ہے۔ اور بارہ جلدیں تاریخ پر ہیں۔

حسین جاہد بے ۔ ایڈیٹر ثروت فنون۔ خوب لکھتے ہیں۔ نوجوان عمر ہیں۔ لٹریچر پر بعض کتب کے مصنف ہیں۔

خالد ایوب بے ۔ نوجوان آدمی ہیں دس ناولوں کے مصنف ہیں جنمیں ایک "اسلام و فنون" ہے۔ اور گوریلرا بچونده (یعنے راہبوں کے مابین) جیالوجی پر ایک کتاب "تماشا" کے نام سے لکھی ہے۔ اخبار ثروت کے ایڈیٹر اور حقوق مشاورے کے دفتر میں اہلکار ہیں۔

عبداللہ زہدی بک ۔ صباح کے چیف ایڈیٹر فسانے لکھتے ہیں۔

شناسی ۔ ایڈیٹر اقدام۔ مشہور شناسی کے صاحبزادہ ہیں جو کمال بے کی طرح ترکی لٹریچر کے

ریفارمر گذرے ہیں۔

مصطفےٰ رفیق بے۔ ترجمان حقیقت کے ایڈیٹر مدحت آفندی کے بھتیجے ہیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی اور جرمنی خوب جانتے ہیں۔

محمد خالد بک۔ ایڈیٹر صباح فرانسیسی جانتے ہیں۔

احمد راسم بک۔ نہایت مشہور ایڈیٹر معلومات وثروت۔

نظیف سروری بے۔ ایڈیٹر معلومات وثروت۔ فارسی بھی جانتے ہیں قابل آدمی ہیں۔

علی کمال بے۔ بہت اچھا لکھنے والے ہیں (ان دنوں بغرض تعلیم قانون پیرس میں تھے۔

احمد جودت بک۔ مالک اخبار اقدام۔ فرنچ و جرمن جانتے ہیں۔ خوب لکھتے ہیں۔ محکمہ پولیس کے عہدہ دار بھی ہیں

محمد جودت بک۔ مالک و ایڈیٹر ترجمان حقیقت۔ میونسپلٹی کے ایک حصہ کے مدیر بھی ہیں۔

متفرق اہل علم | **ولد چلپی**۔ مولوی (معتقدین مولانا روم سے) ہیں۔ عمدہ ترکی لکھتے ہیں۔

نجیب عاصم مشہور مستشرق ہیں۔ ترکی زبان کی فلالوجی کے ماہر ہیں فرانسیسی بولتے ہیں۔

عبدالرحمن بے شرف۔ مدیر مکتب سلطانی۔ تاریخ وجغرافیہ پر کتابیں لکھیں۔

ابوضیا توفیق۔ مصنف ہیں۔

علی نظیم بک۔ سید اغوج (فن تعلیم کے ماہر) بیس کے قریب کتابیں لکھیں اور ترجمہ کی ہیں۔

خواجہ اسمٰعیل آفندی۔ مترجم و شارح رسالہ الحمیدیہ۔

ذہنی آفندی۔ حکایت نویس اور معلم۔

مصنفہ بیگمات | **فاطمہ علیہ خانم**۔ زمانہ حال میں سب سے عالمہ ترک خاتون ہیں۔ انکے استاد مدحت آفندی صاحب نے انکے حالات تعلیم و زندگی پر ایک رسالہ

قلمبند کیا تھا جو کارخانہ پیسہ اخبار میں ترکی سے اردو میں ترجمہ ہوکر چھپ چکا ہے - یہ فرانسیسی زبان اور علوم جدیدہ میں بخوبی ماہر ہیں - اور ترکی بیگمات پر جو اعتراض یورپین اخبار نویسوں نے کئے ہیں انکی انہوں نے خوب تردید کی ہے ۔ باقی مصنف اور اہل علم بیگمات کے نام کسی دوسری جگہ درج ہیں

مطبع عثمانیہ باب عالی کی طرف سے صرف ایک مطبع عثمانیہ کو اجازت ہے کہ وہ قرآن مجید صحت سے چھاپے اور شایع کرے - قلمروے عثمانی کے اندر اور کسی مطبع کو قرآن چھاپنے کی اجازت نہیں - وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ روس نے ایک دفعہ ایک ایسا قرآن مجید چھاپا تھا کہ جسمیں سے جہاد کے متعلق تمام آیات خارج کردیگئی تھیں - ماسوائے اسکے کئی عیسائی مشنوں کے مطابع سے قرآن مجید کے چھاپنے میں بہت خیانت کا اندیشہ ہے اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں - اگر سلطنت صرف ایک مطبع کو یہ اجارہ دیدے جہانتک مجھے یاد ہے سلطنت برطانیہ کے اندر انجلیں اور بائبلیں چھاپنے کا حق صرف آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کو حاصل ہے غرض اگر اندرون حدود سلطنت کوئی قرآن ایسا ملجائے کہ جسپر مطبع عثمانیہ کی مُہر نہ ہو تو اُسے پولیس ضبط کرلیتی ہے - اسمیں شک نہیں کہ اس مطبع سے قرآن مجید بہت صحت اور خوبصورتی سے شائع ہوتے ہیں - میں نے بھی روانگی کے وقت یہاں سے تین کلام اللہ خریدے تھے - ایک سجاوندی مطلا مصحف ۸۰ غرش (۱۰ روپیہ) کو - دوسرا آیت برکنار مشہور خطاط عثمان کے قرآن کی نقل بذریعہ عمل عکس ۱۷ غرش - اور تیسرا شکر زادہ مشہور کاتب کا ۱۵ غرش کو -

شرکت صحافیہ ایک اور نامور مطبع شرکت صحافیہ ایرانیہ کے نام سے والدہ خان کے اندر واقعہ ہے - اسمیں شرائع اسلامیہ پر اور خصوصاً عربی فارسی کی بڑی بڑی کتابیں طبع ہوتی ہیں - یہ مطبع ایرانیوں کے مشترکہ سرمایہ سے معقول پیمانہ پر جاری ہے -

کتب فروش گو مشرقی زبانوں کی کتابیں شہر استنبول میں کئی جگہ بکتی ہیں مگر دو بازار ان کے لئے مخصوص ہیں - چارشو کبیر سے قریب جوبانار صحافہ ہے وہاں

ایک تاجر کتب امین ہاشم الکتبی بجوار جامع بایزید سے میں نے کچھ کتابیں لیں۔ اس نے حافظ عبدالرحمٰن صاحب سیاح امرتسری اور شیخ نورالدین صاحب سوداگر کتب مصریہ کانپور کے خطوط مجھے دکھلائے کہ وہ بھی اس سے کتابیں خریدتے ہیں۔ اور بتلایا کہ میرے ایک بھائی عمر ہاشم الکتبی کی دوکان کتب مصر میں جامع ازہر کے جوار میں ہے۔ اور دوسرے محمد ہاشم الکتبی کی شام میں بجوار جامع اموی ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ جو کتابیں ممالک مصر و ہند سے استنبول میں آتی ہیں اُنپر آٹھ فیصدی محصول چونگی لیا جاتا ہے۔ اور جو یہاں سے مصر یا ہند کو جاتی ہیں ان پر بھی ایک فیصدی محصول لیا جاتا ہے۔

غلاطہ و پیرا کی طرف جو یورپین حصہ شہر کا ہے اس میں ہر قسم کی یورپین کتابیں بکتی ہیں۔ چنانچہ ایک دوکان کا پتہ یہ ہے LORENTZ + KEIL
45. GRAND, RUE PERA CONSTANTINOPLE.
اسی طرح فوٹوگراف کے ایک کارخانہ ABDULLAH FRERES 452
GRAND RUE PERA CONSTATINOPLE. سے ملتے ہیں

قلمی کتب خانے دنیا کے اسلامی شہروں میں شائد قسطنطنیہ ہی ایک ایسا شہر ہے کہ جسمیں سنتالیس کتب خانے قلمی کتابوں کے اسوقت موجود ہیں۔ ان میں سے بعض ہر چند کہ بلحاظ تعداد کتب کے بہت ہی چھوٹے ہیں۔ جیسے کہ کتب خانہ امیر خواجہ کمانکش (۳۱ کتب) کتب خانہ حکیم اوغلی جامع شریفی (۱۹۱ کتب) الحاج مصطفےٰ آفندی (۱۷۶ کتب) بشیر آغا (۲۰۰ کتب) لیکن بعض میں بڑے بڑے ذخیرے بھی ہیں۔ مثل کتب خانہ جامع ایا صوفیہ (۵۳۰۰ کتب) لالہ لی (۳۸۶۴) عاطف آفندی (۲۸۵۷) کتب خانہ عمومی بجوار جامع بایزید (۴۰۵۴) ولی الدین آفندی (۴۴۸۳) عاشر آفندی (۴۲۶۴) کوپریلی زادہ محمد پاشا (۳۱۱۸) اسعد آفندی نقیب الاشراف (۳۹۴۳) کتب خانہ حمیدیہ (۲۲۵۲) نور عثمانیہ (۵۰۵۳ کتب) کتب خانہ فاتح (۶۲۳۰ کتب) وغیرہ۔ ظاہر آٹھ ہزار پانچہزار یا تین یا دو ہزار کتابیں جو ان میں بڑے سے بڑے کتب خانوں میں ہیں وہ بمقابل

یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں کے بہت حقیر معلوم ہوتے ہیں کہ جنمیں لاکھوں جلدوں کی تعداد موجود ہے۔ لیکن یورپ کے کتب خانوں میں بھی ایسی قلمی خوشخط قدیم نایاب کتابیں اسقدر نہ ہوں گی کہ جتنی قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں باوجود زمانہ حال کی بے توجہی اور بے سروسامانی کے موجود ہیں۔ گو کہ ان کل کتب خانوں کی مجموعی تعداد اکھتر ہزار سے متجاوز ہے۔ لیکن ان کتابوں کی قدامت کمیابی خوشخطی اور صحت کے مقابلہ میں ان کی یہ تعداد بہت بڑی ہے۔ ان میں بہت سی بے نظیر فقید المثال نسخے قدیم عربی کتب تاریخ فلسفہ ادب، ریاضی طب حکمت تصوف تفسیر وحدیث اور فقہ و علوم و فنون کے ایسے ہیں کہ جنکے دوسرے نسخے کہیں موجود نہیں۔ اس سے قدیم ترکوں کی علم دوستی اور کتابوں کی محبت کا پتہ ملتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل ایسے بے بہا جواہر کیطرف لوگوں کو کچھ توجہ نہیں۔ تھوڑے بہت لوگ جو ان کتب خانوں میں مطالعہ کے لئے آتے ہیں وہ معمولی مبتذل درسی کتابیں پڑھکر چلے جاتے ہیں۔ گو ان کتب خانوں کے واقفوں نے انکے اخراجات کا انتظام کر دیا ہوا ہے۔ مگر بعض کے ساتھ ایسے مختصر وقف ہیں جیسے کہ تعداد انکی کتابوں کی ہے۔ انکے لئے الماریوں تک میسّر نہیں ہو سکتیں۔ چبوتروں پر کتابیں پڑی ہیں۔ بہتر ہے کہ سلطان المعظم کہ جنہوں نے خود کتب خانہ حمیدی کے وقف سے کتب خانوں سے ہمدردی اور محبّت کا ثبوت دیا ہے۔ مصر کے خدیوی کتب خانہ کی طرح ان سب کتب خانوں کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ اس سے وقف کی غرض میں کوئی نقص نہیں آسکتا بلکہ ایک شخص جو ایک کتب خانہ کی کتابیں پڑھنے کو جائیگا وہ سب کی کتابوں کے دیکھنے کے قابل ہو سکیگا اور سب کی فہرست یکجائی بھی مصر کے کتب خانہ خدیوی کی طرح بہت عمدہ ریفرینس کی کتاب بنجائے گی۔

ان کتب خانوں کی تاریخ تاسیس

گو ان میں سے بعض کتب خانوں کی تاریخ تاسیس معلوم نہیں ہو سکتی تاہم جنکی تاریخیں معلوم ہیں انمیں سے کوئی سنہ ۶۰۹ھ سے پہلے قائم نہیں ہوا۔ جیسے کتب خانہ اسمی خان سلطان

۹۰۹ھ میں امیر خواجہ کمانکش ۹۹۱ھ میں۔ حمیدیہ ۱۰۹۴ھ میں۔ ینی جامع ۱۱۳۶ھ میں۔ نور عثمانیہ ۱۱۶۹ھ میں۔ مہرشاہ سلطان ۱۱۹۸ھ میں۔ جورلیلی علی پاشا ۱۱۲۰ھ میں۔ سلطان فاتح ۱۱۵۵ھ۔ بلکہ زیادہ تعداد اُن کتب خانوں کی ہے جو تیرھویں صدی کے وسط میں قائم ہوئے ہیں۔ اس سے تعجب ہوتا ہے کہ یہ زمانہ تو ترکوں میں شان وشوکت یا علمی ترقی کا عہد نہیں تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ جنکے یہاں یہ بیش قیمت مجموعے ہوں گے انہوں نے انکی سلامتی اسی میں سمجھی ہوگی کہ بجائے ذاتی حفاظت کے انہیں قومی حفاظت میں سونپ دیا جائے۔ کاش ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی یہ خیال سرایت کرجائے اور وہ اپنی قلمی کتابوں کو ملک کے دو چار بڑے بڑے مرکزوں میں جمع کرکے قوم کے سپرد کردیں تو ایک لاکھ قلمی کتابوں کا جمع ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں کہ جو دوسری صورت میں یا کیڑے کھاجائینگے اور یا ناخلف اُنہیں ردی میں بیچڈالیں گے۔ یہاں بعض کتب خانوں کے دروازوں پر فیھا کتب قیمۃ۔ لکھا ہوا نظر پڑتا ہے۔

ترک مشاہیر سے ملاقاتیں اور اُن کی رائیں

سید عبدالغفار صاحب سید عبدالغفار صاحب کہ جنکا ذکر پہلے بھی آچکا ہے درصل ہندوستانی نہیں بلکہ حضرات خطۂ کشمیر سے ایک بینظیر بشر ہیں جب اخبارات میں اُنہوں نے میرے یہاں پہنچنے کی خبر دیکھی تو ہوٹل میں آکر مجھ سے ملے اور چند روز بعد تقاضا کرنے لگے کہ بجائے ہوٹل میں رہنے کے میں اُن کے مکان پر چلکر رہوں۔ باوجود کئی روز تک انکار کرنیکے انکا اصرار غالب آیا۔ چنانچہ میں ہوٹل سے اُٹھکر انکے مکان میں دو ہفتہ تک مہمان رہا۔ اور مجھے اس بات پر ناز ہے کہ میرے ہموطن کیسے بااخلاق اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ سید عبدالغفار صاحب جنہیں اُنکے دوست غفار آفندی کہتے ہیں اور جو کہ یہاں دوستوں کا ایک بڑا وسیع حلقہ اور اکثر معزز اور بارسوخ لوگوں تک رسائی اور دوستی رکھتے ہیں پچیس سال سے اُنہوں نے

یہاں کا توطن اختیار کیا ہوا ہے۔ اور یہیں شادی بھی کی ہے۔ اُنہوں نے اپنا کام چھوڑ کر مجھے قابل دید مقامات۔ کارخانے اور دفاتر سرکاری دکھلائے ہیں۔ اور کئی ملاقات کے قابل آدمیوں سے ملایا ہے جن میں شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب مشیر سلطانی۔ احمد مدحت آفندی نامور ترک مصنف وغیرہ حضرات تھے۔

شیخ سید ابوالہدے صاحب

شیخ سید ابوالہدے صاحب حضرت سلطان المعظم کے بہت بڑے معتمد علیہ اور یہاں کے اول درجے کے حضرات میں سے ہیں۔ بلکہ بقول دیگر بعد ذات سلطانی کے بلحاظ رسوخ اور منزلت کے یہ دوسرے شخص ہیں۔ میرے رفیق جب ان سے ملاقات کا وقت مقرر کر چکے تو میں یکشنبہ کے روز ان سے ملنے گیا۔ قصر یلدز کے متصل بلکہ اسی کے حدود کے اندر شیخ ظافر شاذلی کے تکیہ کے پاس سے گذر کر ہم ان کے محلات پر پہنچے جو عین کنارۂ دریا پر واقع ہیں۔ چنانچہ ان کے مکان کی ایک سقف سے کہ جہاں اُنہوں نے مجھ سے ملاقات کی باسفورس کے بنگلوں پانی اور اُس میں سٹیمروں کے چلنے کا دلفریب نظارہ کبھی بھولنے کے قابل نہیں کہ جو قصر یلدز کی حفاظت کے لیئے یہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان کے مکان کے اندر مہمانوں اور مسافروں کے قیام اور آرام کے لیئے کئی مکانات ہیں۔ حلقہ درویشان کے لیئے تکیہ اور مسجد اور صحن میں ایک خوشنما باغ ہے۔ شیخ ابوالہدے صاحب کا وطن شام ہے۔ بیس سال کے قریب عمر میں علوم دینی کی تعلیم سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ میں پہنچے اور اسی زمانے میں اُنہوں نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جو سلطان عبدالعزیز مرحوم نے نہایت پسند کی اور انہیں حلب کا قاضی مقرر کر کے بھیجدیا۔ یہ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میں نے ہر علم (جس سے انکی مراد علوم اسلامیہ سے ہے)، کی شاخ میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اور میری تصنیفات پونے دوسو کے قریب عربی زبان میں ہیں۔ جن میں سے اکثر طبع اور نشر ہو چکی ہیں۔ لیکن سلطان عبدالحمید خان ثانی نے تخت پر متمکن ہونے کے بعد انہیں اپنے پاس بلا کر مشیران خاص میں شامل کر لیا اور رتبے سے یہ نہایت

معتمد علیہ ہیں شیخصاحب بڑے قوی ہیکل - دراز قامت اور وجیہ آدمی ہیں - بال زیادہ سفید ہیں - اطلاع دینے کے بعد آدھ گھنٹہ انتظار کرنے پر ایک خادم خبر لایا کہ شیخصاحب حرم سرا سے صرف ہماری ملاقات کے لئے برآمد ہوئے ہیں - اور ہمیں اُن کے پاس لے گئے - شیخصاحب کھڑے ہوئے تھے - میرے رفیق نے مصافحہ کر کے اُنکے ہاتھ چومے - پھر مینے مصافحہ کیا شیخصاحب نے ہمیں ایک ایک سبز پتہ ایک پودے کا جو پاس ہی گملے میں سے توڑ کر رکھا ہوا تھا دیا - جب میرے رفیق نے رسمی طور پر میری انکی خدمت میں شناسائی کرادی تو شیخصاحب نے عربی زبان میں مجھ سے خطاب کرنا شروع کیا -

دو اعلیٰ درجہ کے شیوخ اور مقربین سلطانی میں تنقیض

ہر چند شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب بڑے فاضل معتمد علیہ مشیر سلطانی اور بڑے شیخ طریقت ہیں لیکن بدنصیبی سے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اسلام کی بدنصیبی سے انکے اور ایک دوسرے پیر طریقت کے مابین کہ جنکا نام شیخ ظافر ہے اور وہ بھی حضرت سلطان کے مرشد ہیں کچھ تنقیض ہے جسکی وجہ سوائے اسکے کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ مقدم الذکر شیخصاحب کو ذات شاہانہ کے حضور میں بہت کچھ رسوخ حاصل ہے

یہاں بطور جملہ معترضہ شیخ ظافر صاحب کی مختصر کیفیت بھی درج کرنیکے لائق ہے - مشہور ہے کہ جبکہ ابھی سلطان المعظم عالم شہزادگی میں تھے اور سلطان عبدالعزیز سلطان وقت تھے تو شیخ ظافر نے جو مکہ مکرمہ میں اپنے مرشد کے پاس رہتے تھے - قسطنطنیہ میں آکر شہزادہ عبدالحمید خان کے پاس پہنچکر انہیں کہا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں یہ بشارت دی ہے کہ آپ کی سلطنت میں بڑے انقلابات ہونے والے ہیں - اور آخر آپ سلطان بنجائیں گے - اُنہوں نے کہا کہ میں اسوقت اپنے وظیفہ میں سے ایک ہزار قرش ماہوار تمہارا وظیفہ مقرر کرتا ہوں اگر تمہاری بات درست نکلی تو دیکھا جائیگا - چنانچہ جب اس خواب کا ایک حصہ درست نکلا تو سلطان نے شیخ ظافر سے بیعت کرلی اور اب یلدز سرا کے

قریب اُنہیں ایک تکیہ دیا ہوا ہے اور وہ بیس ہزار قرش وظیفہ پاتے ہیں۔ اور شاذلی گروہ
کے شیخ ہیں۔ سال گذشتہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ انہیں شیخ ظافر صاحب کی تحریک سے
ایک شخص نے ایک رسالہ بنام "المسامیر" بطور ایک ڈراما کے لکھکر مصر کے اخبار المؤید کے
مطبع میں چھپوایا تھا۔ جسمیں شیخ ابوالہدیٰ صاحب کی بہت توہین کی گئی تھی۔
اور سفیہانہ ذاتی حملے ایسے عالیجاہ اور فاضل شخص پر کئے گئے تھے۔ چنانچہ اخبارات
عربی اور اردو میں بھی اسکا چرچا ہوا تھا۔ شیخ صاحب نے مجھے اخبار نویس سمجھکر پہلے
اسی واقعہ کے متعلق گفتگو شروع کی۔ پہلے فرمایا کہ دنیا میں جہالت اور فتنہ زندقہ
اور الحاد اور کفر کی تاریکی کا زور ہے۔ اور دینداری اور نیکی اور شکر و احسان کی کساد بازاری
ہے۔ شیخ صاحب عربی کیسی فصاحت اور روانی سے بولتے تھے۔ اور بات بات پر قرآن
وحدیث سے استناد کرتے جاتے تھے۔ اور گفتگو کے درمیانی وقفوں میں ہر وقت
درود اور تسبیح وتہلیل پڑہتے جاتے تھے۔ آپنے اس رسالہ کی تصنیف کے متعلق کہا
کہ شیخ ظافر کا دادا یہودی تھا۔ تاریخ مکہ میں جو حال میں طبع ہوئی ہے اسکا ذکر درج
ہے۔ پھر کہا کہ وہ جاہل اور بے تمیز ہے جو مجھسے حسد کرتا ہے۔ سلطان المعظم نے جو تکیہ اُسے
ذکر حق کے لئے بنا دیا ہے اُسمیں اس نے میرے خلاف ایک شخص کو چند روپے دیکر
ایک رسالہ لکھوا دیا۔ اور یہ ایک معجزہ ہے کہ کاتب تو درد پہلو سے جلدی ہی مر گیا۔
اس رسالہ کی پانچہزار جلدیں تقسیم کرنے کے لئے ایک شخص اونٹ پر بار کر کے طرابلس
میں لیجا رہا تھا۔ اُسے ایک شخص نے راستہ میں مار ڈالا اور تمام جلدوں کو آگ لگا دی
ایک اور شخص جمال الدین افغانی جو دہریہ اور بے دین تھا اور اس مشورہ میں شریک تھا
اسکی زبان پر سرطان ہوا۔ اسکا جبڑا چیر اگیا اور اسکا کلا بھی نکال ڈالا گیا۔ اور وہ
اس عذاب سے مرا۔ ایک اور شخص محمد فاضل پاشا ساکن مالا بار (ہندوستان)
کہ جسپر مینے بہت احسان کئے اور اسکی سفارش کی اور اُسے عزت دلوائی۔
مگر وہ بھی میرے خلاف مشوروں میں شریک ہوتا ہے۔ سب لوگ اسکی مخالفت پر
ہنستے ہیں اور اسکا اثر صرف بازاری لوگوں پر ہوتا ہے۔ میرا تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔

مجھے یہ قصہ سنکر صدمہ ہوا، مسلمان کہیں بھی مسلمان نہیں رہے۔ ع

"بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است"

شیخصاحب کی تصانیف

پھر شیخصاحب نے اپنی نسبت فرمایا کہ تنتیس سال کی بات ہے کہ جبکہ میں نوجوان تھا۔ اور ابھی ریش و بروت کا آغاز تھا۔ تو میں نے ایک کتاب عربی میں تصنیف کی۔ اور جب وہ سلطان عبد الحمید مرحوم کی خدمت میں پیش ہوئی تو انہوں نے میری عمر کے لحاظ سے میری کتاب کو نہایت پسند کیا۔ اور مجھے علما میں ایک بڑا ممتاز عہدہ دیا۔ اب پچیس سال سے حضرت سلطان ایداللہ سلطانہ نے مجھے اپنی خدمت میں بلوایا ہوا ہے۔ مینے ہر علم و فن میں ایک سو ستر کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جنمیں سے آٹھ دس عربی کتابیں رخصت ہونے کے وقت مجھے بھی عطا کیں جو زیادہ تر تصوف اور طریقہ شاذلیہ کے متعلق ہیں کہ جسکے شیخصاحب فی زمانہ شیخ الکل ہیں۔ ان میں ایک دیوان نعت اور ایک شرح حزب البحر بھی تھی۔ ہندوستان کے ذکر پر پھر کہا کہ ہندوستان کے ایک اخبار نے مجھے برا کہا حالانکہ میں استانبول میں ہوں اور وہ ہند میں ہے۔ نہ اس نے مجھے دیکھا ہے اور نہ اسکے پاس کوئی شہادت ہے جیسی کہ شریعت یا قانون طلب کرتا ہے اور وہ بہتان باندھنے سے نہیں ڈرا۔

مسلمانوں کی حالت پر تمثیل

فرمایا کہ مسلمانوں کی حالت اسوقت بہت زار ہے کیونکہ وہ مسلمان نہیں رہے۔ ایک قصہ سنایا کہ ایک دولتمند شخص عنیں تھا۔ اسکے یہاں ایک لونڈی تھی۔ لونڈی نے اس شخص کو کہا کہ تمکو خدا نے دولت اور حشمت دی ہے اور اولاد نہیں دی۔ تم مجھے صحبت کرو کہ تمہیں اولاد ملجائے۔ اس نے کل کا وعدہ کیا۔ اور پھر کل کو کل کا وعدہ کیا۔ اسی طرح بار بار کرتا رہا۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ دنیا میں یہ بڑی کثرت سے ہیں کہ دیکھنے والے انکی تعداد سے گھبراتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ عنین کی

مانند ہیں کہ ان میں کوئی صلاحیت نہیں۔ اور اور کئی امور پر ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں انکے صاحبزادہ حسن بے بھی آ گئے جنہوں نے تین مرتبہ اپنے باپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور پھر اسی ہاتھ کو سر اور آنکھوں پر لگایا اور بیٹھ گئے یہ صاحب سلطنت میں ایک اعلیٰ عہدہ پر مامور ہیں جو صرف درجہ وزارت سے نیچے ہے۔ فرنچ جانتے ہیں اور بڑے بااخلاق و مروت ہیں۔ رخصت کے وقت شیخ ابوالہدیٰ صاحب نے فرمایا کہ بیوک آدہ (جزیرہ) بہت پرفضا جگہ ہے وہاں ایک دو شب میرے مخدوم[1] (بیٹے کو کہتے ہیں) کے گھر میں جا کر ٹھیرو۔ ہم نے منظور کیا۔ اور ایک روز مقرر کر کے رخصت ہوئے۔

شیخ ابوالہدیٰ صاحب سے ایک دوسری ملاقات ایک روز ہم پھر آپ کی خدمت میں ملاقات کے لئے گئے تو ہمارے ساتھ دو مصر کے اخبار نویس بھی چلے گئے۔ جو یورپین لباس اور ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے انہیں شیخ صاحب پون گھنٹہ تک زمانہ موجودہ کے انصاف کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے انصاف اور عدالت کے قصّے بتلاتے رہے۔ جب یہ شخص جانے لگے تو انہوں نے تین تین مرتبہ انکے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور آنیکے وقت بھی تین تین مرتبہ انکے دامن عبا کو چوما تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ مسلمان تھے یا عیسائی۔ تو شیخ صاحب نے جواب دیا کہ میرے سامنے تو انہوں نے کلمہ پڑھا اور مجھے بتایا کہ مسلمان ہیں۔ اور میں نے انکی بات پر اعتبار کیا اور اسکی تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ ورنہ یہ مسلمان نہیں معلوم ہوتے۔ اتنے میں ایک نوکر انکی پوتی کو اٹھا کر لایا تو کہنے لگے کہ اسکے ماں اور باپ دونوں خالص یعنے نجیب الطرفین سیّد ہیں۔ میرے رفیق نے چاہا کہ والی بیروت کے نام مجھے ایک معرفت کا خط لکھدیں۔ تو کہا کہ اگر ایسا کروں تو وہ کچھ اور مانگنے کو میرے سر پر سوار ہو جائیگا۔ البتہ کسی اور شخص کے نام چٹھی کل لکھ رکھونگا۔ چنانچہ ایک خط بیروت اور ایک دمشق کے لئے لکھکر مجھے بھیجدیئے۔

---

[1] ترک مخدوم بیٹے کو اور کریمہ بیٹی کو کہتے ہیں۔

چونکہ شیخ صاحب موصوف سلطنت عثمانیہ کے ایک نہایت ممتاز شخص ہیں اور بعض اوقات یورپین اخبارات میں بھی انکا ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت سلطان المعظم ان کے مشوروں پر کاربند ہوتے ہیں اسلئے مینے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے اُسے ملخصاً درج کر دینا مناسب سمجھا۔

عجیب داستان شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب کو حضور سلطانی میں کس طرح اسقدر رسوخ حاصل ہوا۔ انکی نسبت جو داستان قسطنطنیہ میں مشہور ہے وہ اُن کے ایک مرید نے مجھے اس طرح بتلائی۔ کہ شروع میں جبکہ سلطان حال تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو شیخ ابوالہدیٰ کو حلب کا شیخ الاسلام بناکر بھیجدیا۔ لیکن ایک روز خواب میں دیکھا کہ سلطان ایک کشتی میں سوار ہیں۔ اور کشتی طوفان میں پھنس گئی ہے۔ اور قریب ہے کہ غرق ہوجاے کہ غیب سے ایک ہاتھ نے آکر کشتی کو تھام کر کنارہ پر لگا دیا ہے اور دیکھا تو وہ شیخ ابوالہدیٰ کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ سلطان المعظم نے اُسی وقت سے اُنہیں بلاکر اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

بیوک آدہ کی سیر بیوک آدہ (یعنے جزیرۂ کلان) ایک جزیرہ بحیرہ مارمورا میں قسطنطنیہ سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسکا یورپین نام "پرن کیپو" ہے اور پرنسیز آئلینڈس (جزائر شہزادگان) میں سے یہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ ترکی زبان میں بڑے جزیرہ کو بیوک آدہ کہتے ہیں۔ پرنسیز آئلینڈس نو جزائر کا مجموعہ ہے کہ جنمیں سے بعض بالکل غیر آباد ہیں۔ اور بعض جو آباد ہیں اُن میں سے جزیرہ ہلکی پر دوسری آبادی کے علاوہ سلطانی بحری کالج واقع ہے۔ بیوک آدہ نہایت پر فضا نزہتگاہ ہے۔ قدیم زمانہ میں معزول بادشاہوں یا تکلیف دہ شاہزادوں کو ان جزائر میں جلاوطن کردیتے تھے۔ اسلئے انکا یہ نام ہوگیا۔ آجکل تمام یوروپین سیاح اور قسطنطنیہ کے آسودہ حال لوگ سیر و تفریح کے لئے یہاں آتے ہیں اور یہاں کے دلکش منظر اور صحت بخش آب وہوا سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ترک خوبصورت منظروں اور تفرجگاہوں کے بڑے شائق ہیں اور قسطنطنیہ کے گرد و پیش بہت سے دلکش سبزہ زار مثل کاغذخانہ (ترکی

تلفظ کیا غنت ہا نہ) وغیرہ کے اسی کام کے لئے مخصوص ہیں۔ سید ابوالہدے صاحب کی دعوت کے مطابق ہم ایک سہ پہر کو پل غلاطہ سے سٹیمر پر سوار ہو کر ہیو کی آدہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں باسفورس کا نظارہ نہایت دلفریب تھا۔ باسفورس کے کناروں کی آبادیاں دور تک نظر آتی رہتی ہیں۔ راستہ میں ہکبہ لی (ہلکی) کے عسکری کالج کی عمارات کنار بحر پر دیکھیں جنکے ساتھ ایک مسجد بھی تھی۔ اور بہت سے طالب علم ورزش اور قواعد میں مصروف تھے۔ مگر افسوس کہ یہاں اُتر کر اس کالج کو دیکھ نہ سکے۔ میزبان صاحب کے عالیشان مکان پر پہنچے جو بالکل یورپین طرز کا بنا ہوا تھا۔ شام کو کھانا میز پر آیا تو وہ بھی یورپین طریق پر تھا جو چھری کانٹے سے کھایا گیا۔ اور اسکے متعدد کورس آئے۔ چھت پر بعض تصاویر تھیں اور دیواروں پر صاحب خانہ اور انکے بعض اعزا کی تصاویر تھیں۔ عموماً بجائے تصاویر کے یہاں مکانات خوشخط قطعات سے سجائے جاتے ہیں

زمین پر سونا مگر سونے کے وقت زمین پر بجائے چار پائیوں کے ہر شخص کیلئے وہی موٹے موٹے گدیلے بچھائے گئے اور بستروں کے ساتھ مہمانوں کو ایک ایک انتری اور ایک ایک جوڑہ سلیپر بھی دیا گیا۔ مگر رات کو کھٹملوں نے بہت ستایا۔ جو ایسی نفیس جگہوں پر بھی پرورش کرتے ہیں۔ صبح گاڑی لیکر ہمنے جزیرہ کی گرد چکر لگایا۔ نہایت دلکش جگہ ہے اور جی یہاں سے نکلنے کو نہیں چاہتا۔ پہلے یہاں سب عیسائی (یونانی) رہتے تھے۔ اب صرف آٹھ دس سال سے ترکوں کی آنکھیں کھلی ہیں کہ یہاں کی زندگی پرلطف ہے اور وہ مکان خرید کر یہاں آباد ہوتے جاتے ہیں۔ دن بھر شہر میں رہتے ہیں اور شام کو یہاں چلے آتے ہیں۔ ایک رسٹوران میں قسطنطنیہ کی بہت سی یونانی عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ صبح کا وقت سمندر کا کنارہ ایک عیسائی عورت اور مرد ناچ رہے تھے۔ ایک شخص باجا بجا رہا تھا جس سے نہایت دلکش سین پیدا ہو گیا تھا۔

آدمی نیست کہ عاشق نبود فصل بہار ہر گیا ہے کہ بنو روز نروید حطب است

میرے دونوں دوست سید عبدالغفار اور حسن بے صاحب حاکم غلاطہ بھی تلخ قہوہ سے شادکام ہوئے۔ مگر ہیں محروم رہا۔ قسطنطنیہ سے آتے ہوئے سٹیمر کا کرایہ پانچ غروش دیا تھا۔ مگر جاتے ہوئے دس پارہ کم لگے جسکی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ حکومت کیطرف سے شہر سے تفریح کے لئے باہر جانے والوں سے دو پیسے اسلئے زیادہ لئے جاتے ہیں کہ ان سے ایک خستہ خانہ (ہسپتال) کے فنڈ ہیں مدد ملتی ہے۔ اسطرح رحمدل ترک اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں۔

سب سے بڑا زندہ ترک مصنف

اُن چند ترک اہل الرأی سے جنسے ہیں یہاں ملا ہوں ہز ایکسلنسی احمد مدحت صاحب نہایت سربرآوردہ بزرگ ہیں۔ یہ بہت بڑے مصنف فسانہ نگار اخبار نویس اور مذہبی مباحثہ کی کتابیں لکھنے والے ہیں۔ اس ملک ہیں سرکاری ملازمت کے لئے اخبار نویسی مانع نہیں ہے۔ اسوقت بھی احمد جودت صاحب چیف ایڈیٹر و مالک اخبار اقدام پولیس ہیں افسر ہیں اسیطرح احمد مدحت صاحب باوجود سرکاری ملازم ہونے کے اخبار نویس بھی تھے۔ چنانچہ یہاں کے سب سے پرانے اخبار ترجمان حقیقت کے یہ مالک و ایڈیٹر تھے جو اب ان کے چھوٹے بھائی محمد جودت صاحب کی ایڈیٹری ہیں نکلتا ہے۔ احمد مدحت صاحب کو تیس سال پہلے عیسائی مذہب کی تردید ہیں کتابیں لکھنے کی ضرورت معلوم ہوئی ان کے مذہبی خیالات بالکل ہندوستان کے سر سید احمد خاں مرحوم کے خیالات کیطرح آزاد ہیں خصوصاً معجزات اور فوق العادت باتوں کی تفسیر کے متعلق۔ اسلئے انہیں یہاں کا نیچری کہنا چاہیئے۔ اور انکا خیال ہے کہ مثنوی مولانا روم قرآن مجید کی بہت اچھی تفسیر ہے۔ لیکن جب مینے سر سید مرحوم کا ان سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس بزرگ کا آجتک نام بھی نہیں سنا۔ اور انکی تصنیفات دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔ مگر بوجہ اردو زبان سے ناواقف ہونے کے افسوس کیا۔ یہ فارسی عربی اور فرانسیسی بہت عمدہ جانتے ہیں۔ چنانچہ اپنی آخری تصنیف کا مسودہ مجھے دکھلایا جو ترکی زبان ہیں زیر طبع ہے۔ لیکن یہ اسکو فرانسیسی ہیں بھی ترجمہ کر رہے ہیں

ان کے بہاری چہرہ پر انکا لمبا بلکہ چوڑا داڑھا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ان سے ملاقات کے وقت میرے ایک رفیق نے مجھ سے کہا کہ جسقدر فرانسیسی لوگوں میں وکٹر ہوگو مشہور مصنف گذرا ہے اتنا ہی ترکوں میں احمد مدحت مشہور مصنف ہے اور یورپ میں بھی بہت شہرت رکھتا ہے۔ بہرحال تین چار ملاقاتوں کے دوران میں مجھے ان صاحب سے بہت سی ایسی باتیں دیارِ عثمانی کے متعلق معلوم ہوئیں جنہیں ہر شخص بتلانے کی قابلیت نہیں رکھتا۔

ٹرکی میں اردو تعلیم

میں نے ایک روز انہیں کہا کہ جبکہ روس نے اپنی فوج سمرقند میں اردو سیکھنے کا ایک مدرسہ قائم کیا ہوا ہے اور جرمنی اور دیگر ممالک یورپ میں سنسکرت و عربی کے مدارس قائم ہیں تو بوجہ مسلمانان ہند کے ہم مذہب ہونے کے ترکوں کو بھی اردو کا نصاب اپنے بعض مدارس میں داخل کرنا چاہیئے جو ترکی کیطرح عربی فارسی سے مرکب ہونے کی وجہ سے بہت سہل ہے انہوں نے کہا تمہاری تجویز تو بہت عمدہ ہے لیکن ابھی ہمیں کئی اس سے زیادہ ضروری کام درپیش ہیں۔ اور حقیقت میں انکا خیال بالکل صحیح تھا۔

عثمانی تاریخ کے تین دور

ایک روز انہوں نے تفصیل کے ساتھ ترکوں کی تاریخ کے دورابتدائی زمانہ وسطی اور عہد جدید کا ذکر کر کے بتلایا کہ ہمارا دور ابتدائی بخلاف دیگر اقوام کی تاریخ کے نہایت روشن تھا۔ زمانہ وسطی نہایت تاریک اور عہد جدید میں پھر کسیقدر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ جب چھ سو سال پہلے ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تو انکی شائستگی کی حالت ایسی اچھی تھی کہ انمیں جلاد تک موجود نہ تھا کیونکہ اسکی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ اور نہ ان میں خوجہ سرا (مخنث) کا دستور تھا مگر یہ مخنث کی رسم یونانیوں میں جاری تھی۔ جو اول تو اپنی

ترکوں میں جلاد اور خواجہ سرا تک نہ تھے

عورتوں کی حفاظت کے لئے اور دوم لونڈوں کو بے ریش و بروت رکھنے کے واسطے انہیں اختہ کر دیتے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں میں اغلام کی بری عادت جاری تھی۔

واضح رہے کہ مردوں کو مخنث بنا دینے سے انہیں ریش و بروت پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ خواجہ سراؤں کی حالت ہوتی ہے۔ غرض ترکی سوسائٹی کی حالت اس زمانہ میں بہت اچھی تھی۔ دو سو سال بعد زوال آنے لگا یہاں تک کہ تاریکی کی شب یلدا چھا گئی۔ آخر جب ترکوں نے روس سے کریمیا میں جنگ کی اور یورپین سلطنتوں نے اسمیں دخل دیا۔ اور یورپین فوجیں قسطنطنیہ میں آئیں تو ترکوں نے پہلے پہل (کہ جسے چالیس پینتالیس سال گذرے ہوں گے) انکی فوجیں جہاز اور سامان جنگ دیکھے تو دنگ رہ گئے۔ سلطان محمود ثانی نے ینی چری فوج کو غارت کیا۔ اسکے بعد منتظم افواج کی اصلاح شروع ہوئی۔ لیکن ترکوں کی اصل بیداری کو تیس سال سے زیادہ نہیں گذرے۔ اور گذشتہ پچیس سال میں موجودہ سلطان کے عہد میں جو ترقی ہوئی ہے۔ یہی دراصل نئی ترکی کی زندگی کی عمر ہے بتلایا کہ سلطان المعظم نے کسقدر خیرات کی اور رفاہ عام کے کاموں پر اس پچیس سال میں کتنا خرچ کیا ہے۔ کتنے قومی مدارس اور ملی انسٹی ٹیوشن قائم کئے ہیں اور کہ کسطرح گذشتہ دس سال میں دار العشیرت میں خانہ بدوش عربوں کے بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور کسطرح ان عربوں کی فوج بنائی گئی ہے۔ دولت کے دخل و خرچ کے صحیح شائع نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔ دار الشفقہ (مدرسہ یتیمان) اور کئی دوسرے مدرسوں اور ہسپتالوں پر کسقدر خرچ ہوتا ہے۔

ملی مدارس

اسوقت شہر میں بارہ ملی مدارس ہیں تیرھواں حکومت نے لے لیا ہے ان بارہ مدارس کے اکثر مدرس مفت پڑھاتے ہیں۔ اور پرائیوٹ چندہ اور فیس سے یہ مدارس چلتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں مدرسہ میں جانے کی عمر کے لڑکوں میں سے اسی فیصدی تعلیم پاتے ہیں اور "خانم لرہ مخصوص غزتہ" (اخبار نسواں) کی ایک کاپی جو انکی میز پر پڑی تھی مجھے اٹھا کر دی اور کہا کہ عورتوں کی تعلیم میں بھی بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ بتلایا کہ کون کون لائق اور تعلیم یافتہ عورتیں اسوقت شہر میں موجود ہیں۔ کہا جسقدر ہم نے کیا ہے ابھی اسکے مقابلہ میں بہت کچھ کرنا باقی ہے

مگر ایک بیداری پیدا ہوگئی ہے اور عوام الناس بھی بےفکر نہیں۔ گو ہمارے وزیر و امیر صرف خواب وخور اور مجامعت کی فکر رکھتے ہیں۔

علمائے ہند کی شہرت

احمد مدحت صاحب نے اپنے آزاد مذہبی خیالات کی نسبت فرمایا کہ شفاعت کی نسبت مجھے قرآن مجید سے اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ نصارٰے پادریوں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اسوقت بہت سے ترکوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ ہم علمائے ہند کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ اس تاریکی کے وقت میں ہمیں اُنکی طرف سے مدد ملی۔ اور خدا کے ایک نیک بندے مولوی رحمت اللہ صاحب ہندی مہاجر مکّی مرحوم نے مذہب نصارٰی کی جو تردید لکھی تھی اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ چنانچہ میں نے ان کی کتاب کا ترکی میں ترجمہ کیا اور اسکے بعد ردّ نصارٰی میں خود متعدد کتابیں لکھیں۔ اور ان سے ہم لوگوں پر نصارٰے کے مذہب ایسے پوچ ہیں کہ مذہب کہلانے کے لائق نہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر ایک دمشقی عالم نے مجھے کہا تھا کہ عرب شام اور ترکی میں تو سب علماء سرکاری عہدوں کے لئے علم دین سیکھتے ہیں۔ آفرین ہے علماء ہند کے جو محض دین کی خاطر دین کا علم حاصل کرتے ہیں۔

ایک ترک کی ایجاد

ترکوں کی ذہانت کے متعلق ذکر کیا کہ ہمارے عجائب گاہ میں نومسٹمیکس (سکوں کے) مجموعہ کو دیکھو۔ وہ لنڈن کے برٹش میوزیم کے مجموعہ سے زیادہ مکمل ہے۔ اس میں مدیر میوزیم کے چھوٹے بھائی غالب بے نے جواب مرگیا ہے۔ ایک نئی کلاسی فی کیشن داخل کی ہے آجتک صرف تاریخی لحاظ سے نومسمٹیکس کے کلاسیفیکیشن (جماعت بندی) کیجاتی تھی اس نے جغرافیہ کے لحاظ کو بھی اس میں دخل دیا ہے۔ اور یہی جماعت بندی تمام یورپ نے اب تسلیم کی ہے۔ یہ بھی کہا کہ نومسمیٹکس صرف اس حصہ دنیا کے قدیم سکوں کا نام ہے جو ترکی وسط ایشیا ہندوستان ایران افغانستان وغیرہ ممالک پر مشتمل ہے۔

بیکفوز تک سیر اور دلکش نظارے

قسطنطنیہ سے رخصت ہونے سے پہلے میں

ہیں احمد مدحت افندی سے اُنکے مکان پر ملنے کا وعدہ کر چکا تھا جو شہر سے دس بارہ میل دور آبنائے باسفورس کے ایشیائی کنارہ پر ایک نہایت پُر فضا اور دلکش موضع بیکفوز میں واقع ہے۔ سٹیمر دن بھر باسفورس میں چلتے رہتے ہیں اور دونوں کناروں کے بیسیوں مواضعات میں لوگوں کو لاتے لیجاتے رہتے ہیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور ہزاروں تماشائی تفریح کے لئے ان مواضعات اور مختلف تفرجگاہوں کو جاتے آتے تھے۔ میرے رفیق نے سٹیمر پر "موقع" (اول درجہ) کا ٹکٹ لیا جسکے لئے دو کس کے واسطے نو غروش دیئے گئے۔ سٹیمر راستہ میں اسطرف کے ہر چھوٹے بڑے بندر پر ٹھیرتا جاتا تھا۔ آج جو خوبصورت سبزی اور دلکش منظر بغاز کا دیکھا وہ مدت تک فراموش نہیں ہوسکتا۔ دونوں طرف خوبصورت نیلگوں پانی کے ڈھلوان کناروں پر چوبی مکانات تعمیر ہوئے ہوئے تھے جنکے دریچوں سے خوبصورت پردے لٹکتے تھے اور دریچوں میں پھولوں کے گملے پڑے تھے۔ اکثر مکانات کی بنیادیں سطح آب سے اُٹھتی تھیں اور اس وجہ سے منظر وینس جیسا بنجاتا تھا۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں تک منزل بمنزل مکانات اور باغات کا پینورما نہایت دلاویز تھا اور یہ پہلو منظر کا وینس سے بہت فائق تھا۔ سابق خدیو اسمٰعیل کے محلات بھی اسیطرف ایک پہاڑی کی چوٹی پر ہیں۔ موضع بادشاہ باغچہ سی کے پاس ایک یہودی کا چینی اور شیشہ کا بہت بڑا کارخانہ واقع ہے جہاں انجن سے کام چلتا ہے۔ رومیلی (ایشیا) اور اناڈول (یورپ) کے ساحلوں پر سلطان فاتح کے بنائے ہوئے قلعجات رومیلی حصار بھی دیکھے جو فتح قسطنطنیہ سے پہلے بنائے گئے تھے۔ قلعوں کے برج اور فصیلیں اسطرح پہاڑیوں کے نشیب و فراز پر بنی ہوئی ہیں کہ جہاز پر سے دیکھنے سے ان سے لفظ محمد بنا ہوا نظر آتا ہے۔

زمین کی سرسبزی اور زراعت کا فائدہ

احمد مدحت صاحب کا مکان بڑا عالیشان ساحل بحر پر واقعہ ہے۔ پاس ایک دو چھوٹے سٹیمر کھڑے تھے جو ان کے چشموں سے اچھا پانی شہر میں فروخت کے لئے لیجاتے تھے آج بھی جسقدر باتیں ترکوں کی موجودہ حالت اور آئندہ امیدوں کے متعلق انسے ہوئیں

انکا خلاصہ نقل کرنیکے قابل ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ زمین کی پیداوار کے لحاظ سے
ترک جاپانیوں سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔ جاپانی ایک مربع میل میں ڈیڑھ سو یا
اسکے قریب آباد ہیں۔ مگر ترک اتنے رقبہ میں صرف سات کس رہتے ہیں۔ ٹرکی میں ایک
مربع میٹر زمین کی قیمت صرف آدھا غروش ہے یا ایک ڈنم (۱۲۰۰) مربع میٹر اراضی
پانچ پونڈ کو بھی نہیں بکتی۔ زمین کی اسقدر ارزانی ترکوں کو کاشتکاری کی ترغیب
دیتی ہے۔ کیونکہ ۲۷ کیلوگرام غلہ گندم (فی کیلوگرام = ۲½ پونڈ یا رطل) کی تیاری پر
صرف تین فرانک (۲۴؍) خرچ ہوتے ہیں۔ مگر زمیندار کو اسکی قیمت ۶ فرانک
(۱۲؍) ملتی ہے۔ زمین ایسی اچھی ہے کہ اس میں بالکل کھاد ڈالنے کی ضرورت نہیں
اور نہ رواج ہے (اور میںنے خود دیکھا ہے کہ کھاد کشتیوں میں بھر کر باسفورس
میں ڈبوئی جاتی ہے جس سے مجھے بڑا تعجب ہوا) عام جگہوں میں ایک دانہ سے
پچاس دانے اور عاقرہ زمینوں میں ایک دانہ سے سو سوا سو دانہ پیدا ہوتا ہے
زمین کی برکت اور سنا کے فقدان یعنے باشندوں کی سادہ عادات کی وجہ سے
ترک اسی میں آسودہ ہیں۔

آبادی ٹکس قومی قرضہ وغیرہ کل ملک کی آبادی بائیس ملین (دو کروڑ بیس لاکھ) ہے جسمیں نصف عورتیں ہوں گی۔ باقی گیارہ ملین سے
عرب کرد اور کئی دوسری قومیں جو دو ملین نفوس سے زیادہ ہوں گی ترکی ٹوپی نہیں پہنتیں
اور سب پہنتے ہیں۔ سرکار کی کل سالانہ آمدنی سولہ ملین لیرہ (ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ)
ہے۔ اور سلطان عبدالحمید خاں ثانی نے اسی آمدنی میں سے گذشتہ پچیس سال میں
بہت سا قومی قرضہ اتار دیا ہے۔ بحالیکہ ایک پیسہ قرضہ نہیں لیا۔ مگر سلطان عبدالعزیز
خاں مرحوم و مغفور نے اپنی سولہ سالہ حکومت میں ڈیڑھ سو ملین (پندرہ کروڑ پونڈ)
قرضہ لیا تھا۔ یعنے سوا سے لاکھ پونڈ قرضہ جنگ کریمیا کے باقی تمام ترکی فوجی قرضہ
سلطان عبدالعزیز کے وقت کا ہے۔ ہر ترک کو نصف پونڈ سے زیادہ ہر قسم کے سرکاری
ٹکس سالانہ نہیں دینے پڑتے۔ دو گھنٹہ تک ہر قسم کی گفتگو کے بعد مجھے احمد حمدی صاحب

انکا کتب خانہ اپنا کتب خانہ دکھلایا جسمیں عربی فارسی ترکی کی حدیث فقہ اور تصوف کی کتابوں کے علاوہ زیادہ تر فرانسیسی زبان کی کتابیں تھیں جنمیں سے مینے چند فرانسیسی زبان کی بڑی بڑی کتابوں کے نام نوٹ کر لئے۔ جو حسب ذیل تھیں

یونانی مصنفین کے کلام کا مجموعہ (لائبریری ہاشیے) پچاس جلدیں۔

لاطینی مصنفین کے کلام کا مجموعہ مرتبہ ایم بینارڈ۔ چوبیس جلدیں۔

یونیورس پٹیورسک۔ساٹھ جلدیں۔

تاریخ عمومی فیلسوفی (از کونٹ ڈے سیگور) بہت سی جلدیں۔

تاریخ کلیسیا (از ابے فلودے) چونسٹھ جلدیں۔

لاگران سائیکلوپیڈی (فرانسیسی) نیس جلدیں۔

سائیکلوپیڈیا ڈالاروز۔متعدد جلدیں۔

آخر میں اُنہوں نے مجھے فرانسیسی رسالہ لاروز سائیکلوپیڈک ریویو دکھلایا۔ جسمیں "ترک اور تھیٹر کی حالت" پر ایک مضمون میں احمد مدحت آفندی کو ترکی فسانہ نویسوں کا اُستاد بتلایا گیا تھا۔غرض کہ انکی شہرت نہ صرف ترکوں میں ہے بلکہ یورپ کے علمی حلقوں میں مسلمہ ہے۔ یورپ کی اورنٹیل کانفرنس میں یہ ٹرکی کیطرف سے کئی مرتبہ وکیل ہوکر گئے ہیں۔ اور سٹاک ہالم کی کانفرنس میں عربی فارسی صیغہ کے میر مجلس تھے۔

دستکاری کی سرد بازاری سلطنت عثمانیہ کی تجارت اور صنعت و حرفت کی حالت بہت ردی ہے۔ مینے یہاں کے کئی اہل الرائے حضرات سے گفتگو چھیڑی کہ آپکے بازار یورپ کی اشیائے سے پر ہیں۔ اور ٹرکی میں کوئی ایسی چیز باستثنائے احدے عام طور پر نہیں بنتی جو غیر ممالک کو بھیجی جائے یا اس ملک میں ہی عام طور پر صرف ہو وہ مستثنیٰ چیز سمرنا کے قالین ہیں جو دنیا بھر میں مشہور ہیں اور جنکی نقل آجتک اہل یورپ و امریکہ نہیں کر سکے۔ یہ دو لاکھ لیرہ (پونڈ) عثمانی کی تجارت ہے کسیقدر ریشم اور دباغت کی صنعت باقی ہے۔ لیکن روئی اور دوسری خام وار کی

اشیاء کی طرح بہت سا ریشم خام بھی یورپ کے کارخانوں میں جاتا ہے اور وہاں سے تیار ہو کر آتا ہے۔ یہانتک کہ دوہرے بوٹ جنکو قوندرہ کہتے ہیں اور جو خاص ٹرکی کی ایجاد ہے اور یہاں کی ضرورت کی چیز ہے۔ وہ بھی اکثر روس سے بنکر آتے ہیں جو یہاں کی ساخت سے سستے بکتے ہیں۔

احمد جودت صاحب

احمد جودت صاحب مالک وایڈیٹر اخبار اقدام نے مجھے بتلایا کہ یہاں کی صنعت وحرفت کا یورپ کے صنعت وحرفت کے کارخانوں نے ستیاناس کر دیا ہے۔ کوئی دوسو سال پہلے سلاطین عثمانیہ نے دول یورپ کو بطور رعایت اجازت دی تھی کہ وہ اپنی اشیائے تجارت یہاں لاکر فروخت کریں۔ اور اس مطلب کے عہدنامے لکھے گئے تھے۔ اُسوقت ٹرکی نے مال کی قیمت پر صرف آٹھ فیصدی شرح محصول درآمد یعنی ڈیوٹی مقرر کی۔ اُسوقت کے بعد دنیا کی صنعت وحرفت کے

یورپ میں مال درآمد پر صرف آٹھ فیصدی ڈیوٹی

کارخانوں میں بڑا انقلاب ہوا ہے اہل یورپ اب بہت ارزاں اشیا تیار کر سکتے ہیں مجھے ایک قہوہ پینے کی چھوٹی سی پرچ اور پیالی دکھلا کر کہا کہ یہ دونوں اب قسطنطنیہ کے بازاروں میں نصف غروش یعنی ایک آنہ کو بکتی ہیں جو یورپ سے بنکر آتی ہیں بحالیکہ خود سلطنت ٹرکی میں چینی کے برتن بنانے کے کئی کارخانے تھے مگر وہ اتنا ارزاں مال نہیں تیار کر سکتے۔ کیونکہ اُنکے یہاں زمانہ حال کی ترقی شدہ مشینیں استعمال

کوتاہیہ میں چینی برتنوں کی صنعت کا خاتمہ

نہیں ہوتیں اسلئے وہ سب بند ہو گئے ہیں اور اب یورپین کارخانے اب ایسے بڑھ چکے ہیں کہ جبتک غیر معمولی کوشش نہ کی جائے اور بہت سا سرمایہ نہ لگایا جائے ان کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک قصبہ کوتاہیہ تمام وکمال چینی برتن بنانے میں مصروف رہتا تھا۔ مگر اب یہاں ایک بھی گھر اس صنعت کا نہیں رہا۔ گویا کشمیری شال کی تجارت کو ہند میں بمقابلہ اسکے کم نقصان پہنچا ہے جتنا کہ چینی برتنوں کے کام کو ٹرکی میں پہنچا ہے۔ مینے یہاں کے عجائب خانہ میں جسکو "موزی خانہ" کہتے ہیں کوتاہیہ

کی چینی کی بنی ہوئی چیزوں کے نمونے دیکھے جو یورپ کی ساختہ اشیا سے عمدہ ہیں۔ مگر چونکہ اُن سے ارزاں نہیں اسلئے انکا بازار سرد ہوگیا ہے۔ میں نے اس اخبار نویس دوست سے دریافت کیا کہ اسکا تو یہی نتیجہ ہے کہ ٹرکی میں صنعت وحرفت کو کبھی ترقی نہوگی انہوں نے کہا جب تک ممالک غیر کی اشیار کی درآمد بھاری ڈیوٹی لگا کر بند نہ کیجائے گی ترکی کی ساختہ اشیار کو ترقی نہیں ہوسکتی مگر دول یورپ ڈیوٹی بڑھانے نہیں دیتیں۔ جیساکہ حال میں صرف ۳ فیصدی اضافہ کرنیکی صلاح دی گئی تھی مگر بوجہ انکی مخالفت کے تجویز رہ گئی۔ بحالیکہ روس بعض اشیاء پر چالیس ۴۰ پچاس فیصدی قیمت کے برابر بھی محصول درآمد لیتا ہے۔ اسلئے کہا کہ ٹرکی نے دستکاریوں میں فوقیت حاصل کرنے کی بالفعل امید منقطع کرلی ہے البتہ زراعت کی طرف توجہ زیادہ مبذول کی ہے جس میں بہت کچھ بہتری کی امید ہے۔ مینے کہا کہ جس طرح گورنمنٹ جرمنی اپنی بیٹ شوگر تیار کرنے والی رعایا کو بونٹی دیتی ہے تاکہ غیر ممالک کے مقابلہ میں وہ سستی شکر بناسکیں ویسا گورنمنٹ عثمانیہ کیوں نہیں کرتی۔ انہوں نے کہا کہ اس میں بھی کامیابی کی امید نہیں۔ ٹرکی کے مقابلہ میں دول یورپ مینوفیکچرز چیزوں کی آدھی قیمتیں لینے کو آمادہ ہوجائیں گے۔

محمود اسعد آفندی جبکہ مینے لاہور سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار "دی سن" جاری کیا تھا اسوقت سمرنا کے ایک ترک افسر محمود آفندی بھی اس اخبار کے خریدار تھے جو اسوقت اپنے آپ کو سمرنا کی عدالت عالیہ کے چیف جج لکھا کرتے تھے اور انگریزی میں خط وکتابت کرتے تھے۔ اب جو قسطنطنیہ میں پہنچا تو احمد مدحت صاحب اور بعض دیگر اصحاب نے مجھے ان سے ملنے کی صلاح دی۔ مگر مجھے خیال نہیں آیا کہ ان سے تو روحانی ملاقات پہلے سے حاصل ہے۔ آخر خالد ایوب نوجوان مصنف نے کہ جنسے معلومات کے اڈیٹوریل سٹاف میں ملاقات ہوچکی تھی میرا ذکر محمود اسعد آفندی سے کیا۔ وہ مجھے پہچان گئے اور ان کے ہاتھ مجھے ملاقات کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ میں ان کے دفتر صیغہ فینانس میں ان سے ملا۔ یہاں آپ نائب وزیر مال ہیں

مملکت عثمانیہ میں قانون حقوق وراثت میں اتھاریٹی سمجھے جاتے ہیں اور دارالخلافہ کے یونیورسٹی کالج میں قانون کے لکچرار ہیں۔ اور کثیر تصانیف کے مصنّف ہیں محمود اسعد صاحب مجھسے ملکر بہت خوش ہوئے اور شکایت کی کہ مجھے قسطنطنیہ پہنچکر انہیں کے یہاں قیام کرنا چاہیئے تھا۔ چہ جائیکہ میں ان سے ملا تک نہیں۔ اور اصرار کیا کہ اب اُنہیں کے مکان پر ٹھیروں۔ آج پہلی دفعہ اُنہوں نے شربت منگواکر پلایا۔ بحالیکہ یہاں سوائے قہوہ کے کسی اور نے مجھے کچھ نہیں پلایا تھا۔

پانچسال کے خط دوسری شام کو حسب وعدہ سید عبدالغفار اور مَیں انکے مکان پر کھانا کھانے کے لئے پہنچے۔ لیکن چونکہ شہر کے ایک بہت دور کے حصہ سے آتے تھے۔ اسلئے بجائے ۸ بجے "الاترکا" کے ۱۲ بجے شام کو پہنچ سکے اور اس توقف کے لئے معذرت کی۔ اُنہوں نے میرے وہ خطوط اکتوبر و نومبر ۱۸۹۵ء کے جو مینے اُنہیں لکھے تھے نکالکر مجھے دکھلائے۔ جنہیں دیکھکر میں دنگ رہگیا کہ اُنہوں نے اتنی مدت سے ان خطوط کو محفوظ رکھا ہوا تھا۔ ان میں مینے اُنہیں لکھا تھا کہ انشاءاللہ سفر قسطنطنیہ کے دوران میں سمرنا میں آپ سے ضرور ملونگا۔ اسعد آفندی صاحب نے کہا کہ گو مجھے سینکڑوں خطوط آتے ہیں۔ اور گو مینے بیسیوں اخبارات خریدے۔ لیکن تمہارے اخبار اور تمہارے خطوط سے نہ جانیں مجھے شروع ہی میں کیوں ایسی اُلفت ہوگئی تھی کہ میں تمہیں فراموش نہ کرسکا۔

ترکی کھانا اتنے میں میز پر کھانا لایا گیا۔ اور ہم کھانے کے کمرہ میں گئے۔ سوائے میزبان کے انکے تین چار بھائی بھتیجے بھی معہ اُن کے شاگرد خالد ادیب کے کھانے میں شامل تھے۔ پہلے چوربا آیا۔ جیسے کہ انگریزی کھانوں میں پہلے سُوپ آتا ہے۔ ایک ہی برتن میز کے وسط میں رکھا گیا جسمیں سے ہر شخص اپنا اپنا چمچہ بھر لیتا تھا۔ اسکے بعد گوشت سادہ اور دو تین قسم کا ترکاریوں میں پکا ہوا گوشت آیا۔ پھر ایک شیریں کھانا فرنی فالودہ کی قسم کا ٹکڑے کیا ہوا آیا۔ پھر "بورک" نامی کھانا آیا جو ایک موٹے پراٹھے کی طرح تھا۔ اور اسکی تہوں میں برشتہ انڈے تھے۔ اخیر میں پلاؤ آیا

لیکن اسے بہت کم ہاتھ لگایا گیا۔ کیونکہ سب سیر ہو چکے تھے۔ اور سب سے آخر تازہ فروٹ آیا جس میں انگور اور خربزہ اور تربوز کی چھیلی ہوئی قاشیں تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوئے۔ یہاں سیلا بچی کے بیچ میں ایک جگہ صابن رکھنے کی ہوتی ہے اور اسی کے اوپر سب ہاتھ دھوتے ہیں۔ جس سے صابن گیلا ہونے کی وجہ سے فوراً ہاتھو میں لگ جاتا ہے۔ کھانیکے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ پھر انہوں نے فوٹو گرافوں کا البم دکھلایا۔ اور کہا کہ حضرت سلطان کے جشن بست و پنجسالہ کی تقریب میں جو یہاں کی یونیورسٹی میں سائنس اور قانون کے صیغے بڑہائے گئے ہیں اُن میں سے تین میں مَیں لکچرار مقرر ہوا ہوں۔ ہر روز تین گھنٹہ دفتر حقوق مشاورت میں کام کرتا ہوں۔ اور دو گھنٹہ یونیورسٹی میں۔ پھر مجھے اپنا کتب خانہ دکھلایا جسمیں زیادہ فرانسیسی عربی اور چند انگریزی کتابیں تھیں۔ قانون۔ فلسفہ اور فیزیکل سائنس کی کتابیں بہت تھیں۔ مجھے اپنی تصنیفات سے ایک تاریخ طبعی (نیچرل ہسٹری) دو جلد۔ اور ایک اصول فقہ دی۔ اس سے پہلے اُنہوں نے لاہور میں بھی مجھے دو تین کتابیں اپنی تصنیفات سے بھیجی تھیں۔ رخصت کے وقت اُنہوں نے مجھے اپنے دونوں فوٹوگراف تھے اور میرا فوٹوگراف طلب کیا۔

محمد سلیم آلکنسی اور تمغہ کا ذکر

بیروت کے اخبار روضتہ المعارف کے ایڈیٹر محمد سلیم الکنسی جو چند بار مجھسے ملنے آئے مجھے ایک روز کہنے لگے کہ تمہارے لئے نشان یعنے تمغہ کی سفارش ہو چکی ہے۔ مینے کہا یہ نہیں ہو سکتا نہ مینے کسی سے اسکی آرزو کی ہے نہ کسی ایسے افسر سے ملا ہوں کہ جسکے متعلق یہ کام ہو۔ اسلئے یہ گپ ہوگی۔ اُنہوں نے کہا کہ تمہاری نسبت اخبارات میں کیفیت دیکھکر خود بخود تمہاری سفارش کر دی گئی ہے۔ اسیطرح ڈاکٹر نواب علی نے کہا کہ اخبار میں تمہاری کیفیت پڑھکر سید سیف الدین صاحب نے جو مشہور سید ابوالہدیٰ صاحب کے داماد ہیں۔ مجھے کہا تھا۔ کہ اسے ضرور نشان ملنا چاہیئے۔ آخری روز جب میں ہز اکسلنسی محمد اسعد آفندی صاحب سے ملنے گیا تو اُنہوں نے مجھے بتلایا کہ ہز اکسلنسی احمد مدحت صاحب نے

تمہارا ذکر باش کاتب ہمایونی سے کیا تھا اور وہ سُنکر بہت خوش ہوئے تھے بہتر ہے کہ مابین ہمایوں میں جاکر اُنہیں مل آؤ۔ لیکن افسوس ہے کہ میں قسطنطنیہ سے روانگی کی تیاری کر چکا تھا۔ اسلئے اُنہیں مل نہ سکا۔ باش کاتب ہمایونی سلطان المعظم کے سب سے بڑے سکرٹری ہوتے ہیں۔

ایک اردو دان شامی

ایک روز میں اخبار معلومات کے دفتر میں گیا تو ایک صاحب مجھے بڑے تپاک سے ملے اور اردو بولنے لگے۔ معلوم ہوا کہ انکا نام محمد سعید طرابلسی ہے جو دس سال تک ہندوستان کے مختلف اسلامی مدارس حیدرآباد وغیرہ میں مدرس عربی رہے ہیں۔ مالیر کوٹلہ میں ہندوستانی بی بی سے شادی کی اور اب اُسے قسطنطنیہ میں اپنے ہمراہ لائے ہوئے ہیں۔ اور آجکل عربی معلومات کے ایڈیٹر یا مترجم اڑہائی سو قرش ماہوار پر ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے پیسہ اخبار اور بعض دیگر اردو اخبارات دکھلائے کہ جنکے ترجمے اُنہوں نے ابھی عربی معلومات کے لئے کئے تھے۔ شامی صاحب نے بھی مجھے قسطنطنیہ کے بعض مقامات دیکھنے اور لوگوں سے ملانے میں مدد دی۔ اور جب میں ہندوستان میں واپس آیا تو کچھ عرصہ بعد یہ لاہور میں بھی مجھے ملے اور میرے پاس ٹھیرے غالباً اپنی ہندوستانی بی بی کو یہاں چھوڑنے کے لئے لائے تھے۔

عظیم زادہ جمیل بک صاحب

شامی صاحب نے عظیم زادہ جمیل بک صاحب سے ملاقات کرائی جو معلومات عربی کے چیف ایڈیٹر اور عربی زبان کے ایک سربرآوردہ مضمون نگار اور اعلیٰ پایہ کے خط ثلث کے خوشنویس ہیں۔ اصل ملازمت انکی محکمہ سنسر (محتسب اخبارات) کے دفتر کی رکنیت ہے۔ یہ دراصل دمشق کے ایک نامور خاندان رؤسا کے ممبر ہیں۔ مجھسے بڑی مہربانی سے ملتے تھے۔ اور قسطنطنیہ سے روانہ ہونے سے پیشتر مجھے بطور تذکار و یادگار چند اوراق میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال نہایت اعلیٰ درجہ کی عربی خوشخطی کا نمونہ لکھکر دیئے۔ علاوہ اسکے دمشق میں اپنے چچیرے بھائی کے نام ایک معرفت کا خط بھی دیا کہ جس سے مجھے دمشق میں بہت مدد ملی۔ اور میں نے ان کا عظیم الشان خاندانی مکان دیکھا کہ جسے قیصر جرمنی نے بھی دمشق پہنچکر دیکھا تھا

عربی خوشخطی قسطنطنیہ اور دیگر بلاد عثمانیہ میں اب تک خط نسخ کی خوشنویسی کی بہت قدر کیجاتی ہے اور اچھے اچھے خطاط اسوقت تک موجود ہیں کہ جنکی تحریرات کے نمونے فوٹوگرافوں یا کتبوں اور کتابوں میں وہاں جا بجا نظر آتے رہتے ہیں۔

آمد و رفت کے ذریعے اور وسائل

سڑکیں قسطنطنیہ کی سڑکیں بیشک اچھی نہیں۔ جو سب ان گھڑے پتھروں سے بنی ہوئی ہیں۔ سوائے بعض کے جو گھڑے ہوئے پتھروں سے بنائی گئی ہیں یا جنپر کنکریٹ کوٹا گیا ہے۔ جو مسافر یورپ کی طرف سے یورپ کی عجیب وغریب سڑکیں دیکھتا ہوا آئیگا وہ سب سے پہلے قسطنطنیہ کی سڑکیں دیکھکر ضرور حیران ہوگا۔ علاوہ اسکے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں اسقدر فراز و نشیب ہیں کہ بعض مقامات میں بازاروں میں دو دو چار چار منزل کے برابر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ جیسے کہ پہاڑی مقامات میں ہوتی ہیں کیونکہ یہ شہر بھی سات پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جب میں احمد مدحت آفندی صاحب سے پہلی مرتبہ ملا۔ اور انہیں معلوم ہوا کہ میں یورپ کی سیاحت سے واپس جا رہا ہوں۔ تو انہوں نے فوراً خود بخود شہر کی سڑکوں کے مضمون کو چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے شہر کے بازار یورپ کے شہروں سے بہت خراب ہیں۔ اور جو شخص یورپ کے شہروں کو دیکھ آئے اُسے یہ سب سے پہلے کھٹکتے ہیں۔ لیکن اسکی ایک وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جتنے یورپین تاجر اور دولتمند لوگ یہاں رہتے ہیں کہ جنکے یہ عالیشان اور سنگین مکان تم دیکھتے ہو

یورپین آبادی کچھ میونسپل ٹکس نہیں دیتی یہ سلطنت کو ایک پائی کسی قسم کا ٹکس نہیں ادا کرتے۔ سوائے آٹھ فیصدی مال درآمد پر چونگی دینے کے۔ پہلے ترک سلاطین یوروپین سوداگروں کو اپنے ملک میں بلانیکے واسطے ترغیبیں دینے کے لئے انسے بہت کچھ رعایتیں کر گئے ہیں۔ ہر ایک نیا سلطان تخت نشینی کے وقت ان وعدوں پر دستخط کر دیتا ہے۔ اسلئے گورنمنٹ ترکی ان دولتمند یورپین سوداگروں سے ایک پائی میونسپل اخراجات کے لئے وصول نہیں کر سکتی۔ اسلئے غریب ترکوں سے جو کچھ وصول

ہوتا ہے۔ اسی سے بُری بھلی یہاں کے بازار کی تعمیر و مرمت ہوتی ہے۔

کرایہ کے گھوڑے

قسطنطنیہ میں نہ تو وینس کی طرح بالکل کشتیوں پر ہی تمام آمد و رفت موقوف ہے اور نہ صرف گھوڑا گاڑیوں یا ٹریموے پر بلکہ یہاں کسے کسائے گھوڑے بھی زین سواری کے لئے کئی اڈوں پر ملتے ہیں کیونکہ بوجہ بازار اور گلیاں تنگ اور پیچدار ہونے اور فراز و نشیب کے گھوڑے بہت کام آتے ہیں۔ اور گھوڑے بازاروں اور گلیوں میں صرف چال سے ہی نہیں چلائے جاتے بلکہ ڈلکی اور پویہ چلائے جاتے ہیں۔ اور گھوڑوں کے سائیس یا مالک جو عموماً پابرہنہ لڑکے ہوتے ہیں انہیں پیچھے سے چابک مار کر دوڑاتے جاتے ہیں۔ اس شہر میں جلدی پہنچنے کے لئے یہ اچھی سواری ہے۔ پہلے مینے سمجھا تھا کہ سوار گھوڑا دوڑا کر اس نوکر پر ظلم کرتا ہے لیکن پیچھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکے خود گھوڑا بھگاتے ہیں۔ چونکہ شہر کے کئی حصوں میں بہت ترچھی چڑھائیاں ہیں ان پر گھوڑا اسطرح چڑھتا ہے جسطرح آدمی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اسکا ساتھی پتھروں پر ننگے پاؤں ہانپتا ہوا ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یورپین طرز کی گاڑیوں کے رواج سے پہلے یہاں ایسے گھوڑے بہت زیادہ ہوتے تھے۔

بخشش اور ٹپ میں فرق

ایک روز غیر ممالک کی ڈاک کا وقت قریب تھا۔ مینے جلدی ڈاک خانہ پہنچنے کے لئے چار غروش کو گھوڑا کرایہ کیا۔ یہ کرایہ پیشگی دیا جاتا ہے۔ مینے ایک چرک (پانچ غروش کا سکہ) کرایہ والے کو دیا۔ اُس نے بڑی سماجت سے ایک چھوٹے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ دوڑے گا۔ یہ غرش بھی واپس نہ لو۔ واقعی بچہ بہت چھوٹا تھا سات آٹھ سال سے بڑا نہ ہوگا اگر مجھے پہنچنے کی جلدی نہ ہوتی تو میں گھوڑے کو ہرگز نہ دوڑاتا۔ مگر پھر بھی بعض تنگ گلیوں میں گاڑیوں اور راہ رووں کے ہجوم کی وجہ سے آہستہ چلانا گیا۔ یورپ اور یہاں کی خدمات میں فرق یہ ہے کہ یہاں ٹپ دینے کا بالکل ذکر نہیں کہ جیسے یورپ کے مزدور اور خدمتگار اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی خدمت کرنیوالے یہاں منت سے زیادہ مانگ لیتے

ہیں یا منت سماجت سے ملا ہوا تقاضا کرتے ہیں کہ جیسے یورو پین "بخشیش" کے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ یا ایک دفعہ ایک کشتی والے نے جھگڑا کر کے دو تین غرش زیادہ لئے یہ کل ٹپ یا انعام یا بخشیش سمجھ لیجئے جو اپنی مرضی کے خلاف مینے ایک ماہ کے قیام استنبول میں دیا۔ ورنہ کسی شخص نے مجھ سے کوئی بخشیش نہیں مانگی جو ناجائز ہو بجائیکہ یورپ کے ہر شہر میں ہر کھانیکے بعد ہر ہوٹل چھوڑنے کے بعد ہر ذرہ سی خدمت کے بعد "ٹپ" دینا لازمی ہوتا ہے۔ پیرس میں تو یہاں تک ترقی ہوئی ہے کہ گاڑیوں کی شرح کرایہ مقرر کر کے گائڈ بکوں میں لکھدیا ہے کہ علاوہ کرایہ کے اتنا انعام پانیکے گاڑیبان امیدوار ہیں۔ اور بعض دفعہ مینے بڑا سکہ گاڑیبان کو دیا تو اس نے علاوہ کرایہ مقررہ اپنا ٹپ بھی خود ہی رکھ لیا۔ اور بقایا مجھے لوٹا دیا۔ اگر ممالک مشرق میں کوئی مفلس مزدور خدمت کرنیکے بعد دانت نکال کر دو چار آنے مانگ لے تو یورپ کے سفید کف اور کالر والے جنٹلمین مزدوروں کی ناجائز مصاورہ سے ہزار درجہ قابل معافی ہے۔ ہاں انگلستان کی اسبارہ میں تعریف کرنا ضروری ہے۔ گو ٹپ کی رسم وہاں بھی ہے۔ لیکن ویانا کی طرح ٹرامویے کے کنڈکٹروں تک کو نہیں دینا پڑتا۔ یورپ میں تمام عجائب خانے اور اس قسم کے قابل دید مکانوں بلکہ دفتروں اور کچہریوں کے دروازوں پر چھاتے اور لاٹھیاں رکھنے کے لئے کوئی عورت یا مرد مقرر ہوتا ہے اور جو سرکاری عجائب خانے مفت بھی دیکھے جاتے ہیں وہاں بھی ایک پینی (ایک آنہ) تو ضرور چھاتا رکھنے والے کو دینا پڑتا ہے۔

گاڑیاں پیرا اور استنبول کے کئی مقامات میں گاڑیوں (اعرابوں) کے اڈے ہیں۔ گاڑیاں خوبصورت وکٹوریا قسم کی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ اور سب دو گھوڑے والی ہوتی ہیں۔ کیونکہ بوجہ جابجا کی چڑھائیوں کے ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔ کرایہ گھنٹہ یا مقدار راہ یا دن بھر غرض ہر لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات گاڑی والے کو پہلے کہہ دینی چاہیئے۔ کہ کس طریقہ سے کرایہ دیا جائیگا۔ رات کو دن کی نسبت کچھ شرح زیادہ ہے۔ دن کے وقت بیس منٹ کی سواری کے لئے پانچ قرش مقرر ہیں اور شام سے آدھی رات تک

ساڑھے سات اور آدھی رات سے صبح تک دس قرش۔ اور دن میں فی گھنٹہ پندرہ غرش یعنی ۱۲؎ جو بمقابلہ یورپ کے بہت ارزاں ہے۔ یہ گاڑیاں بلدیہ یعنے میونسپلٹی کی زیرنگرانی رہتی ہیں۔

اسپی ٹرمیوے

پیرا اور استانبول دونوں طرف گھوڑے کی ٹرمیوے کی تین لائنیں جاری ہیں لیکن چونکہ کوچے تنگ ہیں اسلئے ٹرمیوے کی ہر گاڑی کے آگے ایک وردی پوش آدمی ہاتھ میں چھوٹا سا ترم لئے بجاتا ہوا دوڑتا جاتا ہے اور اسی لئے دوہری سڑکیں کراس کرنیکے لئے جو بہت کم ہیں دیر تک گاڑیوں کو سامنے کی گاڑی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ان گاڑیوں میں عورتوں کے بیٹھنے کے لئے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے۔ اور اول اور دوم دو درجے بھی ہیں۔ کہ جنکے کرایہ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ باقی دنیا میں کسی ملک میں ٹرمیوے یا بس میں درجوں کا فرق نہیں۔ شرح کرایہ ڈیڑھ اور اڑھائی قرش مختلف لائینوں پر مقرر ہے۔ بعض جگہ بلند سڑکوں پر چڑھنے کے لئے چار چار گھوڑے جوتے جاتے ہیں۔

زیرزمین ریلوے

غلاطہ کی نسبت پیرا بہت بلندی پر واقعہ ہے اسلئے پل غلاطہ اور بک اوغلی کے مابین پہاڑی کے اندر دو زیرزمین راستے کھودے گئے ہیں جنمیں یہ ریلگاڑی صبح سے شام کے دو گھنٹے بعد تک ہر پانچ پانچ منٹ کے بعد آتی اور جاتی رہتی ہے۔ اور زیادہ تر اس میں نشیب کیطرف سے فراز کو جانیوالے مسافر چڑھتے ہیں۔ یہ گاڑی نہ انجن اور نہ برق اور نہ گھوڑوں کی طاقت سے چلتی ہے بلکہ ایک آہنی رستے کے ذریعہ سے (میرے خیال میں) ایک طرف کی گاڑیوں کا بوجھ دوسریطرف کی گاڑیوں کو کھینچ لاتا ہے۔ کیونکہ دونوں طرف کے راستے ڈھلوان ہیں۔ اس میں بھی اول اور دوم درجہ کی گاڑیاں ہیں۔ کرایہ اول درجہ پونا غرش۔ دوم درجہ نصف غرش۔

ریلوے لائنیں

قسطنطنیہ میں باسفورس کے دونوں طرف ریلوے لائنیں جاری ہیں۔
(۱) استنبول کے سرکہ جی اسکلہ سی سٹیشن سے دو ٹرینیں روزانہ ایڈریانوپل

کو آتی جاتی ہیں۔ اور کئی لوکل ٹرینیں روزانہ قم قپو۔ ینی قپو۔ داؤد پاشا۔ یدی قلعہ مقری کوئی وغیرہ مقامات کو جاتی آتی ہیں۔ (۲) ایشیائی ساحل پر حیدر پاشا سے اسمد۔ اسکی شہر انگورا کو تا ہیہ قونیہ کو ساحل مارمورا پر روزانہ دو ٹرینیں جاتی ہیں۔ اور کئی لوکل ٹرینیں روزانہ قزل طوپراق۔ فنار کوئی۔ مال پتہ اور کرتال وغیرہ کے درمیان آتی جاتی ہیں۔ مضافات کے رہنے والے اور خصوصاً تعطیلات کے ایام میں اہل شہر ان لائنوں کو بہت استعمال کرتے ہیں۔ ترکی اخبارات میں انکے ٹائم ٹیبل چھپتے رہتے ہیں۔ ریلوں پر زیادہ فرانسیسی ملازم ہی نظر آتے ہیں گو فرانسیسی وان تُرک بھی ہوتے ہونگے۔

کیک کشتیاں اس خشکی کی آمد و رفت کے علاوہ بہت زیادہ اور زیادہ پر لطف آمد و رفت پانی میں ہوتی ہے۔ باسفورس اور گولڈن ہارن کی ساکن سبزی مائل نیلگوں سطح پر ہر وقت سینکڑوں ہزاروں کشتیاں چلتی نظر آتی ہیں بڑی اور بھدی کشتیوں کی نسبت چھوٹی اور سبک کیک یا کائک کشتیاں تیز رفتار ہوتی ہیں لیکن اتنا ہی انکے الٹنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ مسافر ایک طرف کو جھک پڑیں۔ یہاں بڑی کشتیوں سے قطع نظر تین ہزار کشتیوں کا اندازہ کیا گیا ہے۔ ملاح یا کیک جی ترک یونانی اور اطالی زیادہ ہوتے ہیں۔ ناواقفوں سے یہ زیادہ کرایہ لے لیتے ہیں ورنہ ان کے کرایہ کے نرخ انکے چپوں کی تعداد کے لحاظ سے عموماً مقرر ہیں۔ جہازوں سے مسافروں اور اسباب کو ادہر اُدہر لیجانے لانے یا شہر کے مختلف حصوں کے درمیان سیر و تفریح یا کام کاج کے لئے جانیکے یہ بہت کام آتے ہیں۔

سٹیمر البتہ نجاز یعنے باسفورس کے دور کے مقامات تک سٹیمر ہی جاتے ہیں۔ قطع نظر دور دراز کا سفر کرنیوالے سٹیمروں کے جو مسافر یا اسباب لیکر جاتے آتے رہتے ہیں اور ان سے قسطنطنیہ کا بندر ہمیشہ پُر نظر آتا ہے (انکا ذکر دوسری جگہ کیا جائیگا) آبنائے باسفورس کے لوکل آمد و رفت کا اجارہ شرکت خیریہ[1]

[1] دو دوسری سٹیم شپ کمپنیاں بھی اسی کام میں مصروف ہیں جنمیں سے کوپری درونی شرکتی" ایوب اور فلسکوی تک خلیج استانبول میں کام کرتی ہے اور شرکت" مخصوصہ" بحیرہ مارمورا کے کناروں کے دیہات۔ اور جزیروں تک آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتی ہے۔

(کمپنی) کو ملا ہوا ہے کہ جسکے چھوٹے بڑے پینتیس سٹیمر ہیں۔ یہ ترکوں کی وطنی کمپنی ہے۔
گو اسمیں مسلمان عیسائی سب شریک ہیں۔ یہ سٹیمر پل غلاطہ سے لیکر ساحل باسفورس
کے تمام مضافات کے دیہات تک دن میں بار بار جاتے آتے رہتے ہیں جو ان میں سے
ساحل یورپ کیطرف چلتے ہیں۔ انکے مستول پر سبز جھنڈا اڑتا ہے اور جو ساحل ایشیا پر
چلتے ہیں انپر سرخ جھنڈا۔ مگر جو باری باری دونوں طرف جاتے آتے رہتے ہیں وہ دونوں
رنگ کے ترکی جھنڈے اڑاتے ہیں۔ پل پر کہ جہاں ان سٹیمروں کا سٹیشن ہے ان

بغاز کے دونوں طرف کی آبادیاں

جہازوں کے دونوں طرف کے سٹیشنوں کے نام
ترکی اور لاطینی حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔
یوروپین ساحل کے سٹیشن یہ ہیں۔ قباطاش۔ بشک طاش۔ اورتہ کوئی۔ کوروچشمہ۔
ارناؤطہ کوئی۔ ببک۔ روملی حصار۔ بویاجی کوئی۔ امیرگیان۔ سٹنیا۔ ینی کوئی۔ تھراپیا۔
کرچ برونو۔ بیوک درہ۔ مزار برونو۔ ینی محلہ۔ اور روملی کواک۔ اور ایشیائی ساحل پر یہ ہیں
سکوتری۔ قزغنجگ۔ بے لربے۔ چنگل کوئی۔ وانی کوئی۔ کندیلی۔ انادولی حصار۔
قانلیجہ۔ رفعت پاشا۔ باشنا باغچہ۔ بیکوس اور انادولی کواک۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے
بعد ہر طرف سٹیمر روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایک علیحدہ لائن سقوتری کیطرف ایک ایک
گھنٹہ کے بعد سٹیمر روانہ کرتی ہے۔ اور گولڈن ہارن کمپنی پندرہ پندرہ منٹ کے بعد
بیردی پل سے سلطان ایوب تک سٹیمر بھیجتی ہے۔ ان کے علاوہ مخصوصہ کمپنی کے
سٹیمر پرنسز آئیلینڈ کو بھی روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ کرایہ فاصلہ کے لحاظ سے لیا جاتا ہے،
مثلاً پل سے روملی کواک تک جو یوروپین ساحل کا آخری سٹیشن ہے اور دو ڈھائی
گھنٹہ کا سفر ہے اول درجہ کا کرایہ کہ جسے ترک "موقع" کہتے ہیں سوا پانچ قرش ہے
اور دوم درجہ عام ڈک ہوتا ہے۔ پردہ دار عورتوں کے لئے سٹیمروں میں بھی علیحدہ جگہ
بنی ہوئی ہے۔ سیاحان قسطنطنیہ باسفورس کے دونوں طرف یہ خوبصورت
نظارے دیکھنے کے لئے ایک یا کئی مرتبہ ان سٹیمروں کا ضرور سفر کرتے ہیں۔ خواہ نہیں
ان بہت سے مواضعات میں سے کسی میں کام ہو یا نہ ہو۔ مگر مجھے تین چار مرتبہ دونوں

ساحلوں پر بعض اصحاب کی ملاقات کے لئے جانا پڑا۔

سٹیمروں کی لائنیں

ہر چند کہ ممالک عثمانیہ میں بیروت بہت بڑا بندرگاہ ہے تاہم کوئی ایسا انتظام موجود نہیں ہے کہ قسطنطنیہ اور بیروت کے مابین کوئی روزانہ سروس جہازوں کی جاری ہو۔ اور جو روسی۔ اطالی۔ یونانی۔ فرانسیسی آسٹرین اور انگریزی کمپنیاں ان بندروں کے درمیان جہاز چلاتی ہیں۔ ان میں کسی ترک کی ایک پیسہ تک شرکت نہیں۔ قسطنطنیہ کے مضافات کی آمدورفت کے لئے ایک جہازوں کی کمپنی بنام "شرکت خیریہ" جاری ہے جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ البتہ مخصوصہ لائن جہازوں کی ترکی محکمہ امیرالبحری کی ملکیت ہے۔ ان کے علاوہ شمالی سمندروں میں جو سٹیمروں کی لائنیں جاری ہیں انکی تفصیل یہ ہے:۔

آسٹرین لائن۔ ٹریسٹ سے قسطنطنیہ۔ سمرنا اور تمام ساحل اسکندریہ تک۔ اسکی ایک شاخ ڈنیوب میں چلتی ہے۔ کستنجہ۔ وارنا اور اناطولیہ دو لی لاما سے بحیرہ خضر کے بندروں کو جاتی ہے۔

مصری لائن۔ خدیوی ڈاک کے سٹیمروں کی کمپنی۔ جو پہلے گورنمنٹ مصر کی ملکیت تھی مگر اب ایک انگریزی کمپنی کا مال ہے جو اسکندریہ سے قسطنطنیہ کو جاتی ہے اور راستہ میں بیریئس۔ سمرنا اور ساحل شام کے بندروں سے گذرتی ہے۔

انگریزی لائنیں۔ ایک لنڈن کی اور چار لورپول کی بحری کمپنیاں ان سمندروں میں جہازرانی کرتی ہیں۔

فرانسیسی لائنیں۔ ایک ڈاک کی لائن مارسیلز سے قسطنطنیہ اور سمرنا کو جاتی ہے۔ اور بحیرہ خضر اور ساحل شام کے بندروں سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ اور دو تجارتی جہازوں کی لائنیں ہیں۔

یونانی۔ ایک لائن ٹریسٹ سے پیرئیس۔ قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندرگاہوں تک۔

اطالی۔ ایک لائن ٹریسٹ وینس اور برندزی۔ سمرنا۔ قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے

بندروں تک۔ اور ایک لائن مارسیلز سے اطالی بندروں اور قسطنطنیہ تک۔

روسی۔ ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندروں تک۔ اور ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ اور ساحل شام کی بندرگاہوں اور مصر تک۔

ترکی۔ مخصوصہ کمپنی کے جہاز قسطنطنیہ سے سمرنا۔ مکرونیہ۔ سلانیک۔ وارنا اور طرابزون تک چلتے ہیں۔ کورتی کمپنی کے جہاز کریٹ۔ رولوسٹ نیوب او طرابزون کے مابین۔ مخصوصہ کمپنی ترکی محکمہ امیرالبحری کی ملکیت ہے۔ اور کورتی کمپنی گو ترکی جھنڈا اڑاتی ہے لیکن تمام تر یونانی سرمایہ سے بنی ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ سلطنت عثمانیہ کی رعایا کے بعض چھوٹے چھوٹے سٹیمروں کی لائنیں ہیں جو بڑے سمندروں میں نہیں جاسکتیں۔

عثمانی بحری تجارت

سنہ ۱۹۰۱ء میں سلطنت عثمانیہ کی بحری تجارت (۵۸۸۶۱) ٹنوں کی (۱۰۷) سٹیمروں کی تھی۔ اور (۹۱۶) بادبانی جہاز (۱۷۹۸۸۳) ٹن بار کے تھے۔ اسی سال میں ٹرکی کے تمام بندرگاہوں میں کل (۸۸۰۳۴) جہاز تمام دولتوں کے داخل ہوئے اور انہوں نے (۳۴۳۳۲۸۷۷) ٹن وزن باربرداری کا لین دین کیا۔ بندر قسطنطنیہ میں سنہ ۱۹۰۳ء میں کل (۱۰۷۹۶) سٹیمر آئے جو (۱۶۲۴۶۵۱۷) ٹن بار کے تھے جنمیں (۴۲۱۴) انگریزی۔ اور (۲۰۷۳) یونانی سٹیمر تھے۔

عثمانی ریلوے لائنیں

سنہ ۱۸۸۸ء میں پہلے پہل سلطان عبدالحمید خان کی دوراندیشانہ توجہ سے قسطنطنیہ کا ریلوے تعلق باقی یورپ سے قائم ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں یورپین اور ایشیائی ٹرکی میں ریلوے لائنوں کی طوالت حسب ذیل تھی۔

یورپین ٹرکی میں:-	میل	سالونیکا وادی آغاج	۳۱۷
اورنٹیل ریلیں	۸۱۵	میزان یورپین ٹرکی	۱۲۶۹
سالونیکا موناسٹر	۱۳۵	ایشیائی ٹرکی:-	

بغداد ریلوے (قونیہ سے ارغلی تک)	۱۲۵	حجاز ریلوے	۲۸
اناڈولی ریلوے	۶۴۰	بیروت دمشق	۹۶
مدانیہ بروصہ	۲۵	دمشق مزیریب	۶۲
سمرنا ایدین ریلوے	۳۲۰	حیفا درع	۱۰۵
سمرنا قصابا	۳۲۱	میزان ایشیائی ٹرکی	۱۸۲۰
مرسینا ادانا	۴۲	کل میزان	۳۰۸۹
یافا بیروشلیم	۵۴		

لیکن آخر سنہ ۱۹۰۷ء تک اس مقدار میں اور بھی ترقی ہوئی ہے۔ مثلاً حجاز ریلوے آخر سنہ ۱۹۰۷ء تک ساڑھے سات سو میل سے زیادہ تیار ہو چکی ہے اور سنہ ۱۹۰۹ء کے آخر تک مکہ تک قریباً ہزار میل اور تیار ہو جائیگی۔ بغداد ریلوے کا اجارہ جو جرمنوں کو دیا گیا تھا اُسکے رو سے وہ اناٹولین لائن قونیہ سے ادانا۔ موصل۔ بغداد اور بصرہ تک توسیع دینے کا قصد رکھتے ہیں۔ کہ جسکی کئی براںچ لائینیں ہونگی اور خلیج فارس کے ایک بندرگاہ تک اُسے توسیع دیجائے گی۔ جو کانسیشن اناٹولین ریلوے کمپنی کو عطا کیا گیا تھا وہ بغداد ریلوے کمپنی کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ کہ جسکا ہیڈ کوارٹر قسطنطنیہ میں ہے۔ اسکا پہلا سکشن (۱۲۵ میل کا قونیہ اور ارغلی کے مابین اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں کھولا گیا تھا۔ بیروت دمشق لائن کو حمص اور حما تک توسیع دیگئی ہے اور ابھی اسے حلب تک بڑھایا جائیگا۔ حیفا لائن کہ جس کا کانسیشن گورنمنٹ ٹرکی نے واپس خرید لیا ہے ترقی کر رہی ہے۔ اور ایک سکشن ۲۸ میل کا حیفا سے آگے ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو جاری کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسے مقام درع پر مکہ ریلوے سے ملحق کر دیا جائیگا۔ اور اس لائن پر حیفا حاجیوں کی آمد و رفت کے لئے بندرگاہ ہوگا۔ حمیدیہ حجاز ریلوے فرانسیسی دمشق مزیریب ریلوے کے متوازی چلیگی کہ جسے شاید گورنمنٹ خرید کر مکہ لائن کا ایک جزو قرار دیدے۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء تک اس لائن کے (۲۵۰) میل پر مسافروں کی آمد و رفت جاری ہو گئی تھی۔ ۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء کو سلطان المعظم نے مکہ سے جدہ تک حمیدیہ حجاز ریلوے کا سکشن تعمیر کرنا منظور فرمایا۔ اور امید ہے کہ

سلطان المعظم کی ۱۹۰۸ء کی سالگرہ تک مدینہ سے مکہ تک افتتاح ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا کوچک اور عرب میں سلطان المعظم ریلوں کو سرعت سے توسیع دینا چاہتے ہیں جس سے ملک کی دولت کے ساتھ سلطنت کا استحکام بے اندازہ بڑھ رہا ہے۔ گو ہندوستان کے تیس ہزار میل ریلوے کے مقابلہ میں ٹرکی کے تین چار ہزار میل ریلوے کو کوئی نسبت نہیں۔ مگر یہ سارا کام سلطان حال کی کوشش اور روشن ضمیرانہ پالیسی کا نتیجہ ہے۔ جو نہ کوئی نیا قرضہ اٹھاتے ہیں۔ بلکہ پرانے قرضے اور تاوان جنگ کی عظیم رقوم بھی بتدریج اصل معہ سود ادا کر رہے ہیں۔

اسلامی حکومت کی شان اور اسلامی بے تعصبی

شیخ الاسلام اور دینی حکومت جسطرح یورپ کی تمام دیگر عیسائی سلطنتوں میں چرچ اور اور سٹیٹ دو حصے سلطنت کے ہوتے ہیں ویسے ہی ٹرکی کا حال ہے۔ سلطان المعظم کی شاہانہ نگرانی میں عاملانہ اختیار اور اختیار وضع قوانین کو وہ اعلیٰ عہدہ دار یعنی صدر اعظم اور شیخ الاسلام عمل میں لاتے ہیں۔ صدر اعظم دنیاوی حکومت کا صدر ہوتا ہے اور شیخ الاسلام مذہب کا افسر اعلیٰ۔ گو دونوں کو سلطان نامزد کرتا ہے مگر شیخ الاسلام کے تقرر میں علما اور مذہبی اماموں کے نام نہاد رضامندی بھی حاصل کیجاتی ہے۔ شیخ الاسلام نہ صرف جماعت علما کا صدر ہوتا ہے۔ بلکہ تمام علما اور مفتیان مذہبی جماعت کا عزل و نصب اور انتظام اسکے اختیار میں ہوتا اور سلطنت کیطرف سے درجہ بدرجہ علما کو مشاہرے ملتے ہیں۔ بڑے بڑے جج مفسر واضعان قوانین اور علم ادب کے اساتذہ علماء کی جماعت میں ہی ہوتے ہیں اسلیئے ایک لائق شیخ الاسلام بہت کچھ رسوخ ملک کی بہتری کے لئے استعمال کر سکتا ہے

شرعی عدالتیں گو سلطنت کے تمام بنیادی قوانین احکام قرآنی اور حدیث نبوی اور خلفائے راشدین کے فیصلہ جات پر مبنی ہیں مگر اسکے علاوہ کچھ اور قوانین سیاسی اور ملکی بھی مدوّن کیئے گئے ہیں جو بین الاقوامی ضروریات

کے لئے درکار تھے[1]۔ اسطرح ملک میں دو قسم کی عدالتوں کی ضرورت پیش آئی۔ یعنی شرعی اور قانونی۔ مگر زیادہ تر شرعی عدالتوں کا رواج ہے۔ چنانچہ میں نے غلاطہ کی عدالت قضاء کو دیکھنے کے بعد یہ سطور اپنی یادداشت میں قلمبند کی تھیں: "یہاں ایک مسند پر دو قاضی بیٹھے تھے جنہیں یہاں حاکم کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک نائب تھا جسکی صرف چار پونڈ تنخواہ تھی۔ اور دوسرا چیف کہ جسکی تنخواہ سترہ پونڈ تھی۔ اسکے علاوہ کچھ رسومات عدالت کے طور پر انہیں اور بھی قریب چالیس پچاس پونڈ کے اہل مقدمہ سے آمدنی ہوتی ہے۔ جو یہ لوگ آپسمیں تقسیم کر لیتے ہیں۔ بڑے قاضی صاحب کا نام حسن بن خیر اللہ تھا۔ ان عدالتوں میں نکاح۔ مہر۔ طلاق۔ تقسیم جائداد فروخت اراضی وغیرہ قسم کے مقدمات آتے ہیں جنکا فیصلہ شرعی طور پر ہوتا ہے۔ اور ان دعاوی پر بہت کم مقدار کا اسٹامپ چسپاں کیا جاتا ہے۔ اور عرضی دعوے اور تمسکات ایک خاص قسم کی سطور میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ میرے رہنما ایک قاضی صاحب کے دوست تھے اسلئے دوران مقدمہ میں ہی ہمارے لئے قہوہ لایا گیا اسوقت ایک مقدمہ عدالت کے پیش تھا جسمیں زبانی شہادتیں لیجا رہی تھیں۔ اور ایسی خانگی طور پر گفتگو ہو رہی تھی کہ جسمیں دروغگوئی کا اندیشہ نہ تھا۔ اور بالکل نڈر ہو کر فریقین بے تکلفی کی باتیں کر رہے تھے۔ قاضی صاحبان اہل مقدمہ کو اور وہ انہیں آفندم (میرے صاحب) کہکر پکارتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ایسی اور تین عدالتیں غلطہ میں ہیں۔ اور استانبول میں پندرہ سے زیادہ ہونگی۔ ہر ولایت میں کئی کئی ایسی عدالتیں ہیں۔"

دیہات کے امام

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ دیہات یا قصبات ہر جگہ کے اماموں کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ تین چار سو غروش سے لیکر اوپر تک۔ انہیں زمیندار فصل کے موقعوں پر اگر خوشی سے کچھ دیں تو بہتر ورنہ وہ کچھ دینے کو مجبور نہیں۔ نکاح کا روپیہ بھی دینے کو مجبور نہیں۔ یہ ملا ایک قسم کے

[1] کتاب قوانین عثمانی مطبوعہ کارخانہ پیسہ اخبار لاہور میں قوانین سیاسی اور ملکی کی مفصل کیفیت درج ہے۔

سرکاری عہدہ دار سمجھے جاتے ہیں۔ جو لوگوں کی نقل و حرکت اور شادی بیاہ کے معاملات سے سرکار کو مطلع کرتے رہتے ہیں۔

رمضان و عید وغیرہ میرے میزبان نے مجھے ایک روز بتلایا کہ قسطنطنیہ میں ماہِ رمضان میں لوگ ساری ساری رات جاگتے رہتے ہیں۔ اور دن کو سوتے ہیں۔ رات کو قہوہ خانوں میں بیٹھے گپیں ہانکتے تھیٹروں کو جاتے اور مسجدوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور سحری کھا کر دن کو سو رہتے ہیں۔ شام کو شہر میں آٹھ مقامات پر توپ چلتی ہے۔ سب لوگ روزہ کھولکر فوراً کھانا کھاتے ہیں۔ بہت لوگ دوسروں کے روزے کھلوانیکے لئے افطاری کا انتظام کرتے ہیں۔ اکثر امرا لوگوں کی دعوتیں کرتے ہیں اور علاوہ کھانا کھلانیکے کھانیوالوں کو دو دو چار چار دس دس پونڈ تک ایک فم بنام "دیش کرایہ" (دانتوں کا کرایہ) دیتے ہیں۔ جو رسم ہندوستان کے برہمنوں کے وچھنا سے بہت ملتی جلتی ہے۔ خود سلطان المعظم تمام ماہ فوج مقیم دارالخلافہ کی دعوت کرتے رہتے ہیں۔ آج چار۔ کل دس۔ پرسوں آٹھ پلٹنوں کو روزہ کھلوا کر کھانا کھلایا جاتا ہے اور معہ افسروں کے ان تمام سپاہیوں کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دیجاتی ہے۔ سلطان امرا کی دعوت کرکے اُنہیں قیمتی تحایف دیتے ہیں۔ رمضان میں سرکاری دفاتر صرف دو دو گھنٹے کھلتے ہیں۔ ورنہ یہ مہینہ قومی اور مذہبی تعطیل کا سمجھا جاتا ہے۔ دفتروں کے کام کا بقایا جو شعبان میں بہت بڑھ جاتا ہے پورا کیا جاتا ہے۔ راتوں کو مساجد کے میناروں پر خوب روشنی کی جاتی ہے۔ عید کی نماز کے بعد لوگ مصافحہ کرتے ہیں اور آپس میں دوست احباب اور رشتہ دار شکر تقسیم کرتے ہیں۔ ہمسائے اور عزیز دوسرے روز برتنوں میں شکر ڈالکر ایک دوسرے کے گھر لیجاتے ہیں۔ عید اور اس سے دوسرے روز دن میں پانچ پانچ دفعہ ہر نماز کے وقت سب توپخانوں سے توپیں چلتی رہتی ہیں۔ اور مملکت کے تمام بڑے شہروں میں ان توپوں کا رواج ہے۔ عید کے روز سلطانی دربار بڑے تزک و احتشام سے ٹھیک دن چڑھے قصر دولمہ باغچہ

میں ہوتا ہے۔ عید کو ترک بیرام کہتے ہیں۔ اور عید قرباں کو قربان بیرامی۔ عید قرباں کے روز ہزاروں بلکہ لاکھوں دُنبے اور بکرے اتنے بڑے شہر میں ذبح ہو جاتے ہیں صرۃ امین کی روانگی کہ جسمیں ہر سال سلطانی تحائف شریف مکہ کی طرف روانہ کئے جاتے ہیں ماہ شعبان میں ہوتی ہے۔ سلطان بنفس نفیس اس مذہبی رسم کو سرانجام دیتے ہیں۔ ان سب باتوں سے اسلامی سلطنت کی پوری جھلک پڑتی ہے۔

جمعہ کی تعطیل ہر چند کہ مسلمان اور خصوصاً ترک عیسائیوں کی نسبت اپنے دین میں زیادہ پابند ہیں تاہم جیسے التزام سے ممالک یورپ میں مذہبی لحاظ سے اتوار کو مقدس دن سمجھکر تعطیل کی جاتی ہے یہ بات قسطنطنیہ میں نظر نہیں آتی۔ اسکی وجہ یہ نہیں کہ گورنمنٹ عثمانیہ جمعہ کو عام تعطیل نہیں کرتی یا ترک جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے۔ بلکہ وہی اس ملک میں مختلف مذاہب کی کثرت اس بارہ میں بھی یک آہنگی نہیں پیدا ہونے دیتی۔ لنڈن وغیرہ عیسائی شہروں میں تو قبل دوپہر اتوار کو ایک دوکان کھانے کی بھی کھلی نہ ہو۔ اور ڈاک تک کا تقسیم ہونا بند رہے اور قسطنطنیہ میں جمعہ کو نہ صرف سب دوکانیں ہی کھلی ہوں۔ بلکہ چونکہ تجارت قریب قریب سب عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اتوار کو دوکانیں زیادہ بند ہوتی ہیں اور کمرگ وغیرہ بعض سرکاری محکمے بھی اتوار کو بند رہتے ہیں نہ کہ جمعہ کو۔ کیونکہ ان میں عیسائی زیادہ ملازم ہیں۔ گو یہودی استانبول میں زیادہ نہیں۔ لیکن وہ اپنی سبت یعنی ہفتہ کے روز تعطیل کرتے ہیں۔ ترک عموماً جمعہ کے روز سیر و تفریح کیلئے اپنے کنبے لیکر شہر سے باہر جو بیسیوں تفرجگاہیں ہیں وہاں چلے جاتے ہیں۔ مسجد ایا صوفیہ اور بعض دیگر مساجد میں جو بزور شمشیر گرجوں سے مسجدیں بنائی گئی تھیں اب تک یہ دستور جاری تھا کہ امام شمشیر برہنہ ہاتھ میں پکڑ جمعہ کا خطبہ پڑھتے تھے جو عجب شاندار نظارہ معلوم ہوتا ہوگا۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کچھ عرصہ سے یہ رسم متروک ہے۔ اور سلطان حال کوئی ایسی بات نہیں ہونے دیتے جس سے عیسائی یورپ کو مسلمانوں کے جوش یا تعصب کا پتہ لگ سکے۔

محکموں اور دفتروں میں مساجد

پہلے پہل مینے دفتر معارف (سررشتۂ تعلیم) میں دیکھا کہ دفتر کے ایک کمرہ کو بطور مسجد استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر پھر دیکھا کہ اسیطرح اور سررشتوں کے دفتروں میں بھی مساجد موجود ہیں۔ مسجد سررشتۂ معارف بلحاظ فرش فروش وصفائی کے بہت اچھی حالت میں تھی۔ دیگر مساجد کیطرح یہاں بھی۔ اللہ۔ محمدؐ۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ حسن۔ حسین کے آٹھ قطعے جلی خط کے آویزاں تھے مسجد میں ایک دیوار کے ساتھ ایک بہت عمدہ کاؤچ پڑا ہوا تھا۔ جسپر میں اور علی نصرت صاحب بیٹھکر باتیں کرتے رہے۔ اسکے بعد سررشتہ حقوق مشاورت اور باب عسکری وصحیہ کی مساجد کو دیکھا جو سب اس سے بڑی تھیں۔

آرمینوں کی شورش اور قتل

بہت سے یورپین سیاح جب قسطنطنیہ میں آکر سلطان المعظم کی روشنضمیری۔ تعلیمی ترقی کی کوشش اور عیسائی رعایا سے انکا بے تعصبانہ سلوک دیکھتے ہیں تو دنگ رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اُنہوں نے یورپ میں اُنہوں نے سلطان المعظم کی نسبت سُنا ہوا تھا یہاں کیفیت بالکل اُسکے برعکس دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کسطرح ہو سکتا ہے کہ ایسا رحمدل اور مہذب سلطان بلاوجہ ارمنی عیسائیوں کے قتل کا حکم دے۔ مینے بھی قسطنطنیہ میں کئی آدمیوں سے آرمینوں کے واقعہ کی کیفیت دریافت کی۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آرمینوں کی مفسدہ پرداز کمیٹیاں مدت سے تیاری کر رہی تھیں کہ بغاوت کرکے مسلمانوں کا قتل عام کردیں۔ انکی کمیٹیوں نے اسلحہ وغیرہ کا بہت بڑا انتظام کیا ہوا تھا۔ یہانتک کہ توپیں بھی کچھ حاصل کرلی تھیں اور طپنچے تو ایک ایک شخص کے پاس دو دو تھے۔ انہیں اتنا حوصلہ ہو گیا تھا کہ اتنی پورانی سلطنت کو اُلٹ دینا چاہتے تھے۔ باوجودیکہ عثمانی محکمہ مخبری بڑا زبردست ہے۔ لیکن اُسے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اور آرمینوں نے اسقدر انتظام کرلیا کہ وزارت اور سرعسکری تک کے عہدے بھی آپسمیں تقسیم کرلئے۔ آخر مناسب موقعہ دیکھکر اُنہوں نے مسلمانوں پر ہاتھ اُٹھایا اور کئی مسلمان مارے گئے۔ اسپر مسلمانوں کو جوش آگیا اور اُنہوں نے

جلانے کی لکڑیوں میں سے ہی لاٹھیاں لیکر ارمنیوں کے طپنچوں کا مقابلہ شروع کر دیا اور ہزار ہا ارمنیوں کو ڈھیر کر دیا۔ مگر مسلمانوں میں ایک بھی سپاہی نہ تھا بلکہ عام لوگ جوش میں آئے ہوئے تھے۔ اور گورسمی طور پر کہا گیا تھا کہ ۲۵ ہزار ارمنی مارے گئے مگر معلوم ہوا کہ ایک لاکھ تیرہ ہزار سے کم نہیں مارے گئے تھے۔ صرف قسطنطنیہ میں گیارہ ہزار اور دیار بکر میں بیس پچیس ہزار۔ آن کی آن میں شہروں اور دیہات تک میں ہزاروں ارمنی مارے گئے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اب ارمنی بہت مدت تک شورش کرنیکے لائق نہیں رہے۔

حکومت ٹرکی کسقدر ٹالریشن کرتی ہے

لیکن کیا یہ واقعہ یا دیگر عیسائی اقوام بلقان سے جو ترک ہمیشہ دست و گریباں رہتے ہیں اسلئے پیش آتے ہیں کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے تعصب ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ترکی کی رعایا میں عیسائیوں کو وہ مراعات حاصل نہ ہوتیں جو اب اُنہیں حاصل ہیں۔ اور سلطان فاتح کے زمانہ سے عیسائی بطریقوں کے متعلق چلی آتی ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے اپنے ہم مذہبوں کے حاکم ہوتے تھے بلکہ انکی دنیاوی حکومت بھی فیاض سلاطین نے انہیں کے سپرد کی ہوئی تھی۔ غرض یہ سب صرف پولیٹیکل وجوہات ہیں کہ جن سے ترکوں اور عیسائیوں کے درمیان آئے دن معرکہ جدال و قتال گرم رہتا ہے۔ کوئی سلطنت روئے زمین پر ایسی ہیں جو اپنے سے دیگر مذہب کی رعایا کے معبدوں کی مالی مدد کرتی ہو جیسی کہ ترک عیسائی گرجوں کی کرتے ہیں۔ کوئی سلطنت ایسی ہے کہ جس نے اپنے سے غیر قوم و مذہب کے لوگوں کو وزارت اور امبیسیڈری (سفارت) کے ذمہ وار عہدے دیدیئے ہوں۔ جیسے کہ سلطنت عثمانیہ نے ارمنیوں وغیرہ عیسائیوں کو دیئے ہوئے ہیں۔ اور اسپر بھی ترک متعصب غیر مہذب اور عیسائیوں کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔ گو بخلاف یورپ کے دیگر سلطنتوں کے سلطنت عثمانیہ کا سرکاری مذہب اسلام ہے لیکن نہ صرف عیسائی بطریقوں کو سلطنت کے خزانہ سے مدد ملتی ہے بلکہ سلطنت انکو سرکاری عہدہ دار شمار کرتی ہے۔ اور نہ صرف ایک

عیسائی فرقہ کو بلکہ چھ سات کو جدا جدا مذہب سلطنت نے تسلیم کیا ہوا ہے۔ شروع میں ہی ترکی سلاطین نے اپنی رعایا کو مسلم اور غیر مسلم دو حصوں پر تقسیم کر کے غیر مسلم رعایا کی اقسام کو بلحاظ مذہب ملتیں قرار دیدیا تھا۔ ۱۸۳۹ء تک چار غیر مسلم ملتیں سلطنت تسلیم کرتی تھی۔ یعنی رومن کیتھالک۔ یونانی۔ ارمنی۔ یہودی۔ لیکن اس تاریخ کے بعد پراٹسٹنٹ۔ بلگیرین۔ میرونائیٹ اور نسطورین بھی الگ الگ ملتیں تسلیم کی گئیں۔ سلطان محمد فاتح اور اُسکے جانشینوں نے عیسائی پیٹریارکوں (بطریقوں) کو سلطنت کے بڑے بڑے افسر مقرر کر دیا تھا جنکے ہاتھ میں اپنے مقتدیوں کے بہت سے مذہبی اور ملکی اختیارات ہوتے تھے۔ یہانتک کہ عیسائی بطریق کے مہر کیئے ہوئے خط کے ذریعہ سے ہی کوئی اسکا ہم مذہب بلا تحقیقات قید کیا جا سکتا تھا۔ بطریق ہر وقت والیان ہمایوں کے ممبروں تک رسائی رکھتے تھے اور انکی رائے اُنکے ہم مذہبوں اور مقتدیوں کی نسبت معتبر سمجھی جاتی تھی۔ لیکن ۱۸۳۹ء میں سلطان عبد المجید خان ثانی نے جو گلخانہ میں خط شریف لکھا اس نے عیسائی ملتوں کی طرز حکومت کو بالکل بدل دیا اس نے ان ممالک کے عیسائیوں میں ایک نیا خیال پیدا کر دیا۔ کہ قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہیں اور کہ بطریق کی خفگی اسکے کسی ہم مذہب کو سزا نہیں دلا سکتی۔ اس سے حوصلہ پا کر بلاد عثمانیہ کے عیسائیوں نے اپنے بطریقوں کے ہاتھ سے اپنے حقوق چھیننے میں زور لگانا شروع کیا۔ سب سے پہلے ارمنی میدان میں نکلے اور مدت کی کشمکش کے بعد اُنہوں نے اپنے بطریق سے تمام ملکی اور مذہبی اختیار ۱۸۶۰ء کی ایک صدارت عظمٰی کے حکم کے مطابق لے لئے۔ اس حکم کی رو سے دو مجلسیں بصدارت بطریق قرار پائیں۔ ایک میں پادری مذہبی معاملات کا بہ طریق خود اس قوم کی ایک عام مجلس منتخب کرتی ہے۔ اسطرح کل اختیار اپنی حکومت کا ان قوموں کے ہاتھ میں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس لحاظ سے یہ ترکی کی مسلمان رعایا سے اچھی حالت میں ہیں۔ آرمینیوں کی کامیابی دیکھکر دوسری ملتوں نے بھی اسیطرح کی کونسلیں اپنے قومی انتظام کے لئے قائم کر لیں۔ اور اب ہر ولائیت میں ہر ملت کی ایک ایک ایسی پراونشل کونسل موجود ہے

اگر تمام دنیا میں غیر مذہب قوموں کو غیر مذاہب فاتحوں کے ہاتھ سے یہی رعایتیں حاصل ہوجائیں جو ٹرکی میں مسلمان فاتحان کے ہاتھ سے عیسائی اور یہودی رعایا کو حاصل ہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے بہتر اور کونسی صورت مفتوح ملتوں کے لئے ہوسکتی ہے۔

تبادلہ سکہ۔ تجارت اور دستکاریوں کی کساد بازاری

تبادلہ سکہ مسافر کو قلمروئے ٹرکی میں تبادلہ سکہ کی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کچھ تو چھوٹے سکّے ہی کم ہیں اور کچھ مصنوعی طور پر غلاط کے ارمنی یونانی اور یہودی صرافوں نے کہ جنکی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی دوکانیں قسطنطنیہ کے ہر بازار میں ہیں مصنوعی طور پر یہ مشکل پیدا کر رکھی ہے۔ جیسا کہ میں ایدرنہ کے بیان میں ذکر کرچکا ہوں۔ ایک فرانسیسی پونڈ خوردہ کرانیکا صراف ڈیڑھ غرش یعنے ۳ ر لیتے ہیں۔ اور پھر بجائے چھوٹے چھوٹے سکّے یعنے پیسے دینے کے چرک دیتے ہیں جو پانچ پانچ غروش کے ہوتے ہیں۔ یا مجیدی دیتے ہیں جو بیس غرش کی ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں نے خوردہ دینے میں مجیدی کی قیمت ہی انیس غروش کر رکھی ہے۔ بحالیکہ چرک ۵ غرش کا سکہ ہے۔ مگر اسکے توڑنے میں بھی دس پارہ یعنے دو پیسے لے لیتے ہیں۔ اور ان صرافوں نے ایسا جتھا بنایا ہوا ہے کہ تمام چھوٹے سکّے کچھ کمیشن دے کر ٹرمویے اور غلطہ کے پل اور تمام دوسرے مقامات سے کہ جہاں ایسے سکّے جمع ہوتے ہیں خرید لیتے ہیں۔ اور پھر بھاری کمیشن لیکر لوگوں کو خوردہ دیتے ہیں۔ اس میں یہ بڑے بڑے فریب کرتے ہیں۔ اگر تم پونڈ تڑاؤ گے تو تمہیں چار مجیدی اور چار چرک اور کچھ غرش دینگے۔ ممکن نہیں کہ بلا دوسری کمیشن لینے کے اُن میں سے ایک اور مجیدی کا خوردہ کردیں۔ اگر ٹرمویے پر سوار ہونے لگو اور مجیدی یا چرک پیش کرو۔ تو کنڈکٹر پہلے اُس سکہ کے خوردہ کی کمیشن لیکر پھر ٹکٹ کی قیمت رکھ لیگا۔ کئی دفعہ دوکاندار سے آدھی مجیدی کا سودا لو۔ تو بلا کمیشن باقی مجیدی کا خوردہ دینے میں تامل کرتا ہے۔ پایہ تخت سے باہر

اس سے بھی زیادہ تکلیف ہے۔ گھسے ہوئے سکّے بالکل نامنظور کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے سمرنا۔ روڈس۔ اسکندرونہ میں جہاں کوئی چاندی کا سکّہ توڑا یا تو تانبے کا نیا سکّہ ملا۔ جو قسطنطینہ میں نہیں چلتا۔ اور پھر ہر شہر میں مجیدی۔ غرش اور مٹالک کی قیمت الگ الگ ہے۔ یہ معاملہ اس ملک میں مسافر کو سخت تکلیف دیتا ہے۔ اور بوجہ مختلف سکوں سے ناواقفی کے نقصان بھی ہوتا ہے۔ مینے سنا ہے کہ جنگ روس کے بعد سلطان عبدالحمید خان غازی نے کچھ اصلاح سکّوں کے بارہ میں کی ہے اور کوئی سکّہ ملک سے جمع کر کے ضائع بھی کیا ہے اور اسکی بجائے نیا ضرب کیا ہے۔ بلکہ نئے پارے جو ابھی مضروب ہوئے ہیں اور مروج نہیں ہوئے وہ بھی مینے دیکھے۔ ذات سلطانی نے وہ تمام نوٹ جو جنگ روس کے زمانہ میں ملک میں پھیلے ہوئے تھے قیمت دیکر خرید ے اور تلف کئے۔ جس سے میرا مطلب یہ ہے کہ سکہ کے معاملہ کی جانب باوجود اسقدر مالی مشکلات کے بہت کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ آپ ان مختلف سکّوں کے صرّافوں کی کمیشنوں کو بھی منسوخ فرمادینگے۔ کسی سلطنت کے کاغذ زر یا سکّہ کے تبادلہ کو اسکی رعایا کا منظور نہ کرنا سلطنت کے حکم کی خلاف ورزی کرنا ہے۔

مینے سنا ہے کہ ان صرافوں نے بہانتک رسوخ بڑھایا ہوا ہے کہ بعض محکموں سے لوگوں کی تنخواہیں بڑے منافع کے ساتھ خرید لیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کا مدّاوقاف سے کچھ مشاہرہ مقرر ہے اور کئی ماہ سے اُسے وصول نہیں ہوا۔ وہ حاجتمند ہے۔ وہ صراف کے پاس جاکر اپنے تین یا چار ماہ کے مشاہرات ایک چوتھائی یا ایک تہائی کم قیمت پر فروخت کر دیگا۔ صراف اُسے نقد روپیہ اُسیوقت دیدیگا۔ اب صرّاف کا اس صیغہ کی تنخواہ دینے والے افسر سے ایسا تعلّق ہے کہ وہ اُسے فوراً وصول کرلیگا جس سے شک ہوتا ہے کہ نفع اکیلے صرّاف کے گھر میں نہیں رہتا ہوگا۔ پل غلاط سے گذرتے ہوئے اگر تمہارے پاس جرک ہے تو پل والے محصول کے ایک مٹالک کے ساتھ ایک مٹالک جرک کی تڑوائی بھی کاٹ لیں گے۔ اور اسی طرح ٹریموے والے اور سب اور دوکاندار بھی کرتے ہیں۔ ذیل کے دو واقعات سے معلوم ہوگا کہ خوردہ کا مسئلہ

یہاں کتنا ضروری ہے۔

دوشنالیں قسطنطنیہ سے روانہ ہونیکے دنوں میں مَیں انگریزی سفارت میں اپنے پاسپورٹ پر تصدیق کرانے گیا۔ اور بارہ غروش ادا کرنیکے لئے ایک مجیدی دیا تو اُنھوں نے بیس پارہ یعنے ایک آنہ مجیدی توڑنے کا عوض رکھکر باقی خوردہ واپس دیا۔ اسی طرح جیب میں نے واپسی پر جہاز کا ٹکٹ لیا تو اسکی قیمت ایکسو دس ۱۱۰ غروش تھی۔ لیکن پونڈ کا بقایا دینے میں جہاز کے دفتر نے اتنا تامّل کیا کہ ٹکٹ کا دام واپس کرنے کو آمادہ ہوگیا۔ جب تک کہ مینے بقایا خوردہ اپنے پاس سے نہ دیا مینے سنا تھا کہ پچیس سالہ جشن سلطانی کی تقریب پر جو بہت سے نئے سکے یہاں مضروب ہوئے وہ سب صرافوں نے لے لئے تاکہ بازار نہ بگڑ جائے۔ بہت لوگ چاندی اور سونیکے سکوں کو گھسا کر کم وزن کر دیتے ہیں۔ مجھے ایک روز ایک ایسا نصف پونڈ ایک یونانی صراف نے دیدیا۔ مگر چونکہ مجھے یہ ایک کتب فروش نے لیکر دیا تھا۔ اُسی نے دوسرے روز بدلوا دیا۔

ترکی سکوں کے نام اور قیمتیں ترکی سکے تینوں قسم کے سونے چاندی اور میٹل کے ہوتے ہیں۔ میٹل کے بعض سکوں میں بھی سنا جاتا ہے کہ چاندی ملائی گئی تھی جو ظاہرا نظر نہیں آتی۔ قرش کہ جسے عرب غروش کہتے ہیں اور یورپین پیاسٹر ہندوستان کے دو آنہ اور انگلستان کی دو پینی کے برابر ہوتا ہے مگر یورپ کے مختلف ممالک یا ترکی کے سونے کے سکہ کے مقابلہ میں بھی چاندی کے قرش کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔

تفصیل سکہ	برائے نام طلائی قرش	تخمیناً قیمت چاندی کے قرشوں میں	اندازہ قیمت بلحاظ انگریزی اشرفی	اندازہ قیمت بلحاظ ہندوستانی روپیہ
طلائی پانچ لیرہ کا سکہ	۵۰۰	۵۴۰	۴ پونڈ ۱۰ شلنگ ۱ پنس	
" اڑھائی لیرہ کا	۲۵۰	۲۷۰	۵-۵-۲	
" ایک لیرہ	۱۰۰	۱۰۸	۲-۱۸-۰	

تفصیل سکہ	برائے نام طلائی قرش	تخمیناً قیمت چاندی کے قرشوں میں	اندازہ قیمت بلحاظ انگریزی اشرفی	اندازہ قیمت بلحاظ ہندوستانی روپیہ
طلائی نصف لیرہ کا سکہ	۵۰	۵۴	۱۰-۹-۱	
″ چوتھائی لیرہ	۲۵	۲۷	۰-۴-۴½	
چاندی کا مجیدیہ		۲۰	۰-۳-۴ پنس	
″ نصف مجیدیہ		۱۰	۰-۱-۸ ″	
″ چوتھائی مجیدیہ (یا چرک یا بشلک)		۵	۰-۰-۱۰ ″	
″ دوغروش		۲	۰-۰-۴ ″	
″ غروش		۱	۰-۰-۲ ″	
دہات کا سکہ آلتی لک	(قیمت چاندی کے قرش میں	۵	۱۰ پنس	
″ بش لک		۲½	۵ ″	
″ یوز لک (۱۰۰ پارہ)		۱¼	۲½ ″	
″ یری لک (۲۰ پارہ)		½	۱	
″ ارن لک (۱۰ پارہ)		¼	½	
″ ۵ پارہ		⅛	¼	

عموماً استعمال میں یہی سکے آتے ہیں۔ متا لک یعنے دس پارہ جو وہاں پیسہ کا کام دیتا ہے۔ قرش متا لک کلان۔ اڑھائی قرش کا بشلک (چاندی) کا چرک ۵ غرش کا مجیدی چاندی کا چار چرک یا بیس قرش کا۔ لیرہ یعنے ترکی پونڈ (اور نصف پونڈ) سونیکا سو قرش کا۔ لیکن چونکہ لیرہ سونیکا ہے۔ اور اسکی قیمت برائے نام سونے کے سو قرش ہیں جو اصل میں سونے کے قرش موجود نہیں اسلئے چاندی کے (۱۰۸) قرش ملیں گے۔ گو مجیدیہ بیس قرش کا سکہ ہے۔ لیکن پل بر یا سرکاری مطالبات میں ۱۹ قرش کا محسوب ہوگا۔ اس قسم کی پیچیدگیوں سے صرافوں کی چاندی ہوتی رہتی ہے انگریزی پونڈ کے ۱۱۸ قرش ملتے ہیں اور فرانسیسی پونڈ کے ۹۵۔ عجیب بات یہ ہے کہ تمام

قلمروے عثمانیہ میں سکے کی قیمت ایک نہیں۔ مثلاً جب مسافر قسطنطنیہ سے سمرنا میں پہنچتا ہے اور وہاں بیس قرش کا سودا خرید کر ایک مجیدی ادا کرتا ہے تو دوکاندار اسے بارہ قرش واپس لوٹاتا ہے گویا یہاں مجیدی ۳۲ قرش کا ہوگیا۔ اور مختلف اشیاء کی خریداری میں بھی قیمت مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً قہوہ خریدنے میں مجیدی ۲۵ قروش کا ہے، تو افیون خریدنے میں ۲۰ قرش کا۔

وزن مجھے تو صرف اوقہ اور قنطار سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ ٹرکی میں ۱۸۶۹ء سے فرانس کا عالمگیر عشری یعنے میٹرک سسٹم قانوناً جاری ہوگیا ہے۔ اور ترک گو وزن نئے اندازہ پر کرتے ہیں مگر انہوں نے اپنے قدیم اوزان کے نام نہیں بدلے۔ مثلاً:۔

۱۔ کیلوگرام	۱۔ اوقہ
۱۰۔ کیلو	۱۔ بتمان
۱۰۰۔ کیلو	۱۔ قنطار
۱۰۰۰۔ کیلو	۱۔ چیکی

شمار وقت میں عجیب اختلاف جو شخص ہندوستان یا یورپ سے قلمروے عثمانیہ میں پہنچے اُسے پہلے پہل یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ جب اُسکی گھڑی میں صبح کے چھ بجتے ہیں۔ ترک کہتے ہیں بارہ بج گئے۔ بات یہ ہے کہ ترک وقت کو صحیح قاعدہ قدرت کے مطابق غروب آفتاب سے شمار کرتے ہیں۔ اسطرح شام سے لیکر صبح تک اُنکے بارہ بجتے ہیں۔ اور صبح سے شام تک پھر بارہ۔ اور یہ چوبیس گھنٹے ایک دن کے ہوئے۔ یہ تقسیم زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اہل ہند انگریزی طریق اوقات سے مانوس ہیں اُنہیں یہ بات مصر۔ مکہ اور استانبول میں کہ جہاں عثمانی طریق مروج ہے اجنبا معلوم ہوتی ہے مگر چونکہ یورپین یہاں بھی بہت ہیں اور ہر روز آتے رہتے ہیں اسلئے جب یورپین حساب سے وقت بتلاتا ہو تو کہتے ہیں "الآفرنکا" یعنی بطریق افرنجی۔

یہ فرانسیسی محاورہ ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں پھر ترکی طرقہ کو "الانزکہ" کہتے ہیں

صنعت وحرفت کے کارخانے اور دستکاریاں

جیساکہ میں کسی دوسرے مقام پر لکھ چکا ہوں یہاں کا ترسانہ یعنی جہاز سازی کا کارخانہ معہ اپنی تمام شاخوں کے مکمل ہے۔ توپ خانہ کا بھی مکمل "فابریقہ" موجود ہے زیتون برون کے تفنگ خانہ اور رومیر خانہ کا حال بھی مفصل بیان کرچکا ہوں فسخانہ کی کیفیت بھی لکھ چکا ہوں کہ جہاں ٹوپیاں اور بانات فوجی وردیوں کے لئے بنتی ہے۔ بلکہ ہرکہ کے کارخانہ میں بھی قالین۔ بانات اور ٹوپیاں بنتی ہیں۔ اور ان سب کارخانوں میں ہزارہا دستکار اور مزدور کام کرتے ہیں۔ مگر یہ سب سرکاری ہیں۔ رعایا کے کارخانوں اور مشترک کمپنیوں کا کچھ ذکر نہیں صرف ایک چینی برتنوں کا "جام فابریقہ" اور بعض کارخانے مٹی کے پختہ نلکوں وغیرہ کے ہیں۔ اسکے اریں دستی کام کرنیوالے کئی ریشم کے کارگاہ ہیں کہ جنمیں چاتمہ نامی ایک قسم کا نہایت نفیس لباس تیار ہوتا ہے اور ریشم کے چارشف (برقعے یا چادریں) بنتی ہیں۔ کپڑے اور چمڑے پر اعلیٰ درجہ کا زردوزی کا کام بے نظیر ہوتا ہے۔ تولیئے اور مشہور قالین سلطنت کے دوسرے مقامات میں بنے جاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ان محدود دستکاریوں سے کبھی کوئی قوم آسودہ یا دولتمند نہیں ہوسکتی۔

تجارت وحرفت سے بے توجہی

غرض کہ قلمروئے عثمانی میں بھی مسلمان رعایا کو تجارت اور صنعت وحرفت کے کارخانوں کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ جہاں اس قوم کے ہاتھ میں سلطنت ہے۔ وہاں اسکی حالت اس سے بھی ابتر ہے کہ جہاں یہ سلطنت کھو چکی ہے۔ جہانتک میں معلوم کرسکا ہوں بلحاظ تجارت اور حرفت اور نیز دولت کے (باستثنائے بعض) قسطنطنیہ کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر چند وزرا یا خاندانی امرا اور دس پانچ برائے نام تاجر دولتمند ہوئے تو اس سے قوم کی دولتمندی پر اثر نہیں پڑسکتا۔ بحیثیت مجموعی یہاں مسلمان مفلس ہیں۔ شہر قسطنطنیہ کی تمام تجارت

یونانیوں۔ ارمنیوں یا ممالک غیر کے یورپین تاجروں کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں کا حصر صرف سرکاری ملازمت پر ہے کہ جسکی تنخواہ کی اوسط ۷ پونڈ ماہوار سے زیادہ نہیں جو اس ملک میں صرف زندگی گذار رہنے کے لیئے بمشکل کافی ہے۔ بہت کم دوکانیں ترکوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اگر چند ہیں بھی تو وہ بھی بنیئے۔ بقال۔ کنجڑے۔ قصاب کی ہیں۔ اور وہ بھی گذشتہ فساد ارمنی کے بعد شروع کی ہیں۔ ابتک نانبائی کی زیادہ دوکانیں عیسائیوں کی ہیں جنپر سب مسلمان کھاتے ہیں۔ یہ حال قسطنطنیہ ہی کا نہیں بلکہ تمام قلمروے عثمانی کا یہی حال ہے۔ سمرنا میں تجارت تمام یونانیوں اور دیگر یورپین اقوام کے ہاتھ میں ہے۔ روڈس کا ایک شخص جو اسی جہاز میں سوار تھا جس میں کہ میں تھا وہ بتلاتا تھا کہ تمام تجارت اور کاروبار یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں جو خاصے دولتمند ہیں۔ مگر مسلمان تمام محتاج ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی پیسہ ہے اور نہ تجارت اور دوکانداری۔ دمشق اور بیروت میں بھی مسلمانوں کا افلاس ضرب المثل ہے۔ کیونکہ وہاں کی تمام تجارت بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

اِن حالات پر غور کر کے مجھے یقین ہو گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا افلاس زوال سلطنت کا باعث نہیں۔ بلکہ انکا رفتار زمانہ کے ساتھ نہ چلنے کا موجب ہے۔ کیونکہ ترکوں کے ہاتھ میں ابھی بہت بڑی سلطنت ہے۔ مگر وہ بھی دنیا بھر میں ایک مفلس قوم ہیں۔ اگر مسلمان اپنی کاہلی اور علوم وفنون کیطرف سے بے توجہی نہ چھوڑینگے۔ تو انکی نکبت بھی انکا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ خواہ یہ دنیا کی کسی سرزمین میں چلے جائیں۔ ؎

جہاں گشتم و دردا ہیچ شہر و دیار | نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

مینے دیکھا ہے کہ جن صفات حسنہ سے متصف ہونے کی مسلمانوں کو تاکید ہے اُن سے غیر قومیں بوجہ احسن متصف ہیں۔ اسلیئے اسمیں ذرہ بھی شک نہیں کہ جہانتک وہ قومیں ایفائے عہد۔ محنت۔ جفاکشی۔ سلامت روی وغیرہ صفات پر کاربند ہیں اتنا حصہ مسلمانی کا ان میں ہمسے بہتر ہے اور جو اسکا ثمرہ ہونا چاہیئے وہ بھی ان

لوگوں کو ہم سے بہتر پل رہے ہیں۔ خدائے بزرگ و توانا رب العالمین ہے۔ اُسے کسی خاص قوم سے الفت نہیں مگر اپنے اچھے بندوں سے جو سعی کرتے ہیں اُنکی وہ بھی مدد کرتا ہے۔ یہ قدرت کا ایک موٹا سا اصول ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے ؎

بقدر الکدّ تکتسب المعالی　　ومن طلب العلی سہر اللیالی
یغوص البحر من طلب اللآلی　　ویحظی بالسیادۃ والنوالی
ومن طلب العلیٰ من غیر کدٍّ　　اضاع العمر فی طلب المحال

مگر افسوس کہ آج مسلمان دنیا بھر میں محنت نہ کرنے یا صحیح پیرایہ میں محنت اور جد و جہد نہ کرنے کی بدولت ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ بیشک "الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب" سے دنیا کی دولت مراد ہے لیکن وہ دولت جو صرف محبت زر کیلئے جمع کیجائے۔ اور جس سے کہ اپنی ذات یا دوسروں کو کچھ منفعت نہ پہنچے۔ لیکن جس دولت سے تم یتیم و بیوہ کی مدد کر سکو۔ جس سے قحط زدہ کی جان بچا سکو۔ جس سے کوئی مدرسہ یا مکتب قائم کر کے علم کا نور پھیلا سکو۔ جس سے قوم کی عزت قائم رکھ سکو۔ کیا وہ دولت بھی مردار ہے اور اُسکے طالب کتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو۔ ان میں بڑے بڑے دولتمند اور فیاض لوگ گذرے ہیں۔ جنکے "پل و مسجد و چاہ و مہمانسرا"۔ ابتک موجود ہیں۔ اگر ان کے پاس دولت نہ ہوتی تو یہ کام کسطرح بنا سکتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ضرور دولت پیدا کرو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ دنیا میں عزت کی زندگی گذارو۔ خود بھی آسودہ رہو اور اپنے ساتھیوں کو بھی آسائش بہم پہنچا سکو ؎

من نگویم کہ کنوں با کہ نشین و چہ بنوش
کہ تو دانی گر زیرک و عاقل باشی

ترکوں کا افلاس

شہر میں کم از کم چھ ہزار مکانات ایسے لوگوں کے ہوں گے جو عسکری (فوجی) اور ضباط (پولیس) اور ملازمین سلطنت پانچ چھ لیرہ ماہوار پر ملازم ہیں اور تین چار لیرہ ماہوار کی خوراک سرکار سے

پاتے ہیں۔ اسپر کسی عیالدار کا کیا گذارہ ہو سکتا ہے۔ ایک روز ایک بڈھے ترک نے جو فوجی ملازم تھا مجھے بتلایا کہ قسطنطنیہ میں تمام تجارت اور دوکانداری عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے جس سے مسلمان مفلس اور عیسائی دولتمند ہیں۔ مسلمان سوائے فوجی ملازمت کے کچھ جانتے نہیں۔ ایک مسلمان سلطنت میں یہی مسلمانوں کا یہ حال دیکھکر واقعی افسوس ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں نہ قابل ذکر تجارت اور نہ دستکاری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسا شہروں کا حال ہے اس سے بدتر دیہات کا ہے۔

دیہاتی ترکوں میں دستکاری کا فقدان

ڈبلیو ایم رامزے صاحب ڈی سی ایل۔ ایل۔ ایل۔ ڈی کی کتاب "امپریشنز آف ٹرکی ڈیٹورنگ" ڈبلیو سیریس" "وانڈرنگس" کے یہ جملے میرے خیال کی تائید کرتے ہیں۔

"معدودے چند دستکاریاں جو ٹرکی میں مروج ہیں سب عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر گانوں میں کسی ترک کا گھر جھونپڑے سے کسیقدر اچھا بنا ہوا نظر آئے تو وہ سمجھنا چاہیئے کہ یونانی (عیسائی) معمار نے بنایا ہے۔ اگر کسی ترکی موضع میں ایک چشمہ (فوارہ) کی ضرورت ہو تو یونانی معمار سے بنوایا جاتا ہے سو اس کے بہت عمدہ سلجوقی (اسلامی) مدرسہ پر اسکے تعمیر کرنیوالے یونانی معمار کالو یانس کا نام کندہ ہے۔ اور اسی طرح تمام تجارت دستکاری یہانتک کہ ذخیروں کے لیجانے اور لانے کا کام بھی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ خچر والا عموماً اور شتربان ہمیشہ ترک یا ترکمان ہوتا ہے۔ لیکن اس مال لدجانور دونوں کا مالک یقیناً عیسائی ہوتا ہے۔ ترک اگر محنت مزدوری کرے بھی تو وہ سوائے محض مشقت کا کام کرنیکے سکلڈ لیبر (لیاقت کا کام کرنا نہیں جانتا اور شاذ ہی کوئی دستکاری کا کام سیکھتا ہے۔ صرف چند اضلاع میں جہاں قدیم الایام سے کچھ دستکاری کا دستور چلا آتا ہے۔ تم ترکوں کو ایسے کاموں میں مصروف دیکھوگے۔ لیکن جو شخص غور کی نظر سے دیکھیگا وہ شناخت کرلیگا کہ یہ لوگ محض قدیم باشندوں کی نسل سے ہیں کہ جنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یتانہ میں

میں نے ایک لائق اور مستعد اور دولتمند ترک کو دیکھا مگر وہ شکل صورت اور قومیت سے صاف ترکی النسل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایک عیسائی پادری کیمیشئین موضع کے گرد کسی قسم کی فصل پائی جاتی ہے۔ کتنی قسم کی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مکھن بنایا جاتا ہے۔ اور انواع اقسام کی غذا اور خوراک پیدا کرنیکے لئے کچھ کاریگری اور عقل خرچ کیجاتی ہے لیکن ترک کی زندگی کی ایک ہی غرض یعنے سپاہی بننا چلی آئی ہے۔ اور جبکہ وہ جبراً فوج میں بھرتی کئے جانے سے یا افلاس اور قرض کے پنجہ سے مجبور ہو کر سمرنا یا استانبول میں جاکر مزدوری کرنے سے بچ رہے تو وہ بالکل بیکار رہکر زندگی گذار دیتا ہے۔ عورتیں زیادہ تر ان کی پرورش کرتی ہیں۔ وہی کھیت کیار کا زیادہ کام کرتی ہیں جو نہایت مختصر ہوتا ہے۔ اور یہ بچے کھلاتے ہیں۔ یا کبھی کبھی جرابیں بن دیتے ہیں۔

خیر میں اس بات کا تو قائل نہیں کہ شہری ترک ایسے گئے گذرے اور کاہل ہیں۔ کہ نکمے اور بیکار پڑے رہتے ہیں۔ شاید دیہاتی ترکوں کی حالت مبالغہ کا نمک مرچ لگاکر اس عیسائی مصنف نے بیان کی ہو۔ تاہم اُنہوں نے دستکاری اور تجارت کیطرف کچھ توجہ نہیں کی۔ اور اب اُنکے حالات بھی ایسے ہیں کہ اُنہیں ادھر متوجہ ہونے اور کامیاب ہونے میں دیر لگے گی۔

جنگی حالت جہاز سازی و توپ سازی کے کارخانے اور سلطنت کے دیگر اعلےٰ محکمہ جات

سابقہ جنگی حالت کی تاریخ

یہ قوم جو چھ سو سال سے یورپ کے اس حصہ پر حکمران ہے بہت اچھے دن دیکھ چکی ہے۔ یہانتک کہ پہلے چار سو سال میں اسکے اسلحہ سے یورپ میں بمشکل امان ملتی تھی۔ یورپ کے بڑے سے بڑے قیصر ترک سلطان کے صدر اعظم کی دوستی کو اپنے لئے مایہ فخر سمجھتے تھے۔ مگر ہر کمال کیلئے زوال ہے۔ آخر ترکوں کی حکومت میں بوجہ سلاطین کی عیش پسندی اور قوم کی جہالت کے

زوال آنے لگا اور اب دو سو سال سے یعنے ۱۶۸۳ء میں ویانا کی دیواروں کے باہر شکست
کھانیکے بعد برابر ترکی سلطنت کے کمزور حصے اس سے ٹوٹ ٹوٹ کر منتشر ہو گئے ہیں جس
زمانے میں ترک زبردست تھے تو یورپ کی قومیں بھیگی بلّی بنی ہوئی تھیں۔ مگر بحکم آیہ کریمہ
"تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ" اب ترکی کی زیر دستی اور اقوام یورپ کی طاقت کا
زمانہ آگیا ہے۔ ؎

دورِ مجنوں گذشت و نوبتِ ماست ہر کسے پنج روز نوبتِ اوست

ترکوں کی منتہائے ذلت کا زمانہ سلطان عبدالعزیز مرحوم کا قتل ہونا سلطان مراد کا
بوجہ دیوانگی تخت سے علیحدہ ہو کر سلطان عبدالحمید خان غازی کا تخت پر متمکن ہونا
اور ایک عظیم الشان جنگ میں روس سے شکست کھانا تھا۔ ہر چند کہ جنگ کریمیا کے
قرضہ سے چھ سات ملین پونڈ کے قریب پہلا قرضہ بھی سلطنت کے ذمہ باقی تھا۔
لیکن ڈیڑھ سو ملین پونڈ قرضہ سلطان عبدالعزیز نے اپنے پندرہ سولہ سال کے عہد
حکومت میں بڑھا لیا تھا۔ اور اب جنگ روس میں شکست فاش کھانے سے نہ ترکی
فوج کا ہی شیرازہ بگڑ گیا تھا۔ بلکہ ترکی خزانہ خالی تھا۔ اور نہ صرف خزانہ خالی تھا بلکہ ملک کا
اعتبار بھی یورپ کے سرمایہ داروں کی نظروں میں کچھ نہ رہا تھا کہ اور قرضہ مل سکے۔ یورپ
کی دولتوں نے ٹرکی کی اس حالت زار کو دیکھکر اسکا نام مرد بیمار رکھدیا تھا اور واقعی
مرد بیمار جس شخص کے اتنے اعضا کاٹے جائیں جتنے کہ یونان۔ سرویا۔ رومانیا۔
مانٹی نیگرو۔ بلگیریا۔ مصر۔ کریٹ وغیرہ وغیرہ کی صورت میں سلطنت ٹرکی کے
جسم سے کاٹے گئے ہیں۔ اسکے بیمار ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر اس نازک وقت میں
ترکوں نے جس شخص کو اپنا سلطان بنایا تھا اسکو خداوند کریم نے غیر معمولی انتظامی
قابلیت بخشی تھی۔ باوجودیکہ اس بے سروسامانی کی حالت میں روس کے جنگ کا
عظیم تاوان بھی ترکی کے زار و نزار جسم پر بار کر دیا گیا تھا۔ مگر نوجوان سلطان صرف امن
اور مہلت کا خواستگار تھا۔ اس نے دیکھا کہ مریض کے اعضائے رئیسہ سلامت ہیں
یا دوسرے الفاظ میں مادہ کافی موجود ہے لیکن کسی اعلےٰ درجے کے کاریگر ہاتھ کی

ضرورت ہے۔ اور اس نے اس نہائی صدی میں جو اُس ہولناک ہنگامہ سے ابتک گذری ہے دنیا پر ثابت کردیا کہ وہ ضرور نہایت قابل کاریگر ہے۔

مالی اصلاح

سلطان عبدالحمید خان غازی نے سب سے پہلے اپنی توجہ دو امور کی جانب منعطف کی۔ ملک کی مالی حالت کی اصلاح اور فوجی حالت کی تقویت۔ اور تنظیم۔ ہرچند کہ دولت عثمانیہ کے سالانہ محاصل (اٹھارہ اُنیس ملین پونڈ) (عثمانی لیرہ) سے زیادہ نہیں (عثمانی لیرہ یعنی پونڈ۔ انگریزی پونڈ سے قریب ۱۰ اغروش یعنے سوا روپیہ سے کم ہوتا ہے)۔ لیکن دوراندیشی۔ کفایت شعاری اور سخت کوشش کے ساتھ سلطان عبدالحمید خان نے نہ صرف آئندہ قرضہ لینے سے اجتناب کیا بلکہ پچھلے قرضہ کے ادا کرنیکا مستقل بندوبست کردیا۔ اب ترکوں کا قومی قرضہ اتنا زیادہ نہیں رہا جو بمقابلہ دیگر دول یورپ کے قومی قرضوں کے بہت زیادہ معلوم ہو۔ تاہم اُسکی ادائیگی کے اس قسم کے انتظام اور وعدے کئے گئے ہیں کہ بخلاف دیگر دول عظام کے قومی قرضہ

قومی قرضہ کی ادائیگی

ساتھ ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ صرف دولت عثمانیہ کے قرضہ کے انتظام کے لئے قسطنطنیہ میں ایک بڑا محکمہ بنام "دیون عمومیہ" ایک بڑی عالیشان عمارت میں استنبول کی ایرانی سفارت کے قریب قائم ہے اور اسکی شاخیں تمام سلطنت میں بعض مقررہ ٹکس جمع کرنیکے لئے مقرر ہیں جو انکے ایجنٹ جابجا وصول کرتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ اس عمارت کا خرچ اور محکمہ کی تنخواہ اس قرض کے اور بھی بھاری کرنے میں معقول مدد دیتے ہونگے۔ دیون عمومیہ کی ادائیگی کے لئے سلطنت نے اسٹامپ۔ نمک۔ ریشم۔ سپرٹ۔ مچھلی۔ اور کچھ حصہ تمباکو کے محصول کا علاوہ مشرقی رومیلیا۔ جزیرہ سائپرس اور بلگیریا کے خراج کے مخصوص کیا ہوا ہے۔ جس سے قرضہ ۱۸۸۱ء سے ابتک سلسلہ وار کم ہو رہا ہے۔ وسط ۱۹۰۴ء میں بقول اسٹیٹسمین ایئر بک کل قرضہ کی مقدار ۹ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ چون ہزار اکتیس پونڈ تھی۔ علاوہ اسکے تیس چالیس لاکھ پونڈ کا ایک اَور قرضہ ہے اور ساڑھے تیس لاکھ پونڈ سالانہ روس کو تاوان جنگ کے طور پر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس ترقی زمانہ میں جبکہ

دیکھا جاتا ہے کہ دنیا کی کل باقی دول عظام کا قرضہ بھی کچھ کم نہیں۔ ٹرکی کو باوجود ان تمام عیوب کے جو اسکے سر پر تھوپے جاتے ہیں، اور باوجود ان تمام جنگوں کے جو اُسے ہر روز کرنے پڑتے ہیں۔ بہت زیادہ مقروض نہیں پایا جاتا۔

دول یورپ کے قرضے

مثلاً ۱۸۹۸ء میں روس کا قومی قرضہ (۹۴۳۷۰۰۰۰۰) پونڈ تھا۔ فرانس کا (۱۰۸۲۳۲۷۹۶) پونڈ جرمن کا (۴۳۰۷۵۹۱۹۵) پونڈ۔ اٹلی کا (۵۱۶۲۹۷۳۹۲)۔ اور آسٹریا کا (۳۴۸۷۶۲۴۴۸۰) پونڈ تھا۔

آجکل جبکہ یورپ کی تمام اول اور دوم درجے کی دولتیں فوجی اسلحہ کے بڑھانے اور جنگی قوت کے مضبوط کرنے کے لئے برابر قومی قرضے لے رہی ہیں سلطنت ٹرکی

جدید فنّ حرب میں کامیابی

اس ۲۵۔۳۰ سال کی حکومت میں نہ صرف ایک حبہ آئندہ استقراض نہیں کیا۔ بلکہ کئی ملین قرضہ اپنے محاصل سالانہ سے ادا کر دیا ہے۔ مگر باوجود اسکے بھی ٹرکی اپنی فوجی طاقت کیطرف سے ذرہ غافل نہیں رہی۔ بلکہ اسکا سب سے بڑا کام فوجی قوت کو مضبوط کرنا ہے۔ کہ جسکا کسی قدر ثبوت گذشتہ جنگ یونان کے موقع پر یورپ کے ملٹری نکتہ چینوں کو ملگیا ہے۔ ایک ترک نے مجھ سے بیان کیا کہ لڑائیاں تو ہم ہر روز لڑتے رہے ہیں۔ اور جنگ ترکوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن یورپ کے جدید ترین طریقہ حرب کے اصول وقوانین کے مطابق ہمنے یہ پہلی لڑائی لڑی ہے۔ اور اس میں ایک نقطہ بھی غلط نہیں کیا۔ اس نے کہا بے شک ابتک ہماری فوج میں جرمن اُستاد موجود ہیں۔ لیکن اب وہ اُستاد بھی قائل ہیں کہ ہم اُنسے فنون حرب میں کم ماہر نہیں رہے۔ تاہم اس شخص نے مجھے بتلایا کہ "یونیورسٹی" میں۔ یورپ میں صرف جرمن فوج ہمسے ایک پائینٹ آگے ہے لیکن طبعی جسارت اور بہادری میں ترکی سپاہی جرمن سپاہی سے دو پائینٹ آگے ہے۔ یورپ کی دوسری قومیں جنمیں روس بھی شامل ہے۔ کیا طرق جنگ میں اور کیا بہادری میں ہم سے پیچھے ہیں۔

اس وقت کل ترکی فوج دس یا بارہ لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سوائے ارکانِ سلطنت اور ذات سلطانی کے کسی شخص کو ترکی فوج کی صحیح مقدار معلوم نہیں۔ کیونکہ اسکے متعلق کوئی اطلاع شائع نہیں کیجاتی۔ اور نہ کسی قسم کی آمد و خرچ کے حساب شائع کئے جاتے ہیں۔ مینے ہر کسی سے اس مطلب کی مطبوعہ واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مجھے لوگوں سے معلوم ہوا کہ ان امور کو راز سلطنت قرار دیا گیا ہے اور یہی مصلحت ہے۔

برّی و بحری فوج

تاہم جو حالات فوج کے متعلق زبانی معلوم ہوئے اُنکے مطابق ترکی فوج اتنی نہیں جتنی کاغذات میں درج ہے کیونکہ کاغذات کے رو سے اسوقت ترکی فوج بوقت امن ایک لاکھ ۹۰ ہزار سپاہی اور ۱۲ ہزار افسر بتلائی جاتی ہے۔ اور بوقت جنگ دس لاکھ کی جمعیت جمع ہو سکتی ہے مگر مینے سنا ہے کہ سترہ لاکھ فوج جرار سلطنت عثمانیہ بوقت ضرورت ماسر اور ہنری مارٹینی بندوقوں سے مسلح جمع کر سکتی ہے۔ اور اسلئے فوج کا خرچ اتنا زیادہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ بحری طاقت کی ترقی کی طرف توجہ نہیں کر سکتی۔ تاہم جسقدر روپیہ کسی نہ کسی طرح یہ سلطنت حاصل کر سکتی ہے۔ آجکل بحری طاقت کی اصلاح کے لئے ہی دیا جاتا ہے۔ بحری فوج میں کاغذات کی رو سے کل اڑھائی ہزار افسر اور پندرہ ہزار آدمی ہیں۔ لیکن بوقت جنگ یہ دُگنی سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ آجکل آٹھ اور دس لاکھ پونڈ کے درمیان بعض آہن پوش جہازوں کی مرمّت کے لئے دیا گیا ہے۔ جو اٹلی اور جرمنی کے بعض جہاز بنانے کے کارخانوں میں مرمّت ہو رہے ہیں اور اخبار اقدام میں مینے دیکھا تھا کہ سات آٹھ لاکھ پونڈ کے مابین اٹلی کے ایک کارخانہ میں بعض جہازوں میں نئی توپیں رکھنے کے لئے ٹھیکہ دیا گیا ہے۔ جو ۳-۴ ماہ کے بعد ۸۰۔ ۸۱ ہزار پونڈ کی اقساط میں دیا جاویگا۔ تاہم جسقدر بے پرواہی ترکوں نے اپنے جنگی جہازوں سے برتی ہے اُتنی تارپیڈو شکن کشتیوں اور زیر آب چلنے والی کارٹون فلٹ کشتیوں سے نہیں برتی۔ کیونکہ انکی حالت اچھی بیان کی جاتی ہے۔

گورنمنٹ ٹرکی خراج کے علاوہ بطور عشر کے جو چھوٹی چھوٹی رسوم زمینداروں سے لیتی ہے۔ وہ کل ملا کر پیداوار کے ۱۵ ۱/۲ فیصدی کے برابر ہوتی ہیں۔ جو ہرگز بھاری نہیں ہیں۔ اور آمدنی کا ٹکس جو بطور تمتع ورغی کے مشہور ہے ۳ فیصدی ہوتا ہے لیکن اسکی تعمیل ایسے طور پر ہوتی ہے کہ بہت لوگ اسکی ادائیگی سے بچ رہتے ہیں۔ علاوہ ان ٹکسوں اور خراجوں کے غیر مسلم لوگ جو فوجی ملازمت سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہر (۱۸۰) جوان مردوں کے پیچھے ۵ ہزار غروش یا سوا چھ سو روپے بطور بدل عسکری کے دیتے ہیں۔ اسکے علاوہ بھیڑوں کا ٹکس ۱ ۱/۲ سے ۴ غروش تک ہے۔ اور اسٹامپ۔ نمک۔ ریشم۔ تمباکو وغیرہ پر علیحدہ ٹکس ہے جنکی صرف ۸ فیصدی درآمد پر اور ایک فیصدی مال کی برآمد پر ہے۔ اور کچھ میونسپلٹی کے ٹکس علاوہ ہیں۔

خراج

لیکن واضح رہے کہ تمام یورپین لوگ جو قسطنطنیہ میں رہتے ہیں اور جو ہزارہا ہیں ہر قسم کے ٹکسوں سے محفوظ ہیں۔ ۹۸-۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ عثمانیہ کے محاصل (۱۸۵۱۱۰۰۰) پونڈ۔ اور مخارج (۱۸۴۳۰۰۰۰) پونڈ تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ باب عالی اپنی مالی کیفیت شائع کرنا بعض وجوہ سے نامناسب سمجھتا ہے۔

ہر مرد مسلمان سپاہی ہے

ٹرکی فوج خواہ کتنی ہو۔ آجکل سلطنت ٹرکی میں کونسکرپشن سے بھرتی کرنیکا طریقہ مروج ہے۔ کل آبادی اس سلطنت کی ۲۲ ملین نفوس ہے۔ اس میں سے تخمیناً نصف عورتیں خارج کرنے سے باقی گیارہ ملین کا نصف تخمیناً مسلمان مرد سمجھ لیجئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ آئندہ آٹھ سال میں ایک بھی مسلمان جوان شخص قلمروئے عثمانیہ میں ایسا نہ رہیگا جو طریقہ جنگ سے واقف نہ ہو۔ اور میدان میں بطور باقاعدہ فوج کے نہ لڑ سکے۔ بیس سال کی عمر کا ہر شخص مسلمان فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔ اور ۹ سال نظام میں خدمت کرکے ردیف یعنی ریزرو میں ۹ سال کے لئے چلا جاتا ہے۔ اور کل بیس سال تک فوجی خدمت کا ذمہ دار رہتا ہے۔ صرف خاص شہر قسطنطنیہ کے لوگ اس خدمت سے بری ہیں۔

یا تمام عیسائی رعایا جو ہر مرد کے پیچھے ۱۰ شلنگ سالانہ کے قریب بدل عسکری ادا کرتی ہے۔ اسکے علاوہ تمام مذہبی مدرسوں اور مسجدوں کے طالب علم جو ایک خاص امتحان کتب مذہبی میں پاس کر سکیں سفید پگڑی باندھنے پر فوجی خدمت سے معاف کئے جاتے ہیں۔ پھر وہ لوگ بھی فوجی خدمت سے معاف کئے جاتے ہیں جو اپنی ماں یا بیوی یا بہن یا بوڑھے باپ کے اکیلے ہی متکفل ہوں۔

ترکی فوج کی عزت صرف اُسکی مقدار پر ہی منحصر نہیں بلکہ زیادہ تر اُسکی کیفیت پر اسکا مدار ہے۔ ترک صرف دنیاوی پیرایہ میں ہی سلطنت بانی نہیں کرتے۔ بلکہ اسکی دینی صورت بہت اچھی طرح تسلیم کرتے ہیں۔ سلطان وقت کو

ترک ہر جنگ کو مذہبی جنگ سمجھتے ہیں

خلیفۃ المسلمین۔ جانشین تخت رسول رب العلمین اور محافظ حرمین شریفین ماننا جزو اعتقاد سمجھا جاتا ہے۔ مینے شہر قسطنطنیہ میں بیسیوں مکانات میں یہ لوح جلی قلم سے خوشخط آویزاں دیکھا ہے "دعائے سلطان سبب غفران"۔ اور اسپر اضافہ ہے کہ جب ترک عیسائیوں سے جنگ کرتے ہیں تو ہمیشہ اسے مذہبی جہاد باور کر کے میدان میں جاتے ہیں۔ میدان میں "اللہ! اللہ!" کا نعرہ زور شور سے اتنک "ہجوم" یعنے دھاوے کے وقت بلند کیا جاتا ہے۔ گذشتہ جنگ یونان کے موقعہ پر جو اعلان حرب باب عالی سے شائع کیا گیا تھا۔ اس میں یہ الفاظ بھی تھے کہ "خدائے تعالیٰ کے فضل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی مدد سے ہمیں فتح حاصل ہوگی"۔

ترکوں کی جنگی قابلیت

ایک روز مصطفےٰ انوری صاحب ایک ترک افسر نے جنگ یونان اور گذشتہ جنگ روس میں اپنی شرکت کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ جنکا ماحصل یہ تھا کہ مسلمان (ترک) بڑے بہادر ہیں۔ یورپین مدبر اور ماہران فنون جنگ کہتے تھے کہ درہ پلونا سے ترکی فوجیں تین ماہ سے کم مدت میں اور ایک لاکھ سپاہی تلف کرانے کے سوائے نہیں گذر سکیں گے لیکن صرف سوا ہزار فوج میدان جنگ میں پہنچگئی کہ جسکے کچھ حصہ نے ۱۲ گھنٹہ میں درہ پلونا کا

سر کر لیا۔ اور ان میں سے بہت تھوڑے آدمی شہید ہوئے۔ دستور ہے کہ حملہ کرنیکے وقت ترک سپاہی "اللہ! اللہ!" کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ گذشتہ جنگ یونان کے موقعہ پر جب ان نعروں سے میدان جنگ گونج گیا تو یونانی لشکر ڈر کر بھاگ گیا۔ روس کے جنگ کے متعلق بتایا کہ ترکوں کی ایک رجمنٹ نے روسیوں کی دس دس رجمنٹوں کو کاٹ کر رکھدیا تھا۔ آدمی کاٹتے کاٹتے ترک سپاہیوں کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ بیان کیا کہ ایک دفعہ میں ایک روسی کمانڈر کے پاس ایک پیغام لیکر گیا تھا۔ اُس نے کہا کہ تمہارے سپاہی گدھے ہیں کہ اگر ایک ہزار بھی ہوتے ہیں تو دس پندرہ ہزار روسی سپاہیوں پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے بحالیکہ انکی موت یقینی ہوتی ہے۔ مینے جواب دیا کہ ہماری مذہبی تعلیم یہ ہے کہ موت وقت مقررہ سے ایک دم نہیں ٹل سکتی۔ اور نہ مقام مقررہ سے آگے پیچھے ہو سکتی ہے۔ اسلئے ہم لوگ اس اطمینان سے دشمن پر حملہ کرتے ہیں کہ اگر موت لکھی ہے تو کسیطرح ٹل نہیں سکیگی اور اگر نہیں لکھی تو ہمیں کوئی مار نہیں سکتا۔ روسی افسر نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہی عقیدہ تمہارے تمام عسکریوں کے دلوں میں بھی جاگزیں ہے۔ اور جب مینے "ہاں" میں جواب دیا تو اس نے کہا کہ اگر میرے پاس ایسی فوج ہو تو میں شرطیہ تمام یورپ کو فتح کر لوں۔ اس روسی افسر نے کہا کہ اگر روسی فوج کو ایک روز مقررہ مقدار راشن سے کوئی چیز کم ملے یا شراب کی مقدار مقررہ ہی نہ ملے تو اس بیضابطگی کو ناپسند کرکے ہتھیار رکھدیتے ہیں۔ لیکن بمقابل اسکے ترکی سپاہیوں کو اگر روکھی روٹی بھی نہ ملے تو آخری دم تک لڑتے ہیں۔ کیونکہ وہ جنگ کو دنیاوی نہیں بلکہ ایک مذہبی کام سمجھتے ہیں۔

موجودہ جنگی حالت

ایک اور نوجوان ترک جنگی افسر نے کہ جس نے یورپ میں فنون حرب کی تعلیم پائی ہے۔ مجھے یقین دلایا کہ اسوقت ترکی فوج سے صرف جرمن فوج فنِ جنگ میں فائق ہوگی۔ لیکن بہادری میں ترکی فوج یقیناً اس سے فائق ہے۔ بخلاف گذشتہ جنگ روم و روس کے زمانہ حال کے نوجوان فوجی افسروں کے سینوں میں ملک و قوم کی محبت کا جوش موجزن ہے۔ فنونِ جنگ

کی باریکیوں سے ترک خوب ماہر ہیں۔ اور اب اُنکے اسلحہ بھی کسی یورپین قوم سے دوم درجہ کے نہیں۔ اُس نے کہا کہ ہم مٹی سے لوہا بنا سکتے ہیں۔ اب صرف ہمیں مہلت اور وقت کی خواہش ہے انشاء اللہ وقت پر ہم اپنی بات کے سچے ثابت ہونگے۔

ہر طرف شاندار فوجی وردیاں

غرض ایسے ہی عقیدہ کی وجہ سے ترک یورپ کی عیسائی سلطنتوں میں بتیس دانتوں میں زبان کیطرح ابتک موجود ہیں ورنہ انکا یورپ سے مدت سے نشان اُٹھ گیا ہوتا۔ قسطنطنیہ میں نووارد شخص کو ہر طرف سوائے الواع و اقسام کی فوجی وردیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان میں سے اکثروں پر طلائی ڈوری کا کام کثرت سے ہوتا ہے اور یہ لوگ ہر وقت وردی پہنے رہتے ہیں کہ جنمیں سے اکثروں کے سینوں پر ایک یا کئی تمغے چمکتے نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں۔ قہوہ خانوں میں۔ دفتروں میں سٹیشنوں میں افسرانہ فوجی وردی پہنے شمشیر کمر میں لٹکائے ہر روز ہزاروں ترک نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کی حکومت خالص ملٹری حکومت ہے۔

فوج کی اصلاح کے متعلق ایک بڑی بات جو ہز میجسٹی سلطان عبد الحمید خان کو سوجھی ہے وہ حمیدیہ آلائی کی ترتیب ہے۔ یہ فوج ۵۰ ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہوگی۔ جو یمن حجاز اور بغداد کے صحرا نشین عربوں سے بھرتی کیگئی ہے۔ یہ بادیہ نشین لوگ قدرتی سپاہی ہیں۔ اور انکے بھرتی ہونے سے نہ صرف عرب کے عشیرتوں پر ہی ٹرکی کا قبضہ مضبوط ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ بوقت ضرورت بڑے کام کی فوج ثابت ہوگی۔ اور اپنے بانی کے لئے بڑی وسعت نظر و پیش بینی کا ثبوت دیتی ہے۔ اسی خیال کے مطابق سلطان المعظم نے گذشتہ دس سال سے اپنی جیب خاص کے خرچ سے ۱۳۰۸ سے (۱۷۰۵۲۳) غرش کی مستقل لاگت سے استنبول میں ایک مدرسہ عشیرت قائم کر رکھا ہے۔

نمبر ۸ ساعامر دھیرہ بحری

چونکہ پچھلے دنوں سلطنت ٹرکی نے اپنے آٹھ جنگی جہازات مرمت کے لئے بعض یورپین ملکوں میں بھیجے ہیں۔ اس سے

خیال پیدا ہوتا ہے کہ ترک ان جہازوں کی خود مرمت نہیں کر سکتے۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ استانبول میں ایک بہت بڑا کارخانہ سرکاری جہازوں کی مرمت کرنے اور اور نئے جہاز تیار کرنیکے لئے موجود ہے۔ اسے ترسانہ کہا جاتا ہے۔ اور ایک اس سے چھوٹا ترسانہ سمرنا میں ہے۔ مینے قسطنطنیہ کا ترسانہ دیکھا۔ اس میں ایک حصہ جنگی جہاز تعمیر اور مرمت کرنیکا ہے اور دوسرا توپیں اور گولے ڈھالنے کا۔ میں سید عبدالغفار صاحب کے ہمراہ پہلے نظارت امور بحریہ میں گیا۔ یہ بڑی عالیشان سہ منزلہ عمارت ہے۔ بیچ میں ایک مربع صحن شیشہ سے مسقف ہے۔ اس صحن کے گرد دوسری منزل میں رفیع ستونوں پر استادہ ہے۔ جنمیں سے ہر ستون سنگ مرمر کے چار ستونوں کے جوڑنے سے بنا ہے۔ وسط صحن میں وضو کرنیکا سنگ سفید کا مسقف حوض ہے۔ یہاں سے ترسانہ قریب ہی ہے۔ یہاں نائب مدیر معاون صاحب نے مہربانی کر کے ہماری قہوہ سے تواضع کی اور ایک ماتحت افسر ہمیں ترسانہ کے مختلف صیغے دکھلانیکے لئے ساتھ کر دیا۔ ترسانہ کے افسر علے حسنی پاشا ایک تجربہ کار آدمی ہیں جنہوں نے یہیں کے بحری کالج میں تعلیم پائی ہے۔ ان دونوں قسم کے کارخانوں پر جو ترک افسر مقرر تھے۔ وہ انگریزی بول سکتے تھے۔

ترکی افسروں کی زباندانی

یورپین زبانوں کے متعلق ترکوں نے بھی وہی طریق اختیار کیا ہے جو جاپان کا ہے۔ بحری افسر انگریزی جانتے ہیں۔ بری فوج کے لئے فرانسیسی زبان سیکھنا لازمی ہے لیکن جرمنی اور روسی اختیاری ہیں۔ مگر اب اکثر لوگ جرمنی سیکھتے ہیں۔ جسقدر لوگ ہندوستان میں انگریزی جانتے ہیں اتنے ہی یہاں فرانسیسی جانتے ہیں۔ ترک افسر جو سرکاری خط و کتابت غیر قوموں سے کرتے ہیں وہ فرانسیسی زبان میں ہوتی ہے۔ یہاں کے مصنفوں نے مجھے اپنے کتب خانے دکھلائے جو اسیطرح سائیکلوپیڈیوں اور کتابوں سے لبریز تھے جیسے کہ ہندوستان میں ہم لوگوں کے انگریزی کتابوں سے ہیں۔ قسطنطنیہ کے ترسانہ

ترسانہ کا توپخانہ

توپخانہ کے افسر اے۔ احمد بے کمانڈر امپیریل آٹومان نیوی نے

بتلایا کہ اس نے دو انگلستان کے توپ سازی کے کارخانوں میں جن میں ایک آرم سٹرانگ نامی ہے۔ اور دو مرتبہ جرمنی کے کرپ کے توپ سازی کے کارخانہ میں جاکر کام سیکھا ہے۔ اور اب یہ کہنا بے سود ہے کہ اسکی نگرانی میں جو توپیں اسوقت قسطنطنیہ میں بن رہی ہیں وہ آرم سٹرانگ اور کرپ سے کسیطرح کم نہیں۔ جس روز مینے دیکھا۔ ایک ۱۰۔ انچہ منہ کی بہت بڑی توپ تیار ہوئی تھی۔ اور دو چھوٹی ہاچکس توپیں ½ ۲ سنٹی میٹر کی جرمنی کے آخری نمونہ کے مطابق تیار پڑی تھیں جنکی جلا ہو رہی تھی۔ بہت سی فولاد کی نالیوں کو توپ بنانیکے لئے برمایا جارہا تھا اور توپیں بنانے کا ہر قسم کا عمل جاری تھا۔ ایک پانچ گولوں والی ہاچکس تیار کی گئی تھی۔ کئی ایک چھوٹی توپیں بھی تیار پڑی تھیں۔ بڑی توپ آٹھ ٹکڑوں سے مرکب تھی۔ قریب ہی ایک بہت بڑا ورکشاپ فولاد ڈھالنے کا ہے۔ جسمیں ۴۰ ٹن (۱۱۲۰) من فولاد کا بوتہ ایک وقت میں ڈھل سکتا ہے۔ کہ جسے ڈھلتے ہوئے مینے خود دیکھا۔ گویا کہ پانی کی طرح پگھلتے ہوئے سُرخ لوہے کا ایک دریا بہا دیا جاتا ہے۔ جتنی بڑی نالی توپ کی بنانی منظور ہو اتنی بڑی کٹھالی میں فولاد کا بوتہ ڈھال لیتے ہیں اور پھر اُسے خراد پر چڑھاتے اور اندر سے برما سے سوراخ نکالتے ہیں۔ ایک اچھی توپ کا مکمل کرنا کوئی اور جلدی کا کام نہیں۔ کئی طرح کی بڑی بڑی مشینیں اس کام کے لیئے درکار ہوتی ہیں۔ مینے اس شخص سے کہا کہ تم جب یہ مشینیں خود بنانے لگو گے تب سمجھا جائیگا کہ تمہارے کارخانے مکمل ہیں۔ اس نے کہا یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہرچند کہ انگلستان میں آرم سٹرانگ کا توپ سازی کا کارخانہ بہت بڑا اور بہت مکمل ہے تاہم وہ اپنی مشینیں آپ نہیں بناتے۔ ہرچند کہ اگر وہ بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں۔ مگر وہ اس اصول کو مانتے ہیں کہ ہر خانہ میں جو چیز تیار ہوتی ہے وہ اس کارخانہ کی مخصوص چیز ہوتی ہے جسے وہ لاریب دوسرے کارخانہ سے جو دوسری چیز کے بنانے میں مصروف رہتا ہے اچھی بنا سکتا ہے۔ مینے کہا کہ ضرورت کے وقت اس کارخانہ کو وہ مشین اپنے ہی ملک کے دوسرے کارخانہ سے ملسکتی ہے۔ لیکن ٹرکی اگر یورپ کے اسی ملک سے جنگ میں مصروف ہو

تو اسے وہاں کے کارخانہ سے وہ چیز نہ مل سکے گی۔ اسی کارخانہ کے ایک ورکشاپ میں ان توپوں کے لئے گولے بن رہے تھے۔ کمانڈر احمد بے نے ہمیں بتایا کہ امسال توپ سازی کا کارخانہ بہت سا بڑھایا گیا ہے۔ جس سے امید ہے کہ سال تمام میں یہاں سے ہر قسم کی چھوٹی بڑی سو توپیں تیار ہو جایا کرینگی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فولاد تیار کرنیکے لئے انہیں کچی دھات یورپ سے خریدنی پڑتی ہے۔ ہر چند کہ قلمروے عثمانی میں ہر قسم کی معدنیات افراط سے موجود ہیں۔ مگر غالباً کان کنی کے فن میں کافی ترقی نہ ہونے کی وجہ سے یہ محتاجی دامنگیر ہے۔ جہاز سازی کے کارخانہ میں اسوقت ایک کروزر "خداوندگار" نامی اڑھائی سو فیٹ لمبا آہن پوش زیر تعمیر ہے۔ اور ایک بہت بڑا (۴۰۰) فیٹ لمبا جہاز "عبدالقادر" نامی جواب بن رہا ہے۔ اور جو ہمیں نامکمل حالت میں دکھلایا گیا۔ عبدالقادر جب تیار ہو گیا تو اول درجے کا جنگی زرہ لی (آہن پوش) جہاز ہوگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اس جہاز کی تعمیر جلدی ختم کرنیکا ذرہ بھی فکر نہیں۔ پہلے اسی کارخانہ سے حمیدیہ نامی ایک جنگی زرہ پوش جہاز ساڑھے تین سو فیٹ لمبا تیار ہوا ہے (جسکی زرہ نو انچہ موٹی فولاد کی تھی)، لیکن وہ جس نقشہ پر تیار ہوا ہے وہ پچیس سال کا کہنہ ہے اور جنگی جہازوں کی تعمیر میں ہر روز نئی باتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اسلئے ہر چند کہ یہ جہاز ساخت میں نیا ہے تاہم فیشن کے لحاظ سے پرانا ہے۔ بہر حال کارخانہ کے سپرنٹنڈنٹ عارف بے قائم مقام صیغہ تعمیر جہازات کو یقین ہے کہ وہ ہر قسم کے جنگی جہاز عمدہ سے عمدہ بنا سکتا ہے جیسا کہ کسی اور سلطنت کے کارخانہ میں بن سکتے ہیں (کیونکہ اس کارخانہ میں جہاز سازی کا کل سامان موجود ہے۔ لوہا اور کوئلہ ملک سے کافی نکل سکتا ہے گو کچھ لوہا ممالک غیر سے بھی منگوایا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے زرہ لی جہاز بنوا سکتے ہیں۔ مگر معلوم نہیں سلطنت کی اس میں کیا مصلحت ہے کہ وہ ہمسے کام نہیں لیتی۔ بلکہ جنگ یونان کے زمانہ سے بھی کارخانہ میں کام کرنیوالوں کی تعداد کم ہے۔ لیکن حال میں جو جہاز دیگر ممالک یورپ کو مرمت کیلئے بھیجے گئے

ہیں۔ انہیں اتنی جلدی مکمل کرانا منظور تھا۔ کہ ان کارخانوں میں اتنی جلدی نہ ہو سکتے معلوم ہوا کہ ۲۵ سال پہلے جہاز سازی کے کاریگروں میں ۵۰-۶۰ انگریز کاریگر ملازم تھے۔ مگر اب صرف پانچ چھ ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ۲۰-۲۵ پونڈ ماہوار تنخواہ لیتے ہیں۔ اور یہی کام ترک کاریگر، ۸ پونڈ ماہوار میں کرتے ہیں۔ اس کارخانہ میں صرف ایک ترک کاریگر کو ۱۰ پونڈ ماہوار ملتے ہیں باقی سب کو ایک سے کم ان کارخانوں میں بھی کچھ بچے کام سیکھتے ہیں جو یہیں پڑھتے بھی ہیں۔

بحری عجائب خانہ ایک بحری اشیاء کا عجائب خانہ بھی ترسانہ کے متعلق ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس عجائب خانہ میں بہت کم چیزیں ہیں۔ جو عجائب کہلا سکتی ہیں خصوصاً اس شخص کی نظر میں کہ جس نے انگلستان کے گرینچ کے بحری عجائب خانہ کو دیکھا ہو۔ تاہم جو کچھ ہے سن لیجئے۔ باہر کے جنگلے کے ستونوں کے سروں پر سنگ مرمر کے بڑے بڑے گولے جڑے ہوئے تھے۔ جو سلطان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے وقت استعمال کئے تھے۔ عجائب گاہ میں جہازوں کے چند ماڈل تھے۔ حمیدیہ۔ ہیبت نما اور سہام ایک تارپیڈو بوٹ وغیرہ کے ماڈل تھے جو اسی ترسانہ میں بنے ہیں۔ فن بحر کے معلومات کی ترکی اور انگریزی کتابیں کئی الماریوں میں بند تھیں۔ دو تین کمروں میں قدیم ترکی امیر البحروں کی چھپی ہوئی تصویریں تھیں اور تین چار ترکی بحری جنگوں کی معمولی بنی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک تصویر پر لکھا تھا کہ قپوداں دریا پیالہ پاشا نے ۸ شعبان ۹۶۷ھ ہجری مطابق ۱۵۶۰ء کو جزیرہ جربہ کے قریب تمام یورپ کے متحدہ بحری فوجوں کو شکست دی۔ ایک تصویر حسین پاشا ترکی امیر البحر کے بیڑے کے وینس پر حملہ کرنے کی شاہد ہے۔ نیچے کی دو چھتوں میں پرانی بندوقیں کرچیں اور توپیں اور بہت سے تارپیڈو بھی رکھے ہوئے ہیں۔

ترسانہ کے علاوہ قسطنطنیہ میں دو اور کارخانے توپ اور گولے گولیاں بنانے کے ہیں۔ ان میں سے میں ایک کو دیکھ سکا جو زیتون برون کے نام سے مشہور ہے

زیتون برون کا کارخانہ گولے گولیاں بنانے کا

چند میل دور ہے۔ اور دوسرے بڑے توپوں کے کارخانہ کو بوجہ شاہ ایران کے آنے کی تیاریوں کے میں نہ دیکھ سکا۔ اس کارخانہ میں ہنری مارٹینی اور لی ہاڈی بندوق کی گولیاں اور مختلف قسم کی توپوں کے گولے بنائے جاتے ہیں۔

جب ہم اس کارخانہ میں پہنچے تو محمد شاکر صاحب (طوپ خانہ عامرہ یہ منسوب ایکنجی صنائع آلاتی مکتب مدیری) اور مصطفےٰ نوری صاحب (اطفائیہ برنجی طابور بکباشی ورسومات امانتی طلومبہ مکتب مدیری) دو فوجی سکول ماسٹروں نے جو میرے رفیق کے آشنا تھے ہمیں تمام کارخانہ پھر کر دکھلایا۔ یہ بہت بڑا ورکشاپ ہے جسمیں مختلف مکانات مختلف چیزوں کے بنانے کے لئے مخصوص ہیں۔ مثلاً ایک طرف ماسر بندوق کی گولیاں بنانیکے لئے لمبی بارکیں شروع ہوتی ہیں پہلے گولی کی کیپسول بنتی ہے جسے پیتل کے پترہ سے کاٹنے اور صاف کرنے کیلئے دس بارہ علیحدہ علیحدہ مشینیں ہیں۔ آگے کارتوس کا خول بنانے اور کیپسول لگانے کی کئی مشینیں ہیں۔ غرض اٹھارہ کاریگروں کے ہاتھ سے نکلکر ایک گولی تیار ہوتی ہے آجکل کارخانہ کے مکانات کی توسیع ہو رہی ہے اور نئی کلیں لگ رہی ہیں۔ اس سے پہلے دن میں صرف چالیس ہزار گولیاں بن سکتی تھیں۔ اب دن میں ساڑھے تین لاکھ گولیاں اور اڑھائی سو گولے تیار ہو سکتے ہیں۔ گو بوجہ نئی مشینیں لگانے اور نیز تعطیلات کے کام بند ہے تاہم بعض جگہ ترک لڑکے اور آدمی کام کر رہے ہیں جنہیں کوئی عیسائی یا یورپین نہیں۔ ایک مدرسہ اعدادیہ صنائع بھی کارخانہ کے اندر قائم ہے۔ جیسا کہ بعض اور دستکاری

کارخانوں کے اندر مدارس صنائع

کے کارخانوں مثل فس خانہ اور ترسانہ وغیرہ میں بھی ہیں۔ ان صنعت و حرفت کے مدرسوں میں یتیم اور محتاج طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ یہ لوگ دن کا کچھ حصّہ پڑھتے ہیں اور باقی حصّہ کارخانہ میں کام کرتے ہیں ان سے بہتر کاریگر مشکل سے مل سکیگا۔ اس مدرسہ میں قریب ایک ہزار لڑکوں کے

ہوں گے۔ ان لڑکوں کے فری ہینڈ ڈرائینگ اور مشین ٹولس کے ڈیزائنیں بھی دیکھیں جو میری اجنبی نظر میں برلن کے ٹیکنیکل ہائی سکول کے لڑکوں کے ایسے ہی کام کے برابر تھیں۔

یہاں بھی توپیں ڈھلتی ہیں

گولیوں کے سوائے مختلف دہانہ کی چھوٹی بڑی توپوں کے گولے بھی یہاں مختلف حصص ورکشاپ میں ڈھلتے ہیں۔ لوہا بالکل پانی کیطرح پگھلا کر ایک بڑی کٹھالی سے بذریعہ مشین سانچے میں ڈالتے ہیں جو زمین میں گاڑا ہوا ہوتا ہے۔ اسطرح گولا ڈھال لینے کے بعد اسکے گرد تانبے کے پتر بذریعہ مشین باندھے جاتے ہیں۔ ایک جگہ گذشتہ جنگ یونان میں یونانیوں سے چھینے ہوئے ۱۲ سنٹی میٹر کے گولے بھی جمع تھے۔ توپوں کی گاڑیاں بھی یہیں بنتی ہیں۔ ایک جگہ ایک گاٹنگ گن (سریع الاتش) دیکھی جو قیصر جرمنی نے سلطان المعظم کو تحفۃً بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کارخانہ میں اسکی نقلیں بن رہی تھیں ایک جگہ تلواریں بن رہی تھیں جو پہلے بیس عدد روزانہ سے زیادہ نہ بن سکتی تھیں۔ اب نئی مشینری سے چار سو تلوار روزانہ بن سکے گی۔ ایک جگہ پیتل اور تانبے کا پترہ چوڑا کیا جاتا تھا۔ ایک جگہ فولاد ڈھال کر توپیں ڈھالنے کی مشین تھی۔ یہاں ایک ہائیڈرالک ہتھوڑا دیکھا جس نے آہستہ سے ایک موٹی لکڑی کو دبا کر چوڑا کر دیا۔ یہاں سے توپوں کے بوتے ڈھلکر جاتے ہیں جنمیں ایک دوسری جگہ سوراخ چھیدا جاتا ہے۔ ایک جگہ تین تین چار چار سو سال کی پورانی توپوں کا ڈھیر دیکھا۔ جنمیں سے بعض لاہور کی بھنگیوں والی توپ[1] سے بھی بڑی تھیں۔ ایک زمانہ میں ترک یورپ میں سب سے اچھے توپ ساز تھے اور ان سے بڑی اور عمدہ توپیں کوئی نہیں بناتا تھا۔ مگر اب

[1] سلطان محمد فاتح نے ایک توپ اتنی بڑی فتح قسطنطنیہ کے لئے بنوائی تھی کہ جسمیں بارہ من وزنی پتھر کا گولہ رکھکر ایک میل تک پھینکا جاتا تھا۔ سات سو آدمی اسکے چلانے اور صاف کرنے پر معین تھے۔ ایڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک اسے پانچسو جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر لائی تھیں اور تین ہزار سپاہی اسکی حفاظت پر مامور تھے۔

مشین گنوں کے مقابلہ میں وہ توپیں بیکار ہیں۔

ابتک بھی ترک بہترین توپیں بناتے ہیں توپوں کے متعلق ایک روز احمد مدحت آفندی نے مجھے بتلایا تھا کہ یورپ میں صرف تین کارخانے ہیں جہاں بہترین فولاد تیار ہوتی ہے۔ اول کرپ جرمنی میں۔ دوم آرم سٹرانگ انگلستان میں۔ سوم کارندری قسطنطنیہ میں۔ کارندری کے فولاد کی توپیں جو جنگ یونان میں آزمائی گئی تھیں۔ اُن میں سے اس جنگ میں ایک بھی نہیں ٹوٹی بجالیکہ یورپ کی ساختہ توپوں میں سے جو اس جنگ میں زیر استعمال تھیں۔ بعض ٹوٹ گئی تھیں۔

جغرافیہ ایک ترکی افسر محمد شاکر آفندی مدیر مدرسہ طوپ خانہ نے اپنی تصنیف سے ایک مختصر جغرافیہ عالم مجھے ہدیۃً دیا۔ اسمیں ایک جگہ درج ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت سب سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ مینے اس فقرہ پر اعتراض کیا تو مصنف صاحب نے کہا مصلحت ملکی اسبات کی مقتضی ہے کہ چھوٹے بچوں کے دلوں میں یہ بات ذہن نشین کردیجائے۔

نظارت توپخانہ جب میں توپخانہ دیکھنے کے لئے اجازت حاصل کرنے کو ذکی پاشا وزیر توپخانہ کے دفتر میں گیا تو ایک مرتبہ تو وہ بوجہ آمد شاہ مظفر الدین مصروف تھے۔ اور دوسری مرتبہ کسی اور وجہ سے اپنے دفتر سے غیر حاضر تھے۔ اُنکے نائب بہت اخلاق سے پیش آئے اور اُنہوں نے قہوہ بھی منگوایا لیکن پاشائے موصوف کے استصواب کے سوائے وہ توپخانہ دیکھنے کی اجازت نہ دیسکے۔ بڑے بڑے پایہ کے ترک افسر بھی اجنبیوں سے نہایت اخلاق اور شرافت سے پیش آتے ہیں اور غرور و تحکم بالکل بالکل نہیں دکھلاتے۔

باب سر عسکری یعنی وزارت جنگ۔ یہاں سلطنت کے تمام محکموں وزارت کے دفتروں اور سرکاری عمارت کی پیشانی پر طغرائے سلطانی ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ گویا کہ سلطنت کا کورٹ آف آرمس ہے۔ البتہ اسکے ساتھ ہلال اور ستارے بھی

مخلوط ہوتے ہیں۔ اور کچھ توپیں اور دیگر اسلحہ جنگ بھی۔ لیکن وزارت جنگ کے محکمہ کی پیشانی پر برکت کے لئے کچھ آیات قرآنی بھی کندہ ہیں۔

آیات و اقوال

چنانچہ یہاں جلی خط سے لکھا ہوا ہے "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا" اور "يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا" ترک موزون آیات اور اقوال تلاش کرنے اور انہیں عمارات پر کندہ کرنیکے فن میں اُستاد ہیں۔ جیسا کہ میں کسی دوسری جگہ لکھ چکا ہوں۔ کتب خانوں کے دروازوں پر فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ اور چشموں اور سبیلوں پر كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ مِّنَ الْمَاءِ کیسے موزون اور پُر معنے معلوم ہوتے ہیں۔ ۵ بجے ترکی سے پہلے احاطہ دفتر عسکری میں جانیکی عوام کو ممانعت ہے اسکے بعد سب لوگ اس راستہ سے گذرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک شاہراہ ہے۔ عمارت سہ منزلہ بڑی عالیشان ہے جسمیں بہت سے عسکری دوائر یعنے دفاتر ہیں۔ ایک محرر کے پاس تھوڑی دیر ایک افسر کی آمد کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ یہ لوگ بجائے بلاٹنگ کے رنگین ریگ نمناک تحریر پر ڈالکر اُسے خشک کرتے ہیں۔ جو انکے پاس چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں پڑی رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انکی سیاہی انگریزی سیاہی سے گاڑھی ہوتی ہے۔ یہاں سلطنت عثمانیہ کے سمندروں کے دو عظیم الشان نقشے ترکی میں چھپے ہوئے آویزاں تھے۔ پھر ہم لوگ محافظ کو

برج سرعسکری

تین قرش (۱۰ر) دیکر برج سرعسکری پر چڑھے۔ یہ برج قسطنطنیہ میں سب سے بلند مقام ہے۔ کیونکہ ایک پہاڑی پر واقعہ ہے۔ دوسرا برج جو اس سے کسیقدر چھوٹا ہے غلاطہ کا برج ہے۔ برج سنگ مرمر کا ہے۔ مگر اوپر جا کر اُسکی سیڑھیاں لکڑی کی ہیں۔ آتشزدگی کے وقت ان دونوں برجوں پر دن میں سرخ گولے اور رات میں سرخ لالٹین بلند ستون پر چڑھائی جاتی ہیں۔ نیچے کی منزل کی سیڑھیاں (۱۷۲) اور اوپر کی (۸۰) ہیں۔ چوٹی پر ایک قہوہ خانہ اور کچھ روشنی کا سامان ہے۔ یہاں سے قسطنطنیہ اور بغاز کا نظارہ نہایت عجیب نظر آتا ہے اور عالیشان مساجد کے گنبد اور مینار جابجا پھیلے ہوئے کیسے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

نظارت صحیہ باب عالی وغیرہ دفاتر

ان دفاتر سرکاری کے علاوہ میں نے محکمہ حفظان صحت کی وزارت کا دفتر بھی مدحت آفندی صاحب سے ملاقات کرنے کیلئے دو تین مرتبہ دیکھا۔ محکمہ تعلیم کا دفتر بھی علی نصرت صاحب کی ملاقات کیلئے دیکھا صیغہ فنانس کا دفتر محمود اسعد آفندی صاحب سے ملنے کے لئے دیکھا۔ یہ دفتر تو مجھے باب عسکری سے بھی عالیشان اور وسیع معلوم ہوا۔ ڈاک خانہ کی عالیشان عمارت دیکھی جو حال ہی میں ۷۰ ہزار پونڈ کی لاگت سے تیار ہوئی ہے۔ باب عالی کی عمارت گو باہر سے بہت عالیشان نہیں ہے لیکن بڑی وسیع اور عظیم عمارت ہے۔ افسوس ہے کہ میں اندر سے اسے دیکھ نہ سکا جس روز میں اسے دیکھنے گیا۔ یہ ۷ ۔۔۸ بجے تک نہیں کھلی تھی عموماً ماہ اکتوبر میں اسوقت یہاں کے دفاتر لگتے ہیں غرض یہاں کے سرکاری محکموں کی عمارات نہایت رفیع اور اندر سے پر تکلف ہیں۔ کلرکوں اور اہلکاروں کی تمام کرسیاں گدیلہ دار بلکہ آرام چوکیاں ہوتی ہیں۔ افسروں کے کمروں میں ملاقاتیوں کے لئے علاوہ کئی پر تکلف کرسیوں کے ایک ایک سپرنگ دار گدے والی بنچ بھی ہوتی ہے۔ اور دو ایک تپایاں دیا سلائی اور ایش ٹرے کے لئے ہوتی ہیں دفتروں میں کلرک یا افسر اپنے ملاقاتیوں کو بے تکلفانہ قہوہ پلاتے ہیں۔

دفاتر اور فضول خرچی

پرائیویٹ مکانات تو جتنے آراستہ اور پُر تکلف ہوں ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں کے سرکاری محکمہ جات اور دفاتر کی آراستگی میری رائے میں فضول خرچی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ محصول چونگی کے ایک افسر کے کمرہ کی نسبت میری نوٹ بک میں یہ سطور درج ہیں:۔

"گمرگ کے جس کمرہ میں محمد احسان آفندی بیٹھتے ہیں ایسا پُر تکلف ہے کہ ہندوستان میں کمشنر صاحب کے بیٹھنے کا کمرہ ایسا آراستہ نہیں ہوتا۔ پانچ کرسیاں پڑی ہیں۔ پانچوں پر سپرنگ دار گدے بنے ہیں۔ تمام فرش پر ترکی قالین ہے۔ پردے بہت بھاری اور مکلف اور سگار اور چائے کے لئے کئی چھوٹی میزیں پڑی ہیں۔

تکیے خانقاہیں چشمے سبیلیں حمام اور خان

مسافروں کے تکیے

ترکوں کی قومی فیاضی کا اس سے بہتر کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ قدیم الایام سے ان کے بڑے بڑے شہروں میں مختلف ملکوں کے مسافروں کے لئے مختلف مسافر خانے قایم ہیں کہ جہاں اُن مسافروں کو جبتک کہ وہ یہاں مقیم رہیں مفت مکان اور روٹی ملتی ہے۔ انہیں مسافر خانوں کو تکیے کہتے ہیں۔ ہندوستان۔ عرب۔ بخارا۔ افغانستان وغیرہ ملکوں کے مسافروں کے لئے الگ الگ تکیے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس اور حلب وغیرہ شہروں میں موجود ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ان تکیوں کی تعداد تین سو سے بھی متجاوز ہے۔ کہ جو اہل خیر ترکوں کی فیاضی سے ہمیشہ ابن السبیل کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ ان تکیوں کے اخراجات کے لئے انکے بانیوں نے کافی جائدادیں وقف کر رکھی ہیں۔ جو گورنمنٹ کے سررشتہ اوقاف کی نگرانی میں رہتی ہیں۔ ان تکیوں کے مہتمم کو شیخ تکیہ کہتے ہیں جنکا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مسافروں کی خدمت کریں اور انہیں کھانا پہنچائیں۔ جو عموماً ایک یا دو وقت کا کھانا اور چائے ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی ہر چیز معرض زوال میں ہے یہ اسباب خیر بھی انکے لئے موجب ننگ ہیں۔ نہ تو ویسے مسافر اب ان تکیوں میں آتے ہیں کہ جو ابن بطوطہ اور ابن جبیر کیطرح سیاحت عالم تحصیل علوم تحقیقات جغرافیائی یا توسیع معلومات کے لئے گھر سے نکلا کرتے تھے۔ اور نہ ایسے میزبان ہی ہیں کہ جو مال اوقاف سے تندل سے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ مسافر وہ دریوزہ گر آتے ہیں جو سالوں ان تکیوں میں پڑے ہوئے روٹیاں چیرتے رہتے ہیں۔ اور بعض شیخ تکایا ایسے دیانتدار ہیں کہ وہ تمام آمدنی اپنی ذات پر خرچ کر لیتے ہیں۔ اور مسافر کو روتا پیٹتا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ ہندی تکیہ میں کوئی ہندوستانی ملنے کے قابل نہیں۔ اسلئے میں خود تو وہاں نہ گیا لیکن لوگوں سے اسکی شکایت ہی سنی۔ میں نے شیخ ولی محمد صاحب افغانی کا تکیہ بکلر بے

اور ایک آدھ اور تکیہ بھی دیکھا ہے۔ بعض کی عمارات بہت عمدہ اور مسافروں کے فروکش ہونے کے کمرے اور ساتھ کی مسجدیں خوب سجی ہوئی ہیں۔ صرف قسطنطنیہ کے تکیوں پر سالانہ خرچ تین چار لاکھ روپیہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ مگر افسوس کہ اسکا اکثر حصہ رائگاں جاتا ہے۔

مولویوں کا تکیہ

ان تکیوں کے علاوہ بعض تکیئے اصحاب طریقت سے بھی مخصوص ہیں جیسے تکیہ مولویہ۔ قادریہ نقشبندیہ۔ رفاعیہ وغیرہ لیکن ان سب میں مولویوں کا تکیہ زیادہ مشہور اور بارسوخ بھی ہے۔ اہل یورپ انہی لوگوں کو "ڈانسنگ درویشز" یعنے رقاص درویش کہتے ہیں۔ کیونکہ اپنی مجالس میں یہ لوگ وجد اور حالت میں حلقہ بنا کر رقص کرنے لگتے ہیں۔ اس فرقہ کے بانی مولانا جلال الدین رومی مصنف مثنوی معنوی گذرے ہیں کہ جس کتاب کی نسبت یہ شعر عوام میں مشہور ہے ؎

مثنوئی مولوی معنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مولانا دراصل بلخ کے رہنے والے اور شاہی خاندان خوارزم و خراسان سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر انکی عمر کا بڑا حصہ سلطنت عثمانی میں گذرا۔ اور ۶۷۲ھ میں یہیں انتقال کیا۔ آپ کی قبر شہر قونیہ میں ہے جو اس فرقہ کا صدر مقام ہے۔ یہیں اس فرقہ کا صدر رہتا ہے جو مولانا کی اولاد سے ہوتا ہے۔ اور جسے چلپی آفندی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں یہی شخص اس فرقہ کی کل خانقاہوں کے سجادہ نشین مقرر کرتا ہے اور یہی ہر نئے ترک سلطان کی تخت نشینی کے وقت سلطان عثمان کی تلوار نئے سلطان کی کمر میں باندھتا ہے۔ ہر شخص جو اس فرقہ میں داخل ہوتا ہے۔ ایکہزار ایک روز تک مقررہ ریاضت بڑی مشقت اور محنت سے کرتا ہے۔ اور اسکے بعد وہ مولویوں کی جماعت میں شامل کیا جاتا ہے۔ انکی ظاہری علامت ایک بھورے رنگ کی کلاہ نمد ہوتی ہے جو ڈیڑھ دو بالشت سے کم بلند نہیں ہوتی۔ قسطنطنیہ میں کئی جگہ یا حضرت مولانا کے قطعات نظر آتے ہیں۔ اس مسجد میں بھی ایک ایسا ہی قطعہ آویزاں تھا۔

مولویوں سا ایک نماز جمعہ لوگ کے نہم

میں ایک روز ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب جشمان کے ہمراہ بے اوغلی میں مولویوں کے تکیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے گیا۔ یہ مکان اندر سے بہت کھلا ہے۔ اس میں باغ اور حجرے ہیں۔ ایک طرف مسجد ہے جسکے مسقف حصہ کے عین وسط میں ایک ہشت پہلو محدود مقام میں تختوں کا فرش ہے۔ اسکے گرد سنگین ستون ایک گنبد کو اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس ہشت پہلو جگہ میں یہ لوگ مجلس حال و قال کرتے ہیں۔ اسکے گرد چاروں طرف مسجد ہے۔ جب ہم گئے تو مسجد کے دروازہ پر ایک بالاخانہ پر ایک شخص خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہا تھا۔ اور کبھی کبھی ایک دوسرا شخص اسکی جگہ پڑھنے لگتا۔ یہانتک کہ پھر وہی پہلا شخص تازہ دم ہوکر پھر قرأت اختیار کرتا۔ اتنے میں نمازی جمع ہوتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد سب لوگوں نے چار چار رکعت سنتیں پڑھیں۔ پھر امام نے منبر پر کھڑے ہوکر نہایت خوش الحانی اور سوز و گداز سے زبانی خطبہ پڑھا۔ میں نے ایسی خوش گلو قرأت بہت کم سنی ہوگی۔ دوران خطبہ میں جہاں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کبارؓ یا آئمہ ابرار کا ذکر آتا تا سامعی طرف سے کہ جہاں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ بلند آواز سے پکار کر حسب موقع صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاتا۔ دو تین مرتبہ آمین کا موقع آیا تو سامنے سے ایک شخص نے زور سے آمین آمین کا نعرہ ایک ہی آواز میں لگا دیا ایک دفعہ یہیں سے الحمدُ لِلّٰہِ دس بارہ دفعہ پکارا گیا۔ اور ایک مرتبہ اللہ اکبر۔ خطبہ کے بعد امام نے دو رکعت نماز جمعہ پڑھائی۔ مگر بہت مختصر صورتیں جلدی جلدی پڑھیں اور پھر لوگوں نے اپنی اپنی نماز پڑھی اور دعا مانگ کر چلدیئے۔

مجلس ذکر کی کیفیت

منگل یا جمعہ کے روز بعد نماز ظہر دو دفعہ اس تکیہ میں مجلس ہوتی ہے۔ اسطرح کہ درویش اس ہشت پہلو مکان کے اندر کہ جسپر تختوں کا فرش ہے حلقہ باندھ کر آہستہ آہستہ پاؤں کے انگوٹھے کے بل گھومتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ نفیری یعنے نئے بجتی رہتی ہے کہ جسکا ذکر مولانا صاحب نے مثنوی کی سب سے پہلی سطر میں فرمایا ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت میکند — واز جدائیہا شکایت میکند

از نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

اسوقت اُنکے سر پر توحید اور فنا کے گیت گائے جاتے ہیں۔ گھومنے والوں کا دایاں ہاتھ سر پر پھیلا ہوا۔ اور کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اور بایاں ہاتھ نیچے گرا ہوا۔ انکی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور سر شانے پر جھکا ہوا۔ غرض یہ نظارہ لفظوں میں بیان ہو سکنا مشکل ہے

دیگر مجالس افسوس ہے کہ میں تکیہ رفاعیہ کی مجلس میں شامل نہ ہو سکا کہ جہاں ارباب طریقت رفاعیہ ذکر و شغل کے جوش میں برہنہ پا تلواروں کی دھار پر چلتے ہیں مگر اُنکے پاؤں میں ذرا آنچ نہیں آتی۔ مینے آستانہ کے ناموس شیخ طریقت شیخ سید ابو الہدیٰ رفاعی خالدی صیادی سے دو مرتبہ ان کے دولتکدہ پر ملاقات کی اور بہت سی گفتگو ہوئی کہ جسکی کیفیت کسی دوسری جگہ درج ہے۔ مگر ان کے تکیہ میں حاضر نہ ہو سکا۔ تاہم شیخصاحب نے اپنے طریقہ کی دس بارہ کتابیں جو آپکی اپنی تصنیفات سے ہیں مجھے عنایت کیں۔ طریقہ رفاعیہ کے بانی شیخ سید احمد رفاعی المتوفی ۵۷۸ھ گذرے ہیں۔

چشمے قسطنطنیہ میں پانی پینے کے بہت سے چشمے اور سبیلیں جا بجا بازاروں اور کوچوں میں رفاہ عام کے خیال سے بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض کی تعمیر پر بڑی بڑی رقمیں خرچ ہوئی ہوں گی۔ جیسے کہ توپخانہ کا چشمہ ہے کہ جسکی تمام عمارت سفید سنگ مرمر کی ہے۔ اور سلطان احمد ثالث نے تُرکی فن تعمیر کا ایک قابل دید نمونہ تعمیر کرایا تھا۔ دونوں بازاروں کیطرف اسپر از سر تا پا آیات قرآنی اور بہترین تزئینات کندہ ہیں۔ بعض چھوٹے چشموں کے آہنی پنجرے اور روغنی طلائی گلٹ کی نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور سنگ مرمر کے تو سبھی ہیں۔ ان پر عموماً ایسی آیات قرآنی کندہ ہوتی ہیں جیسے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اب تو واٹر ورکس کا پانی ہر کوچہ و برزن میں ملسکتا ہے۔ لیکن جس زمانہ میں پانی کی یہ سہولیت نہ ہوگی اسوقت تو یہ مغتنمات میں شمار ہوتے ہوں گے۔

قیصر جرمنی کا فوارہ یہاں اسقدر فواروں اور چشموں کو دیکھکر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی نے بھی ات میدان کے ایک سرے پر مسجد سلطان احمد کے قریب ایک فوارہ اپنی سیاحت اسٹنبول کی یادگار میں تعمیر کرایا ہے۔ قسطنطنیہ میں شاید اس جگہ سے بڑھکر کسی جگہ کو تاریخی اہمیت حاصل نہ ہوگی کہ جہاں قیصر جرمنی نے اپنی یادگار قائم کی ہے۔ اس خوبصورت فوارہ کے پتھر بنے بنائے جرمنی سے آکر لگ رہے ہیں۔ میرے اثنائے قیام میں یہ زیر تعمیر تھا۔

حمام میں کسی دوسری جگہ ترکی حمام میں غسل کرنے کی مفصل کیفیت درج کرچکا ہوں۔ قسطنطنیہ میں حمام ایک بہت بڑا انسٹیٹیوشن ہے۔ اور شہر بھر میں (۱۷۵) پبلک حمام موجود ہیں۔ ہندوستانی ناظرین سمجھ لیں کہ عموماً یہ حمام سنگ مرمر کی عالیشان اور وسیع عمارات ہوتی ہیں۔ ان میں محمود پاشا۔ جغال اوغلی۔ ایاصوفیہ خاصکی۔ خواجہ پاشا اور غلطہ سرائے کے حماموں کی عمارات خصوصیت سے عالیشان اور قابل دید ہیں۔

خان کاروان سراؤں یا سراؤں کو یہاں خان کہتے ہیں۔ شاید یہ لفظ خانہ سے مشتق ہو۔ باعتبار قاموس الاعلام ترکی اسوقت (۴۸۴) خانیں شہر کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض خانوں کی عمارات نہایت وسیع اور پختہ ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی سرائے والدہ خان ہے۔ جسکے صحن میں درخت اور دو خوشنما چشمے ہیں۔ اور علاوہ اصطبلوں اور گداموں کے اس میں اوپر نیچے تین منزلیں بالاخانوں کی ہیں۔ زیادہ خان بڑے بازار اور چکمک جی لر سڑک پر واقع ہیں۔ دراصل یہ سرائیں مسافر سوداگروں اور انکے اسباب کے لئے بنائی گئی ہیں۔ لیکن اب ترک اور یورپین لوگ یہاں کرایہ پر رہتے ہیں اور انہیں بطور دوکانوں اور مال کے گوداموں کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ والدہ خان میں صرف ایرانی سوداگر رہتے ہیں۔ انکے علاوہ یہاں مسافر بھی ٹھیرتے ہیں۔ یہ عالیشان عمارات سلاطین عثمانی اور متموّل ترکوں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ آتشزدگی

کے وقت جب انکے آہنی دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں توسوداگروں کی جان و مال کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ والدہ خان کے سوا ے وزیر خان و جلد ز خان بھی بہت بڑی ہیں۔

سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کے عہد کے کارنامے اور بعض اصلاحات

سلطان المعظم کی سلور جوبلی

اتفاق کی بات ہے کہ جس تاریخ کو میں قسطنطنیہ پہنچا اس سے تین چار روز پہلے قسطنطنیہ ایک عظیم الشان دیکھ چکا تھا۔ کیونکہ یکم ستمبر ۱۹۰۰ء کو اعلیٰحضرت سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کی تخت نشینی کی پچیسویں سالگرہ یعنے سلور جوبلی یا جشن فضی کی تقریب میں تمام سلطنت عثمانیہ میں خوشی کے جلسے کئے گئے تھے۔ اور سلطان المعظم کی ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگی گئی تھیں۔ جس روز میں قسطنطنیہ میں پہنچا ابھی تک جشن کے نعروں کی صدائے بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی اور ترکی اخبارات شہر آئین۔ چراغاں اور سلطانی انعامات کی کیفیت سے لبریز تھے۔ اسلئے کسیقدر کیفیت عہد سلطانی کی بھی لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

جوبلی کی مستقبل یادگار

گو جشن کی شب کو جو تاریخی چراغاں قسطنطنیہ میں کیاگیا تھی اسکی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف سلطان عبدالعزیز کے صاحبزادہ نے اپنے مکان پر اور اسکے قریب روشنی کرنے میں ایک لاکھ روپیہ اس رات کو خرچ کر دیا تھا۔ تاہم یہ بالکل فراموش ہوجانیوالی چیز ہے بمقابلہ اُن قومی اور ملکی بہبودی اور رفاہ عام کے لئے خیر جاری کے کاموں کے کہ جو خود ذات شاہانہ سے ظہور میں آئے۔ سلطان المعظم نے ترکی زبان کے اخبارات سے پریس کا ٹکس معاف کر دیا۔ اس سے پہلے ہر پرچہ اخبار پر ایک کم قیمت ٹکٹ لگاکر

اخبار چھاپا جاتا تھا جو اس تاریخ سے معاف کر دیا گیا۔ سلطان المعظم نے پایہ تخت میں پہلی یونیورسٹی ترکی کی بنیاد رکھی۔ اور حجاز ریلوے کی بنیاد رکھی کہ جس سے آیندہ زمانہ میں سرزمین عرب و شام کو بہت سے تجارتی اور سیاسی فوائد حاصل ہونے کی توقع ہے۔

پچیس سال کی کامیاب سلطنت

سلطان عبد الحمید خان ثانی نے اپنے دور حکومت میں جسقدر کامیابی آجتک دولت عثمانیہ کے حال زار کی اصلاح میں حاصل کی ہے وہی انکے دور حکومت کو ایک کامیاب اور مبارک زمانہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ اس سے زیادہ حکومت عثمانی میں ترقی اور اصلاح کی گنجائش نہ تھی۔ یا سلطان عبد الحمید خان کے عہد حکومت میں جو کچھ کرنا چاہئے بحساب کچھ کر دیا گیا ہے۔ تاہم جو کچھ کیا گیا ہے وہ بھی ایک نہایت غیر معمولی سلطان کی دماغ سوزی کا کچھ کم نتیجہ نہیں۔ اور ترک جسقدر اسپر ناز کریں بیجا نہیں جس وقت سلطان المعظم نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تھی سلطنت کا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان عبد العزیز مرحوم نے اپنے پانزدہ سالہ عہد حکومت میں دس ملین پونڈ (پندرہ کروڑ ہندوستانی روپیہ) سالانہ کے حساب سے انتظام سلطنت کے لئے قرضہ لیا تھا کہ جسکے اصل اور سود کے بوجھ کے نیچے سلطنت کی پشت دوتا ہو رہی تھی سلطان عبد الحمید خان نے نہ صرف ایک حبہ نیا قرضہ سابقہ قرضہ کی ادائگی کے لئے نہیں لیا۔ بلکہ بہت سا قرضہ اصل مع سود ہر سال ادا کرنیکے بعد اپنی مملکت میں اسقدر اصلاح اور ترقی کی ہے کہ جو قابل حیرت معلوم ہوتی ہے۔ ہر چند کہ کسی سلطان کے لئے ٹرکی کی گری ہوئی مالی حالت کی اصلاح ہی مایۂ نازش اور موجب کامیابی ہو سکتی تھی مگر سلطان عبد الحمید خان نے روس کی خوفناک جنگ کے بعد جو فوجی اصلاح کی اور ملک کی اندرونی اور بیرونی انتظام کو درست کیا ہے کہ جسکا کسیقدر ثبوت جنگ یونان کے نتیجہ سے مل گیا تھا۔ یا آئے دن کے میدان تدبر کے یورپین حضہ بازوں کے منصوبوں کو ملیامیٹ کرنے سے مل رہا ہے وہ بھی انکی دانشمندی اور مدبری کی تعریف ہر دوست و دشمن سے حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مگر عہد

سلطانی کی نمایاں ترقیاں نہ تنہا اُنکے فوجی انتظاموں اور مالی اصلاحوں سے ہویدا ہیں بلکہ ترکوں کی تعلیمی اصلاح میں بھی جو ترقی اس مبارک عہد میں ہوئی ہے اسکی نظیر انکی سابقہ تاریخ میں موجود نہیں۔ جیسا کہ ناظرین ان اوراق میں اس سے پیشتر مطالعہ کر چکے ہیں۔

سلطان المعظم کی خیرات و مبرات کے کام سلطان المعظم کی ذاتی خیرات کا حصر کر سکنا مشکل ہے۔ کتاب نترکات ملی میں کچھ تفصیل ان ہزارہا کارہائے خیر کی طاہر بک صاحب مالک اخبار المعلومات وثروت وغیرہ نے درج کی تھی کہ جسکی نقل کی یہاں گنجائش نہیں۔ تاہم آپکے ربع صدی کے سلطنت کے دوران میں آپ کی فیاضیوں کی نہایت مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

تعداد	نوع خیرات	مقدار غروش
۲۴۴۲	مساجد تعمیر کیں	۱۲۶۱۸۶۳۶
۱۲۴	مدارس	۱۵۰۳۰۶۶۸
۱۳۶	تکیئے اور زاویئے	۲۱۰۳۷۲۱
۱۲۶	دیگر عمارات خیراتی	۴۶۶۶۳۶
۱۹۷	تربت و قبرستان	۹۸۴۶۹۶
۹۰	چشمے اور سبیلیں	۳۵۵۶۶۶
۲۹	کتب خانے	۱۶۷۹۰۹
۲۲۶	آبرسانی کے سامان	۸۱۲۲۶۹۸
۳۷	گھنٹہ گھر	۴۰۴۹۵
۱۶۷	مکاتب	۵۷۸۷۱۷
۱۰۸	جائدادیں وقف کیں	۷۴۵۷۵۸

ملہ کسیقدر تفصیل ان کارہائے نمایاں کی ترکی زبان سے ترجمہ کر کے تذکرہ حمیدی میں درج کیگئی ہے جو سلطان المعظم کی ایک قابل دید سوانح عمری ہے۔

تعداد	نوع خیرات	مقدار غروش
۹۷	مکانات اور اراضیات متروکہ و وقف کیں	۴۶۹۴۵۴
۳۰	ہسپتال	۳۴۲۵۸۰
۵۹۵	مساجد اور خیرات کے دیگر شعبے۔کل	۲۴۹۷۰۰۹

میزان کل۔۷۲۲ قسم کے کارخیر پر پچیس سال میں آپ نے ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ ۴۶ ہزار ۵ سو ۳۴ غروش جیب خاص سے صرف کئے۔ (واضح رہے کہ یہ صرف سنہ ۱۹۰۰ء تک کے اعداد ہیں اور اسکے بعد ہر پہلو میں ان پر بہت کچھ اضافہ ہوا ہے) سلطنت ٹرکی میں آمدنی کے ہر باب میں ترقی ہوئی ہے۔تعلیم بہت بڑہائی گئی ہے زراعت کو خصوصیت سے ترقی ہو رہی ہے۔بعض نئے کارخانے صنعت و حرفت کے خود سلطنت کیطرف سے جاری کئے گئے ہیں۔صنعت و حرفت کے مدرسے بھی جاری کئے گئے ہیں۔ٹرکی کا قرضہ بھی بمقابلہ اکثر دیگر دول یورپ زیادہ نہیں رہا۔ تین ہزار میل سے زیادہ ریلوے تعمیر ہوئی ہے۔

ترکی اخبارات کا ٹکس معاف ہونا

میرے نزدیک قسطنطنیہ کے ترکی اخبارات کا دوبارہ کا ٹکٹ موقوف کردینا صرف چھ ہزار پونڈ سالانہ معاف کردینا ہی نہیں جو اس مد سے سلطنت کو آمدنی ہوتی تھی۔بلکہ اخبارات کی ترقی میں بڑا معین ثابت ہوگی۔آئندہ صرف غیر زبانوں کے اخبارات پر ٹکٹ (ٹکس مطابق) کا چھپنے سے پہلے چسپاں ہوا کریگا۔جو اس سرزمین میں شائع ہوں گے لیکن ترکی و عربی زبان کے اخبارات کو اس ٹکس سے اس جشن کی یادگار میں بری کردیا گیا ہے۔ قانون کے مطابق خواہ کوئی دو فقرہ کا اشتہار یا اعلان کسی مطلب کا ہی یہاں چھپے تو اسکے ہر پرت پر ایک ایسا ٹکٹ چسپاں کرنا پڑتا ہے۔جواب سوائے ترکی کے باقی زبانوں کے مطبوعات پر کرنا پڑیگا۔انگلستان میں بھی مدت تک اسی قسم کا ٹکس اخبارات اور نیز اشتہارات پر عائد رہا ہے اور زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اسوقت بلاتحریک احدے حضرت سلطان نے خود یہ اصلاح فرمائی ہے۔ورنہ اس سے پہلے اخبارات نے

بارہا درخواست کی تھی مگر حکام نے اسپر توجہ نہیں کی تھی۔ اسکے ساتھ ہی پایہ تخت کے
تمام اخبار نویسوں کو بھی محل شاہی میں سفرائے دول عظام کی دعوت میں شریک
کیا تھا۔ اور اذن عام دے دیا تھا کہ جو کچھ یہ دیکھنا چاہیں محل میں دیکھیں۔ مجھ سے
یہاں کے ایک ممتاز اخبار نویس نے ذکر کیا کہ آجتک ہمیں سلطنت کے بدخواہ سمجھا جاتا
تھا۔ لیکن اب سلطان المعظم کو خود بنفس نفیس ہماری خیرسگالی کا یقین ہوگیا ہے۔
اب امید ہے کہ یہاں کی اخبار نویسی بہت ترقی کرجائے گی۔ یہاں کے اخبارات
ہندوستان کے اخبارات سے صورت شکل اور اشاعت میں بہت آگے ہیں
جن میں "اقدام" بلحاظ اشاعت سب سے اول ہے اور دس ہزار کاپی روزانہ کی اشاعت
رکھتا ہے۔ ایام جشن سلطانی میں پندرہ پندرہ ہزار بھی چھپا ہے۔ اسکے مالک
و چیف ایڈیٹر احمد جودت صاحب بڑے قابل اور خلیق جوان ہیں۔ اسکے بعد
صباح و ثروت۔ ترجمان حقیقت۔ سعادت۔ معلومات۔ ثروت فنون ہیں۔
بالاوسط سنہ ۱۹۰۶ء میں قسطنطنیہ کے پانچ بڑے اخبارات کی ملاکر روزانہ بیس
بائیس ہزار کاپیاں شہر میں فروخت ہوجاتی تھیں۔ احمد جودت صاحب بہت
دیر مجھ سے اسی بارہ میں گفتگو کرتے رہے کہ ہندوستان کے اردو اخبارات
جبتک ٹائپ کے حروف استعمال نہ کرینگے تب تک وہ مستقل نہیں ہوسکتے اور
نہ ترقی کرسکتے ہیں۔ بات بالکل معقول ہے۔ اسکا کیا جواب ہوسکتا ہے۔ اُنہوں نے
کہا کہ آپ ہزار ہندوستان کی ترقیوں پر ناز کریں لیکن اردو کا پتھر پر چھپنائی سے کبھی
کامیاب نہیں دیگا۔ عمدہ ٹائپ حسب منشاء بنوانا کوئی مشکل بات نہیں۔ حروف
نستعلیق لکھواکر اُنکے میٹرس کھود والو اور مشین پر اپنی مرضی کا ٹائپ ڈھال لو۔ ایک ہزار
پونڈ سے زیادہ کیا خرچ ہوگا۔ سلطانی جوبلی کی تقریب پر اُنہوں نے ایک

اردو اخبار کیلئے ٹائپ کی ضرورت

لغات ترکی کا ایک جزو چھاپ کر خدمت
سلطانی میں پیش کیا تھا اُنہیں اُسکے
صلہ میں تمغہ ملا ہے۔ طاہر بے صاحب مالک معلومات و ثروت وغیرہ نے

ایک کتاب تبرکات ملی چھاپ کر پیش کی تھی۔ انہیں بھی ایک تمغہ دیا گیا ہے۔
اہل اخبارات کو بھی یہاں تمغے ملتے رہتے ہیں اور سول اور ملٹری ملازموں کو بھی

تمغے اور فوجی وردیاں

یہ شہر فوجی ملازموں سے پُر ہے۔ یہاں ہزارہا شخص دن بھر میں تمہیں ملیں گے جو خوبصورت زرق برق کی فوجی وردی میں ملبس ہیں۔ اور کمر سے شمشیر لٹک رہی ہے جسکو ایک ہاتھ سے اس شخص نے تھاما ہوا ہے۔ سینہ پر کم از کم ایک دو تمغے تو ہیں۔ اگر پولیس کا افسر یا سپاہی کسی عدالت یا محکمہ کے سامنے پہرہ پر بھی ہے۔ تو اسکے بھی دو ایک خوبصورت تمغے آویزاں ہیں۔ تمغے یہاں سال کے ہر زمانہ میں مستحقین کو تقسیم ہوتے رہتے ہیں بہ بخلاف دیگر ممالک کے کہ جہاں سال کے معین اوقات میں خطاب اور تمغے تقسیم ہوتے ہیں۔

سلطانی حضور میں بذریعہ تار عرائض

حضرت سلطان کی ذات والاصفات کے مغتنمات سے ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا قسطنطنیہ میں قانون ہے کہ جو شخص کوئی امر خواہ وہ کیسا ہی ہو سلطان المعظم کی خدمت میں بھیجے وہ ضرور انکی خدمت میں پہنچنا چاہئیے۔ بلکہ ایک دفتر تار کا اس شہر میں خاص اس غرض سے قائم ہے کہ وہاں سے حضور ممدوح کی خدمت میں اہل حاجات تار برقی خبر بھیج سکیں۔ اور آپکا حکم ہے کہ ہر ایسی تار برقی خبر ضرور انکی خدمت میں پیش ہونی چاہئیے۔ لیکن مابین ہمایون کے عہدہ دار اکثر تاریں پیش نہیں کرسکتے۔ کیونکہ کثرت مشاغل سلطنت میں وہ کہاں تک ایسا کرسکتے ہیں۔ اسلئے یہ عہدہ دار پہلے سائلوں کو طلب کرکے انکی حاجت دریافت کرلیتے ہیں اور جسکا کام اہم سمجھتے ہیں اُسے پیش کرتے ہیں۔ مگر یہاں مشہور ہے کہ جسکی خبر اعلےٰ حضرت کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے وہ محروم نہیں رہتا۔
اعلیحضرت سلطان المعظم خود بنفس نفیس سوائے صلوٰۃ الجمعہ کے مسجد حمیدیہ میں ہر ہفتہ ادا کریں۔ اور سالانہ دربار عیدین قصر دولمہ باغچہ میں منعقد کرنے یا خ

شریف کی زیارت کے کبھی یلدز سرائے ہمایون سے باہر نہیں نکلتے۔ اسوقت قریب آٹھ سے پندرہ سولہ ہزار کے فوج سوار اور پیدل اور بحری حفاظت کے لئے موجود ہوتی ہے۔ صدر اعظم اور سرعسکر یعنے کمانڈر انچیف افواج عثمانیہ کو میننے کئی تر بازاروں میں بگھی میں بیٹھکر گذرتے دیکھا ہے۔ انکے پیچھے تین تین سوار مسلح چلتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی سادگی اور بے تکلفی عیاں ہے۔

خاص سلطانی کارخانہ کی مصنوعات

حضرت سلطان المعظم نے کئی کارخانے سرکاری جیب خاص سے بعض اشیائے صنعت کی ساخت کے لئے جاری کر رکھے ہیں۔ مگر ان میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ یورپ کی ساختہ اشیاء سے گراں پڑتی ہیں۔ مثلاً ایک ماسر بندوق جو باہر سے تیار ہوا نہیں ایک سو بیس قرش میں ملتی ہے یہاں ایک سو ساٹھ قرش میں تیار ہوتی ہے۔ سلطانی کارخانوں میں ریشم اور پشم کے بہت عمدہ کپڑے۔ قالین۔ جانماز۔ باناتیں اور ترکی ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں۔ چینی اور شیشہ بھی ڈھالا جاتا ہے۔ اسکی فروخت کے لئے شہر میں کئی دوکانیں ہیں۔ جنپر لکھا ہوتا ہے "فابریقہ ہمایونی سلطانی معمولات لری" (یعنی اشیائے ساختہ کارخانہ خاص حضرت سلطان) اور یہ نہایت نفیس قسم کی چیزیں ہیں۔ مثلاً جو جانماز یا ترکی ٹوپیاں اس کارخانہ میں بنتی ہیں۔ وہ یہاں بکتی ہیں مگر انکی قیمتیں بمقابلہ بازار کے زیادہ ہیں۔ ان ترکی ٹوپیوں کے اندر اُبھرے ہوئے حروف میں مختوم ہوتا ہے کہ سلطانی کارخانہ کی ساختہ ہیں۔ اس کارخانہ کے علاوہ جنگی ضروریات وغیرہ کے لئے جو سرکاری کارخانے سلطان المعظم کے عہد میں یہاں قائم ہوئے ہیں۔ ایک ترکی اشاعت نے انکی تفصیل حسب ذیل لکھی ہے

جنگی ضرورت کے ترکی کارخانے

(۱) مکمل توپخانہ فابریقہ (کارخانہ) (۲) برقی توپخانہ فابریقہ (۳) چلیک (فولاد) فابریقہ سی (۴) دیگر چلیک فابریقہ (۵) قزغان (بائلر) خانہ فابریقہ (۶) تیمور خانہ ماکنہ۔

(آہن خانہ کی مشینیں وتفنگ خانہ وباقورخانہ) (خانہ فابریقہ لری دکارخانے)
(۷) بخار قزغان لرینہ مخصوص بودی فابریقہ (۸) تارپیڈو فابریقہ (۹) زفت (رال) فابریقہ
(۱۰) سفائن شاہانہ طوپلرینہ مخصوص عربہ دقوندق فابریقہ (جہازی وبڑی توپوں کی گاڑیوں کا
کارخانہ) زنجیر۔ سہرنج ریتمور خانہ فابریقہ لری (کارخانے) (۱۲) کبیر چکیج (گھن) فابریقہ
(۱۳) صغیر چکیج فابریقہ (۱۴) دُخانی مطبع اور فوٹوگراف خانہ (۱۵) لکڑی کے کام کا
فابریقہ۔ اور کئی دوسرے کاموں کے کارخانے۔

مگر افسوس ہے کہ ملک کی عام تجارت پر انکا اثر اس سے زیادہ ابھی نہیں پڑ سکتا کہ کچھ لوگ ان سے کام سیکھ کر اپنے اپنے کارخانے جاری کریں۔ ان لوگوں کو جو یہاں کام کرتے ہیں کچھ کام سیکھ جانیکے بعد معقول تنخواہ دیجاتی ہے۔

اسکے علاوہ حضرت سلطان نے تعلیم عامہ کے بارہ میں کیا کچھ کیا ہے۔ اسکا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ابتدائی اوسط اور اعلٰے ہر قسم کی تعلیم کے مدرسے کثرت سے اپنی قلمرو میں گذشتہ تیس سال میں قائم کرائے ہیں۔ تعلیم نسوان تعلیم دستکاری اور نیز زراعت کی ترقی کیطرف بجد کوشش کی ہے کہ جسکی کسیقدر تفصیل ان اوراق میں جابجا درج کی گئی ہے۔ اور ایک شمہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

سلطان المعظم کی علمی فیاضیاں

سلطان المعظم کی تاریخ جلوس کے بعد جسقدر جسقدر سکول کالج اور دیگر رفاہ عام کے النسٹی ٹیوشن آپ کی پچیس سالہ جوبلی تک پچیس سال کی مدت میں قسطنطنیہ میں جلالت مآب کی فیاضی سے خریدے گئے۔ یا قائم ہوئے ہیں انکی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ گو ۱۹۰۰ء کے بعد بھی اس فیاضیوں کی فہرست پر اضافہ ہوا ہوگا۔ لیکن افسوس ہے۔ اسوقت راقم الحروف کی اسپر دسترس نہیں

نام کتب وغیرہ	مقدار صرف قرشوں میں	کیفیت
مکتب ملکیۂ شاہانہ	۱۳۲۲۶۳۱	قائم کیا ۱۲۹۷ھ میں
کتب خانہ عمومی	۳۹۳۵۴۶	" ۱۳۰۰ھ میں

نام مکتب وغیرہ	مقدار صرف قرشوں میں	کیفیت
مکتب طبیہ ملکیہ شاہانہ	۵۸۶۰۰۰	خرید اگیا ۱۳۱۲ھ میں
خستہ خانہ (ہسپتال) و بیکٹریالوجی خانہ و اجزاخانہ (دوائی خانہ) و قرانتینہ خانہ	۵۲۰۴۲۳	خرید اور قائم کیا ۱۳۱۲ھ میں
مکتب عشیرت	۱۲۳۲۵۳۳	خرید کیا ۱۳۰۸ھ میں
″	۴۷۳۰۰	قائم کیا
مکتب واڈوپاشا رشدیہ	۱۴۶۰۱۰	توسیع کی
	۱۰۰۰۰	شہر طرابزون کے مکتب ملکیہ اعدادیہ کے ساتھ اسکدار کے پاشا قپو والے مدرسہ رشدیہ عسکریہ کا مبادلہ کیا
مکتب رشدیہ فاتح	۶۰۳۹۰۱	۱۳۱۱ھ میں از سر نو قائم کیا۔
سلطان احمد کا اناشا رشدیہ مکتب	۳۴۷۳۳۰	″
مکتب تجارت حمیدیہ	۲۴۲۴۳۰	خرید کیا ۱۳۱۰ھ میں
درسعادت اعدادی	۳۷۸۹۳۱	″
مکتب رشدیہ ایا صوفیہ	۲۰۶۰۰۰	″
دار المعلمات	۲۰۶۸۳۸	″
اسکدار بین طوغا بجیر ارشتہا	۷۷۳۰۴	توسیع کی ۱۳۱۱ھ میں

پبلک ورکس علاوہ ترقی تعلیم کے سلطان المعظم کے دور حکومت میں عمارات میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔ اور بہت سے مدرسے۔ مسجدیں۔ دار العجزہ (محتاج خانے) اور شفاخانے (میرا مطلب ہسپتالوں سے ہے) ورنہ ترکی زبان میں شفاخانہ[1] پاگلخانہ کو کہتے ہیں

[1] ترکی زبان میں شفاخانہ پاگلخانہ کو کہتے ہیں اور خستہ خانہ ہسپتال کو۔

سلطان المعظم نے جیب خاص سے تعمیر کیئے ہیں۔ حجاج کے آرام کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مسافر خانے بہت عمدہ تعمیر کرائے اور اب شام سے حجاز تک ریلوے لائن بھی زائران بیت اللہ کی آسائیش اور سلطنت کے استحکام کی اغراض سے جاری ہو گئی ہے۔ افسوس ہے کہ اس مملکت میں بہت سی ریلوے لائنوں کی احتیاج ہے

کفایت شعاری جو مجھے یقین ہے کہ جب ترکی خزانہ کی مالی حالت اجازت دیگی تو ضرور ایک وقت میں کئی لائینوں کی تعمیر جاری ہو جائے گی

مگر یہاں ہر کام نہایت کفایت شعاری سے چلتا ہے۔ جہاں ایک زمانہ میں ترکی سلاطین کی فضول خرچی اور عیش پرستی ضرب المثل تھی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ انکی کفایت شعاری اور جزورسی ضرب المثل ہونے کا زمانہ آیا ہے۔ ایک باخبر شخص نے مجھے قسطنطنیہ میں بتلایا تھا کہ کبھی کبھی سلطان المعظم کے شہزادوں اور شہزادیوں کی تنخواہیں کئی کئی مہینے چڑھ جاتی ہیں اور وہ صرف اسی رسد پر گذارہ کرتے ہیں جو شاہی خاندان کے تمام ممبروں کے لئے مقرر ہے۔ لیکن ارکان سلطنت اور عسکر کی تنخواہیں باوقت ادا کیجاتی ہیں۔ اس سے حضرت سلطان کی کفایت شعاری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مگر اسپر بھی چند لوگ ٹرکی میں موجود ہیں جو سلطان المعظم کے مخالف سمجھے جاتے ہیں اور "ینگ ٹرکی" کے نام سے انکی جماعت مشہور ہے جو کہتے ہیں پچاس ہزار سے زیادہ یورپ امریکہ اور مصر وغیرہ میں ہی جلاوطنی کی حالت میں ہوں گی۔ یہ لوگ قسطنطنیہ میں تو زبان سے ایک لفظ نہیں نکال سکتے کیونکہ وہاں آزادی تحریر وتقریر نہیں ہے۔ لیکن یہاں سے بھاگ کر جب ممالک یورپ کو چلے جاتے ہیں تو وہاں کے اخبارات میں یہاں کی خرابیاں گناتے ہیں۔ یہ باتیں اب میں نے بچشم خود دیکھی ہیں۔ بیشک یہ بہت کچھ اصلاح محتاج ہیں۔ لیکن نہ اسقدر کہ ایک ایسا مخیر۔ اور قوم اور بنی نوع انسان کا محسن سلطان اسقدر مورد عتاب ٹھہرایا جائے کہ ہر وقت اور ہر ساعت انکی جان معرض خطر میں رہے اور وہ اپنی عمر میں ایک لمحہ بھی محلسرائے سے باہر نہ نکل سکے۔ میں معترضین کی شکایات بیان کرنے سے پہلے ذات شاہانہ کی اس

کیفیت خطر کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

سلطان المعظم سوائے دو تین لازمی سالانہ تقریبوں کے ایک روز بھی سالہا سال سے قصر یلیدز کی حدود سے باہر نہیں نکلتے۔ جبتک مینے یہاں آکر مسجد حمیدیہ کو نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت سلطان ہفتہ میں ایک روز جمعہ کی نماز کے لئے محلسرائے سے نکلکر فوجی حفاظت کے اندر بعض شہر کے بازاروں میں سے گذار کر سلاملق کے لئے جاتے ہیں۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ جامع حمیدیہ حدود محلسرائے کے اندر واقع ہے۔ یا زیادہ صحت کے لئے یوں کہنا چاہئے کہ محلسرائے یلیدز کے پھاٹک کے سامنے شائد ایک سو قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور حضرت سلطان جس وقت نماز کے لئے آتے ہیں بے انداز فوج مسجد کے گرد و پیش متعین کیجاتی ہے۔ کیا مجال ہے کہ ایک پرندہ بھی وہاں پھٹک سکے۔ صرف محل سلطانی کے خُدام و بعض وزرا جماعت میں شریک ہوتے ہیں یا ایک آدھ ایسا شخص کہ جسے امام وغیرہ اپنی ذمہ واری پر مسجد میں داخل کرلیں۔ امام سلطانی جماعت کراتے ہیں۔ ۹ بجے صبح سے شہر کے مختلف حصوں سے پیدل اور سوار فوجیں اپنے اپنے باجوں کے ساتھ قصر یلیدز کیطرف جانی شروع ہو جاتی ہیں جو شہر کے حصہ بانشکطاس میں واقع ہے۔ اور پُل غلطہ سے جو شہر کا نہائت بارونق حصہ ہے دو تین میل سے کم نہیں۔ ۱۱ بجے تک یہ سب فوجیں جمع ہو جاتی ہیں جنہیں ایسے طور پر مسجد کے گرد تعینات کیا جاتا ہے کہ کسی بشر کا مسجد تک پہنچنا تو ناممکن بلکہ دور سے ہز مجسٹی کی شکل تک دیکھنا بھی محال ہو جاتا ہے۔ مینے ارادہ کیا کہ سلاملق میں سلطان المعظم کی زیارت کرسکوں لیکن ناکام رہا چونکہ انہیں دنوں اٹلی کا شاہ ہمبرٹ ایک قاتل کے خنجر سے مارا گیا تھا۔ اور پیرس میں شاہ مظفر الدین کی جان پر حملہ ہوا تھا۔ اُسوقت سے مبالغہ کے ساتھ ذاتِ سلطانی کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کے پیچھے بہت لوگ کھڑے ہوکر یہ منظر دیکھ سکتے تھے۔ مگر اب سوائے اُن چند یوروپین لوگوں کے جو اپنی اپنی سلطنتوں کے سفیروں سے ایک نوع کا ٹکٹ حاصل کرتے ہیں

سلاملق

اور ایک مہمانخانہ میں بیٹھکر سلطان کی سواری دیکھ سکتے ہیں۔ اور کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ یہ ٹکٹ بھی سلطان المعظم کی خاص منظوری کے سوا جاری نہیں ہوتے۔ مینے بھی چاہا کہ انگریزی سفیر سے ایک ٹکٹ حاصل کروں۔ چنانچہ ایک روز میں انگریزی سفارت میں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ موسم گرما میں سفارت کا مقام شہر سے چند میل باہر ایک قصبہ تھراپیا میں رہتا ہے۔

مایوسی کی وجوہات

اسلئے دوبارہ مجھے وہاں جانیکا موقعہ نہ ملا۔ اور مینے قصر یلدز کے ذریعہ جو کوشش یہ رسم دیکھ سکنے کی کی تھی اس میں بھی بوجہ تنگی وقت ناکامی رہی۔ اس روز کی تگ و دو اور کوشش کی کیفیت میری ڈائری میں اسطرح درج ہے۔ "گاڑی سے اُتر کر ہم تھوڑی دور پیدل مسجد حمیدیہ کے پاس سے گذرے۔ مسجد کے عین مقابل چند قدم پر سراے سلطانی کا دروازہ ہے۔ اسکے اندر داخل ہوئے تو میرا نام پتہ پوچھا گیا۔ یہاں ہرچند کہ کوئی اندر نہیں جا سکتا جبتک کہ یہاں رسوخ نہ رکھتا ہو۔ مگر سید عبدالغفار صاحب کی معلوم ہوتا ہے بہت دور تک رسائی ہے۔ اندر پہنچکر ایک دفتر کے کمرہ میں بیٹھے جو قدری بے صاحب افسر خفیہ پولیس کا کمرہ تھا۔ انہوں نے قہوہ سے تواضع کی۔ اس اثنا میں انکے پاس کئی افسر آئے جنکی زرق و برق کی وردیوں سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوتی تھی۔ یہاں کئی پاشا اتنی دیر میں نظر سے گذرے۔ جب ان سے سلاملق کی جگہ کے لئے اجازت طلب کی گئی تو اُنہوں نے محمود جلال الدین پاشا کا پتہ دیا۔ جب اُنکے پاس گئے تو انہوں نے پہلے قہوہ پلایا۔ اور پھر کہا کہ یہ میرا کام نہیں ہے۔ پھر ایک صاحب شاکر پاشا کے پاس پہنچے یہ بڑے خلق سے اُٹھکر ملے اور ہاتھ ملایا۔ اور سید صاحب کے کہنے پر میرے لئے اینڈ ہفتہ نام پیش کرنے کی یادداشت لکھ لی۔ یہاں بھی قہوہ پیا۔ یہاں سے حاجی علی صاحب سلطانی چیمبرلین کی خدمت میں گئے جو دوسری منزل کے ایک عالیشان دفتر میں بڑے بڑے صوفوں پر چند اور افسروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے ایک دوسرے افسر کے پاس ایک شخص کو بھیجا جس کا

فرض منصبی سلاملق دیکھنے کے لئے اجازت لے دینے کا تھا۔ لیکن اس نے کہلا بھیجا کہ میں اپنے اوپر ذمہ داری نہیں لے سکتا جب تک کہ آپ ذمہ داری نہ لیں۔ کیونکہ پیشگاہ ہمایونی سے اسوقت استیذان کا وقت نہیں رہا۔ اسلیئے دو گھنٹہ کی سعی کے بعد مایوس ہوکر ہم بارہ بجے دوپہر کو قصر یلدز سے واپس پھرے"۔

اسقدر سعی کے بعد اور اتنے بڑے بڑے افسروں تک سائی ہو چکنے کے باوجود نشست کی اجازت نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ سلطان المعظم نے اکثر کام اورخصوصاً یہ کام اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ اوران کی ذاتی اجازت کے سوائے کسکوئی مہمان وہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ جبتک کہ کسی سلطنت کے سفیر کیطرف سے وہ مہمان نہ ہو۔ اور باوجود اسکے بدطینت۔ سفاک۔ ذات سلطانی پر باجیانہ حملے کرنیکے موقعے پالیتے ہیں۔ جیسے کہ میرے قسطنطنیہ سے واپس آنیکے بعد بم کے گولے کے واقعہ سے ظہور میں آیا تھا۔ غرض بعض وجوہات سے میں تھراپیا یا قصر یلدز کے ذریعہ اسبارہ میں دوبارہ کوشش نہ کرسکا۔ سلاملق کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ سلطان المعظم پانزدہم رمضان کوسنجاق شریف کی زیارت کو جاتے ہیں جو قدیم حرم سرائے میں موجود ہے۔ یہ عَلم حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کا مع چند دیگر زیارات کے اس مکان میں رکھا ہوا ہے اور سال میں ایک مرتبہ صرف سلطان المعظم بدست خاص کھولکر اسکی زیارت کرتے ہیں اور سوائے معدودے چند وزرائے مقربین کے اور کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا۔ اسکے بعد (سلاطین سابقہ کا دستور تھا) جامع ایا صوفیہ میں نماز عشا کی شرکت کو جاتے تھے۔ اور عید رمضان کے بعد بھی سات شب تک جایا کرتے تھے۔ مگر سلطان المعظم نے یہ رسم ایا صوفیہ میں جانے کی ترک کردی ہے۔

اِدہر تو یہ حال ہے۔ اُدہر جسقدر ترکوں سے مجھے گفتگو کرنیکا اتفاق ہوا ہے سلطان عبدالحمید خان کے کارناموں کی وجہ سے کہتے ہیں کہ واللہ ایسا سلطان نہ پہلے گذرا ہے اور نہ کوئی آئیگا۔ اور بیشک سلطان حال نے اتنے کام رفاہ عام کے علاوہ ترکی قوم کی فوجی طاقت ازسرنو قایم کرنیکے کئے ہیں کہ انکا شمار کرنا

بھی مشکل ہے۔ شام و بیروت میں مجھے ایک دو آدمیوں سے بالتفصیل شکایات سننے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ یہ قسطنطنیہ سے دور مقامات ہیں یہاں لوگ کچھ بول سکنے کی جرارت کرتے ہیں۔ مگر قسطنطنیہ میں خواہ دلوں میں کیا ہو کوئی بول نہیں سکتا۔

اب میں اُن شکایات کو بیان کرتا ہوں جو مجھے اس طریق حکومت میں نظر آئی ہیں۔ مگر بقول ایک ترک اہل الرآے کے میرا دماغ انگریزی حکومت میں تعمیر ہوا ہے اسلئے میں ان کے ملک کی حکمت عملی کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا اور نہ پورے طور پر اسکی خوبیوں کی داد دے سکتا ہوں۔ میرے خیال میں اخبارات کی زبان اس

اخبارات کو کچھ آزادی ملنی چاہیئے

حدتک بند کرنا ضروری نہیں کہ جس حدتک اسوقت قلمروے عثمانی میں بند ہے۔ یہاں اخبارات آجکل سوائے سرکاری افسروں کے تغیر و تبدل عطائے خطابات اور عام خبروں کے کچھ نہیں لکھ سکتے۔ غیر ممالک کی تارخبروں میں سے بھی بعض درج نہیں کیجاتیں اور بعض کاٹ چھانٹ کر درج کیجاتی ہیں۔ مثلاً پچھلے دنوں قیصر جرمنی نے اپنی ایک تقریر میں کچھ اس قسم کا ذکر کیا تھا کہ جرمن سپاہیوں کو چاہیئے کہ چینیوں کو ایسا سبق سکھلائیں جو وہ مدت تک نہ بھولیں۔ یہ خبر ترکی اخبارات میں شایع نہیں ہو سکی صرف اسلئے کہ جرمنی کے ساتھ ٹرکی کا دوستانہ تعلق ہے۔ میرے خیال کی مخالفت میں زیادہ سے زیادہ آزادانہ تحریر کا نمونہ جو ایک ترک دوست مجھے بتلا سکا یہ تھا کہ ترکی اخبارات لکھہ سکتے ہیں کہ فلاں توپ جو ہمارے یہاں ہے وہ اچھی نہیں ہے۔ اس سے اچھی وہ توپ ہے جو فلاں سلطنت کے پاس ہے اور ہمیں بھی ایسی ہی حاصل کرنی چاہیئے۔ اور مینے بھی کہا تھا کہ غنیمت ہے اگر ایسی تحریرات چھپ سکتی ہیں۔ چونکہ ان اخبارات میں رائے زنی کا صیغہ ہی نہیں ہے۔ اسکی کمی ایک دوسری چیز سے پوری کی گئی ہے۔ اور وہ حضرات سلطان المعظم کی ذات کے لئے تعریفی کلمات کا انبار ہوتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے تعریفی کلمات وضع کئے گئے ہیں جنکو موقعہ بیموقعہ ہر پرچہ میں دو چار جگہ کھینچ تان کر حضرت شہریار کا نام لکھکر اسکے جلو میں

لے آتے ہیں۔ مشہور ہے کہ جو خیال حد سے زیادہ بڑھا وہ مسا ہو جاتا ہے۔
بے شک ہر لحاظ سے ضروری ہے کہ حضرت سلطان المعظم کا ذکر ادب سے کیا جاوے
اور ان کے کارناموں کی تعریف اور احسانوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ لیکن اخبار کا
ایک معتد بہ حصہ اسی ذکر سے پُر کر دینا بناوٹی بات معلوم ہوتی ہے۔ میں تسلیم
کرتا ہوں کہ ابھی ٹرکی کے اخبارات اسقدر آزاد نہیں ہونے چاہئیے۔ جسقدر
کہ انگلستان۔ فرانس۔ یا اضلاع متحدہ امریکہ کے ہیں لیکن اگر معتدل آزادی
تحریر کی دیجاوے تو لوگوں کے دلوں کے بخارات جواب فساد کی صورت بنکر پھوٹ
نکلتے ہیں۔ اس صورت میں کم وبیش شکایات کی شکل میں خارج ہوتے رہیں گے۔
البتہ اخبارات کی نگرانی ایک قابل اور ہوشمند سنسر (محتسب) کے سپرد کیجاوے
جو ان دو باتوں کے درمیان پورے طور پر تمیز کر سکے کہ کونسی تحریر خالی آواز ہے۔
اور کونسی فساد پیدا کر سکتی ہے۔ میری رائے میں اگر اخبارات میں کسیقدر آزادی سے
لکھنے کی اجازت ہوتی تو چند سال قبل جو عظیم الشان فساد کی سازش ارمنیوں نے
کی تھی۔ اور یہ بھی مینے سنا ہے کہ ہزارہا طپنچوں اور ٹنوں گولی وبارود کے علاوہ
ایک دو توپیں بھی حاصل کرلی تھیں اسکا کچھ نہ کچھ سراغ نکل آتا۔ علاوہ اس کے
موجودہ شکایت "ینگ ٹرکی پارٹی" کی بھی رفع ہوسکتی ہے۔ صرف نہایت
ذمہ دار شخصوں کو ایڈیٹری کا امتیاز دیا جاوے۔ اور وہ ذاتی طور پر وفاداری کا
خیال قائم رکھنے کے لئے پابند کئے جائیں۔ دوسری شکایت جو میں نے سنی ہے
یہ ہے کہ جن لوگوں کی نسبت ذات سلطانی کے خلاف کوئی سازش کرنے کی مخبری
کوئی شخص بھی کردے یا کوئی خفیف شبہ بھی پیدا ہو انہیں گرفتار کرکے محلسرائے سلطانی

سازش کرنیوالوں کے جرم کی تحقیقات

میں لایا جاتا ہے۔ جہاں انپر الزام لگا کر انکا
بیان طلب کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی بیقصوری
ثابت کرنے میں کامیاب ہوں تو انہیں اس تکلیف کے بدلے جو اس کارروائی سے
انہیں ہوئی ہے کچھ معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔ بصورت قصوروار ثابت ہونیکے سزا دیجاتی

ہے۔ فریق معترض چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تحقیقات کھلی عدالت میں کیجائے اور انہیں اپنی بریت ثابت کرنیکے تمام موقعے دیئے جائیں۔ جہانتک میں غور کرسکتا ہوں ہر ملک میں معمولی عدالتی تحقیقات سے یہی مطلب پورا ہوسکتا ہے۔ انگریزی اصول قانون فوجداری میں یہ دو باتیں کیسی اچھی ہیں کہ اوّل جب تک کسی شخص پر جرم ثابت نہ ہوجائے اُسے بیقصور سمجھا جائے۔ اور اسی لئے شک کا فائدہ مجرم کو دیا جاتا ہے۔ دوم قانون کا میلان اسطرف ہوکہ دس گنہگاروں کے سزا سے بچ جانے کی نسبت ایک بیگناہ کا سزا پاجانا بُرا ہے۔ لیکن جب اس خیال کو مدنظر رکھا جائے کہ بلاد عثمانی میں کتنی مختلف الانواع اقوام جو آسانی سے مسلح ہوسکتی ہیں بستی ہیں جن میں سے بعض عیسائی قوموں کے دلوں میں اسلیئے فساد کرنے کی اُمنگ ہے کہ انکے ساتھ کی دوسری قومیں اسی طریقہ سے ترکوں کی حکومت سے نکلکر آزاد ہوگئی ہیں۔ اور ان قوموں نے بارہا طرح طرح کی مفسدانہ حرکات کی ہیں۔ تو محولہ بالا قانون کسیقدر حق بجانب معلوم ہوتا ہے۔ تیسری شکایت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نالائق آدمیوں کے ہاتھ میں ہیں وہ اچھے آدمیوں کو گھسنے نہیں دیتے۔ اور سفارش اور رشوت بہت سے کام بگاڑ دیتی ہے۔ چوتھی یہ کہ مدارس کی تعلیم میں اعلیٰ درجہ کی تاریخ اور پولیٹیکل اکانومی مطلق موجود نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان شکایات میں کسیقدر مبالغہ بھی ہے کیونکہ آجکل کے ٹرکش وزراء عہدہ دار عموماً یورپین یونیورسٹیوں کی تعلیم یافتہ صرف لیاقت کے لحاظ سے رکھے جاتے ہیں۔ تاہم بعض لوگ اصرار سے کہتے ہیں کہ ترکی مدبرین اور مشیران سلطنت میں ایسے آدمی کم ہیں جنکی دانشمندی اور روشنضمیری پر زیادہ بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ سلطنت کی بدبختی ہے (بقول ایک شخص کے) کہ حضرت سلطان المعظم کے مشیر صرف ہاں میں ہاں ملانیوالے ہیں۔ اور امیر خواب وخور اور شہوات نفس کے سوا کسی دوسری بات کو نہیں جانتے۔ ورنہ جیسا روشنضمیر

لائق مشیروں اور مدبروں کی کمی

بیدار مغز اور صاحب لیاقت وعقل سلطان ہے۔ اگر ایک نصف درجن بھی لائق سٹیٹسمین اسے ملے ہوئے ہوتے تو آج ترکوں کی حالت اس سے بہت اچھی ہوتی۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ کئی چھوٹی چھوٹی باتیں جنکی نسبت لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ انکی نسبت حضرت سلطان کو علم بھی نہیں ہے۔ مگر ایک گروہ کا خیال ہے کہ سلطان المعظم کو کسی مشیر کی آزاد بیانی منظور نہیں۔

سلطان المعظم کی دینداری

ترکوں سے جسقدر باتیں حضرت سلطان کے محامد ذاتی کی نسبت معلوم ہوئیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ عربی۔ فارسی اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے ہیں۔ سوائے تین چار گھنٹہ آرام کے آپ کام بذات خاص صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کرتے رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مختلف سکرٹری بھی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ تدین کی یہ حالت ہے کہ نماز کے پابند ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں۔ صبح کی نماز کبھی نہیں کھوئی۔ تسبیح پر ذکر پڑھتے ہیں اور اپنی قلمرو میں دین اسلام کی ہر دم حفاظت اور تائید کرنیکا خیال رکھتے ہیں۔ آپ موسیقی اور حیوانات کی پرورش کے بڑے شائق ہیں اور غیر زبانوں کے ناولوں کے ترجمے بھی اکثر سنتے ہیں۔

سلطان پرستی

ترک اپنے سلطان کا تہ دل سے ادب کرتے ہیں۔ اُسے خلیفۃ الرسول اور خلیفۃ اللہ فی الارض مانتے ہیں۔ اُسکے حکم پر جان دیدینا دونو جہانوں کی سرخروئی کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ سلطان المعظم کیطرف سے جو کچھ اُنکے حق میں ہوگا بہتر ہی ہوگا۔ اکثر جگہ قسطنطنیہ میں قطعہ آویزاں دیکھا جاتا ہے۔ "دعائے سلطان سبب غفران"۔ یعنے سلطان المعظم کے حق میں دعا کرنا اپنی بخشش کا موجب ہے۔ اور "بادشاھم چوق یشا[۱]"۔ سلطان کی درازی عمر واقبال کے لئے انکا مشہور قومی نعرہ ہے۔ اسی طرح ترکوں میں خیال راسخ ہے کہ سلطانی دسترخوان کا بچا ہوا کھانا جن مریضوں کو کھلایا جائے وہ تندرست ہو جاتے ہیں۔

[۱] میرا بادشاہ دیر تک زندہ رہے۔

یا جن بچوں کو کھلایا جائے انکی زبان کھل جاتی ہے۔ اندریں حالات بھلا کیسے کوئی ترک بچہ اپنے سلطان سے غدر و بغاوت کا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ لیکن عیسائی مفسدین کی ترغیب سے بعض ناتجربہ کار نوجوان ترک کہ جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ اور یورپین تعلیم نے انکے قدیم خیالات بدل دیئے ناراض ہوکر قلمروے عثمانی سے یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھاگ گئے۔ شکایتوں سے دنیا میں کوئی ملک خالی نہیں ہوگا۔ فرق ان شکایات کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی جس عزم سے تعلیم اپنے ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام شکایات کی اصلاح کرنے پر آمادہ ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہتے تو رعایا کو زیادہ تر تاریکی میں رکھنا پسند کرتے۔ جبکہ وہ رعایا میں تعلیم کی روشنی پھیلانا چاہتے ہیں۔ اور قوم کی عام حالت کو یورپین اقوام کے پایہ پر لانا چاہتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی مخالف اور نوجوان ٹرکی پارٹی کے ہوا خواہ غلطی پر ہیں۔ ٹرکی میں اسوقت ہر شخص کو بالاوسط ہندوستان کے چھ روپے سالانہ کے قریب ہر قسم کا ٹکس دینا پڑتا ہے۔ جسمیں بالواسطہ ٹکس یعنے چنگی وغیرہ کی طرح کے ٹکس بھی شامل ہیں جو براہ راست ہر شخص کو نہیں دینے پڑتے۔

رحم و رافت کا سلوک

ذاتی طور پر سلطان المعظم بڑے حلیم بردبار اور متحمل ہیں جبتک کہ انہیں ناراض نہ کیا جائے وہ ادنیٰ ادنیٰ لوگوں کے استمالت قلوب میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ایک شخص نے مجھے بتلایا کہ مینے حضرت سلطان کی خدمت میں ایک تار بھیجا تھا کہ دولت کی بہبودی کے لئے مَیں کوئی ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور کسی دوسرے ذریعہ سے مسامع ہمایونی تک یہ بھی پہنچوا دیا تھا کہ اگر اسے وہ اخبار نکالنے کی اجازت نہ دیگئی جو یہ نکالنا چاہتا ہے تو یہ مصر میں جاکر مخالف اخبار جاری کردیگا۔ چنانچہ بخیال اسکے اسکی چال کارگر ہوگئی اور اسے طلب کرکے اسکا مطلب دریافت کیا گیا۔ اور عرض حال عرضی

پیش کرنے پر اسکے وظیفہ میں ترقی کرنیکا وعدہ کیا گیا۔ تاکہ حق سلطانی میں دعا کیا کرے۔ اخبار نکالنے کے جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دوسرے صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حال میں ہندوستان سے ایک بزرگ آکر سلطنت کے ایک صیغہ میں ملازم ہوئے ہیں۔ جب پہلے پہل انہیں کوئی ماموریت نہ ملی تو انہوں نے جزیرہ قبرس میں جاکر دولت بہیہ کے خلاف ایک اخبار نکالنے کی خبر مشہور کردی۔ اسپر انہیں وہاں سے بلاکر نوکری دیگئی۔ ہر چند کہ یہ عامیانہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ تاہم اگر انہیں کچھ بھی وقعت دیجائے تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے اسکے مطابق سلطان المعظم کی شاہانہ بردباری کی تعریف کرنی مشکل ہے۔

تحائف استانبول وغیرہ

ہندوستانی طبیب چشمان قسطنطنیہ میں منجملہ دیگر ہندوستانیوں کے جو مجھے یہاں ملے ایک ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب چشمان ساکن ضلع جالندھر تھے۔ جو معہ دو اور متعلقین کے چھ ماہ سے یہاں غلاطہ میں مقیم تھے۔ یہ پہلے بھی یہاں رہ گئے تھے جبکہ انہیں تمغہ مجیدیہ صنعت چہارم ملا تھا۔ ترکی بے تکلف بولتے تھے۔ اور جس مکان میں مقیم تھے اسکا کرایہ سات پونڈ یعنے سو روپیہ سے زیادہ ماہوار دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا کام یہاں اچھا چلتا تھا۔ شروع میں اُنہوں نے ہی مجھے شہر کے بعض مقامات قابل دید دکھلائے۔ کپڑے بالکل یورپین تہذیب کے مطابق پہنتے تھے۔ گو خواندہ آدمی نہیں تھے مگر اپنا فن خوب جانتے تھے۔ کاش بہت سے ہندوستانی طرح طرح کے کاموں اور خدمتوں کے لئے یورپ وغیرہ ممالک کو نکل جائیں۔ اُنہوں نے بتلایا کہ کسطرح انکی برادری کے کئی لوگ یورپ کے مختلف ممالک میں جاکر مریضوں کی آنکھیں بناتے ہیں اور بعض بہت بہت روپیہ کما کر لاتے ہیں۔ ایک نے تو اٹلی میں اسقدر کامیابی حاصل کی کہ وہاں کی کسی ملکی مجلس کا ممبر بھی ہوگیا اور وہیں شادی بھی کرلی۔

قسطنطنیہ کے تحائف

نواب علی صاحب اسوقت وطن جانے کے لئے قسطنطنیہ کے کچھ تحائف خرید رہے تھے۔ چونکہ انہیں یہاں کا بہت تجربہ تھا میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کون کونسے تحائف یہاں سے ہندوستان لیجانے کے لائق سمجھتے ہیں۔ اُنہوں نے مجھے یہ چیزیں بتلائیں:۔

(۱) قطعات خوشخط نوٹوگرافی ومطبوعہ (۲) رومال کشیدہ اور تحریر والے (۳) ترکی تولیئے (۴) شیشہ کے حقّے (۵) تسبیحاں (۶) انگوٹھیاں (۷) ایک زنانہ فراجہ (۸) قرآن مجید ودلائل الخیرات (۹) یہاں کے ناموروں کے فوٹو گراف۔ (۱۰) خضاب ترکی (۱۱) ترکی بوٹ (۱۲) زنانہ گرگابی (۱۳) کے جانماز بہت عمدہ کشیدہ کے کام کے (۱۴) قرآن مجید کے غلاف جنپر طلا سے اعلیٰ درجہ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے (۱۵) ریشمی کپڑا ابروجرکا (۱۶) ترکی ٹوپیاں۔ چنانچہ میں بھی انکے ساتھ بازار میں خریدنے گیا اور قسطنطنیہ سے لوٹتے ہوئے انمیں سے اکثر چیزیں تھوڑی تھوڑی خرید لایا۔

ترکی تولئے

اس میں کوئی کلام نہیں کہ ترکی تولئے نہایت عجیب ہوتے ہیں۔ یورپ کے اچھے تولیوں کا نام ابتک ٹرکش ٹاول ہے۔ یہ تین تین تولیوں کا جوڑا ہوتا ہے جو اکٹھا بکتا ہے۔ تین اسلئے کہ ایک سب سے بڑا غسل کرکے کمر میں باندھا جاتا ہے۔ اس سے چھوٹا کندھوں پر اوڑھتے ہیں اور اس سے چھوٹا سر پر لپیٹتے ہیں قسطنطنیہ کے حماموں میں اسقدر تولئے استعمال کرتے ہیں کہ جن دو ایک حماموں میں مَیں گیا ہوں وہاں تولیوں سے کئی کئی الماریاں بھری ہوئی تھیں۔ کیونکہ ایک ایک شخص کے غسل پر کئی کئی تولئے استعمال ہوتے ہیں۔ سوت کے علاوہ ریشمی تولئے بھی امرا کے استعمال کے لئے بنتے ہیں۔

جانماز

ترکی قالین ایک عالم میں مشہور ہیں اور اتنے بنے نہیں جاتے جتنی انکی مانگ یورپ اور ایشیا میں ہے۔ اسلئے یہ ترکی کی بہت بڑی دستکاری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن علاوہ قالین کے عمدہ کے جانماز بھی نماز کے لئے بہت استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بڑی نفیس اور خوشنما چیز ہے۔ اکثر خوبصورت ڈیزائنوں اور مختلف رنگوں کے

بیل بوٹے رنگین تاگے اور زردوزی سے بنائے جاتے ہیں۔ وہ نہایت دل لبھانے والے ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کیوں ان جانمازوں کی ہندوستان میں تجارت نہیں ہوتی۔ کوئی شخص جو گاہ بگاہ نماز پڑھتا ہے وہ بھی ایک ایسا جانماز دیکھکر ضرور خریدنے کی خواہش کریگا۔ اور اسی طرح اور کئی چیزیں جو میں نے مخالف میں ذکر کی ہیں ہندوستان میں بہت پسند کئے جانیکے لائق ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نہ ترکوں میں اتنی ہمت ہے، کہ وہ ہندوستان میں اپنا مال بیچنے کو شش کریں کیونکہ ان کے یہاں ہاتھ سے جو مال تیار ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ نہیں بنتا ہوگا جو بک نہ سکے اور نہ ہندوستان کے مسلمان ہی اتنے انٹرپرائزنگ ہیں کہ ترکی اشیاء کی تجارت شروع کریں۔

طلائی کام کے جزودان اور لحاف کے ابرے اطلس اور کمخواب پر جو طلا سے کشیدہ کاری کا کام کیا جاتا ہے وہ بھی قابل ذکر ہے۔ سلطانی طغرا بہت عمدہ کاڑھے جاتے ہیں۔ اور چھوٹے بچوں کو جب ترک بسم اللہ شروع کراتے ہیں تو نہیں جس جزدان میں قاعدہ رکھکر دیا جاتا ہے اسپر بہت خوبصورت ڈیزائن مساجد کے ہوتے ہیں۔ اور تاکہ عوام بھی استعمال کرسکیں۔ جزودان چھوٹے کام کے ہوتے ہیں لیکن لحاف کے ابرے بڑے دلکش ہوتے ہیں۔ میرے میزبان نے جو لحاف مجھے استعمال کو دیا تھا اسکی نسبت میری ڈائری میں درج ہے۔

"اوڑھنے کو جو لحاف دیا اسکا ابرہ ریشمی تھا۔ اور اسپر بڑی صنعت کا طلائی کام کیا ہوا تھا۔ جو ترکی سے مخصوص ہے اسکی قیمت ساڑھے تین پونڈ بتلائی گئی۔ ہندوستانی ایسے گراں کپڑے نہیں استعمال کرسکتے"۔ کشیدہ کی صنعت کا یہاں بڑا رواج ہے۔ عام سفید رومالوں کے چاروں کناروں پر بھی ریشم اور طلا سے چھوٹے چھوٹے بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ اور ایسے رومال بازاروں میں بکتے ہیں۔

تسبیحاں یہاں تسبیح کے استعمال کا بڑا رواج ہے۔ عورتیں۔ مرد۔ بوڑھے

جوان مسلمان۔ عیسائی اور یہودی۔ امیر و غریب سب ہی تسبیح خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ بعض لوگ بازاروں میں بھی تسبیح ہاتھ میں لٹکائے پھرتے ہیں۔ بلکہ گھر میں اگر ہاتھ میں تسبیح نہ تھی تو بازار میں چلنے سے پہلے ضرور ساتھ لے لیتے ہیں جیسا کہ میں کسی دوسری جگہ لکھ چکا ہوں۔ یہ نظارہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے سر پر نوہیٹ (انگریزی ٹوپی) رکھی ہے اور ہاتھ میں مسلمانوں کی طرح تسبیح کہ جسکے دانوں کو وہ سرکاتا جاتا ہے۔ کئی لوگ دفاتر میں کام کر رہے ہیں اور تسبیح سامنے موجود ہے۔ ذرا کام چھوڑا اور تسبیح اٹھالی۔ یہاں تسبیحوں کی قیمتیں تین چار قرش (۶ ریا ۸ ر) سے لیکر پچاس پونڈ (ساڑھے سات سو روپیہ) تک ہوتی ہیں کیونکہ بڑے بڑے امرا اور پاشا لوگ بڑی قیمت کی تسبیحاں خریدتے ہیں اسی لئے یہاں تسبیحوں کی بڑی تجارت ہے اور کئی مساجد کے پاس خصوصاً جامع بایزید کے صحن میں بہت سی دوکانیں تسبیح فروشوں کی ہیں۔ مینے بھی ایک مجیدی کی تین تسبیحاں اور ڈیڑھ مجیدی کی ایک تسبیح کہربا کی خریدی۔ دمشق میں مینے دو ہندوستانی مسلمانوں کو دیکھا تھا جو تین چار گدھوں کا بوجھ ہندوستان سے سستی تسبیحیں لکڑی کے دانوں کی مکہ معظمہ کو لیجا رہے تھے۔ کہ جہاں سے حاجی لوگ بطور تبرک خرید کر انہیں پھر ہندوستان لے آتے ہیں۔

فوٹوگرافی قطعات یہ بھی استنبول کا ایک بہت نادر تحفہ ہے۔ بڑے بڑے خط نسخ کے استادوں کے خوشخط لکھے ہوئے قرآنی آیات اور سورتوں کے فوٹوگراف دیواروں پر آویزاں کئے جاتے ہیں۔ ترکوں میں اب تک خوشخطی کی بڑی قدر ہے۔ اور خطاط عزت سے دیکھے جاتے ہیں۔ لاہور میں ایک روز ایک معزز دوست میرے یہاں موجود تھے جب مینے انہیں چند نمونے ان فوٹوگرافی قطعات کے دکھلائے تو وہ کہنے لگے کہ سب سے عمدہ دعوت میری یہی ہے کہ ان میں سے مجھے کوئی قطعہ دیدو۔ لاہور میں ایک صاحب نے انگلستان سے ان قطعوں کی نقلیں بھی چھپوا کر منگوائی ہیں۔ مگر نقل کو اصل سے کچھ نسبت نہیں

اسی طرح اگر ہندوستان میں یہ دوہرے ترکی بوٹ بھی کوئی صاحب ٹرکی سے منگوائیں یا یہیں انکی عمدہ نقلیں بنوائیں تو یقین ہے کہ فائدہ اُٹھائیں۔ کیونکہ مسلمان ایسے بوٹ شوق سے خریدلیں گے۔ موسم سرما میں ان سے وضو اور نماز کا بڑا آرام رہتا ہے۔

ایک ہندو زباندان

ایک روز شیخ ولی محمد صاحب ایک ہندوستانی مسٹر تلجارام کو میرے مکان پر لے آئے۔ یہ صاحب سورت کی طرف کے رہنے والے برہمن ہیں۔ اور آٹھ دس سال سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں سے بلکہ کھانے پینے میں انہیں کچھ پرہیز نہیں کیونکہ ایسے پرہیز سے یہاں گذارہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کئی زبانیں جانتے ہیں جو لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔ اور بڑے زندہ دل آدمی ہیں۔ حال میں ایک انگریز عورت سے شادی بھی کی تھی۔

ایک ہندوستانی نوکر

ایک روز اخبار معلومات کے ایڈیٹر خالد ایوب صاحب کو ملا تو معلوم ہوا کہ اُنہوں نے آج ہی ایک ہندوستانی لڑکا دربانی کی خدمت پر ملازم رکھا ہے لڑکے سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنارس کا رہنے والا ہے۔ اس نے کئی سال بغداد میں رہکر کچھ عربی اور ترکی بولنا سیکھ لیا تھا۔ اور اب پانچ مجیدی (۱۲ عـہ ۸) اور روٹی پر یہاں نوکر ہوا ہے۔ ہر چند کہ ٹرکی یورپ میں سب سے غریب ملک ہے تاہم یہاں کی معاشرت اور تنخواہوں کا معیار ہندوستان[ف] سے بہت اعلیٰ ہے۔

ایک ہزار روپیہ کے نقصان سے خدا نے بچالیا

مجھے قسطنطنیہ میں پہنچے چند روز ہوئے تھے کہ لاہور کے خط سے معلوم ہوا جب میں لنڈن سے پیرس واپس آیا اور دو تین روز ٹھہر کر قسطنطنیہ کو روانہ ہوا تو اس روز یعنی ۱۳ اگست کو پیرس کے کسی بدمعاش نے مجھے ہزار روپیہ کا نقصان پہنچانا چاہا۔ میں ۱۳ اگست کو ایک بجے کی گاڑی میں پیرس سے قسطنطنیہ کو روانہ ہوا اور اسی روز

ف۔ ایک کیا سینکڑوں ہندوستانی خصوصاً مسلمان تجارت سے یہاں عزت کی روٹی کما سکتے ہیں۔

اس کمبخت نے جو نہ صرف میرے پتہ سے واقف تھا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لاہور میں ہمارے مکان کے پتہ سے بھی واقف تھا۔ اس مطلب کا ایک تار میرے بھائی کے نام میری طرف سے روانہ کیا کہ میرا کل روپیہ اتفاقاً ضایع ہو گیا۔ مجھے ایک ہزار روپیہ بنک بنگال کی معرفت فلاں فلاں پتہ سے پیرس میں بھیجو۔ یہ فلاں فلاں پتہ بھی بہت لمبا ہے۔ اسکے علاوہ مکتوب الیہ کا پتہ بہت بیہنگم اور اس پتہ کے خلاف ہے۔ جو مینے ایک پہلے تار میں لکھا تھا۔ "پیسہ لاہور" ہندوستان کے محکمہ تار میں پیسہ اخبار کا یہ پتہ رجسٹر ہوا ہوا ہے۔ اسلئے اس پتہ کا تار ہمارے دفتر میں پہنچ جاتا ہے۔ اسکے علاوہ میں ایک پہلے خط میں لنڈن سے گھر کو اطلاع دیچکا تھا کہ مجھے پیرس سے کچھ روپیہ ملگیا ہے۔ اسلئے میں اور روپیہ ہندوستان سے نہیں منگاؤں گا۔ ان سب قرائن نے میرے بھائی کو کافی شک پیدا کر دیا کہ یہ تار جعلی ہے۔ بھیجنے والے کے اسپر ۸۰ روپے خرچ ہوئے ہونگے اور اسکے لئے یہی سزا کافی ہے۔ شکر ہے کہ مولائے متعال نے ہمیں ایکہزار روپیہ کے نقصان سے بچالیا۔ جب یہ کیفیت مجھے قسطنطنیہ میں معلوم ہوئی۔ تو مجھے خیال آیا کہ مینے بہت بڑی غلطی کی کہ اتنے دور دراز سفر پر آنے سے پہلے کوئی مرموز الفاظ تار کے لئے مقرر نہ کر دیئے جو صرف مجھے اور میرے گھر میں معلوم ہوتے۔ اور صرف اُسی لفظ کے لکھنے سے تار معتبر سمجھا جاتا۔ بلکہ ایک لفظ ایک فقرہ کے مطلب کے لئے مقرر کیا جاسکتا ہے۔ جن لوگوں کو اب لمبے سفر پیش آئیں وہ اس تجربہ سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ اس شخص نے قریباً چالیس روپے کا ایک دوسرا تار بھی روپیہ کے تقاضا میں بھیجا تھا۔ اور تیسری مرتبہ کوشش یہ کی کہ بمبئی سے میرے ہندوستان پہنچنے کے قریب زمانہ میں ولایتی ڈاک کا جہاز پہنچنے کے روز اس مطلب کا اور تار دیا تھا کہ میں کسی سے کرایہ جہاز کا روپیہ قرض لیکر بمبئی پہنچگیا ہوں۔ مجھے فوراً فلاں ہوٹل کے پتہ پر روپیہ بھیجدو۔ مگر چونکہ میرے گھر والوں کو یقین تھا کہ پیرس اور بمبئی دونوں جگہ مجھے مانگنے سے روپیہ مل سکتا تھا انہوں نے

اس یہودی کو روپیہ نہ بھیجا۔ اور اسطرح خدا کی مہربانی اور میرے بھائی کی دور اندیشی سے ہم اس نقصان سے بچگئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک دغاباز شامی کا کام تھا جو لاہور میں بھی مجھے ملا تھا اور اسوقت پیرس میں مقیم تھا۔ اور مجھے ریل پر سوار کرنے گیا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اسکی بمبئی میں بھی ایجنسی ہوگی۔ جو پتہ اس شخص نے مجھے اپنے دمشق کے گھر کا دیا تھا وہ غلط تھا تاہم وہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مسلمان بھی نہیں ہے بلکہ ایک یہودی ہے۔ مینے قسطنطنیہ کے دو تین روزانہ اخبارات میں اس دغاباز کی چالاکی کا قصہ چھپوا دیا۔

قسطنطنیہ سے بیروت تک

از برکت سیر مرد فہمیدہ شود ۔۔۔ در عین کمال نور ہر دیدہ شود
پاکیزہ تر از آب ندیدم چیزے ۔۔۔ یکجا کہ کند مقام گندیدہ شود

روانگی کی تیاری

جب مینے قسطنطنیہ سے روانہ ہونیکا قصد کیا تو مینے ان چند احباب سے رخصت ہولینا مناسب سمجھا کہ جنہوں نے یہاں کے زمانہ قیام میں مجھپر بڑی مہربانی مرعی رکھی تھی اور بہت اخلاق و محبت سے پیش آئے تھے۔ ان سے رخصت ہو لینے کے بعد پول تذکرہ حاصل کرنا۔ جہاز کا ٹکٹ خریدنا۔ چونگی میں کتابوں کا معائنہ کرنا۔ جہاز پر مال لدوانا اور دوران سفر جہاز کے لئے کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں خریدنا تھا۔ کیونکہ سید عبدالغفار آفندی نے مجھے صلاح دی تھی کہ میں بجائے جہاز کا اول یا دوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کے

تختہ جہاز کا ٹکٹ

سوم درجہ یعنے تختہ جہاز کا ٹکٹ خریدوں۔ کیونکہ گرمی کے موسم میں جہاز کے کمرہ میں مجھے تکلیف ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گرمی ہو یا سردی یہاں کا عام رواج سفر جہاز کا یہی ہے کہ لوگ صحن جہاز پر سفر کرتے ہیں سوائے امرا یا یورپین فیشن کو ملحوظ رکھنے والے لوگوں کے صحن جہاز

عورتیں مرد سب یکجا رہتے ہیں۔ مسلمان عورتیں البتہ پردہ کر لیتی ہیں یا برقعہ میں رہتی ہیں۔ بہرحال مینے بھی سوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کا ارادہ کر لیا اور ایک سو دس غرش کو بیروت تک کا ٹکٹ لیا۔ مینے یہ ٹکٹ آسٹرین لائیڈ کمپنی کے شہر کے دفتر سے خریدا تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ سو غروش کو ٹکٹ ملیگا لیکن میرے ساتھ خود بخود ایک عیسائی دلال جا کھڑا ہوا اور مجھے ٹکٹ کی قیمت ایک سو دس غروش دینے پڑے۔ مجھے ٹکٹ دینے والے کلرک نے کہدیا تھا کہ اگر میں جہاز پر سے ٹکٹ خریدونگا تو مجھے سو غروش کو ملیگا۔ مگر مینے ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہیں ایک سو دس غرش دینے مناسب سمجھے۔ پیچھے جہاز پر پہنچکر معلوم ہوا کہ واقعی وہاں سو غروش کو ٹکٹ بکتا تھا۔ گویا میں نے دس غرش دلال کے پاس جا کھڑے ہو نیکے دیئے تھے۔ اب چونکہ تختہ جہاز پر سفر کرنے کی تیاری تھی اسلئے

سامان سفر

مصر چار شو سے ایک گدیلہ اور ایک تکیہ بستر کے لئے خریدا۔ ایک بڑی شیشہ کی بوتل پانی بھرنے کی لی کہ جس میں پندرہ بیس سیر پانی سما سکے۔ اور عمدہ پانی شہر سے بھر لیا۔ ایسی بڑی بوتلوں کے گرد ایک ٹوکری سی بنی ہوتی ہے تا کہ ٹوٹ نہ جائیں۔ ایک انگور رکھنے کی ٹوکری اور کچھ ڈبل روٹیاں۔ ایک گلاس پانی پینے کو۔ ایک چھری کانٹا۔ اور کچھ خشک گوشت خرید کر ایک ٹین میں رکھ لیا جیسا کہ یہاں کے لوگ سفر جہاز کے لئے کھانے پینے اور سونے کا انتظام کیا کرتے ہیں

واپسی پر متاع کتب

مینے ترکی سائیکلوپیڈیا اور کئی ایک ترکی کتابیں خود خریدی تھیں۔ اور بہت سی ترکی کتابیں یہاں کے مصنفین و غیرہ احباب نے مجھے تحفۃً دی تھیں۔ اسکے علاوہ قسطنطنیہ کے تحائف کا بھی کچھ ذخیرہ خرید ہوا تھا سامان کا بکس بہت بھاری ہو گیا۔ اسلئے مینے مناسب سمجھا کہ اسے سیدھا ہندوستان کو بک کرا دوں۔ آسٹرین لائیڈ۔ فرنچ رشین وغیرہ کئی کمپنیوں کے دفاتر سے دریافت کیا۔ روسی کمپنی نے پورٹ سعید تک اسباب پہنچانیکا وعدہ کیا۔ مگر آسٹرین اور میسجریز میری ٹیم سیدھا ہندوستان تک لیجا سکتی تھیں۔ لیکن بکس کے بک کرانے کیلئے

اسکا گمرگ (چونگی) میں سے گذارنا مشکل تھا۔ کیونکہ مجھے ایک شخص نے ڈرا دیا تھا کہ اگر تمہاری بعض کتابیں معاینہ کرنیوالے افسر نے روک لیں تو وہ ضایع ہو جائینگی۔ اسوجہ سے مجھے بڑی پریشانی تھی۔ چنانچہ مینے اپنی ڈائری اور بعض دیگر کاغذات بذریعہ ڈاک رجسٹری کرا کر ہندوستان کو بھیجدیئے تھے۔ باوجودیکہ بعض کتب پر رخصت معارف درج ہوتا ہے۔ یعنے سررشتہ تعلیم کی اجازت لیکر چھاپی جاتی ہے۔ مگر یا تو وہ قدیم زمانہ کی چھپی ہوئی ہیں کہ اسکے بعد مکتب کی پالیسی کچھ اور بدل گئی ہوتی ہے۔ یا بعض کتابوں پر جعلی طور پر اجازت معارف چھاپدیا گیا ہے۔ بہر حال بعض کتابیں افسر معاین روک سکتا ہے۔ مینے اس کام کے لیئے ایک افسر کی سفارش بہم پہنچائی۔ اور اسطرح سوائے ایک آسٹریا کی کتاب کے کہ جسمیں سلطان المعظم کی تصویر تھی باقی سب کتابیں بے عیب سمجھی گئیں اور مجھے بک کرانے کی اجازت دیگئی۔

یول تذکرہ پاسپورٹ کی۔ جسے یہاں یول تذکرہ یا مرور تذکرہ کہا جاتا ہے ہر مسافر کو ضرورت ہے۔ خواہ وہ ترکی رعایا ہو یا اجنبی مینے آنے کے لئے لنڈن کے فارن آفس سے ۲ شلنگ دیکر جو پاسپورٹ لیا تھا۔ اور پیرس میں عثمانی کونسل سے پانچ فرانک دیکر اسکی تصدیق کرائی تھی۔ عثمانی حدود میں داخل ہونے پر قسطنطنیہ آنے تک اسے دو تین مرتبہ پولیس کی کتابوں میں درج کیا گیا۔ یہاں جس ہوٹل میں مَیں ٹھہرا۔ ہوٹل والا رات کو مجھ سے پاسپورٹ لیکر پولیس میں درج کرانے گیا تھا۔ اس انتظام سے قسطنطنیہ کی پولیس کو ہر شام کو معلوم ہو جاتا ہے کہ شہر میں اجنبی کتنے ہیں۔ اور کہاں کہاں مقیم ہیں۔ ہندوستان کی سراؤں میں بھی رات کو پولیس والے آکر اسیطرح اسم نویسی کرتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے بیروت کو روانہ ہونے سے پہلے میں انگریزی کونسلیٹ میں گیا۔ جہاں ۱۲ غروش یعنے عہ روپیہ لیکر انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جو عثمانی پولیس کے ایک دفتر میں لیجانے پر اور ۱۲ غروش دینے کے بعد مجھے ایک ترکی زبان کا یول تذکرہ ملا۔

اسکا مقصد یہ ہے کہ ترکی پولیس پایہ تخت کے باہر کسی غیر زبان کے پاسپورٹ کو تسلیم نہیں کرتی۔ مگر ترکی زبان کو۔ اور یہ ترکی زبان کا پاسپورٹ تین روپیہ اور ایک دو روز کی تگ و دو اور شاید دو ایک روپیہ گاڑی کا کرایہ خرچ کرنیکے بعد ملسکتا ہے۔ اگر میں قسطنطنیہ سے سیدھا ہندوستان کو آنا چاہتا تو انگریزی کانسلیٹ سے بلا کچھ فیس لینے کے مجھے دستخط کر دیا جاتا لیکن چونکہ میں راستہ میں دمشق اور بیت المقدس وغیرہ مقامات ترکی قلمرو میں دیکھنا چاہتا تھا اسلئے مجھے یہ بیوک تذکرہ لینا ضروری تھا۔ اس پاسپورٹ سے مسلح ہو کر جب میں مع اسباب بندرگاہ میں آیا تو کشتی پر سوار ہو کر ایک دوسرے پولیس کے دفتر میں گیا کہ میں فلاں جہاز پر روانہ ہوتا ہوں۔ وہاں پاسپورٹ درج کرنیکے بعد مجھے جانے کی اجازت ملی۔ مگر میرے ہمراہی نے جہاز تک مجھے الوداع کہنے کے لئے جانیکے واسطے بیحد کوشش کی لیکن اسے اجازت نہ ملی۔ جہاز سے دو چار قدم ادہر ایک کشتی میں ایک ترکی پولیس افسر بیٹھا ہوا ملا۔ یہ ہر شخص کا تذکرہ مزید احتیاطاً کے لئے پھر دیکھتا ہے اور اسے جہاز میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن جسکے پاس تذکرہ نہ ہو وہ جہاز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہاز قریباً سب غیر ممالک کی رعایا کے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص جہاز میں بلا تذکرہ لئے پہنچ جائے تو جہاز والے اگر چاہیں تو اسکو ترکی افسروں کے سپرد نہ کریں۔ اسیطرح قسطنطنیہ سے بیروت تک جتنے بندروں روڈس سمرنا مرسین۔ اسکندرونہ۔ طرابلس۔ بیروت وغیرہ میں میں جہاز سے اتر کر شہر میں گیا ہوں۔ ہر جگہ پولیس نے کشتی سے نکلتے ہی تذکرہ لے لیا۔ اور جہاز کو واپس جانیکے وقت دیا ہے۔ کشتیبانوں کی مجال نہیں کہ بلا سواری کا تذکرہ دکھلائے اسے جہاز تک لیجائیں۔ اسلئے ٹرکی اور روس وغیرہ ممالک میں تذکروں کا ایک بہت بڑا محکمہ ہے۔ اور یہاں کے لوگ جو عادی ہو گئے ہیں وہ ان کو بار بار دکھلانے کی پروہ نہیں کرتے۔

جہاز کی سواری۔ ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء

جب میں جہاز پر پہنچا۔ تو کچھ تو کشتی والوں اور جہاز کے قلیوں کی زیادہ ستانی سے میں دق ہو رہا تھا۔ اور کچھ تختہ جہاز پر کہ جسے ترک "گورتہ" کہتے ہیں سفر کرنے میں مجھے تکلیف نظر آنے لگی۔ مجھے بعض قلیوں نے صلاح دی کہ جہاز کی ایک کوٹھڑی چار پونڈ کرایہ پر لے لوں۔ تجارتی جہازوں کے چھوٹے افسروں سے اتنی رعایت ملحوظ ہوتی ہے کہ وہ اپنی کوٹھڑی (کیبن) کرایہ پر دے کر کچھ کما سکیں۔ چنانچہ ایک ایسے افسر سے مینے کوٹھڑی کا سودا کر لیا۔ دوم درجہ کا کرایہ اس جہاز میں علاوہ خوراک کے سوا چار پونڈ تھا۔ اس میں سے سوا پونڈ میں تختہ جہاز کا کرایہ دیچکا تھا۔ مینے دو پونڈ اور دیدیئے۔ جو اس افسر نے منظور کر لیئے۔ اور مینے اُسکی کوٹھری (کیبن) میں ڈیرہ لگا لیا۔ تھوڑی دیر میں سید عبدالغفار صاحب معہ ایک دوست کے جہاز پر آپہونچے۔ اور میرے لئے دمشق کیواسطے جناب سید ابوالہدیٰ صاحب سے دو خطوط انٹروڈکشن کے بھی لیتے آئے۔ اور کہا کہ اچھا ہوا کہ مجھے اسوقت پولیس والوں نے نہیں آنے دیا تھا ورنہ یہ خطوط نہ ملتے۔ مگر میرا کمرہ جہاز پر دو پونڈ زائد خرچ کرنا ناپسند کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ رخصت ہوگئے۔ اور شام تک بہت سے مسافر جہاز پر آگئے جنمیں بعض ترکی اور ارمنی اور یہودی لیڈیاں بھی تھیں۔ مگر عورتیں مرد سب گورتہ (تختہ جہاز) کے ہی مسافر تھے۔ غروب آفتاب کے وقت جہاز روانہ ہوا میں جہاز کے بلند ترین حصہ پر چڑھ کر قسطنطنیہ کو اتنی دیر تک دیکھتا رہا جبتک کہ وہ نظر سے غائب نہ ہوگیا۔ اسوقت کا نظارہ نہایت دلکش تھا قسطنطنیہ کسیقدر فاصلہ سے اور بھی دلکش معلوم ہوتا ہے۔ اسوقت تیرھویں کا چاند نکل آیا۔ جس نے سمندر کو اپنے نور سے روشن کر دیا۔ مگر ہوا دم بدم تیز ہونے لگی۔ میں اپنے کمرہ میں آیا تو برقی روشنی اور آرام کا بستر پایا۔ اور دو پونڈ جو زیادہ خرچ کئے تھے بھول گئے کیونکہ باہر لوگ سردی سے سکڑے جاتے تھے بحالیکہ سب کے پاس کپڑے مجھسے زیادہ تھے۔

ڈارڈانلز و متالین ۹ اکتوبر

آدھی رات کو جہاز بندر روڈوسٹو میں پہنچا جو ایک خوبصورت خلیج میں واقع ہے۔ مگر یہاں کا مال زیادہ نہیں تھا۔ اسلئے چلکر چناق قلعہ میں پہنچا جسے یورپین ڈارڈانلز کہتے ہیں۔ یہاں دور تک سمندر ایک دریا کی طرح تنگ ہوگیا ہے اور دونوں طرف مضبوط زمین دوز قلعے بنے ہوئے ہیں۔ کہ جنگی توپیں بھی ہیں جہاز میں بیٹھے بیٹھے شمار کرسکتا تھا۔ یہی وہ مضبوط قلعے ہیں کہ جنمیں سے کسی سلطنت کا جنگی جہاز بلا اجازت سلطانی قسطنطنیہ کیطرف نہیں گذر سکتا۔ اور کہ جن قلعوں کو جدید یورپین فن جنگ کے اعلیٰ ترین وسائل سے اسقدر مضبوط کردیا گیا ہے کہ کسی غنیم کا ان کو زیر کرسکنا محال سمجھا جاتا ہے۔ پہلے پہل سلطان فاتح نے یہ قلعہ تعمیر کیا تھا۔ پھر کوپریلی محمد پاشا نے ۱۰۷۰ء میں کلید بحر اور سد البحر قلعوں کو نہایت مضبوط کرتے وقت قلعہ سلطانی کو اور مضبوط کردیا تھا۔ اور جو گیریزن یہاں رکھا گیا تھا اب اسی سے بڑھتے بڑھتے ایک خاصا قصبہ گیارہ ہزار کی آبادی کا بنگیا ہے۔ جس میں گیارہ مسجدیں اور چار کلیسیا چھ حمام چار خان اور تین مسافر خانے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہاں یونانی ارمنی اور یہودی بھی آباد ہیں۔ یہاں جہاز روانہ ہوکر شام کو جزیرہ متالین میں پہنچگیا۔ یہ وہی مقام ہے کہ جسکے دفاتر چونگی پر میرے آنے کے بعد فرانسیسی بیڑہ نے بابعالی سے کسی مطالبہ کی بناء پر قبضہ کرلیا تھا۔ قصبہ چھوٹا سا ہے۔ اسلئے اہل جہاز تو وہاں نہ گئے۔ مگر وہاں کے سودا فروش جہاز پر آگئے۔ اور اُن سے انار سفرجل اور سیب سب ۳۰ پارہ (چھ پیسہ) نصف اوقہ کے حساب سے لوگوں نے خریدے۔ یہاں سے یہی تھوڑا ہی مال تجارت اُتارنا اور چڑھانا تھا۔ اسلئے جہاز شام سے پہلے روانہ ہوگیا۔ چونکہ ہوا تیز تھی اسلئے بوجہ تلاطم جی متلاتا رہا۔ صبح کو جہاز طلوع کے قریب بندر سمرنا میں پہنچگیا۔

سمرنا ۱۰ اکتوبر

یہ تجارتی جہاز تھا کہ جسپر میں سوار ہوا تھا۔ اسلئے راستہ میں قریباً ہر بندر پر ٹھہرتا اور مال چڑھاتا اُتارتا جاتا تھا۔ عموماً دن بھر مال

اُتارتا اور چڑھاتا اور مسافر لیکر شام کو روانہ ہوجاتا۔ ایسے طور پر کہ اگلی صبح دوسرے بندر پر جا ٹھہرتا۔ اسطرح مسافروں کو دن بھر بندرگاہ کے شہر یا قصبہ کے سیر کرنیکا موقعہ ملجاتا۔ اور میرے لئے خصوصیت سے یہ بہت اچھی بات تھی۔ کیونکہ مینے اس تمام ساحل کے قصبات اچھی طرح دیکھ لئے۔ اور گو یہاں کی معاشرت اور تمدن تو ایک آدھ روز میں کیا معلوم ہوسکتا تھا۔ لیکن ظاہری شکل و صورت سے جو کچھ معلوم ہوسکتا تھا وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ سمرنا کہ جِسے ترک ازمیر کہتے ہیں دنیا کے نہایت پورانے شہروں میں سے ہے اور جن چند شہروں پر مشہور یونانی شاعر ہومر کے مولد ہونے کا خیال ہے انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ سب سے پہلے ۷۶ء میں یہ شہر اسلامی قبضہ میں داخل ہوا۔ جبکہ ایک سلجوقی امیر نے اسے فتح کرلیا تھا۔ لیکن جلدی ہی یونانی قیصر نے چھوڑا لیا۔ پھر ۳۳ء میں امرائے سلجوقی میں سے آئیدین اوغلی نے اسپر قبضہ کرلیا۔ اور ۹۲ء میں آشتی کے ساتھ سلطان بایزید یلدرم کو سپرد کردیا۔ اسکے بعد تیمور نے اس شہر کو غارت کیا۔ بہرحال قلمرو ے عثمانی کے نہایت آباد شہروں اور تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہے۔ اور ایشیا کوچک کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے ایک طرف تو سمندر کی جانب سے دُخانی اور بادبانی جہازوں سے اور دوسری جانب خشکی میں ریل سے اسکا تعلق تمام دنیا کی تجارت سے ہے۔ اسلئے سالانہ اوسط تجارت برآمد ۴½ ملین پونڈ اور آمد ۳ ملین پونڈ کے درمیان ہے۔ سوائے قالینوں کے جو دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہاں سوتی اُونی اور ریشمی کپڑے اور چینی کے برتن بھی بنتے ہیں۔ اور یہاں سے سوائے قالینوں کے انجیر تمباکو اور ریشم غیر ممالک کو جاتا ہے۔ آبادی دو لاکھ کے قریب ہے۔ جسمیں سے نصف مسلمان اور باقی عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان میں قریب دو تین ہزار کے اہل یورپ بھی ہیں کہ جنکے ہاتھ میں تجارت کا بڑا حصہ ہے۔

نیا اور پورانا سمرنا | قدیم شہر کی گلیاں اور کوچے بہت تنگ ہیں اور مکانوں کے بڑاؤ

استنے بڑھے ہوئے ہیں کہ اگر مشبک روزنوں میں سے راستہ ملسکے تو دونوں طرف کے مکانات کے رہنے والے اسی راستہ سے ایک دوسرے کے گھر میں آجاسکیں۔ ان بازاروں کے فرش ان گھڑے پتھروں کے ہیں مگر جو بازار کنارہ بحر پر عیسائی آبادی کے مکانوں اور دوکانوں میں سے گذرتے ہیں انکے فرش صاف پتھر کے ہیں۔ جہاز پر سے شہر کا نظارہ نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے جو ایک ہلال کی صورت میں پانی کے کنارے کنارے دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ایسے طور پر کہ کنار آب سے پہاڑی کی چوٹی تک آبادی چلی گئی ہے کہ جسکے اوپر ایک قدیم ویران قلعہ ہے۔ دریا کے کنارہ پر بہت دور تک عالیشان مکانات و دوکانات۔ لوقنطوں اور قہوہ خانو کا سلسلہ چلا جاتا ہے کہ جنکے درمیان ایک باغچہ عمومی (پبلک گارڈن) بھی ہے عیسائی آبادی کے مکانات نہایت عالیشان اور خوشنما ہیں۔ کئی بازاروں کے مکانات ہمشکل ہیں۔ عموماً ان مکانات کے بڑے دروازہ کے اندر ایک صحن نظر آتا ہے کہ جسکی دیواریں اور فرش سنگ مرمر کے ہوتے ہیں۔ فرنگی بازار کی دوکانیں قسطنطنیہ کے یورپین کوارٹر کی دوکانوں سے بھی سربرآوردہ معلوم ہوتی ہیں جس روز میں یہاں پہنچا تو بحیرہ روم کا انگریزی بیڑہ جہازات بھی یہیں لنگر انداز تھا۔ شاید کہ یہ اکثر یہاں آیا کرتا ہو۔ کیونکہ کنار بحر کے کئی قہوہ خانوں اور بیئر کی دوکانوں کے نام "جان بل" "لارڈ رابرٹس" اور "برٹش آرمس" وغیرہ انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔ اور انگریزی ملاح جابجا پھر رہے تھے۔ کئی جگہ انگریزی میں نوٹس بورڈ آویزاں تھے۔ انگریزی ڈاک خانہ کے قریب ایک ترک فوجی افسر نے مجھسے انگریزی میں گفتگو کرنی شروع کی۔

اونٹوں کی مہار گدھے کی دم سے

جہاں ایک طرف تو شہر کے تنگ اور بارونق بازاروں میں سے (کہ جنمیں بعض مسقف بھی ہیں) لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں بلا تکلف گذرتی رہتی ہیں۔ دوسری طرف گودی کے قریب سے لیکر ایک ٹرمبوے کی لائن بھی جاری ہے۔ اندرون ملک سے بہت سامال تجارت

اونٹوں کے ذریعہ آتا ہے۔ کہ جو قد میں چھوٹے مضبوط اور لمبے بالوں والے ہوتے ہیں۔ پندرہ بیس ایسے اونٹوں کی ایک قطار کی مہار ایک گدہے کے دم سے بند ہی ہوئی ہوتی ہے کہ جبپر انکا رہنما سوار ہوتا ہے۔ زبان یہاں کی ترکی ہے لیکن یونانی بہی بہت بولی جاتی ہے کیونکہ چالیس ہزار یونانی بہی آباد ہیں۔ یہاں کئی ایک بڑی بڑی خانیں بھی ہیں کہ جنمیں سے خان وزیر سب سے بڑی سرائے ہے چالیس جامع اور کئی چھوٹی مسجدیں اور قدیم طرز تعلیم کے مدرسے اور تکئے بہی بہت ہیں۔ علاوہ عیسائیوں کے مدرسوں کے مسلمانوں کے لئے کئی ابتدائی مدرسے ہیں جنمیں ایک زنانہ بھی ہے اور دو تین ہائی سکول ہیں۔ علاوہ اس ولایت کے سرکاری گزٹ کے گیارہ دیگر اخبارات شایع ہوتے ہیں۔ اور ۱۶۔ مطابع ہیں۔ اسکے سوائے ہسپتال۔ عدالتیں۔ غریب خانے ایک مدرسہ حرفت غرض سب ضروری سامان تمدن موجود ہیں۔

ہر چند کہ سمرنا قسطنطنیہ سے صرف (۳۰۰) کیلو میٹر (قریبا سوا دو سو میل) دور ہے لیکن قسطنطنیہ کے گھسے ہوئے غروش اور چرک کے سکے دوکاندار قبول نہیں کرتے تھے۔ صرف نئے سکے ہی لیتے تھے۔ بحالیکہ قسطنطنیہ میں گھسے ہوئے سکہ کی ذرا پرواہ نہیں کیجاتی۔ اور سرے سے مجیدی کی بجائے ۲۰ کے ۱۸ غروش دیتے ہیں۔ جہاز کے رفیقوں کے ساتھ دن بہر شہر میں گھوم کر اور کھانا کھا کر شام کو جہاز میں چلے آئے۔ یہاں کے میوہ جات بہت عمدہ تھے خصوصاً تربوز تو بہت ہی عمدہ تھے

جہاز کے مسافر قسطنطنیہ سے جسقدر مسافر سوار ہوئے تھے انمیں سے ایک حاجی سید عبدالغفار ولایت موصل کے سنجاق کرکوک کے نقیب الاشراف اور قائم مقام بھی تھے جو بحکم سلطانی پندرہ ماہ سے استنبول میں نظر بند تھے کیونکہ ان سے نقض امن کا اندیشہ تھا۔ مگر اب نہیں وطن جانے کی اجازت ملی تھی یہ اپنے سبز عمامہ نشان شرافت اور اپنی دینداری پر بہت نازاں تھے۔ ایک ترک جوان فہمی آفندی اطنہ کے دیون عمومی کے باش کاتب۔ فضلائے میلان کے اوقاف

مدیر اسمٰعیل حقی۔ دو یہودی لڑکے کہ جنمیں سے ایک کی مادری زبان ہسپانی تھی۔ اور دوسرے کی عبرانی انمیں سے ابن یمین کہ جسکی عمر ۱۳-۱۴ سال تھی۔ فرانسیسی فرفر بولتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ بیت المقدس کے یہودیوں کے حرفتی مدرسہ میں داخل ہونیکو جاتا ہوں۔ یہ مدرسہ دولتمند یہودیوں نے مفلس یہودیوں کے بچوں کو فنون اور دستکاریاں سکھلانیکے لئے بنایا ہے۔ اور اس مدرسہ کے بعد اس لڑکے کو امید تھی کہ اسے برلن یا پیرس کو تکمیل تعلیم کے لئے قومی فنڈ سے بھیجدیا جائیگا۔ ان لوگوں سے تختہ جہاز پر عموماً گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ اور چونکہ تختہ جہاز پر میں ہی ان لڑکوں سے فرانسیسی میں بات چیت کر سکتا تھا۔ اسلئے انہیں مجھسے بہت دلچسپی تھی۔ ایک روز ایک یہودی لڑکا میرے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں نقیب الاشراف صاحب بھی تشریف لائے۔ اور کہا کہ یہ لڑکا کیوں تمہارے پاس بیٹھا ہے۔ بغداد میں اگر کوئی ایسا کرے تو اُسے سخت سزا ملے۔ میں نے ہنسکر کہا کہ شکر ہے یہ بغداد نہیں۔ اتنے میں دوسرا لڑکا بھی میرے پاس آبیٹھا اسپر موصل کے حاجی صاحب اَور بھی بہت چکرائے۔ مجھے افسوس ہوا کہ باوجود اتنی لمبی نمازیں پڑھنے اور تسبیح پھرانے کے انکے خیالات کیسے ادنیٰ ہیں۔

جزیرہ روڈس
۱۱- اکتوبر سنہ ۱۹ء

کل سمرنا سے بہت سے مسافر ہمارے ساتھ سوار ہوئے۔ تختہ جہاز اور جہاز کے سامنے چھت (Prow) پر تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ یہ اکثر غریب لوگ ہیں۔ مگر کپڑوں کے لحاظ سے (شاید سرد ملک کیوجہ سے) کیا عورتیں اور کیا مرد ہندوستانیوں سے بہت بہتر حالت میں ہیں۔ بلغاری لوگ عجیب قسم کے پاجامے پہنتے ہیں کہ جنکی میانی میں پانچ چھ گز کا جھول ہوتا ہے اور جو اتنی نیچے لٹک آتی ہے کہ زمین سے صرف نصف بالشت بلند رہ جاتی ہے۔

شام کو سٹیمر جزیرہ روڈس میں پہنچا۔ مجمع الجزائر یونان کا یہ نہایت قدیم جزیرہ ایشیائے کوچک کے ساحل سے قریب اپنے ہمنام بُت روڈس کیوجہ سے بہت مشہور ہے جو زمانہ قدیم کی سات عجائبات میں سے شمار ہوتا تھا جبکہ ڈی میٹراس پولیو کرٹس

نے سنہ ۳۰۴ قبل مسیح میں اس جزیرہ کا محاصرہ کر کے چھوڑ دیا تو اہل شہر نے اُن جنگی سامانوں کو ڈھالکر یہ عظیم الشان بت بنایا تھا۔ کہ جسکی دونوں ٹانگوں کے نیچے سے اس زمانہ کے جہاز گذر سکتے تھے۔ مگر پھر معلوم نہیں وہ بت کہاں گیا۔ مختلف زمانوں میں اس جزیرہ کو بڑی شہرت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ سیپرر۔ ٹائیبریٹس اور سسرو جیسے مشاہیر یہاں آچکے ہیں۔ ترکوں نے پہلے پہل سنہ ۱۴۸۰ء اور پھر سنہ ۱۵۲۳ء میں اسکا محاصرہ کر کے آخری دفعہ اسپر قبضہ کر لیا۔ چونکہ آدھی رات تک ہی جہاز یہاں ٹھہرا اسلیئے ہم لوگ شہر کو اُتر کر نہ دیکھ سکے۔ مگر شہر کے بہت لوگ کھانے پینے کی چیزیں لیکر جہاز پر فوراً پہنچگئے تھے۔ تربوز۔ دہی۔ مولیاں۔ روٹی۔ ٹماٹر وغیرہ چیزیں مسافروں نے خریدیں۔ یہاں لکڑی کی چیزیں مثل ناس کی ڈبیوں۔ کھڑاؤں اور لاٹھیوں کی ایسی بنتی ہیں کہ جنپر صدف آمود کیا جاتا ہے۔ ان چیزوں کے بیچنے والے بھی آئے اور لوگوں نے بطور تحائف انہیں خریدا۔

یہودی تجارت اور یہودیوں کی دولت

بیچنے والے سب یہودی تھے اور جہاز کے مسافر جو زیادہ تر مسلمان تھے بلا تکلف ان لوگوں کو یہودی کہکر پکارتے تھے اور یہ لوگ اسبات سے بُرا نہیں مانتے تھے۔ بلکہ ایک شخص نے یہودی کتّے کہکر بھی پکارا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ اس خطاب کے عادی ہیں۔ روڈس کے ایک مسافر نے مجھے بتایا کہ یہاں کی تمام دولت اور تمام تجارت اور حرفت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہانتک کہ کشتیبان بھی یہودی ہیں اور یہ سب بہت آسودہ ہیں۔ مگر مسلمان ہیں کہ مفلس اور محتاج۔ اس نے بطور شکایت بیان کیا کہ کمبخت یہودی پیسہ کمانے کے لئے ہر قسم کا بُرا یا بھلا کام اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی شرافت انہیں بُرا کام کرنے نہیں دیتی۔ اسوقت جہاز میں کم و بیش بیس مختلف قوموں کے آدمی سوار ہوں گے۔ ۱۱۔ اکتوبر کی شب کو ۱۲ بجے سے جہاز چلکر ۱۳ کی صبح کو بندر مرسین میں ٹھہرا۔ اور میں سید عبدالغفار صاحب

بندر مرسین

موصلی کے ہمراہ کشتی میں شہر کو گیا۔ کیونکہ جہاز شہر سے بہت دور

ٹھہرا تھا۔ ایک اور مسافر جو جہاز میں انکا واقف ہوا تھا اس نے سید صاحب خواہش کی کہ گمرگ میں سعی کر کے میرا اسباب معاینہ سے بچوا دینا۔ چنانچہ سید صاحب نے گمرگ کے افسر سے کہا کہ "او غلم" اس اسباب کو جانے دو اسمیں کچھ چیز قابل تشخیص نہیں ہے۔ اس نے سرسری ایک دو مرتبہ اسکی خرجیں اور صندوق میں ہاتھ ڈالکر اسے لیجانے کی اجازت دے دی۔ وہ شخص ہمیں قریب کے ایک ہوٹل میں لیگیا جہاں اس نے چائے پلائی۔ اور سید صاحب نے بڑے فخر سے مجھسے بیان کیا کہ اسکی ایک پونڈ سے زیادہ چونگی ہمنے بچادی ہے۔ اور باوجود تمام زہد وورع کے یہ نہ سمجھے کہ یہ اچھا کام نہیں کہ قومی سلطنت کا جائز حق ہمنے ضائع کرا دیا۔ اس ہوٹل میں شنگاگو کی ایرو موٹر کمپنی کا ایک انگریزی اشتہار آویزاں تھا جسپر دو پارہ کا ٹکٹ چسپاں تھا۔ (کیونکہ کوئی غیر ملک کا اشتہار بھی بلا فیس پریس ادا کرنیکے قلمرو عثمانی میں شائع نہیں ہو سکتا) یہاں ایک نان بائی کی دوکان پر کھانا کھایا۔ دوکان صاف ستھری تھی۔ سب لوگ میزوں پر کھاتے تھے۔ ایک قوندرہ جی (موچی) ابھی سامنے چمچے اور کانٹے کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ یہاں گرانی بھی نہیں۔ دو کس کے کھانے کے ۳ قرش دیئے گئے۔ دوکانوں پر بہت یورپین سامان بکتا ہے۔ فیشن بھی زیادہ تر یورپین ہے۔ گو بولی آدھی عربی آدھی ترکی ہے اسلئے ہر شخص دو زبانیں جانتا ہے۔ میرے رفیق نے ایک حجام کی دوکان پر حجامت کرائی۔ اس دوکان پر تین چار درجن ترکی تولیے۔ کئی استرے۔ بال کاٹنے کی ولایتی قینچیاں اور دو بڑے بڑے شیشے دیواروں سے آویزاں تھے۔ گدیلہ دار کرسی حجامت کے لئے تھی۔ حجامت ایسی اچھی کہ لنڈن اور پیرس میں بھی پسند کیجائے۔ اس دوکان پر

ایک سلطانی تصویر

سلطان عبدالحمید خان کی ایک بڑی تصویر بھی آویزاں تھی۔ مجھے تعجب ہوا قسطنطنیہ میں کسی کی مجال نہیں کہ یہ تصویر رکھ سکے۔ اور سلطنت یہاں بھی ترکی ہے۔ مگر یہاں اسکی بازپرس نہیں۔

مینے ایک انگلش پوسٹ کارڈ یہاں ڈاک میں ڈالنا چاہا تھا۔ مگر پوسٹماسٹر نے قبول نہ کیا۔ البتہ جب ترکی پوسٹکارڈ لیکر لکھا تو وہ پوسٹ کر دیا۔

یہاں ایک افغان کے قہوہ خانہ میں چائے پی جو بہت ستھرا سنگ مرمر کی میزوں اور شیشہ کے بیچاپن حقوں سے آراستہ تھا۔ یہاں سید صاحب کا ایک ملاقاتی عبداللہ علاءالدین دھلوی بھی ملا۔ یہ شخص بچپن میں ہندوستان میں رہ آیا ہے بلکہ دلی میں کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ اور اب ادب اور منطق و فلسفہ وغیرہ کی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جسطرح کہ سرزمین بائبل کی تصاویر میں مٹی کے لمبے لوٹے و رپانی کے گھڑے دیکھے جاتے ہیں ایسے یہاں نظر آنے لگے ہیں۔

شہر ایک پہاڑیوں کے سلسلہ کے آگے کنار بحر پر واقع ہے۔ ایسا پہاڑیوں کا سلسلہ ابتک برابر ایشیا کوچک کے ساحل پر نظر آرہا ہے۔ یہ شہر ساڑھے بارہ ہزار کی بستی ولایت اطنہ میں مرکز سنجاق ہے۔ یہاں کے جامع ایک کینسہ اور چار کلیسا ہیں۔ تین چار مدرسے اور مکتب ہیں۔ جب سے طرطوس سے آطنہ کو ریلوے لائن تعمیر ہوئی ہے تب سے اس شہر نے بہت ترقی کی ہے اور خاصا بندرگاہ ہونے کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہاں سنگترہ لیموں اور امرود کے عمدہ باغات ہیں۔

مختلف اقوام کے مسافر

قسطنطنیہ سے جس قسم کے ترک سوار ہوئے تھے وہ بتدریج اتر گئے۔ پھر بلغار اور دیہاتی ترک وغیرہ اقوام جو سوار ہوئی تھیں وہ بھی اتر گئیں۔ اب شام اور عرب کی شہری اور خانہ بدوش اقوام ہماری ہمسفر ہیں۔ چونکہ عموماً سب لوگوں کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان میں سے مسلمان اور عیسائی کا تمیز کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ دونوں یکساں عربی بولتے ہیں اور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ دونوں کے رنگ ترکوں سے میلے ہیں۔

ترک لیڈیاں تو اتنی گوری اور خوبصورت ہوتی ہیں کہ یوروپ کی عورتوں میں اور ان میں نشان تمیزی یہ ہے کہ یہ زیادہ گوری ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض بالکل الافرانغہ (فرنگیانہ فیشن میں) رہتی ہیں۔ اور نہ زیادہ تر پردہ میں

مرسین اور اسکندرونہ کی عورتیں بھی گھر سے باہر پھرنے کا ویسا ہی سیاہ لباس پہنتی ہیں لیکن ان سے سادہ اور کم قیمت۔

اسکندرونہ ۱۴ - اکتوبر -

صبح آٹھ بجے سٹیمر یہاں پہنچا۔ اور رات کے دس بجے یہاں سے روانہ ہوا۔ یہاں سے سید عبدالغفار صاحب اور اور کئی پانچ چار دن کے رفیق بھی روانہ ہو گئے۔ کیونکہ انطاکیہ اور حلب کو یہیں سے راستہ جاتا ہے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ قصبہ میں گیا۔ یہ بندر اور شہر معمولی سے زیادہ بلند پہاڑیوں کے زاویہ میں واقع ہے۔ اس سے سمندر کا نظارہ اور بھی دلچسپ ہو گیا ہے۔ سکندر اعظم نے اپنے نام پر جو شہر تعمیر کئے ہیں یہ بھی انہیں میں سے ہے۔ مصر کے اسکندریہ سے تمیز کرنے کے لئے اسکا نام الگذینڈریہ مائینر (یعنے کوچک اسکندریہ) رکھا گیا تھا۔ مگر اہل یورپ نے اختصاراً تقصیر کو ملحوظ رکھکر الگذینڈریٹہ اسکا نام رکھدیا۔ اور ترکوں نے اسکندرون یا اسکندرونہ۔ آبادی سات ہزار ہے۔ سید عبدالغفار صاحب کے چند واقف یہاں نکل آئے۔ جب انکا اسباب چونگی میں گیا تو ایک شخص نے بڑھکر چونگی کے افسر کے کان میں کچھ چپکے سے کہدیا اور اس نے اسباب کا معائنہ چھوڑ دیا۔ ہمیں لوگ ایک مکان میں لے گئے۔ جسکی نچلی منزل میں

ابتدائی مدرسہ

ایک ابتدائی مدرسہ تھا۔ جب میں مدرسہ میں گیا تو استاد لڑکوں کو سبق پڑھا رہا تھا۔ مجھے دیکھکر ایک بڑے لڑکے نے بلند آواز سے کہا۔ "حضرت" تو اسپر سب لڑکے جو بنچوں پر بیٹھے تھے اور انکے سامنے ڈسک تھے تعظیما کھڑے ہو گئے۔ اور اسی اشارہ سے میرے واپس جانے پر کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ لڑکوں کے پیچھے دو الماریاں تھیں جنمیں سلیقہ کے ساتھ انکے جوتے رکھے ہوئے تھے۔ یہاں سے حلب تین روز کا گھوڑے کی سواری کا راستہ ہے۔ اور حلب سے دمشق سات روز کا عرابہ کا راستہ ہے۔ اسلئے ادہر سے دمشق جانے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔ یہاں بھی سب تجارت دیسی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کے مسلمان نصیری مذہب کے ہیں جو شیعوں کی ایک زیادہ غلو کرنیوالی شاخ بتائی جاتی ہے

یہاں سے زیتون کا آچار اور انار لئے جو بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ اور رسید صاحب کے ساتھ جو کھانا کھایا تھا اس میں بینگن کا دولمہ۔ چوربا جسمیں شعریہ یعنے سویاں پڑی تھیں۔ بھولیا اور بامیاں (بھنڈی) کی ترکاری اور روٹیاں تھیں۔ یہ کھانا استنبول سے بہت ملتا جلتا ہے۔ رات بھر چلکر صبح جہاز نے

لاذقیہ ۱۵-اکتوبر

بندر لاذقیہ پر لنگر ڈالا۔ کہ جسے یورپین لٹاکیسا کہتے ہیں بحیرہ روم کے ساحل ایشیا کوچک کے دوسرے کئی مقامات کی طرح یہ بندر بھی بہت قدیم ہے۔ اہل روما کے زمانہ میں بڑی رونق پر تھا۔ پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آنیکے بعد کئی مرتبہ صلیبی لڑائیاں کرنیوالے عیسائیوں نے اسپر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں نے انہیں مار کر بھگایا۔ اسوقت بارہ تیرہ ہزار کی آبادی ہے جسمیں عیسائی بھی بہت ہیں۔ شہر میں ۱۱ جامع و ۲۹ دیگر مساجد ہیں۔ ۷ کلیسیا ایک عیسوی خانقاہ۔ ایک اعدادی اور ۱۵ ابتدائی مکتب ہیں۔ ۸ خان ۶ حمام اور ۳۲ ہوا اور حیوانوں سے چلنے والی (دگرمن) چکیاں ہیں۔ ساحل پر ایک پورانا قلعہ ہے۔ جو اب اسفنج نکالنے والی کشتیوں کے کام کا ہے۔ گلیاں گو تنگ ہیں لیکن دونوں طرف سے بلند پتھر کا فرش ہے۔ مگر بیچ سے گہری ڈھلوان ہیں گاڑیاں نہیں چلتیں۔ صرف خچر اور اونٹ بوجھ لیجاتے ہیں۔ کئی ترک ضبطی (پولیسمین) قہوہ خانوں میں میزوں پر بیٹھے تاش یا چوسر کے قسم کا ایک کھیل کھیل رہے ہیں اور بالکل بیکار یا بیفکر سے معلوم ہوتے ہیں شہر کے دوسرے سرے پر شیخ المغربی کا مزار ایک بہت بلند مقام پر واقع ہے جسکے ساتھ ایک عمدہ مسجد بھی ہے۔ یہاں سب نے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی کیونکہ یہ جگہ اجابت دعا کے لئے مشہور ہے۔ مرقد کے اندر جو بہت سے لوح آویزاں ہیں۔ اُن میں ایک ترکی خاتون نے ایک نہایت خوشخط قطعہ ریشم سے کاڑھکر اور اسپر شیشہ لگواکر آویزاں کیا ہوا ہے جو کسی یورپین نمائشگاہ میں انعام پانے کے قابل ہے۔ مزاروں اور مسجدوں کی حالت سے اُن کی

خوشحالی ظاہر ہے۔ مکان جو سب بھوسلے رنگ کے گھڑے ہوئے پتھر کے ہیں۔ انکی چھتیں قالب دار ہیں۔ یہاں میوہ جات اور روئی سب چیزیں سستی ہیں یہاں کے انجیر اور زیتون کیسے اعلےٰ ہیں۔ مگر ایک مٹالک کی انجیریں تین آدمیوں نے سیر ہو کر کھائیں۔ گیہوں اور دورہ (جوار) اور انجیر اور زیتون کی لاکھوں بوریاں غیر مقامات کو جانیکے لئے گھاٹ پر تیار پڑی ہیں۔ یہاں لو قنطے کا دستور نہیں۔ ایک کباب جی کے یہاں سے گوشت کٹوایا۔ یہاں قیمہ کرنیکا دستور نہیں بلکہ چھری سے ہی بوٹیوں کو باریک باریک کاٹ دیتے ہیں۔ کباب روٹی اور دہی سے کھائے۔ اور ایسے اعلےٰ درجہ کے کھانے کے پانچ آدمیوں کے چار غروش دینے پڑے یہاں کی بزازی اور بقالی وغیرہ کی دوکانیں ہندوستان کی ایسی ہی درجہ کی دوکانوں سے زیادہ اجلی ہیں۔ لباس بھی یہاں بہتر قسم کے کپڑے کا ہے۔ بولی عام عربی ہے۔ مگر ڈاڑھی والے ڈاڑھی منڈوں سے یہاں بھی کم ہیں۔ بعض بازار مسقف بھی ہیں۔ عورتیں سفید چادر از سر تا پا اوڑھتی ہیں۔ اور منہ پر ذرا سا سفید کپڑا لٹکا لیتی ہیں۔ ایک خراس میں خچر جتا ہوا دیکھا جسکے منہ میں ایک رسّی باندھکر سامنے کی ایک لکڑی سے باندھ دیگئی تھی۔ جو خچر کے آگے آگے رہتی ہے اور ہر وقت خچر کو کھینچتی رہتی ہے۔ جس سے وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی آگے کھینچ رہا ہے۔ اور برابر چلتی رہتی ہے۔

مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ترک فاتح اور حاکم کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ اور عرب بھی عیسائیوں کو اپنے سے کمتر درجہ کی رعایا سمجھتے ہیں۔ آج سہ پہر کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جبکہ جہاز پر غلہ لد رہا تھا تو ایک بوڑھے عیسائی نے کہ جسکے سر پر ترکی ٹوپی تھی مگر اسکے بھاری سیاہ شلوار کی میانی کا جھول اسکے ٹخنوں سے بھی لٹک رہا تھا۔ ایک عرب عورت کو اسطرف سے گذرنے سے ہاتھ سے روکا کہ جدہر وہ غلہ کی بوریاں گن رہا تھا۔ اسکے بوڑھے شوہر عرب یوزباشی (سپاہیونکا افسر) نے غصہ میں

آکر اس عیسائی کو پانچ سات مُکے جڑ دیئے۔ مگر عیسائی بیچارہ مار کھا کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اسپر بھی عرب کے غصہ کا تھرمامیٹر نہیں اُترا۔ اور بلند آواز سے اُسے گالیاں دیتا رہا۔ اسپر عیسائی اُسکی زو سے اور بھی پرے سرک گیا۔ ظاہراً وہ عیسائی اس عورت کو روکنے میں حق بجانب معلوم ہوتا تھا لیکن مار کھا کر اتنا بھی تو اس نے نہ کیا کہ غصہ ظاہر کرتا یا انتقام کی دھمکی دیتا۔

طرابلس شام
۱۶۔ اکتوبر۔

رات بھر جہاز چلکر صبح طرابلس کے بندر پر ٹھہر گیا۔ چونکہ شمالی افریقہ میں ایک ملک کا نام طرابلس ہے کہ جسے طرابلس غرب کہتے ہیں اسلیئے یہ شہر طرابلس شام کے نام سے مشہور ہوا۔ طرابلس کا اصل لاطینی نام "ٹری پولیس" (تین شہر) ہے۔ قدیم زمانہ میں صور وصیدا اور آرواد تین شہروں کے مہاجرین نے اسے آباد کیا تھا۔ اور ہر ایک جماعت علیحدہ محلّہ اور جدا فصیل کے اندر رہتی تھی۔ اسلیئے رومیوں نے اسکا یہ نام رکھا۔

طرابلس کی وجہ تسمیہ

جیسا رومیوں کے عہد میں یہ شہر بڑا تھا ویسا ہی مسلمانوں کے عہد میں بھی سر برآوردہ رہا۔ یہاں ایک بڑا کتب خانہ قائم ہوا تھا مگر عیسائیوں نے اُسے جلا دیا۔ اس زمانہ میں یورپ کا اس شہر سے بڑا تعلق تھا۔ جہاں یہاں سے ریشم اور برتن بہت جاتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان بیبرس نے اسکا محاصرہ کیا۔ آخر سلطان کلاؤن نے فتح کیا۔ قدیم شہر بندر سے قریب تھا۔ مگر اب قریب ایک میل کے دور ہے اور بندر سے بذریعہ ٹریموے ملحق ہے۔ بندر گاہ پر بھی ایک بارونق آبادی ہے کہ جسمیں کئی بازار ہیں جنمیں ایک کالبد سے مسقف ہے۔ بیروت سے ۳۵ کیلومیٹر شمال مشرق کو نہر ابو علی و امن لبنان میں واقع ہے۔ آبادی ۲۵ ہزار سے زائد ہے۔ صلیبی زمانہ کا ایک عیسائی قلعہ۔ ۱۷ جامع۔ ۳۸ مدرسے و کتب خانے ۱۵ تکیئے۔ ایک اعدادی اور ۲۲ دیگر مکاتب۔ ۱۲ کلیسیا اور عیسوی خانقاہیں اور بارونق بازار تجارت موجود ہیں۔ کئی ریشم کے کارخانے ہیں جنمیں کئی قسم کا ریشم بنتا ہے۔ صابون اور دباغت اور کشید عطر کے کارخانے ہیں۔ پورتقال سنگرے کے باغات بہت

ہیں ۔ اور سمندر سے اسفنج کا شکار کیا جاتا ہے ۔ آبادی میں ۵ ہزار مسلمان ہیں باقی عیسائی ۔ انگریزی پوسٹ کارڈ پر لکھا ہوا خط یہاں کے ڈاک خانہ نے بھی منظور نہ کیا یہاں فرانسیسی ڈاک خانہ ہے ۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام ساحل پر فرانسیسیوں کا بہت نفوذ ہے ۔ مختلف بندرگاہوں کے مکانات پر فرانسیسی بیمہ کمپنیوں کے بیمے معلوم ہوتے ہیں ۔ یہاں بھی مکانات پتھر کے اور اکثر لداؤ کی چھتیں ہیں یہ معلوم ہوا کہ طرابلس میں ایک بہت بڑا عالم شیخ حسین جسری رہتا ہے کہ جسکے پایہ کا دوسرا عالم سلطنت عثمانیہ میں موجود نہیں ہے ۔ مگر افسوس کہ جہاز نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس بزرگ کی زیارت کرتا ۔ کیونکہ آج شام کو ہی جہاز کو بیروت پہنچنا تھا ۔ یہاں سے ساحل بحر پر جبل لبنان کا سلسلہ برابر چلا گیا ہے جو کہیں پست اور کہیں بلند ہو جاتا ہے ۔ مگر بیروت کے قریب پہنچکر بہت بلند ہو گیا ہے ۔ ۲ بجے شام کے قریب جہاز بندر بیروت میں پہنچگیا ✢

بیروت و دمشق

جہد کن تا نورِ تو رخشاں شود — تا سلوک و خدمتت آساں شود
ہمچو آہن آہنِ بد رنگ شو — در ریاضت آئینہ بے رنگ شو مولوی
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید — ہر کہ جدے کرد در جدے رسید مثنوی

بیروت

شہر بیروت کی تاریخ اور حالت موجودہ بیروت اہل فینیکیا کے زمانہ کا ایک نہایت قدیم شہر ہے ۔ چنانچہ سکندر اعظم نے بھی اسپر قبضہ کیا تھا ۔ اور پھر اہل روما کے زمانہ میں یہاں تعلیم قانون کا ایک بہت بڑا دار العلوم قائم ہوا ۔ ۱۳ ہجری میں زمان خلافت حضرت عمر میں یزید بن ابی سفیان نے اسے فتح کر لیا

مگر پھر رومیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اور بعدہ معاویہ بن ابی سفیان نے اسے پھر حکومتِ اسلام میں شامل کیا۔ ۵۰۳ھ میں اہل صلیب نے اسپر قبضہ کر لیا۔ اور ۵۸۳ھ میں سلطان صلاح الدین نے انہیں نکال دیا۔ ۹۲۳ھ میں یاؤز سلطان سلیم نے اسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ پھر ابراہیم پاشا کے چند روزہ استیلائے کے بعد انگریزی اور آسٹرین بیڑوں کی مدد سے عساکر عثمانی نے اسپر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ اب ولایت سوریا کا مرکز اور سوریا میں سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ قدیم شہر کہ جسکی آبادی گنجان اور کوچے ناہموار ہیں۔ ایک مربع برجوں والی شکستہ فصیل سے محیط ہیں۔ لیکن فصیل سے باہر دامن کوہ میں عالیشان کوٹھیاں اور باغات ہیں۔ اور کنار دریا پر بھی خوشنما ہوٹل قہوہ خانے سرائیں دوکانات اور دفاتر ہیں۔ اور گودی نئی تعمیر ہوئی ہے۔ آبادی (۱۹۰۰ء) ایک لاکھ ہزار ہے۔ جسمیں چوتھائی کے قریب مسلم اور باقی رومن کیتھالک آرتھوڈاکس اور پراٹسٹنٹ مذاہب کے عیسائی اور یہودی اور دُروزی آباد ہیں۔ زبان سب کی عربی ہے۔ اہل صلیب کے زمانہ کی ایک گرجا کی مسجد جامع بنی ہوئی ہے اسکے علاوہ کئی جوامع اور مساجد اور مذاہب مختلفہ کے کلیسیا ہیں۔ یونانی اور رومن کیتھالک بشپوں کا صدر مقام اور کئی عیسائی مشنوں کا مرکز ہے۔ ہوا نہایت معتدل اور موسم خوشگوار رہتا ہے۔

مطبع آبائے لیسوعیین لیکن جس وجہ سے بیروت کو غیر معمولی شہرت دنیا میں حاصل ہوئی ہے وہ یہاں کے مطابع کی ترقی ہے کہ جنکے ذریعہ سے عربی زبان میں جہاں جدید علوم و فنون ترجمہ ہو کر خوب نشر ہو رہے ہیں۔ عربی زبان کے قدیم علم ادب کے سرمایہ کو بھی بڑی احتیاط کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ سب سے بڑا مطبع آبائے لیسوعیین کا ہے۔ یہ رومن کیتھالک پادریوں کا مطبع یہاں ۱۸۵۳ء سے جاری ہے اور اس نے بہت اچھی اچھی کتابیں عربی علم ادب اور لغات کی چھاپی ہیں۔ جنمیں اقرب الموارد پانچ جلد کی بسیط لغات ہے

فرائید الدریہ ۔ عربی فرانسیسی اور عربی انگریزی میں عمدہ لغات ہے ۔ اسی طرح فقہ اللغۃ لابی منصور الثعالبی ۔ الالفاظ الکتابیہ لعبد الرحمن الہمدانی ۔ تہذیب الالفاظ لابن السکیت ۔ فرائید اللغۃ فی الفروق ۔ الالفاظ الفرنسیۃ المشتقۃ من العربیہ ہیں ۔ اس آخری لغات میں ۱۴۳ صفحہ میں سینکڑوں ایسے فرانسیسی الفاظ جمع کئے گئے ہیں جو اصل عربی زبان سے لئے گئے ہیں ۔ اسیطرح علم ادب میں تین سو مستند علم ادب و تاریخ وغیرہ کی عربی کتابوں سے خلاصہ کرکے چھ جلدیں مجانی الادب کی مرتب کی ہیں ۔ اور تین جلدوں میں انکی شرح ایسی اچھی لکھی ہے کہ علاوہ حل لغات کے تاریخ ۔ جغرافیہ و تذکرہ کے تمام نکات جو ان چھ جلدوں میں شامل ہیں حل کردیئے ہیں ۔ اسکے علاوہ مقامات بدیع الزمان ہمدانی معہ شرح مفتی محمد عبدہ مصری ۔ روایات اغانی (خلاصہ دو جلدیں) انیس الجلسا شرح دیوان الخنسا ۔ ریاض الادب فی مراثی شعراء العرب ۔ دیوان اخطل اور دیوان خرنق وغیرہ بہت سی نایاب کتابیں بہم پہنچاکر معہ حواشی بڑی صحت اور صفائی سے چھپوائی ہیں ۔ مینے خود اس مطبع میں جاکر چھپائی کا کام دیکھا ۔ بڑی احتیاط سے کتابیں چھاپی اور مجلد کیجاتی ہیں ۔ اور ساتھ ہی عربی ٹائپ بھی مطبع کے اندر بنایا جاتا ہے ۔ کہ جس سے یہ کتابیں چھپتی ہیں ۔ مینے یہاں سے متعدد کتابیں خریدیں ۔ کہ جنپر قیمت کتب پر ۲۰ فیصدی کمیشن دیا گیا ۔ یہاں سے المشرق نامی ایک علمی اور ادبی بہت عمدہ ماہوار رسالہ چھپتا ہے جو اعلیٰ پایہ کا ہے ۔ ایک اور مذہب عیسوی کا ماہوار رسالہ البشیر کے نام سے شائع ہوتا ہے ۔ اور اسکی سالانہ جنتری بھی چھپتی ہے ۔

مطبع امیرکانیہ

دوسرا مطبع امریکین پادریوں کا بنام "المطبعۃ الامیرکانیۃ" جو ۱۸۲۲ء میں مالٹا میں جاری ہوا تھا ۔ ۱۸۳۴ء سے بیروت میں منتقل ہوکر جاری ہے ۔ اس میں بھی پہلے مطبع کیطرح کتب مذہبی کے علاوہ عربی لغاتیں اور گرامریں چھاپتے ہیں ۔ اور سائینس طب تاریخ جغرافیہ

جیالوجی ہیئت نباتات اور اصول منطق پر لکھے ہیں۔ اسیطرح ڈاکٹر یوحنا وانبات نے بہت سی سائنٹیفک کتابیں عربی میں ترجمہ کی ہیں کہ جنکی تفصیل اس مطبع کی فہرست کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ عام کتابوں میں سمائلز صاحب کی کتاب سلف ہلپ کا ترجمہ سر النجاح کے نام سے اور روبنسن کروسو اور صناجة الطرب قابل ذکر ہیں۔ یہاں سے بھی مینے کچھ کتابیں خریدیں جنپر ۱۵ فیصدی کمیشن ملا۔ اس مطبع میں بھی المطبعة الکاتولیکیہ کی طرح سیسہ کا ٹائپ بنایا جاتا ہے۔ مینے دونوں مطبعوں سے ٹائپ کے نرخ بھی دریافت کیے۔ لیکن معلوم ہوا کہ فروخت کے لئے ٹائپ صرف خلیل سرکس صاحب کے مطبع میں بنتے ہیں یہ صاحب بھی عیسائی ہیں اور امریکہ میں کچھ مدت رہ آئے ہیں۔

مطبعة الادبیہ

علاوہ اخبار لسان الحال روزانہ اور ہفتہ وار کے بہت سی عربی کتابیں بھی چھاپتے ہیں۔ اور ٹائپ بنا کر فروخت کرتے ہیں۔ ان کے مطبع میں عام قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ جب مینے ان سے ٹائپ کے نرخ دریافت کیے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ہندوستان میں جو فارسی اخبار کلکتہ سے نکلتا ہے اسکے لئے بھی انہیں کے مطبع سے ٹائپ خریدا گیا تھا۔ اور حیدر آباد دکن میں بھی ایک شخص نے ان سے ٹائپ خریدا تھا جس نے ابتک ایک حصہ زر ثمن ادا نہیں کیا۔ یہ ٹائپ نہایت خوبصورت ہیں مگر افسوس ہے کہ ان میں تین چار حروف مثل ڑ۔ ڈ اور ٹ کے جو اردو سے مختص ہیں موجود نہیں اسلیئے اردو کے چھاپنے کے کام نہیں آسکتا جبتک کہ یہ حروف نئے نہ بنوائے جائیں۔ اور یہ بھی شک ہے کہ عام اردو خوان اس عربی خط کو ناپسند کریں۔ البتہ عربی فارسی کتابیں چھاپنے کے لئے یہ ٹائپ نہایت موزون ہے۔ خلیل سرکس صاحب نے مجھے ٹائپ کے حروف بنتے ہوئے اور ٹائپ کے میٹرس بھی دکھلائے۔ اس مطبع میں مینے دیکھا کہ دفتری کا کام مثل یورپ امریکہ کے کئی خوبصورت دوشیزہ عیسائی لڑکیاں کر رہی تھیں۔ ایسے ہی یہاں کے انگریزی پوسٹ آفس کی پوسٹماسٹر انی عورت تھی۔ اسکے سوائے

خلیل الخوری اور سلیم ابراہیم صاور دو اور مشہور عیسائی کتب فروش ہیں۔ کہ جنکی فہرستیں چھپتی ہیں۔ گو عیسائیوں کے مطابع اور بھی ہیں۔ مگر مسلمانوں میں صرف ایک پبلشر اور کتب فروش کی دوکان مکتب آلنسیہ کے نام سے دیکھی۔ اس دوکان کے مالک عبدالباسط آلانسی برادر محمد سلیم آلانسی مالک روضتہ المعارف آلنسیہ ہیں جنسے قسطنطنیہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی کتابوں میں سے شیخ ابراہیم احدب کی عربی ضرب الامثال کی مشہور کتاب مجھے بہت پسند آئی۔ احدب صاحب نے جو زمانہ حال کے مسلمان مصنفین سے ہیں تمام امثال عربی کو منظوم کر دیا ہے۔ ایسے طور پر کہ اصل لفظ مثل کے کم و بیش نہ ہو جائیں۔ اور مطبع کاتولیکہ نے ایسے سلیقہ سے اس کتاب کو چھاپا ہے کہ آٹھ سو صفحے کی کتاب میں مثل کے لفظ سرخ حروف میں چھپے ہیں۔ اور اشعار کا باقی حصہ سیاہ حروف ہیں۔

اخبارات علاوہ مطبع کاتولیکہ کے دو ماہوار رسالوں کے یہاں بہت سے اخبار مثل لسان الحال۔ الضیا۔ الصفا۔ المصباح۔ حدیقۃ الاخبار۔ النشرہ الاسبوعیہ الہدیہ۔ ثمرات الفنون۔ بیروت اور روضتہ المعارف وغیرہ کے چھپتے ہیں۔ ان میں سے صرف پچھلے تین اخبار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں کہ جنمیں سے پہلے دو جاری ہیں۔ اور باقی سب اخبار نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں لیکن چونکہ اخبارات کو کسی قسم کی آزادی تحریر حاصل نہیں اسلیئے سوائے خبریں اور علمی مضامین لکھنے کے یہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ میں تینوں مسلمان اخبارات کے کارخانوں میں بھی گیا۔

دفتر اخبارات بیروت اخبار بیروت کے ایڈیٹر محمد رشید آفندی الدانا کے نام کا میرے پاس ایک معرفت کا خط تھا وہ بڑے تپاک سے ملے اور ایک اور دن کی ملاقات میں انکے بڑے بھائی ہز اکسلنسی عبدالقادر آفندی الدانا بھی ملے جو پہلے میونسپلٹی (بلدیہ) کے مدیر تھے۔ یہ علاوہ فرانسیسی کے کچھ کچھ انگریزی بھی بول سکتے تھے۔ جو اس عالی ہمت شخص نے صرف دو سال سے

کمپنی شروع کی تھی۔ بحالیکہ اسوقت اسکی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انگریزی زبان کسطرح روز بروز دنیا میں رسوخ پیدا کررہی ہے۔

رشید آفندی صاحب نے مجھے قہوہ پیش کیا کہ جسکے قبول کرنے میں مینے عذر کیا۔ تو اُنھوں نے مجھے کسی بڑے بزرگ کا قول سنایا جسکا ماحصل یہ تھا کہ قہوہ پینا ثواب کا کام ہے۔ عبدالقادر آفندی نے جودت پاشا سابق وزیر عثمانی کی مشہور تاریخ ترکی کی پہلی جلد کا ترجمہ عربی میں کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک کتاب پر اپنے ہاتھ سے میرا نام لکھکر مجھے بطور یادگار دی۔ اور تقاضا کیا کہ جب میں دمشق سے لوٹوں تو ایک شام اُنکے یہاں کھانا کھاؤں۔ اور بہت اصرار سے مجھسے اقرار لیا۔ ثمرات الفنون کے ایڈیٹر شیخ احمد حسن طبارہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ ثمرات الفنون۔ بیروت اور روزانہ لسان الحال ان اخبارات نے میرے یہاں آنے کی کیفیت تعریفی الفاظ میں شایع کی۔

مصنفین میں پادری فانڈیک اور ڈاکٹر یوحنا اور رتبات کا ذکر اوپر کرچکا ہوں۔ ان لوگوں نے امریکن اور یورپین ہوکر عربی زبان کی بیحد خدمت کی ہے انکے سوائے لوئیس شیخو الیسوعی نے مطبع کاتولیکہ کے لئے کئی کتابیں تصنیف اور تالیف کی ہیں کہ جنمیں مجانی الادب بھی ایک ہے۔ مگر یہ صاحب یورپ یا امریکہ کے رہنے والے نہیں بلکہ آبا و اجداد سے شام کے ہی باشندے ہیں۔ اور عربی کو اپنی جدی زبان سمجھکر اسکی خدمت کرتے ہیں۔ اسوقت شام اور مصر میں بہت سے ایسے عیسائی اہل قلم ہیں کہ جو عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں لکھ رہے ہیں۔ لیکن ان میں نہایت ممتاز دو شخص گذرے ہیں۔ اوّل معلم بطرس البستانی مصنف محیط المحیط و دائرۃ المعارف جو عربی زبان میں ابتک اکیلا سائیکلوپیڈیا ہے۔ افسوس ہے کہ معلم مرحوم نے اسکی چندہی جلدیں شایع کی تھیں کہ انہیں پیام اجل پہنچگیا۔ انکے بعد انکے بیٹے سلیم آفندی نے کام کو

جاری رکھا۔ مگر وہ بھی بے وقت مرگیا۔ اور اب معلم مذکور کا دوسرا بیٹا نجیب آفندی مصر میں دائرۃ المعارف کی تکمیل میں مصروف ہے۔ دوسرا معلم ناصف یازجی بھی علوم ادب کا بڑا عالم اور مصنف اور ناولسٹ گذرا ہے۔ اسکا بیٹا یازجی بھی اب مصر میں رسالہ ضیا نکالتا ہے۔

کلیۃ الامیرکانیہ بیروت میں پچاس سے زیادہ مدرسے (مکاتب) ہیں لیکن انہیں زیادہ تر ابتدائی مکاتب شامل ہیں جو حکومت کیطرف سے قایم ہیں ان میں سب سے بڑا امریکن مشنریوں کا مدرسہ ہے۔ جسے الکلیۃ الامیرکانیہ کہتے ہیں۔ یہ بی۔ اے کے درجہ تک تعلیم دیتا ہے۔ اسمیں علاوہ عربی اور فرانسیسی کے انگریزی زبان بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اسکے ساتھ ایک نہایت عمدہ بورڈنگ ہوس بھی ہے۔ اسی کالج سے متعلق امریکن مشنریوں کا ایک میڈیکل کالج اور ایک رصدخانہ بھی ہے۔ اس میڈیکل کالج کی ڈگری یورپ کے بعض ممالک میں بھی تسلیم کیجاتی ہے۔ اسی کلیہ یعنے یونیورسٹی کالج کی بدولت شام کے عیسائیوں میں بے حد علمی ترقی پیدا ہوگئی ہے اور انکی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے لاکھوں آدمی امریکہ کے مختلف بلاد میں بغرض تجارت و تحصیل معاش چلے گئے ہیں اور ہر روز جارہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس سے بہت کم فائدہ اُٹھایا ہے۔ مجھے عبدالرحمن سر شہبندر نے جو اس کالج کی بی۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے بتلایا کہ تیس سال سے یہ مدرسہ اس شہر میں قایم ہے اور میں پہلا مسلمان طالب علم ہوں جو آجتک اس کلیہ کی بی۔ اے کلاس تک پہنچا ہوں۔ اور یوں بھی پانچ چھ سو طلباء میں سے معدودے چند مسلمان ہیں جو یہاں تعلیم پاتے ہیں۔

دیگر مکاتب اسکے علاوہ جنیروائٹ لازاریست پادریوں کا مکتب الکلیۃ السوریۃ کا مکتب۔ کیتھالک پادریوں کا "بطریقیہ" نامی۔ میرونائیٹ فرقہ کا "حکمت" نامی۔ یہودیوں کا "اسرائیلیہ" نامی علیحدہ علیحدہ کالج اور مدرسے ہیں۔

اوران کے علاوہ لڑکیوں کے بھی کئی ایک مدرسے ہیں۔ سرکار کیطرف سے ایک ملکی اور ایک عسکری دو رشدی۔ اور ایک اعدادی درجہ کا مکتب ہے۔ اور دو لڑکوں اور دو لڑکیوں کے چار ابتدائی مکاتب ہیں۔ اسکے علاوہ پچیس کے قریب چھوٹے مسلمان بچوں کے مکتب ہیں۔

بیروت کا پہلا تجربہ

ان ممالک میں جہاز پر چڑھنے اور اترنیکے وقت مزدور اور کشتیبان بلکہ مسافر کو اسقدر پریشان کر دیتے ہیں کہ اسکے حواس بجا رہنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ جب جہاز بندر بیروت میں ٹھہرا تو فوراً قایق جی جہاز پر یورش کر آئے۔ اور لوگوں کا اسباب چھین جھپٹ کر اپنی کشتیوں میں رکھنا شروع کیا جب میرا اسباب بھی ایک کشتیبان نے رکھ لیا تو مینے عبدالرزاق ایک عرب مسافر سے جو اثنائے سفر میں واقف ہو گیا تھا۔ پوچھا کہ مجھے کسقدر کرایہ دینا چاہیئے۔ اس نے کہا تین بشلک۔ اور کشتیبان اسپر رضامند ہو گیا۔ ٹامس کک کے ایجنٹ نے جو جہاز پر موجود تھا مجھے یونیورسل ہوٹل میں جانے کی صلاح دی۔ میرے پاس ریزگاری نہ تھی۔ اسلئے مینے کشتیبان کو کہا کہ گاڑیبان کے ہاتھ تمہارا حساب بھیجدونگا وہ بھی گاڑی پر ساتھ ہو لیا۔ یہاں اس نے تین بشلک لینے سے انکار کیا۔ مینے ہوٹل کے مالک کو جو ایک عیسائی تھا منصف بنانا چاہا۔ اور ایک مجیدی اُسے دیا کہ جو مناسب ہو دونوں کو دیدے۔ اس نے مجھے انگریزی میں کہا کہ یہ کمینے لوگ ہیں بیفائدہ جھگڑینگے۔ انہیں مجیدی ہی دیدو۔ اور یہ کہکر اُنہیں مجیدی دے دی۔ مجھے اس سے بہت افسوس ہوا۔ کہ مینے کیوں اُسے حکم بنایا تھا۔ اور خیال آیا کہ ہوٹل والے تو کشتیبانوں اور گاڑیبانوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں کہ ہر روز انکے یہاں مسافر لایا کریں۔ دوسری صبح میں بازار میں گیا تو اتفاقاً وہی عرب مسافر عبدالرزاق مجھے ملگیا (جو ایک پنشنر سپاہی تھا) اور مینے اسے کشتیبان کی زیادہ ستانی کا واقعہ سنایا۔ اور بھی عجب اتفاق یہ ہوا کہ وہ کشتیبان بھی ہمیں پاس ہی ملگیا۔ عبدالرزاق نے اُسے ڈانٹا کہ تو نے اجنبی مسافر کو دھوکا دیا ہے۔

اسپر کشتیبان نے مجھے چھ غوش لوٹا دیئے۔ اور کہا کہ ڈیڑھ غوش بوجہ مجیدی کے ممسوح (گھِسے ہوئے ہونے کے) بٹہ لگ گیا ہے اور باقی پیسے اور گاڑیبان نے بانٹ لئے ہیں۔ کشتیبان سے دوسرے روز پیسے واپس ملنا ایک نہایت عجیب اتفاق ہے۔ یہ قصہ لکھنے سے غرض یہ ہے کہ اجنبی اور ناواقف مسافر کو یہ لوگ کسطرح لوٹتے ہیں۔ اور کہ حکومت ترکی اس لحاظ سے ایسی منتظم ہے کہ جب کشتیبان کو معلوم ہوا کہ مسافر مواخذہ کرنے پر آمادہ ہے تو اس نے ڈر کر زائد پیسے لوٹا دیئے۔

پر فضا ہوٹل لیکن جو پریشانی کشتیبان اور گاڑیبان سے ہوئی تھی وہ ہوٹل کے منظر نے فوراً رفع کر دی۔ ہوٹل عین برلب بحر واقع تھا۔ ایسے طور پر کیا اپنے کمرہ میں اور کیا ہوٹل کے برآمدہ میں کہ جہاں سے میلوں تک نظر سمندر کی پہنائی پر پھیل جاتی تھی۔ کیا کتابوں اور اخباروں کے مطالعہ میں اور کیا خاموش بیٹھکر سمندر کا نظارہ کرنے میں ہر وقت بحیرہ روم کی پر ترنم آواز طبیعت پر ایک سکون اور اطمینان کی حالت پیدا کر دیتی تھی۔ جس وقت ذرا ہوا تیز ہو جاتی تو بڑی بڑی موجیں زور شور سے ہوٹل کی دیواروں سے ٹکراتیں۔ اور اصل یہ چٹان تھے کہ جنپر یہ دیواریں تعمیر کی گئی تھیں۔ میں گھنٹوں تنہا سطح بحر کے اس خوبصورت نظارہ کے تماشا میں محو رہتا (کیونکہ اتفاقاً بوجہ سیزن ڈل ہونے کے ہوٹل آجکل مسافروں سے خالی تھے) میں شاید اس ہوٹل کو چھوڑ کر شہر میں کسی مسلمان لوکندہ (جسے قسطنطنیہ میں لوقنطہ لکھتے تھے یہاں لوکندہ لکھتے اور بولتے ہیں) میں چلا جاتا جہاں کھانے پینے کا زیادہ آرام ملتا لیکن بحیرہ روم کے اس دلربا منظر اور صبح شام رات دن ہر وقت کی موجوں کی موسیقی سننے کے لئے یہیں پڑا رہا۔ جب بستر پر جاتا ہوں تو بھی موجوں کی موسیقی نیند کو لاتی ہے اور جب صبح بیدار ہوتا ہوں تو سب سے پہلے یہی سریلی آواز میرے کان میں پڑتی ہے۔ خواہ ہوا بالکل ہی بند ہو تاہم سمندر کی وسیع سطح پر جو ذرا شکن بھی پڑتے

ہیں وہ بھی کنارہ پر لوٹ کر صدا پیدا کرتے ہیں۔

ملاقاتیں

سید حسن بے صاحب خلف الصدق السید شیخ ابوالہدیٰ صاحب نے جو دو خطوط معرفت کے عزتلو محی الدین صاحب صندوق زینی اور شمعہ پاشا زادہ سعادت لو رشدی بک کے نام دیئے تھے۔ ان سے بیروت اور دمشق ہیں دونوں جگہ ملاقاتیں اور سیر کرنے میں بڑی مدد ملی۔ یحییٰ بے صاحب شمعہ کمانڈنٹ پولیس بیروت رشید آفندی دانا اور بعض دیگر اصحاب سے ملاقات کی۔ محی الدین بے برادر یحییٰ بے شمعہ نے کہا کہ شیخ ابوالہدیٰ صاحب جو ارشاد کریں تمام شام کے لوگ بسر و چشم اسکی تعمیل کرنے کو حاضر ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بمبئی کے تاجر حاجی عبدالرحمن خطیب یہاں خان حمزہ میں رہتے تھے قسطنطنیہ سے انکا بھی پتہ ملا تھا۔ انہوں نے بھی شہر کی سیر میں بڑی مدد دی۔ اور دمشق کے گیلانی زادہ عطا آفندی صاحب کو خط لکھدیا کہ جن کی مہماں نوازی سے دمشق میں مینے بہت آرام پایا۔ ہرچند کہ وہاں کے لئے اور بھی انٹروڈکشن کیلئے خطوط تھے۔

اشیائے عتیقہ وغیرہ

ایک صاحب عبدالقادر الرحلہ القصار سے ملنے کا اتفاق ہوا جو چین جاپان سے ریشم اور شانگھی سے کھالوں کی تجارت کرتا ہے۔ جاپانی ریشم کا ایک تھان پچیس گز لمبا ۲۷ انچہ عرض کا دکھلایا کہ جسکی قیمت ۲۰ شلنگ تھی۔ اور کہا کہ اس ریشم کا اب کوئی ملک مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چین کا ریشم اور نہ یورپ کا رٹ کھاسکتا ہے۔ خواہش ظاہر کی کہ اگر ہندوستان سے پچاس پونڈ تک قیمت کی کشمیری شالیں ملسکیں تو یہاں بک جائیں ایران سے بھی پشمینہ کی شالیں یہاں آتی ہیں جنسے عرب کمربند بناتے ہیں مگر وہ بہت باریک اور ملائم مال پر اصرار کرتے ہیں۔ عمر لاوزی ایک دوسرے تاجر اشیائے عتیقہ نے پورانی شالوں کی خواہش ظاہر کی۔ یہاں سے اشیائے عتیقہ کی اہل یورپ کیلئے بڑی مانگ ہے۔ خان حمزہ میں ایک تاجر نے بہت سے پورانے قالین ٹرکی اور ایران کے جمع کر رکھے ہیں۔ دو ہندوستانی دیکھے جنکے پاس تسبیحوں کا بڑا ڈھیر تھا۔ اور وہ مکہ مکرمہ کو یہ تسبیحاں

فروخت کرنے کو جا رہے تھے۔

مردوں کے رخسار پر بوسہ دینا رعلہ صاحب کے مکان پر ایک شام کو گئے تو انہوں نے سفرجل اور نارنج کے چھلکے کے مربہ سے تواضع کی جسکے ساتھ دو پانی کے گلاس بھی رکھے گئے اور رخصت کے وقت حاجی عبدالرحمٰن میرے رفیق نے صاحب خانہ کے رخسارہ پر بوسہ دیا۔ اور بھی کئی مرد بیئنے راستہ میں دیکھے جو ایک دوسرے سے ملکر باظہار محبت ایک رخسار پر بوسہ دیتے ہیں۔

سیر یہاں کے مختلف بازاروں قہوہ خانوں اور دوکانوں وغیرہ کی سیر کا ماحصل یہ ہے کہ گودی کے قریب ایک بڑا عالیشان دومنزلہ مکان ایک یہودی تاجر استون نامی نے بنایا جسمیں تمام سٹیمروں کی کمپنیوں کے دفاتر ہیں اور ڈاک خانہ اور اور کئی کارخانے بھی اس میں موجود ہیں۔ اسی سے قریب کنارہ بحر پر ایک عالیشان مکان میں قسطنطنیہ کے ایک لکھپتی عیسائی سوداگر عمر آفندی نے ایک دوکان پیرس کے "بان مارشے" کے نمونہ پر بنائی ہے جسمیں تجارت کی ہر چیز ملسکتی ہے اور بیروت میں قابل دید ہے۔ ایک روز یہاں کی ٹھنڈی سڑک پر گئے جو شہر سے دور ہے اور عربوں کو گدہوں پر سوار ہو کر چوپو کھیلتے دیکھا۔ تمام شہر کا یورپین اور دیسی فیشن اس موقعہ پر موجود تھا۔ اور پھر گاڑی پر سوار ہو کر محلہ بطہ میں سے ہوتے ہوئے جہاں ایک صاحب سے ملنا تھا۔ راس بیروت کو گئے کہ جو یورپین آبادی ہے اور جہاں کونسلوں اور دولتمند عیسائی سوداگروں کی کوٹھیاں ہیں۔

خاموش تھیٹر ایک شام کو حاجی عبدالرحمٰن صاحب مجھے ایک تھیٹر میں لیگئے جسکا ٹکٹ نصف بشلک کا تھا۔ تماشا گاہ دوسری منزل پر تھا۔ اس تماشا کی ندرت یہ تھی کہ اسکے تمام ایکٹر زن و مرد جو یورپین لباس پہنے ہوئے تھے صرف اشارات سے ایکٹ کرتے رہے اور انہوں نے اخیر تک ایک لفظ منہ سے نہیں بولا۔ بعض اوقات اشارات بہت صریح ہوتے تھے۔ اور سب تماشائی مطلب سمجھ جاتے تھے مگر بعض اوقات ایسے ان نیچرل ہوتے تھے کہ

شائد بعض لوگ سمجھتے ہوں جنہیں قصہ کا پلاٹ معلوم ہو۔

گندی زندگی

ہمنے تماشہ کے خاتمہ سے پہلے ہی قریب دس بجے کے ہوٹل کو واپس جانا چاہا۔ ہم گاڑی کرایہ کر رہے تھے کہ ایک معتبر شکل اور اچھے یورپین لباس والے جنٹلمین نے میرے رفیق کے کان میں کچھ کہا۔ میں نے سمجھا انکا کوئی ملاقاتی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ اس نے کہا تھا کہ میں آپ کو ایک عورت کا مکان دکھلانا چاہتا ہوں۔ اسی ایک عشرہ میں جو میں یہاں رہا ہیں ایک اور شام کو ایک لوقنطہ سے کھانا کھا کر اپنے ہوٹل کو جا رہا تھا کہ ایک اور شخص نے مجھسے ایسی ہی خواہش ظاہر کی بلکہ کچھ دیر تک ہمراہ اصرار کرتا چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ سر بازار یہاں رنڈیوں کے بیٹھنے کی اجازت نہیں اسلئے ایسے لوگ ایجنٹ مقرر کر رکھے ہونگے۔

غنا کا قہوہ خانہ

ایک شام کو حاجی صاحب مجھے ایک ایسے قہوہ خانہ میں لیگئے جو ایک عالیشان ہال میں تھا۔ اسکے مالک نے چھ سات یورپین عورتوں اور تین مردوں کا ایک ٹروپ سارنگی بجانیکے لئے رکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ آدھ آدھ گھنٹے کے بعد سارنگی بجاتے۔ چونکہ لوگوں کو مفت یہ تماشا دیکھنے کی اجازت ہے انہیں صرف قہوہ خرید کر پینا چاہیئے۔ ہر آدھ گھنٹہ سارنگی بجا چکنے کے بعد انہیں سے ایک عورت ایک رکابی لیکر حاضرین سے پیسے مانگتی تھی۔ اور جو کسیکا جی چاہتا رکابی میں ڈال دیتا۔ ہر شخص پیسے دینے پر مجبور نہ تھا۔ باقی عورتیں بھی ہال میں چکر لگاتیں۔ اور جو مخاطب کرتا اُسکے ساتھ بیٹھکر اسکے ہمراہ مےخواری شروع کرتیں بلکہ کھلم کھلا بوس و کنار تک نوبت پہنچتی۔ اس شرمناک جماعت میں زیادہ تر عرب اور ترک تھے۔ عیسائی بہت کم تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلے عیسائی عورتیں اور مرد بھی آیا کرتے تھے مگر بعض عربوں نے دو چار عیسائی عورتوں پر چھریوں سے وار کئے۔ اسپر عدالت نے عورتوں کی موجودگی سوائے فاحشہ عورتوں کے بند کردی جو سارنگی بجاتی تھیں۔

تجارت و تحائف بیروت میں ریشمی کپڑا اور سنہری روپہری گوٹا بنتا ہے۔ مگر یہ مقام تمام ملک شام کے لئے تجارت کی منڈی ہے۔ یہاں سے ریشم، اُون صابن۔ لیموں اور رنگترے باہر کو جاتے ہیں۔ اور لوہا کپڑے اور فینسی چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ کل در آمد ۱۲ لاکھ پونڈ اور بر آمد قریباً سات لاکھ پونڈ کی ہے۔ جب میں نے یہاں سے کچھ تحائف خریدنے کا ارادہ کیا تو علاوہ عربی کتابوں کے جو پہلے خرید چکا تھا اور حقّہ کے پیچوانوں اور ترکی وضع کے زنانہ جوتوں کے کچھ زیتون کا صابن بھی لیا۔

فرانسیسی اثر جسطرح ہندوستان میں انگریزی دانی ضروری ہے یہاں فرانسیسی زبان ہر تعلیم یافتہ جانتا ہے۔ اسلئے السّلام علیکم سے زیادہ مرتبہ بون ژور (یعنی صبّحکم اللہ بالخیر) سنا جاتا ہے۔ میں نے نوٹس کیا ہے کہ کیا قسطنطنیہ کیا بیروت۔ اور کیا دمشق میں السلام علیکم کا بالکل رواج نہیں۔ مسلمان قسطنطنیہ میں تو ملکر کہتے ہیں "صباح شریف لری کز خیر اولسون"۔ یعنی صبح شریف آپ کی بخیر ہو۔ یا "آئی شنکر انشاء اللہ تعالےٰ" یعنی خدا چاہے آپ بخیریت ہیں۔ اور دمشق میں کہتے ہیں "صبّحکم اللہ بالخیر" یا "مسّی کم اللہ بالخیر"۔ بعض صرف "صبحکم بالخیر" اور "مسی کم بالخیر" کہتے ہیں۔ لیکن عیسائی آپسمیں ملکر کہتے ہیں "نہارکم سعید" یا "لیلکم سعید" انکی دیکھا دیکھی اکثر مسلمان بھی کہتے ہیں "نہارکم سعید"۔ اسلئے آجکل عام کلمہ قائم مقام السّلام علیکم کے یہاں نہارکم سعید مستعمل ہے۔ ہندوستان میں رخصت ہونیکے وقت بھی سلام علیکم کا دستور ہے۔ یہاں اسموقعہ پر کہتے ہیں "ادیو"۔ یہ لفظ خدا حافظ کے معنے رکھتا ہے۔ کیا استنبول میں اور کیا یہاں رخصت ہونے کے وقت عام لوگ جو فرانسیسی سے بالکل ناواقف بھی ہیں۔ وہ بھی "اڈیو" کہتے ہیں۔ یہ لاطینی الاصل ایک فرانسیسی لفظ ہے جسکی شکل انگریزی زبان میں Adieu (اڈیو) بن گئی ہے۔ یعنی بخدا یا بحوالہ خدا۔ یہ لکھنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ اس بدّوں اور عربی اور شامی جانگلوؤں کی سرزمین میں بھی فرنگی تہذیب کا یہانتک اثر ہو گیا ہے کہ عام لوگ جس چیز کو یورپین کہنا چاہیئے

ہیں اُسے الافرالفتہ Ala franca ہیں۔ یہ فرانسیسی طرز فرنگی کہنے کی ہے۔

شامی و عربی عورتیں

گھروں کے اندر شامی اور عربی عورتیں بھی ترکی عورتوں کی طرح بالکل الافرالفتہ لباس اور طرز معاشرت رکھتی ہیں۔ اُسی طرح ایک خاص قسم کی چادر یا برقعہ کہ جسکا ذکر میں کسی دوسرے موقع پر کرچکا ہوں۔ اوڑھکر اور ہاتھ میں چھاتا لیکر بیروت اور دمشق کی مسلمان عورتیں برابر بازاروں میں پھرتی ہیں۔ یہانتک دوکانوں میں تنہا بیٹھکر سودا خریدتی ہیں خصوصاً عورتوں نے پھرنے کے بارہ میں ایسا الافرالفتہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کوئی ترکی یا شاہی عورت گوارا نہ کرے گی کہ اسکا شوہر اُسے "گزنک" (ترکی زبان میں گشت کا مترادف لفظ ہے) سے روکے اور شام کو مستطیع قادینیں (خاتونات) گاڑیوں میں بیٹھکر گشت کرتی ہیں۔ تعلیم نسوان میں ان ملکوں میں خاصی ترقی ہوگئی ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی عورتوں کی خاص تعلیم میں اونچے گھرانوں میں مزامیر بجانا رقص کرنا اور گانا ضروری تعریف سمجھا جاتا ہے۔ شام شریف (دمشق) میں مجھے ایک مسلمان جنٹلمین نے ایک مجلس کے درمیان بتلایا تھا کہ جو لڑکیاں ان صفات سے موصوف نہ ہوں اُنہیں اچھا شوہر ملنا مشکل ہے۔ سینے۔ پرونے سلیقہ صفائی اور لباس کی ستھرائی میں ہرگز ترک اور شامی عورتیں یورپین عورتوں سے کم نہیں۔ اور اسیطرح یورپین عورتوں کیطرح گھر کے کام دھندے سے یہ جی چراتی ہیں۔ عام گھروں میں کھانا اکثر بازار سے پکا پکایا منگوا کر کھا لیتی ہیں۔ روٹی پنیر یا زیتون کے اچار کے ساتھ کھالیں گی۔ جب تک میں نے دمشق اور لبنان اور طرابلس کو نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں کے دیسی باشندے سانولے یا گندمی رنگ کے ہونگے۔ مگر یہاں کے لوگ تو بلگیریا اور سرویہ کے لوگوں سے بہت گورے ہیں۔ نہیں بلکہ اکثر عورتیں تو فرانس اور انگلستان کی عورتوں سے ذرہ بھی کم سفید نہیں۔ مسلمان عورتیں تو شاذ و نادر ننگے مُنہ پھرتی ہیں جب تک کہ بہت سالخوردہ نہ ہوں۔ لیکن عیسائی اور یہودی

عورتیں جو قدیم سے اسی ملک کی متوطن ہیں اہل یورپ سے ذرہ بھی بلحاظ رنگ کے پہچانی نہیں جاسکتیں۔ البتہ بلحاظ صورت کے پہچانی جاسکتی ہیں کیونکہ اُن سے یہ زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں۔

بیروت و دمشق و لبنان میں عیسائیوں کا مسئلہ

بیروت اور کوہ لبنان کے عیسائیوں کا مسئلہ بھی بالحالی کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے۔ جبل لبنان ایک لمبا سلسلہ پہاڑوں کا ہے جو طرابلس سے ساحل بحر پر بیروت اور وہاں سے یافہ تک چلا گیا ہے۔ اسپر تمام عیسائی بستے ہیں جو قدیم الایام سے اسی ملک کے متوطن ہیں۔ اور ان میں کئی لاکھ آدمیوں میں صرف تین چار ہزار مسلمان ہیں۔ لبنان سے قریب بڑا شہر اور بندر بیروت ہے کہ جسکا تعلق بحیرہ روم اور مصر کے راہ سے یورپ سے بہت زیادہ ہے اسلئے یہاں کے عیسائی مسلمانوں کی نسبت بہت ہوشیار ہیں۔ اور ٹرکی کے یورپین عیسائی رعایا کی طرح ان میں بھی بیداری اور قومیت کا خیال پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اسلئے یہ لوگ تجارت اور تعلیم میں بھی بمقابلہ مسلمانوں کے زیادہ مصروف ہیں۔ بیروت میں جو بندرگاہ ہے سوا لاکھ عیسائی اور تیس ہزار سے کم مسلمان نہ ہوں گے۔ برعکس اسکے دمشق میں جو سمندر سے دور ہے ۲۵ ہزار عیسائی اور ڈیڑھ لاکھ مسلمان ہوں گے۔ اسلئے یہ کہنا ضروری نہیں کہ بیروت میں روپیہ میں دو آنے تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور دمشق میں جہاں اکثر حصہ تجارت کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگا وہاں تجارت نسبتاً بہت کم ہے اسلئے وہاں عیسائیوں کی آبادی بھی کم ہے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں میں چشمک

دمشق میں آخری خوفناک فساد جولائی ۱۸۶۰ء میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ہوا تھا جبکہ مسلمانوں نے عیسائیوں کا قتل عام کردیا تھا۔ اسکے بعد کوئی ایسا فساد تو نہیں ہوا۔ لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں میں بیروت میں اکثر

کشیدگی رہتی ہے۔ اس وقت اس کشیدگی میں عیسائیوں کی طرف سے زیادتی ہے کہ جنہیں اپنی کثرت اور یورپ کی عیسائی سلطنتوں کی طرفداری پر بڑا گھمنڈ ہے۔ اسوقت بھی والی لبنان کو سلطان المعظم چھ دول یورپ کی رضامندی سے ہر دس سال کے لئے مقرر کرتے ہیں اسطرح گویا کہ یہ ایک نیم آزاد عیسائی ریاست قلمروئے عثمانی کے اندر موجود ہے۔ بیروت دمشق ریلوے سے بھی کہ جو جبل لبنان پر سے گذرتی ہے اور فرانسیسی سرمایہ سے ۱۸۹۵ء میں تعمیر ہوئی ہے عیسائیوں کے رسوخ میں اضافہ ہوا ہے اور عیسائی زیادہ شوخ چشم ہو گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے ہی اسباب سے بیروت میں اتنی زیادہ خون کی وارداتیں ہوتی ہیں کہ کسی دوسرے شہر میں نہیں ہوتیں۔ انہیں وجوہات سے سلطنت عثمانیہ نے اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ بیروت اور دمشق میں رکھا ہوا ہے۔ کل سات اردو عثمانی لشکر کے ہیں جنمیں سے ایک بیروت اور ایک دمشق میں مقیم ہے۔ باقی چھ ارض روم یمن بغداد ادرنہ استانبول اور بلگیریہ میں مقیم ہیں۔

دمشق

اِنْ تَکُنْ جَنَّۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ فَدِمَشْق وَمَا تَکُوْنُ سِوَاھَا

بلدۂ شام است مسمّے دمشق
کز لب سنگش دمد آوازِ عشق

بیروت سے دمشق تک ریلوے بیروت و دمشق کے درمیان ۹۸ میل لمبی ریلوے لائین فرانسیسی سرمایہ سے بنی ہوئی ہے جسکے مندرجہ ذیل سٹیشن ہیں:۔ بیروت۔ حدث۔ بعبدا۔ جمہور۔ عاریا۔ عالیہ۔ محمدون۔ عین صوفر۔ مریجاب۔ جدیتہ۔ سعدنائل۔ معلقہ۔ ریاق

یحفوفہ۔ سرغایا۔ زبدانی۔ التکیہ۔ سوق۔ وادی بردا۔ ویر قانون۔ عین الفیجہ۔ جدیدہ۔ ہامہ۔ دمر۔ شام برآمکہ۔ شام میدان۔ صبح ۷ بجے چلکر شام کو ۵ بجے گاڑی دمشق پہنچتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ راستہ میں جبل لبنان کی چڑھائی بہت دشوار ہے۔ گو ۹ بجے تک ۲۰ میل کا ایک بڑا چکر کاٹ کر ریل لبنان کی چوٹی پر سٹیشن عالیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر یہاں سے شہر بیروت اور سمندر کا ساحل قدموں کے نیچے ایسے نظر آتے ہیں کہ میل ڈیڑھ میل سے زیادہ دور نہیں ہونگے بوجہ بہت سخت چڑھائی کے ریل کی سڑک میں یہاں یہ جدت دیکھی کہ دونوں ریلوں کے درمیان ایک تیسری لوہے کی ریل لگائی گئی ہے جسمیں گراری کی طرح موٹے موٹے دندانے ہیں۔ اور چڑھائی کے وقت انجن کا ایک بیچ کا پہیہ ان دندانوں میں پڑتا جاتا ہے تاکہ گاڑی اپنے بوجھ سے نیچے کو نہ سرک جاوے اسی طرح پہاڑ سے نیچے اترنے میں بھی ان دندانوں سے ضرور مدد ملتی ہوگی۔

راستہ کا منظر

خدا کی شان ہے کہ ایسے خشک پتھروں میں ایسی خوشنما سبزی اور سرسبز میوہ دار درخت پیدا کر دیئے ہیں۔ ڈھلوانوں اور وادیوں میں سیڑھیوں کی طرح نیچے اوپر جو کیاریاں بنی ہوئی ہیں وہ انگور کی بیلوں اور انجیر اور زیتون کے درختوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ انگور کی بیلیں یورپ کیطرح لاٹھیوں کے سہارے کھڑی نہیں ہیں۔ بلکہ زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ انجیر کے پودے قد آدم سے بڑے نہیں مگر زیتون کے درخت بڑے بڑے ہیں۔ معلقہ سٹیشن تک لبنان کی چڑھائی اترائی ختم ہوجاتی ہے۔ مگر چند میل کے میدان کے بعد پھر پست پہاڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مگر ایک درہ کے درمیان سے ایک ندی کے کنارے کنارے ریل چلی جاتی ہے۔ پہاڑ میں جہاں چشمہ یا ندی ہے وہاں تو باغ بنا ہوا ہے ورنہ بیابان۔ گھوڑے اور گائے بیل تو بہت کم نظر آتے ہیں۔ مگر گدھے اور سیاہ دنبے زیادہ دیکھے جاتے ہیں۔ معلقہ تک ہی عیسائی آبادی زیادہ رہی ہے۔ آگے مسلمانوں کے دیہات

ہیں۔ لبنان کی عیسائی عورتیں بھی مردوں کی طرح بالکل یورپین لباس پہنتی ہیں مسلمان عورتیں برقعہ کے ساتھ کپڑے کا ایک رنگین ٹکڑہ ضرور منہ پر لٹکائے رہتی ہیں۔ دمشق کے قریب ایک سٹیشن پر بہت سی عورتیں اور لڑکیاں چھوٹی چھوٹی پٹاریوں میں سیب۔ انگور۔ انجیر وغیرہ تازہ فروٹ فروخت کرنے کو کھڑی تھیں۔ میں نے ایک مٹا لک کو پانچ عمدہ سیب خریدے۔ شہر کے نواح میں میوہ دار درختوں کے باغات کی کثرت ہے۔ بیروت سے میں نے دو غروش دیکر دمشق کے لئے پاسپورٹ پر ویزہ کرالیا تھا۔ پہلے سٹیشن پر ٹکٹ لینے کے وقت پولیس نے پاسپورٹ دیکھا پھر دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ایک ضبطی نے ریل میں پاسپورٹ لیکر نوٹ کرلیا۔ دوم درجہ کا ریل کا ٹکٹ ۲۰ قرش کو ملا تھا۔

شہر دمشق ولایت سوریہ کا مرکز اور ایشیائے عثمانی میں نہایت ضروری شہر ہے جو مشرق اور جنوب کیطرف سے بر الشام تک پھیلے ہوئے نہایت خوبصورت اور دلربا میدان غوطہ کے کنارہ پر واقعہ ہے۔ شہر کے شمال میں جبل قاسیوں اور جنوب مغرب میں جبل الشیخ واقعہ ہیں۔ اور چاروں طرف خوبصورت باغات سے محیط ہے۔ جبل قاسیوں سے دریائے بردی کے شفاف اور خوشگوار پانی کی کئی نہریں جاری ہیں جنسے کیا شہر اور کیا میدان کے تمام باغات سیراب ہوتے ہیں۔ شہر ایک شکستہ فصیل کے اندر واقع ہے مگر فصیل سے باہر بھی شہر کے کئی محلے آباد ہیں۔ خصوصاً میدان کے نام سے شہر کا ایک حصہ جانب جنوب دور تک چلا گیا ہے۔ شمالی جانب کی نہر بردی کے پرے کے محلہ کو عمارہ کہتے ہیں۔ عمارہ کے پیچھے شمال کیطرف جبل قاسیوں کے دامن میں ایک اور سترہ ہزار کا قصبہ آباد ہے کہ جسے صلاحیہ کہتے ہیں اور یہ بھی دمشق کا ایک حصہ ہے آبادی باختلاف اقوال ڈیڑھ لاکھ اور سوا دو لاکھ کے درمیان ہے[1] جنمیں پندرہ بیس ہزار مختلف معتقدات کے عیسائی

[1] مصنف دمشق الفیحا کے نزدیک آبادی (۱۴۲۰۰۰) سے زیادہ نہیں کہ جس میں (۱۳۰۰۰۰) مسلمان اور ۱۷ ہزار نصاریٰ ہیں۔ مسلمانوں میں (۱۲۴۰۰۰) سنی (۵۴۰۰) شیعہ (۲۵۰۰) دُرزی ہیں۔ اور مختلف سات مذاہب یعنے آرتھوڈاکس۔ ارمنی۔ سریانی۔ رومن کیتھالک۔ مارونی۔ لاطینی۔ اور پروٹسٹنٹ کے عیسائی آباد ہیں۔

پانچہزار یہودی اور باقی مسلمان ہیں جن سب کی زبان عربی ہے۔ اہالی دمشق تناسب اعضائے حسن اندام اور ذہانت و ذکاوت کے لئے مشہور ہیں۔

شہر کی جانب مغرب قدیم قلعہ والی دمشق کا عالیشان مکان وائر عسکریہ اور فوجی بارکیں ہیں۔ شہر میں قریب دو سو کے جامع کئی مدرسے اور مکاتب ملکی و عسکری رشدی و اعدادی اور مکاتب صبیان ہیں۔ غیر مسلم لوگوں کے علیحدہ مکاتب بھی ہیں۔ ایک کتب خانہ دو مطابع ایک شفاخانہ اور ایک مکتب صناعت بھی ہے۔

تاریخ قدیم دمشق نہایت قدیم شہر ہے جیسا کہ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں بھی یہ شہر موجود تھا۔ بنی اسرائیل کے زمانہ میں مصر کے بعض ملوک خاندان قبطی بھی اسپر قابض رہے حضرت داؤد و حضرت سلیمان کے عہد میں اسپر کچھ عرصہ یہودیوں کی حکومت رہی اور پھر اشوریوں اور ایرانیوں کے قبضہ میں رہا۔ سکندر اعظم کے بعد اہل مقدونیہ کے قبضہ میں آیا۔ ۱۴ھ میں خالد بن ولید کی ہمراہ عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ دوران خلافت حضرت عثمان میں اسکی حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ میں رہی۔ ۴۱ھ سے دولت امویہ کا پایہ تخت اور تمام ممالک اسلامیہ کا مرکز بنگیا کہ جس حالت میں ۹۲ سال تک رہا۔ مگر خلافت عباسیہ منتقل ہو جانیکے بعد دمشق کبھی مصر اور کبھی بغداد کے تابع رہا۔ سلجوقیوں کی حکومت میں انکی بعض چھوٹی شاخیں بنی حمدان اور بنی طغتکین یہاں حاکم رہیں۔ ۱۱۴۷ء میں فرانس کے لوئیس ہفتم اور جرمنی کے قیصر کونارڈ سوم نے اہل صلیب کی معیت سے دمشق کا محاصرہ کیا۔ مگر ناکام رہے۔ ملوک ایوبیہ نے بھی یہاں حکومت کی کہ جنسے ہلاکو نے اسے چھین لیا۔ پھر جراکسہ مصر کے ہاتھ میں آیا۔ جبکہ ۱۴۰۱ء میں تیمور نے اسے غارت کیا۔ اور یہاں کے مشہور صناعان قالین کو ماوراء النہر میں لیجا کر آباد کر دیا کہ جس سے یہاں سے یہ صنعت معدوم ہوگئی۔ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم

اول نے دمشق کو تسخیر کرلیا۔ اور سوائے تھوڑی سی مدت کے جبکہ ابراہیم پاشا ابن محمد علی پاشائے مصر نے اس علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ دمشق پر مسلسل ترکی حکومت چلی آئی ہے۔

دمشق کی تعریف بوجہ عمدہ پانی کے افراط باغات کی کثرت اور زمین کی شادابی کے جس نے دمشق کو دیکھا اُسے نہایت پسند کیا ہے۔ بڑے بڑے علما اور مشاہیر مصنفین اسکی تعریف میں رطب اللساں رہے ہیں۔ اسلئے میں انکے چند اقوال کو ذیل میں نقل کرنا بیموقع نہیں سمجھتا۔ امام ابوبکر ابن العربی نے دمشق کی شان میں فرمایا ہے ؎

اِن تکن جنت اللّٰہ بارض ۔۔۔ فدمشق وما تکون سواھا
اوتکن فی السماء فھی علیھا ۔۔۔ قد ابدت ھواھا وھواھا

یعنے اگر خدا کا بہشت دنیا پر ہے تو وہ دمشق ہے۔ اور کوئی اسکے سوا نہیں ہوسکتا۔ الخ

دمشق کے نامور شاعر عرقلہ الطلبی نے یوں اسکی تعریف کی ہے ؎

الشام شامتہ وجنت الدنیا کما ۔۔۔ انسان مقلتھا الغضیضۃ جلّق
من اسھالک جنت لا تنقضے ۔۔۔ ومن الشفیق جھنّم لا تحرق

شام (دمشق) دنیا کے رخسار کا خال ہے جیساکہ اسکی آنکھ کا تارا جلّق ہے یہاں گلہائے آس کے تختے ایک بے پایان جنت کا لطف دکھاتے ہیں۔ اور گلہائے لالۂ احمر کا تختہ ایسا جہنم ہے جو کسیکو نہیں جلاتا۔

ابوالوحش سبیع بن خلف اسدی ابوالعباس احمد مقری مصنف نفح الطیب۔ شرف الدین بن محسن وغیرہ وغیرہ شعرا و مصنفین نے اسکی تعریف میں ایک ذخیرہ نظم ونثر کا مرتب کردیا ہے۔ کہ جسے مصنف دمشق الفیحا[1] نے جمع کردیا ہے۔

قدرتی واٹر ورکس ہوا کے بعد جو چیز انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ درکار ہے

---

[1] دیکھو کتاب دمشق مطبوعہ رفاہ التعلیم پریس لاہور جسمیں یہ ذخیرہ معہ دمشق کے مفصل حالات کے درج ہے۔

وہ پانی ہے۔ اور دمشق میں جس کثرت سے عمدہ پانی موجود ہے اور جس سہولت سے وہ دستیاب ہوتا ہے یقین ہے کہ دنیا کے کسی شہر میں دستیاب نہ ہوتا ہوگا۔ آجکل واٹر ورکس کے طفیل سے بعض شہر اپنے پانی کی عمدگی اور اسکی دستیابی کی سہولیت پر ناز کرسکتے ہیں لیکن اس واٹر ورکس کے ایجاد ہونے سے بہت مدت پہلے سے شہر دمشق میں ایک ایسا واٹر ورکس جاری ہے کہ جسکے پانی کی تقسیم کے لئے کسی انجن یا بائلر کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ایک پیسہ اسپر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ سات نہریں مختلف اطراف سے پہاڑوں سے اُتر کر دمشق کیطرف آتی ہیں۔ انکا پانی مٹی کی نالیوں کے ذریعے سے تمام شہر کے ہر ایک گھر میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر گھر میں وسط صحن میں ایک حوض ہے اس میں بمقدار منفذات اتنا پانی ہر وقت آتا رہتا ہے کہ نصف انچہ کی دس یا بیس یا تیس نالیوں سے آنا مشکل ہے۔ اسکے علاوہ بڑے گھروں میں باورچیخانہ میں یا دو تین دوسری جگہوں میں بھی پانی آتا رہتا ہے اور نیچے گر کر ایک بڑی نالی ہر وقت پاخانہ سے گذرتی رہتی ہے۔ اسلئے بھنگی کی اس شہر میں پاخانے صاف کرنیکے لئے ضرورت نہیں۔ شہر بھر کے پاخانوں کا پانی یا یوں کہو کہ مستعمل پانی بڑے بڑے حوضوں میں جمع ہوتا ہے کہ جن سے شہر کے گرد کے تمام باغات سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

عطا آفندی گیلانی

دمشق سٹیشن پر ہی مجھے گراں ہوٹل ڈا اورینٹ کا آدمی ملگیا اور میں اس ہوٹل میں جا ٹھہرا۔ دوسری صبح خطوط انٹروڈکشن سے مسلح ہو کر مینے سب سے پہلے جناب عطا آفندی گیلانی زادہ رئیس دمشق سے ملاقات کی۔ اُنہوں نے سخت اصرار کیا کہ میں اُنکے مکان میں اُٹھ آؤں۔ اور وہ دو گھنٹہ کے اندر خود میرے ہمراہ آکر ہوٹل سے میرا اسباب لے گئے۔ ہر چند کہ پیشتر ان سے کوئی شناسائی نہ تھی۔ یہ بڑے شریف اور خلیق بزرگ ہیں اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ حمص میں انکی خاندانی جائداد ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں سے بالخصوص محبت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ محبت اور احسان مشرقی اقوام کا

خاصہ ہے۔ یورپ کے بازار میں اس جنس کی کچھ قیمت نہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اگر باپ بیٹے کے شہر میں وارد ہو اور اُسے ملنے آئے تو رات ہوٹل میں ٹھہرے کیونکہ بیٹے کے گھر میں کوئی زائد کمرہ اور کوئی زائد بستر نہیں ہے۔ مگر ہم لوگوں میں اور اسی طرح عربوں میں دستور ہے کہ مہمان کا کھانا اور بستر ہر حالت میں ہمارے ذمہ فرض ہے۔ شام میں کئی بزرگوں اور عمائد سے ملاقات ہوئی۔ افسوس ہے کہ یہاں تھوڑے لوگوں کی آنکھیں ضروریات زمانہ کیطرف سے کھلی ہیں تاہم بعض لوگ ایسے موجود ہیں۔

سردار غلام محمد خان طرزی

اس شہر میں دو افغان سردار بھی پناہگزیں ہیں اور سلطنت سنیہ ٹرکی کیطرف سے وظیفہ پاتے ہیں۔ ان میں سے سردار غلام محمد خاں صاحب طرزی[1] تو پندرہ سال سے یہاں مقیم ہیں۔ انہیں باب عالی کیطرف سے چالیس ترکی پونڈ ماہوار۔ اور امیر صاحب کابل کیطرف سے بھی کچھ عرصہ سے بیس ہزار کابلی روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا ہے۔ یہ بڑے لائق شاعر ہیں۔ فارسی کلام بہت پختہ ہے ان کا دیوان کراچی میں چھپا ہے۔ یہ بڑے متدین آدمی ہیں۔ انکے صاحبزادے محمود بیگ صاحب جو ان کے ساتھ دمشق میں رہتے ہیں۔ ایک لائق اور خلیق نوجوان ہیں۔ مینے دمشق میں بہت سے گھنٹے ان کی ترکی اور عربی

[1] افسوس ہے کہ سردار غلام محمد خاں صاحب کا ان سطور کے لکھنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ سردار صاحب بڑے نیکبخت اور خدا دوست آدمی تھے۔ آدھی رات سے ہی جامع اموی میں جا بیٹھتے اور درود وظائف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ رخصت ہونے سے پہلے اپنی نئی تصنیف واقعات سنہ جس میں جنگ یونان وغیرہ کے حالات ہیں مجھے سناتے رہے۔ آپ بڑے خوشنویس اور نقاش بھی تھے۔ آپنے ایک خوشخط لوحہ کا فوٹوگراف بھی بطور تذکار مجھے دیا تھا۔ اُنکی وفات کے بعد انکے صاحبزادہ محمود بیگ صاحب کابل جاتے ہوئے چند روز لاہور میں میرے پاس ٹھہرے۔ چنانچہ اب مع عیال واطفال امیر صاحب کے بلانے پر اپنے وطن کابل میں سکونت پذیر ہیں۔

فارسی کتابوں کی صحبت میں کاٹے۔ اور انکی رہبری سے بہت سے مقامات دمشق کے دیکھے۔ سردار زادہ محمود بیگ صاحب گو کسی یورپین زبان سے واقف نہیں لیکن ترکی کتابیں اور اخبار بکثرت پڑھنے سے وہ بڑے صاحب معلومات وسیع ہیں۔

سردار عبدالمجید خان

دوسرے افغان سردار صاحب صرف ۶-۷ ماہ سے دمشق میں متقیم ہیں انکا نام سردار عبدالمجید خانصاحب ہے۔ یہ اُس ناموَر افغان سردار محمد عظیم خان کے پڑپوتے اور سردار سلطان احمد خان کے پوتے ہیں کہ جنہوں نے تاریخ افغانستان میں بڑا نام چھوڑا ہے۔ انکے والد سردار عبداللہ خان مرحوم امیر عبدالرحمن خان کے مقابلے میں ہرات کی حفاظت میں جنگ میں مارے گئے یہ اسوقت سے ایران اور من بعد روس کے علاقہ (سمرقند) میں پناہگزیں رہے ہے لیکن ایک سال کے قریب زمانہ گزرتا ہے کہ یہ استنبول میں پہنچے۔ سلطان المعظم کیطرف سے انکی مہمانداری اور خاطر تواضع میں بیحد اہتمام کیا گیا۔ اور انکی عزت افزائی کی بڑی کوشش کی گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ہندوستان کے اخبارات میں بھی ایک تار چھپا تھا کہ ایک افغان سردار کی قسطنطنیہ میں بڑے اہتمام سے مہمانداری کی گئی ہے۔ اسکے بعد انہوں نے شام کی سکونت پسند کی جہاں امید کیجاتی ہے کہ اُنہیں ۲ سو ترکی پونڈ سے زیادہ وظیفہ ملیگا۔ انکے ہمراہ انکے معتمد امیر محمد خان ہیں جو سردار صاحب کے ساتھ شروع سے رفیق رنج وراحت رہے ہے علاقہ روس میں تو سردار صاحب کے ساتھ بہت سے سوار تھے۔ لیکن اب دس پندرہ آدمی باقی رہگئے ہیں۔ سردار عبدالمجید خانصاحب نے بڑے خلق اور محبت سے ملاقات کی اور دو روز مجھے مہمان رکھا اور پُر تکلف افغانی پلاؤ اور قروط کھلائے۔ شام کی کئی زیارات اُنہوں نے اور جناب عطا آفندی صاحب نے مجھے ہمراہ لیجا کر دکھلائیں۔[۱]

[۱] اسکے بعد سردار عبدالمجید خانصاحب نے بھی دمشق کی اقامت چھوڑ دی اور افغانستان میں داخل ہوگئے کہ جسکے بعد اُنکے حالات مجھے معلوم نہیں ہو سکے۔

زیارات شام میں صحابہ کرام اور انبیاء و اولیا کی بہت سی قبریں موجود ہیں۔ یوں تو لوگوں میں مشہور ہے کہ جبل اربعین یا جبل قاسیون کے دامن میں ستر ہزار نبی اور ولی مدفون ہیں۔ لیکن انکے نام کسیکو معلوم نہیں۔ جنکے نام معلوم ہیں اگر انکی فہرست بھی پوری لکھی جائے تو کئی اوراق درکار ہوں گے۔ تاہم میں بعض مقبروں کے نام اس غرض سے لکھتا ہوں کہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمان کیوں دمشق کو شام شریف کے نام سے پکارتے ہیں بلال الحبشی بن رباح مؤذن اول اسلام۔ عبداللہ بن ام مکتوم مؤذن دوم اسلام۔ ابو درداء الخزرجی۔ عبداللہ بن سیدنا جعفر طیار۔ اسماء بنت سیدنا ابو بکر صدیق۔ عبداللہ بن جعفر صادق۔ ام کلثوم بنت سیدنا امام علی۔ سیدہ فاطمہ الصغیرہ بنت امام حسین۔ اولاد امام حسین کے چھ سر جنمیں امام زین العابدین۔ امام قاسم وغیرہ کے سر ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن زین العابدین۔ امیر معاویہ۔ عبداللہ بن کعب الاحبار۔ عمر بن عبدالعزیز عبدالملک ابن مروان۔ میمونہ جاریہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اوس بن اوس الثقفی سہیل بن ربیع الانصاری۔ شمعون الصحابی۔ فضالہ بن عبید۔ حکیم بن الاسقع۔ بلال بن خمات۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تین حرم۔ ام حبیبہ۔ ام سلامہ وغیرہ فضہ لونڈی حضرت فاطمہ رض کی۔ سیدہ زینب بنت حضرت علی رض اور سیدہ سکینہ بنت حضرت امام حسین رض کی قبریں۔ اور کئی دوسرے ناموروں کی قبریں اس قبرستان میں ہیں۔ جو باب صغیر کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے ایک قبر کی بھی عمارت یا گنبد شاندار نہیں۔ بعض کے چھوٹے چھوٹے حجرے اور بعض کے حجرے بھی نہ تھے اکثر قبریں مٹی سے لیپی پوتی ہوئی ہیں۔ بعض کے سر کی طرف پتھر ہیں جو آدھ یا پون گز سے بڑے نہیں۔ ایک ایک پتھر قبر پر لیٹا ہوا ہے جسمیں موری ہوتی ہے۔ اس میں عورتیں آس نامی ایک سبز درخت کی ٹہنیاں لاکر کھڑی کر دیتی ہیں کہ جو بہت دیر تک سبز رہتی ہیں۔ عوام کا خیال ہے کہ یہ درخت عبادت کرتا ہے اسلئے مشہور ہے کہ چالیس ہزار لیرہ (اشرفی) کی ٹہنیاں خریدکر سال تمام میں یہاں کی عورتیں قبروں کی نذر کر دیتی ہیں مقبرہ باب قاسیون (یا کسان) میں دحیہ کلبی مشہور صحابی کی قبر کی بھی زیارت کی۔

حضرت زینب۔ ام کلثوم کی قبر قریب کے ایک قریہ راویہ میں ہے۔ جہاں ہر سال بہت سے اہل تشیع جمع ہوتے ہیں۔ جامع دمشق میں اور بھی کئی ناموروں کی قبریں ہیں۔ جامع اموّیہ میں ایک قبر ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تربت مشہور ہے۔ جبل صالحیہ کے قریب سوق صالحیہ میں امام محی الدین عربی کی قبر موجود ہے۔ اُسی کے قریب زمانہ حال کے ایک مسلمان جنرل عبد القادر الجزائری کی قبر ہے جس نے فرانس کے مقابلہ میں کئی معرکہ کی لڑائیاں لڑیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اُس کے آقا سلطان نور الدین شہید کی قبریں شہر کے اندر دو مختلف مقامات میں ہیں۔ اوّل جامع اموّیہ کے قریب ہے۔ اسی کے قریب وہ کلاسہ نامی چھوٹا سا پانی کا حوض موجود ہے جسکا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ جو دریا سے بلا کشتی کے گذر جایا کرتا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اس حوض میں گر پڑا اور کئی غوطے کھائے۔ اگر صرف سلطان صلاح الدین اور سلطان نور الدین کی قبریں ہی دمشق میں ہوتیں تو جو ناموری صلیبی جنگوں میں عیسائی یورپ کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہوئی تھی وہی دمشق کی شہرت کے لئے کافی تھی۔ مگر یہاں تو علاوہ اہلبیت کے صحابہ اور اولیاء اللہ کی بھی بیشمار قبریں ہیں۔

مقبرہ شیخ محی الدین عربی وغیرہ

شیخ الاکبر محی الدین عربی امام الصوفیہ جو سوق صالحیہ میں ہے اسکی عمارت بھی متوسط درجہ کی ہے جو معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں بنائی گئی ہے۔ قبر کا معدنی پنجرہ کوئی پچھتر سال کا بنا ہوا ہے۔ تربت کی عمارت میں تین پہلوؤں میں قدیم چینی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ جن پر بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ عطا آفندی صاحب گیلانی زادہ نے جو میرے ہمراہ تھے فرمایا کہ شیخ محی الدین کے والد کی اولاد نہ ہوتی تھی۔ اُنہوں نے شیخ عبد القادر جیلانی سے عرض کی حضرت نے اسکی کمر پھونک کر کہا کہ تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا اسکا نام محی الدین رکھنا چنانچہ شیخ نے بعض قصائد میں لکھا ہے کہ گو میرا نام محی الدین عربی ہے۔ مگر در اصل گیلانی ہوں۔

مدفون مشہور علماء

شیخ الاکبر محی الدین عربی۔ علاّمہ ابن خلکان۔ قاضی القضاۃ ابن تیمیہ

۱ ان مقبروں اور زیارت گاہوں کی مفصل کیفیت کتاب دمشق میں موجود ہے۔

مورخ ابن قیم فقیہہ و مفسر کے علاوہ بہت سے نامی مفسر محدث عالم فقیہہ مصنف اور فاضل اس زمین میں مدفون ہیں کہ جنکے آثار ابتک فخر اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ جامع امویہ کے ایک مادنہ کے نیچے امام غزالی رح پڑھایا کرتے تھے۔ تو باوجودیکہ بوجہ مسجد کے جل جانے کے وہ منارہ نہیں رہا تھا۔ تاہم مجھے اس جگہ پر پہنچکر ایک عظمت نظر آئی کہ جہاں مصنف احیاء العلوم نے اشتغال علوم کا کیا ہے۔ سوائے ان علاّمہ مسلمانوں کے دمشق کے انگریزی قبرستان میں مشہور انگریز مورّخ مسٹر بکّل بھی مدفون ہے۔

جامع اموی دمشق میں قریب دو صد کے جوامع اور مساجد ہیں لیکن جامع اموی بلحاظ عظمت اور قدامت کے سب پر فائق ہے۔ اور اس سے دوسرے درجہ پر جامع سنانیہ (بنا کردہ سنان پاشا ہے) جامع اموی کی بجائے پہلے پہل ایک مندر ہوا کرتا تھا۔ مگر رومن قیصر آرکائیس نے اسکی بجائے ایک کلیسیا پانچویں صدی مسیحی کے آغاز میں تعمیر کیا۔ اور ۷۰۸ء مطابق ۸۹ھ میں ملوک امویہ میں سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے اس کلیسیا کی جگہ پر یہ عالیشان مسجد تعمیر کی۔ اور تعمیر کے وقت علاوہ تمام ممالک اسلامیہ کے کاریگروں کے جو دستیاب ہو سکتے تھے بارہ ہزار کاریگر اور معمار و سنگتراش بلاد روم سے طلب کئے گئے یہانتک کہ مسجد کی تعمیر پر ڈھائی لاکھ اشرفی سے زیادہ خرچ ہو گیا۔ مسجد میں صناعوں نے اندر اور باہر تمام دیواروں پر رنگین شیشہ کے ٹکڑوں سے عجیب و غریب بیلیں بنائی تھیں کہ جیسا کہ یورپ کے بعض گرجاؤں میں بھی رنگین شیشہ کے ٹکڑوں کا کام موزائک کے نام سے موجود ہے۔ اسے عربی کتابوں میں "الفسیفساء البلوریۃ" لکھا گیا ہے مگر بار بار کی آتشزدگیوں سے اس کام کا اب نام و نشان بھی نہیں رہا۔ پہلی مرتبہ ۱۰۶۹ء میں یہ عالیشان مسجد آگ سے برباد ہو گئی۔ اور پھر اسے تعمیر کیا گیا۔ تو تیمور لنگ نے فتح دمشق کے وقت اسے جلا دیا۔ مگر یہ پھر اسی عظمت و شان سے تعمیر کی گئی۔ آخری مرتبہ ۱۸۹۳ء میں اسے آتشزدگی سے سخت صدمہ پہنچا۔ اس مرتبہ اس میں وہ

قرآن مجید بھی جلگیا کہ جسپر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون گرا ہوا تھا۔ کہ جسے وہ اپنی شہادت کے وقت پڑھ رہے تھے۔ مگر غیرتمند اہل دمشق نے چندہ کر کے پھر اسکی تعمیر اور مرمت شروع کردی۔ اور جب مینے اِسے سنہ ۱۹۰۰ء میں) دیکھا تھا تو وہ آدھی سے زیادہ تیار ہو چکی تھی۔ معلوم ہوا کہ اسوقت تک پچاس ساٹھ ہزار پونڈ خرچ ہو چکا تھا مگر ایسی خوبصورتی اور تکلف سے تیار ہو رہی تھی کہ جس سے شام کے کاریگروں اور صناعوں کی لیاقت کی داد دینی پڑتی ہے۔ اسکا ایک نو تعمیر محراب مجھے دکھلایا گیا جسمیں سُرخ سفید سیاہ اور سبز پتھر کا بے نظیر کام کیا گیا ہے۔ اور پتھر میں صدف ایسی خوبی سے آمود کیا گیا ہے کہ اسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مجھسے کچھ عرصہ پہلے قیصر ولیم نے جب اس مسجد کی زیارت کی تھی۔ تو شام کے معماروں کی بہت تعریف کی تھی۔ اسوقت مسجد کی چھت کی بھی عمدہ نقاشی ہو رہی ہے۔

پندرہ بیس مؤذنوں کا یکجا اذان دینا

مینے ظہر کے وقت اسکے مشرقی مینار پر پندرہ بیس آدمی ایک وقت اذان دیتے ہوئے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ یہ روزمرہ کی رسم ہے۔ پچاس ساٹھ سے زیادہ مؤذن مسجد میں مامور ہیں۔ اور ان میں سے پندرہ بیس ہر نماز کی اذان کے لئے ماذنہ پر چڑھ کر بلند آواز سے ہم آہنگ ہو کر اذان دینے لگتے ہیں جس سے آواز دور تک پہنچتی ہے اور بڑی ہیبت اور تمکنت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک روز نصف شب کو دیکھا کہ ایک شخص نے منارہ شرقی پر چڑھ کر نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا اور اسکی صاف آواز بہت دور تک جاتی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ یہاں بارہ مہینے یہی دستور ہے کہ ہر شب جامع امویہ اور بعض دیگر مساجد کے میناروں پر چڑھ کر نصف اللیل کو قرآن پڑھا جاتا ہے۔

دو قطاریں عظیم الشان سنگین ستونوں کی جو تعداد میں چالیس ہیں مسجد کے طول کیطرف جاتی ہیں اور اوپر چوبی چھت ہے۔ اسوقت آدہی مسجد پر چھت پڑ چکی تھی کہ جسکے نیچے لوگ نماز پڑھتے تھے۔ ہر ایک ستون اتنا موٹا ہے کہ بمشکل

دو آدمیوں کے بازوؤں میں سماسکتا ہے۔ حضرت یحییٰ ابن ذکریا علیہ السلام کی قبر سقف مسجد کے اندر جنگلے میں محدود ہے۔ جسپر عورتیں مرد بیٹھے دعا مانگ رہے تھے۔ شرقی مینارہ کی نسبت روایت ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قُربِ قیامت میں اسپر سے اُترینگے۔ غربی مینار میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھتے عبادت کرتے اور اُسکے قریب کے بقعہ میں تدریس کیا کرتے تھے۔ مسجد اموّیہ کے احاطہ میں ایک گول سا مکان گنبد کی چھت والا موجود ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اسمیں بہت سی پورانی کتابیں بند ہیں جنمیں سے بعض چمڑے پر لکھی ہوئی پورانی بائیبلیں ہیں۔ چنانچہ ایک جرمن عالم نے سلطان المعظم سے انکے دیکھنے کی اجازت حاصل کی ہے۔ اور بعض علمائے شہر کے ساتھ ملکر وہ ان کتابوں کو دیکھ رہے ہیں۔

مرقد سلطان صلاح الدین ایوّبی سلطان صلاح الدین ایوبی کہ جسنے صلیبی جنگوں کے زمانہ میں تمام یورپ کے بادشاہوں اور فوجوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا وہ بھی جامع امویہ کے سامنے مدفون ہے۔ مقبرہ کی بیرونی عمارت نئی تعمیر ہوئی ہے جو چھوٹا سا روضہ ہے۔ شہنشاہ جرمنی نے سلطان صلاح الدین کی قبر پر اپنے ہاتھ سے صلاح الدین کا اور اپنا نام لکھکر رکھا تھا۔ ایشیا کی نسبت یورپ بہت جانتا ہے کہ صلاح الدین۔ یا سیلے ڈن (Sataden) جیسا کہ وہ اُسے پکارتے ہیں کیسا جوانمرد تھا۔

سُوق حمیدیہ اور دوسرے بازار اس جامع کے قریب ایک بہت بڑا مسقف بازار بنام سوق حمیدیہ مشہور ہے اور اس سے کسیقدر دور ایک بازار بنام سوق مدحت پاشا مشہور وزیر اعظم کے نام سے نامزد ہے۔ دو منزلہ دوکانوں کے اوپر نیم دائرہ کی بلند چوبی چھت ان دونوں بازاروں پر ڈالی گئی ہے۔ دوسری منزلوں میں اکثر گودام رہتے ہیں۔ بازار بہت کھُلے ہیں اِسلیئے چھت کا محراب بہت بلند ہوگیا ہے۔ خیال ہے کہ بہیئت مجموعی ایسے عالیشان

مسقف بازار دُنیا میں کسی جگہ موجود نہ ہوں گے۔ یہاں اَور بھی کئی بازار مسقف ہیں لیکن طویلہ چھت۔ اور بہت نیچے قسطنطنیہ کا "بُیُک چارشو" (بازار کبیر) ان کے مقابلہ میں جھونپڑا معلوم ہوتا ہے۔ بازار حمیدیہ میں بڑی رونق ہے۔ غرض دمشق کے بعض پُر رونق بازاروں میں عجیب سین نظر آتا ہے۔ جہاں مشرق اور مغرب اپنی اصلی حالت میں مخلوط پایا جاتا ہے۔ اس ہجوم کے درمیان جو یورپین پوشاک والے تجار اور اس شہر کے لمبے لبادوں والے علماء اور دمشقیوں۔ سیاہ برقعوں والی مسلمان اور یہودی عورتوں کے دونوں طرف گذرنے سے پیدا ہوتا ہے بوجھ سے لدے ہوئے اونٹوں اور گدھوں اور اُنکے ہانکنے والے جنگلی بدّوں اور بادیہ نشین عربوں کے گذرنے سے ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جہاں ہینے یورپ کے بعض شہروں میں کئی قسم کی ریلوں اور برقی ٹراموؤں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سواری کے لئے گدھوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ شہر میں گاڑیاں اچھی موجود ہیں جو بمبئی کی وکٹوریہ گاڑیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن اکثر لوگ گدھوں پر سوار ہو کر شہر میں اِدھر اُدھر گذرتے یا سفر طے کرتے ہیں۔ بعض خوانچہ والوں نے روٹیوں یا اچار وغیرہ کی دوکانیں گدھوں کی پیٹھ پر کھولی ہوئی ہیں۔ جسطرح

گدھوں کی پیٹھ پر دوکانیں

دستی گاڑی پر ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی سودا والوں کی دوکانیں کبھی دیکھی جاتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ گدھوں سے بھی بے انصافی نہ کرے اسلئے اتنا کہنا ضروری ہے کہ بلحاظ تیز رفتاری کے یہاں کے اکثر گدھے بہت سے گھوڑوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اسلئے گدھوں کے مالک انکا خوب بناؤ سنگار کرتے رہتے ہیں یہاں بعض گھوڑوں کی حالت زار دیکھکر بے ساختہ مُنہ سے نکلتا ہے ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں ۔۔۔ طوقِ زرّیں ہمہ درگردنِ خرمے بینم

دمشقی خانیں

علاوہ بازاروں کے جن میں بعض کی محرابی چھت چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور جو بہت بلند بھی نہیں۔ یہاں چند سرائیں موجود

ہیں جنہیں خان کہتے ہیں۔ یہ ۱۳۹ ہیں۔ ان میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ سب سے بڑی خان اسعد پاشا ہے۔ اور دوم درجے کی خان سلیمان پاشا ہے۔ اسعد پاشا اعظم خاندان کا ایک نامور شخص شام میں گذرا ہے کہ جو ڈیڑھ سو سال پہلے اس شہر کا والی تھا۔ اس نے یہ عالیشان خان تیار کی جو بالکل سفید اور سرخ پتھر کی ہے اس طور پر کہ وسط میں ایک عالیشان گنبد پیلپایوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ جسکے نیچے پانی کا حوض ہے حوض کے گرد پہلی منزل ایک گیلری کی صورت میں بنی ہوئی ہے۔ یہ خان اور باقی سب خانیں یہاں کی مرجع تجارت ہیں۔ قدیم زمانہ سے اطراف وجوانب کے تمام سوداگران خانوں میں اپنا مال فروخت کرنیکو لاتے ہیں۔ یہ گویا یہاں کی منڈیاں اور یہاں کے صرافے بھی ہیں۔

بیت العظم اسی ضمن میں بیت العظم کا ذکر بھی کر دینا چاہیئے جو اسی اسعد پاشا نے ۱۱۶۳ھ میں تعمیر کیا تھا کہ جس نے سب سے بڑی خان تعمیر کی ہے۔ عظم زادگان کا ایک مشہور خاندان اس شہر میں ہے۔ جناب جمیل بیگ صاحب عظم زادہ نے جو قسطنطنیہ میں عربی اخبارات کے احتساب اور نگرانی پر مامور ہیں مجھے ایک چٹھی اپنے ایک بھائی کے نام دی تھی کہ وہ مجھے بیت عظم دکھلائے۔ یہ ایک عالیشان مکان ہے جو لائق بادشاہوں کے رہنے کے قابل قیمتی پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس میں ڈیڑھ سو سال بیشتر ملک شام کے پتھر اور لکڑی کے کام کی صنعت کا کمال دکھلایا گیا ہے۔ اسکی مختصر تعریف یہ ہے کہ اپنے قیام کے زمانے میں قیصر ولیم نے دو دفعہ اس پرائیویٹ گھر کو آکر دیکھا اور اسکی خوبصورتی کی تعریف کی۔ اب یہ اس خاندان کے دو تین ممبروں نے آپسمیں تقسیم کر لیا ہے۔ لیکن جب مینے پوچھا کہ حمام کے چند کمرے کیوں خراب حالت میں ہیں تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار پونڈ اسکے پانی کے راستہ کی درستی کے لئے درکار ہے جو خرچ کرنے کی حال کے ساکنین کو استطاعت نہیں۔ تاہم ایک صاحب نے اپنے حصہ میں ایک چھوٹا سا چڑیا خانہ جانوروں کا اور ایک بہت بیش قیمت مجموعہ چینی کے برتنوں اور بڑے بڑے قابوں کا جمع کیا ہے۔

سہرہ بارٹ جگا دمشق میں رہنے کے دنوں میں ایک رات مجھے احباب ایک مکان میں لے گئے جو مکلّف فرش و فروش سے آراستہ تھا۔ پہلے ایک فونوگراف آیا جس سے کئی ایک عربی اور ترکی راگ سنائے گئے۔ اتنے میں اس مکان میں دس پندرہ اشخاص جمع ہو گئے جو پیچھے معلوم ہوا کہ مدعو تھے۔ ان میں سے آدھے شیوخ اور علما کے جبوں اور عماموں سے آراستہ تھے۔ ایک عیسائی مغنی جیب الشیخ نامی پہلے سے موجود تھا جو اس شہر میں عود بجانے میں اُستاد مشہور ہے۔ اور اخیر میں ایک نوجوان مسلمان جو گانے میں اس شہر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا آ گیا اور اس نے عود کی سُر کے ساتھ گانا شروع کیا۔ اُسکے گانے نے ایک ایسی برقی رو مجلس میں پیدا کر دی کہ ہر شخص وجد میں آنے لگا۔ مگر اعرابی کے اونٹ کی طرح ایک میں تھا جو اس مجلس میں بے اثر تھا۔ اوّل تو اسلئے کہ عربی گیتوں کو میں اس لحن میں سمجھ نہیں سکتا تھا۔ جسمیں کہ گائے جاتے تھے جبتک کہ ایک رفیق مجھے تحت لفظ پڑھ کر نہ سناتا مثلاً ایک مصرع تھا۔ ؏

"عید البشائر والفرح"

لیکن وہ کچھ ایسی طرح گایا جاتا تھا کہ مجھے "اِیدل" کے سوائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ دوم موسیقی سے میرے کانوں کو بہت مناسبت نہیں۔ تاہم مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کا لحن بہت عمدہ ہے۔ مگر نہ ایسا کہ مجھے بیخود کر دیتا۔ بلکہ لحظہ بلحظہ میری نفرت بڑھنے لگی۔ کیونکہ اس ملک کے دستور کے موافق ایک ایک لفظ کے حصہ کو مغنی دس دس اور بیس بیس دفعہ دوہراتا ہے۔ یہانتک بھی خیریت ہے۔ لیکن اسکے ہر جزو لفظ پر حاضرین کے لئے داد دینی لازم ہے۔ اور وہ ایک ایسی صدا سے دیجاتی ہے جو ہندوستان میں افسوس اور درد کے موقعہ پر "آہ" کی طرح منہ سے نکلتی ہے۔ بحالیکہ وہ فرط اضطراب و استعجاب سے کہنے والے کی تعریف کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ہندستہ در مطیب وہاں موجود تھا جو اسکے علاوہ "یا سلام" کہتا اور کچھ کلمات تعریفی بھی کہتا ہے۔ گویا مغنی کا دل بڑھانے کے لئے اُسکی

جا و بیجا تعریف کرنے کے لئے خاص عہدہ دار مقرر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ملیح کثیر "طیب کثیر"۔ کوئی کہتا خمس کوئی کہتا عشر۔ یعنی اس فقرہ کو پانچ یا دس دفعہ اسی طرح دُہراؤ۔ اس دُہرانے اور غیر ضروری مبالغہ کی تعریف نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ مینے رخصت چاہی۔ لیکن معلوم ہوا کہ صاحب خانہ خاتمہ کے وقت حاضرین کو کچھ کھانا اور شیرینی کھلائیں گے۔ کیونکہ یہ "سہرہ" ہے کہ جسے ہندوستانی زبان میں "رت جگا" کہہ سکتے ہیں اور بارہ ایک بجے شب کے وہ کھانا ملیگا۔ میری اخیر میں تو وہی حالت ہوگئی۔ جو شیخ کی ہوئی تھی جب اس نے یہ شعر کہا تھا ؎

پنبہ ام در گوش کن تا نشنوم   یا درے بکشائے تا بیروں روم

آخر ۱۲ بجے ایک دوسرے کمرہ میں لیجا کر سب نے ایک زمین سے بالشت بھر بلند میز کے گرد بیٹھکر کچھ کھانا کھایا۔ عرب کی مٹھائیاں ساری دنیا سے نرالی ہیں۔ ایک کا نام "کلنشکر" (کھا اور شکر کر) ایک کا نام بقلاوہ اور ایک کا نام کنافہ ہے۔ ہندوستان کی مٹھائیوں کی طرح ان میں بھی شیرینی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ عربی کھانوں میں علاوہ حُمّص مُطحن اور فول مُدمس کے مجھے اَور کچھ پسند نہیں آیا۔ یہ دونوں دال کی قسمیں ہیں جو ایک نرالی ترکیب سے تیار کی جاتی ہیں۔ حُمّص کابلی چنوں کی قسم کی ایک اُبلی ہوئی دال ہے جسے پیسکر اس میں ترشی ملائی جاتی ہے۔ اور فول باقلہ کی قسم تھے۔

ہاں۔ سہرہ کے متعلق اسقدر ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس شہر میں اسکی رسم عام ہے جاڑے میں بعض دوستوں کی جماعتیں ہفتوں ہر شب وقت گذاری کے لئے یہی شغل رکھتی ہیں۔ آج ایک کے گھر میں سہرہ ہے تو کل دوسرے کے گھر میں۔ اور باری باری سب میزبان بنتے ہیں۔ ان لوگوں کے گیت میں بار بار دُہرانے اور بیجد تعریف کرنیکا طریقہ مجھے پسند نہ ہوا۔ لطف یہ ہے کہ یہ سہرہ جامع اموبہ کے ایک حجرہ میں کیا گیا تھا۔ کہ جسکا دروازہ کھولنے سے مسجد کا صحن سامنے نظر آتا تھا۔ اور شرکا میں بعض خدام مسجد بھی تھے۔

حدیث کا وعظ دمشق قدیم سے علماء کا مرکز چلا آتا ہے اور ابتک بھی ہے۔

یہاں حدیث کے سیکھنے اور سکھلانے کا بڑا رواج ہے۔ سال میں مختلف موقعوں پر مختلف علماء حدیث کا ایسے طور پر درس ہوتا ہے کہ شام کے وقت شہر بھر کے عمائد اور شائقین وہاں جمع ہوتے ہیں۔ جس روز میں دمشق سے لوٹا ہوں اُس روز ایک اول درجہ کے عالم نے ایک مقبرہ میں جو ریلوے سٹیشن کے قریب ہے درس حدیث کے اسباق کے سلسلہ کو شروع کرنا تھا۔ اور حدیث کے اعزاز کے لحاظ سے پہلے درس میں والی (گورنر) دمشق کو بھی حاضر ہونا تھا۔ بہت سے لوگ اسی طرح حافظ حدیث موجود ہیں۔ جیسے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ اسوقت دمشق میں مندرجہ ذیل نامور علماء موجود ہیں (افغانوں سے) شیخ عبدالحکیم صاحب۔ شیخ بہاءالدین صاحب (شامیوں سے) شیخ بکری عطار زادہ (مغربیوں سے) شیخ بدرالدین صاحب۔ دو اور خاندان علماء کے حسنی اور قزبری کے نام سے مشہور ہیں۔

اہل درد لیکن ان علمائے دین کے علاوہ الحمدللہ کہ معدودے چند اصحاب ایسے بھی دمشق میں موجود تھے کہ جنکی آنکھیں ضروریات زمانہ کی نسبت کھل چکی تھیں۔ ہرچند کہ یہاں کے حالات کے مطابق وہ ملک اور قوم کے لئے کچھ مفید نہیں ہوسکتے تھے ان میں محمد کرد علی صاحب ایڈیٹر الشام محمد علی سلیم بخاری مفتی آلائی۔ عبدالحمید زہراوی سابق ایڈیٹر (عربی) معلومات قسطنطنیہ قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بھی بڑے پایہ کے اہل علم ہیں۔ لیکن اسکے علاوہ ملت کی غمخواری سے بھی کافی بہرہ رکھتے ہیں۔

جلاوطنی افسوس ہے کہ ان میں زہراوی صاحب تین چار ماہ سے قسطنطنیہ سے خارج ہو چکے ہیں اور دمشق سے باہر جانے کی انہیں اجازت نہیں۔ ایسے اور بھی بہت لوگ یہاں ہیں کہ جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے جو کسیکو معلوم نہیں ہوسکتی خارج کرکے دمشق یا سلطنت کے کسی اور دور دراز مقام میں بھیجدیا جاتا ہے۔ اور وہیں انکی قیمتی زندگیاں کس مپرسی اور بیکاری کی حالت میں گذر جاتی ہیں۔ راستہ چلتے ایک روز ایک صاحب سے ملاقات ہوگئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ مابین ہمایوں (قرب سلطانی) میں بڑے عہدہ دار تھے۔ پندرہ سال گذرے ہیں کسی وجہ سے

انہیں یہاں بھیجدیا گیا مگر پھر کسی نے نہ پوچھا کہ کیا کرتے ہو۔ البتہ وظیفہ پاتے ہیں۔

مخبری ایک روز مدرسہ عبد اللہ پاشا میں بعض صاحبان کچھ علمی گفتگو کر رہے تھے جنہیں مجھسے ہندوستان کے علما اور اہل اسلام کے حالات بھی دریافت کرتے تھے۔ اتنے میں ایک فقیر نے ہمسے آکر سوال کیا۔ جب ہم جانے لگے تو میرے ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ فقیر مخبر تھا جو ہمیں یہاں دیکھ گیا ہے۔

کتب خانہ انہیں اہل درد حضرات کی کوشش سے کچھ عرصہ سے ایک کتب خانہ دمشق میں قایم ہوا ہے جو ایک قدیم عالیشان عمارت المکتب الملک الظاہر میں رکھا گیا ہے۔ دراصل یہ مقبرہ ملک الظاہر کا ہے۔ مگر اب قبر کے اوپر کتابوں کی الماریاں رکھی ہوئی ہیں جنمیں زیادہ تر قلمی ہیں اور مطبوعہ بہت کم ہیں۔ تفسیر حدیث۔ حساب۔ تاریخ۔ فقہ۔ تصوف۔ تجوید وغیرہ سب علوم کی کتابیں ہیں۔ اور زیادہ تر لوگوں نے وقف کی ہیں۔ حکومت صرف دو آدمیوں کی تنخواہ کا خرچ پانچسو قرش ماہوار دیتی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں بہت پورانی لکھی ہوئی ہیں۔ ایک فقہ کی کتاب "مسائل عن احمد بن حنبل" ہے جو ۲۲۶ھ ہجری کی لکھی ہوئی ہے اور خط پڑھا جاتا ہے۔ مگر بعض کتابیں ایسے قدیم عربی خط میں مینے دیکھیں کہ مجھ سے وہ خط نہیں پڑھا جاسکتا تھا۔ ایک عالیشان کلام مجید ۷۲۶ھ ہجری کا دیکھا جسکے ہر لفظ اور ہر جملہ کی مختصر تفسیر بین السطور میں تھی۔

ابن خلکان کا مدرسہ یہ شہر اور خصوصاً یہ نواح جامع امویہ کا اسقدر تاریخی آثار سے پُر ہے کہ ہر طرف کوئی مانوس نام سنا جاتا ہے۔ اس مکتب کے مقابل میں مدرسہ عادلیہ کا مکان ہے کہ جسمیں ابن خلکان مشہور مورخ درس دیا کرتے تھے۔ یہیں ایک شخص کے پاس حضرت سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک نامہ مبارک ہے جو آپ نے قیصر یا کسرےٰ کو لکھا تھا۔ اور شیخ عبد القادر الجزائری اسے دولت فرانس سے پیرس سے مانگ لائے تھے۔ مگر افسوس کہ جب میں اس شخص کے مکان پر اسے دیکھنے گیا تو وہ نہ ملا۔

اخبارات یہاں صرف دو اخبار اور ایک ماہوار رسالہ بنام دمشق نکلتا ہے یہ رسالہ ایک عیسائی نکالتا ہے۔ اخبار الشام کے ایڈیٹر محمد کرد علی صاحب ہی سرکاری گزٹ اخبار سوریہ کے بھی ایڈیٹر ہیں اور سرکاری ملازم بھی ہیں۔ سوریہ کا ایک ورق عربی (ملکی زبان) اور ایک ترکی (سرکاری زبان) میں نکلتا ہے۔ غرض اخبار کا یہاں کچھ مذاق نہیں۔

صنعت وغیرہ دمشق میں لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت جڑنے کا کام بہت عمدہ ہوتا ہے۔ چوکھٹوں۔ رحلوں۔ چوبی جوتوں میزوں اور تپائیوں وغیرہ فرنیچر پر صدف کے بیل بوٹے اور فقرے لکھے جاتے ہیں ایک میز پر راس المکتب فی وقتہ لکھا تھا۔ اسکے سوا کندہ کاری۔ زین سازی۔ ابریشم اور روئی کے کپڑے عطر گلاب قالینوں اور مٹھائی کے لئے دمشق مشہور ہے۔ شام میں بہت ارزانی ہے لیکن بیروت میں ہندوستان سے گرانی ہے۔ حجام کو بشلک دو بشلک دیدیتے ہیں۔ (البشلک ہندوستان کے چھ آنہ کے برابر ہے) گو شام اور بیروت کے سکوں میں اختلاف نہیں۔ لیکن نرخ میں اختلاف ہے۔ بیروت میں مجیدی میں بیس قرش شمار ہوتے ہیں۔ شام میں چوبیس قرش محسوب کئے جاتے ہیں۔

مکانات گو یہاں کے مکانات باہر سے بہت سادہ اور بے حیثیت معلوم ہوتے ہیں۔ اور داخلہ کے دروازے بہت چھوٹے جیسے کہ کسی جھونپڑے کے ہو سکتے ہیں ہوتے ہیں لیکن اندر سے بڑے پر تکلف اور شاندار ہوتے ہیں عموماً صحن میں چھوٹا یا بڑا حوض ہوتا ہے کہ جسمیں ہر وقت پانی جاری رہتا ہے۔ صحن میں سنگ مرمر یا کسی دوسرے پتھر کا عمدہ پٹیرن کا فرش ہوتا ہے۔ میرے میزبان کے گھر میں سیاہ سرخ اور سفید پتھر کا فرش تھا۔ وسط صحن میں ایک ہشت پہلو حوض تھا۔ جسمیں فوارہ شب و روز جاری رہتا تھا۔ اُنکے کھانیکے کمرے میں (کھانا میز پر کھایا جاتا تھا۔ المارہی میں ایک اور فوارہ جاری تھا کہ جہاں سے میز پر

پانی کا گلاس بھر سکتے تھے۔ کمرے کھلے ہوادار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی استانبول کیطرح سوتے زمین پر ہیں۔ اور مجھے بھی زمین کا بستر دیا گیا تھا۔

مسلمانانِ ہند ایک قاضی صاحب سے دوران گفتگو میں مینے کہا کہ منبر در نشست کا دستور ہندوستان میں نہیں ہے انہوں نے کہا کہ ایسا ہی ہونا چاہئیے کیونکہ ابتدائے اسلام میں منبر نہیں تھا۔ یہ بعد کی ایجاد ہے۔ ایک اور مولوی صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں اور خصوصاً طلبائے مدارس کی دینی حالت کی نسبت سوال کیا۔ اور جب میں نے انہیں بتلایا کہ سرکار کسی نہج سے امور مذہبی میں مداخلت نہیں کرتی تو کہنے لگے کہ حدیث شریف میں آیا ہے صحت اور امن دو خفیہ مگر بڑی نعمتیں ہیں انکے لئے شکر کرنا چاہئیے۔

دعوت جب بعض اصحاب نے میری دعوت کی تو میرے فیاض میزبان سید عطا افندی گیلانی زادہ نے بھی مناسب سمجھا کہ بعض صاحبان کی دعوت کیجائے۔ میز پر کھانا کھایا گیا۔ مگر میزبان صاحب خود یہ عذر کر کے کھانے میں شامل نہ ہوئے کہ عرب کا دستور ہے کہ میزبان مہمان کی خدمت میں کھڑا رہتا ہے کھانوں میں بعض خاص عربی اور بعض ترکی تھے اور ایک کا نام "شیخ محشی" تھا۔ انگور کیسے اعلےٰ درجہ کے تھے۔ ایک ایک دانہ انچ سوا انچہ کے برابر ہوگا۔ جو نواح دمشق کے ایک خاص قصبہ کے بڑے مشہور انگور ہیں۔

افغان قسطنطنیہ میں بھی ایک افغان خوشنویس اور ایک دو اور افغان ملے تھے۔ یہاں بھی دو افغان ملے ہیں جنمیں سے ایک رفوگر داد محمد ۹ ہ سال سے یہاں رہتا ہے۔ یعنے جبکہ پہلی مرتبہ انگریزوں نے قندہار پر قبضہ کیا تھا۔ تو وہ چلا آیا تھا۔ اب صاحب اولاد و اعتبار ہے۔ ایک اور ملا حیدر جھوسی جُھرکن ہے۔ اسکی تین بیویاں ہیں اور عمر ۶۵ سال کی ہے۔ کہتا تھا اگر روپیہ ہوتا تو ایک پندرہ سال کی اَور لڑکی سے نکاح کر لیتا۔

عسکریوں کی روٹیاں بازاروں میں روٹیوں کے ٹوکرے لئے ہوئے

بہت لوگ روٹیاں تول تول کر بیچتے ہیں۔ اور لوگ گھروں کے لئے خرید لیجاتے ہیں اسی طرح شوربہ بھی دیگچوں میں پکتا ہوا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ روٹیاں اور شوربہ عسکریوں (فوجی سپاہیوں) کا ہوتا ہے کہ جنہیں سرکار سے روزمرّہ کی پکی ہوئی راشن (روٹی) ملتی ہے۔ اور ہفتہ میں دو مرتبہ پلاؤ بھی ملتا ہے۔ کہ جسکا کچھ حصّہ وہ بیچ ڈالتے ہیں۔ کیونکہ کھانا ہمیشہ انکی ضرورت سے زیادہ دیا جاتا ہے۔

میونسپلٹی یعنے بلدیّہ بلدیّہ کی آمدنی کا زیادہ حصّہ چونگی سے ملتا ہے۔ لیکن اسکا کچھ حصّہ خزانہ سرکاری میں بھی چلا جاتا ہے اور باقی انتظام شہر میں خرچ ہوتا ہے۔ انتظام بلدیّہ اہل شہر کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے کہ جنہیں والی (گورنر) کی رضامندی کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ اسکے سوا مکانات کی قیمت پر بھی گورنمنٹ ایک فیصدی سالانہ ٹیکس وصول کرتی ہے۔ اور مکانات کے کرایہ یا آمدنی میں سے بھی کچھ حصّہ سرکار کا ہوتا ہے۔ چوکیداروں کے لئے ایک علیحدہ محصول وصول کیا جاتا ہے۔ بخلاف استانبول کے یہاں کے بعض بازار بارہ ایک بجے رات تک بھی کھُلے دیکھے جبکہ روشنی بھی تھی۔ اور کہیں کہیں چوکیدار بھی کھڑے تھے۔ جو ہمیں دیکھکر سیٹی بجاتے تھے۔ جسکا مطلب یہ معلوم ہوا کہ ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

دُرزی جبل لبنان۔ جبل حوران اور دمشق میں مسلمانوں کا ایک فرقہ اس نام سے مشہور ہے جو اکثر اعتقادات مثل توحید و نبوّت میں مسلمانوں سے بہت مختلف ہے۔ عام مشہور یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہبی اعتقادات کو بہت مخفی رکھتے ہیں۔ یہانتک کہ جب اُنکے اپنے بیٹے بھی بیس پچیس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تب اُنہیں اپنے اسرار مذہبی تبلاتے ہیں۔ اور انہیں مخفی رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ انکا عقیدہ یہ بھی مشہور ہے کہ جو دُرزی کوہ لبنان پر مرتا ہے وہ ہندوستان یا چین میں جاکر دوسرا جنم لیتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ قاموس الاعلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجشنبہ کی شام کو اپنے

معبد ہیں کہ جسے "خلوت" کہتے ہیں ان کے وہ لوگ جمع ہوتے ہیں کہ جنہیں "عقال" کہتے ہیں۔ اور "جہال" کو اسکے اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔

دمشق سے رخصت

۲۵۔ اکتوبر کو دمشق سے واپسی کا ارادہ تھا عبدالمجید خاں صاحب زہراوی اخبار نویس سویرے ہی تشریف لائے۔ عبدالحمید خانصاحب سے کل رخصت ہو چکا تھا۔ انہوں نے صبح آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آج چونکہ والی دمشق بھی جانیوالے ہیں اسلئے سویرے سٹیشن پر جانا چاہیئے۔ کیونکہ ریل بھی سویرے روانہ ہوگی۔ گویا معمولی ریل کے وقت کو بھی گورنر صاحب کا لحاظ تھا غرض عطا افندی صاحب کی گاڑی پر ہم تینوں سوار ہو کر سٹیشن کو گئے جو شہر سے خاصی دور ہے۔ ہم سے پہلے سردار زادہ محمود بیگ انکے برادر زادہ حبیب اللہ خان۔ محمد مسلم صاحب مفتی۔ ملا حیدر صاحب افغانی بھی مجھے وداع کرنیکے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔ یہ سب بغلگیر ہوئے اور محبت اور گرمجوشی کے ساتھ مجھے خدا حافظ کہا۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ جیسے چھ سات روز پہلے تم بطور اجنبی کے اس سٹیشن پر وارد ہوئے تھے۔ آج تم یہاں غریب الدیار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم اتنے آدمی تمہیں با چشم پرنم وداع کرتے ہیں۔

جہاز کی روانگی

گو میرا ارادہ بعلبک کے مشہور کھنڈرات دیکھنے کا تھا جو راستہ میں ایک سٹیشن سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔ لیکن چونکہ بیروت سے دوسرا جہاز دیر میں ملتا اسلئے میں سیدھا بیروت پہنچا اور ۳۰۔ اکتوبر کی شام کو وہاں سے اسکندریہ جانیوالے جہاز پر سوار ہو گیا جو دوسری صبح بندر یافہ پر پہنچا۔

بیت المقدس

گو میں بھی اور مسافروں کے ساتھ جہاز سے اُتر کر یافہ میں گیا اور دن بھر شہر کی سیر کی اور وہیں کھانا بھی کھایا۔ مگر شام کو جہاز پر واپس آ گیا۔ گو مجھے بیت المقدس کی زیارت کا بڑا شوق تھا جو بذریعہ ریل یافہ سے صرف چار گھنٹہ کا راستہ ہے لیکن اس اندیشہ سے کہ پھر شائد کم و بیش ایک ہفتہ بھر یافہ میں جہاز کے انتظار میں پڑا رہنا پڑے میں نے بیت المقدس کا قصد ملتوی کر دیا۔ گو اسکے بعد ہمیشہ مجھے

افسوس ہوا کہ اتنا قریب پہنچکر بیت المقدس نہ دیکھ سکا۔

بندر یافہ بوجہ چٹانوں کے یہاں کا بندر بہت خراب ہے۔ اور بیروت سے سُن لیا تھا کہ یہاں کے کشتیبان بڑے شریر ہیں۔ اور اپنی محنت سے بہت زیادہ کرایہ مانگتے ہیں اور طرح طرح سے دق کرتے ہیں۔ مثلاً تمہیں جہاز سے شہر تک ایک فرانک کو لیجائینگے۔ اور واپسی کے وقت اگر ذرا بھی سمندر خراب ہوگا جو یہاں تھوڑی سی ہوا سے بھی چٹانوں کے باعث برہم ہو جاتا ہے تو ایک گنی پر بھی جہاز تک لائینگے۔

یافہ بیت المقدس سے ۴۵ میل بذریعہ ریل شمال مغرب کیطرف ساحل شام پر واقع ہے۔ یہ نہایت قدیم شہر ہے۔ یونانی جغرافیوں میں اسے "یوپہ" اور توارت میں "یافو" لکھا ہے۔ شہر یافہ ۲۳ ہزار کی آبادی ہے لیکن بوجہ بیت المقدس کا بندرگاہ ہونے کے یہ نہایت ضروری مقام ہے۔ تمام دنیا سے عیسائی اور یہودی زائرین بیت المقدس کی زیارت کے لئے یہاں آتے ہیں۔ یہودی بہت زیادہ ہیں۔ جنکے لمبے تاجوں اور زلفوں سے انکا پہچاننا مشکل نہیں۔ شہر میں کوئی مقام قابل دید نہیں۔ بازار تنگ اور دوکانیں تاریک ہیں۔ بیت المقدس کی صدف کی بنی ہوئی چند قلمیں اور تسبیحاں وغیرہ خریدیں۔ جو یہاں سے بطور تبرک تمام دنیا میں جاتی ہیں۔ یہاں بھی روسی۔ فرانچ جرمن اور ٹرکی ڈاک خانے پہلو بہ پہلو واقعہ ہیں۔ میوہ جات یہاں بہت ارزاں ہیں۔ انگور۔ مالٹا۔ سنگترے (کہ جنہیں یہاں پورتقال کہتے ہیں) انار اور ہندوانے اور زیتون بکثرت موجود تھے۔ ایک عام نانبائی کے یہاں تین مٹالک کو روٹی اور حمص لیکر کھایا۔ مگر اسکے یہاں بھی میز پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ یہاں کی گنوار عورتوں کے منہ پر عجب قسم کا پردہ یا برقعہ دیکھا۔ آنکھوں کے نیچے اور ناک کے اوپر ایک کپڑے کا ٹکڑا لٹکایا جاتا ہے جسکے نیچے دونی کے برابر گول سکے بطور جھالر کے لٹکائے جاتے ہیں جس سے انکی شکل خاصی ڈراونی ہو جاتی ہے۔ شام کو یہاں سے جہاز روانہ ہوکر دوسری صبح بندر پورٹ سعید پر پہنچگیا۔

شامی عیسائی عازمان امریکہ یہ جہاز فرانسیسی کمپنی میسجز میری ٹیم کا تھا جسمیں بجائے

تین کے چار درجے مسافروں کے لئے ہوتے ہیں۔ اسطرح اسکے تیسرے درجہ
کے مسافروں کو بھی کمرے اور بستر ملتے ہیں۔ اور ڈاک کے مسافر چوتھے درجہ کے مسافر
کہلاتے ہیں۔ جہاز میں پانچ چھ سو سے کم مسافر نہ ہوں گے جنکا زیادہ حصہ ڈاک پر
سفر کرنیوالوں کا تھا۔ تمام مسافر شام اور عرب کے سواحل کے ہیں۔ جو اکثر بلکہ تمام
عیسائی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ انکے ہمراہ بے پردہ عورتیں ہیں۔ اور یہ سب سوائے
بعض حبشنوں اور بعض گنوار عورتوں کے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں جیسے کہ
یورپ میں عام عورتیں پہنتی ہیں۔ چونکہ حبشنیں مسلمان ہیں اسلئے انکا لباس بالکل
پردہ دار ہے۔ بعض جاہل لوگ رات دن جہاز پر گاتے بجاتے رہتے ہیں۔ جتنے
عربی گیت یہاں رات دن سنتا رہتا ہوں۔ یہ عمر بھر کے لئے کافی ہوں گے۔ اول
دوم اور سوم درجہ کے مسافروں کے ڈاک پر زیادہ مہذب شامی اور ارمنی عیسائی
موجود ہیں۔ جو تعلیم یافتہ ہیں۔ ان میں سے اکثر عربی ناولیں پڑھتے رہتے ہیں۔
کیونکہ فرنچ انگلش اور جرمن وغیرہ یورپین زبانوں سے انہیں عیسائیوں کی
بدولت بہت سے ناول عربی میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ایک شام کو یہ مہذب
شامی اپنے ڈک پر دیر تک ملکر عربی گیت گاتے رہے۔ اور کچھ دیر تک ترکی
حکام کے تحکم اور تشدد کی نقل بھی تضحیک کے پیرایہ میں اُتارتے رہے۔ میرے
کمرہ میں بعلبک کے رہنے والے دو عیسائی بھائی تھے جو برٹش کولمبیا (امریکہ)
کو جارہے تھے۔ ساتھ کے کمرہ میں ایک عورت معہ تین لڑکوں اور ایک لڑکی کے
برشیقاغو (شکاگو۔ امریکہ) کو جارہی تھی جہاں اسکا شوہر کئی سال سے مخزن (دوکان)
کررہا تھا۔ ان سے معلوم ہوا کہ اسوقت ایک لاکھ سے بہت زیادہ شامی عیسائی
امریکہ میں آباد ہیں۔ اور مختلف قسم کی تجارت اور صنعت وحرفت میں مصروف ہیں
وطن میں انہیں کچھ کام نہیں ملتا۔ اسلئے امریکہ کو چلے جاتے ہیں جہاں اُنہوں نے بہت
سی دولت کمائی ہے۔ ناموری پیدا کی ہے۔ وہاں انکے کارخانے دوکانیں علیحدہ
بازار۔ گرجے اور اخبارات عربی میں جاری ہیں۔

مصر

نسیمے کز دیارِ مصر خیزد — کہ در چشم غبار مصر بیزد
بازار مصر میں چل یوسف کا سامنا کر — کھوٹے کھرے کا سود اُکھلجائیگا چلن پر

پورٹ سعید یافہ سے جہاز شام کو روانہ ہوکر دوسری صبح پورٹ سعید جا پہنچا۔ یہ پورٹ یعنی بندر نہر سویز کے کھودے جانیکے بعد سعید پاشا خدیو مصر کے نام سے مشہور ہوا ہے کہ جس نے اس نہر کے کھودنے کی ۱۸۵۴ء میں اجازت دی تھی۔ اور اب خاصا بارونق شہر (۱۸۹۷ء آبادی ۴۲۰۹۵) یورپین طرز کا سمندر کے کنارے اور نہر کے دہانہ پر واقع ہے۔ چونکہ یورپ سے ایشیا و آسٹریلیا کو جانے والے تمام جہاز نہر سویز میں سے ہوکر گذرتے ہیں اسلئیے یہ بندر دنیا میں سب سے بڑا کولنگ سٹیشن ہے یورپین حصّے کے مکانات اور دوکانیں عالیشان اور وضع بمبئی کی طرز کی۔ یورپین اسباب سے پڑے ہیں۔ بازار کشادہ ہیں کہ جنمیں سے بعض میں گھوڑے کی ٹرمبوے چلتی ہے اسکے پیچھے عربی حصہ شہر کا ہے۔ جسکے بازار تنگ اور گلیاں پیچیدہ ہیں۔ شہر سے الگ ایک طرف تھوڑی سی آبادی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کسبیوں کی آبادی ہے جسے شہر سے الگ کر دیا گیا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ جاپان کے پایہ تخت ٹوکیو میں بھی اسیطرح رنڈیوں کی آبادی شہر سے خارج ایک علیحدہ مقام میں رکھی گئی ہے۔ ممالک عثمانیہ میں جہاں حکومت شریعت کے مطابق کیجاتی ہے۔ رنڈیوں کو ایسی آزادی نہیں ہے کہ ان کا وجود برملا تسلیم کیا جائے۔

مصری سکے یہاں مینے مدت کے بعد انگریزی اخبارات اور کتابیں بکتی دیکھیں اور جھٹ دو تین لنڈن کے اخبارات اور ایک مصر کا گائیڈ خریدا۔ تو قیمت دینے کے وقت مصری سکوں سے واقفیت پیدا کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ گو یہ بھی معلوم ہوا کہ انگریزی فرانسیسی ترکی سکے بھی بندرگاہوں پر چل جاتے ہیں اور سونے کے سکّے ہر ملک کے چلتے ہیں۔ مگر مصری سکّہ کے خوردہ کی تفصیل معلوم

کرنی ہر مسافر کے لیئے ضروری ہوتی ہے جو حسب ذیل ہے:-
تین سونے کے سکّے - ۱۰۰ - ۵۰ و ۲۵ غرش صاغ قیمت کے
پانچ چاندی کے سکّے ۲۰ - ۱۰ - ۵ - ۲ و ۱ غرش " " "
تین نکل کے سکّے - ۵ - ۲ - و ۱ ملیم کے -
(ہر مصری پونڈ یا لیرہ یا جنی و گنی کا معرب قیمت میں ایک سو غرش صاغ کا ہوتا ہے - اور ہر غرش صاغ ۱۰ ملیم کا - گویا ایک مصری لیرہ ایک ہزار ملیم مصری یا بیس شلنگ ۶ پنس انگریزی یا قریباً ۲۶ فرانک فرانسیسی یا پندرہ روپے چھ آنے ہندوستان کا ہوتا ہے)
گو غرش یا قرش کا چلن دیگر بلاد عثمانیہ میں بھی ہے - لیکن قسطنطنیہ کا قرش کہ جسے یہاں قرش تاریفہ کہتے ہیں - ہندوستانی دو آنہ کے برابر ہوتا ہے - اور یہاں کا ہندوستان کے اڑہائی آنہ کے برابر - ۲۰ غرش کا چاندی کا سکہ یہاں ریال کہلاتا ہے - جو ۳/ ہندوستانی کا معادل ہے -

مصر کی گرانی

اسی طرح مصر کی گرانی کا بھی مجھے سرزمین افریقہ پر پہلے روز قدم رکھتے ہی حال معلوم ہوگیا - میری ترکی ٹوپی کی حالت اچھی نہ تھی - میں نے راہ چلتے بازار میں ایک ٹوپیاں قالب کرنیوالی دوکان دیکھکر اپنی ٹوپی اتار کر قالب کرائی - اور جب قسطنطنیہ کیطرح ایک مٹالک قالب کرنیوالے کو دیا تو اس نے لوٹا دیا اور کہا کہ یہ استانبول اور بیروت نہیں بلکہ پورٹ سعید ہے - اور پھر معلوم ہوا کہ مصر میں ہر چیز گراں ہے - بلکہ قاہرہ میں تو بعض چیزیں اور مکانات یورپ سے بھی گراں ہیں -

ادنیٰ مصریوں کی کمینہ حرکات

مصر میں جتنے قلیوں - مزدوروں - گائیڈوں اور گاڑیبانوں وغیرہ سے مجھے سابقہ پڑا ہے میں نے سب کو نہایت کمینہ اور دغاباز بلکہ بدمعاش پایا ہے - مصر کے اصلی باشندے فطرتاً بہت ادنیٰ اخلاق کے معلوم ہوتے ہیں - اور پھر ان میں سے جو اجنبی سیاحوں اور مسافروں سے ملنے والے ہیں وہ

دھوکا دینے منت خوشامد بلکہ ضد کرنے میں بھی بڑے مشاق ہوجاتے ہیں۔ اُنکی غرض صرف کسی نہ کسی حیلہ سے اپنی جیبیں پُر کرنے کی ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ یورپ اور امریکہ کے دولتمند لوگ یہاں آتے رہتے ہیں۔ اس لئے جو مزدوری ان سے ان لوگوں کو ملجاتی ہے وہ دوسرے لوگ نہیں دیسکتے اسلئے یہ زیادہ تقاضا کرتے ہیں۔ پورٹ سعید میں راہ چلتے ایک دس بارہ سال کا لونڈا میرے ساتھ ہولیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی اور اردو میں کہنے لگا میں تمہیں بازار دکھلاؤں گا۔ اور ایک گھنٹہ کے تین پنس لینے منظور کئے۔ تھوڑی دیر ادھر اُدھر پھرنے کے بعد میں نے ایک لوکندہ میں کھانا کھانا چاہا اور اُسے اُسکے پیسے دیکر کہا تم چلے جاؤ۔ مگر اس نے کہا مجھے جانے کی کونسی جلدی ہے اور وہیں ٹھیرا رہا۔ پھر لوکندہ کے مالک کے کان میں کچھ کہا (جسکا مطلب غالباً یہ ہوگا کہ یہ اجنبی ہے اس سے پیسے زیادہ مانگو)۔ چنانچہ میرے خیال میں اُس نے مجھ سے بہت زیادہ دام لیا۔ اور وہیں میرے سامنے کچھ پیسے اُس لڑکے کو دیدیئے۔ ایسے ہی آج کشتی بان نے جو مجھے جہاز سے لایا تھا اور جس نے میرا پاسپورٹ ایک جگہ دکھلایا تھا مجھ سے جہاز پر پہنچکر لڑ جھگڑ کر مقررہ مقدار سے دوگنے پیسے لیکر میرا پیچھا چھوڑا۔ میں پہلے اسباب لیکر خشکی پر گیا تھا۔ کیونکہ میرا خیال پورٹ سعید سے بذریعہ ریل قاہرہ کو جانیکا تھا۔ لیکن پھر کئی وجوہات سے بذریعہ جہاز سکندریہ دیکھکر قاہرہ پہنچنا پسند کیا۔ چنانچہ پانچ بجے شام کو چلکر دوسری صبح کو جہاز بندر اسکندریہ پر پہنچگیا۔

مصری عورتوں کا برقعہ

اجنبی کو پورٹ سعید میں جو بات سب سے پہلے نرالی معلوم ہوتی ہے وہ عورتوں کا ایک برقعہ یا پردے کا سامان ہے اور یہ ہی اسکندریہ قاہرہ اور سویز میں عورتوں کے چہروں پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک لکڑی یا پیتل وغیرہ کی ریل کی صورت کی چیز ہوتی ہے جسمیں تاگا پڑ کر اسکو سر سے ایسے طور سے باندھا جاتا ہے کہ یہ سیدھا ناک کے طول پر قائم رہتا ہے اور ناک کے نیچے سے ایک سیاہ رومال ناف تک لٹکتا ہے۔ پیشانی پر سیاہ یا سفید

پٹی باندھی جاتی ہے۔ جس سے صرف عورتوں کی آنکھیں ننگی رہجاتی ہیں اور باقی جسم سیاہ چادر سے خوب ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ ہر چند کہ یہ پردے کا بہت اچھا طریقہ ہے مگر ناک پر کی ریل ایسی مکروہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے گھن آتی ہے۔ علاوہ اسکے مصر کی عورتیں بھی استنبول وشام وغیرہ کی عورتوں کی طرح بازاروں میں پھرنے کی بڑی شوقین ہیں۔ چنانچہ جس روز میں سکندریہ میں پہنچا۔ وہاں کے ایک روزانہ اخبار "النصیر" میں دیکھا کہ حکومت کیطرف سے صرف دو تین روز پہلے ایک حکم نافذ ہوا ہے جسکا منشا یہ ہے کہ عورتوں کو بعد از شام بازاروں میں پھرنے سے روکا جائے۔ سر جارج نیوٹنس جو لنڈن کے رسالہ "ٹٹ بٹس" اور سٹرینڈ میگزین کے مشہور بانی اور مالک ہیں اپنی سیاحت مصر کے حالات میں مصری عورتوں کے پردے کی نسبت حسب ذیل فقرہ چست کرتے ہیں۔

مصری اور یورپین عورتوں کے حسن کا مقابلہ

"عورتوں کا لباس بھی مردوں کی طرح بہت ڈھیلا (پاؤں تک لٹکتا ہوا) اور زیادہ تر سیاہ ہے۔ انکا مذہب انہیں مجبور کرتا ہے کہ سوائے اپنی سیاہ آنکھوں کے باقی چہرہ کو برقعہ میں چھپائے رکھیں جو کہ انکے سر کے لباس سے ایک پیتل یا لکڑی یا چاندی کے "ناک کے پل" بندھا ہوا ہوتا ہے جو شطرنج کے بادشاہ یا رخ کی شکل کا ہوتا ہے۔ چند عورتوں کے چہرے جو ننگے دیکھے گئے۔ ان سے ہر شخص کو اس مذہب کا شکر گذار ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس میں عورتوں کے چہرہ کا چھپانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بوجہ حبشی اور سوڈانی خونوں کی شرکت کے مصر میں بہت عورتیں سیاہ یا سانولے رنگ کی ہیں اور اس لئے سر جارج نیوٹنس کو یہ فقرہ ایجاد کرنا پڑا ہے۔ کاش! یہ بیچارے شام کا بھی سفر کرتے تو میرے ساتھ اس خیال میں متفق ہوتے کہ ایسے ہی جہان آشوب حسن کے فتنہ کو دبانے کے لئے پردے کی ضرورت اسلام نے تسلیم کی کہ جس ضرورت کو اہل یورپ اپنے یہاں کے بے ملاحت حسن کی وجہ سے محسوس نہیں کرسکتے۔

اور پردے کے سوا کام چلا رہے ہیں۔

سکندریہ کے دلالوں سے بچو سکندریہ کا بندر بہت عمدہ ہے کہ جسمیں جہاز سیدھا گودی سے آلگتا ہے۔ کشتی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جہاز کی گودی سے لگنے کی دیر تھی کہ جھٹ بیسیوں قلی اور ہوٹلوں کے دلال جہاز میں گھس آئے۔ اور چونکہ اکثر مسافر یہیں اُترنے والے تھے۔ اسلئے رستخیز کا سماں پیدا کردیا۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ میں فلاں ہوٹل والا ہوں ایک فرانک کو بہت اچھا کمرہ دونگا۔ مینے اسکے ہمراہ چلنا منظور کیا۔ اس نے میرا اسباب نکلوا کر گاڑی میں رکھوایا۔ اور ایک شخص میرے ہمراہ گاڑی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں چونگی میں اسباب دیکھا گیا۔ اور میرا پاسپورٹ پولیس نے یہ کہکر رکھ لیا کہ انگریزی کانسلیٹ سے مجھے واپس ملیگا۔ راستہ میں اس شخص نے جو میرے ہمراہ گاڑی پر بیٹھ گیا تھا۔ مجھے کہا کہ یہاں ایک فرانک کو کمرہ ملنا مشکل ہے۔ تمہیں دو فرانک کو کمرہ لے دونگا۔ اور آخر بڑی بحث کے بعد اس نے ایک ہوٹل میں ڈیڑھ فرانک کا کمرہ لے دیا جسپر لکھا ہوا تھا کہ اس کمرہ کا کرایہ ایک فرانک ہے۔ مزدوروں کو زیادہ کرایہ دلوایا۔ ہوٹل کو ڈیوڑھا دلوایا۔ گاڑیبان کو دُگنا دلوایا۔ اور آدھ گھنٹہ کے تقاضا کے بعد دس غرش خود لیکر گیا۔ بحالیکہ اس نے میری کچھ خدمت نہ کی تھی۔ گویا ۲۵ غرش یا قریب چار روپیہ میں جہاز سے ہوٹل کے کمرہ تک پہنچا۔ یہ دلال کمبخت ایسے ڈھیٹھ اور تجربہ کار ہوتے ہیں کہ جھڑکی یا انکار کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض کی ڈھٹھائی تو بدمعاشی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں بازار میں مصر کے فوٹوگراف بیچنے کا بھی رواج ہے۔ مینے ایک نوجوان سے کچھ فوٹوگراف دیکھکر منتخب کئے لیکن وہ بہت زیادہ قیمت مانگتا تھا۔ آخر مینے اُسے لوٹا دیئے۔ تو وہ بدمعاش خفا ہوکر مجھپر حملہ کرنے کو تیار ہوگیا اور سخت وسست کہنے لگا۔

تاریخی اسکندریہ سکندر اعظم نے ۳۳۲ سنہ قبل مسیح میں اپنے نام پر اس شہر کو آباد کیا جو بعد میں یونانی اور رومی حکام کے عہد میں نہایت آباد اور ہر طرف

سے مرجع تجارت ہوگیا۔ کیا سکندر اعظم کا یہاں کے بندرگاہ کو وسیع اور استوار کرنا
کیا بطلیموس ثانی کا فاروس نامی مشہور روشنی کا مینار بنانا (جو عالم کے سات عجائبات
قدیم میں شمار ہوتا تھا) کیا مصر کی مشہور خوبصورت ملکہ کلیوپیٹرا کا اپنے نام سے سنگین
ستون نصب کرنا کہ جنمیں سے ایک خدیو اسمٰعیل پاشا نے ۱۸۷۸ء سے لنڈن میں
بھیجدیا۔ اور دوسرا ۱۸۸۰ء سے نیویارک میں جو دونوں اُن شہروں کی زینت بنے
ہوئے ہیں) کیا حکیم اقلیدس مہندس۔ ایراٹو ستھنز و بطلیموس جغرافیہ دانوں
اور ھپارکس استاد ہیئت کا یہاں فیضان۔ یہ سب پرانے واقعات ہوگئے ہیں
ایسے ہی متعصب عیسائیوں پر کا وہ الزام بھی بے بنیاد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ گو سکندریہ
کا بڑا کتب خانہ کہ جسمیں سات لاکھ کتابیں علاوہ اسکے متعلقہ رصد گاہوں عجائب
خانوں اور حیوانات و نباتات کے باغات کے جمع تھیں۔ قیصر کے جنگوں ۴۸ و ۴۷
قبل مسیح میں تلف ہوگیا تھا۔ لیکن چھوٹا کتب خانہ عمر بن عاص نے خلیفہ عمرؓ کے حکم
سے جلا دیا تھا۔ تاہم دیگر منصف مزاج عیسائی مصنف ہی اسکی تردید بھی کرتے
ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسے تھیئوڈوسٹیس کے حکم سے ۳۸۹ء میں جلایا گیا تھا
بہر حال وہ اسکندریہ جو قدیم سائنس فلسفہ اور علم و ہنر کا معدن تھا اور جسمیں کہ
سلاطین بطلیموس کے عہد میں ساڑھے سات لاکھ کی یونانیوں مصریوں رومیوں
اور یہودیوں وغیرہ کی آبادی تھی اٹھارہویں صدی کے آخر میں یعنے خدیو محمد علی کے
زمانہ تک یہ صرف چھ ہزار آدمیوں کی بستی رہ گیا تھا۔ ۲۰ھ ہجری میں جبکہ مسلمانوں
نے اس شہر پر قبضہ کیا تو حضرت عمرؓ نے ایک خط میں اس شہر کی تعریف میں تحریر فرمایا تھا
کہ اس میں چار سو حمام اور چالیس ہزار یہودی آباد ہیں۔ اسکے بعد پھر ایک مرتبہ رومیوں
نے اسے تباہ کیا۔ اور پھر قاہرہ پایہ تخت اسلامی ہوجانے کی وجہ سے بھی اس کی
رونق کم ہوگئی۔ مگر خلیفہ مروان بن عبدالعزیز کے عہد میں پھر یہاں کی آبادی چھ لاکھ
ہونے کا پتہ ملتا ہے لیکن صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں کی تاخت و تاراج
سے پھر شہر بے چراغ ہوگیا اور اسکی تجارت باقی نہ رہی۔

سکندریہ کی عمارات اور رونق بازار

سکندریہ میں پہنچنے سے پہلے مجھے شان وگمان بھی نہ تھا کہ سرزمین افریقہ پر بھی ایسا شہر آباد ہو سکتا ہے کہ جسکی عالیشان عمارتیں پیرس اور ویانا کو یاد دلادیں۔ مگر واضح رہے کہ میں یورپین حصہ کی عمارات کا ذکر کر رہا ہوں۔ جہاں کے وسیع بازار اور دورویہ چار چار پانچ پانچ منزل کی عمارتیں دوکانیں اور قہوہ خانے یورپ کے کسی اچھے سے اچھے پایہ تخت کے لئے باعث زیب وزینت ہو سکتی ہیں۔ خصوصًا بڑا چوق جسے منشیہ کہتے ہیں۔ جس میں عدالت العالیہ اور مکمل بورسہ یعنے صرافہ بھی واقع ہیں۔ اور بیچ میں خدیو اول محمد علی پاشا کا روئین اسپ سوار بت نصب ہے۔ یہ پہلا عمامہ والا بت ہے جو میں نے آجتک دیکھا ہے۔ گھوڑے کی زین۔ رکابیں اور سوار کے کپڑے سب اُسی زمانہ کے ہیں۔ قاہرہ کے یورپین کوارٹر کی ناف شارع ازبکیہ میں جو ابراہیم پاشا کا اسپ سوار بت نصب ہے، وہ ترکی ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ ان دونوں نامور خدیووں کو دیکھکر انکے دلاورانہ کارنامے یاد آجاتے ہیں۔ اگر ان کے جانشین بھی ایسے کام کرتے جیسے کہ اُنھوں نے کئے تھے تو خدا جانے آج مصر دنیا بھر کی قسمتوں کا مالک ہوتا۔ یورپین حصہ کے بازار نہایت کشادہ اور سیدھے دوکانیں یورپین اسباب سے آراستہ۔ پتھر کی سڑکیں۔ اطراف میں پیدلوں کے چلنے کے فٹ پاتھ ہیں۔ منشیہ میں رونق کی یہ حالت ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ اس وسیع چوق کے درمیان میں ایک بلند چبوترہ دور تک چلا گیا ہے جس پر بہت سے درخت ہیں۔ ان کے سایہ میں قہوہ خانوں کی ہزاروں کرسیاں اور میزیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور دن بھر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے جو قہوہ پیتے گپیں ہانکتے اور اخبارات پڑھتے ہیں۔ بوٹ برش کرنیوالے لڑکے سینکڑوں ہیں جو بار بار رق کرتے ہیں۔ ایسے ہی اخباروں کے بیچنے والے لڑکے۔ انکے پاس البصیر اور الاھرام روزنہ اخبار اور انیس الجلیس ماہوار رسالہ علاوہ ایک فرانسیسی اخبار الگزینڈری اور یونانی ایمونیا کے ہوتے تھے۔ انکے علاوہ یورپین اخبار بہت بکتے ہیں۔

مگر انکی قیمتیں دوگنی تگنی لیتے ہیں۔ ہر چند کہ قاہرہ بہت بڑا شہر ہے۔ اور اس میں یورپین آبادی اور یورپین دوکانیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ تاہم سکندریہ کے مکانات کی عظمت ان سے چھپ نہیں سکتی۔ سکندریہ میں برقی ٹریموے کے ساتھ جو کئی ایک بازاروں میں پھرتی ہے اور نواح شہر کی تفرج گاہوں رمیلہ وغیرہ کو جاتی ہے۔ برقی روشنی بھی ہے۔ سفید وردی والے پولیسمین بہت ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں میوہ جات کثرت سے ہیں جنسے دوکانیں لبریز نظر آتی ہیں۔ ان میں اکثر یورپ سے آئے ہوئے میوے بھی ہیں۔ جیسے شکر قند۔ روسی ترکستان سے نارنگیاں۔ فرانس سے انگور۔ یونان سے خربزے۔ سمرنا اور میلان (اٹلی) سے اور نز بوز الجیریا اور اسپین سے جہازوں میں آتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں کل مال درآمد ۱۵ ملین پونڈ کا۔ اور برآمد خصوصاً روئی و شکر ۱۸½ ملین پونڈ کا تھا۔ گرما میں چار ماہ کیلئے خدیو بھی معہ اپنے دربار کے یہاں اپنے قصر راس التین میں آجاتے ہیں۔

سکندریہ سے قاہرہ تک راستہ

رات دن میں تین مرتبہ ریلگاڑی سکندریہ اور قاہرہ کے مابین آتی جاتی ہے۔ فاصلہ ۱۳۱ میل ہے۔ ہم ۷ بجے صبح کو سوار ہو کر ۱۱ بجے قاہرہ پہنچگیا۔ سیکنڈ کلاس میں بڑے بڑے گدیلے یورپ کی بعض گاڑیوں سے بھی اچھے تھے۔ اور یورپ کی بعض ریلوں کی طرح تمام ٹرین کی گاڑیوں کے درمیان سے راستہ گذرتا تھا۔ یہانتک کہ معمولی سودا بیچنے والے لوگ بھی ریل میں چلتے پھرتے اور جورابیں گھڑیوں کی زنجیریں وغیرہ چیزیں بیچا کرتے ہیں۔ اور گارڈ کسی سٹیشن پر گاڑی پہونچنے سے پہلے ہی اُس سٹیشن پر اُترنیوالوں کے ٹکٹ لے لیتے تھے۔ مگر یہ تو ریل کے اندر کی حالت تھی باہر کی کیفیت اور ہی تھی۔ سرسبز کھیتوں اور پانی کی نہروں اور نالیوں نے ایک وسیع باغ کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ مصر کی مشہور کپاس اور نیشکر کے کھیت ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور مصر کا تاریخی "فلاح" نیلا لمبا چوغہ یا کُرتہ پہنکر جو اسکے ٹخنوں تک چلا گیا ہے ان کے کناروں پر ہر طرف پھرتا نظر آتا ہے۔ آہ دریائے نیل کا اس سرزمین پر

کسقدر فیض ہے۔ اگر نیل نہ ہوتا تو مصر ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ تب تو اس ریگستان سے
گذر سکنا بھی مشکل تھا۔ دیر تک نہر محمودیہ جو محمد علی پاشا نے سلطان محمود اپنے آقا
کے نام پر نیل سے سکندریہ تک کھدوائی تھی چلی جاتی ہے۔ تاہم باوجود پانی کی
اس بہتات کے ریل میں بیٹھے ہوئے مسافروں کے کپڑوں پر ریت کے ڈھیر جمع ہو جاتے ہیں

زیارت و قبر پرستی

راستہ میں آٹھ دس سٹیشن پڑتے ہیں جنہیں طنطا سب میں بڑا ہے
اور بوجہ سید احمد بدوی علیہ الرحمۃ کا مدفن ہونیکے مصریوں کی نظر
میں ویسے ہی احترام کے قابل مقام ہے جیسے کہ ممالک مشرق کے مسلمانوں میں
شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا مزار ہے۔ مصری لوگ بھی بڑے قبر پرست معلوم
ہوتے ہیں۔ کیونکہ قاہرہ میں جو بہت سے مزار بزرگوں کے ہیں اُن پر زائرین خصوصاً
منت ماننے والے مردوں اور زیادہ تر عورتوں کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔

آبپاشی کے طریقے

اس امر کے ثبوت کے لئے کہ مصر آبپاشی کا ملک ہے دور سے
اسباب جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ ریل ہی میں بیٹھے ہوئے
ہمنے دیکھا کہ ساتھ ہی کی نہروں سے جو قریب قریب تمام راستہ سڑک کے متوازی
چلتی ہیں کئی مختلف آبپاشی کے ذریعوں سے کسان اپنے کھیت سینچ رہے
ہیں۔ اکثر کھیتوں میں تو پانی صرف ناکہ کاٹ دینے سے لگ جاتا ہے لیکن جنہیں
نہیں لگتا اُن میں مندرجہ ذیل وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔
اوّل تو چھالار کے مشہور طریق سے۔ دوم جھٹا۔ یہ بھی پنجاب میں پایا جاتا ہے
اور یہ نام بھی پنجابی ہی ہے۔ ایک لکڑی کی ٹوکری کو چار طرف رسے باندھ کر دو
شخص اسکے ذریعے سے بالمقابل کھڑے ہوکر نشیب سے پانی بلندی پر پھینکتے
رہتے ہیں۔ سوم ایک لکڑی کا دو اڑہائی گز کا لمبا اور بالشت سوا بالشت چوڑا
اور تین انچ اونچا نابدان۔ کنوئیں کی "منار" کیطرح۔ ایک شخص نیچے پانی میں کھڑا
ہوکر اُسے اپنی طرف جھکاتا ہے اور جو پانی اس میں بھر جائے۔ جلدی سے یہ سرا
اُٹھانے سے کھیت میں جا پڑتا ہے۔ چہارم ڈھیکلی کا طریق ہندوستان میں بھی

موجود ہے۔ لیکن پانچواں طریقہ ہند میں موجود نہیں۔ اور تھوڑی گہرائی سے تھوڑی محنت سے پانی اُٹھانیکا یہ سب سے عمدہ طریقہ ہے۔ اِسے حکیم ارشمیدس کا پیچ کہتے ہیں۔ یہ ایک لوہے کے پترے کا دو اڑھائی گز لمبا اور ڈیڑھ بالشت قطر کا خول ہوتا ہے۔ اسکے بیچوں بیچ ایک پیچدار دیوار چلتی ہے۔ ایک سرا اس کا پانی میں رکھکر گھمانے سے جتنا پانی اسکے منہ میں گیا تھا وہ اوپر چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اُسوقت تک جاری رہتا ہے جب تک اسے ہلائے جائیں۔



اسکو بخوبی سمجھنے کے لئے اس تصویر کو غور سے دیکھو۔ کہتے ہیں یہ طریق زمانہ قدیم سے حکیم ارشمیدس نے جاری کیا تھا۔ اور اُسی زمانے سے بلا ترقی یا تنزل کئے مصر میں جاری ہے۔ لیکن چھٹا طریقہ ونڈمِل یعنی پون چکّی کا جدید طریق آب کشی کا ہے کہ جسکی نسبت میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اسے ہندوستان میں ضرور رواج دینا چاہیئے۔ ساتواں طریق پمپ سے پانی اُٹھانیکا ہے۔ یہ پمپ ایک آدمی چلا سکتا ہے۔ مگر اسکے ذریعے سے جو پانی کی مقدار اسکی نالی سے گرتی ہے وہ کھیت کی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ یہ طریقے آبپاشی کے تو مصر میں جاری ہیں۔ اور سب نہایت سیدھے سادے اور ان میں سے اکثر ابتدائی حالت میں ہیں۔

قاہرہ کی تاریخ قدیم

اہل مصر اپنے پایہ تخت کو قاہرہ نہیں بلکہ مصر کہتے ہیں۔ قاہرہ کی موجودہ جگہ پر جو نیل کے ڈلٹا کی چوٹی سے نو میل نیچے دریائے نیل کے مشرق کیطرف آباد ہے اور جو بذریعہ ریل سکندریہ سے ۱۳۲۔ اور پورٹ سعید سے ۱۴۷ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قدیم زمانہ سے بابلیوں کا یعنی اہل بابل کا ایک شہر آباد تھا جو اس سے بھی ایک قدیم شہر

لاتوپولس کی جگہ تعمیر کیا گیا تھا جو سکندر اعظم کے زمانہ میں موجود تھا۔ اسی نواح میں ایک مصری قصبہ لوئی ٹکیشرومی اور بعدہٗ عربی قصبات المکس اور الکتیبہ آباد تھے۔ ۱۹ھ ہجری (۶۴۰ء) میں جب حضرت عمر بن الخطاب نے عمرو بن عاص کو جو زمانہ جہالت میں چمڑہ اور عطر کی تجارت کے ذریعہ سے مصر سے آمدورفت کا تعلق رکھتے تھے۔ لشکر اسلام دیکر مصر کو بھیجا تو آپ نے پہلے سکندریہ کو فتح کیا اور لوٹتے ہوئے اپنا خیمہ مقام موجودہ شہر مصر قدیم کے قریب نصب کیا اور انکے خیمہ (فسطاط) کے قریب مسلمان آباد ہوگئے۔ اسلئے شہر کا نام بھی فسطاط مشہور ہوگیا۔

قاہرہ کی اسلامی تاریخ

۳۵۸ھ ہجری میں فاطمیین نے جو ٹیونس کے مقام قیروان میں حکومت کرتے تھے بسرکردگی اپنے سپہ سالار جوہر کے مصر پر حملہ کیا اور اس نے فسطاط کے قریب القاہرہ کے نام سے نہایت مبارک ساعت میں اس مبارک شہر کی بنیاد رکھی اور اسے اس سلسلہ سلاطین کا دارالخلافہ بنایا۔ اسی نام کو بگاڑ کر اہل یورپ "کیرو" کہتے ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے شہر کی خشتی فصیل کو گراکر شہر کو بہت وسیع کرکے اسکے گرد پتھر کی شہر پناہ تعمیر کی۔ اور عیسائیوں کو بھی شہر کے اندر آباد ہونے کی اجازت دی۔ اسی سے فرنگیوں کے محلہ موسکی کی بنیاد پڑگئی۔ ساتھ ہی اسی زمانہ سے عیسائی اقوام کی رعایا کو وہ مراعات دینی شروع ہوگئیں کہ جنکی بدولت اسوقت مصر میں بین الاقوام یا مخلوط عدالتیں قائم ہیں۔ ۱۵۱۷ء میں مملوک سلاطین کے زوال اور انقلاب خلافت کے بعد قاہرہ ایک ترکی صوبہ کا صدر مقام رہ گیا۔ اسکے بعد نپولین جنگ کرکے جولائی ۱۷۹۸ء کو قاہرہ میں داخل ہوگیا۔ لیکن جب چند ماہ بعد اہل مصر نے ایک روز تین سو فرانسیسی مار ڈالے۔ تو نپولین نے شدت سے انتقام لیا اور چار ہزار مصری تہ تیغ کردیئے۔ مگر فرانسیسی قبضہ کی عمر بہت قلیل تھی۔ ۱۸۰۶ء میں باب العالی نے محمد علی کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا جس نے

۱۸۱۱ء میں قلعہ میں ایک دعوت پر مدعو کر کے تمام مملوک رؤسا کو بید ریغ تہ تیغ کر دیا۔

سیدنا حسین رضؓ

سکندریہ سے ایک ایرانی قالینوں کے سوداگر نے مجھے قاہرہ کے ایک اچھے ایرانی (لوکندہ) کا پتہ دے دیا تھا۔ لوکندہ دراصل اطالی زبان سے جو سیدنا امام حسین علیہ السلام کی تربت کے مقابل واقع ہے۔ یہ ایک بڑی عالیشان مسجد بہت سے سنگین ستونوں پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور اسکے پیچھے مزار ہے جسمیں مشہور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک کوفہ سے لاکر دفن کیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس مسجد میں بڑی رونق رہتی ہے۔ نمازیوں کے لئے عمدہ قالین بچھے ہوئے ہیں بکثرت لوگ زیارت کو آتے رہتے ہیں۔ استانبول کیطرح یہاں بھی اکثر ناموروں کے مزاروں کے ساتھ عالیشان مسجدیں موجود ہیں۔

سیدہ زینب رضؓ

اسی طرح سیدہ زینب کے عالیشان مقبرہ کے ساتھ جو سنہ ۱۲۱۰ھ کی تعمیر معلوم ہوتی ہے۔ دریچوں میں رنگین شیشے اور بڑی شاندار نقاشی ہوئی ہوئی تھی پاس ہی خدیو محمد توفیق مرحوم نے ایک نہایت خوبصورت اور پر تکلف نئی مسجد تعمیر کی ہے جس میں چوبیس مرمر کے ستون ہیں اور جسکی چھت پر تکلف منقش ہے۔ یہاں بھی زائرین کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے جن میں عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ جو کہ بکثرت پیتل کے جنگلے میں ہاتھ ڈالے کھڑی رہتی ہیں۔ چونکہ میں قاہرہ میں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ میں زمانہ قیام کا اکثر وقت گدھے پر یا گاڑیوں پر ہی سوار رہا۔ کیونکہ قاہرہ میں بہت سے قدیم زمانہ کے آثار مساجد اور مقابر دیکھنے کے قابل ہیں۔

ٹریموے

ہر چند کہ یہاں برقی ٹریموے بہت دور تک چلتی ہے یہانتک کہ اہرام مصری (مصر کے مشہور مخروطی مینار) خاص شہر سے آٹھ دس میل دور ہونگے۔ لیکن وہاں تک بھی برقی ٹریموے جاتی ہے جسکا کرایہ ہر مسافت کے لئے یکساں ہے۔ اور یہاں کے تنگ بازاروں میں چھوٹی چھوٹی آمنی بس گاڑیاں اور وکٹوریا گاڑیاں گھوڑوں سے چلتی ہیں۔ لیکن سب سے بڑی سواری یہاں کے گدھے ہیں۔ جو گو بہت چھوٹے

گدھے کی سواری

قد کے ہوتے ہیں مگر بڑے تیز گام سبک رفتار اور مضبوط

ہوتے ہیں۔ اور اکثر زن و مرد مصری اور یورپین انپر یکساں سوار ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ بھی سستا ہے۔ اور تنگ اور پیچدار کوچوں میں یا پگڈنڈیوں پر جہاں گاڑیاں نہیں چل سکتیں یہ بڑی تیزی سے مسافروں کو لیجاتے ہیں۔ اسلئے بہت لوگ اس سواری کو پسند کرتے ہیں اسواسطے جابجا بازاروں میں کسے کسائے گدہے مع خربانوں کے نظر آتے ہیں۔ یہ گدھے والے اکثر لڑکے ہوتے ہیں۔ جو تیز رفتاری میں اپنے گدہوں سے کسیطرح بھی کم نہیں ہوتے بلکہ برابر پیچھے سے گدھے کو مار مار کر دوڑائے لئے جاتے ہیں۔ جب تنگ بازاروں سے گذرتے ہیں تو چلا چلا کر یہ الفاظ بولتے جاتے ہیں۔ "رِگلک۔ یمینک۔ یسارک۔ عمّی۔ اخوتی۔" رگلک سے انکا مطلب "رِجلک" ہوتا ہے یعنی آگے چلنے والے شخص کو کہتے ہیں کہ ایک طرف ہٹ جا تیرے ٹخنے گدھے کا سم پڑنے والا ہے۔

خاص مصری تلفظ اہل مصر ج کو گ کی طرح تلفظ کرتے ہیں۔ رجل یعنی آدمی کو رگل۔ ہوجود کو ہوگود اور جمل (اونٹ) کو گمل کہتے ہیں۔ علاوہ اسکے ث کو ت کی طرح ملفوظ کرتے ہیں۔ جیسے کثیر کو کتیر۔ اور ذ کو جبکہ آخر کلمہ میں ہو ڈ کہتے ہیں۔ مثلاً علےٰ طریق الرشاد کو رشاڈ کرکے پڑہیں گے۔ اسی طرح ق کو الف جیسے قدیم کو ادیم۔

بگڑی ہوئی عربی زبان مصر اور شام وغیرہ ممالک میں جو عربی آجکل بولی جاتی ہے وہ نہ تو صرف و نحو کے لحاظ سے درست ہوتی ہے اور نہ اسکے الفاظ ہی صحیح ہوتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ نہ جاہل لوگ ہی یہ غلط بولی بولتے ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے علماء بھی ایسی ہی زبان میں بات چیت کرتے ہیں البتہ جب کتاب یا اخبار لکھتے ہیں تو صحیح اور باقاعدہ بولتے ہیں۔ الماء (پانی) کو مصری المویہ کہتے ہیں۔ لا یا ما کو مافش۔ ما اسمک کو شو اسمک۔ ای شئی کو ایش وغیرہ۔ برلین کے عالم علوم مشرقی ڈاکٹر مارٹین ہرتمن نے ایک مرتبہ ایک جدول لغات عربی کے مختلف لہجوں کا مرتب کیا تھا جسمیں بیروت۔ قاہرہ

اور ٹیونس کے اختلاف لہجات کا مقابلہ کر کے دکھلایا تھا۔ یہ جدول رسالہ الہلال جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ سے حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ آجکل مختلف عربی بولنے والے ممالک کی زبان اور فصیح عربی میں کسقدر اختلاف ہے۔ جدول یہ ہے

لغت عربی کے مختلف لہجوں کا جدول

صحیح لہجہ	لہجہ بیروت	لہجہ قاہرہ	لہجہ تونس دشہر
هذا الوقت	هلّق	دلوقت	توّا
هنا	هوّن	هنه	هونی
متاخرا	لقيّس	وخری	متوخر
باكراً	بكير	بدری	بكری
كيف حالك	كيف حالك	زيّك	كيف حالك
ما هذا	شوهيك	دايل	اشنوهاذا
ما اسمك	شو اسمك	اسمك ايه	سسمك
لم ضربته	ليش ضربتو	ضربتو اليه	علاش ضربتو
مثل	متل	زی	كيف
اكتب	بكتب	بكتب	نكتب
نكتب	منكتب	بنكتب	نكتبو
او	يما	ولا	ولّا
رجل	اجر	رجل	رِزل
هكذا	هيك	كِدَ	هكا
لاجل	من شان	علی شان	علی خاطر
متی	ايمتی	امت	وقتاش
بقی۔ دام۔	ظل دم۔ نخر	ضل۔ دن	يقا

صحیح لہجہ	لہجہ بیروت	لہجہ قاہرہ	لہجہ تونس (شہر)
نحن	نحن ۔ نحنا	احن	احنا
لا اقدر	ما فیني	ما فی	ما نِنزم شی
ھم	ھِنّ	ھم وھُما	ھوما
رجل	رجال	راجل	رادل
ای جنس	ایناجنس	انہ جنس	آن زلس
اینۃ جھۃ	ایناجھۃ	انہ جھۃ	آن زیھۃ
لا یضرّ	ما بیسایل	ما علیش	مایسا ألش

مصری مردانہ لباس

بخلاف ٹرکی کے مصر میں ابھی ہر مصری یورپین لباس نہیں پہنتا۔ گو بہت سے نوجوان یورپین تعلیم پاکر یورپین لباس پہننے لگے ہیں لیکن ابھی تک زیادہ مصری اپنا قدیم لباس پہنتے ہیں۔ مصریوں کا قدیم لباس سر پر سُرخ ترپوش کے گرد سفید لفّہ۔ نیچے اوپر دو لمبے ڈھیلے عبا جو ٹخنوں تک نیچے ہوتے ہیں۔ جنمیں سے نچلے کی آستینیں کہنیوں سے ایک بالشت لمبی ہوتی ہیں۔ اور چونکہ ہاتھ کے قریب اُنکی سلائی نہیں کیجاتی اسلئے ہاتھ سے نیچے لٹک جاتی ہیں۔ یہ عبا عموماً دھاریدار ریشمی کپڑے کی ہوتی ہے مگر دونوں کے کالر کسی طرح کے نہیں ہوتے۔ اور چونکہ مصری لوگ ذرہ بھی خوش وضع۔ قوی الجثّہ اور تنناور ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ انکا یہ لباس انہیں اَور بھی کریہہ منظر بنا دیتا ہے۔ کیونکہ بطور قاعدہ کلّیہ کے یہ لوگ ڈاڑھی رگڑوا کر مقراض کی نذر کرتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ انکے بوڑھے اور سفید ریش لوگ بلکہ علما بھی خشخاشی ڈاڑھیوں پر نازاں ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ جو ڈاڑھی کو استرہ کے حوالے نہیں کرتے قینچی سے استرہ کے برابر خدمت لے لیتے ہیں۔ سر کی پگڑی ٹوپی کے اوپر ایک پٹی سی لپیٹی ہوئی ہوتی ہے جس سے اُنکے سر چھوٹے اور گردنیں لمبی معلوم ہوتی ہیں۔ اور رنگ عموماً سانولے ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں صورت کی نسبت

سیرت کا زیادہ خیال رکھنا چاہئیے۔ اور مجھے اس بارہ میں بھی ناظرین کو مایوس کرنا پڑتا ہے کہ میں بحیثیت مجموعی اہل مصر کی لیاقت کی نسبت کوئی اعلیٰ خیال نہیں پیدا کرسکا

اصل مصریوں کی پستی و پست ہمتی

مصری دراصل کیا قوم ہے؟ یہ سوال ہر پایہ تخت مصر میں جانیوالے شخص کے دل میں ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُسے ذرہ بھی مختلف اقوام کی قومی خصوصیات معلوم کرنیکا شوق ہے۔ نہایت مختصر پیرایہ میں اس سوال کا جواب میں یہ دیسکتا ہوں کہ اسوقت جتنے لوگ اہل مصر کہلاتے ہیں وہ یا تو مسلمان ہیں یا قبطی عیسائی۔ مگر چونکہ عیسائی مصر کی آبادی کا بہت قلیل جزو ہیں اور مسلمانوں میں بھی قبطی نسل کے بہت لوگ موجود ہیں اسلئے میں مسلمانوں کی تقسیم بیان کرتا ہوں۔ مصر کے قدیم باشندے بھی قبطی لوگ ہیں۔ مگر اسلامی فتوحات کے ابتدائی زمانہ سے بہت سے عرب اس ملک میں آکر آباد ہو گئے۔ ان کے ایک مدت بعد ترکوں نے اس ملک کو فتح کیا۔ اور بہت سے ترک بحیثیت قوم فاتح اس ملک میں آکر ٹھہر گئے۔ اب یہ سب لوگ سوائے ترکوں کے جو شکل صورت اور فیشن میں بھی الگ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جو آفندی کہلاتے ہیں سب مصری کہلاتے ہیں لیکن لوگوں کے قیافوں سے مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک مصر کی زیادہ آبادی اور قریباً تمام فلاح اصلی باشندوں کی نسل سے ہیں اور اُنکے ارادے اور خیالات اُسی نسبت سے پست ہیں کہ جتنی انکی نسل قدیم ہے۔ بہرحال مصر کی تمام آبادی مع ترکی اور عربی جزو کے ترکوں اور شامیوں سے شائستگی اور قابلیت میں بہت نیچے ہے۔

مصر کے پالیٹکس

کیسی چولیشن یا معاہدات

پندرھویں صدی مسیحی میں اور اسکے بعد عثمانی سلاطین نے مختلف عیسائی ممالک کی رعایا کو اپنی

قلمرو میں کئی کئی مراعات دیکر آباد کیا تھا کہ جنہیں مدبرین یورپ کیپی چولیشن کہتے ہیں اور جنکا ذکر ٹرکی اور مصر کے متعلق بارہا آتا رہتا ہے۔ اصل غرض اس زمانہ کے سلاطین کی یہ تھی کہ عیسائی سوداگروں اور نوآبادکاروں کی حفاظت کیجائے اور انہیں نقصان سے محفوظ رکھا جائے۔ مسلمان سلاطین کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ کسی وقت عیسائی دولتیں اتنی زبردست ہو جائینگی کہ ان مراعات سے ناجائز فائدہ اُٹھا سکیں گی۔ بہرحال عیسائیوں سے یہ تین خاص مراعات ملحوظ رکھی جاتی تھیں (۱) ہر قسم کے ٹیکس سے محفوظ رکھنا (۲) مجرم کے ملک کے حکام کے سامنے اسکا مقدمہ پیش کرنا (۳) مقامی عدالتوں کا اسپر مقدمہ کرنیکا اختیار نہ ہونا چونکہ مصر بھی ایک ترکی صوبہ تھا۔ اسلئے جو وعدے سلاطین ترک کے مختلف عیسائی ممالک کی رعایا سے قلمروئے ترکی میں ملحوظ کئے جاتے تھے وہی مصر میں بھی مسلم سمجھے گئے۔

چار قسم کی عدالتیں

۱۔ جبکہ مصر میں دو عملی اور سہ عملی کا دور آیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو لازم ہوا کہ مختلف یورپین ممالک کی رعایا کے مقدمات وہیں کے حکام کے روبرو پیش ہوں لیکن اگر دو یورپین اقوام کے باشندوں کے مابین تنازعہ ہو تو وہ ایک مخلوط یا بین الاقوام عدالت میں پیش ہو۔ ان وجوہات سے مصر میں مندرجہ ذیل چار اقسام کی عدالتیں قائم ہونی ضروری ٹھہریں۔ (۱) محاکم اہلیہ یعنی ملکی عدالتیں۔ ان میں اہل ملک کے ہر قسم کے مقدمات مذہب وملت کے فیصل کئے جاتے ہیں (۲) محاکم شرعیہ۔ یعنے دینی عدالتیں ان میں صرف مسلمانان مصر کے مقدمات نکاح۔ طلاق نان نفقہ۔ وصیت میراث وغیرہ دینی امور کے طے پاتے ہیں (۳) محاکم قناصلیہ یعنے غیر ممالک کی قنصلوں کی عدالتیں۔ ان میں غیر ممالک کے باشندوں کے ایسے مقدمات فیصل ہوتے ہیں۔ جو اُسی قنصل کے ملک کی رعایا ہوں (۴) محاکم مختلطہ یعنے مخلوط عدالتیں۔ انمیں تمام ایسے ملکی تجارتی دیوانی اور فوجداری مقدمات فیصل ہوتے ہیں۔ جو مصری

اور غیر ممالک کے باشندوں یا دو اجنبی اقوام کے باشندوں کے مابین دائر ہوں۔

ایک مثال ان مختلف قسم کی عدالتوں سے بجائے آرام کے بہت سی زحمت پیدا ہو گئی ہے۔ مگر مصر کی دو عملی کی وجہ سے مجبوراً ایسا کیا گیا ہے مثلاً اسوقت مصر میں یورپ کی ہر سلطنت کی رعایا موجود ہے کہ جنکے نام اپنے اپنے ملکوں کے سفارتخانوں میں رجسٹر ہوئے ہوئے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک مصری کا بازار میں کسی اٹلی کے باشندہ سے جھگڑا ہو گیا۔ اور اٹلی کے باشندہ نے اس مصری کو خوب پیٹا۔ مصری کانسٹبل سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ جب مصری پٹ چکا تو مصری کانسٹبل نے اس کے مارنے والے کو پکڑنا چاہا۔ مگر وہ اُسکے بھی ٹھونکنے کو تیار ہو گیا۔ اور چونکہ وہ غیر ملک کی رعایا ہے۔ مصری کانسٹبل اور مصری قانون کا اسپر اختیار نہیں۔ اسپر سپاہی نے اسی پر اکتفا کیا کہ پٹے ہوئے شخص کو پکڑ کر پولیس کی چوکی میں لیجائے۔ اگر وہاں سے اُسے چند اور پولیسمین ملگئے اور انکی مدد سے اس نے پیٹنے والے غیر ملک کے باشندے کو پکڑ لیا تو وہ اُسے تھانہ میں لے آیا۔ اب تھانہ اُسکی نسبت کوئی کارروائی سوائے بیان لینے یا اُسے حراست میں رکھنے کے نہیں کر سکتا۔ جبکہ وہ کہتا ہے کہ میں فلاں غیر ممالک کی رعایا ہوں۔ اگر اس غیر ملک کی رعایا کے دفتر میں اسکا نام ملگیا تو غیر ملک کے سفیر نے اسے لے لیا۔ اب اُسے اختیار ہے کہ جو سزا اُسے مناسب سمجھے دے یا نہ دے۔ مصری پولیس یا مصری کورٹ کا اسپر کوئی اثر نہیں رہا جو دیوانی مقدمات مصریوں اور غیر ممالک کی رعایا کے درمیان ہوتے ہیں انکے فیصلے مخلوط عدالت کرتی ہے۔ جسمیں مصری اور غیر ممالک کے جج ملکر فیصلہ کرتے ہیں۔

خاندان خدیوی جب مملوک امرا کی طرف سے محمد علی کو کوئی خدشہ نہ رہا تو اس نے یورپین طریق پر فوج تیار کی اور مصر کا انتظام ٹھیک کر کے خود مختاری کا دم بھرنے لگا۔ سلطنت عثمانیہ کیطرف سے اسکی گوشمالی کی جو تدابیر اختیار

کی گئیں اُن میں کامیابی نہ ہونے پر اسکا حوصلہ اَور بھی بڑھ گیا۔ اور سلطان محمود ثانی کے عہد میں ۱۸۳۲ء میں اُس نے کھُلم کھُلا عَلَمِ بغاوت بلند کردیا۔ بلکہ دمشق و حلب کو فتح کرکے قسطنطنیہ کیطرف بڑھنا شروع کیا۔ اور اگر انگریزی اور فرانسیسی جنگی بیڑے اُسے بیروت پر ۱۸۴۰ء میں شکست نہ دیتے تو اندیشہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کرلیتا۔ ۱۸۴۱ء میں ایک معاہدہ کے مطابق سلطان عبد المجید نے مصر کی گورنری کا عہدہ محمد علی پاشا کے خاندان میں موروثی کردیا۔ گو مصر بدستور ٹرکی کا باجگذار رہا۔ محمد علی کے انتقال کے بعد ابراہیم پاشا۔ عباس پاشا اور سعید پاشا خدیو ہوئے۔ مگر محمد علی کی سی لیاقت کسی میں نہ تھی۔

خدیو اسمٰعیل اور مصری قرضہ آخر اسمٰعیل پاشا جس نے فرانس میں تعلیم پائی تھی۔ خدیو ہوا تو اسکی طبیعت میں سلطنت مصر کو یورپین طریقہ پر چلانیکے بڑے ولولے تھے۔ اس نے بہت کچھ کوشش کی۔ ملک میں ریلیں اور کچھ کارخانے جاری کئے۔ شہر قاہرہ کی کایا پلٹ کراُسے چھوٹا پیرس بنادیا۔ مگر ان سب تکلفات کے لئے بہت کچھ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسمٰعیل پاشا نے فرانس اور انگلستان کے ساہوکاروں سے بہت سا قرضہ اُٹھالیا۔ اسی اثنا میں سلطان عبد العزیز کے عہد میں اپنے ارمنی وزیر نوبار پاشا کی تحریک سے اس نے بابعالی میں بہت کچھ بیش قیمت تحائف پیش کرکے ۱۸۶۹ء میں "خدیو مصر" کا خطاب پیشگاہ سلطانی سے حاصل کیا اور ساتھ ہی ملکی نظم ونسق اور غیر سلطنتوں سے خود مختارانہ معاہدے کرنیکا حق بھی حاصل کرلیا جو اسوقت تک گورنران مصر کو حاصل نہ تھا۔ اسکے عوض میں بابعالی کو (۳۶۰) ہزار پونڈ کی بجائے ساڑھ لاکھ ۲۰ ہزار پونڈ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ ساتھ ہی قرار پایا کہ سکہ کی دوسری طرف سلطان المعظم کا نام مضروب ہو۔ اور مصری فوج کے تمام نشانات و علامات سلطانی ہوں۔ نومبر ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کا افتتاح ہوا۔ جو ایم۔ ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجنیئر کی کوشش سے کھودی گئی تھی۔ ۱۸۷۵ء میں مسٹر گرین ووڈ ایک انگریزی اخبار

نولیس کی تحریک سے انگلستان نے نہر سویز کے بہت سے حصے خرید لئے۔ اُدھر سے خدیو اسمعیل کی بدتدبیری سے اسکے قرضہ کا سود بھی ادا نہ ہو سکا جس پر انگلستان اور فرانس کے قرضخواہوں نے شور مچایا۔ اور ان دونوں سلطنتوں نے سلطان عبدالحمید خان ثانی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بحیثیت شہنشاہ مصر ہونے کے خدیو اسمٰعیل کو معزول کریں۔ اور مصر کے مالیہ سے انکے قرضہ کی ادائیگی کا انتظام کریں چنانچہ ۱۸۷۹ء میں بابعالی کے حکم سے خدیو اسمٰعیل کو معزول کر کے اُسکے بیٹے توفیق پاشا کو خدیو مصر بنایا گیا۔ چونکہ فرانس اور انگلستان کے مامورین مصر کا مالی انتظام کرتے تھے۔

بغاوت عربی و انگریزی قبضہ مصر

اسپر مصر کی قومی پارٹی ناراض تھی کہ جس نے عربی پاشا کی سرپرستی سے ۱۸۸۱ء میں بغاوت کی۔ انگریزوں نے بابعالی اور نیز فرانسیسی فوج سے امداد کی خواہش کی مگر انہوں نے توجہ نہ کی۔ اسپر انگریزی فوج نے تھوڑی سی جنگ کے بعد عربی پاشا کی بغاوت کو فرو کر دیا اور اسطرح انگریزی فوج کو ملک میں امن قایم رکھنے کے لئے رہنے کا حیلہ ملگیا۔ اسی اثناء میں سوڈان میں بغاوت ہوئی اور وہ مصر کے قبضہ سے نکل گیا۔ مگر پھر جنرل کچنر نے مصری و انگریزی افواج کے ذریعہ سے اُسے خلیفہ عبداللہ تعائیشی سے چھین لیا

خدیو عباس پاشا

۱۸۹۲ء میں خدیو توفیق نے انتقال کیا جبکہ موجودہ خدیو عباس حلمی معہ اپنے چھوٹے بھائی کے ویانا میں تعلیم پاتے تھے۔ سلطان المعظم نے انکی جانشینی کا فرمان جاری کیا اور یہ مصر میں آکر تختنشین ہوئے خدیو عباس بڑے روشنضمیر اور لائق حکمران ہیں۔ اور بالکل اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ یورپین حکمرانوں کی طرح حکومت کرتے ہیں۔ سوائے عربی اور ترکی کے فرانسیسی جرمنی اور انگریزی جو یورپ کی تین اول درجہ کی زبانیں ہیں بخوبی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ ایکطرف مصر پر ترکی کی ماتحتی اور دوسری طرف انگریزی ایجنٹ کی نگرانی کا بار ہے اسلئے انکی حکومت عجیب بے اختیاری کی حکومت ہے۔

غمِ صیاد و فکرِ باغباں ہے
دو عملی میں ہمارا آشیاں ہے

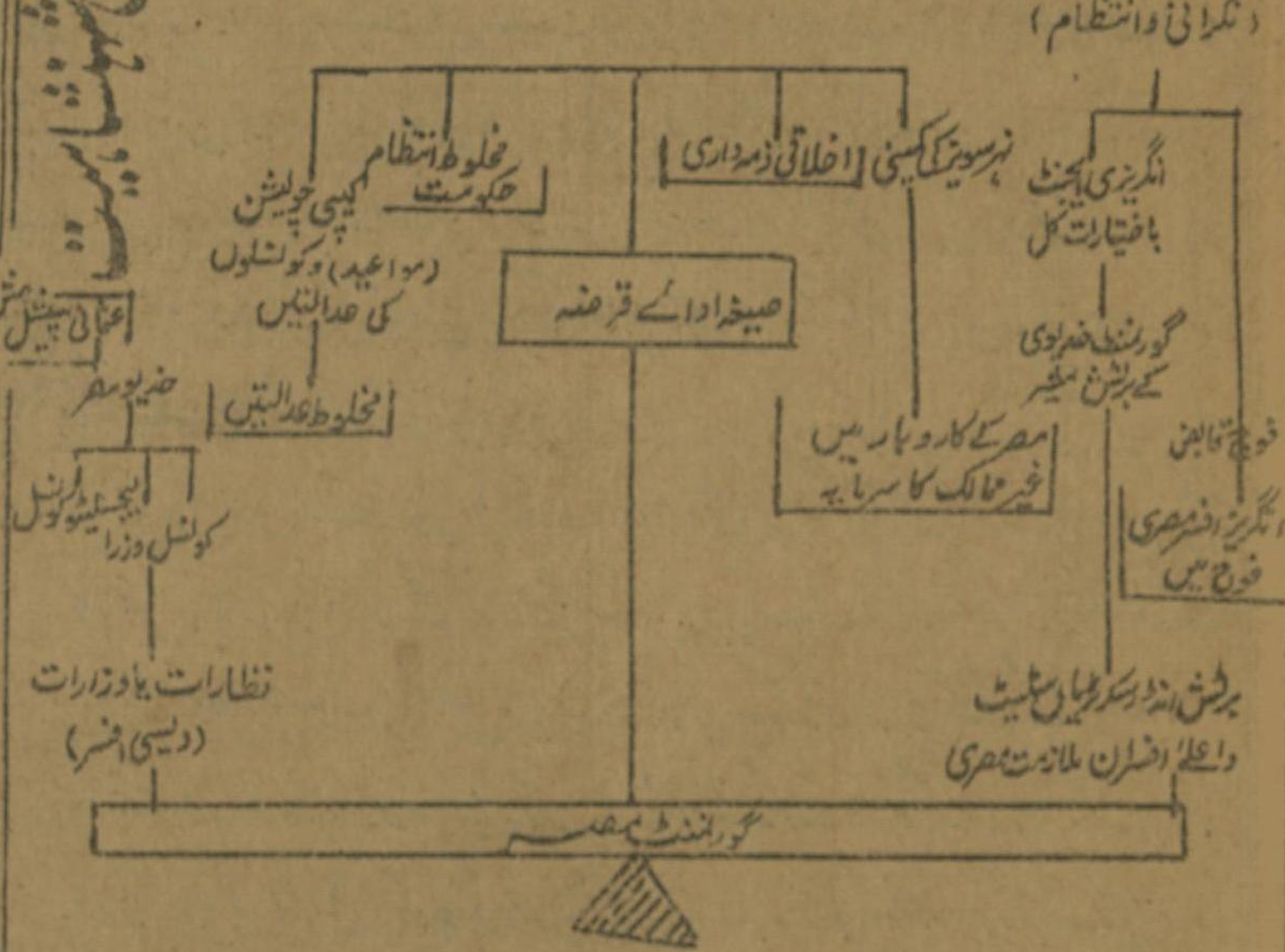
اب انخلائے مصر کی اُمید نہیں رہی

گو گذشتہ چھبیس سال سے مصر پر انگریزی فوج کا قبضہ ہے لیکن چونکہ فرانس نے اس قبضہ کو تسلیم نہیں کیا تھا اسلئے انگریز مصر پر اپنی من مانی حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۳ء سے انگلستان نے فرانس سے مصر کے متعلق یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ فرانس انگلستان کے قبضہ مصر کی راہ میں مخل نہ ہو۔ اور اسکے عوض میں انگلستان نے فرانس کو مراکش کی مداخلت کا پورا اختیار دیدیا ہے۔ اسطرح سے جو کبھی انگلستان کے مصر خالی کر دینے کی امید تھی وہ بھی جاتی رہی۔ گو پہلے پہل انگلستان و فرانس نے قرضہ مصر کے انتظام کے لئے مصر میں مداخلت کی تھی۔ مگر اب نہر سویز جو ہندوستان کا شاہراہ ہے انگلستان کو ہرگز قبضہ مصر چھوڑنے کی اجازت نہیں دیسکتا۔ جبتک کہ ملک ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ میں ہے وہ ضرور مصر کو اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اسلئے مصر میں جو سلف گورنمنٹ اور مصر مصریوں کے لئے کی خواہش سے قومی فریق قائم ہوا ہے۔ سردست کوئی امید نہیں کہ انگریز اسکی پکار کیطرف توجہ کریں۔ فرانس اب سنہ ۱۸۸۷ء کیطرح تخلیہ مصر کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ٹرکی اپنی حالت میں خود حیران ہے۔ وہ مصر کے تخلیہ کے لئے سلطنت انگریزی پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ ہر چند کہ وہ مصر کا جائز وارث خراج گیر اور باج خور شہنشاہ ہے۔ ان حالات میں سوا اسکے کہ مصر مدت مدید تک انگریزی نگرانی میں رہے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ گو ظاہراً انگریزی ایجنٹ صرف نگرانی کرتا ہے لیکن درحقیقت حکومت کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

موجودہ پولیٹیکل

اسلئے مصر کی پیچیدہ پولیٹیکل حالت کا جدول جو اے ملوا ئٹ صاحب نے اپنی کتاب ”ایکسپینیشن آف ایجپٹ“ میں درج کیا ہے۔ اُسے میں ذیل میں نقل کرتا ہوں:۔

انگریزی قبضہ



فنانس (سرمایہ)

لیکن مندرجہ بالا جدول سے اگر انگریزی اور غیر ممالک کے قرضہ اور سرمایہ کا سوال اُٹھ بھی جائے تاہم انگریزی قبضہ غیر معیّن زمانہ تک رہتا نظر آتا ہے۔

مصر میں تعلیم کی ترقی

انگریزی قبضہ کی برکتیں

لیکن یہ صریح بے انصافی ہوگی اگر ہم انگریزی قبضہ مصر کی برکتوں کو صرف اسوجہ سے نظر انداز کر دیں کہ انگریزوں نے بے انصافی سے اور اپنے ابتدائی وعدوں کے خلاف مصر پر اپنے قبضہ کو طول دے رکھا ہے۔ اگر صرف ایک بات آزادی پریس کو ہی لے لیا جائے تو اسکی بدولت اہل مصر کو اسقدر فوائد حاصل ہوئے ہیں کہ جنکا حصر میں آسکنا مشکل ہے اسوقت مصر بلحاظ اشاعت اخبارات پولیٹیکل مضامین پر آزادی سے

بحث کرنے اور ہر قسم کی علمی کتابیں چھاپنے میں یورپ کے اچھے اچھے ملکوں کے برابر ہے۔ افسوس ہے کہ میرے پاس اسوقت صرف ۱۸۹۷ء تک کے اعداد ہیں۔ انگریزی قبضہ بغاوت عربی پاشا فرو کرنیکے بعد ۱۸۸۲ء سے شروع ہوا اور اس پندرہ سال کے عرصہ میں مصر میں حسب ذیل مادّی ترقی ہوئی۔

۱۸۸۲ء میں مصر کی کل آبادی ۶۸ لاکھ ۱۳ ہزار تھی جو ۱۸۹۷ء میں ۹۷ لاکھ ۳۴ ہزار ہوگئی۔ یعنے ۲۹ لاکھ کی ترقی ہوئی۔

,, شہروں قصبوں اور موضعوں کی تعداد ۱۳۲۴۷ تھی جو ۱۸۹۷ء میں ۱۴۱۸۲ ہو گئی

,, محاصل ۹۰ لاکھ پونڈ تھے۔ جو ۱۸۹۷ء میں ایک کروڑ ایک لاکھ پونڈ تک پہنچگئے (بحالیکہ بعض محصول اور ٹیکس کاشتکاروں کے معاف کئے گئے)

,, تجارت درآمد ۱۰ لاکھ ۸ ہزار ٹن تھی جو ۱۸۹۷ء تک ۲۲ لاکھ ۶۲ ہزار ٹن ہوگئی۔

,, محصول چونگی اڑھائی لاکھ پونڈ وصول ہوا جو ,, ۲۰ لاکھ ۹۳ ہزار پونڈ تک پہنچگیا۔

,, کل ملک میں ۱۲۴ ڈاکخانے تھے جو ,, ۸۸۷ ہوگئے

,, تخمیناً پانچہزار لڑکے مدارس میں تھے جو ,, دسہزار ہوگئے اور معلموں کی تعداد سہ چند ہوگئی

۱۸۸۲ء میں خرچ فوج ۲۲ ہزار پونڈ تھا۔ جو ,, ۸ لاکھ ۲۶ ہزار پونڈ سے اوپر ہے۔

,, میں مصری قرضہ کی تعداد ۹ کروڑ ۷۰ لاکھ پونڈ تھی۔ اور سود وادائیگی ۴ لاکھ ۶۰ ہزار پونڈ تھا } جو ,, ۹ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ۔ اور سود وغیرہ ۳۸ لاکھ ۶۳ ہزار پونڈ رہ گیا۔

اسی طرح آجتک بہت کچھ ترقی ہو چکی ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں کل محاصل ایک کروڑ ۸۴ لاکھ پونڈ سے متجاوز تھے۔ اور تعداد طلبا ر مدارس کاری میں ۱۹۰۵ء میں انیس ہزار تک بڑھ گئی ہے۔

مصر میں تعلیم کی حالت پر لارڈ ڈفرن کی رپورٹ

۱۸۸۳ء میں لارڈ ڈفرن نے حالات مصر کی جو رپورٹ لکھی تھی اس میں اس ملک کی تعلیم کا یوں تذکرہ کیا تھا۔

اُسوقت مصر میں جتنے مدرسے موجود ہیں وہ تین قسم کے ہیں

اولؔ - جامع الازہر - اس میں آٹھ ہزار طالب علم ہیں جنکو تین سو استاد تعلیم دیتے ہیں اور اسمیں علوم ذیل پڑھائے جاتے ہیں - علم کلام - فقہ - نحو منطق اور عربی زباندانی
دومؔ - وہ مدرسے جنکو مصر میں غیر ممالک کے لوگوں اور انکی مشنری جماعتوں نے قایم کیا ہے - ایسے مدارس کی تعداد (۱۵۲) ہے - اور ان میں (۱۲۲۴۷) طالبعلم پڑھتے ہیں - طلبہ کی اس تعداد میں ۶۴۴۱۹ خاص مصری لڑکے ہیں - یعنی ۵۲ فی صدی - اور ان مدارس میں سے بعض مدرسوں کو حکومت مصر کیطرف سے مالی مدد بھی ملتی ہے -

سومؔ - خاص حکومت کے مدارس اور انکے چار درجے ہیں -

(۱) ابتدائی مدرسے - انکی تعداد ۵۰۳۷ ہے - اور ان میں ۱۳۷۵۵۳ یعنے باشندگان ملک کی مجموعی تعداد میں سے ۱/۸۴ طالبعلم داخل ہیں - یہ مدرسے ملک کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں بنے ہیں اور ان میں قرآن کی تعلیم دیجاتی ہے - یا کسی کسی مدرسہ میں کچھ حساب کے قواعد اور لکھنے کی مشق بھی سکھلائی جاتی ہے -

(۲) مدارس ثانویہ (سکنڈری اسکول) انکی تعداد ۲۷ ہے - ان میں ۴۷۰۴ طالبعلم پڑھتے ہیں - ان مدارس میں سے ایک مدرسہ قاہرہ میں ہے جسکے مصارف سررشتہ تعلیم کی بجٹ سے دیئے جاتے - اسمیں ۸۴۰ طالبعلم داخل ہیں - اور یہ مدرسہ اُن تمام مدرسوں کا نمونہ ہے جو ابتک ملک کے ہر ایک شہر اور بندرگاہ میں قایم ہو چکے یا قایم کئے جانیوالے ہیں - اس مدرسہ کی مدت تعلیم چار سال ہے - پہلے تین سال گذرنے پر طالبعلم کو قرأت قرآن عربی خط لکھنے اور حساب میں حسب ضرورت پوری لیاقت حاصل ہو جاتی ہے - اور آخری سال میں وہ تاریخ جغرافیہ اور کسی غیر زبان کا لکھنا اور پڑھنا سیکھتا ہے جسکی بابت اُسکو اختیار ہے کہ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان لیلے - تجہیزی مدرسہ میں اسی مدرسہ کے کامیاب طلبہ داخل کئے جاتے ہیں - پھر اسکے بعد تجہیزی مدرسہ کے طلبہ صنائع اور فنون کے مدرسوں میں بھرتی ہوتے ہیں رہے باقی ثانوی مدارس اُنکے اخراجات وادی کی چند جاگیروں کی آمدنی محکمہ اوقاف

کے عطیات اور بعض خاص امدادی عطیوں سے پورے ہوتے ہیں ۔

(۳) قاہرہ کا مدرسہ تجہیزیہ ۔ اس میں ۲۹۲ طالبعلم پڑھتے ہیں ۔ اور مدارس صنائع اور فنون کے طلبہ اسی مدرسہ کے طالبعلموں میں سے لئے جاتے ہیں ۔ مدرسہ تجہیزیہ میں مدت تعلیم چار سال ہے ۔ اس دوران میں تلامذہ کو کوئی غیر زبان عربی زبان ۔ ریاضیات ۔ طبیعیات ۔ کیمیا ۔ تاریخ طبعی ۔ تاریخ عام ۔ جغرافیہ ۔ عربی خط ۔ یورپین خط اور تصویر کشی سکھلائی جاتی ہے ۔ اور چھ ابتدائی مدارس میں بھی دو سال کے لئے ایک سکشن ایسا کھولا گیا ہے کہ اسمیں تجہیزیہ مدرسہ کے علوم پڑھائے جاتے ہیں ۔

(۴) علمی فنون اور پیشوں کے مدارس اور کالج اور وہ حسب ذیل ہیں :۔

ا ۔ میڈیکل سکول ۔ اسمیں ۶۷۶ طالبعلم ہیں اور اسی کے ساتھ دواسازی سکھانے کا بھی مدرسہ ہے جسمیں ۱۷ طالبعلم ہیں اور ایک مدرسہ لیڈی ڈاکٹروں کا بھی جہیں ۲۶ دائیاں یا نرسیں تعلیم پاتی ہیں ۔ اس اسکول کا پرنسپل ایک فرانسیسی ہے ۔

ب :۔ انجنیرنگ اسکول ۔ اس میں پچاس طالب علم ہیں ۔

ج :۔ مساحت کا مدرسہ ۔ اسکے طالب علموں کی تعداد ۳۹ ہے ۔

د :۔ مدرسہ عملیات ۔ اسکے طلبہ کی تعداد ۱۵ ہے اور اسکا پرنسپل فرانسیسی ہے ۔

ھ :۔ مدرستہ الادارہ ۔ کل طالب علم ۳۷ ۔ "

و :۔ مدرستہ المعلمین (نارمل سکول) ۔ طلبہ ۶۰ ۔ "

ز :۔ مدرستہ الصناعۃ ۔ یہ مدرستہ العملیات کے ماتحت ہے ۔ اس میں ۷۹ طالبعلم ہیں جو ابتدائی مدارس کے ان طلبہ میں سے لئے جاتے ہیں جنہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی استعداد نہیں عیاں ہوتی ۔

ح :۔ اندھوں اور گونگوں کا مدرسہ ۔ اسمیں مرد و عورت دونوں کو ملا کر ۷۵ طالبعلم ہیں

ط :۔ گرل اسکول ۔ (لڑکیوں کا مدرسہ) اگلے زمانہ میں لڑکیوں کے دو مدرسے تھے ایک اعلیٰ طبقہ والوں کی لڑکیوں کے لئے اور دوسرا تمام دیگر کنبوں کی لڑکیوں کے واسطے اور اب یہ دونوں مدرسے باہم ملکر ایک مدرسہ کر دیا گیا ہے جسمیں ۳۰۰ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں ۔

ی :۔ مدرسہ جنگی قاہرہ میں (اسکا پرنسپل فرانسیسی شخص ہے)۔

ک :۔ بحری مدرسہ اسکندریہ میں۔

۱۸۹۷ء تک ان سب مدرسوں میں مفت تعلیم دیجاتی رہی مگر سال مذکورہ بالا میں مصری حکومت نے تمام دیگر اقوام عالم کی پیروی کرنا چاہی اور تعلیم کی فیس مقرر کرنیکا ارادہ کیا۔ کیونکہ جس سبب سے محمد علی پاشا نے مفت تعلیم دینی شروع کی تھی وہ سبب غلامی کا زمانہ گذرنے کے ساتھ ہی مٹ چکا تھا اور اب وہ سب لوگ جو پہلے غلام تھے آزاد بنگئے تھے۔ جنمیں بڑے بڑے ذی حیثیت اور صاحب دولت اصحاب بھی تھے۔ اسلئے حکومت مصر نے تعلیم کی خفیف سی فیس مقرر کردی تھی۔

تعلیم کی موجودہ حالت

لیکن آجتک مصر کی تعلیم میں بہت ترقی ہوگئی ہے گو مدارس کے اقسام اور درجے وہی ہیں کہ جنکا لارڈ ڈفرن نے ۱۸۸۳ء میں ذکر کیا ہے۔ یعنے ابتدائی مدارس کہ جنمیں ابتدا سے ہی ایک یورپین زبان سکھلائی جاتی ہے۔ دوم تجہیزی مدارس کہ جنکی تعلیم کا اکثر حصہ کسی یورپین زبان میں سکھلایا جاتا ہے۔ اور سوئم پیشہ کے سکول اور کالج جیسے کہ مدرستہ الحقوق (قانون) مدرسہ الطب (میڈیکل کالج) مہندس خانہ (انجینرنگ کالج) دار العلوم (ٹریننگ کالج) جو بالکل یورپین کالجوں کے نمونہ پر ہیں۔ اور چند خاص سکول مثل مدرسہ زراعت یعلاج المویشی۔ مدرستہ الصنائع (ٹیکنیکل سکول) مدرسہ تعلیم پولیس و مدرسہ تعلیم فوج بھی ہیں کہ جنکے کورس کم و بیش کسی ایک یورپین زبان میں ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا کالجوں کی نسبت کمتر لیاقت کے لوگ ان میں داخل ہو سکتے ہیں۔

انگریزی اور فرانسیسی کا مقابلہ

پہلے پہل خدیو محمد علی پاشا نے ۱۸۳۶ء میں مصر میں تعلیم کی بنیاد رکھی اور کئی طالبعلموں کو فرانس میں تعلیم پانے کو بھیجا۔ اور فرانسسی مدرسوں کی زیر نگرانی ہی مصر میں تعلیم کا سلسلہ جاری کیا۔ اسلئے اہل مصر نے جو کچھ تعلیم یورپین علوم و فنون میں حاصل کی وہ فرانسیسی زبان میں ہی تھے جسوقت محمد علی پاشا نوجوان مصریوں کو تعلیم پانیکے لئے فرانس میں بھیجا کرتا تھا اُسوقت

جاپانیوں کو اس بات کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ کہ انہیں بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے لئے یورپ میں بھیجنا چاہئے۔ جو آج یورپ اور امریکہ میں تعلیم پانے میں ساری دنیا میں سر برآوردہ ہیں محمد علی اور اُسکے ایک آدھ جانشین کی نظر میں تو یورپ کی عمدہ تعلیم کا اسقدر اثر تھا کہ اُنہوں نے پیرس میں ایک خاص مدرسہ مصری طلباء کی تعلیم کے لئے جاری کیا تھا جسمیں دینیات اور اخلاق اسلامی کی تعلیم دینے کیلئے علمائے مصر بھیجے جاتے تھے۔ بہرحال جسطرح ٹرکی اور ایران میں مغربی علوم وفنون کا ذریعہ فرانسیسی زبان تھی ویسے ہی مصر میں تھی چنانچہ جب انگریزوں نے مصر پر قبضہ کیا تو دو تین فیصدی طلبائے انکی زبان بھی سیکھنی شروع کردی لیکن اب جبکہ بذریعہ معاہدہ فرانسیسیوں کا پولیٹیکل رسوخ مصر سے کم ہوگیا ہے۔ ۱۹۰۶ء میں نوے فیصدی طلبا وزارت تعلیم کے مدرسوں اور کالجوں میں انگریزی زبان میں تعلیم پانے لگے اور ۳ فیصدی فرانسیسی پڑھنے والے رہگئے۔

تعلیم کی ترقی ۱۸۸۴ء تک تعلیم مفت تھی اور اکثر طلبا سرکاری خرچ سے کھاتے پہنتے اور گذارہ کرتے تھے لیکن اس سال سے یورپین تعلیم پر کچھ نہ کچھ فیس لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں ۸۶ فیصدی طلبائے مدارس سرکاری بمقابلہ ۱۸۸۱ء کے ۳ فیصدی کے فیس ادا کرتے تھے اور سکول فیس کی آمدنی ۱۸۸۱ء کے ۲۳۲۳ پونڈ سے ۱۹۰۶ء میں ۱۰۷۰۰۰ پونڈ تک بڑھ گئی۔

کُتّاب مصر میں قدیم زمانہ سے ایسے دیسی مکتب دیہات میں چلے آتے ہیں جیسے کہ ابتک ہندوستان میں بھی جاری ہیں کہ جنمیں میاں جی مسجد میں بیٹھکر قرآن یا کسی کتاب کا سبق دیتے ہیں۔ اور یہی کُتّاب کہلاتے ہیں۔ ۱۸۹۵ء میں ایسے دسہزار مدرسے تھے جنمیں دو لاکھ طلبا پڑھتے تھے مگر انپر محکمہ تعلیم کی کوئی نگرانی نہ تھی۔ اب محکمہ تعلیم نے گرانٹ اِن ایڈ کے وعدہ سے انکا معائنہ کرنا شروع کیا ہے چنانچہ ۴۳۲ سے زیادہ ایسے مدرسے حکام تعلیم کی نگرانی میں آگئے ہیں اور علم دوست محبان وطن کی فیاضی سے گذشتہ چند سالوں میں ایکہزار کُتّاب نئے قائم ہوئے ہیں

علاوہ اسکے سررشتہ تعلیم نے ایسے مدارس کے مدرسین کی تعلیم کے لئے تیس مرکزوں میں ہفتہ وار جماعتیں قائم کی ہیں۔ اور تین نارمل سکول مردانہ مدرسوں اور ایک زنانہ مدرسوں کے لئے جاری کئے ہیں لیکن ابھی تک مصری مصر بن سطمئن نہیں ہیں۔ جو ان کے مزید علمی اشتہا کا ثبوت ہے۔

مقدار تعلیم ۳۱۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو سرکاری نگرانی میں آٹھ مختلف پیشوں کی تعلیم کے کالج چار خاص ٹیکنیکل سکول ۳ سیکنڈری اور ۴۳ پرائمری سکول تھے جنمیں بتمامہ یا ایک حد تک فرانسیسی یا انگریزی میں تعلیم دیجاتی تھی۔ ان میں ۷۴۸ مدرسین اور ۱۲۰۳۱ اشاگرد تھے۔ جنمیں ۳۰۷۰ لڑکیاں تھیں۔ انکے علاوہ سات خاص ٹیکنیکل اور ۱۰۹ پرائمری تھے جنمیں صرف عربی زبان میں تعلیم ہوتی تھی۔ ان میں ۵۲ استاد اور ۸۳۵۰ شاگرد تھے (جنمیں ۱۹۰۲ لڑکیاں تھیں) اور ۱۳ پرائیوٹ پرائمری سکول ۲۳۴۴ کتاب جنہیں سرکاری افسران تعلیم معائینہ کرتے ہیں۔ انکے علاوہ ہیں پھر کچھ اور پرائیویٹ سکول مخیر اسلامی اور عیسائی انجمنوں اور جماعتوں کے ہیں کہ جو مندرجہ بالا اعداد میں شامل نہیں۔ اور ان میں بھی سرکاری مدارس کے نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی ہے۔

جامع الازہر میں ۹۷۵۸ طلبا جو علوم دین کی تعلیم ۳۱۷۔ اُستادوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اور جامع الاحمدی طنطا میں ۵۱٫۱۱ طلبا ستر اُستادوں سے علم دین پڑھتے ہیں۔ وہ علیحدہ ہیں۔

نصاب تعلیم واضح رہے کہ مصر کے ان سرکاری ابتدائی (مڈل) اور تجہیزی یا ثانوی (ہائی) سکولوں میں نصاب تعلیم حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہے:-

مدارس ابتدائی امیری (سرکاری)	مدارس ثانوی امیری (سرکاری)
القرآن والاسلام	الترجمہ
اللغۃ العربیہ	اللغۃ العربیہ
الترجمہ	الانگلزیہ (اوالفرانسیہ)

الخط	الریاضیات
الحساب	الجغرافیہ
الہندسہ (مبادی قلیلہ)	التاریخ
الانگلیزیہ (او الفرانسیہ)	الطبیعیات
دروس الاشیاء	الکیمیا
الجغرافیہ والرسم (مصوری)	الرسم (مصوری)
التاریخ (مبادی قلیلہ)	التمرین العضلی (ورزش)

مسلمانوں میں دینی تعلیم کی ابتدا

مسلمانوں کے مدارس صدر اسلام اور اسکے بعد وسط حتیٰ کہ پچھلے زمانوں تک بھی مسجدوں کے ضمن میں شامل رہے اور جسطرح عیسائیوں کے مدرسوں کا تعلق انکے کلیسوں اور خانقاہوں سے ہوتا تھا۔ اسی انداز پر اہل اسلام کے مدارس بھی انکی عبادتگاہوں کے ساتھ وابستہ رہتے چلے آئے۔ اور ابتدا میں استاد کے گرد بیٹھکر علوم کے درس سننے والے طالبعلموں کی نشست کا نام "حلقہ" تھا۔ زمانہ کے ساتھ اسلامی علوم کی شاخیں بھی بڑھتی گئیں اور انکے دائرے وسیع ہوتے گئے یہانتک کہ ایک ہی علم کے کئی کئی حلقے ہونے لگے اور ہر حلقہ میں اسکی کوئی نہ کوئی شاخ سکھائی جاتی تھی۔ بالعموم حلقہ ہائے درس کی نسبت استادوں کے نام سے ہوا کرتی تھی۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ابی اسحٰق شیرازی کا حلقہ جامع المنصور میں ہے یا اسیطرح اور حلقوں کا نام لیا جاتا۔ پھر اسکے ساتھ ہر ایک مسجد میں شائقین علم کے مطالعہ اور کتابیں نقل کرنیکے لئے کتب خانہ بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں کچھ اسکی خصوصیت نہ تھی کہ علمی مشاغل کے لئے مسجدیں ہی استعمال کی جائیں بلکہ اکثر حالتوں میں شفاخانوں اور لوگوں کے مکانوں وغیرہ میں بھی حلقہ ہائے درس قائم ہوتے تھے۔ مصر کا ملک پہلی صدی ہجری میں اسلامی وسیع مملکت کا ایک صوبہ تھا۔ جو مدینہ دمشق اور بغداد کی دار الخلافتوں کا یکے بعد دیگرے براہ راست ماتحت رہا۔ اسلئے اسمیں

تعلیم کا درجہ سیکنڈری (اوسط) سے نہیں بڑھ سکا۔ یہانتک کہ چوتھی صدی ہجری کے آغاز تک۔ مصر کے پائے تخت یا صدر میں صرف دو بڑی مسجدیں جامع عمرو اور جامع ابن طولون ہی ایسی درسگاہیں تھیں جہاں مذہب اہلسنت کے مطابق اسلامی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ کیونکہ اسوقت مصر کا ملک سلطنت عباسیہ کا ماتحت صوبہ تھا۔ مگر جسوقت اسی صدی کے وسط میں مصر پر بنی فاطمہ کا قبضہ ہوا اور انہوں نے اپنی سلطنت کا مرکز یہاں منتقل کر کے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی تو وہاں ایک مسجد بھی اپنے مذہب شیعہ کی تعلیم کے لئے بنوائی جسکا نام الازہر ہوا۔

جامع ازہر اور اسکا مدرسہ

جامع ازہر کی تعمیر سپہ سالار جوہر فاتح مصر کے ہاتھوں ۳۵۹-۶۱ھ ہجری میں سرانجام پائی۔ یہ شخص خلفائے بنی فاطمہ کا نامور سپہ سالار تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اور اسی نے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ملک مصر کو فتح کر کے یہاں خلافت فاطمیین کے قدم جما دیئے۔ الازہر کی تعمیر سے غرض دینی شعائر کا قائم کرنا اور شیعہ علویہ کے مذہب کو قوت پہنچانا تھی۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اسلامی سلطنت میں ملکی حکمرانی کے ساتھ مذہب کو ملانا چلانا آغاز ہو چلا تھا۔ علوی شیعوں نے عباسی حکمرانوں کے ہاتھوں قتل اور جلاوطنی کی سخت آفتیں جھیلی تھیں۔ اسی لئے جسوقت خوش قسمتی سے وہ ملک مصر پر قابض بن بیٹھے تو انہوں نے اپنی عظیم الشان حکومت کا مرکز اسی ملک کو بنا لیا اور اپنی فوج کے واسطے شہر قاہرہ کی اور اپنے مذہب کو قوت دینے کے لئے جامع الازہر کی بنیاد ڈالی۔ ان دنوں مصر والوں کا مذہب زیادہ تر امام شافعی کی پیروی کرتا تھا۔ اسلئے کہ امام موصوف نے اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی ملک میں بسر فرما کر یہیں دنیا سے رحلت کی۔ چنانچہ شہر قاہرہ کے اطراف میں انکا مقبرہ ایک مشہور چیز ہے۔ فاطمی خلفا بھی امام شافعیؒ کے مذہب کو اچھا مانتے تھے۔ بخلاف بنی عباس کے کہ وہ امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کی پیروی کرتے تھے۔ خلفائے بنی فاطمہ اور اہل مصر میں مذہبی موافقت کا ہو جانا فاتح لوگوں کو اپنا سکہ حکومت جما سکنے کا بہت بڑا

موقع دیگیا۔

ازہر میں تعلیم کی ترقی

علماء اور فقہاء کو دربار میں اعزاز کے ساتھ شریک کیا جانا اس امر کا موجب ہوا۔ کہ اسلامی دنیا کے دور دراز گوشوں سے اہل علم مصر میں کھنچکر آگئے جنکو خلفائے مصر کی طرف سے بیش قرار تنخواہیں اور روزینے دیئے گئے۔ اُن علماء کی مجلسیں زیادہ تر دستور زمانہ کے موافق الازہر ہی میں ہوا کرتی تھیں اور وہیں انکے درس کے حلقے طالبان علم کی فیض رسانی کیلئے قائم ہوتے تھے۔ خلقت اُنکے سرچشمہ ہائے علوم سے سیراب ہونیکے لئے اس کثرت سے آتی تھی کہ جگہ میں قلت ہو جاتی۔ اسلئے روز بروز ہر سمت میں نئی عمارت بڑھا بڑھا کر مسجد کو وسیع کیا جانے لگا۔ اور اُسکے حجرے اور مکانات کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی ہی گئی۔ حتی کہ اسوقت الازہر کی وسعت تقریباً ۱۲۰۰۰ میٹر مربع ہے جو پہلے اسکے نصف سے بھی بدرجہا کم تھی۔ کئی مرتبہ اُسکے ستونوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ ورنہ پہلی تعمیر میں اسکے صرف ۷۶ ستون تھے جو آج ۳۷۵ ہیں جو اسکے مختلف حصوں میں متفرق طور پر واقع ہیں۔ اور دروازے نو ہیں۔ ابتداءً علماء اور فقہاء کو خلفاء کیطرف سے بے اندازہ اور غیر مقرر وظائف ملا کرتے تھے مگر جب عزیز باللہ دوم فاطمی خلیفہ مسند نشین خلافت ہوا تو اس نے ۳۶۵ھ میں اپنے وزیر یعقوب بن کلس کو فقہا کی تنخواہیں مقرر کرنیکا حکم دیا۔ اور یہ بھی ہدایت کی کہ مسجد کے قریب ہی انکی سکونت کے لئے مکانات بنوا دیئے جائیں۔ یہ علماء پہلے پہل مسجد میں صرف نماز جمعہ ادا کرنے اور شیعہ مذہب کا علم فقہ پڑھانے اور وعظ و مباحثہ کرنیکے لئے آیا کرتے تھے مگر بتدریج اُنہوں نے وہاں مستقل تعلیم دینی شروع کر دی جسکی وجہ سے جامع ازہر ایک اعلیٰ درجہ کا مدرسہ بنگیا۔ اور اسکی آمدنی کے سرچشمے خلفاء اور امراء کے اوقاف تھے جنکی آمدنی آج بیس ہزار گنی سالانہ کے قریب اندازہ کیجاتی ہے۔

ازہر کے علوم

دو سو سال تک جو بنی فاطمہ کی خلافت کا زمانہ تھا جامع ازہر شیعہ مذہب ہی کا مدرسہ رہی۔ یہانتک کہ ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر پر تسلط کیا

یہ سلطان سنی المذہب تھا اور اُسے بغیر اسکے مفر نہ تھا کہ کسی خلیفہ کی بیعت کر کے اس سے فرمانِ حکومت حاصل کرے اسلیئے اس نے بغداد کے عباسی خلیفہ سے بیعت کرلی اور اسکے نام کا خطبہ جامع الازہر میں پڑھا۔ صلاح الدین امام شافعی کا پیرو تھا اُسکو مصر کے مروجہ طریقہ تعلیم میں کچھ زیادہ تغیر و تبدل کی زحمت اُٹھانی نہیں پڑی اور لوگوں نے بڑی آسانی کے ساتھ اسکی حکومت کو قبول کرلیا۔ مگر باوجود اسکے صلاح الدین کو خلفائے عباسیہ کے مذہب کا لحاظ کرنا بھی ضروری تھا اور وہ ابیحنیفہ کا مذہب تھا جسکے لیئے اُس دانا اور مدبر حکمران نے یہ موزون ترکیب سوچی کہ تمام مسلمانانِ عالم کو اپنا دوست بنالے اور انکو اپنی طرف سے حسن ظن دلائے۔ لہذا اس نے جامع الازہر میں چاروں مذہب اہل سنت کی تعلیم جاری کردی اور ہر ایک کے اُستادوں کو وہاں اپنے حلقہ ہائے درس کھولنے کی اجازت دے دی۔ ابتو جامع الازہر کی شہرت پر لگاکے اُڑ نکلی۔ اور چاردانگ عالم سے طلبہ کی آمد شروع ہوگئی ایسے وقت میں ضرورت ہوئی کہ اس مدرسہ کو اسلامی دارالعلوم کی حد تک ترقی دیجائے اور مزید براں علوم ریاضی نجوم اور کچھ علوم طبعیات کو بھی اس میں داخل کیا جائے۔ سلاطین ایوبی اور اُنکے ممالیک کے عہد میں جامع الازہر کی حالت اسیطرح رہی یہانتک کہ سلطان سلیم خان فاتح عثمانی نے مصر پر تسلط کرلیا۔ اور دسویں صدی ہجری کے آغاز میں اُسے سلطنت عثمانیہ کا ایک جزو بنالیا۔ اس عہد میں ممالیک امیروں نے ایسی ظالمانہ حکومت کا ڈھنگ ڈالا کہ مصری لوگ مجبوراً علمی مشغلہ سے دست کش بن بیٹھے۔ اُن دنوں تمام اسلامی قلمرو میں عربی عنصر کا حال ابتر ہوگیا تھا۔ مگر مصر میں ازہر کا دارالعلم عربی زبان کی کشت میں آبیاری کرتا اور اُسے دینی اور زباندانی کے علوم کی تعلیم جاری رکھکر زندہ رکھنے پر کمربستہ تھا۔ مگر ساتھ ہی اس میں اتنی کمی اور خرابی بھی آگئی تھی کہ اسکی تعلیم کا انحصار انہی علوم میں رہگیا اور دیگر علوم یعنے ریاضی اور طبیعی علوم یہاں سے قطعاً اُڑ گئے۔ الازہر نے عربی زبان کے زندہ رکھنے کا احسان صرف ملک مصر اور اسکے قرب وجوار کے عربی ممالک تک ہی

محدود نہیں رکھا تھا۔ بلکہ اسکا فیض تمام اسلامی ممالک کے لیئے عام و تام تھا۔ اور اس یونیورسٹی میں ترکستان۔ مغرب۔ قفقاز۔ یمن۔ زنجبار۔ ہند اور افغانستان وغیرہ ملکوں سے بھی طالب علموں کی جماعتیں حصول علم کے لئے آیا کرتی تھیں۔ لوگوں کے اس تعلیم گاہ پر مائل ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں تعلیم بالکل مفت دیجاتی تھی اور طلبہ کو خوراک۔ لباس اور مکان کے علاوہ جیب خرچ تک سے مدد ملتی تھی۔ اور علاوہ بریں یہاں کے استادوں کی قابلیت کی شہرت نے درحقیقت اسے ایک بڑا ٹکسالی مدرسہ بنا دیا تھا اور اسلام کی وسط کی صدیوں میں جتنے بڑے بڑے مسلمان عالم نکلے وہ سب اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ اس مدرسہ کے سند یافتہ طلبہ کو دنیائے اسلام کے تمام دیگر مدارس کے سند یافتہ لوگوں پر خاص فضیلت ہوتی تھی۔

علوم عقلیہ کی تعلیم کیطرف توجہ

بغاوت عربی پاشا کے بعد ملک مصر میں دوسرا علمی دور ترقی آغاز ہونے تک ازہر میں صرف دینی اور زباندانی ہی کے علوم پڑہائے جاتے رہے۔ مگر بعد میں حکّام کا خیال اسطرف رجوع ہوا کہ اس عالیشان دار العلم میں جدید علوم بھی جو نئے زمانہ کی تحقیقات کے نتائج اور موجودہ یورپین تمدّن کی جان ہیں داخل کئے جائیں۔ لیکن انہیں یہ خوف بھی تھا کہ اگر یک بیک ایسی اصلاح کر دیگئی تو لوگ قدامت پرستی کے خیال سے بگڑ بیٹھیں گے اور کج فہمی کے باعث ان علوم کا پڑھنا پڑہانا کفر قرار دینگے لہذا حکومت نے پہلے یہاں کے بڑے بڑے علمائے سے فتوے لینا مناسب تصور رلیا اور شیخ محمد انبابی شیخ جامع ازہر اور شیخ محمد بنا مرحوم مفتی ملک مصر سے استفتا کیا کہ آیا مسلمانوں کو علوم ریاضیہ مثل ہندسہ حساب ہیئت۔ طبیعیات اور کیمیا وغیرہ فنون کا پڑہانا جائز ہے یا نہیں"۔ ذیحجہ ۱۳۰۵ھ شیخ محمد انبابی مرحوم نے ان علوم کے پڑہانیکے جواز کا فتویٰ مع انکے فوائد کی وضاحت کے دیدیا اور مفتی شیخ بنا مرحوم نے بھی اسکی تائید کر دی۔

مضامین درس

اسکے بعد مرحوم شیخ محمد عبدہ اصلاح ازہر کے لئے کمربستہ ہوئے اور انہوں نے حکومت کو ادہر توجہ دلائی۔ مگر یہ سب کوششیں ناکام رہیں۔ کیونکہ

ابتک ان علوم میں سے چند کے سوا اور وہ بھی تھوڑے عرصہ سے اس دار العلم میں داخل نہ ہو سکے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل علوم اسوقت الازہر میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور بلحاظ وسائل اور مقاصد کے دو قسم کے قرار پاتے ہیں۔ وسائل یہ ہیں:۔ نحو۔ صرف معانی بیان۔ بدیع منطق۔ مصطلح الحدیث۔ حساب۔ جبر و مقابلہ۔ عروض اور قافیہ۔

اور مقاصد سے وہ علوم مراد ہیں جنکو وسائل کے بعد اصل غرض تحصیل قرار دیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ علم کلام۔ اصول فقہ۔ علم اخلاق دینیہ۔ تفسیر قرآن۔ فقہ ہر چہار مذاہب۔ اور حدیث۔ یہ سب علوم دوسرے علمی دور ترقی سے قبل الازہر میں پڑھائے جاتے تھے۔ اور اب انپر اتنا اور اضافہ ہوا ہے۔

انشا پردازی۔ جغرافیہ۔ لٹریچر اور زبان علوم عقلیہ۔ مبادی۔ ہندسہ۔ خط۔ اور اگر ان کتابوں کے ناموں پر نظر ڈالی جائے جنکے ذریعہ سے ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے، تو معلوم ہوگا کہ نصاب تعلیم میں اکثر قدیم کتابیں ہی داخل ہیں جنکے بدلنے اور ترمیم کرنیکی بیحد ضرورت ہے تاکہ نصاب موجودہ زمانہ کی ضرورت کا ساتھ دے سکے۔ اگرچہ مرحوم شیخ محمد عبدہ کی جد و جہد ترقی الازہر میں ناکام رہی تاہم انہوں نے طلبہ کے دلوں میں تاریخ اور طبیعیات وغیرہ علوم جدیدہ کے مطالعہ کا شوق ضرور پیدا کر دیا۔ جسکی وجہ سے اب بعض طلبا کسیقدر ان علوم کی کتابیں دیکھتے اور آزادی بحث اور خواہش وسعت معلومات اور مفید علوم میں تمیز کرنیکی صفات سے بہرہ ور ہو گئے ہیں۔

ازہر کے طلبہ اور اُسکے بورڈنگ

اسوقت ازہر میں دس ہزار سے زائد طالبعلم باعتبار سکونت مختلف گروہوں پر منقسم ہیں اور ہر ایک فرقہ مسجد کی چھت یا پڑوس کے ایک مکان میں رہتا ہے جسکے اندر بہت سے حجرے ہیں۔ اور یہ مکان رواق کہلاتے ہیں۔ الازہر میں ایسے ۲۷ رواقیں ہیں منجملہ اُنکے ۱۱ خاص سرزمین مصر کے باشندوں کے لیئے ہیں جنکی تقسیم شہروں یا مذاہب کے لحاظ سے حسب ذیل ہے:

(۱) رواق الصعائدہ۔ اس میں صعید (بالائی) مصر کے باشندے رہتے ہیں۔

(۲) " البحیرہ۔

(۳) رواق الفیوسیہ۔
(۴) " الطیبرسیہ - اس میں مغربی کمشنری کے بعض باشندے رہا کرتے تھے۔
(۵) " الاقبغاویۃ - غربیہ اور منافیہ والوں کے لئے۔
(۶) " الحنفیہ - مصر کے حنفی لوگوں کے لئے۔
(۷) " الفشنیۃ - فشن کے لوگوں کے لئے۔
(۸) " ابن معمرؔ - اسمیں وہ لوگ رہتے ہیں جو کسی خاص علاقہ کے باشندے نہیں۔
(۹) " اشراقوہ - شرقیہ والوں کے واسطے۔
(۱۰) " الحنابلہ - مصر کے حنبلی باشندوں کے واسطے۔
(۱۱) " العباسی - یہ کئی ایک رواقوں سے مرکب ہے۔

اور باقی رواقوں میں باہر سے آنیوالے طلبہ رہتے ہیں۔

(۱) رواق الحرمین - اہل حجاز کے لئے۔
(۲) " دکارنہ دارفور " دارفور " (سوڈان)
(۳) " الشوام - اہل شام کے لئے۔
(۴) " جاوئی - اہل جاوہ "
(۵) " سلیمانیہ - " افغانستان "
(۶) " مغاربہ - " مغرب "
(۷) " السناریہ - " سنار " (سوڈان)
(۸) " الاتراک - " ترکوں "
(۹) " الدکارنۃ البرونیہ - اہل بورنو (سوڈان) کے لئے۔
(۱۰) " الجبرت - مسلمانان حبش کے لئے۔
(۱۱) " الیمن - یمن اور حضرموت والوں کے واسطے۔
(۱۲) " الاکراد - کردوں کے لئے۔
(۱۳) " الہنود - اہل ہندوستان کے لئے۔

(۱۴) رواق البغدادیہ - اہل عراق کے لئے۔

(۱۵) " دکارنہ صلیح - ساکنان صلیح (سوڈان) کے لئے۔

(۱۶) " البرابرہ - اہل نوبیا کے واسطے۔

ان رواقوں کی وسعت ان کے رہنے والوں کے لحاظ سے کم وبیش درجے رکھتی ہے، رواقوں کے متعلق اسقدر اور معلوم کرنا ضروری ہے کہ کوئی طالب علم اپنے ملک یا مذہب کے رواق کے سوائے کسی دوسرے رواق میں پناہ نہیں پاسکتا خواہ کسی دوسرے رواق میں کتنی گنجائش ہو۔ اور اسکے اپنے رواق میں گنجائش نہو جبتک اسکے رواق میں گنجائش نہ ہو وہ کسی دوسرے طالب علم کے مرنے یا چلے جانے تک امید وار رہیگا۔ اور شہر میں کسی دوسری جگہ اپنی اقامت کا انتظام کریگا چنانچہ بہت سے طلبائے الازہر اسیطرح گذر کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ان رواقوں میں رہتے ہیں انہیں ان رواقوں کی آمدنی کے مطابق کم وبیش نقد جیب خرچ اور ایک روز چھوڑ کر ہر دوسرے روز پانچ پانچ روٹیاں بلا سالن ملتی ہیں۔ بعض رواقوں کی قلت آمدنی (سرمایہ) کی وجہ سے انکے طلبار کو صرف روٹیاں ملتی ہیں اور نقد کچھ نہیں ملتا۔ سب سے بڑی رواقیں ترکوں شامیوں مغربیوں اور صعید والوں کی ہیں کہ جنمیں بہت طلبار کی گنجائش ہے۔ اور ان رواقوں کے وقف سے طلبار نصف گنی یا دو دو تین تین مجیدی ماہوار نقد بھی ملتی ہیں۔

سادہ روٹیاں تقسیم کرنا

روٹیوں کی تقسیم اسطرح کیجاتی ہے کہ ایک مقررہ وقت پر کہ طلبا کی ایک جماعت صف باندھکر مسجد کے سامنے کے بازار میں کھڑی ہوجاتی ہے اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں کہ جنہیں طلبار اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے ہیں۔ اسطرح کئی گھنٹوں میں تمام طلبار کو روٹیاں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ اور وہ بیچارے اپنے لئے سالن کا خود انتظام کرتے ہیں۔ مینے تو اکثر طلبار کو مولیوں یا سلاتا (سلاد) یا گاجروں کی کانجی یا چٹنی سے روٹی کھاتے دیکھا ہے روٹی کھانیوالے طلبار کو اسوقت دو ماشکی مسجد کے اندر پانی پلاتے پھرتے تھے۔

اور ہر طالب علم ماشکی کو ایک ٹکڑا روٹی کا توڑ کر دیدیتا تھا۔ جو ایک روپیہ سے بڑا نہ ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ جو طلبار اسطرح روٹیاں پاتے ہیں اور ایسی بے سرو سامانی میں کھاتے ہیں ان میں کیا غیرت علو حوصلگی اور دیگر اعلےٰ اسلامی شعار پیدا ہو سکتے ہیں۔

طلبا کی ناگفتہ بہ حالت میں شیخ عبدالحلیم آلنسی مقیم رواق الشام (جامع ازہر) کے نام بیروت سے ایک معرفت کا خط لایا تھا۔ مگر پھر معلوم ہوا کہ کسی معرفت کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے روز جب میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ تخمیناً پانچ چھ ہزار ہر عمر اور ہر رنگ اور قوم کے طالبعلم موجود تھے۔ جو اکثر کھانے اور بعض پڑھنے میں مصروف تھے۔ سات سال کے بچوں سے لیکر ستر سال کے بوڑھوں تک یہاں بیٹھے نظر آتے تھے۔ کیسی بیقاعدگی سے یہ لوگ پڑھتے تھے۔ مسجد کے وسیع صحن میں کہیں ایک کہیں دو کہیں چار یا تو سر اور تمام جسم ہلا ملا کر چلاتے تھے۔ یا روٹیاں نگلتے اور گپیں ہانکتے تھے۔ اتنے میں مسجد کے دو میں سے ایک بلند مینار سے شام کی اذان سنی گئی۔ ہر طرف دس دس پندرہ پندرہ بیس بیس آدمیوں کی جماعتیں نماز کے لئے کھڑی ہوگئیں۔ لیکن آدھے سے بہت زیادہ طلبار نے نماز کی پرواہ نہ کی اور کھانے اور باتیں کرنے میں مصروف رہے اور بعض مسجد کے باہر بھی جاتے آتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے ان میں سے اکثر اسی صحن میں رات کو پڑ کر سو رہتے ہیں۔ اور اپنا مختصر سا سامان ان سینکڑوں چھوٹی چھوٹی الماریوں میں رکھا کرتے ہیں جو دیواروں میں لگی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ طلبار میں کوئی مستقل جماعت بندی ہے نہ وقت کی پابندی نہ رجسٹر حاضری۔ نہ سالانہ امتحان کی قید۔ اسلئے بعض لوگ ساری ساری عمریں ازہر ہی میں خرچ کر دیتے ہیں اور کسی منزل تک نہیں پہنچتے۔

طلبا کے مذاہب طلبار کی زیادہ تعداد شافعی مذہب کی پابند ہے۔ ۱۹۰۲ء میں ہمبرگ کی کانفرنس السنہ مشرقیہ میں مصطفےٰ بک بیرم نے جو تقریر کی اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس سال الازہر کے طلبہ کی تعداد ۱۰۴۰۳ تک پہنچی ہوئی تھی جو باعتبار مذاہب بتفصیل ذیل منقسم ہوتے تھے۔ شافعی المذہب (۵۶۹۴) حنفی المذہب (۲۹۵۱) مالکی المذہب (۲۶۵۴) حنبلی المذہب ۲۹۔ اور ان طلبہ میں زیادہ تعداد کے خاص مصری باشندے تھے۔ کیونکہ غیر ملکی طلبہ کی تعداد ۱/۱۲ سے زائد نہیں ہوتی اور اسکی تفصیل یہ ہے:۔

مصری طلبہ	۹۲۵۸	شامی طلبہ	۲۶۴
مغربی "	۱۲۰	ترک "	۱۰۴
سوڈانی "	۵۷	بربری "	۴۵
کُردی "	۹	حجازی "	۷
جاوی "	۷	حبشی "	۶
افغانی "	۵	ہندی "	۳
بغدادی "	۲	میزان کل	(۱۰۴۰۳)

امتحانات سندات اور مدرسین الازہر کی تعلیم تین درجوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ (۱) ابتدائی (۲) ثانوی (۳) انتہائی تینوں درجوں میں بارہ سال صرف ہوتے ہیں۔ یہ امتحانات چھ علما جمع ہو کر لیتے ہیں اور کامیابی پر جو سندیں دیتے ہیں۔ وہ تین قسم کی ہوتی ہیں:۔ اول۔ "شہادۃ المعافاۃ" یہ اس طالب علم کو ملتی ہے جو تین سال الازہر میں رہا ہو۔ اور اس نے اس مدت کی تعلیم کا لازمی امتحان دیا ہو۔ دوم۔ "شہادۃ الاہلیہ" یہ طالبعلم کو اُسوقت دیجاتی ہے جبکہ وہ آٹھ سال کم از کم الازہر میں رہکر اس مدت کی خواندگی کا امتحان دے چکا ہو۔ اور یہی وہ اصلی سند ہے جو جدید نظام تعلیم کے داخل کئے جانے سے قبل عطا ہوتی تھی اور اسکا مدعا یہ ہوتا تھا کہ سند یافتہ لوگ مسجدوں کی امامت خطبہ خوانی اور وعظ و نصیحت ارشاد و ہدایت کر سکیں کیونکہ ایسے ذمہ دار عہدوں پر علما اور پھر لائق علما نہ ہوں تو عوام کے عقائد میں سخت تزلزل آجاتا ہے نیز یہ امام مساجد میں عام لوگوں کو درس دینے کی اجازت رکھتے تھے مگر الازہر کی مدرسی کے

لایق نہیں سمجھے جاتے تھے۔ اور تیسری شہادۃ العالمیۃ طالبعلم کو اسوقت ملتی تھی جبکہ اس نے کامل ۱۲ سال الازہر کی تعلیم و تربیت سے فیض حاصل کر لیا ہو اور ایسا سند یافتہ خاص الازہر میں بھی تعلیم دینے کے قابل تصور کیا جاتا تھا۔ ازہری مدرسوں کی تنخواہ کے تین درجے ہیں۔ ڈیڑھ سو۔ ایک سو اور پچھتر قرش۔

الازہر کا انتظام اگرچہ الازہر میں طالبعلموں کی اسقدر کثرت ہے تاہم سالانہ امتحانوں میں ہر سال معدودے چند ہی لوگ سند لیکر نکلتے ہیں ورنہ اکثر طلبہ امتحانات کا وقت آنے سے پہلے ہی مدرسہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف وہ لوگ جنکو سرکاری ملازمتوں شرعی محکمۂ قضا یا مدرسی میں داخل ہونیکا شوق ہوتا ہے وہی امتحانات میں شریک ہوتے ہیں لیکن اب ہر سال امتحان دینے والوں کی تعداد ترقی کرتی جاتی ہے۔ مدرسین کی مجموعی تعداد ۲۵۵ ہے اور کل مدرسوں کے تینوں درجوں کے لئے جدا جدا ہی۔ کچھ علوم مقرر ہیں جنکو وہ پڑھاتے ہیں۔ باعتبار مذاہب مدرسین کی تقسیم حسب ذیل ہے:۔

شافعی المذہب مدرسین ۱۰۰۔ مالکی المذہب مدرسین ۷۷۔ حنفی المذہب مدرسین ۷۶۔ حنبلی مذہب مدرسین ۲۔ پہلے الازہر کے مشائخ آج سے کچھ ہی دنوں قبل تک وہاں کے معاملات میں خود مختار تھے اور جو چاہتے وہ انتظام کر لیتے لیکن ۱۳۱۲ھ میں حکومت نے ایک مجلس متعین کی جسکا نام مجلس ادارۃ الازہر ہے۔ اسکے پانچ ممبر ہیں جو بڑے بڑے علماء میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ اور انعقاد جلسہ کے وقت شیخ الازہر انکا صدر انجمن ہوتا ہے اب یہی مجلس علمی۔ اخلاقی اور مالی حیثیتوں سے الازہر کے انتظامی معاملات میں نگرانی کیا کرتی ہے۔ جب میں گیا تھا تو شیخ الازہر شیخ سلیم البشری المالکی تھے۔ شیخ الازہر کی تنخواہ ستر پونڈ بلحاظ شیخ الازہر اور پچاس پونڈ بلحاظ مفتی بلاد مصر۔ یعنے کل ایک سو بیس پونڈ یا اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کے قریب ہوتی ہے اور مصر میں انکے نام کی بڑی عزت ہے۔ جامع ازہر میں مختلف علوم و فنون کے بیس ہزار کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ جامع ازہر جسے تمام دنیا میں سب سے بڑی یونیورسٹی اور

مسلمانوں کے لئے قابل فخر و مباہات بیت العلوم کہا جاتا ہے ۔ اسمیں ہزاروں زندگیاں اور لاکھوں روپے سالانہ ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ آجکل اسکے اوقاف کی آمدنی بیس ہزار اشرفی سالانہ اندازہ کی جاتی ہے ۔

کتب خانہ خدیوی تیرہ سو سال کی اسلامی حکومتوں نے بغداد مصر اور دیگر بلاد اسلام میں جسقدر بہتر ہیں ذخیرہ قرآن ہائے مجید کا جمع کیا ہوگا اسمیں سے یقیناً بڑا حصہ کتب خانہ خدیوی میں موجود ہوگا۔ اس ذخیرہ میں نہایت مطلا خوشخط اور عجیب و غریب صنعت تحریر کے کلام اللہ موجود ہیں جو آئینہ دار گلاس کیسوں میں کھولکر رکھے گئے ہیں۔ انہیں میں ایک قرآن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ مصر کی مختلف مساجد کے کتب خانوں میں قدیم زمانہ سے جو قلمی کتابیں چلی آتی تھیں وہ سب اس کتب خانہ خدیوی میں جمع کردی گئی ہیں۔ اور انکی فہرست بڑے اہتمام سے گیارہ جلدوں میں چھاپی گئی ہیں۔ جنمیں سے سوائے دو آخری ترکی و فارسی کتابوں کے باقی عربی کتابوں کی فہرست کی جلدیں ہیں۔ مینے یہ سب فہرست کی جلدیں ۲۵ غرش کو خریدی تھیں۔ ان میں کل ساٹھ ہزار کتابوں کے نام درج ہیں۔ جنمیں سے ۳۰ ہزار عربی۔ چار ہزار فارسی ترکی اور جاوی وغیرہ زبانوں کی اور ۲۲ ہزار یورپین زبانوں کی ہیں۔ ۱۸۹۹ء میں اڑہائی ہزار عثمانی پونڈ سالانہ خرچ عملہ وغیرہ کتب خانہ کا تھا جسمیں ۱۶۶۴ پونڈ خرچ مستخدمین ۔ ۱۴۴۰ اوٹے ملازمین ۸۴ خرید کتب اور ۱۰۸ متفرق تھا۔ خدیو اسمٰعیل مرحوم نے اس کتب خانہ کے قیام کے لئے تین ہزار فدان (ایک فدان = ۴۲۰۰۸ ایکڑ) اراضی اپنی ذاتی جائداد سے وقف کردی تھی۔ کتب خانہ کا مہتمم ایک جرمن ہے۔ اور اسکے ماتحت مصری عالم ہیں۔

مصر میں آثار قدیم

آثار قدیم دیکھنے کے لئے ٹکٹ سلطان قائدبے اور خلفاء کے مقابر اور مساجد

دیکھنے کے لئے جو شہر کی مختلف حوالی میں ہیں۔ پہلے ڈاک خانہ سے دو دو غرش کے دو ٹکٹ خریدنے پڑے۔ جنکے پاس یہ ٹکٹ ہوں اُنہیں مقابر و مساجد کے معائنہ سے کوئی محافظ روک نہیں سکتا۔ یہ ٹکٹ محکمہ آثار قدیمہ نے جاری کئے ہیں اور یورپین سیاح ہی انہیں زیادہ خریدتے ہیں۔ ایک روز صبح سے دوپہر تک بڑی مستعدی سے میں گدھے پر سوار ہو کر پھرتا رہا۔ گدھے والا لڑکا اکثر گدھے کو تیز ہنکاتا۔ اور دوڑاتا تھا۔ ایک جگہ جب میں کھانا کھانیکے لئے ایک لوکنڈہ میں ٹھہرا تو گدھے والا لڑکا بھی بے تکلفانہ بن بلائے میرے ساتھ میز پر آ بیٹھا اور کھانا کھا کر برابر صابن سے ہاتھ دھوئے اور تولئے سے صاف کئے۔ اسکی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ مگر کمبخت سات بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک لگاتار میرے ساتھ دوڑتا پھرا۔

اُزبکیہ اُسے قاہرہ کا چاندنی چوک سمجھنا چاہئیے۔ یہاں اہل یورپ کے بڑے بڑے عالیشان ہوٹل مکانات۔ دوکانیں اور قہوہ خانہ میں جہازوں کی کمپنیاں اور بڑے بڑے تاجروں اور بنکوں کے دفاتر اور کونسل خانے سب یہیں ہیں۔ ٹامس کک سنز ایجنٹ کا دفتر اور شیفرڈ ہوٹل بھی یہیں ہیں۔ یہ چوک دیکھکر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی قاہرہ چھوٹا پیرس ہے اور کہ خدیو اسمٰعیل نے اِسے ایسا آراستہ کرنے میں ضرور بہت سا روپیہ صرف کیا ہوگا کہ جس نے مصر کو غیر قوموں کا غلام بنا دیا۔ جسطرح یورپین آبادی کے لئے ازبکیہ ہے اسیطرح دیسی آبادی میں خان خلیل ہے جو جامع سیدنا حسین اور جامع ازہر سے قریب ہی ایک نہایت ہی پُر رونق مسقّف بازار ہے

خان خلیل کہ جسمیں پیتل کے سادہ کار کام کرتے ہیں اور جسمیں بہت سے بیش قیمت کپڑوں شالوں اور زیورات کے بیچنے والے سوداگروں کی دوکانیں ہیں۔ بعض سندھی ہندوؤں کی بھی ہندوستان کے بہترین مال تجارت کی دوکانیں یہاں ہیں

عجائب گاہ الجیزہ الجیزہ کہ جسے مصری الگیزہ کہتے ہیں۔ دریا پار ایک قصبہ نواح مصر میں ہے کہ جہاں اجپٹالوجی کا بہترین عجائب گاہ ہے۔ اسمیں بہت سی ممیاں یعنے حنوط کی ہوئی لاشیں جمع ہیں۔ قدیم زمانہ میں اہل مصر کو کچھ ایسی

کیمیائی ترکیبیں یاد تھیں کہ وہ اپنی لاشوں کو کچھ مسالہ مل دیتے تھے کہ جسکی وجہ سے ہزارہا سال کی پورانی لاشیں سڑنے گلنے سے محفوظ رہتی تھیں۔ چنانچہ ہزارہا سال کی مدفون شدہ جو لاشیں اب برآمد ہوتی ہیں وہ جوں کی توں نظر آتی ہیں۔ البتہ مردوں کا گوشت تو خشک ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن ان کے ناخن اور بال بدستور اصلی صورت کے نظر آتے ہیں۔ جن علما نے مصر کے قدیم آثار تلاش کر کے سنگیں بتوں ممیوں آبجے زیورات پتھر کی تصویروں ہیروگلیفک حروف وغیرہ کی مدد سے ہزارہا سال کی نامعلوم تاریخ مرتب کی ہے انہوں نے علم تاریخ اور انسانی شائستگی پر بڑا احسان کیا ہے۔ انکے علم آثار عتیقہ مصریہ کو اجڈپالوجی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس عجائب گاہ میں جسقدر ذخیرہ اجپٹالوجی کا ہے دنیا کی کسی عجائب گاہ میں نہیں ہے پتھر اور لکڑی کے . . . . . . بت بہت سے موجود ہیں سکندر کے حکم سے یونانیوں نے جو سنگ مرمر کے فلاطوں کی مشبیہہ نہایت کاریگری سے بنائی تھی کہ جسکے پتھر کے بشرہ سے حکیم افلاطوں کی اشراقیت نظر آرہی ہے یہاں موجود ہے ایک اور بت سکندر اعظم کا اسوقت کا موجود ہے جبکہ اس نے مصر پر چڑھائی کی تھی۔ بعض بتوں کے کمرے مقفل تھے جنکی نسبت معلوم ہوا کہ انکی صورتوں سے آثار فحش نمایاں ہیں۔ اشیا کی قدامت کے لحاظ سے ہی دنیا کا کوئی میوزیم اس سے فائق نہ ہوگا۔

جامع محمد علی

ہر چند کہ مصر کی جامع الازہر سب سے مشہور مسجد ہے۔ کیونکہ اس میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ بڑے زور شور سے قدیم الایام سے جاری ہے ورنہ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی اور شان و شوکت کے قاہرہ کی بہت سی دیگر مساجد اس سے اعلیٰ ہیں۔ اسوقت سب سے نئی اور خوبصورت مسجد خدیو محمد علی کی ہے جو بہت بلندی پر قلعہ کے اندر پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے اور جسکو تعمیر ہوئے ساٹھ ستر سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ یہ بڑی شاندار مسجد ہے جسکے دو بلند مینار بہت دور سے نظر آتے ہیں۔ یقیناً اسکے بعد دنیا میں کہیں ایسی عالیشان اور اتنے صرف زر سے کوئی دوسری مسجد تعمیر نہیں ہوئی۔ اس مسجد کے اندر خدیو کی قبر ہے مسجد کے گرد کے

برآمدہ کے ہر دروازہ کے محراب پر مسجد کی تعریف میں ایک خوشخط عربی مصرعہ فارسی خط میں کندہ ہے۔ قسطنطنیہ کی مساجد کیطرح مسجد کے اندر چار بڑے پیل پایوں پر ایک بڑا گنبد اور اسکے گرد چار نصف گنبد ہیں۔ خوشخط کتبے اور نقش ونگار دل کھولکر کندہ کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے قریب اسی پہاڑی پر قلعہ کے اندر ایک سنگ خارا میں کھودا ہوا بہت گہرا کنواں ہے جسکو مصری بیر یوسف یعنی یوسف کے کنوئیں کے

بیر یوسف نام سے مشہور کرتے ہیں۔ یہ ۲۷۰ فیٹ سے زیادہ گہرا ہے۔ اور دریائے نیل کی سطح کے برابر اسکی گہرائی کی سطح ہے۔ اور کنوئیں کے گرداگرد ڈھلواں سیڑھیاں ہیں جس سے لوگ اسکے اندر اترتے ہیں۔ جب میں آدھے راستہ تک پہنچا تو وہاں ایک طرف دیوار میں ایک قبر نظر آئی۔ جو میرے ہمراہی عرب مجاور نے بتلایا کہ حضرت یوسفؑ کے ایک خادم کی ہے۔ اسکے بیر یوسف ہونے کی ایک یہ وجہ بتلائی جاتی ہے کہ ابو یوسف سلطان صلاح الدین نے اسے کھدوایا تھا اسلئے چاہ یوسف مشہور ہوگیا۔ ایک عرب خادم اور ایک موم بتی والا لڑکا میرے ہمراہ تھا میں تو گائیڈ کے کندھے پر ہاتھ رکھکر اترتا تھا مگر موم بتی والا لڑکا الٹے پاؤں اترتا جاتا تھا۔ نصف سے زیادہ گہرائی پر چوبی چرخ لگا ہوا ہے جو کبھی نیچے سے پانی کھینچتا ہوگا۔ سیڑھیاں اسلئے مٹی پھیلا کر ڈھلوان کر دیگئی تھیں کہ گدھے چرخ چلانیکو کنوئیں کے بیچ میں اتر سکیں۔

مزار امام شافعیؒ یہاں سے میں امام شافعیؒ کے مزار کی طرف گیا کہ جنہوں نے یہیں سنہ ۲۱۴ھ میں انتقال فرمایا تھا۔ امام صاحب کے مقبرہ کا گنبد عالیشان ہے۔ قبر کے گرد چوبی جنگلہ ہے جسمیں صدف کا عمدہ کام جڑا ہوا ہے جیسا کہ دستور ہے ایسے مزاروں پر صدہا مجاور پرورش پاتے ہیں اور مسافروں سے مانگ مانگ کر خیرات لیتے ہیں یہاں بھی ہیں۔ یہاں سے قریب ہی امام ابواللیث اور کئی صحابہ کے مقبرے بتائے جاتے تھے مگر میں دیکھ نہ سکا۔ سیدہ عائشہ نبوی کا مقبرہ بھی قریب ہی ہے۔

جامع طولون وغیرہ مصر میں سب سے قدیم مسجد سلطان احمد بن طولون کی ہے جیسا اس زمانے

ہیں آجکل کے پندرہ لاکھ روپے کے قریب صرف ہوا تھا جبکہ موجودہ شہر القاہرہ اسکے بانی گوہر نے تعمیر کیا تھا۔ اس سے بھی ایک سو سال پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی جو کہ مسجد کعبہ کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اسکے علاوہ مسجد حسن جو سنہ ۷۵۷ھ میں سلطان حسن نے تعمیر کرائی تھی۔ قاہرہ کی بہترین عمارات سے ہے۔ جامع الحکم۔ برقوق۔ سلطان قلاؤن الغوری وغیرہ مسجدیں قابل دید ہیں۔ سلطان حسن کی مسجد پر مشہور ہے کہ تین سال تک ہر روز نو ہزار روپیہ خرچ ہوا کرتا تھا۔ قاہرہ میں کل پانچسو کے قریب مساجد ہیں جنمیں سے قریب بیس پچیس کے نہایت قدیم اور قابل زیارت ہیں۔ میں نے ازبکیہ کے ایک فوٹوگرافر سے ان سب مشہور اور شاندار مساجد کے فوٹوگراف خرید لئے تھے۔ افسوس ہے کہ اب ان میں سے جامع عمرو جامع طولون وغیرہ بعض مساجد بالکل شکستہ اور بے مرمت پڑی ہیں۔

اہرام مصر اور انکی قدامت

مصر میں کوئی چیز بھی اتنی عجیب نہیں جتنے کہ یہاں کے اہرام ہیں۔ اہرام جمع ہرم کی ہے جسکے معنے بوڑھے کے ہیں۔ چونکہ مصر کے قدیم مخروطی مینار اتنے قدیم ہیں کہ بدرستی کوئی جان نہیں سکتا کہ یہ کس زمانے میں تعمیر ہوئے تھے۔ اسلئے عربوں نے انکا نام اہرام یعنے بہت پرانے مینار رکھدیا۔ آجکل کی جدید تحقیقات کے مطابق جو محققین یورپ و امریکہ نے آثار قدیم مصر کے متعلق کی ہے۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ مینار تخمیناً چھ ہزار سال آج سے پہلے تعمیر کئے گئے ہوں گے۔ ابو التاریخ ہیروڈوٹس نے سنہ ۵ھ قبل مسیح ان میناروں کی قدامت پر اظہار حیرت کیا تھا۔ ایک عیسائی مصنف نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بھی اسے ایک سو سال قبل کی تعمیر بتلایا ہے۔ بہرحال انکی تعمیر کی غرض یہ تھی کہ ان میں ان زمانوں کے بڑے بڑے بادشاہ دفن کئے گئے تھے۔ اور ایسے طور پر انکے اندر ان کی لاشوں کو رکھا گیا تھا کہ باوجود کوشش سے کھودنے کے بھی لاشیں بڑی مشکل سے مختلف حجروں میں چھپی ہوئی ملیں۔ تاہم ایچ جی۔ ڈی۔ ڈاسینٹ ڈالماس صاحب نے اپنی ہرم اعظم اندر اور باہر سے

نامی کتاب میں اس سب سے بڑے مینار کی نسبت عجیب حالات لکھے ہیں اور اسبات پر بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ دوسرے اہرام کی طرح یہ بھی بطور ایک قبر کے استعمال کرنیکے لئے جیوپس نامی ایک نہایت قدیم بادشاہ مصر نے اسے تعمیر کیا تھا۔ لیکن اسکی لاش اس میں دفن نہیں کی گئی کہ یہ مینار بعض ستاروں کے نہایت نادر اقتران کے وقت تعمیر کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اسکے اضلاع اور اُسکے اندرونی حجروں کی پیمائش کے مقدار سے ثابت ہوتا ہے جو یورپ کے مختلف منجموں نے سالہا سال کی تحقیقات سے کی ہیں۔ اور کہ یہ ایک نادر رصد گاہ کی نیت سے بھی تعمیر ہوا تھا۔

خلیفہ مامون الرشید اور بڑے مینار کی اندرونی کیفیت

ہزارہا سال گذر چکے تھے مگر کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ ان عجیب ترین عمارات کے اندر کیا بھید ہے یا ان کی تعمیر کی کیا غایت ہے کہ آخر خلیفہ المامون عباسی نے ۸۲۰ء میں اس راز سربستہ کے معلوم کرنیکا ارادہ کیا اور اُسے بعض لوگوں نے بتلایا کہ قدیم سے خیال چلا آتا ہے کہ ہرم کے شمالی ضلع سے راستہ نکل سکے گا۔ خلیفہ نے ضلع کے وسط سے کام شروع کرایا۔ بحالیکہ سطح زمین سے اوپر ۲۴ فیٹ کچھ انچہ مشرق کیطرف ہٹکر داخلہ کا پتھر نصب تھا۔ غرض خلیفہ کے حکم سے صدہا مزدور اور کاریگر مینار کو چمٹے ہوئے تھے۔ مگر اس پتھر کے پہاڑ کے مقابلہ سے جلدی عاجز آ گئے۔ لیکن خلیفہ نے اصرار کیا کہ میں ضرور اسکے اندر کا راز منکشف کرنا چاہتا ہوں۔ آخر ہفتوں سے گذر کر مہینے ہو گئے۔ اور مزدوروں اور سنگتراشوں کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔ لاکھوں روپے شاہی خزانہ سے نکل گئے کہ ناگاہ ایک روز مزدوروں نے ایک جگہ سے ایک پتھر کے گرنے کی آواز سنی۔ یہ ایک پتھر راستہ کے سامنے جوڑا ہوا تھا۔ جو گر گیا۔ اور اندر کا راستہ نظر آ گیا۔ خلیفہ بڑے شوق سے اندر گیا۔ مگر بادشاہی کمرہ میں سوائے ایک سنگی خالی تابوت کے اور کچھ نہ تھا خلیفہ نے چپکے سے رات کو اتنی اشرفیاں خزانہ شاہی سے لیکر کہ جتنی مینار کی کھدائی پر صرف ہوئی تھیں۔ ایک جگہ مینار کے اندر ایک راستہ میں دفن کر دیں۔

اور ادھر سے گذرتے ہوئے انہیں نکالکر کہا کہ الحمد للہ ہیں خزانہ ملگیا۔ اور شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ جتنا خرچ ہوا تھا اُتنا نکل آیا ہے۔ چنانچہ اب سب سیاح ان کمروں کو دیکھتے ہیں۔ اور مینے بھی بعض راستے اس دنیا کے سب سے بڑی تعمیر کے اندر دیکھے تھے کہ جو زمانہ قدیم کے سات عجائبات میں سے ایک ہے۔ اور ان میں سے صرف یہی ابتک باقی ہے ورنہ باقی چھ عجائبات معدوم ہو چکی ہیں۔ مصر میں تین مختلف مقامات میں یہ مخروطی مینار موجود ہیں جو تعداد میں کل تیس ہیں لیکن انمیں سب سے بڑا مینار مع کئی چھوٹے میناروں اور سفنکس کے کہ جسکو عرب ابوالہول کہتے ہیں قاہرہ سے آٹھ دس میل کی مسافت پر واقعہ ہے۔

بڑے مینار کی عظمت

وہ عظمت اور ہول جو اس دنیا کی سب سے بڑی تعمیر کے دامن میں کھڑے ہونے سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتے ہیں کوئی قلم انکا صحیح نقشہ پیش نہیں کر سکتا۔ شہر مصر سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر دریائے نیل کی دائیں جانب ایک بلندی پر یہ مخروطی مینار واقع ہیں۔ بڑے مینار کی بلندی ۴۸۶ فیٹ یعنے دہلی کی قطب صاحب کی لاٹ سے دوچند اور ایک ضلع کا طول ۷۶۰ فیٹ ہے۔ کل رقبہ زیر آمد (۵۳۵۸۲۵) مربع فیٹ کل پتھر کی مقدار پانچ ملین ٹن اور کل جہائی کی مقدار ۸۹ ملین مکعب فیٹ ہے۔ مینار کے لفظ سے اس تعمیر کی شکل کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ بڑا مینار ایک مربع قطعہ اراضی پر تعمیر ہے جسکا ہر ضلع (۳۶۵) فیٹ ہے۔ جو بہت بڑے بڑے پتھر کی چٹانوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ چٹان تخمیناً ڈیڑھ گز لمبے اور گز سے زیادہ چوڑے اور اونچے ہیں۔ جو ان میناروں میں اینٹوں کا کام دیتے ہیں۔ ہر تہ سے اوپر کی تہ ایسا ایک ایک چٹان خالی چھوڑ کر رکھی گئی ہے ایسے طور پر کہ ہر بیرونی تہ چٹانوں کی ایک کھانے کی میز کے برابر اونچی سیڑہی اوپر چڑھنے کے لئے بن گئی ہے اور اس طریق تعمیر مینار نوکدار بنتا ہوا چوٹی پر ایک پتھر پر جا ختم ہوا ہے اور اسکے چاروں طرف سیڑہیاں سی بنگئی ہیں۔ مینے اسلئے ان میناروں کی صورت اور تعمیر کے طریق کو اس وضاحت

بیان کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ناظرین بدرستی سمجھ سکیں کہ انکی شکل کیسی ہے۔ کیونکہ باوجود مخروطی شکل کے خیال سے واقف ہونیکے میں انکی صحیح شکل نہیں جانتا تھا جب تک کہ مینے اُنہیں دیکھا نہیں تھا۔

پتھر جن سے یہ مینار تعمیر ہوئے ہیں اتنے بڑے ہیں کہ دیکھنے والے کو تعجب ہوتا ہے کہ یا تو اس زمانے میں کہ جسمیں یہ تعمیر ہوئے تھے۔ فنّ جرّ ثقیل آجکل سے بہت ہی زیادہ ترقی پر ہوگا۔ کیونکہ سینکڑوں میل کی مسافت سے یہ پتھر یہاں لائے گئے ہیں۔ اور پھر اتنی بلندی تک انکو چڑھایا گیا ہے۔ یا یہ انسانو کا کام نہیں ہے بلکہ جنات کا کام ہے۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی قسم کا خیال امام محی الدین عربی رح نے بھی ظاہر کیا ہے۔ آپنے بعض تحریرات سے جو ان مینارو پر کسی زمانے میں موجود تھیں۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ ستاروں کے ایسے اقتران کے وقت تعمیر ہوئے تھے۔ جسکو کئی ہزار سال گذرتے ہیں اور جنات نے ان کو تعمیر کیا ہوگا۔ یہ خیالات ان میناروں کے اہرام بنانیکے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں ہرم بہت بوڑھے کو کہتے ہیں کہ جسکی جمع اہرام ہے۔

ایک مینار گرانیکا خرچ

ان میناروں میں سے جو سب سے چھوٹا ہے اور اوپر سے اسکا پلستر خراب ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے اسکی یہ کیفیت مورخ بیان کرتے ہیں کہ ۵۹۳ھ ہجری میں ملک العزیز پسر سلطان صلاح الدین نے بعض احمق مشیروں کی تحریک سے اسے گرانا چاہا تھا۔ چنانچہ بہت سے سنگتراش اور مزدور اس کام پر لگا دیئے اور آٹھ مہینے تک سرگرمی سے اسے گرانے کی کوشش جاری رہی۔ جسپر ہزاروں روپے خرچ ہوگئے۔ مگر سوائے کچھ پلستر خراب کرنیکے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ایک قدیم مصری بادشاہ کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اگر میں اپنا تمام خزانہ بھی ان میں سے ایک مینار کے گرانے پر خرچ کردوں تو مینار کا بہت چھوٹا سا حصہ گرایا جا سکیگا۔ یہ مصری مینار ایسے عجائبات عالم ہیں کہ جنکی تھوڑی سی کیفیت درج کی گئی ہے۔

میناروں کی سیر قاہرہ کے جدید یورپین حصہ کے قریب دریائے نیل پر ایک پل بنایا گیا ہے جسے قصر النیل کہتے ہیں اور پل کی دوسری طرف موضع الجیزہ واقع ہے کہ جہاں مصر کا آثار قدیم کا نامور عجائب خانہ ہے کہ جسکی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے یہاں سے ایک غوش دیگر برقی ٹرام وے کے ذریعہ سے آدھ گھنٹہ میں ان میناروں کے دامن پہنچ جاتے ہیں یہاں جو لوگ میناروں کے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں وہ دو شلنگ دیکر ایک ٹکٹ خرید لیتے ہیں۔ اور جو صرف اُنکے گرد چکر لگانا چاہتے ہیں وہ ایک شلنگ کا ٹکٹ لیتے ہیں ٹکٹ کا دفتر یہیں موجود ہے ہر وقت بیسیوں یورپین دنیا کے ہر حصے سے اہرام کے دیکھنے کے لئے یہاں موجود رہتے ہیں۔ ہر ٹکٹ لینے والے شخص کے ہمراہ ایک عرب شیخ ایک ایک عرب کو متعین کر دیتا ہے اگر وہ شخص مینار کے اوپر چڑھتا ہے تو یہ شخص اُسے ان بڑی سیڑھیوں پر کھینچتا ہوا چوٹی تک لے پہنچتا ہے ہر سیڑھی کی بلندی تمہاری کمر یا ناف تک پہنچتی ہے اسلئے ناواقف شخص کا تنہا مینار پر چڑھ جانا سخت مشکل ہے کمزور شخصوں۔ بزدلوں اور یورپین عورتوں کو دو دو عرب کھینچکر چڑھاتے ہیں اگر اوپر چڑھتے ہوئے تمنے ذرہ بھی زمین کیطرف دھیان کیا تو تمہارا سر چکرا جاتا ہے اور تمہیں خوف دامنگیر ہو جاتا ہے کہ اگر یہاں سے پاؤں پھسل جائے تو کسی طرح بھی زندگی بلکہ جسم کا سلامت رہنا ممکن نہیں تاہم ہر روز سینکڑوں یورپین مرد اور عورتیں ان عربوں کی مدد سے بڑے مینار پر چڑھتے ہیں بعض لوگ اسکے اندر بھی گھستے ہیں اندر جانیکا راستہ بھی مشکل ہے کہ جسے عرب مشعلیں لیکر دکھلاتے ہیں اسلئے میں بہت دور نہیں گیا۔

ابو الہول اسی بڑے مینار سے ۲ سو گز کے قریب سفنکس یعنی ابو الہول کا عظیم الشان بت ہے جو ایک ہی پتھر کے چٹان سے تراشا ہوا ہے۔ نیچے کا دھڑ شیر کا اور سر عورت کا ہے جو قدیم اہل مصر کے نزدیک طاقت اور عقل کی علامت تھی۔ اگلی ٹانگیں پچاس فیٹ لمبی ہیں سر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابرو سے ٹھوڑی تک تیس فیٹ اور سر کی چوڑائی ۱۴ فیٹ ہے اس عجیب و غریب بت میں یہ نہایت حیرتناک بات ہے کہ اسکی آنکھوں سے حسرت برستی ہے اور اسکے اعضا میں اسقدر رشتہ کا تناسب قائم رکھا گیا ہے کہ اسمیں کوئی نقص نکالنا ممکن نہیں۔ مگر اب سفنکس کا ناک اور منہ کچھ خراب ہو گیا ہے جو معلوم ہوا کہ ایک دیندار مسلمان سلطان نے بت کی شان خراب کرنے کے واسطے توڑ دیا تھا

یہ عظیم بت مرور زمانہ کی وجہ سے ریگ میں دب گیا تھا کیونکہ جہاں یہ واقع ہے وہاں چاروں طرف ریگستان ہے لیکن اب ریگ کو چاروں طرف سے تھوڑا تھوڑا ہٹا کر اسکو نکالا گیا ہے اسکی قریب زمین کے اندر ایک مندر دکھلایا گیا جسمیں سبز اور سیاہ پتھر کی اتنی لمبی چٹانیں استعمال کی گئی تھیں کہ ایک چٹان کا طول میں نے سات گز لمبا اندازہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اسی قسم کے مندر ہر مینار کے ساتھ بنے ہوئے تھے جنمیں اس زمانے میں اُن بادشاہوں کی لاشوں کی پرستش ہوتی تھی کہ جو ان میناروں کی تہوں میں دفن تھے کیونکہ وہ لوگ بادشاہوں میں صفات الوہیت کے قائل تھے۔ نیل کے اس کنارے پر لق ودق ریگستان میں ان عظیم الشان اہرام اور ابوالہول کے دور سے دیکھنے سے عجیب ودلچسپ نظارہ پیدا ہوتا ہے اور آنکھوں کے سامنے وہ تمام بوقلموں نظارے پھر جاتے ہیں جو گذشتہ زمانوں میں ان قدیم میناروں پر گذر چکے ہیں۔ ایک عرب شاعر اس مضمون کو ان خوبصورت سطور میں قلمبند کرتا ہے ؎

تامّل ھیئت الھرمین وانظر (اہرام کی صورت دیکھو اور اسپر نظر کرو۔ اور ان
وبینھما ابوالھول عجیب دونوں کے مابین ابوالہول ایک عجیب چیز ہے)
وماء النیل بینھما دموع (اور دریائے نیل ان دونوں کے درمیان آنسوؤں کی طرح ہے
وصوت الریح عندھم نحیب اور ہوا کی صدا اُنکے نزدیک ماتم کی آواز ہے)
ودونھما المقطم وھو یحکی (ان دونوں سے اسطرف مقطم کی پہاڑی ہے جو کہتی ہے۔
رکاب الرکب ابرکھا اللغوب کہ سواروں کے اونٹوں کو تکان نے تھکا کر بٹھا دیا)

مصر کے مزدور جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں مصر کے مزدور بڑے خراب ہیں۔ یہ مسافروں کو لوٹتے ہیں اور ایسے بے اصول اور لٹیرے ہیں کہ کام کی ماہیت اور اُجرت کی مقدار میں کوئی بھی نسبت نہیں قائم کرتے۔ ایک دو آنہ کے کام کے بدلے سرک دو روپے مانگ لیتے ہیں۔ پھر خواہ تم جھگڑ کر انہیں چار آنہ تک لے آؤ۔ مگر ناواقف اکثر دھوکا کھا جاتا ہے۔ اور مصر میں ہر مرتبہ قلیوں اور گاڑیبانوں نے مجھ سے زیادہ مزدوری لی ہے۔ جب تم کسی مزدور کو اسکے مطالبہ کے موافق نہ دو تو قسمیں کھانے لگتا ہے۔ اور اکثر کہتا ہے "بحیات ربنا ھذا ما فش کافی" یعنی خدا کی قسم یہ تھوڑا ہے۔ "براس الحسین" یعنے امام حسین کے سر کی قسم۔

شاید مصر کے مزدور اسوجہ سے بھی اس زیادہ ستانی اور بے اصولی کے عادی ہو گئے ہیں کہ یورپین سیاح اور خصوصاً انگریز اور امریکن سیاح اپنی دولتمندی اور ملک کی ناواقفی کی وجہ سے مزدوروں کو منہ مانگی اُجرتیں دے دیتے ہیں اس سے وہ دوسرے مسافروں کو بھی دق کرتے ہیں مصر کے بندرگاہوں پر کئی قلی یا ترجمان اردو کے بعض فقرے بھی جانتے ہیں۔ اور انگریزی تو اکثر ٹوٹی پھوٹی بول سکتے ہیں۔

مصر کے مطابع۔ اخبارات اور بعض مشاہیر سے ملاقات

مصر کے مطابع مصر کے مطابع کے متعلق یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہاں دو قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ ایک تو قدیم مصنفین کی عربی تصانیف من قبیل۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ۔ صرف نحو وغیرہ اور دوسری زمانہ حال کی کتابیں جو کتب حدیثہ کہلاتی ہیں۔ مثلاً یورپین زبانوں کے ترجمے۔ یا درسوں کی کتابیں اور پمفلٹ وغیرہ۔ قدیم کتابیں علاوہ تاجروں کے مطابع کے مصر کے سرکاری مطبع یعنی میری بولاق میں چھپتی ہیں کہ جسے پہلے پہل خدیو محمد علی نے جاری کیا تھا اور یہاں سے آجتک بہت سی بیش قیمت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اس سرکاری مطبع کی کتابیں بھی دوسری کتابوں کی طرح بازار میں بکتی ہیں۔ یہ کتابیں نسبتاً اچھے کاغذ پر چھپتی ہیں اور کسیقدر گراں بھی ہوتی ہیں۔ مگر بازاری مطابع کی کتابیں عموماً خاکی کاغذ پر معمولی ٹائپ کے خط میں چھپتی ہیں اور مقابلۃً ارزاں ہوتی ہیں۔ ان میں عام دستور یہ ہے کہ ایک کتاب متن میں ہوتی ہے تو اسی فن یا اسی مصنف کی کوئی دوسری کتاب حاشیہ پر چڑھا کر ختم کیجاتی ہے۔ مصر میں مینے دیکھا ہے کہ ہندوستان کی نسبت کتابوں کے مجلد کر کے فروخت کرنیکا زیادہ رواج ہے۔ بعض کتابیں اجزا کی صورت میں بھی فروخت ہوتی ہیں۔ لیکن زیادہ مجلد بکتی ہیں۔ پتھر پر چھاپنے کا بہت کم رواج ہے اور سوائے قرآن مجید کے

شاذ و نادر کوئی دوسری کتاب پتھر پر چھاپی جاتی ہے۔ ایسی مصری کتابیں مصر میں بہت ارزاں بکتی ہیں۔ چنانچہ مینے مصطفےٰ بابی الحلبی تاجر کتب خان خلیل بمصر سے ڈیڑھ سو روپے کی کتابیں خریدیں۔ اور بعض دوسری کتابوں کے ساتھ بند کر کے سویز تک ریل میں اور پھر جہاز میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ لیکن اپنے ہمراہ لانے میں میرا خرچ نسبتاً زیادہ ہوگیا۔

کتب حدیثہ کتب حدیثہ کے چھاپنے والے مطابع علیحدہ ہیں۔ ان میں سے سب سے اچھا مطبع محمد علی صاحب کامل کا ہے۔ یہ کتابیں خوشنما ٹائپ سے چکنے ولایتی کاغذ پر زیادہ اہتمام سے چھپتی اور یورپ کی اچھی چھپی ہوئی کتابوں سے مقابلہ کر سکتی ہیں۔ محمد علی صاحب کامل ایک نوجوان مصری ہیں۔ انہوں نے فرانسیسی زبان اعلیٰ درجے تک تحصیل کی اور قانون کا امتحان پاس کرلیا۔ تاہم مطبع کے پیشہ کو ترجیح دی۔ اور خوبصورت عربی کتابیں چھاپنے کا انہیں بڑا شوق ہے۔

عربی اخبارات اور رسالے قاہرہ میں بہت سے روزانہ اور ہفتہ وار اخبار اور ماہوار رسالے عربی زبان میں شایع ہوتے ہیں جن میں بعض مسلمانوں اور بعض عیسائیوں کے ہیں۔ روزانہ اخبارات میں المؤیّد سب سے بڑا اخبار ہے۔ اور اب اللواء بھی ترقی کر رہا ہے۔ اور برقی طاقت سے شائع ہوتا ہے۔ گو المؤید کے ہوشیار مالک شیخ علی یوسف

المؤیّد صاحب کی لیاقت اور رسوخ سے انکا سکہ ایسا بیٹھ چکا ہے کہ مصر کے اچھے اچھے لوگ المؤیّد سے ڈرتے ہیں۔ المؤید دولت عثمانیہ کا طرفدار ہے مگر انگریزی قبضہ مصر سے بھی اظہار مخالفت نہیں کرتا۔ اور شاید دنیا میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ مجھ سے شیخ علی یوسف مالک و ایڈیٹر المؤیّد بڑی مہربانی اور محبت سے پیش آئے اور ان سے دو تین ملاقاتیں ہوئیں۔ آخری روز جب میں اُن سے رخصت ہوا تو افسوس کرتے تھے کہ میں نے اتنی جلدی رخصت ہونیکا ارادہ کر دیا۔ اس پر انہوں نے میری کچھ کیفیت حسن ظن کے ساتھ اس روز کے المؤیّد میں شائع کی اور مجھے اپنا فوٹوگراف بھی دیا۔ یہ دُبلے پتلے چھوٹے سے قد کے آدمی ہیں اور وطنی لباس پہنتے ہیں سوائے عربی زبان کے

کوئی مغربی زبان نہیں جانتے۔ مگر عربی لکھنے اور معاملات کے سمجھنے میں بڑے لائق ہیں۔ انکے نائب ایڈیٹر انگریزی اور فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں۔ دوران گفتگو میں مینے ان سے ذکر کیا کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کے اخبارات دیسی زبان کے اخبارات سے زیادہ معزز اور بڑے ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مصر میں صورت اس کے برعکس ہے وہاں عربی زبان کے اخبارات سب سے بڑے ہیں۔ مینے کہا کہ انہیں حاکم قوم کی زبان ہونے کا فخر ہے۔ جب شیخ علی یوسف صاحب نے مہربانی کر کے مجھے اپنا چھاپہ خانہ دکھلایا کہ جس میں ایک بہت بڑی مشین پر انکا اخبار چھپ رہا تھا تو مینے پوچھا کہ المؤید کی اشاعت کسقدر ہے۔ آپنے کہا آٹھ ہزار روزانہ ہے۔ یہ اشاعت ہندوستان کے شاید ہی کسی روزانہ انگریزی اخبار کی بمشکل ہو مصر میں بازاروں میں اخبارات بکنے کا رواج بہت ہے اور عام لوگوں میں اخبار خرید کر پڑہنے کا مذاق بھی خوب پیدا ہو گیا ہے۔

اللواء | میں مصطفےٰ کامل صاحب ایڈیٹر و مالک اللواء سے بھی ملا جنہوں نے ابھی سال گذشتہ روزانہ اخبار جاری کیا تھا۔ لیکن انکی ذات کی شہرت انکے اخبار سے بھی زیادہ ہے یہ ایک چھریرے بدن کے خوبصورت نوجوان ہیں۔ یورپین لباس پہنتے ہیں پہلے انہوں نے قانونی پیشہ کے لئے تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن جب لوطنی نے جوش مارا۔ انہوں نے اسبات کی تائید میں لکھدینے شروع کئے کہ انگلستان نے مصر میں عربی پاشا کی بغاوت کے وقت فوج بھیجتے وقت وعدہ کیا تھا کہ جب امن ہو جائیگا تو مصر خالی کر دیا جائیگا لیکن اب اس بات کو مدت طویل گذر چکی ہے اور مصر میں ہر طرح سے امن بھی ہے اب انگلینڈ اپنے وعدے کو ایفا کرے۔ یہ عربی زبان کے علاوہ فرانسیسی میں بھی اچھی تقریر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بار بار فرانس اور ایک بار جرمنی میں جاکر انہوں نے کئی تقریریں اس بارے میں کیں۔ اور وہاں کے ایڈیٹروں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ انہوں نے خیر و عافیت کے بعد مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان میں تم لوگوں کا کیا حال ہے تو مینے کہا اچھا ہے۔ ہم لوگ تعلیم حاصل کرنیکی کوشش کر رہے ہیں اور انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہمیں ہر طرح کی اصلاح اور ترقی کی آزادی حاصل ہے۔ جب میں نے اپنا مطلب انکو بخوبی سمجھا دیا۔

تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں انگریزوں کا دشمن ہوں وہ غلطی کرتے ہیں۔ میں تو انکے مصر پر قبضہ رکھنے کی ایک پالیسی کا مخالف ہوں۔ ورنہ انگریزوں میں میرے دوست موجود ہیں۔ یہانتک کہ لارڈ ڈفرن کا بیٹا جو جنگ ٹرانسوال میں مارا گیا ہے وہ میرا بڑا دوست تھا۔ میں نے جوانان مصر کی تعلیم۔ قومی خیالات اور خلوص اور کیریکٹر کی نسبت انکی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ بیشک وہ بہت ہوشیار اور معقول اور اہل خلوص ہیں کیونکہ ہماری ابتدائی تعلیم کی کتابوں میں یہ سب باتیں مدنظر رکھی گئی ہیں۔ ہم ملک اور قوم کے حقوق انہیں پہلے سکھلاتے ہیں۔ خاتمہ پر کہا کہ مصر میں کئی شیر غاروں میں سوتے ہیں جو بوقت ضرورت نکل آئینگے۔ لیکن میرے ہمراہیوں محمد شکری اور عابدین آفندی نے مجھے راستہ میں یقین دلایا کہ مصر کے نوجوان اکثر نالائق ہیں۔ تھوڑی سی فرنچ یا انگلش سیکھ کر نوکری حاصل کر لینے کے بعد سوائے کھانے شراب پینے اور عیش و عیاشی کے انکا اور کوئی کام نہیں۔ بہر حال مصطفیٰ کامل صاحب نہایت اور پرجوش آدمی معلوم ہوتے ہیں اور انکا اخبار ترقی کر رہا ہے۔ میرے واپس آنیکے بعد مصطفیٰ کامل پاشا کو بہت کامیابی ہوئی ہے۔ ان کے ہمخیال لوگ بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور سنہ ۱۹۰۷ء سے انہوں نے مصریوں کے قومی گروہ کے اغراض کی اشاعت کے لئے علاوہ روزانہ اللواء کے ایک فرانسیسی اور ایک انگریزی روزانہ اخبار لے تاندرد ایجپسیان " اور " دی ایجپشن سٹینڈرڈ " جاری کئے ہیں۔ مصر کی آزادی کے لئے کوشش کرنا اور باب عالی کی حمایت مصطفیٰ کامل[1] پاشا کی پالیسی کا خلاصہ ہے۔

المقطم یہ مسیحی روزانہ اخبار انگریزی قبضہ مصر کا اکیلا آرگن ہے۔ فارس نمر ایک مشہور عیسائی اسکا ایڈیٹر ہے۔ یہ اخبار خبروں میں متانت کا لحاظ رکھکر اندرونی معاملات ملک پر خوب لکھتا ہے۔ مگر عثمانی حکومت کی پالیسی پر ضرور منہ آتا ہے۔ وہ ترکوں پر بعض اوقات معقول اعتراض کرتا ہے۔ سب سے مقدم پالیسی اس اخبار کی انگریزوں کی رضاجوئی ہے۔ کیونکہ وہ صاحب طاقت ہیں۔

[1] سخت افسوس ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ء عین عالم شباب میں انکا انتقال ہو گیا ہے۔

الاہرام یہ بھی عیسائی روزانہ اخبار ہے جو عام مصری پبلک اور عثمانی پالیسی کو راضی رکھنا چاہتا ہے بعض اوقات یہ فرنچ حقوق کا بھی پاس کرتا ہے اور عموماً بے رو رعایت لکھتا ہے۔

ان کے علاوہ المنیر والظاہر وغیرہ اور کئی ایک روزانہ اور ہفتہ وار پولیٹیکل اخبار بھی قاہرہ سے شائع ہوتے ہیں۔ ماہوار رسالے الہلال۔ المنار۔ الحیات المقتطف انوار الاسلام وغیرہ کئی نکلتے ہیں کہ جنکی فہرست بہت لمبی ہے۔ ان میں سے میں رشید افندی صاحب ایڈیٹر المنار سے ملا۔ یہ بڑے لائق اور فاضل نوجوان ہیں ہندوستان

المنار کے اخبارات میں بارہا انکے بیش بہا رسالہ سے مضامین ترجمہ ہو کر چھپتے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اسلامی مسائل پر کس لیاقت سے لکھ سکتے ہیں۔ اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو صحابہ کبار کے زمانیکے مسلمانوں کی طرح بنانا چاہتے ہیں السید محمد عبدہ صاحب مفتی دیار مصر آپکے اعزہ سے ہیں۔ آپنے ان سے میری ملاقات

مفتی محمد عبدہ صاحب کرائی۔ مفتی صاحب علوم دینیات میں فاضل اجل ہیں اور زمانہ حال کے حالات سے بھی بے خبر نہیں۔ آپ اپنے اعلیٰ عہدے کی بہت سی ذمہ واریوں کے علاوہ اکثر سرکاری اور غیر سرکاری مجلسوں کے رکن رکین ہیں اور رفاہ عام کے کاموں میں مدد کرنیکے دل سے ساعی رہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے ایک روز مجھسے مسلمانان ہندوستان کی تعلیمی کیفیت دریافت کرکے کہا کہ کیا ایسی دنیاوی تعلیم سے طلبا مذہب کو تو نہیں بھول جاتے۔ میرے اس سوال کے جواب میں کہ کیا سوائے اسلام کے دیگر ادیان کے نیک لوگ بھی مستحق مغفرت ہیں یا نہیں۔ فرمایا کہ جو نیک بندے خدا کو ایک مانتے ہیں وہ بخشے جائینگے۔ جنت کے لئے نیک ہونے کی شرط ہے۔ بد مسلمان بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ جو خدا کو واحد نہیں مان سکتے ان کے دماغ صحیح نہیں۔ اور چونکہ نجات کے لئے مرد کامل ہونے کی ضرورت ہے وہ اسکو نہیں پا سکتے۔ اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔ آپنے اپنی تصنیف سے رسالہ التوحید اور تفسیر مفتی دیار مصر کے کئی نسخے دیئے۔ ایک روز میں ازہر میں انکے درس تفسیر میں بھی شامل ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ سنہ ۱۹۰۵ء میں ایسے علامہ کا انتقال

ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مفتی صاحب فرانسیسی بول سکتے تھے اور کہتے تھے کہ قصد ہے کہ چھ ماہ انگلستان میں رہ آؤں تاکہ انگریزی بولنا سیکھ لوں۔ اللہ! کیسے اُلوالعزم بزرگ تھے۔

خدیو المکرم کی ملاقات کا ارادہ

قاہرہ سے رخصت ہونے سے دو روز پہلے رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار نے مجھسے کہا کہ اگر مجھے حضرت خدیو المکرم کی ملاقات کا شوق ہو تو اسکا انتظام کریں چنانچہ اس گفتگو سے تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ایک گاڑی پر سوار ہو کر قصر عابدین میں جا پہنچے آگے ایک پہرہ تھا ہم اس سے آگے بڑھے تو ایک شخص نے ہمیں ایک ویٹنگ روم میں بٹھلا دیا جو آرام کرسیوں اور عمدہ فرش سے آراستہ تھا تھوڑی دیر میں ایک اور شخص نے آکر ہمیں ایک اُس سے بھی زیادہ پر تکلف کمرہ میں لیجا کر بٹھلا دیا۔ اتنے میں ایک افسر نے آکر اطلاع دی کہ حضور خدیو چار روز کے لئے شہر سے چند میل باہر تشریف رکھتے ہیں۔ اگر ضروری کام ہو تو بذریعہ ٹیلیفون اجازت حاصل کروں۔ لیکن چونکہ میں جہاز کا ٹکٹ خرید چکا تھا اور زیادہ ٹھہر نہیں سکتا تھا اس لئے ارادہ زیارت فسخ کر دیا۔

لطیف پاشا سلیم حجازی

شکری آفندی صاحب نے اعیان قاہرہ میں سے ایک علم دوست بزرگ لطیف پاشا سلیم حجازی سے ملاقات کرائی۔ پاشائے موصوف کے دل میں قومی درد کا بہت احساس تھا مگر ساتھ ہی انپر قومی بدنصیبی کی وجہ سے وفور یاس کا غلبہ تھا۔ انکی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان خواہ ہند میں ہوں ٹرکی یا مصر یا چین میں سب جگہ نالائق اور ذلیل ہیں۔ اب یہ اُمت مر چکی ہے۔ خدائے تعالےٰ جبتک کسی اور رسول کو ان کے احیاء کے لئے نہ بھیجے ممکن نہیں کہ یہ پھر پنپیں۔ اب انگریزی یا فرانسیسی پڑھنے۔ مدارس سے جاری کرنے مجلسیں قائم کرنے اور فابریقے (فیکٹریاں) بنانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ مینے کہا اس قدر مایوسی تو ایمان کے خلاف ہے اسپر پاشا صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں کوئی ہندوستان کا مسلمان قرآن کے صحیح مطالب کا انگریزی ترجمہ کر دیتا تاکہ اہل یورپ کو اتنا معلوم ہو کہ مسلمانوں کے

مذہب میں عیسائیوں سے محبت اور ان سے برادرانہ برتاؤ ضروری قرار دیا گیا ہے۔

میرزا ابوالفضل صاحب بہائی

میرزا صاحب بھی لطیف پاشا صاحب کو ملنے آئے تھے اور یہیں میری اُن سے ملاقات ہوئی۔ یہ بڑے علامہ اور باخبر آدمی معلوم ہوتے تھے انہوں نے کہا کہ گو میں برق ایجاد نہیں کر سکا لیکن برق ایجاد کرنیوالوں کو مسلمان کر لیتا ہوں۔ اُسوقت تو مجھے انکا یہ تبختر ناپسند آیا۔ لیکن تاہم مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مرزا صاحب مذہب بہائی کے بڑے نامور خادم ہیں اور انہیں کی کوشش سے اضلاع متحدہ امریکہ کے ہزارہا عیسائی بابی (بہائی) بن گئے ہیں۔

رخصت ہونے کے وقت پاشا صاحب نے اپنی تصنیفات سے "الفاصل بین الحق والباطل" ترکی عربی کی دو جلدیں، اور "خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلامؐ" کی چار جلدیں مجھے ہدیۃً دیں۔ لطیف پاشا سلیم صاحب قاہرہ کی مخلوط عدالت کے آنریری پریسیڈنٹ اور سابق مدیر صوبہ فیوم و انسپکٹر تعلیم فوجی رہ چکے ہیں۔ اسمٰعیل پاشا اور توفیق پاشا کے زمانہ میں ملک کے پالیٹکس میں آپ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ اسلئے کیا سرکار اور کیا عوام کی نظر میں یہ بڑی عزت رکھتے ہیں۔

شکری آفندی

محمد شکری آفندی صاحب کا بھی میں بہت مشکور ہوں۔ آپ نے بھی مجھے مصر میں کئی قابل دید مقامات دکھلائے اور بعض مشاہیر سے ملاقات کرائی۔ پہلے پہل جب میں دفتر المؤید میں گیا تھا تو ان سے ملاقات ہو گئی تھی۔ یہ صاحب دراصل ہندوستانی ہیں۔ مگر اب مدت سے مصر کی سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ گھر میں ترکی بیوی ہے۔ انگریزی جانتے ہیں۔ اور یورپین سیاح جو مصر میں جاتے ہیں یہ ان کی رہنمائی اور ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک روز انہوں نے مجھے اپنے گھر میں دعوت بھی دی۔

اہل مصر کے اطوار اور رسم و رواج

کچھ عجیب مصری خصوصیتیں

(۱) مصر میں بیماری چشم کا عارضہ بہت ہے، معلوم نہیں ملک کی آب و ہوا میں کچھ خصوصیت ہے، یا کیا بات ہے، (۲) مصر میں شادی کے متعلق یہ ایک عجیب رسم ہے کہ جب نکاح کے بعد زفاف ہوتا ہے تو دُلہن کے میکے اور سُسرال کی عورتوں کے مجمع میں دولہا کے ہاتھ کی انگلی سے دُلہن کی بکارت کا امتحان کرایا جاتا ہے۔ اگر دولہا اس بیحیائی کے کام سے شرم کرے تو دائی کے ہاتھ سے اس کی تصدیق کرائی جاتی ہے۔ کیپ کالونی اور ٹرانسوال میں جو ملائی مسلمان آباد ہیں اُن میں بھی ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر نے لکھا تھا کہ ایک اسی قسم کی رسم موجود ہے۔ جو شب زفاف کے بعد نئے جوڑے کے بستر کی چادر سے بکارت کی تصدیق کی جاتی ہے اور اگر بیوی اس امتحان میں کامیاب نہ نکلے تو دوسری صبح اسکے خاندان کی عورتوں کے روبرو اُسے ذلیل کیا جاتا ہے (۳) مصری اکثر مالکی اور شافعی مذہب کے پیرو ہیں۔ حنفی بہت کم ہیں۔ اسلیئے تمام پانی کے جانور مثل کچھوہ اور کینکڑے وغیرہ کے کھا جاتے ہیں (۴) عام مصری حماموں میں اکثر برہنہ ہو کر غسل کرتے ہیں اور آپسمیں ایک دوسرے سے حجاب نہیں کرتے (۵) مصری شراب بھی عموماً پیتے ہیں۔ اور بہت کم ہوں گے جو نہ پیتے ہوں۔ (۶) مصری فلاح تو کہیں رہے مزدور اور فقیر تک جورابیں پہنتے اور ستھرے رہتے ہیں۔ ہندوستان کی نسبت معاشرت وہاں بہت اعلیٰ ہے اور آسودگی زیادہ ہے (۷) مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں مصری فلاح فوجی نوکری سے محفوظ رہنے کے لیئے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کاٹ ڈالتے تھے۔ لیکن ابتک بہت لوگ ہیں۔ جو اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیتے ہیں یا ادویات کے ذریعہ سے کمزور و ناتوان بنجاتے ہیں تاکہ بھرتی کرنے والا سرجنٹ ان کا نام فوج میں نہ درج کرلے۔ اور اگر ان لوگوں کی یہ شرارت معلوم ہوجاتی ہے تو انہیں سزا دیجاتی ہے۔ اگر مصری نوجوان کہ جنکی بھرتی کا زمانہ قریب ہو سفر

کو جائیں تو ضمانت دیکر جاتے ہیں کہ بھرتی کے وقت واپس آجائیں گے۔

(۸) فلاح خسر اپنی حکومت جتانیکے لئے اپنی بہو بیچاری کی ہڈیاں اکثر نرم کرتا رہتا ہے، اور بوجہ مشترک کنبہ کے طریقہ اور مشرقی حیاشعاری کے شوہر کو اپنی بیوی پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

قہوہ خانے لوکندے یہاں قہوہ خانوں میں تھوڑے بہت اخبارات بھی پڑھے جاتے ہیں اور خوش گپی بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن عموماً لوگ نردوں یا لکڑی کے چپٹے پھٹوں سے گنجفہ یا تختہ نردہی کھیلتے رہتے ہیں۔ ایک پیر ہفتاد سالہ ایک دس بارہ سال کے لڑکے کے ساتھ بھی بازی کھیل رہا ہے۔ اور دونوں بڑے خوش ہیں۔ لوکندوں سے ہر قسم کا کھانا ملتا ہے۔ ایک روز رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار نے ایک لوکندہ میں ہی میری دعوت کی۔ اور بہت پرتکلف کھانا کھلایا۔

بخشیش افسوس ہے کہ بخشیش مانگنے کی بہت بری رسم یہاں زور سے پھیلی ہوئی ہے۔ جو لوگ کچھ کام کرتے ہیں۔ یا جو مجاور یا ملازم وغیرہ ہیں وہ تو شائد اپنا کچھ حق سمجھتے ہوں لیکن راہ چلتے ایک لڑکا بھی بخشیش مانگ بیٹھتا ہے۔

سلام کا طریقہ مصر میں سلام کا طریقہ مجھے بڑا عجیب معلوم ہوا۔ دو شخص ایک دوسرے سے ملکر آپسمیں ہاتھ پر ہاتھ رکھدیتے ہیں۔ چلئے سلام ہوچکا۔ شام کی طرح یہاں بھی لوگ رخصت کے سلام کے وقت مع السلامہ کہتے ہیں۔ شام میں ایسے موقعے پر بعض دفعہ خاطرکم بھی کہتے ہیں۔ عیسائی جب ملتے ہیں تو السلام علیکم کی بجائے "سعیدہ" کہتے ہیں۔ سیدی و مولائی کہنے کا تکلف کی گفتگو میں رواج ہے۔ سر آنکھوں پر کہنے کے لئے۔ بالرأس والعیون۔ یا عیونی۔ بھی کہتے ہیں۔

بوجھ مینے مصر سے ایک صندوق عربی کتابوں کا خریدا جس نے مجھے راستہ میں بہت تکلیف دی اور اسپر خرچ بھی اس سے زیادہ ہوا کہ جسقدر مال کے اکیلا آنے میں ہوتا جہاز میں لوگوں کے پاس اس سے بھی وزنی اسباب بلا کرایہ موجود تھے لیکن مینے ناواقفی

کی وجہ سے ایک پونڈ سے زیادہ اسپر کرایہ خرچ کردیا۔ قاہرہ میں مینے سب جہازوں کی کمپنیوں کے کارخانوں میں جاکر معلوم کیا کہ کون جہاز ہندوستان کو جلدی جانیوالا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ آسٹرین لائیڈ کمپنی کا جہاز امپریٹر تیار ہے۔ مینے قاہرہ سے ہی ٹکٹ خرید لیا۔ ساتؔ بجے شام کو قاہرہ سے چلکر ۱۲ بجے شب کو اسمٰعیلیہ پہنچے جہاں ریل گاڑی بدلنی پڑی۔ صبح سویز پہنچکر ۹ نومبر کی شام کو جہاز پر سوار ہوگیا۔

سویز سویز بوجہ نہر سویز ایک خاصا قصبہ بنگیا ہے۔ یورپین کانسلوں اور تجارتی کمپنیوں کے مکانات بڑے عالیشان ہیں۔ یہاں بھی قہوہ خانے بڑے تکلّف کے ہیں۔ دیسی شہر نئی آبادی سے الگ ہے۔ یہاں کا بندر خراب ہے۔ اور کشتی میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھنے کے بعد جہاز کے کھڑے ہونے کی جگہ تک پہنچتے ہیں۔ بوجہ کوئلہ گراں ہوجانیکے ۱۵ اکتوبر سے ہندوستان کو جہاز لانیوالی سب کمپنیوں نے ایکا کرکے کرایہ جہازوں کا دس فیصدی بڑھا دیا تھا۔ اس جہاز کا دوم درجہ کا کرایہ سویز سے ۱۹ پونڈ ۱۰ شلنگ اور سوم درجہ کا ۵ پونڈ بمبئی تک تھا۔ اتفاق سے مجھے بعض یورپین مسافر اس جہاز پر ایسے ملے کہ جو میرے ساتھ ہی ہندوستان سے یورپ کو چھ چھ ماہ کی رخصت پر گئے تھے۔ مجھے جہاز پر سوار ہوتے ہی بوجہ قبض بخار ہوگیا جسکے لئے مسہل کرنا پڑا۔ دو روز کے بخار اور مسہل سے طبیعت بہت ضعیف ہوگئی۔ سمندر بہت ٹھنڈا تھا۔ ۱۲ نومبر کی رات کے ۱۲ بجے جہاز نے عدن پہنچکر لنگر ڈالا۔

عدن اور سہ پہر کو لنگر اُٹھایا۔ عدن میں اُتر کر مین نے بندر کو دیکھا۔ بوجہ نقاہت کے شہر عدن تک جانے کی جرأت نہ پڑی۔ جو بندر سے دو تین میل ہے۔ دہوپ اس جگہ ایسی سخت تھی کہ دوپہر کو چلنا مشکل تھا۔ یہاں کا مدرسہ مینے دیکھا جس میں

سُمالی طلبا سُمالی لڑکے پڑھ رہے تھے۔ مدرس بھی سمالی قوم کا تھا۔ منجملہ دیگر باتوں کے اس نے بتلایا کہ ان لوگوں میں انساب یاد رکھنے کا کیسا رواج ہے۔ دو تین آٹھ آٹھ سال کے بچوں نے مجھے آٹھ آٹھ سات سات اجداد کے نام سنا دیئے۔ خود معلّم نے اپنی بیس پشتوں کے نام سلیٹ پر لکھکر مجھے دیئے۔ اور پھر زبانی سنادیئے

اُس نے کہا ایسا مینے اس لئے کیا ہے کہ تمہیں شک نہ ہو کہ میں فرضی نام سُنا رہا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ سمالی بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ اور بعض لڑکے جہازوں کے قریب جاکر جرمنی۔ فرانسیسی۔ انگریزی جس زبان کے الفاظ اور فقرات سنتے ہیں یاد کر لیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ان زبانوں میں ٹوٹی پھوٹی باتیں کر سکتے ہیں۔

مُعاودتِ وطن

گر ازیں منزلِ غربت بسوئے خانہ رَوم — قصد کردم کہ ہم از راہ بمیخانہ رَوم
تا بگویم کہ چہ کشفم شد ازیں سیر سلوک — بر درِ میکدہ با بربط و پیمانہ رَوم
آشنایانِ رہِ عشق گرم خوں بخورند — ناکسم گر بشکایت بر بیگانہ رَوم

(حافظ)

بمبئی پہنچنا فضل الٰہی سے موسم بہت اچھا تھا۔ اور ۱۲ نومبر کو عدن سے چلکر ۱۹ کی شب کو ۱۲ بجے جہاز بندر بمبئی میں پہنچگیا۔ شہر بمبئی کی برقی اور گیس کی روشنی دور سے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ عدن سے بہت سے ہندوستانی مسافر تھرڈ کلاس میں سوار ہوئے تھے۔ اور مینے سنا کہ عدن اور بمبئی کے درمیان ہندوستانیو کی بہت آمد و رفت رہتی ہے۔ بعض لوگ سواحل افریقہ سے بھی عدن میں آجاتے ہیں اور پھر بمبئی کو آتے ہیں۔ بعض مسافر جنکے بمبئی میں مکانات تھے وہ رات کے ۱۲ بجے ہی جہاز سے اُتر گئے۔ گو دوسری صبح ۹ بجے پائلیٹ کی مدد سے جہاز آہستہ آہستہ چل کر گودی میں پہنچا۔

کسٹم کی تکلیف یہاں اُترنے کے بعد کسٹم (چنگی) کے افسروں نے لوگوں کا مال دیکھنا شروع کیا۔ بہت سے انگریز تو بہت بہت مال کے صندوق لیکر چلے جاتے مگر ان سے کوئی نہ پوچھتا۔ اور ہندوستانیوں کے چھوٹے چھوٹے بکس اور ٹرنک بھی کھلوائے جاتے۔ میرے پاس سات آٹھ روپے قیمت کی قابل محصول اشیاء تھیں مجھے ایک شخص نے میرے قلی کی معرفت کہا کہ اگر پانچ روپے دے دو تو گذر جانے دینگے۔

ورنہ بڑی تکلیف ہوگی۔ آخر وہ شخص تین روپے لینے پر راضی ہوگیا۔ مگر میںنے نہ مانا میرے اسباب سے اشیاء قابل محصول امانت رکھکر مجھے رسید دے دیگئی۔ اور جس تکلیف سے بعد کے دوروز میں میںنے محکمہ کسٹم سے اس کلرک سے اُس اور اُس کلرک سے اِس کلرک کے پاس پھر کر اپنی اشیاء کو حاصل کیا اور انپر دس گیارہ آنے محصول دیا ہے۔ اگر وہ مجھے پہلے معلوم ہوتی تو میں یقیناً پانچ روپے بھی دیکر خلاصی کرالیتا محکمہ کسٹم کے ماتحت ملازم لوگوں کو بڑی تکلیف دیتے ہیں اور کام کرنے کے طریقے اتنے لمبے اور پیچیدہ ہیں کہ ناواقفوں کو اس سے سخت تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے کہ جسکے سامنے شرح محصول کسٹم ہیچ ہے۔

بزرگان بمبئی کی قدردانی

بمبئی میں خانصاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب جنکا افسوس ہے کہ اسکے بعد انتقال ہوچکا ہے (خدا غریق رحمت کرے بہت اچھے آدمی تھے) اور مولوی عبداللہ احمد صاحب مترجم عربی و فارسی ہائیکورٹ اور ان کے احباب نے محمدن کلب کیطرف سے مجھے ایک پارٹی دینے کا اہتمام کر رکھا تھا لیکن میںنے منت و اصرار سے ان سے معافی حاصل کی۔ تاہم خانصاحب شیخ ابراہیم حافظ کی توجہ سے ۱۲ نومبر کو اخبار مسلم ہیرلڈ کے دفتر میں ان کے احباب خاص کے ایک مجمع میں ایک پرتکلف ٹی پارٹی دی گئی۔ اور مجھے بمبئی کی رسم کے مطابق پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اسی روز جسٹس بدرالدین طیب جی صاحب سے (افسوس ہے کہ طیب جی صاحب کا بھی اس زمانہ میں انتقال ہوچکا ہے۔ ع

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھے"

اسلام کلب میں شام کے ۶ بجے میری ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ جب وہاں سے فارغ ہوا تو پھر خانصاحب شیخ ابراہیم حافظ صاحب اور انکے دوست ڈاکٹر غلام سرور خانصاحب سے ملاقات ہوئی۔ ہر چند کہ میرا کل تک ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا مگر ڈاکٹر صاحب کے اصرار سے مجھے کل شام کو انکی دعوت قبول کرنا پڑی۔ ۷ بجے شام دعوت کا وقت تھا۔ اور ۸½ بجے ریل ہندوستان کو روانہ ہوتی تھی۔ اس لئے میں اسباب

گاڑی پر ساتھ ہی لیکر کھانا کھانے کو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی فیاضی سے ایک پرتکلف دعوت تیار کی تھی۔ جسکا مجھے پہلے خیال بھی نہ تھا۔ اس میں بمبئی کے کئی نامی گرامی رئیس اور نامور مسلمان مدعو تھے جنمیں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں بدرالدین صاحب۔ عبداللہ قور ممبر میونسپل کارپوریشن۔ قاضی محمد علی صاحب لونڈے قاضی بمبئی۔ سردار عبدالعلی خانصاحب خان بہادر افسر پولیس بمبئی۔ حاجی محمد آیا سیٹھ صاحب رئیس بمبئی۔ مولوی عبداللہ احمد صاحب مترجم ہائیکورٹ۔ شجاع الدین صاحب بلگرامی۔ منشی محمد امیر صاحب ایڈیٹر مسلم ہیرلڈ۔ خانصاحب شیخ ابراہیم حافظ کنٹر کٹر۔ خانصاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب۔ مولوی عبدالودود صاحب ایڈیٹر نیر اعظم۔ میرزا حسین خانصاحب بالسٹر۔ میزبان ڈاکٹر غلام سرور خانصاحب۔

ریل کے وقت کی تنگی کی وجہ سے میں صاحب میزبان کا کافی شکریہ بھی ادا نہ کرسکا کہ سٹیشن کو مولوی عبداللہ احمد اور ڈاکٹر فضل احمد صاحبان کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ ۹ بجے شام کو گاڑی روانہ ہوئی۔ ۱۰ بجے صبح احمد آباد پہنچی۔ دوسرے روز ۹ بجے صبح باندیکوئی۔ اور ۲ بجے شام کو دہلی پہنچی۔ میرے کرم فرما دوست حافظ عبدالمجید صاحب مالک اے برکت کمپنی دہلی اور مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ سٹیشن پر منتظر تھے۔ حافظ صاحب کے یہاں شام کو کھانا کھایا اور ۱۱ بجے پھر سہارنپور کو جانیوالی گاڑی پر سوار ہوگیا۔ صبح گاڑی انبالہ پہنچی۔ میرے بعض محب کل ہی انبالہ تک میرے ملنے کیلئے لاہور سے آکر لوٹ گئے تھے۔ کیونکہ بمبئی سے جو پہلے اطلاع روانگی کی بھیجدی تھی۔ اُسکے مطابق میں نہیں روانہ ہوا تھا۔ مجھے یہ معلوم کرکے بھی افسوس ہوا کہ لودیانہ کے احباب بھی اسی طرح سٹیشن سے ملاقات کرسکنے کے سوائے لوٹ گئے۔ امرتسر کے احباب کا مجمع اسی روز ۱۱ بجے کی ریل پر جمع ہوا تھا مگر مجھے اسمیں نہ پاکر بڑی مایوسی سے لوٹ گیا۔ اور پھر بعض محبان صمیم مثل شیخ فیروزالدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و شیخ غلام محمد صاحب مالک ایڈیٹر وکیل و شیخ محمد عمر صاحب بیرسٹر و شیخ امام الدین صاحب وغیرہ وغیرہ کہ جنکے نام یہاں درج نہیں ہوسکتے۔ مگر جن کی

توجہ کا میں بدل مشکور ہوں۔ آج پھر سٹیشن پر مجھے ملنے کو تشریف لائے۔ چار بجے گاڑی لاہور پہنچی سٹیشن پر میرے عزیزوں۔ دوستوں۔ مہربانوں اور ہندو مسلمان اہل شہر کا بہت بڑا مجمع تھا۔ پلیٹ فارم پر اسقدر ہجوم تھا کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ میں تعجب کرتا تھا کہ بندے کونسا ایسا کام کیا ہے کہ میرے اہل وطن اور دوست اسقدر مجھ پر مہربان ہیں۔ مجھے پھولوں سے لاد دیا ہے۔ یہ صرف ان لوگوں کی محبت اور مہربانی کا نتیجہ تھا۔ سٹیشن سے میری گاڑی کے ہمراہ ایک لمبی قطار دوستوں کی گاڑیوں کی کارخانہ پیسہ اخبار تک آئی۔ مکان کا وسیع صحن فرش اور فرنیچر سے آراستہ تھا۔ یہاں سب بزرگوں کی ریفرشمنٹ سے تواضع کی گئی۔ حاضرین میں سے اسی وقت بعض نے خیال ظاہر کیا کہ میں اپنے سفر کے کچھ حالات سب کے سامنے بیان کروں۔ چونکہ تین شب و روز سے بلاوقفہ بمبئی سے سفر کرتا ہوا آرہا تھا بوجہ ماندگی کے بندے عذر کیا۔ شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے ایڈیٹر آبزرور و اسسٹنٹ سکرٹری انجمن اسلامیہ نے اپنی طرف سے۔ اور نیز منشی شمس الدین صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ و حمایت اسلام لاہور کی طرف سے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ ان دونوں انجمنوں کی طرف سے نیاز مند کے لاہور پہنچنے کے وقت احباب کو سٹیشن تک زحمت فرمانے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔ اور نیز شیخ صاحب نے میری طرف سے عذر کیا کہ میں ابھی لکچر دینے کے قابل نہیں ہوں۔ کسی دوسرے موقعے پر اپنے جستہ جستہ تجربات سفر بیان کرونگا۔ چنانچہ یہ لکچر ۲۳ دسمبر کو روز یکشنبہ ۳ بجے سہ پہر کے اسلامیہ کالج لاہور میں۔ اور دوسری مرتبہ دفتر ٹربیون میں زیر صدارت پروفیسر آرنولڈ صاحب دیا گیا۔

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ میری سفر کی آرزو میں مجھے کامیابی ہوئی اور میں اسقدر دور دراز ممالک سے بخیریت وطن میں واپس پہنچا۔

وللہ الحمد

تمام شد